جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (القرآن)

معرکہ حق و باطل

بجواب جاء الحق

www.KitaboSunnat.com

مصنف

مولانا خواجہ قاسم رحمہ اللہ

تہذیب ونظرثانی

مولانا محمد یحیی حفظہ اللہ

مکتبہ الحرمین

ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

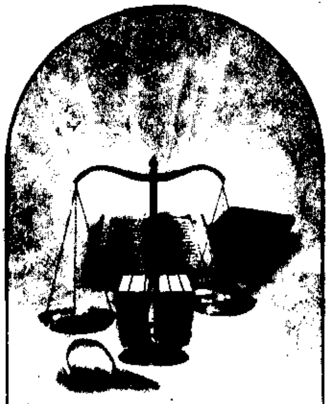

معرکہ حق و باطل

بجواب جاء الحق

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (القرآن)

معرکہ حق و باطل

بجواب جاء الحق

مصنف
مولانا خواجہ قاسم رحمہ اللہ

تہذیب و نظر ثانی
مولانا محمد یحیٰ حفظہ اللہ

مکتبہ الحرمین
ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق پبلیشرز محفوظ ہیں

نام کتاب

معرکہ حق و باطل بجواب جاء الحق

مصنف ـــــــ مولانا خواجہ قاسم رحمہ اللہ

تہذیب و نظر ثانی ـــــــ مولانا محمد یحییٰ حفظہ اللہ

تاریخ اشاعت ـــــــ اکتوبر 2014ء

مکتبۃ الحرمین
ماڈل ٹاؤن
گوجرانوالہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

کچھ مصنف کے بارے میں ۷
فتح مبین ۸
خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات ۱۱
ابتدائی حالات، ایک اہم واقعہ، تعلیم ۱۱
آپ کے مشہور اساتذہ ۱۲
تاریخی اعزاز ۱۲
تدریس ۱۳
خطابت ۱۳
خواجہ صاحب کا مزاج ۱۳
بے تکلفی ۱۴
خودداری ۱۴
خطابت ۱۵
محمد یوسف بٹ صاحب کے اہلحدیث ہونے کا واقعہ ۱۵
تالیفات ۱۶
① تین طلاقیں ۱۶
② قبر پرستی اور سماع موتی ۱۶
③ "وسیلہ" کتاب وسنت کی روشنی میں ۱۷
④ تبلیغی جماعت (اپنے نصاب کے آئینے میں) ۱۷
⑤ کراچی کا عثمانی مذہب اور اس کی حقیقت ۱۷
⑥ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ۱۸
⑦ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃِ (نماز کے ضروری مسائل، حصہ دوم) ۱۸
⑧ ہدایہ عوام کی عدالت میں ۱۸
⑨ فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ۱۸
⑩ معرکہ حق وباطل بجواب جاء الحق ۱۹
⑪ تعویذ اور دم کتاب وسنت کی روشنی میں ۱۹
⑫ مقالات خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ۱۹
⑬ وفات (دوران نماز جمعۃ المبارک ۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء) ۱۹
تعارف ۲۱
معرکۂ حق وباطل بجواب جاء الحق ۲۱
دیباچہ ۲۸
تقلید کی بحث ۳۴
دوسرا باب: کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں ۳۷
تیسرا باب: کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں؟ ۳۸
تقلید واجب ہونے کے دلائل ۴۱
اقوال مفسرین ومحدثین ۵۰
دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں ۵۲
پانچواں باب: تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں ۶۲
استنباط یعنی قیاس کی بحث ۸۱
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب ۸۵
تقلید کی اہمیت ۸۹
احادیث شریفہ ۹۲
وہابی اور حدیث ۹۹
علم غیب ۱۱۰
پہلا باب: علم غیب کے ثبوت میں ۱۱۲
علم غیب کی احادیث کے بیان میں ۱۳۲
علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں دربارۂ علم غیب ۱۳۹
پانچویں فصل: مخالفین کی تائید کے بیان میں ۱۴۳
چھٹی فصل: علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں ۱۴۳
علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں ۱۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل: آیاتِ قرآنیہ کے بیان میں ۱۵۱
دوسری فصل: نفی غیب کی احادیث کے بیان میں ۱۷۹
تیسری فصل: علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں ۲۰۸
چوتھی فصل: علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں ۲۰۸
حاضر، ناظر کی بحث ۲۲۶
پہلا باب حاضر و ناظر کے ثبوت میں ۲۲۶
آیاتِ قرآنیہ سے ثبوت ۲۲۶
احادیث کے بیان میں ۲۳۹
تیسری فصل: حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماءِ اُمت کے اقوال سے ۲۴۸
حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے ۲۵۴
حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلیہ سے ۲۵۵
دوسرا باب: مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کے بیان میں ۲۶۱
حضور ﷺ کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث ۲۷۶
مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے جواب میں! ۲۷۹
بحث نداء یارسُول اللہ یا نعرہ یارسُول اللہ ۲۹۰
نداء یارسُول اللہ پر اعتراضات ۲۹۷
بحث اولیاءاللہ و انبیاء سے مدد مانگنا ۳۰۵
اولیاءاللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت ۳۱۱
استمداد اولیاءاللہ پر اعتراضات کے بیان میں ۳۱۷
بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ۳۲۸
بدعت کی تعریف و تقسیم پر اعتراضات و جوابات ۳۴۴
محفل میلاد شریف کا ثبوت ۳۵۱
میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں ۳۶۰
قیام میلاد کے بیان میں ۳۶۷
قیام میلاد پر اعتراض و جواب ۳۷۳
بحث فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں ۳۷۷
فاتحہ پر اعتراض و جواب ۳۸۵
بحث دعا بعد نماز جنازہ کے تحقیق میں ۳۹۶
دُعا پر اعتراضات و جوابات ۴۰۲
مزاراتِ اولیاءاللہ پر گنبد بنانا ۴۰۶
عمارت قبر پر اعتراضات و جوابات ۴۱۷
بحث مزارات پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا ۴۲۴
اعتراضات و جوابات ۴۲۷
قبر پر اذان دینے کی تحقیق ۴۳۸
اذانِ قبر پر اعتراضات و جوابات ۴۴۴
عرس بزرگان ۴۴۹
زیارت قبور کے لیے سفر کرنا ۴۵۹
سفر عُرس پر اعتراضات و جوابات ۴۵۹
کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں ۴۶۶
کفنی لکھنے پر اعتراضات ۴۶۹
بلند آواز سے ذکر کرنا ۴۷۰
ذکر بالجہر کے ثبوت میں ۴۷۰
ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات ۴۷۴
اولیاءاللہ کے نام پر جانور پالنا ۴۷۷
اولیاءاللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات و جوابات ۴۷۹
اس پر اعتراضات و جوابات ۴۹۱
عبد النبی، عبد الرسول نام رکھنا ۴۹۷
اس پر اعتراضات و جوابات ۴۹۹
اسقاط کا بیان ۵۰۲
حیلہ شرعی کے جواز میں ۵۰۶
حیلہ اسقاط پر اعتراضات و جوابات ۵۰۹
اذان میں انگوٹھے چُومنے کا بیان ۵۱۵
انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات ۵۱۸
جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا ۵۲۲
اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات ہیں ۵۲۴
خاتمہ کتاب ۵۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ مصنف اور تصنیف کے بارے میں

از مؤرخ اہلحدیث الشیخ محمد اسحاق بھٹی صاحب
متعنا اللہ بطولہ حیاتہٖ

خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہلحدیث کے مشہور عالم دین تھے۔ جو تصنیف و تالیف کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے اور پوری تحقیق سے اپنی علمی کاوشوں کو صفحات قرطاس پر مرتسم کرتے تھے۔ ہر بات باحوالہ، ہر جملہ محققانہ اور فقرہ مخلصانہ ہے۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اور ہر کتاب کے ہر ورق میں وسعت مطالعہ کا ثبوت بہم پہنچایا۔ تصنیفی نقطہ نظر سے یہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مرحمت فرمائی تھی اس کتاب معرکہ حق و باطل میں بھی انھوں نے اپنے اس اسلوب کو برقرار رکھا ہے جس کتاب کے جواب یا ردّ عمل کے طور پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف نے ہر مقام پر جارحیت کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ پوری کتاب، میں جارحیت اور غلط بیانیوں سے بھرپور ہے۔ اگر اس سے جارحانہ عنصر نکال دیا جائے تو باقی کچھ بھی نہیں رہتا۔ اس کے برعکس خواجہ صاحب نے نہایت اعتدال اور انتہائی توازن کے ساتھ اصل واقعات کی تصویر کشی کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انہوں نے قاری کو معلومات بھی دی ہیں۔ اعتدال پسند رویہ اختیار کرنے کی تلقین بھی کی ہے خوب صورت زبان بھی دی ہے اور دل میں اترنے والا مواد بھی دیا ہے۔ کتاب کے فاضل مصنف سے ہمیں یہی توقع تھی جس طرح وہ معاشرتی زندگی میں حلم اور نرمی کے پیکر تھے اور مجلس میں خوش گفتار تھے یہی انداز انہوں نے اس کتاب میں اختیار کیا ہے۔ خاندانی اعتبار سے جہاں تک میں جانتا ہوں انھوں نے یہ اوصاف اپنے بزرگوں سے ورثے میں حاصل کیے ہیں۔ اب آیئے اصل کتاب کا مطالعہ کر کے حقیقت حال سے آگاہ ہونے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں اور مرحوم کی مغفرت کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دست التجا دراز کریں۔

محمد اسحاق بھٹی

ادارہ ثقافت اسلامیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح مبین ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ۔ امابعد!

① معرکہ حق و باطل ایک ایسی توحیدی یلغار ہے جس نے شرک وکفر، بدعات ورسومات اور تقلید شخصی کے جمودات کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے ہیں۔

② معرکہ حق و باطل ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جس نے معاشرے کی تمام مروجہ من گھڑت میٹھی میٹھی بدعات کا قلع قمع کردیا ہے۔

③ معرکہ حق و باطل علم کی دنیا میں ایسا انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں باحوالہ تمام خود ساختہ ہندووانہ رسومات ورواج سے کشید کئے گئے مذہبی شعائر کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ مکمل طور پر رَد کردیا ہے۔ اب ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی مائی کا لعل مرتے دم تک قرآن و حدیث سے مزین ان دلائل کا جواب نہیں دے سکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

④ معرکہ حق و باطل عقائد کی دنیا میں پختہ، مضبوط اور معرکۃ الآراء کتاب ہے جس میں حاضر وناظر، علم غیب، نور بشر کی ایسی بے مثال لاجواب اور باکمال وضاحت کی گئی ہے کہ فریق مخالف کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ تبھی تو خواجۂ خواجگان، ضیغم اسلام حضرت خواجہ الحافظ محمد قاسم صاحب مرحوم رحمہ اللہ نے جہاں بہت سے دلچسپ، مزے دار بلکہ چٹخارے دار جملے لکھے ہیں وہاں پر ایک نہایت ہی دلفریب اور پُرلطف جملہ لکھا ہے کہ ”مزا تو تب آتا اگر مفتی احمد یار خان گجراتی کاٹھیاواڑی بذاتِ خود زندہ ہوتے اور ہمارے دلائل، کا قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیتے تو پھر پتہ چلتا“۔ ہم کہتے ہیں کہ بریلوی مذہب کے مطابق اُن کے اولیاء کرام زندہ ہوتے ہیں اور ہر عسر و میسر میں اپنے مریدوں کی حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا چیلنج ہے مفتی صاحب کی نظریاتی ذریّت سے کہ وہ مفتی صاحب سے اُن کی قبر پر پہنچ کر راہنمائی حاصل کر کے معرکہ حق و باطل کے ایک ایک حوالہ کا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ زندہ و جاوید دستگیر و داتا کل کائنات غوث الاعظم، غریب وامیر نواز، لجپال ولا یزال، حاجت روا، مشکل کشا کے فضل وکرم سے قیامت کی دیواروں تک جواب نہیں دے سکتے۔ ان شاء اللہ العزیز الکریم۔

⑤ معرکہ حق و باطل ایک ایسی معرکۃ الآراء کتاب ہے کہ کوئی آدمی بھی نیوٹرل ہو کر، خالی الذہن ہو کر اور عصبیت کی عینک اُتار کر اس کو پڑھے گا وہ یقیناً راہ ہدایت پر چل نکلے گا اور شرک وبدعات کو سیالکوٹ بارڈر پار کرا کر چھوڑے گا اور اس ہندووانہ آمیزش دین کو کاٹھیاواڑ اور بدایوں کے تالابوں میں بہا کر دم لے گا۔

میری گزارش ہے اپنے اُن بھولے بھالے دوستوں سے جو ابھی تک ان خود ساختہ مذہبی راہ نماؤں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور عشق رسالت، انبیاء و اولیاء کے ادب واحترام کے لبادے میں دھڑا دھڑ شرک وبدعات کر کے اعمال حسنہ ضائع بھی کر رہے ہیں۔ بعض سجادہ نشین، مشائخ عظام اور پیر طریقت رہبر شریعت جیسے لوگوں کے زندگی بھر کے لئے غلام بنے ہوئے ہیں۔ جن کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان کو اپنی دوکانداری اور کاروبار زندگی چلانے کے لئے کم از کم ایک عدد بزرگ کی قبر لازمی درکار ہوتی ہے۔ جس کو وہ چمکا کر دیکھتے بھالتے لوگوں کو اندھا کر کے اُن کی جیبیں خالی کرواتے رہتے ہیں۔ ((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِنَا فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)) ذرا ہوش کے ناخن لیں اور جہنم کی آگ سے بچ کر توحید و رسالت کو ماتھے کا جھومر، گلے کا ہار، دل کا نور اور دماغ کا سرور بنالیں اور ایمان و اسلام کی زندگی گزار کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت کے راہی بن جائیں۔ واللہ ہماری کسی سے ذاتی عداوت نہیں، ہم تو اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ فِلِلّٰہِ (محبت اللہ کے لیے اور دشمنی بھی اللہ ہی کے لیے ہے) کے تحت نہایت ہی پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ عقیدہ توحید وسنت پر ہمارا دل ہزار فیصد سے بھی زیادہ مطمئن و فرحاں وشاداں ہے کہ ہم الحمد للہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے حقیقی علمبردار ہیں۔ ہم چاہتے ہیں تم بھی شرک و بدعات کی دلدل کو چھوڑ کر گلستان محمدیؐ کے چہکتے مہکتے اور کھلکھلاتے دبستان توحید وسنت میں آ کر کلمہ ونماز، صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ، بھائی چارہ، رواداری، خیرسگالی اور ایثار وقربانی کے پھولوں سے اپنے دماغ کو معطر کرو اور یہ خوشبو چہار دانگ عالم پھیلا دو۔

⑥ معرکہ حق و باطل ایک ولی کامل کی زندگی کی آخری یادگار تحریر ہے۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ حضرت الاستاذ شیخ المشائخ اُستاد الاساتذہ کی حالت نماز میں مصلیٰ امامت پر جمعۃ المبارک کے بابرکت دن میں عین نمازِ جمعہ کے دوران تشہد کی حالت میں وفات حسرت آیات ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت الاستاذ کی نماز سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے عین مطابق تھی۔ جس کا مشاہدہ موقع پر موجود ہزاروں کے مجمع نے خود اپنی آنکھوں سے کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دُنیا کو بتا دیا کہ اے سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو چھوڑ کر اماموں، پیروں فقیروں اور گدی نشینوں کی بیعت کرنے والو! اب تو اپنی آنکھیں کھول لو اور شرک و بدعات اور تقلید شخصی کے جمود کو توڑ کر سنت رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے راہی بن جاؤ۔ دنیا آخرت سنور جائے گی۔ اور دوسری وجہ یہ کتاب "معرکہ حق و باطل" ہے کہ جس نے شرک و بدعات کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے ہیں۔ اور عقیدۂ توحید وسنت کو ببانگ دہل ڈنکے کی چوٹ صفحہ قرطاس پر نقش کر دیا ہے۔

مجھے اُمید واثق ہے کہ ہمارے اہل سنت و جماعت اور اہل سنت والجماعت اپنے دل ودماغ میں غصہ نفرت کے آلاؤ جلانے کی بجائے حقیقت کی دُنیا میں آئیں گے اور کھلے دل سے فریقین کے دلائل کو سمجھیں گے اور اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جاء الحق نامی کتاب میں کتاب وسنت کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ غلط تاویلیں اور غلط تفسیریں کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ معرکہ حق و باطل کتاب نے "ذھق الباطل" کا صحیح کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر اہل اسلام کو آپس کے تمام اختلافات ختم کر کے اپنے وطن پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بندہ فقیر دلپذیر محمد یحییٰ شاہین کو حضرت خواجہ مرحوم کے بڑے صاحبزادے خطیب اسلام حضرت مولانا خواجہ ظہیر الاسلام صاحب خطیب جامع مسجد اقصیٰ اہل حدیث سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ وسرپرست اعلیٰ الجامعۃ الحرمین اہل حدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ نے حکم فرمایا کہ معرکہ حق و باطل کو نئے سرے سے کمپوز کروا کر اچھے ڈیزائن میں چھپوانے کا ارادہ ہے۔ لہٰذا پروف ریڈنگ اور تخریج وغیرہ آپ کے ذمے ہے۔ بندۂ عاجز نے یہ ذمہ داری خوش دلی کے ساتھ قبول کر لی ہے۔ میرے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ میں بھی عقیدہ توحید پر مبنی اس کتاب کے خدمت گزاروں میں اپنا نام رقم کروا رہا ہوں کیونکہ میرے والد گرامی قدر مولوی محمد یونس مغل بن اللہ دتہ مغل آخری دم تک یہی کہتے رہے کہ "بیٹا اپنی ہر تقریر وتحریر میں توحید باری تعالیٰ لازمی بیان کیا کرو، کیونکہ ہم نے اس عقیدے کے لیے بڑی ماریں کھائی ہیں"۔ اللہ تعالیٰ میرے والد گرامی قدر سمیت تمام موحدین متبعین شرع شریعت کے پابند مومنوں کی قبروں کو جنت کے باغ بنائے اور ہم گنہگاروں کو اُن کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ اور بندۂ عاجز کی کتاب "سراغ زندگی بعنوان چراغ زندگی" سمیت تمام کتابوں کو نسل نو انسانی کے لیے راہِ ہدایت بنائے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

بندۂ عاجز کو حضرت خواجہ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ ایک نسبت یہ بھی ہے کہ جن دنوں حضرت خواجہ صاحب جامع مسجد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکرم اہل حدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں مشکوٰۃ شریف پڑھاتے تھے اُن دنوں بندۂ عاجز بھی مسجد مکرم میں زیر تعلیم تھا۔ اس نسبت سے بندۂ فقیر حضرت خواجہ مرحوم کے آخری تلامذہ خاص میں شامل ہے۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ صاحب کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ اپنی زندگی کا تدریسی سال بھی مکمل کر کے گئے (یہی کیفیت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکرم شاہ گیلانی صاحب کی تھی)۔ اور اپنی زندگی کی آخری نماز بھی مکمل کر کے گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نور تحقیقات دین سے کیا اجالا ہوگیا ظلمت تقلید کا مُنہ کیسا کالا ہو گیا
کذب و باطل کس طرح دنیا میں بے رونق ہوئے کیسا کیسا صدق و حق کا بول بالا ہو گیا
بدعتی بے علم کی وہ ساری گرما گرمیاں ہوگئیں کافور کیسا سرد و پالا ہو گیا
شیخ الاسلام محمد قاسم خواجہ کا نوکیلا قلم قلب مشرک چھیدنے کو جیسے بھالا ہو گیا
بے دین بدعتی پہ وار ایسے پے در پے کئے ہوگیا مجروح سارا جسم چھالا ہو گیا
لکھی کیسی تحقیق و خوبی سے معرکہ حق و باطل رَدّ کذب و زور میں نادر رسالہ ہو گیا
قرآن و حدیث کے کیا کھلائے اُس نے گُل صفحہ قرطاس گویا باغ لالہ ہو گیا
شاہین سے جو پوچھو محمد قاسم خواجہ ہے مہر علم و دین جس کے انوار مضامین سے جہاں میں اُجالا ہو گیا

آخر میں شکر گزار ہوں اُستاذ العلماء حضرت مولانا خواجہ محمد عدنان صاحب کا (مدیر اعلیٰ جامعہ الحرمین) کا اور جناب محمد عثمان ظفر صاحب اور ان کے والد گرامی قدر جناب محمد ظفر صاحب کا کہ جن کی خدمات مسلک اہل حدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے بہت زیادہ ہیں اور اس کتاب کو کمپوز کرنے والے اسلامی روحانی بھائی محترم جناب محمد عمران کا کہ جنھوں نے انتھک محنت کر کے اس کتاب کو نئے اسلوب و انداز کے ساتھ چھپوانے کا کام خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

حکم الحدیث کے لیے ہم نے امام العصر محقق دوراں، شیخ الاسلام الشیخ امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق پر اکتفا کیا ہے اور تخریج کے لئے مکتبہ دار السلام کی شائع کردہ صحاح ستہ اور مکتبہ شاملہ سے مدد لی گئی ہے۔ اگر کسی صاحب فن، اہل علم ارباب و دانش حضرات کو کسی بھی جگہ کوئی سقم نظر آئے تو لوجہ اللہ تعالیٰ ضرور مطلع کرے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔ تمام تعریفیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے، اور درود و سلام اللہ کے آخری نبی امام الانبیاء سید الرسل، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات پر نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو غلبہ عطا فرمائے اور اہل کفر و شرک کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

آپ کی دعاؤں کا طلبگار:

العبد الفقیر محمد یحییٰ شاہین

خادم الجامعۃ الحرمین اہل حدیث (378/B ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ)

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ بمطابق 18 اپریل 2014ء

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز جمعہ۔ الحمدللہ حمداً کثیراً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات

ابتدائی حالات:

خواجہ محمد قاسم بن خواجہ عبدالعزیز بن اللہ دتہ بن ولی داد کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۳۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق کشمیری خاندان سے ہے۔ آپ کے پردادا ولی داد کشمیر سے ہجرت کر کے گوجرانوالہ پہنچے تو یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ بڑی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کے دادا اللہ دتہ ریلوے میں ملازم تھے۔ مختلف جگہوں پر بطور اسٹیشن ماسٹر نوکری کرتے رہے۔ ایک ولی اللہ شخصیت تھے اور صاحب کرامت تھے۔ دین میں کسی قسم کی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ گھر میں کسی فرد کی طرف سے ذرا بھی دین کی خلاف ورزی ہوتی تو سخت ناراض ہوتے۔ بعض اوقات بائیکاٹ کر دیتے تھے۔

ایک اہم واقعہ:

اوائل عمر میں جب آپ کے دادا کو ابھی کوئی خاص دینی معلومات نہ تھی۔ ان کے دفتر میں ایک قادیانی ملازم تھا۔ وہ روزانہ ان کو مرزائیت کی تبلیغ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ دتہ نے آمادگی کا بھی اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ کل آ نا پھر تمہارا دین قبول کر لیں گے۔ دوسرے دن جب دفتر پہنچے ابھی وہ ملازم نہیں آیا تھا کہ ایک خوفناک زلزلہ آیا جس نے ہلا کر رکھ دیا اور آپ کے دادا نے جان لیا کہ یہ صرف میرے لیے آیا تھا اللہ تعالیٰ مجھے بچانا چاہتا ہے۔ جب وہ ملازم آتا ہے تو آپ صاف انکار کر دیتے ہیں پھر بات ختم ہو گئی۔ بعد میں آپ زبردست مواحد ہو گئے (اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لئے قادیانی بننے سے بچا لیا کہ ان کے خاندان سے اللہ تعالیٰ نے دین کے عالم پیدا کرنے تھے۔ حافظ قرآن پیدا کرنے تھے۔ اس خاندان سے اپنے دین کا کام لینا تھا)۔ آپ کے والد خواجہ عبدالعزیز بھی بہت نیک، متقی، پرہیزگار اور پروقار شخصیت تھے۔ آپ کے والد بھی گورنمنٹ کے ملازم تھے۔ لاہور A.G آفس میں سپریڈنٹ تھے۔ ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے پاس دو قلم رکھتے۔ اگر سرکاری کام ہوتا تو سرکاری قلم اور سیاہی استعمال کرتے۔ اگر ذاتی کام ہوتا تو اپنا قلم اور سیاہی استعمال کرتے تھے۔ جماعت اہلحدیث کے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے۔ اکثر علماء کرام کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔ آپ کا امیر المجاہدین حضرت مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی اور ان کی جماعت کے ساتھ بھی خصوصی تعلق رہا اور بہت تعاون کرتے رہے۔ کئی اہم اجلاس خواجہ عبدالعزیز صاحب کے گھر ہوتے۔ اس لئے شروع ہی سے خواجہ محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بہتر اور علمی ماحول ملا اور اچھی تربیت میسر آئی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ صاحب کی کتاب قبر پرستی کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں: "حافظ قاسم رحمۃ اللہ علیہ ان نوجوانوں میں سے ہیں جن کے خمیر میں توحید سمودی گئی ہے"۔ وہ ان معنی میں نجیب الطرفین ہیں کہ ان کے ننھیال اور ددھیال دونوں پختہ قسم کے موحد تھے۔

تعلیم:

شروع میں آپ کو مشنری سکول میں داخل کروایا گیا جہاں انگریز اساتذہ پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے والد لاہور کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخی مسجد چینیاں والی میں گئے۔ قاری فضل کریم مرحوم، جو اس وقت وہاں مدرس تھے، ان کا قرآن پاک سنا تو بہت متاثر ہوئے۔ بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لیا کہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کا حافظ بنائیں گے اور اسی قاری صاحب سے حفظ کروانا ہے۔ لہٰذا آپ کو اور آپ کے بھائی محمد یوسف خواجہ کو مدرسہ میں داخل کروا دیا گیا۔ خواجہ عبدالعزیز صاحب چھ مہینے گرمیوں کے مقبوضہ کشمیر گزارتے تھے۔ اس لئے ایک دفعہ چھ مہینے کے لئے قاری فضل کریم صاحب کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ بچوں کی تعلیم کا حرج نہ ہو اور دوسری دفعہ حافظ محمد شفیع امرتسری کو لے گئے۔

تو اس طرح خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب مسلم ہوٹل سری نگر میں قرآن پاک ختم کیا۔ خواجہ صاحب نے دو سال شوپیاں کشمیر میں نماز تراویح پڑھائی۔ خواجہ صاحب بہت اچھے لہجے میں قرآن پڑھنے والے تھے۔ تعلیم کے دوران ہی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فیملی لاہور سے گوجرانوالہ منتقل ہوگئی۔ چنانچہ پاکستان بننے کے بعد جامعہ محمدیہ چوک اہلحدیث گوجرانوالہ میں دونوں بھائیوں خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ تراویح پڑھانا شروع کی لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ذوق وشوق سے قرآن پاک سننے کے لئے آتی تھی۔ تراویح کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد بلال (نعمانیہ روڈ) میں کئی سال نمازِ تراویح پڑھاتے رہے۔ پرانے لوگ اب تک ان کا قرآن پڑھنا یاد کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ القرآن کی تکمیل کے بعد درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ اس سلسلہ میں آپ دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور جامعہ اسلامیہ چاہ شاہاں اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں زیر تعلیم رہے۔ جامعہ محمدیہ میں حدیث شریف کی کسی ایک کتاب کے پہلے سبق کے لئے حضرت مفتی عبداللہ صاحب محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا تو طلبہ میں سے آپ نے پہلی حدیث کی قرأت کی۔

آپ کے مشہور اساتذہ:

سُرخیل اہلحدیث مولانا سیّدنا محمود غزنوی، شیخ الحدیث مولانا محمد عطاء اللہ بھوجیانی، حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی، محدث زماں حضرت حافظ محمد محدث گوندلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات احمد صاحب رحمہم اللہ تھے۔

خواجہ صاحب کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا تھا جس مدرسہ میں بھی تعلیم حاصل کی، ہمیشہ پورے مدرسہ میں اوّل آتے رہے۔ ممتحن اپنے تأثرات میں ان کے لئے تعریفی کلمات لکھ کے جاتے اور کہتے کہ یہ طالب علم انعام کا مستحق ہے۔ تمام اساتذہ اپنے اس ہونہار شاگرد سے بہت خوش تھے۔

تاریخی اعزاز:

محدث زماں حضرت حافظ محمد محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس شاگرد سے اتنے خوش اور مطمئن تھے کہ فرمایا کہ اب میں اس دنیا سے چلا بھی جاؤں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میرے بعد میرا شاگرد خواجہ قاسم تیار ہوگیا ہے، یعنی اس قابل ہوگیا ہے۔

درس نظامی مکمل کرنے کے بعد عربی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور اس کے ساتھ عصری تعلیم بھی B.A. تک حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مصر الاظہر یونیورسٹی جانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو ذمہ داری پڑ جانے کی وجہ سے الاظہر نہ جاسکے اور اپنے بھائی خواجہ محمد یوسف کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوگئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدریس:

آپ کچھ عرصہ جامعہ محمدیہ میں بھی پڑھاتے رہے۔ آپ کے کامیاب اور ہونہار شاگردوں میں شیخ المشائخ محدث حضرت مولانا الحافظ عبدالمنان نورپوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا فاروق احمد راشدی کا نام بھی شامل ہے۔

خطابت:

شادی سے چند ماہ پہلے آپ جہلم میں پھر تقریباً ایک سال کوئٹہ میں اور دو سال اسلام آباد میں خطیب رہے اور جامعہ اسلامیہ سلفیہ مسجد مکرم ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے کہ آپ کی زندگی کا سفر پورا ہو گیا۔

آپ نے تدریس بہت کم کی اصل میں آپ کے والد مرحوم کی یہ خواہش تھی کہ آپ تدریس و خطابت ضرور کریں لیکن ذریعہ معاش کوئی اور اختیار کریں اور اس بات کا اشارہ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے والد مرحوم کی دلی آرزو تھی کہ یہ کسی معاوضہ کے بغیر دین کی خدمت کریں۔ حافظ صاحب کے والد کی یہ دعا یہ آرزو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی۔

انبیاء اور اکابرامت کی طرح ان کے معاشی ذرائع دینی خدمات سے بالکل الگ رہے (بحوالہ پیش لفظ کتاب قبر پرستی اور سماع موتیٰ) ایک عرصہ کے بعد اس بات کا جواب آپ نے قبر پرستی اور سماع موتی کے دوسرے ایڈیشن کے پیش لفظ کے ایک مقام پر بین القوسین اس طرح فرمایا کہ کاش یہ روزافزوں مہنگائی خاکسار کے ارادوں کو متزلزل نہ کر دیتی۔

ابتداءً آپ نے گرجاکھی دروازہ گوجرانوالہ میں اپنے بھائی خواجہ محمد یوسف کے ساتھ مل کر ایک عمارتی میٹریل سٹور چلایا۔ اور بعد میں ایک عرصہ تک لوہے کی سکریپ کا کام کرتے رہے۔ خواجہ صاحب مرحوم کی پہلی کتاب "تین طلاقیں" کے پیش لفظ میں شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی مساعی کو شرف قبولیت بخشے کہ دین کی خدمت کر سکیں۔ سیمنٹ اور بجری تو اور لوگ بھی فروخت کر سکتے ہیں۔

اور خواجہ صاحب بھی یہ حقیقت جان چکے تھے اور اپنی اس طرح کی مصروفیت سے مطمئن نہ تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے اور جو کچھ میں نے پڑھا وہ ضائع ہو رہا ہے (دراصل کام ایک ہی ہوتا ہے کاروبار یا دین کی خدمت اگر دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے کی کوشش کی جائے تو کسی میں بھی پوری کامیابی نہیں ہوتی)۔ آخر ۱۹۸۸ء کو تمام کاروبار چھوڑ دیا اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور زیادہ تر کتابیں آپ نے اسی عرصہ میں لکھیں۔

خواجہ صاحب کا مزاج:

خواجہ صاحب بڑی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ بڑے ہنس مکھ، ملنسار اور خوش مزاج انسان تھے۔ حلم و نرمی کا پیکر تھے۔ چھوٹا بڑا ہر کوئی خواجہ صاحب سے مل کر خوش ہوتا تھا۔ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ انہیں کوئی علامہ فہامہ سمجھے۔ بڑی سادہ گفتگو فرماتے۔ خواہ مخواہ اپنا علمی رعب نہیں جھاڑتے تھے۔ عام آدمی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ کوئی علمی شخصیت ہیں۔ لیکن جب ممبر پر کھڑے ہو کر علمی نقاط بیان فرما رہے ہوتے تو انسان حیران رہ جاتا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے بارے ہم یہی سمجھ رہے تھے جیسے اس کو کسی بات کا علم ہی نہیں۔ بلکہ خواجہ صاحب کے ہمسایہ تک کو پتہ نہیں تھا کہ یہ کوئی علمی شخصیت ہیں۔ جنازہ کے موقع پر پتہ چلا تو حیران رہ گئے۔

خواجہ صاحب کی میل ملاقات تو بڑی بڑی شخصیات سے رہی لیکن آپ کے بے تکلف دوست محمد حنیف بٹ صاحب، عبدالمجید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب، حاجی محمد منور صاحب، چوہدری عیش محمد صاحب اور ماسٹر جمیل صاحب تھے۔ حنیف بٹ صاحب خواجہ صاحب کے پرانے دوست تھے اور معمولی درجہ کا ٹی سٹال چلاتے تھے۔ حنیف صاحب خواجہ صاحب سے بہت متاثر تھے۔ کہا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب نے میری زندگی بدل دی ہے۔ اگر خواجہ صاحب کے ساتھ میری دوستی نہ ہوتی تو میں عام محلہ دار کی طرح ہی بے دین بے عمل ہوتا۔ اسلام کے بارے میں کوئی معلومات اور کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ انہیں خواجہ صاحب کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں دنیا میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اکثر ان کی یادوں میں کھو جاتا ہوں اور بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

ماسٹر محمد جمیل صاحب کے ساتھ بھی گہری دوستی تھی۔ ماسٹر صاحب خواجہ صاحب سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اکثر خواجہ صاحب اور ماسٹر صاحب جامع مسجد صدیقیہ اہلحدیث میں عصر کی نماز کے بعد کافی دیر تک بیٹھے رہتے تھے اور مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی تھی۔ ماسٹر محمد جمیل صاحب راقم الحروف کے استاد بھی ہیں۔ جب بھی ان کے سامنے خواجہ صاحب کا تذکرہ ہوتا ہے ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے ہیں۔ ماسٹر صاحب بتا رہے تھے کہ خواجہ صاحب کی کتابیں میں نے اپنے سرہانے رکھی ہوتی ہیں۔ کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ ان کی کسی کتاب کا مطالعہ کر کے نہ سویا ہوں۔ جب بھی اپنے دوست سے اداس ہو جاتا ہوں تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیتا ہوں تو مجھے اپنا دوست ہنستا مسکراتا، باتیں کرتا اور علمی دلائل دیتا نظر آ جاتا ہے تو میرا دل پر سکون ہو جاتا ہے۔

خواجہ صاحب اچھے کام کی دل کھول کر تعریف فرماتے۔ بخل کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ علمی اور تحریری کام کرنے والے نوجوانوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے۔ قاری محمد طیب بھٹوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے پہلا مقالہ لکھا تو خواجہ صاحب کو تحریر دکھائی خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی فرمائی اور کہا کہ جب مرغی پہلا انڈا دیتی ہے تو گھر والوں کو جتنی خوشی ہوتی ہے بالکل ایسے ہی ہمیں خوشی ہوئی آپ کا یہ پہلا مضمون دیکھ کر۔ گھر میں کھانا اچھا پکا ہوتا تو بہت تعریف کرتے تھے بلکہ ہر ہر لقمہ پر تعریف کرتے کہ پکانے والوں کا سیروں خون بڑھ جاتا۔

بے تکلفی:

ایک دفعہ گھر میں ایک مہمان مٹھائی کا ڈبہ لے کر آیا تو آپ نے مہمان سے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا ہے کہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر آئے ہیں کیونکہ ہمارا پہلا ڈبہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ صاحب یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ انہوں نے کئی موقعوں پر خواجہ صاحب کی اس بات کو دہرایا۔

خودداری:

خودداری خواجہ صاحب کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مشقت برداشت کر لیتے تھے لیکن خودداری کو قائم رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب اکثر سائیکل پر بعد میں موٹر سائیکل پر مسجد جاتے تو کبھی سائیکل نہ ہو یا خراب ہو جاتی تو کسی کو نہ بتاتے نہ کہتے کہ مجھے گھر یا فلاں جگہ چھوڑ آؤ، پیدل ہی چلے جاتے۔ حالانکہ آپ کے معمولی اشارہ پر دس گاڑیاں آ جاتیں اور آپ کے مقتدی آپ کا کام کر کے بہت خوش ہوتے لیکن آپ کی طبیعت اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اور نہ ہی امیر لوگوں کی فیکٹریوں اور دکانوں پر جا کر بیٹھا کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے بے شمار لوگوں کے نکاح پڑھائے لیکن ساری عمر ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ ایک دفعہ آپ نے نکاح پڑھایا تو کوئی آپ کو نوٹ نکال کر دینے لگا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اس نے سمجھا شاید یہ تھوڑے ہیں۔ وہ اور دینا چاہتا تھا تو کسی نے کہا، جو خواجہ صاحب کو جانتا تھا، کہ خواجہ صاحب لیتے ہی نہیں تو وہ حیران رہ گیا۔

خطابت:

آپ ماشاء اللہ ایک کامیاب خطیب تھے۔ بڑی معیاری اُردو میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کی خطابت میں فصاحت، بلاغت، شیرینیٔ کلام، قول و فعل میں مطابقت، حق گوئی جیسی خصوصیات نمایاں تھیں۔

آپ کا انداز بیان انتہائی مسحور کن، کلام بالکل سلیس، دل و دماغ میں گھر کر جانے والے کلمات، تمسخر، لطیفہ بازی اور یاوہ گوئی سے بالکل مبرا پر مغز اور بامقصد ہوتا۔ آپ کی خطابت وعظ کا وعظ اور مناظرہ کا مناظرہ مستند، محقق، مدلل، مکمل گفتگو، تشنگان علم و عمل کے لئے بیش قیمت ذخیرہ ہوتی۔ عوام آپ کے خطبہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں سے بہت کچھ لے کر اٹھتے۔ بعض دوست ان کے خطبے شائع بھی کرتے تھے۔ کوئی لالچ یا ڈر خوف ان کو حق بات کہنے سے نہیں روکتا تھا۔

حق گوئی کے نتیجہ میں خواجہ صاحب کو قتل کی دھمکیاں بھی ملتی تھیں۔ لیکن آپ کی حق گوئی اور بے باکی میں کوئی فرق نہ آتا۔

محمد یوسف بٹ صاحب کے اہلحدیث ہونے کا واقعہ:

بٹ صاحب فرماتے ہیں کہ میں بریلویوں کی مسجد کی انتظامیہ کا صدر تھا۔ اہلحدیثوں کے ساتھ بڑا تعصب رکھتا تھا۔ خواجہ صاحب کا بیان تو قرآن و حدیث ہی ہوتا تھا۔ لیکن ہم سمجھتے تھے کہ خواجہ صاحب بریلویوں کے خلاف چوٹیں کہہ رہے ہیں۔ ہمارے مولوی صاحب جواب دینے کی کوشش کرتے تھے لیکن ان سے بات نہیں بنتی تھی۔ پھر ہم نے اپنے مولوی صاحب کو روک دیا اور کہا کہ آپ اپنی تقریر کیا کریں۔ خواجہ صاحب کی تقریر کا جواب دینا آپ کے بس میں نہیں۔ ہماری مسجد خالی ہو رہی تھی لوگ خواجہ صاحب کا علمی اور تحقیقی بیان سننا پسند کرتے تھے۔ مجھے بڑا طیش آتا تھا۔ کچھ جوشیلی طبیعت کا مالک تھا۔ حتیٰ کہ میں نے کہا کہ میں نے خواجہ صاحب کو نعوذ باللہ قتل کرا دینا ہے۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہماری مسجد میں بڑی گیارہویں شریف منانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ خواجہ صاحب نے خطبہ جمعہ میں بریلویوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ قرآن و حدیث سے گیارہویں ثابت کر دو۔ تو ہم بھی آپ کے ساتھ گیارہویں منائیں گے۔ میں نے کہا کہ اب میں اس وہابی کو قابو کروں گا۔ یہ میرے لئے چیلنج تھا۔ میں بھاگا گیا اپنے مولوی صاحب کے پاس اور گیارہویں کا ثبوت مانگا۔ پہلے تو ٹال مٹول کرنے لگے۔ میں ذرا سنجیدہ ہوا تو ہمارے مولوی صاحب نے صاف کہہ دیا کہ ثبوت تو کوئی نہیں ہے۔ اب مجھے سمجھ آ گئی۔ میں سیدھا خواجہ صاحب کے پاس گیا اور اہلحدیث مسلک قبول کر لیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اب مسلمان ہوا ہوں۔ خواجہ صاحب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے روز اگر ربّ کریم نے مجھے پوچھا کہ کیا نیکی لے کر آئے ہو تو میں یہی جواب دوں گا کہ میں نے یوسف بٹ کو مسلمان کیا ہے۔ اور یہی میری نجات کے لئے ان شاء اللہ کافی ہوگا۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت کا شرف بھی آپ کو بارہا حاصل ہوا۔ کئی دفعہ آپ مسلسل ایک یا دو ماہ تک مرکزی جامع مسجد محمدیہ اہلحدیث چوک نیائیں گوجرانوالہ میں خطبہ جمعہ اور درس قرآن دیتے رہے اور سامعین کی رونق میں ذرّہ بھر فرق نہ آتا بلکہ لوگ نوجوان خطیب کی گفتگو سن کر عش عش کر اٹھتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی آپ کو جامع مسجد اقصیٰ اہلحدیث سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ کی ذمہ داری سونپی۔ آپ تادم آخر تقریباً چالیس سال تک اسی مسجد میں خطیب رہے۔ آپ کو ریڈیو پاکستان اسلام آباد اور لاہور میں بھی تقاریر پیش کرنے کا موقع ملتا رہا۔

تالیفات:

آپ نے عموماً باطل فرقوں اور ان کے نظریات کو موضوع بنایا۔ موضوع اگرچہ بڑے تلخ اور کڑوے ہوتے تھے لیکن آپ کا قلم اعتدال سے نہ ہٹا۔ آپ کی تحریر میں تلوار کی سی کاٹ تھی اور قاری کے لئے دلچسپی بھی ہوتی تھی۔ جو ایک دفعہ کتاب پڑھنی شروع کرتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ میں اسے ختم کر کے اٹھوں۔ آپ کی کتابیں عوام اور علماء دونوں کے لئے مفید ہیں۔ بلکہ اہلحدیث مناظر تیاری کے لئے خصوصاً آپ کی کتابوں سے مدد لیتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کے دیرینہ دوست اور علمی ساتھی حضرت مولانا محمد خالد صاحب گرجاکھی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تعاون فرمایا۔ تقریباً تمام کتابیں طبع سوم یا چہارم تک ادارہ احیاء السنہ گرجاکھی کتب خانہ لاہور و گوجرانوالہ سے شائع کی گئیں۔

① تین طلاقیں:

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۴ء میں آیا۔ اس کے بعد کے ایڈیشن بھی چھپ چکے ہیں۔ اُردو میں پہلی مرتبہ اس موضوع پر کتاب منظر عام پر آئی۔ علماء نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور وکلاء کے لیے بھی یہ کتاب اہم ضرورت بنی تھی۔ اس کا پیش لفظ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ ہماری جماعت کے مشہور سکالر مولانا محمد حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ طلاقوں کے مسئلہ میں ججوں کی میٹنگ ہو رہی تھی جس میں بڑے بڑے علماء کو بھی دعوت دی گئی تھی اور مجھے بھی بلایا گیا۔ وہاں دیکھا تو حیران رہ گیا کہ تمام ججز کے ہاتھ میں آپ کی کتاب تھی۔ جسٹس ایس۔اے رحمان نے کہا اس کتاب نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے چنانچہ اس کے مطابق پاکستان کا قانون ترتیب دیا گیا کہ اکٹھی تین طلاقیں نہیں دی جاسکتیں۔ اس وقت حلالہ کا فتویٰ دینے والوں نے بہت شور مچایا لیکن کچھ نہ بنا۔ خواجہ صاحب فرمایا کرتے تھے جہاں میری کتاب پہنچنی چاہئے تھی وہاں اللہ تعالیٰ نے پہنچا دی ہے۔

② قبر پرستی اور سماع موتیٰ:

اس کتاب کا پیش لفظ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ ہے۔ یہ دراصل ایک طویل مضمون تھا جو ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور میں کئی اقساط میں شائع ہو چکا تھا۔ کافی پسند کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا سلفی مرحوم کے حکم پر اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم تحریر فرماتے ہیں "بڑی خوش قسمتی ہے کہ انہیں (حافظ خواجہ محمد قاسم کو) لکھنے کی عادت ہے۔ پہلے بھی وہ مختلف موضوعات پر رسائل لکھ چکے ہیں۔

زیر تقریر رسالہ میں نے اکثر مقامات پر پڑھا ہے۔ اس تلخ موضوع پر جہاں ایک موحد ان خرافی حضرات کے خرافات سن کر جوش میں آ جاتا ہے کہ حافظ صاحب کا قلم اعتدال سے نہیں ہٹا۔ معلوم ہے یہی خرافی ذہنی مریض ہیں۔ مریض سے ناراض ہونا کوئی خوبی نہیں۔ حافظ صاحب نے یہ رسالہ اسی انداز سے لکھا ہے کہ بیماروں کا علاج ہو سکے۔ انہوں نے ان مریض حضرات کے قریب ہو کر ان کے مرض کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان خرافات پسند دوستوں کو توفیق دے کہ وہ اس حکیمانہ علاج سے استفادہ فرمائیں۔ وہ اپنی عبادات کو بزرگوں کی قبروں اور بزرگوں کی بے حس و حرکت لاشوں کی بجائے خدائے لم یزل کے لیے بجالائیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز وانکساری کا اعتراف کریں تا کہ ان کی عبادت قبولیت کی مستحق ہو سکے۔

وعبادة الرحمٰن غاية حبّهِ مع ذل عابده هُما قطبان

وعليهما فلك العبادة دائر ما دار حتى دامت القطبان

ترجمہ: ”محبت کی انتہاء یہی ہے کہ رب رحمٰن کی عبادت کی جائے اور مرتے دم تک شرق وغرب میں شمال وجنوب میں اُس کی ہی عبادت کا ڈنکا بجادیا جائے“۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے قلم میں برکت فرمائے اور مزید خدمت دین کی توفیق بخشے۔ آمین!

③ ”وسیلہ“ کتاب وسنت کی روشنی میں:

۱۹۷۷ء میں لکھی گئی اس کتاب کا پیش لفظ آپ کے برادر حافظ محمد یوسف خواجہ نے تحریر کیا۔ اور نہایت ہی مناسب الفاظ میں تاریخی حوالوں سے وسیلہ کے مصنوعی ٹھیکیداروں کی خوب خبر لی ہے۔ یہ کتاب اب تک کئی زبانوں میں چھپ چکی ہے۔ سندھ میں بہت تقسیم ہوئی اور بہت سے اسلامی ممالک میں بھیجی گئی۔ جماعت کے ایک بڑے بزرگ نے خواجہ صاحب مرحوم رحمہ اللہ کی اس کتاب پر یوں تبصرہ کیا کہ تقویۃ الایمان کے بعد اگر کوئی کتاب پڑھنے کا مزہ آیا ہے تو وہ ”وسیلہ“ ہے۔

④ تبلیغی جماعت (اپنے نصاب کے آئینے میں):

۱۹۹۰ء میں لکھی گئی اس کتاب میں تبلیغی نصاب کے حوالے سے ثابت کیا گیا کہ یہ سراسر حنفیوں کی جماعت ہے اور یہ اس لیے وجود میں لائی گئی کہ سیدھے سادھے مسلمانوں کو حنفیت کے جال میں پھنسایا جاسکے۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ ان کے عقائد و اعمال بریلویوں بلکہ عیسائی راہبوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے متاثر ہو کر ناروے کے ایک دوست خواجہ صاحب کے پاس آتے ہیں وہ مسلکاً اہلحدیث تھے لیکن تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک تھے۔ ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ خواجہ صاحب سے کہنے لگے جن باتوں کی نشاندہی آپ نے فرمائی ہے بالکل ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ہم نے آج سے پہلے توجہ نہیں کی اور ہم اس جماعت کو بالکل معصوم سمجھتے تھے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اہلحدیث بھائیوں کو حقیقت سے آگاہ کریں اور اس جماعت سے نکالیں تو اس نے کافی تعداد میں کتابیں خریدیں اور اس کتاب کے خاص خاص چیپٹر چھاپنے کی اجازت لی۔

⑤ کراچی کا عثمانی مذہب اور اس کی حقیقت:

یہ کتاب ۱۹۷۱ میں لکھی گئی۔ اپنی اس کتاب کے حوالہ سے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بانی کراچی کے ایک حنفی المذہب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی تھے۔ توحید کے نام سے مسلمانوں میں فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے نزدیک یہ گروہ خوارج کا ظہور ثانی ہے۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اور اپنے سوا انہیں کوئی مسلمان نظر نہیں آتا (یعنی ان کے نزدیک جو ان کی پارٹی میں نہیں ہے وہ مسلمان ہی نہیں، نعوذ باللہ) ان کا لفظ توحید کو استعمال کرنا ((کلمة حقٍ أُريد بها الباطل)) نعرہ ٹھیک ہے لیکن عمل ٹھیک نہیں کے مصداق ہے۔ اس کتاب میں ان کے لٹریچر کا پول کھولا گیا ہے۔ اس کتاب کے آنے کے بعد کافی حد تک یہ فتنہ رُک گیا ہے۔ گوجرانوالہ میں ان کا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔ یہاں جو ان کے گروہ کا لیڈر تھا وہ خود خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کی کتاب پڑھ کر میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اب آپ کے تعاون کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں کو میں نے بے دین کیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں اب مسلمان کرنا ہے اور اب وہ سب میری جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ عثمانی مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے، یہ کتاب مفید ہے۔

⑥ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ:

۱۹۹۰ء میں یہ کتاب شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۲۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے بارے میں خواجہ صاحب خود رقم طراز ہیں کہ خاکسار نے اس کتاب میں فرضی اور نفلی نمازوں سے متعلقہ وہ مسائل بیان کئے ہیں کہ جن لوگوں کو نمازوں میں بہت جستجو رہتی ہے اور وہ آئے دن اپنے علماء کرام سے کرید کرید کر دریافت کرتے رہتے ہیں کیونکہ اُردو کتابوں میں ایسے مسائل کم ہی زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ اگر کہیں ان کا ذکر ملتا بھی ہے تو اس سے ان کی پوری طرح تشفی نہیں ہوتی اور وہ مزید تحقیق کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ بندہ نے حتی الامکان اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیز اس کتاب کے مطالعہ سے آپ محسوس فرمائیں گے کہ حنفیہ سے ہمارا اختلاف رفع یدین، آمین، فاتحہ خلف الامام وغیرہ چند مسائل پر ہی نہیں بلکہ آپ قدم قدم پر انہیں مسنون نماز سے اختلاف کرتا ہوا پائیں گے۔ ان کی نماز کو محمدی ﷺ نماز کہنا بہت مشکل ہے۔ اس کی بجائے کوئی نماز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حنفیوں نے اس کتاب کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے مگر اس غرض و غایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مقتدی کہیں ان سے اور ان کی کتابوں سے بدظن نہ ہو جائیں اور کوئی خاص بات نہیں۔ صرف پردہ ڈالنے کی ایک سعی لاحاصل ہے۔

⑦ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ (نماز کے ضروری مسائل، حصہ دوم):

اس کتاب کو حی علی الصلوٰۃ کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیے۔ اس کتاب کے ۵۴۴ صفحات ہیں۔ اس میں نماز کے مسائل بالترتیب اور تحقیقی انداز میں تحریر کئے گئے ہیں۔ جو بھائی ((صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) کے مطابق نبی علیہ السلام کی نماز پڑھنا پسند فرماتے ہوں یہ کتاب ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ کتاب علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی ہے۔ قارئین محسوس فرمائیں گے کہ اس کتاب کا ہر نمازی کے گھر ہونا لازمی ہے۔

⑧ ہدایہ عوام کی عدالت میں:

خواجہ صاحب کی یہ کتاب جب منظر عام پر آئی تو احناف چیخ اُٹھے۔ حالانکہ خود اکابر علماء حنفیہ نے تسلیم کیا ہے کہ ہدایہ و دیگر کتب فقہ حنفیہ کی روایتیں ناقابل اعتماد ہیں۔ اس کتاب میں اسی مضمون کی وضاحت کی گئی ہے اور چند نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں جس سے احناف کو مروڑ اٹھنے لگے اور جوابی کاروائی شروع کر دی مگر افسوس کہ جواب میں جواب نہ ہونے کے برابر ہے البتہ گالیاں بہت زیادہ ہیں۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھُمْ)

⑨ فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر:

خواجہ صاحب اسی کتاب کے تعارف میں فرماتے ہیں کہ حنفیہ کو فتاویٰ عالمگیری پر بہت ناز ہے۔ بقول ان کے اسے پانچ سو علماء نے ترتیب دیا ہے۔ جب بھی اسلامی نفاذ کی بات ہوتی ہے تب ان سب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ نافذ العمل ہو جائے۔ عام مسلمانوں کو چونکہ صحیح واقفیت نہیں ہوتی اس لئے وہ ان کی باتوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ خاکسار نے اپنی کتاب میں فتاویٰ عالمگیری کے متعدد اقتباسات دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ فتوے قرآن وسنت کے مطابق نہیں بلکہ یہ غلط کار اور جرائم پیشہ افراد کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ یہ کتاب پڑھے گا ان شاء اللہ پھر وہ ساری عمر فتاویٰ عالمگیری کا نام نہیں لے گا۔

⑩ معرکۂ حق و باطل بجواب جاء الحق:

یہ کتاب ۷۹۰ صفحات پر مشتمل تھی (اب کمپوز ہو کر ۵۲۵ صفحات پر مشتمل ہے)۔ یہ کتاب خواجہ صاحب کی وفات کے بعد چھپی تھی۔ مسودہ تیار ہو چکا تھا لیکن اپنی زندگی میں اس کو چھپوانے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کتاب میں مفتی احمد یار کی دھوکہ بازیاں اور چالبازیوں کا بھرپور جواب دیا گیا ہے۔ پہلا ایڈیشن تو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ کتابت میں کچھ غلطیاں تھیں۔ الحمد للہ اس ایڈیشن میں دور کر دی گئی ہیں۔

⑪ تعویذ اور دم کتاب و سنت کی روشنی میں:

نبی پاک ﷺ سے دم ثابت ہے۔ تعویذ ثابت نہیں۔ ہمارے معاشرہ میں تعویذ فروش جادوگروں نے جو اندھیر نگری فراڈ بازی اور لوٹ مار مچا رکھی ہے اور جن دلائل کا سہارا لے رکھا ہے اس کتابچہ میں ان کا کامیاب رد کیا گیا ہے۔

⑫ مقالات خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ:

یہ کتاب دراصل خواجہ صاحب کی چھوٹی بڑی علمی و تحقیقی تحریروں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مختلف موقعوں پر مختلف موضوعات پر لکھی تھیں۔ احباب جماعت کی خواہش تھی کہ ان تحریروں کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ خواجہ صاحب رحمہ اللہ کا علمی سرمایہ کتابی صورت میں محفوظ ہو چکا ہے۔

⑬ وفات (دوران نماز جمعۃ المبارک ۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء):

خواجہ صاحب کو دل کی تکلیف تھی لیکن یہ نہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی بیمار ہیں۔ حسب معمول انہوں نے آخری خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ آپ وقت کی بہت پابندی فرماتے تھے۔ اس دن دو چار منٹ اوپر لگ گئے۔ راقم الحروف کو خوشی ہوئی کہ آج خواجہ صاحب کی طبیعت ماشاء اللہ بہت ٹھیک ہے۔ خواجہ صاحب نے جمعہ کی نماز پڑھائی، التحیات میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم درود شریف پڑھنے کے بعد دعائیں پڑھ رہے تھے کہ آپ کے مائک سے ایک لمبے سانس کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی سجدے میں گر جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے بالکل پیچھے بیٹھے ہوئے حافظ عبدالوحید صاحب نے سمجھا شاید خواجہ صاحب سجدہ سہو کرنے لگے ہیں لیکن فوراً ذہن میں آیا کہ ہم نماز میں بھولے تو نہیں۔ خواجہ صاحب نے پھر ذرا سا سر اٹھایا پھر نیچے جھک گئے۔ حافظ عبدالوحید صاحب صورت حال کو سمجھ چکے تھے اور فوراً سلام پھیر دیا۔ لوگ فوراً محراب کی طرف دوڑے تو دیکھا خواجہ صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور خواتین اوپر گیلری میں تھیں جب ان کو پتہ چلا تو وہ نیچے کی طرف دوڑیں۔ تیزی کی وجہ سے کئی عورتیں سیڑھیوں سے پھسل گئیں۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ایک بزرگ فرما رہے تھے کہ خواجہ صاحب جب دعا ((ربنا اغفرلی ولوالدی)) کہتے تھے تو بے اختیار ان کے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید انہیں الفاظ کو دہراتے ہوئے وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے ان کے صاحبزادے خواجہ عاکف نے جمعہ کے دن خواب دیکھا کہ ابا جی مجھے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں گھر دے دیا ہے۔ اب میرا یہاں دل نہیں لگتا۔ خواجہ صاحب مرحوم اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں مگر آج بھی ہر دل میں خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی محبت پہلے سے بڑھ کر موجود ہے۔

آپ نہ کوئی صاحب ثروت نہ امیر وزیر اور نہ سفیر تھے۔ ایک بالکل سادہ آدمی تھے لیکن سخت ترین سرد رات میں بھی آپ کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنازہ بہت بڑا تھا۔آپ کے دوست مولانا محمد خالد گرجاکھی نے نماز جنازہ پڑھائی۔شیوخ الحدیث اور علماء کرام کی کثیر تعداد نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔اور ہرکوئی رو رو کران کے حق میں دعائیں مانگ رہا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خواجہ صاحب کو جتنی اچھی موت آئی ہرکوئی یہی آرزو کرتا تھا کاش ہمیں بھی ایسی موت آئے۔اکثر لوگوں نے یہ سوال کیا کہ خواجہ صاحب کا کوئی خاص نیک عمل تھا جس کی وجہ سے اتنی اچھی موت نصیب ہوئی ہے۔میں دو باتیں کہتا تھا۔ایک تو یہ کہ خواجہ صاحب کسی سے ناراض نہیں ہوتے تھے۔اگرکوئی ناراض ہوتا تھا تو منالیا کرتے تھے۔دوسری بات خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ علماء کا سارا وقت عبادت میں گزرتا ہے یا وہ مطالعہ کرتے رہتے ہیں یا وہ لکھتے رہتے ہیں۔اگر وہ آرام بھی کرتے ہیں بیٹھے ہوئے ہوں تب بھی وہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ آگے کیا لکھنا چاہیے۔کس طرح جواب دینے چاہئیں۔اگر وہ چہل قدمی کررہے ہوں تب بھی یہی سوچ ہوتی ہے۔خواجہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو نیکیوں میں لکھ لے تو نجات کی اُمید ہوسکتی ہے۔

آخر میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔(آمین!)

خواجہ ظہیر الاسلام
بن خواجہ محمد قاسم مرحوم رحمۃ اللہ علیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعارف

معرکۂ حق وباطل بجواب جاء الحق

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝﴾ (الانفال:۸)

بندہ نے جاء الحق نامی کتاب کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ کچھ دوستوں نے ذکر کیا اور توجہ دلائی کہ اس کا جواب ہونا چاہیے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا تو یہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک جھوٹ کا پلندہ اور اس کا ہر صفحہ مکر وفریب کے کیچڑ سے لتھڑا ہوا نظر آیا۔ میرے پاس جو نسخہ ہے بقول مفتی احمد یار خان صاحب یہ اس کتاب کی اٹھائیسویں اشاعت ہے۔ مطبوعہ ۱۹۶۶ء اس کتاب کا پیٹ موضوع روایتوں، صوفیانہ حکایتوں، فقہی حوالوں اور قرآن وحدیث کی تاویل سے بھرا گیا ہے۔ میں حیران ہوں اتنی لچر، اتنی بے ہودہ اور اتنی بوگس کتاب بریلوی حلقوں میں اتنی مقبول کیسے ہوگئی؟ مجھے افسوس ہے کہ بریلوی قوم کا ذہن اس قدر ماؤف کر دیا گیا ہے کہ ان سے حق وباطل کی تمیز جاتی رہی ہے۔ اب انہیں حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگا ہے۔

مفتی صاحب نے اس کتاب کا نام اپنے ایک "قطب وقت" کی ہدایت پر قرآن پاک کی اس آیت سے اخذ کیا ہے: ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝﴾ میرے خیال میں انہوں نے اس آیت کی توہین کی ہے۔ حضرت صاحب نے اس کتاب میں جو کرتوت گھولی ہے، جو گپیں ہانکی ہیں اور جو دھوکے دیئے ہیں اس لحاظ سے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کتاب کا نام یہ ہونا چاہیے تھا:

كلمة حق أريد بها الباطل۔

تاکہ ایک تو کتاب واقعی اسم بامسمّٰی ہو جاتی اور دوسرا آیت بھی ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہتی۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور آیت کا غلط استعمال اور کیا ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت اس وقت فرمائی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اثبات کیا تھا اور غیر اللہ کی نفی کی تھی۔ مگر مفتی صاحب نے اس پوری کتاب میں غیر اللہ کو ثابت کرنے پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ گویا ان کے نزدیک شرک حق ہے اور توحید باطل ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالك)

مفتی صاحب نے یہ ساری مغز کھپائی اپنے امام مولوی احمد خان صاحب کی تقلید میں کی ہے۔ انہوں نے انہی کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ انہی کے اقوال کو نقل کیا ہے انہی کے کام کو آگے بڑھایا ہے اور اکثر مقامات پر انہی کے کنز الایمان نامی ترجمہ کو اپنے عقائد واعمال کی بنیاد بنایا ہے۔ مفتی صاحب نے تفسیر نور العرفان کے نام سے قرآن پاک پر حاشیہ بھی چڑھایا ہے اس میں بھی نام نہاد جاء الحق والی نوسر بازیاں دکھلائی ہیں۔ یہ قرآن پاک کا حاشیہ کم اور کنز الایمان کا حاشیہ زیادہ نظر آتا ہے۔ یقین جانئے کہ قرآن پاک کے ترجمہ کنز الایمان اور اس کے گرد بریلوی حواشی کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے خانہ کعبہ کے گرد پھر سے ۳۶۰ بت رکھ دیئے گئے ہوں۔ شرک و بدعت کی راہ ہموار کرنے کے لیے اتنی زبردست تحریفات کی گئی ہیں کہ عرش کانپ اٹھا ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ لوگ کہلاتے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں مگر مجھے تو اس کتاب میں زیادہ تر مولوی احمد رضا خان صاحب کی بریلویت ہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ شاید انھوں نے اپنا امام تبدیل کر لیا ہے۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بھی عاشق رسول کے روپ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح انگریز ہی کا خود کاشتہ پودا تھے اور اسی کے ایجنٹ تھے۔ انگریز نے اپنے ان دونوں خیر خواہوں سے ایک جیسا کام لیا۔ دونوں کی مصروفیات یکساں تھیں۔ یعنی جہاد کی منسوخی مجاہدین اور تحریک آزادی کے راہنماؤں کے خلاف غلیظ زبان کا استعمال اور اپنے مخصوص عقائد کی تشہیر۔ مثلاً جہاد کے بارے میں انہوں نے لکھا:

”ہم مسلمانانِ ہند پر جہاد فرض نہیں اور جو اس کی فرضیت کا قائل ہے وہ مسلمانوں کا مخالف ہے اور انہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے“۔ (المحجة المؤتمنة ص ۳۰۸)

نیز لکھا ہے:

”اب جہاد میں تلوار نہیں رہی تو خدا نے وہی کانٹ چھانٹ ان کے قلم کو عطا کر دی ہے“۔ (خالص الاعتقاد ص ۱۹)

انگریز سے شاباش لینے کے لیے انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے ”اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام“۔

مشہور انگریز مصنف ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب انڈین مسلمز (صفحہ ۳۲) میں لکھتا ہے: ”ہمیں اپنے اقتدار کے سلسلے میں مسلمان قوم کے کسی گروہ سے خطرہ نہیں۔ اگر خطرہ ہے تو صرف مسلمانوں کے ایک اقلیتی گروپ وہابیوں سے ہے۔ کیونکہ صرف وہی ہمارے خلاف جدوجہد میں مصروف ہیں“۔

سی لیے مولوی احمد رضا خان صاحب کو سب سے زیادہ انہی سے پُرخاش اور دشمنی تھی۔ فرماتے ہیں: ”وہابی کافر و مرتد ہیں۔ انہیں جزیہ لے کر بھی معاف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح نہ انہیں پناہ دینا جائز، نہ ان سے نکاح کرنا جائز، نہ ان کا ذبیحہ جائز، نہ ان کی نماز جائز، نہ ان سے میل جول رکھنا جائز، نہ ان سے لین دین جائز، بلکہ ان کی عورتوں کو غلام بنایا جائے اور ان کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کیا جائے“۔ قاتلهم الله انى يؤفكون۔ (اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام ص ۱۹، ۲۰)

بریلویوں کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے ”تجانب اهل السنّة عن اهل الفتنه“ مصنفہ طیب قادری۔ اس میں لکھا ہے بحکم شریعت مسٹر جناح اپنے عقائد کفریہ قطعیہ۔ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج الاسلام ہے۔ (ص ۱۲۲) نیز لکھا ہے جو محمد علی جناح کی تعریف کرتا ہے وہ مرتد ہو گیا۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کا کلی مقاطعہ کریں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ (ص ۹۰) اور لکھا ہے فلسفی نیچریت ڈاکٹر اقبال کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے۔ (ص ۳۴۰) ایک اور کتاب میں مسلم لیگ کے بارے میں یوں گوہر افشانی فرمائی ہے: بدمذہب، سارے جہان سے بدتر ہیں۔ بدمذہب سارے جہان کے کتے ہیں۔ کیا کوئی سچا ایمان دار مسلمان کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائد اعظم، سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ (مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری از اولاد رسول قادری بریلوی ص ۱۴۰)

مقامِ حیرت ہے کہ اب یہی لوگ اپنے آپ کو تحریکِ آزادی کا ہیرو اور پاکستان کا بانی خیال کرتے ہیں اور ان کے پیشوا کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نعتیں ریڈیو پاکستان سے گائی جاتی ہیں۔

مرزا قادیانی کی طرح مولوی احمد رضا خان صاحب نے مسلمانوں کو لڑانے بھڑانے اور انگریزی حکومت کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنے مخصوص عقائد کو بھی خوب ہوا دی۔ یہ جاء الحق دراصل اسی سلسلے کی کڑی اور اسی سازش کا مظہر ہے جس کی میں خبر لینا چاہتا ہوں۔

بعض اہل حدیث حضرات تک اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ احمد رضا خان صاحب شاید ان عقائد کے موجد ہیں۔ حالانکہ الا ماشاء اللہ ان کے سب عقائد و اعمال فقہ حنفی میں یا ان بزرگوں کی تحریروں میں مل جاتے ہیں جنہیں دیوبندی بھی اپنا اکابر مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد اکرام صاحب بریلوی پارٹی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: بستی بانس بریلی میں ۱۲۷۲ھ میں ایک عالم پیدا ہوئے، مولوی احمد رضا خان نام۔ انہوں نے کوئی پچاس کے قریب کتابیں مختلف نزاعی اور علمی مباحث پر لکھیں اور نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارھویں، عرس، تصور شیخ، قیام میلاد استمداد از اہل اللہ (مثلاً یا شیخ عبدالقادر شَيْئاً لله اور گیارھویں کے نیاز کے قائل ہیں۔ ان کے اختلاف صرف وہابیوں سے نہیں بلکہ دیوبندیوں کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں۔ (موج کوثر ص ۷۰)

دیوبندیوں سے ان کے اختلاف کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں شکوہ ہے کہ یہ ان کے اپنے ہو کر اور ان کے ہم مذہب ہو کر ان کا ساتھ کیوں نہیں دیتے اور ان سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ ان دونوں میں بس فرق یہی ہے کہ دیوبندی اپنے جن عقیدوں کو چھپانا چاہتے ہیں بریلوی ان کا کھلم کھلا اظہار کر دیتے ہیں۔

ماضی قریب کے علامہ زاہد کوثری مصری حنفی جن کی تعریف میں ہمارے دیوبندی بھائی رطب اللسان رہتے ہیں۔ اور انہیں حنفی قرار دیتے ہیں۔ یہ بدعت نوازی میں کافی حد تک بریلویوں کے ہمنوا ہیں اور بریلوی مولویوں کی طرح انہوں نے بھی علمائے اہلحدیث کے خلاف نہایت گھٹیا قسم کی پھکڑ بازی کی ہے مگر دیوبندیوں کے ہیرو ہیں۔ ثابت ہوا کہ دیوبندی اور بریلوی اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ان کی لڑائی آپس میں شریکوں کی لڑائی ہے۔ آج کل کی اصطلاح کے مطابق آپ دیوبندیوں کو بریلویوں کا فارورڈ بلاک کہہ سکتے ہیں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کبھی کبھی شیعہ پر بھی برستے نظر آتے ہیں۔ مگر ان کا یہ برسنا خالصتاً تقیہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ تو ان کی گاڑی چھنتی ہے۔ مثلاً ان کا نام و نسب یوں ہے احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی بن کاظم علی۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۲ از ظفر الدین بہاری)

ان کے عقائد بھی شیعہ جیسے ہیں، مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں: ان عليا قسيم النار۔ (الامن والعلی ص ۵۸) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ قیامت کے دن جہنم کی ٹکٹیں تقسیم کریں گے۔ فرماتے ہیں: ان فاطمة سميت بفاطمة لان الله فطمها و ذريتها من النار۔ (ختم نبوت ص ۹۸) یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام "فاطمہ" اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں: جو شخص دعائے سیفی پڑھے اس کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ دعائے سیفی درج ہے:

ناد عليا مظهر العجائب

تجده عونا لك فى النوائب

كل هم و غم سينجلى

بولايتك يا على يا على (الامن والعلی ص ۱۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: "علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پکارنے سے عجیب وغریب ظہور ہوتے ہیں، ہر مشکل میں تم مولا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ ہر غم اور ہر تنگی دور ہوگی۔ یا علی مدد، یا علی مدد کہنے کی وجہ سے"۔

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمة

المصطفی والمرتضی و ابناهما والفاطمة

ترجمہ: "میرے لئے پنج تن پاک ہی کافی ہیں جن کے وسیلے سے تمام وبائیں اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔ وہ پانچ یہ ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی، حسن، حسین، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۸۷)

فرماتے ہیں تبرک کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقبرے کا نمونہ بنا کر گھر کے اندر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (بدر الانوار ص ۵۷)

شیعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت دشمن ہیں۔ ان کے بارے میں مولوی احمد رضا خان صاحب نے یوں شاعری فرمائی ہے:

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دِل کی صورت!
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر

(حدائق بخشش ج ۳ ص ۲۳) نعوذ باللہ من ذٰلک۔

اب بھی محرم کے دنوں میں شیعہ ذاکر واقعاتِ کربلا کو اپنے امام باڑوں میں اتنے زور شور سے بیان نہیں کرتے جتنے زور و شور سے بریلوی ذاکر اپنی مسجدوں میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں یکم محرم سے لے کر آخر صفر تک پورے دو مہینے ماتم کربلا کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ شیعہ بھی سن کر خوش ہوتے ہوں گے اور یہ شعر یوں گنگناتے ہوں گے:

میرے ہی مطلب کی کہ رہے ہیں
زبان ان کی ہے بات میری

آپ کو معلوم ہے شیعہ اور بریلوی دونوں کا یہ مشترکہ نعرہ ہے "شیعہ سُنّی بھائی بھائی، تیسری قوم کہاں سے آئی"۔ مفتی صاحب کی کتاب پڑھ کر مجھے سامری اور اس کا بچھڑا یاد آتے ہیں۔ سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں لوگوں سے زیورات اکٹھے کر کے ایک، عدد بچھڑا بنا ڈالا اور کہا:

﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴾ (سورۃ طٰہٰ: ۸۸)

"یہ ہے تمہارا الٰہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا الٰہ، پس وہ بھول گئے"۔

حضرت ہارون علیہ السلام سمجھاتے رہے پر انہوں نے ایک نہ مانی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو آپ نے ان کے معبود کو جلا کر دریا برد کر دیا اور فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (سورۃ طٰہٰ: ۹۸)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس اُمت کے سامریوں نے لوگوں سے پیسے اکٹھے کر کے صالحین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی قبروں پر بے شمار معبودانِ باطلہ (مزار) تعمیر کر ڈالے۔ ہمارے سمجھانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ضرورت ہے کسی ایسے مردِ مؤمن کی جس کا ایمان حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا ہو جو اِن کے معبودانِ باطلہ کو مسمار کر کے کسی کو راوی میں کسی کو چناب میں کسی کو گنگا جمنا میں اور کسی کو گجرات کاٹھیاواڑ بریلی بدایوں اور کچھوچھ کے بدروؤں میں بہا سکے۔ بُرا نہ مانیں تو میں ان مردوں کے پجاریوں سے ایک فیصلہ کن بات کہنا چاہتا ہوں دنیا میں جتنے بھی پوجے جانے والے مزار ہیں ان سب کو کھود ڈالا جائے اگر بیچ میں سے کچھ بھی نہ نکلے یا اگر نکلے تو خشک ڈھانچہ یا بڑی حد بے جان لاشہ تو ایسی عمارتوں کو ملیا میٹ کر دیا جائے اور اگر ان میں سے سچ مچ زندہ بزرگ برآمد ہو جائیں جیسا کہ حنفیوں کا عقیدہ ہے اور وہ کہہ دیں کہ ہم تمہاری سنتے ہیں اور ہم نہ صرف تمہاری دعائیں اللہ تعالیٰ سے قبول کروانے پر مقرر ہیں بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر، فریاد رس اور مشکل کشا ہیں، تو پھر ہم بھی ان بزرگوں سے درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھیں گے۔ اس معاملے میں تاخیر مناسب نہیں ہو جائے کام شروع۔ بلایئے بلڈوزر والوں کو، تاکہ روز روز لڑنے کی بجائے حق و باطل کا امتیاز بالمشافہ ہو جائے۔ جیسے فرمایا: ﴿قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ۝﴾

یاد رہے کہ بریلوی واعظین اپنی قوم کو بے وقوف بنانے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ یہ حضرات جب کہیں وعظ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو قوالوں کی طرح بطور ہمنوا ایک نعرے باز پارٹی گھر سے اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں جو بات بات پر نعرے مارتی ہے، ہاہو کرتی ہے اور داد و تحسین کے ڈونگرے برساتی ہے تاکہ سامعین پر یہ تاثر پڑ سکے کہ حضرت صاحب بہت اونچی باتیں ارشاد فرما رہے ہیں۔ حقائق و غوامض کی برکھا ہو رہی ہے۔ شریعت کا بیان ہو رہا ہے۔ معرفت کا فیضان ہو رہا ہے۔ عقدہ ہائے طریقت حل ہو رہے ہیں۔ ڈرامے باز کہیں کے۔

حالانکہ الا ماشاء اللہ یہ سارا پروگرام ہی واہیات ہوتا ہے۔ یہ تو اپنے عوام کو قرآن و سنت کی ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتے۔ سچ پوچھئے یہ تو ترجمہ کلاسوں کے بھی دشمن ہیں کیونکہ ترجمہ قرآن کلاسوں کے اجراء سے انہیں اپنی لٹیا ڈوبتی نظر آتی ہے۔ جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا تو اُس دور کے "خود ساختہ سلف صالحین" ان کی جان کے دشمن بن گئے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔ علم سے تو ان کا جنم جنم کا بیر ہے۔ علم سے ان کی دشمنی وہابیوں کی دشمنی سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ عقل اور بریلویت دو متضاد چیزیں ہیں۔

مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد و اعمال کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالیں۔ مگر مفتی صاحب نے اپنی اس کتاب میں قرآن و سنت کو اپنے شرکیہ و بدعیہ اعمال کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
کس درجہ ہوئے فقیہانِ حرم بے توفیق

مفتی صاحب نے اپنے "اہل سنت والجماعت" کی جہالت کا بھرپور فائدہ اُٹھایا ہے اور ان کی آنکھوں میں خوب دھول جھونکی ہے۔ اگر بریلوی عوام قرآن و حدیث کا ذرا بھی ادراک رکھتے تو یہ کتاب ۲۸ بار تو کجا دوسری بار بھی نہیں چھپ سکتی تھی۔

مفتی صاحب نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل تفسیروں سے بھی مدد لی ہے۔ تفسیر رُوح البیان از شیخ اسماعیل حقی، تفسیر احمدی از ملّاں جیون، تفسیر حسینی از ملّاں حسین، واعظ کاشفی، تفسیر کبیر از امام رازی وغیرہ۔ یہ سب غیر معتبر تفسیریں ہیں۔ ان میں ہر قسم کا رطب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا بس اور قیل وقال پایا جاتا ہے۔مفتی صاحب سیانے کوے کی طرح ان میں سے اپنے مطلب کی باتیں چُن لیتے ہیں اور خلافِ مطلب کو نظر انداز فرما دیتے ہیں۔

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کا تو ان کے پاس بس ایک ہی علاج ہے کہ ان کے ظاہر پر ایمان لانے کو کفر کہو اور ان کی ایسی تاویل کرو کہ ابلیس بھی شرما جائے۔

جاء الحق دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کو بریلویت اور دوسرے حصے کو حنفیت کہنا چاہیے۔یعنی حصہ اوّل میں شرک و بدعت کے مسائل ہیں۔جس کے آخر میں طلاقِ ثلاثہ کا رسالہ بھی ہے۔اس موضوع پر میری کتاب "تین طلاقیں" جواب کے لیے کافی ہے۔دوم یہ حنفیہ کی تقلیدی نماز کا ذکر ہے اس موضوع پر میری تین کتابیں ہیں: حي علی الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ اور حدیث اور غیر اہل حدیث۔ حال ہی میں اس حصے کا بالتفصیل اور شافی جواب مولانا محمد داؤد ارشد صاحب نے بھی "دین الحق" کے نام سے لکھ دیا ہے جو چھ سو صفحات پر محیط ہے۔محترم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی صاحب نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔

پہلے حصے کا ایک جواب بھی نظر سے گزرا ہے جس کا نام اظہار الحق مصنفہ چوہدری محمد سرفراز صاحب یہ بھی اچھی کتاب ہے۔اس میں جاء الحق کے مختلف بطلانوں کا ابطال کیا گیا ہے۔بات یہ ہے کہ اس حصے میں مفتی صاحب نے بہت زیادہ شرارتیں کی ہیں۔نہایت گمراہ کن اور ابلیسی دھوکے دیئے ہیں۔سطر سطر سے شیطنت اور لفظ لفظ سے عیاری اور مکاری ٹپکتی ہے۔بندہ نے اس کتاب میں ان کی ہر شرارت کا ترتیب وار جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

مفتی صاحب آج اگر اپنی "حیات ظاہری" کے ساتھ زندہ ہوتے تو کچھ اور ہی بات تھی۔اس کتاب کی صحیح "داد" تو وہی دے سکتے تھے۔ویسے بات یہ ہے کہ یہ کتاب میں نے اکابر بریلوی علماء کے لیے لکھی ہی نہیں کیونکہ انہیں کھرے کھوٹے اور اصل بات (یعنی دِچلی گل) کا علم ہوتا ہے۔یہ کتاب اصاغر بریلوی علماء اور عوام کے لیے لکھی گئی ہے تاکہ انہیں پتہ چلے کہ ان کے اعلیٰ حضرت قسم کے مولوی صاحبان انہیں کس طرح اُلو بناتے ہیں اور کس طرح قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ کا حلیہ بگاڑتے ہیں۔

مجھے بریلوی عوام سے ہمدردی ہے۔میں انہیں عشق رسالت میں مخلص پاتا ہوں۔بریلوی مولویوں نے ان کے اس پاکیزہ جذبے کا رُخ شرک و بدعت کی طرف موڑ دیا ہے اور انہیں اپنی بھیڑ بکریاں بنا رکھا ہے۔اور انہیں بریلوی کم اور برائیلر زیادہ بنا دیا ہے۔یہ بری طرح ان کے قابو میں آئے ہوئے ہیں۔میں انہیں ان کے چنگل سے چھڑانا چاہتا ہوں۔مصیبت یہ ہے کہ بریلویوں کی زیادہ تعداد اَن پڑھ ہے۔کسی صاحب نے جمہوریت کی چیمپئن بھٹو پارٹی کے ایک جیالے سے کہا کہ آج کل تمہارے خلاف اخبارات میں بہت کچھ چھپ رہا ہے۔تو اس نے جواب دیا فکر کی بات نہیں ہمارے ووٹرز اخبارات پڑھتے ہی نہیں۔یہی اطمینان بریلوی مولویوں کو بھی اپنے عوام کے بارے میں حاصل ہے۔

ان کے پاس ایک بہت کارآمد حربہ ہے،جس کتاب سے انہیں خطرہ محسوس ہوا سے نجس اور قابل ضبط کہہ دینا بھی ان کی روایات میں شامل ہے۔عوام کالانعام بے چارے سچ سمجھ لیتے ہیں۔

یقین جانیے انہوں نے عشق کے نام پر اپنے پڑھے لکھے لوگوں کی بھی مَت ماردی ہوئی ہے۔پتہ نہیں انہوں نے انہیں کیا گھوٹ کر پلا دیا ہوا ہے۔دین کے بارے میں سوچنا سمجھنا ان کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔یہ لوگ غور و فکر اور تدبر کی صلاحیت سے محروم کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیئے گئے ہیں۔ یہ اچھی علامت نہیں ہے۔ دل و دماغ سے کام نہ لینے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی مخلوق فرمایا ہے۔ (الاعراف:۱۷۹)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے یقین ہے جس نے بھی خاکسار کی اس کتاب کا نیک نیتی سے مطالعہ کر لیا وہ انشاء العزیز بریلوی نہیں رہ سکے گا۔ کیونکہ وہ ان کے سب ہتھکنڈے جان لے گا۔ سب رمزیں سمجھ لے گا اور سب کمزوریوں سے واقف ہو جائے گا۔ بریلوی مولوی اسے بدھو نہیں بنا سکیں گے۔

یوں تو بریلویوں کے سارے عقائد ہی عجیب و غریب اور مضحکہ خیز ہیں۔ بالخصوص بزرگوں کے بارے میں ان کی کرامات نما حکایات تو پڑھ پڑھ کر ہنسی آتی ہے اور ان کی عقل پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ لیکن بندہ نے اپنی کتاب کو اپنے موضوع تک محدود رکھا ہے اور حتی الامکان صرف انہی باتوں کا جواب دیا ہے جو مفتی صاحب نے بیان کی ہیں۔ تاہم ساتھ ساتھ تھوڑا بہت مولوی احمد رضا خان صاحب کی کنزالایمان اور مفتی صاحب کی نور العرفان سے بھی تعارف ہوتا جائے گا کیونکہ یہ سب ایک ہی سلسلہ ہے۔

﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠﴾ (النور:۴۰)

یاد رہے میری کتاب کے سب عنوانات جاء الحق کے مطابق ہیں۔ میں نے اپنی طرف سے عنوانات قائم نہیں کیے۔

قارئین محترم سے میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ تقلیدی نگاہ سے نہیں بلکہ تحقیقی و تنقیدی نگاہ سے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں اور پھر دیانت داری کے ساتھ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش فرمائیں۔ کسی نہایت ہی متعصب آدمی کا یہ قول ضرورت سے زیادہ وسیع النظر حلقوں میں بہت مقبول ہے کہ اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں مخالف کے مسلک کو چھیڑو نہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے اگر تم ڈوب رہے ہو تو نکلو نہیں۔ کوئی ڈوب رہا ہو تو اسے نکالو نہیں۔

میرے واجب الاحترام بھائیو! اگر اپنا مسلک غلط ہے تو اسے کیوں نہیں چھوڑنا چاہیے؟ مخالف کا اگر صحیح ہے تو اسے کیوں نہیں قبول کرنا چاہیے؟ یا اگر غلط ہے تو اس کی نشاندہی کیوں نہیں کرنی چاہیے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آخر کس چیز کا نام ہے۔ یہ مشورہ تو اس مشورے جیسا ہے جو کفار نے جناب ابوطالب کی معرفت نبی کریم ﷺ کو دیا تھا۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تو میں حق بات کہنے سے باز نہیں آ سکتا۔ اگر نہ چھوڑو اور نہ چھیڑو والی پالیسی مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء حق نے اپنا وقت ہی ضائع کیا۔

اصل بات یہ ہے کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔ گالی نہیں دینی چاہیے۔ تبرے نہیں کہنے چاہئیں بلکہ پیار و محبت کے ساتھ حکیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے دلائل کے ساتھ قائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللّٰهم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه
و ارنا الباطل باطلًا و ارزقنا اجتنابه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

[۱] صفحہ ۲ مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں مگر ان تمام فتنوں اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت وہابیوں نجدیوں کا فتنہ تھا۔ جس کی خبر مخبر صادق نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شام اور یمن کے لیے برکت کی دُعا فرمائی۔ مگر نجد کے بارے میں فرمایا: ((هناك الزلزال والفتن)) "یہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے"۔ ((وبها يطلع قرن الشيطان)) "اور یہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا"۔ (بخاری ص ۱۰۵۱، حدیث نمبر ۷۱۰۳ اور ۷۰۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کی نگاہِ پاک میں دجال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا۔ جس کی اس طرح خبر دی۔

مفتی صاحب نے اس روایت کا نہایت غلط استعمال فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں صاف مروی ہے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے اہل عراق تم چھوٹے چھوٹے مسائل بہت پوچھتے ہو اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہو۔ میرے والد محترم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے مشرق (یعنی تمہارے عراق) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فتنہ اس طرف سے آئے گا یہیں سے شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے۔ (ج ۲ ص ۳۹۴ حدیث ۷۲۹۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ چنانچہ واقعہ جمل، واقعہ صفین، خوارج کا ظہور اور شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سب عراق کی طرف کے فتنے ہیں۔ (بحوالہ تنقیح الرواۃ ج ۴)

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا مشرق علاقہ عراق ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۷)

کوفہ عراق کا ایک شہر ہے لہٰذا میں یہ اگر کہوں شیعت اور حنفیت ہی دراصل شیطان کے دو سینگ ہیں جو عراق کے شہر کوفہ سے طلوع ہوئے تو انہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔ بات بھی درست ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے دو سینگوں کا ذکر فرمایا تھا۔ اگر کسی روایت میں ایک سینگ کا ذکر ہے تو مراد دو ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سینگ تو ہوتے ہی دو ہیں۔ مفتی صاحب نے بڑے دردِ دل کے ساتھ یزید حجاج مامون تاتار، خوارج و روافض جیسے فتنوں کا ذکر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک فتنہ بھی اس علاقے سے تعلق رکھتا ہے جہاں محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ روافض کا سینگ تو طلوع ہی عراق سے ہوا جہاں سے ان کی توءم بہن حنفیت کا سینگ طلوع ہوا۔ مفتی صاحب نے دجال کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے متعلق بخاری شریف کے حنفی محشی فرماتے ہیں:

وقال كعب يخرج الدجال من العراق "حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دجال عراق سے نکلے گا"۔ الزام ہم کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا۔ نبی کریم ﷺ نے خوارج کی یہ علامت بتلائی تھی۔

[۲] سيماهم التحليق لا يزالون يخرجون حتى يخرج آخرهم مع الدجال۔ (عن ابی برزہ نسائی کتاب المحاربہ تحریم الدم ص ۱٦۸ حدیث نمبر ٤١٠٨) ❶

---

❶ تخریج: یہ روایت ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ان کی پہچان سر منڈانا ہوگی، یہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری آدمی دجال کے ساتھ نکلے گا"۔

مفتی صاحب نے اسے بھی وہابیوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔فرماتے ہیں:"سر منڈانا آج بھی وہابی اس سے خالی مشکل سے ہی ملیں گے"۔ سر منڈانا وہابیوں کا مسلک نہیں ہے۔اس کے استحباب یا فضیلت کے متعلق ان کی کسی کتاب میں کچھ نہیں لکھا۔البتہ حنفیوں کی معتبر کتب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

یستحب حلق الراس فی کل جمعة. (ج ۵ باب ۱۶ ص ۳۵۷)

"ہر جمعہ کو سر منڈانا مستحب ہے"۔

بعض لوگ زلفوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔حالانکہ نبی ﷺ نے اختیار دیا ہے۔فرمایا:

احلقوا کله او اترکوا کله. (عن ابن عمر مسند احمد حدیث ۵۶۱۵ مشکوۃ باب الترجل ص ۳۸۰)

"سارا سر منڈاؤ یا سارے بال رہنے دو"۔

اس تحلیق والی روایت میں دجال کا ذکر بھی آیا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((ما بین خلق آدم الی قیام الساعة خلق اکبر من الدجال)). (عن عمران بن حصین مسلم ج ۲ ص ۴۰۵، حدیث ۷۳۹۵، مشکوۃ ص ۴۷۲)

"آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں"۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((انه خارج خلة بین الشام والعراق)). (عن نواس بن سمعان مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ حدیث ۷۳۷۳، مشکوۃ ۴۷۳)

"دجال شام اور عراق کے درمیان خلہ نامی جگہ سے نکلنے والا ہے"۔

خلہ یعنی جہاں سے دجال نے نکلنا ہے اس کے متعلق ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

قریة بناحیة دجلة من بغداد اهلها شر من فی البلاد من العباد. (مرقات ج ۱۰ ص ۱۹۴)

"یہ بغداد کی نہر دجلہ کے کنارے ایک بستی ہے جہاں کے باشندے بدترین مخلوق ہیں"۔

اور مفتی صاحب کی درج کردہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق جس آخری شخص نے دجال کے ساتھ نکلنا ہے ظاہر ہے کہ وہ بھی کوئی بغداد شریف یا اس کے مضافات سے تعلق رکھنے والا ہوگا۔اور روایت (نسائی والی) کے اندر ہے کہ جس بدبخت نے آپ ﷺ کو بے انصاف کہا اس کے الفاظ یہ تھے: یَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتَ فِی الْقِسْمَةِ. (حدیث ۴۱۰۸) آج بھی دیکھ لو کہ یا محمد کے نعرے مارنے والے مسجد و محراب پر یا محمد ﷺ لکھنے والے کون ہیں۔یہی لوگ اُس کی نسل سے ہیں۔

۳ مفتی صاحب خوارج والی حدیث کا رُخ دیوبندیوں کی طرف موڑتے ہوئے فرماتے ہیں، مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے:

لئن ادرکتهم لاقتلنهم قتل عاد. (عن ابی سعید الخدری بخاری حدیث ۷۴۳۲ ص ۱۱۰۵ مسلم ج ۱ حدیث ۲۴۵۱ ص ۳۴۱، مشکوۃ باب المعجزات ص ۵۳۵)

"اگر ہم انہیں پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل کر دیتے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریلویوں کو ڈر کس بات کا ہے؟ دے دیں فتویٰ دیو بندیوں کے خلاف قتل عاد جیسا۔

﴿۴﴾ مفتی صاحب نے رد المختار شامی (ج ۳ باب البغاۃ ص ۳۳۹) سے یہ عبارت نقل کی ہے جیسے کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکہ و مدینہ شریف پر انہوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن ان کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اس لیے انہوں نے اہل سنت والجماعت کا قتل جائز سمجھا اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہابیوں کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا۔ اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی۔ یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ میں ہوا۔

یہ بریلویوں اور دیو بندیوں کی مشترکہ کتاب ہے اور یہ ان ہر دو کی نمائندگی کرتی ہے۔ سعودی حکومت کے بارے میں احناف کے جو دستاویزی خیالات ہیں، اس سے ان کی بخوبی عکاسی ہو جاتی ہے۔ اس مستند کتاب کے مطابق انہیں اتنا علم نہیں کہ اس رجل عظیم کا نام عبدالوہاب نہیں محمد رحمہ اللہ تھا۔ عبدالوہاب ان کی ولدیت ہے۔ جنہیں باپ بیٹے میں فرق نظر نہ آئے ان کی معلومات کا کیا اعتبار۔

فرماتے ہیں: اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ بات اُنہوں نے اس انداز سے کہی ہے جیسے ان کی یہ نسبت صحیح نہ ہو۔ بریلوی اپنے آپ کو جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیا ان کی نسبت صحیح ہے۔ جاء الحق میں انہوں نے جو کچھ اُگلا ہے کیا یہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کی ہی ترجمانی ہے۔ کہتے ہیں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں... الخ۔ کیا بریلویوں کا عقیدہ اس سے مختلف ہے کیا یہ اپنے سوا کسی کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ کہتے ہیں: "یہاں تک کہ اللہ نے وہابیوں کی شوکت توڑ دی"۔

سوال یہ ہے کہ پھر دوبارہ انہیں کس نے برسرِ اقتدار کیا اللہ تعالیٰ نے یا کسی اور نے۔

﴿۵﴾ مفتی صاحب نے اور بھی بہت زہر اُگلا ہے جس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے: سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے "محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح" کے نام سے کتاب لکھ کر ان الزامات کا مسکت جواب دے دیا ہوا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے اصحاب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ دیو بندیوں نے بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ مولانا انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۹۳۳ء) فرماتے ہیں:

اما محمد بن عبدالوهاب النجدی فانه كان رجلا بليدا قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر۔

"محمد بن عبدالوہاب تو کند ذہن اور کم علم تھا اس لیے کفر کا حکم لگانے میں اسے کوئی باک نہیں تھا"۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷۱)

ایک یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیے!

عقائد اس جماعت کے جب خلاف جمہور ہیں۔ بدعتی ہونا ظاہر اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقیہ اور بُرا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحہ میں ان کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض کے ساتھ احتیاط چاہیے۔ حررہ محمد یعقوب نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمد محمود دیو بندی، محمود الحسن دیو بندی، ابوالخیرات سید احمد۔ (جامع الشواہد ص ۱۱ بحوالہ اہل حدیث اور سیاست از مولانا نذیر احمد رحمانی ص ۳۲۵)

﴿۶﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اب بھی جو کچھ ابن سعود نے حرمین شریفین میں کیا وہ ہر حاجی پر روشن ہے"۔ واقعی بہت روشن ہے۔ جو شخص وہاں جاتا ہے وہاں کے خوبصورت عظیم الشان اور پرامن انتظامات دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ اور اس کا وہاں سے واپس آنے کو جی نہیں چاہتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿۷﴾ فرماتے ہیں: "کسی صحابی کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ پڑھے"۔ سوال یہ ہے کیا فاتحہ آپ کو پسند ہے۔ اگر پسند ہوتی تو اسے نماز جنازہ میں پڑھتے۔ بحالت اقتداء نماز میں پڑھتے۔ نیز فاتحہ کا قبر کے نشان سے کیا تعلق ہے۔ یا بغیر نشان قبر کے فاتحہ پڑھنا منع ہے۔ جب آپ عام نمازوں میں سورۃ فاتحہ یا تشہد کے بعد ربنا اغفرلی ولوالدی... الخ پڑھتے ہیں تو کیا سامنے قبروں کے نشان ہوتے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ قبرستان میں تشریف لے جا کر دعا مانگتے تو کیا وہاں قبے بنے ہوتے تھے؟

﴿۸﴾ فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کی جائے ولادت میں میں نے ایک شامیانہ لگا ہوا دیکھا جہاں کتے گدھے بے تکلف پھر رہے تھے۔ اس جگہ پہلے ایک قبہ بنا ہوا تھا جہاں لوگ جا کر نمازیں پڑھتے تھے"۔ مفتی صاحب نے کوئی زیر تعمیر منصوبہ دیکھا ہوگا۔ اب ان کا گلہ دور ہو جانا چاہیے۔ وہاں نہایت خوبصورت اور کارآمد عمارت (اسلامی لائبریری) بن چکی ہے۔ بریلویوں کا اپنے بزرگ ابوحفص حداد کے اس ارشاد کے بارے میں کیا خیال ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر آج تو نے مجھے کچھ عنایت نہ کیا تو کعبہ کی تمام قندیلیں اس پتھر سے توڑ دوں گا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۸۴ از شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ) مفتی صاحب نے سگہائے دربار نبوی ﷺ کا ذکر بڑی حقارت کے ساتھ کیا ہے۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے وہ بھی عاشقوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ بقول اعلیٰ حضرت ؎

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مرغ و مار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كانت الكلاب تقبل و تدبر فى المسجد فى زمان رسول الله صلى الله عليه وسلّم فلم يكونوا يرشون شيئًا من ذٰلك. (بخاری ص ۲۹ حدیث ۱۷۴ مشکوۃ باب تطہیر النجاسات ص ۵۳)

عہد نبوی ﷺ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وجہ سے پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

نیز حنفیوں کی فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

اذا ذبح كلب و باع لحمه جاز. (ج ۳ ص ۱۱۵)

"کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچنا جائز ہے"۔

گدھے کتوں سے زیادہ ناپاک تو نہیں۔ ان پر نبی کریم ﷺ نے سواری بھی فرمائی ہے۔ (عن معاذ بخاری حدیث ۲۸۵۶ ص ۴۰۰، مسلم ج ا حدیث ۱۴۴ ص ۴۴، مشکوۃ کتاب الایمان ص ۱۴)

﴿۹﴾ فرماتے ہیں دہلی میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام تھا مولوی اسماعیل۔ اس نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں خلاصہ کیا جس کا نام رکھا "تقویۃ الایمان" غالباً مطالعہ کیے بغیر مفتی صاحب نے یہ تبصرہ فرما دیا ہے۔ خلاصہ والی غلط فہمی انہیں اس لیے ہوگئی ہے کہ انہیں دونوں کتابوں میں قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں مسئلہ توحید کو واضح کیا گیا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے قرآن وحدیث ہی میں بیان کردہ توحید کا خلاصہ سیدھے سادے انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ان میں تاویلوں کی بھرمار نہیں کی گئی۔ ورنہ بلحاظ تصنیف یہ دونوں اپنی جگہ مستقل کتابیں ہیں اور نہایت مقبول ہیں۔ صاحب علم پر یہ مخفی نہیں البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جاء الحق سراسر مولوی احمد رضا خان صاحب کے خیالات ہی کی ترجمانی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھتے ہیں "یہ حضرت اسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے"۔ اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے، تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے کیونکہ یہی سکھوں کا مرکز تھا"۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ ٹھیک فرمایا نبی کریم ﷺ نے:

((حبك الشيء يعمي ويصم)).[1] (عن ابی درداء، ابی داؤد باب الادب، حدیث ۵۱۳۰، مشکوۃ باب المفاخرہ و العصبیة ص ۴۱۸)

• ترجمہ: "کسی بھی چیز کی ناجائز محبت بندے کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے"۔

شرک کی محبت نے مفتی صاحب کو ایسی لچر بات لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب نے جس مدرسہ میں تعلیم پائی ہے وہاں فقط ابطال حق اور احقاق باطل کا درس دیا جاتا تھا۔ تاریخ کو مسخ کرنے کی اس سے بدترین مثال کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ سنیے تاریخ کیا کہتی ہے۔

مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سید احمد صاحب نے سکھوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اور غازیوں کی ایک جماعت تیار کر کے اپنے خلیفہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں آپ صوبہ سرحد میں پہنچ گئے۔ فتح محمد خان رئیس زادہ کی مدد سے سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رفتہ رفتہ تمام پشاور کو سکھوں کی غلامی سے آزاد کرا لیا۔ مگر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا مقصد یہ تھا کہ وہ سرحدی علاقوں میں قرآنی اصولوں کے مطابق خالص اسلامی حکومت قائم کریں۔ چنانچہ پشاور کو سکھوں سے چھیننے کے بعد آپ نے بیوگان کے عقد ثانی اور لڑکیوں کو ان کے آبائی ورثہ سے ازروئے شرع حصہ دینے پر زور دیا۔ اس پر سردارانِ پشاور آپ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے سازش کر کے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو رفقاء سمیت قتل کرنا چاہا۔

مگر آپ فتح محمد خان رئیس زادہ کی امداد سے ہزارہ میں صحیح و سالم پہنچ گئے۔ وہاں سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے آپ بالاکوٹ کے مقام پر ۱۸۳۱ء میں غازی اسمٰعیل سمیت شہید ہو گئے۔ ٹیپو سلطان کی طرح سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آزاد اسلامی سلطنت کے قیام کے سلسلے میں سر دھڑ کی بازی لگائی اور مخالف قوتوں کے ہجوم کے باعث آپ بھی اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سولہ آنے اسلامی تحریک تھی۔ جب آپ نے مال و زر یا ملک گیری کی غرض سے نہیں بلکہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر شروع کی تھی۔ (تاریخ مسلمانان عالم ص ۱۸۵ از پروفیسر محمد رضا خان)

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل کامیابیوں سے سکھ بہت گھبرا گئے اور انہوں نے آپ کو شکست دینے کے لیے عجیب ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ انہوں نے مشہور کر دیا کہ سید صاحب "وہابی" ہیں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصلح تھے۔ لہٰذا وہ عوام کی مذہبی غلطیوں پر تنقید کرتے رہتے تھے اس لیے جاہل (حنفی) پٹھانوں نے اس پروپیگنڈہ کے زیر اثر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوتیں شروع کر دیں اور بعض جگہ سید صاحب کے مقرر کردہ عمال کو قتل کر دیا گیا۔ مجاہدین نے ان بغاوتوں کو کامیابی سے دبا دیا اور سکھوں کے خلاف بھرپور ٹکر لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سکھ حکومت مجاہدین کی اس تحریک جہاد سے بہت گھبرا گئی تھی اس نے اپنی پوری قوت مسلمانوں کی اس تحریک کو ناکام بنانے میں صرف کر دی۔ پٹھان سرداروں کو خوف اور لالچ سے ساتھ ملا لیا۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجبوراً کشمیر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ سکھ سردار شیر سنگھ اُن کے تعاقب میں تھے۔ وادی کاغان میں واقع قصبہ بالاکوٹ کے مقام پر وہ محصور ہو گئے۔

---

[1] تخریج وحکم: اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوداؤد حدیث ۵۱۳۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جنگ میں مجاہدین بہت بہادری سے لڑے، لیکن سکھوں کی لاتعداد فوج کے سامنے ان کی پیش نہ گئی اور خود سید صاحب رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل جنگ میں شہید ہو گئے۔ سکھوں نے بالاکوٹ کو آگ لگا کر فتح کا جشن منایا۔ (مطالعہ پاکستان ص ۱۴۹ از پروفیسر محمد رفیق)

مشہور مؤرخ اسلام مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ نے سید احمد شہید رحمہ اللہ کا ایک خطاب نقل کیا ہے کہ میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی ایسی مامون جگہ ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے جاؤں اور تدبیر جہاد کروں۔ آپ کے اس ملک کے ولایتی بھائی (اہل سرحد) بھی وہاں حاضر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کام کے لیے بہت خوب ہے۔ اگر آپ وہاں چل کر مقام پکڑیں تو لاکھوں مسلمان دل و جان سے آپ کے شریک ہوں۔ خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے۔ طرح طرح کی اذیتیں دیتا رہتا ہے۔ میں نے کہا سچ ہے بہتر یہ ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور سب مسلمانوں کے اتفاق سے جہاد کریں۔ (سید احمد شہید ج ا باب ۲۵ ص ۱۷۲)

مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ سید صاحب رحمہ اللہ کا جہاد نہ صرف پنجاب کے لیے تھا نہ صرف سکھوں کے خلاف تھا بلکہ پورے ہندوستان کے لیے تھا اور اس میں انگریز بطور خاص آتے تھے۔ (سید احمد شہید ج ا باب ۲۲ ص ۲۸۵)

اگر دیانتداری سے ان اقتباسات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں مفتی صاحب کے تمام ہفوات کا جواب آ جاتا ہے۔ باقی گزارش ہے کہ اگر بدایوں میں احمد یار خان صاحب ہو سکتے ہیں تو سرحد میں سکھ کیوں نہیں ہو سکتے تھے۔

۱۰ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کر دی۔ اسی لیے ان کی قبر ہی نہیں"۔ معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب کے نزدیک شیر سنگھ اور اس کی سکھ فوج سب مسلمان تھے۔ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کافر تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے شیعہ کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافر ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولؤلؤ مسلمان تھا۔ بے شک سرحد کے بعض پٹھانوں نے حنفی مولویوں کے ساتھ مل کر بلکہ انہی کی انگیخت پر شہیدین کے خلاف زبردست سازشیں کی تھیں اور یہ سکھوں کا حملہ بھی انہیں سازشوں کا نتیجہ تھا تاہم آپ مقتول سکھوں ہی کے ہاتھوں ہوئے تھے۔ اگر بالفرض وہ حنفی مولویوں کے ہاتھوں مارے جاتے تو تب بھی ان کا رتبہ کم نہ ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو ایک نام نہاد مسلمان کے ہاتھوں ہی شہید ہوئے تھے اور ان کی قبر کا بھی پتہ نہیں۔ (تاریخ اسلام ص ۵۶۱ از اکبر شاہ نجیب آبادی)

تو کیا اس سے ان کی شان میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ تاہم شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی قبر مبارک معلوم ہے اور دیکھی بھالی ہے۔ مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مولانا کی قبر اس جگہ (بالاکوٹ) سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر قصبے کے شمال مشرق کی سمت بنے نالے کے پار بنی۔ (سید احمد شہید ج ۲ باب ۴۳ ص ۴۲۲) ہاں اس پر قبہ نہیں۔ شاید اس لیے مفتی صاحب کو نظر نہیں آئی۔ بریلویوں کی اہل حدیث سے دشمنی کی وجہ ان کے اعلیٰ حضرت کی یہ تحریریں ہیں:

- نذیر حسین دہلوی کے پیروکار سرکش اور شیطان خناس کے مرید ہیں۔ (حسام الحرمین ص ۱۹)
- نذیر حسین دہلوی کافر مرتد ہے اور اس کی کتاب (معیار الحق) کفریہ قول اور نجس تر از بول ہے۔ (دامان باغ سبحان السبوح ص ۱۳۶)
- غیر مقلدین سب بے دین ہیں شیاطین اور پورے ملاعین ہیں۔ (ایضاً ص ۱۳۴)
- جو شاہ اسماعیل اور نذیر حسین وغیرہ کا معتقد ہو ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے اہل حدیث سب کافر و مرتد ہیں۔ (سبحان السبوح ص ۱۳۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

○ غیر مقلد اہل بدعت اور اہل نار ہیں۔ وہابیہ سے میل جول رکھنے والے سے بھی مناکحت (نکاح کرنا) ناجائز ہے۔ وہابی سے نکاح پڑھوالیا تو تجدید اسلام وتجدید نکاح لازم ہے۔ وہابی مرتد کا نکاح نہ حیوان سے ہوسکتا ہے نہ انسان سے جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵)

○ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فضول باتیں بکا کرتے تھے۔ (ایضاً ج ۳ ص ۳۹۹)

○ ابن قیم ملحد تھا۔ (ایضاً ج ۴ ص ۱۹۹) وغیرہ وغیرہ۔

تقلید کی بحث

﴿۱۱﴾ مفتی صاحب تقلید کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

التقليد هو قبول قول بلا حجة. (بحواله كتاب المستصفى ج ۲ ص ۳۸۷ از امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

بلا دلیل قول قبول کرنا تقلید ہے"۔

التقليد العمل بقول الغير من غير حجة. (بحواله مُسلَّم الثبوت)

"غیر کی بلا دلیل بات پر عمل کرنا تقلید ہے"۔

یعنی جس کی بات حجت نہیں اس کی بات کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تقلید ہے، گویا تقلید ایک بے دلیل عمل کا نام ہے کیونکہ اگر دلیل ہو تو تقلید نہیں تقلید ہو تو دلیل نہیں۔

﴿۱۲﴾ فرماتے ہیں عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لیے حجت نہیں مانتا، بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی صاحب آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا فتویٰ غلط تھا، کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے۔

اہل حدیث کسی عالم سے مسئلہ پوچھتے ہیں، یا اپنی تائید میں کسی عالم کا فتویٰ نقل کرتے ہیں تو حنفی علماء جھٹ انہیں ان کے مقلد ہونے کا طعنہ دے دیتے ہیں۔ مفتی صاحب کی اس بات سے یہ الزام دور ہو گیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حنفی عالم کا فتویٰ قرآن وسنت کے بے شک خلاف ہو مگر کتب فقہ کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ جن کتب فقہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیا وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد کی لکھی ہوئی ہیں یا انہیں عام عالموں نے لکھا ہوا ہے۔ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد کو پتہ چل جائے کہ ان کے ذمہ کیا کچھ لگا دیا گیا ہے تو وہ یہ مصرع گنگنانے پر مجبور ہو جائیں:

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا

(جب میں نے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھی تو پریشانی سے سر پکڑ لیا)

﴿۱۳﴾ فرماتے ہیں: "بخلاف قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع اُمت دیکھ کر مسئلہ فرما دیں تو بھی قبول اور اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے"۔

یعنی قرآن وسنت کی پابندی نہ ان کے عالموں کے لیے ضروری ہے نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد کے لیے ضروری ہے۔ سوال یہ ہے اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرآن وحدیث کے برخلاف ہو تو کیا وہ تب بھی قابل قبول ہے اور بہرحال قابل قبول ہے؟ یعنی پھر اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت نبی ﷺ کی اطاعت لازمی ہوگی یا امام صاحب رحمہ اللہ کی تقلید لازمی ہوگی۔ اگر اطاعتِ رسول ﷺ لازمی ہوگی تو تقلید کا کر یا کرم اور اگر تقلید لازمی ہوگی تو اطاعتِ رسول سے فارغ۔ اگر تقلید کو اطاعتِ رسول ﷺ پر ترجیح دینی ہے جیسے کہ فی الواقع ہے تو انہیں کلمہ تبدیل کر لینا چاہیے۔ حیرانی کی بات ہے جب امام کی بات بغیر حجت کے مانی جاتی ہے تو پھر اس کی بات حجت کیسے ہوگئی کیا یہ اجتماع النقیضین نہیں ہے۔ یا کیا امام پیغمبر ﷺ کی طرح خود حجت ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر کی طرح اس کا ہر قول و فعل حجت شرعی ہوتا ہے تو پھر یہ تقلید تو نہ ہوئی بلکہ اللہ ورسول ﷺ کے برابر بلکہ ان سے بڑھ کر ان کی اطاعت ہوئی۔

﴿۱۴﴾ فرماتے ہیں صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لیے کہ یہ شرعی مسائل حرام وحلال میں تقلید نہیں ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کا ہے۔ مسلمان تو کہتے ہیں: جدا ہو دین سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

مفتی صاحب نے شریعت اور دین کو بھی جدا جدا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شریعت ہندوانہ اور طریقت راہبانہ و جوگیانہ ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تقریباً اہلحدیث والی نماز پڑھتے تھے۔ رفع الیدین بھی کرتے تھے، آمین بالجہر بھی کہتے تھے تورّک (آخری تشہد میں پاؤں نکال کر بیٹھنا) بھی کرتے تھے، اقامت اکہری کہتے تھے، جلسہ استراحت کرتے تھے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۸ تا ۱۰) وغیرہ۔ تو کیا ان کی شریعت غلط تھی؟ اگر غلط تھی تو پھر ان کی طریقت کیسے صحیح ہوگئی۔ میں پوچھتا ہوں آج مثلاً کوئی ان جیسی نماز پڑھنے والا شخص ان کا امام ہو سکتا ہے یا اس کی بیعت ہو سکتے ہیں یعنی جس کے پیچھے ان کی نماز بھی جائز نہ ہو کیا وہ اس لائق ہے کہ اسے مشائخ میں سے شمار کیا جائے۔

﴿۱۵﴾ فرماتے ہیں: "بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے"۔ عرض ہے کہ جب تک مفتی صاحب جیسے محققین موجود ہیں یعنی جنہوں نے ہر ہندوانہ رسم کو قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے "مدلل" کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، باپ دادا کی کوئی رسم خلاف شریعت کیسے ہو سکتی ہے۔ کیا ان رسموں کو ایجاد کرنے والے اور انہیں ماننے والے اجماع اُمت سے خارج ہیں۔ مفتی صاحب نے آگے چل کر اپنی کتاب میں بے شمار جگہ پر

((ما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن))

"جو چیز عام مسلمانوں کے نزدیک حسن (اچھی) ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی اور جائز ہے"۔

سے استدلال فرمایا ہے تو کیا یہ قاعدہ ان رسموں پر لاگو نہیں ہوتا۔ کیا یہ لوگ مسلمان نہیں تھے۔ یا ان کا اجماع معتبر نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾ مفتی صاحب نے قرآن پاک کی یہ آیات نقل کی ہیں:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ۝﴾ (المائدہ: ۱۰۴)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں"۔

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾ (البقرہ: ۱۷۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا"۔

پھر لکھتے ہیں: "ان جیسی آیتوں میں اس تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں کے حرام کاموں میں کی جائے۔ رہی شرعی تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت اس سے ان آیات کا کوئی تعلق نہیں"۔ کاش مفتی صاحب قرآن پاک کی یہ آیت بھی نقل فرما دیتے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۳۱)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا"۔

اور پھر اس موضوع پر حضرت عدی بن حاتم کا نبی ﷺ سے جو مکالمہ ہوا تھا وہ بھی نقل فرما دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ اہل کتاب اپنے علماء و مشائخ کی عبادت نہیں کرتے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا ان کے علماء و مشائخ نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا اور انہوں نے ان کی پیروی کی پس یہ ان کی عبادت ہی ہے۔ (مسند احمد ترمذی حدیث ۳۰۹۵)[1]

اَبٌ کے معنی المنجد میں باپ کے علاوہ یہ بھی لکھے ہیں:

((من کَانَ سَبَبًا فی ایجاد شیء او اصلاحه)).

"جو شخص کسی شئی کی ایجاد یا اصلاح کا سبب ہو"۔

اس آیت میں آباء سے مراد صرف باپ دادے نہیں۔ رسم و رواج کے کوئی بھی بانی اور بزرگ مراد ہیں۔ امر واقع یہ ہے بریلوی مولوی اپنی کسی بھی جہالت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ مسائل میں تقلید کا ہتھیار استعمال کر لیتے ہیں اور آبائی رسموں میں اجماع اُمت، سوادِ اعظم سبیل المؤمنین اور ماراہ المسلمون حسنا (خلاصہ: آوازِ خلق نقارۂ خدا) جیسی اصطلاحات استعمال فرما لیتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی موافقت یا مخالفت ان کے ہاں کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ تاویل کے فن میں طاق ہیں اور قرآن و حدیث کی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ اس قابل ہیں کہ پورے ہندو مذہب پر اسلام کا خول چڑھا دیں۔

[1] تخریج وحکم: صحیح ہے۔ ترمذی شریف، حدیث ۳۰۹۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب:

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے اور کن میں نہیں؟

۱۷ فرماتے ہیں: "عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں" یعنی عقائد میں یہ غیر مقلد ہیں۔ انہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، مشکل کشا، عرس بزرگان، ختم خواجگان اور گیارھویں شریف وغیرہ جیسے عقائد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مسلک تھا۔ چونکہ انہیں معلوم ہے کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان لغویات سے مبرا تھے اور عقائد میں ان کی تقلید سے ان کا دین خطرہ میں پڑ سکتا ہے تو کہہ دیا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں۔ یہ بات لکھ کر انہوں نے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد کی تقلید سے تو بچا لیا ہے لیکن اس پوری کتاب میں وہ اپنے آپ کو فقہ حنفی کی تقلید سے نہیں بچا سکے۔ اپنے مخصوص عقائد کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جابجا فقہ حنفی کی عبارتوں کے حوالے دیئے ہیں اور جو مخالف عبارتیں نظر آئیں ان کے جوابات دیئے ہیں تاویلیں کی ہیں اور تطبیقات دی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب عقائد میں تقلید جائز ہی نہیں تو پھر یہ سارا سیاپا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یا پھر یہ بات ہے کہ حسب ضرورت امام بدل لیے جاتے ہیں۔ یعنی جب کسی امام کا قول مطابق نظر آیا تو خاموشی سے اس کی تقلید کر لی اور جس کا قول مخالف نظر آیا تو کہہ دیا کہ ہم اس کے مقلد ہی نہیں جب سرے سے یہ عقائد میں کسی کے مقلد ہی نہیں تو کسی امام کا قول موافق ہو یا مخالف اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

۱۸ فرماتے ہیں: "صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ جو مسائل قرآن وحدیث یا اجماع اُمت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے"۔ یعنی یہ عقائد میں بھی غیر مقلد ہیں۔ صریح احکام میں بھی غیر مقلد ہیں۔ صرف استنباطی مسائل میں مقلد ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اور جس کی حنفی لوگ نہایت شد و مد کے ساتھ تقلید کرتے ہیں کیا ان میں کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں جو قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہو۔ کیا یہ سب مسائل اجتہادی ہیں؟ کیا ان سب کو استنباط کر کے نکالا گیا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صرف بجھارتیں دے گئے ہیں۔ (معاذ اللہ) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا نہ ہوتے تو اسلام فقط ایک چیستان ہوتا۔ حقیقت یہ ہے عقائد ہوں یا صریح مسائل ہوں یا اجتہادات و قیاسات ہوں قرآن وحدیث ان کے لیے شجر ممنوعہ ہیں۔ یہ مادر پدر آزاد لوگ ہیں۔ نہ ان کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق ہے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی نسبت ہے نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد سے کوئی واسطہ ہے، البتہ فقہ حنفی میں جو بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں جو چوں چوں کا مربہ جمع کیا گیا ہے جو طرح طرح کا رطب و یابس بھرا گیا ہے اور جو کھچڑی یا جو حلیم پکائی گئی ہے بس وہ ان کا مذہب ہے اور مذہب بھی اس طرح کا کہ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مبسوط سرخسی، ہدایہ وغیرہ میں جو جدل مناقشات اور مباحثات پائے جاتے ہیں حنفی مذہب کی اصل بنیادیں ہیں حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ سب اصول معتزلہ کی اختراع اور ایجاد ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص ۱۶۰) مولانا عبدالحئی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں: پس کئی حنفی فُروع میں حنفی اور اعتقاداً معتزلہ تھے جیسے زمخشری شارح قدوری، نجم الدین زاہدی، عبدالجبار، ابوہاشم اور جبائی وغیرہ۔ اور اسی طرح کئی حنفی شیعہ اور مرجئہ بھی تھے۔ (الرفع والتکمیل) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احناف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو معتزلہ، کرامیہ اور کلامیہ کے اصولوں کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں اور یہ کام شیعہ اور حنفیوں کی جنس سے ہے۔ (منہاج السنۃ ج۳ ص ۶۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب:

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں؟

۱۹ مفتی صاحب مجتہدین کے چھ طبقے بیان فرماتے ہیں۔ پہلا طبقہ مجتہد فی الشرع کا ہے جس میں ائمہ اربعہ کو گنوایا ہے۔ دوسرا طبقہ مجتہد فی المذہب کا بیان کیا ہے جس میں امام ابو یوسف، امام محمد اور ابن مبارک رحمہم اللہ کو شمار کیا ہے کہ یہ قواعد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اُٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ تو یہی کہا جائے گا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فروعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں وہ کسی کے مقلد نہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے بنائے ہوئے اصول و قواعد کا مطلب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ مزید مسائل استنباط کرنے کی ضرورت پڑے تو انہیں کام میں لایا جاسکے۔ یہ مطلب تو نہیں ہونا چاہیے تھا کہ ان اصول و قواعد کو لے کر خود امام صاحب رحمہ اللہ کے استنباط کردہ مسائل کی مخالفت ہی شروع کر دی جائے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے استاد اپنے شاگردوں کو تلوار پکڑا دے کہ لو اس سے میرا گلا کاٹ دو۔ اگر صاحبین اصول و قواعد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد تھے تو پھر دو چار یا دس بیس مسائل میں نہیں امام صاحب رحمہ اللہ کے کل دو تہائی مسائل میں اختلاف کیسے پیدا ہو گیا۔ کیا وہ اصول و قواعد اتنے ہی غلط اور بوگس تھے؟ درخت ہوا نار کا لگیں اس کے ساتھ کینو۔ یا بنیادیں استوار کی گئی ہوں پرائیویٹ مکان کی، بن جائے اس پر میرج ہال۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ اور ثلث رطل کا ہے۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ بین السطور میں لکھا ہے کہ یہی امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ (ج ۱ ص ۱۷۰) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر واجب ہیں جب کہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نفلی ہیں۔ (ہدایہ ص ۱۰۴) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مال غنیمت میں سے سوار کے دو حصے ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تین حصے ہیں۔ (ہدایہ اولین ص ۵۴۲) اب سوال یہ ہے کہ ان مسائل میں صاحبین رحمہما اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ کے کن اصولوں کی تقلید کی ہے۔

۲۰ فرماتے ہیں: "امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا بلکہ حنفی ہی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب رحمہ اللہ کے اس قاعدہ سے عمل کیا"۔ اب سوال یہ ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ نے دو تہائی مسائل میں امام صاحب رحمہ اللہ سے جو اختلاف کیا ہے وہ صحیح احادیث کی بنا پر کیا ہے یا ضعیف احادیث کی بنا پر۔ اگر صحیح احادیث کی بنا پر کیا ہے تو کیا وہ صحیح احادیث امام صاحب رحمہ اللہ کے علم میں نہیں آئی تھیں۔ اگر ان کے علم میں آئی تھیں تو پھر وہ احادیث امام صاحب رحمہ اللہ کے لیے اور ان کی اُمت کے لیے حرام کیوں ہیں۔ اگر ضعیف احادیث کی بنا پر یا غلط اجتہاد غلط استنباط اور غلط قیاس کی وجہ سے اختلاف کیا تھا تو کیا پھر وہ اس قابل ہیں کہ انہیں مجتہد فی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المذہب مانا جائے۔

فرماتے ہیں چونکہ امام ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ ہی کے قول کو لینا ہے۔ جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن ہی پر عمل ہے"۔

صاحبین اور ایک روایت کے مطابق خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ایک مثل سایہ پر وقت عصر کے قائل ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۲)

صاحبین موٹی جرابوں پر مسح کے قائل ہیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے بھی صاحبین رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور اب اسی پر فتویٰ ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۶)

امام محمد رحمہ اللہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۸۳)

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بھی امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور لوگ بھی پڑھتے ہیں۔ سوائے ایک کوفی قوم کے ((ما جاء فی ترك القراءة خلف الامام اذا جهر الامام بالقراءة)) وغیرہ۔

کیا احناف ان مسائل پر نظر ثانی فرمانے کے لیے تیار ہیں۔ بالخصوص جب کہ یہ حنفی ہی رہیں گے۔ کیونکہ بقول ان کے یہ دراصل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مسائل ہیں۔

۲۱ فرماتے ہیں: "علماء و مشائخ سب مقلد ہی ہوئے خواہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد ہوں یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے"۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ جو فرمایا ہے: ((اذا صح الحدیث فهو مذهبی)) یعنی صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اگر ان کے اسی قاعدے کو مان لینے کا نام تقلید ہے۔ تب تو ہم بھی اس بات میں ان کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ کیونکہ یہ ہر صحیح مسلمان کا اصول ہے اور اسی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر) ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (آل عمران: ۳۲)

اور اگر یہ معنی ہے کہ ان علماء اور محدثین نے کسی مجتہد کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال رکھا تھا اور وہ ان کے مسائل سے سر مو انحراف نہیں کرتے تھے تو اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہیں ہو سکتا۔ انہیں خود اعتراف ہے کہ اس معیار پر امام صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد بھی پورا نہیں اُترتے تھے۔ دو تہائی مسائل میں انہوں نے اپنے استاد سے اختلاف کیا تھا۔ باقی علماء کی تو بات ہی جانے دیجیے۔

(الف) فرماتے ہیں: "زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا مالک ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کے لیے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں"۔ سوال یہ ہے کیا موجودہ زمانہ بانجھ ہو گیا ہے کیا نبوت کے ساتھ علم بھی ختم ہو گیا ہے۔ اب جو بے شمار نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں کیا ان کو قبروں کے مُردے آ کر حل کریں گے؟ کیا احمد رضا خان صاحب کے پاس کما حقہ علم نہیں تھا۔ جن کے متعلق ان کی ملفوظات (ص ۲) میں لکھا ہے کہ پچاس علوم و فنون میں ہزار سے زیادہ کتب و رسائل آپ کی یادگار رہیں۔ کیا اتنا علم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی آتا تھا۔ مقدمہ فتاویٰ رضویہ (ج ۵ ص ب) میں لکھا ہے: امام احمد رضا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ اعلیٰ حضرت معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک معجزہ تھے۔ (انوار رضا ص ۲۹۰)

اعلیٰ حضرت زمین میں اللہ تعالیٰ کی حجت تھے۔ (ایضا ص ۳۰۳) اعلیٰ حضرت کی زبان و قلم کا یہ حال دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور زبان و قلم نقطہ برابر خطا کرے، اس کو ناممکن فرما دیا۔ (احکام شریعت ص ۱۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا شاہ ولی اللہ علم سے بے بہرہ تھے۔ کیا محدثین علم میں کورے تھے۔ کیا فقہاء بس برائے نام تھے؟ کیا مشائخ کی شخصیت فقط درشنی تھی۔ کیا ان میں کوئی بھی مرتبہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہوا تھا۔ آخر وہ کونسا علم تھا جو ائمہ اربعہ کے پاس تھا اور پوری کائنات میں کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ کونسی سونٹھ کی گٹھی تھی جس سے ان چار خوش نصیبوں کے سوا کسی کو حصہ نہ ملا اور باقی سب محروم رہ گئے نیز میں یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ خاتم المجتہدین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں جو سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ یا امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ جو چاروں میں سب سے آخر میں پیدا ہوئے۔

(ب) فرماتے ہیں ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا تھا، میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ التکاثر سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں۔ اور اس میں حقیقت مجاز صریح وکنایہ ظاہر ونص کتنے ہیں۔ اس بے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔ سوال یہ ہے کیا اس قسم کا امتحان کسی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی لیا تھا۔ اور وہ اس میں پاس ہو گئے تھے بلکہ گستاخی نہ سمجھی جائے تو عرض کروں کیا نبی علیہ السلام نے بھی سورہ التکاثر سے مفتی صاحب کے مطلوبہ مسائل نکال کر دکھلائے تھے اور مذکورہ اصطلاحات بیان فرمائی تھیں۔ مفتی صاحب نے اس مدعی اجتہاد کا ذکر بڑی حقارت کے ساتھ کیا ہے۔ اس لیے کہ اسے سورہ التکاثر کی مذکورہ تفصیلات کا علم نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب کو ساری باتیں لازماً معلوم ہوں گی تو پھر کم از کم انہیں ہی دعویٰ اجتہاد کر دینا چاہیے تھا۔ اگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود مفتی صاحب مجتہد نہیں بن سکے تھے تو پھر یہ معلومات جاننے کا کیا فائدہ؟

مانا کہ مجتہد کو اچھے خاصے علم کی ضرورت ہے۔ لیکن کیا اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے کے لیے بھی اتنے ثقیل علوم جاننے کی ضرورت ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ مدت رضاعت (حولین کاملین) مکمل دو سال ہے۔ (بقرہ: ۲۳۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

البیعان بالخیار ما لم یتفرقا. (عن حکیم بن حزام بخاری حدیث ۲۱۱۰، مسلم حدیث ۳۸۵۸، مشکوۃ باب الخیار ۲۴۴)

”خرید وفروخت کرنے والوں کو سودے کی واپسی کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صلوا کما رأیتمونی اصلی)). (عن مالک، بخاری حدیث ۶۳۱ ص ۸۸)

”نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب)). (عن ابن عمر بخاری حدیث ۷۵۶ ص ۱۰۴، مسلم ج ۱ حدیث ۸۷۴ ص ۱۶۹)

”فاتحہ کے بغیر نماز نہیں“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ (عن ابن عمر بخاری حدیث ۷۳۶ ص ۱۰۲، مسلم ج ۱ حدیث ۸۶۱ ص ۱۶۸)

کیا یہ باتیں جاننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سورہ التکاثر کے ان سارے علوم کو جانا جائے؟ میں پوچھتا ہوں کیا مفتی کہلوانے والے اس قابل نہیں کہ قرآن وحدیث سے مسئلہ معلوم کر کے کسی کو بتلا سکیں۔ پھر وہ کاہے کے مفتی ہیں۔ کیا یہ اصلی مفتی ہیں؟ نسلی مفتی ہیں؟ یا مفت کی روٹیاں توڑنے والے مفتی ہیں۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں ”جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہو وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء کہ ان کا صرف یہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں"۔

حالانکہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

((اجمع الفقهاء على ان المفتي يجب ان يكون من اهل الاجتهاد)). (ج ۲ باب ۱ ص ۳۰۸)

"فقہاء کا اجماع ہے کہ مفتی صاحب کا اہل اجتہاد میں سے ہونا واجب ہے"۔

اگر قرآن و حدیث کی بجائے فقہ کی کتاب بلکہ شاید صرف بہشتی زیور یا فتاویٰ رضویہ وغیرہ دیکھ کر ہی انہوں نے فتویٰ دینا ہے اور اسی کی عبارت کو نقل کر دینا ہے تو پھر یہ اصلی مفتی تو نہ ہوئے نقلی مفتی ہوئے۔

اگر یہ مفتیان دین قرآن و حدیث سے فتویٰ دینے کے مجاز ہی نہیں تو پھر انہیں قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے کا اشتہار دینے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا یہ ناٹک عام مسلمانوں سے چندہ اینٹھنے کے لیے رچایا جاتا ہے۔ اب یہ ڈرامہ انہیں بند کر دینا چاہیے۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: اذا صح الحديث فهو مذهبي۔ امام صاحب کے اس قول کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی۔ یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح و قدح اور تحقیق کی ہے۔ تب اسے اختیار کیا۔ چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا"۔ سوال یہ ہے کہ اتنی جرح قدح اور تحقیق کے بعد جب ان مجتہد فی المذہب شاگردوں نے امام صاحب رحمہ اللہ سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کر ڈالا تو کیا وہ امام صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں تقیہ فرماتے رہے یا ان کا لحاظ فرماتے رہے اور احتراماً غلط مسئلوں میں ان کا ساتھ دیتے رہے یا پھر یہ کہ انہوں نے ضعیف احادیث کی بنا پر اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ مگر مفتی صاحب قبل ازیں صاحبین رحمہ اللہ کے مذہب کو بھی اذا صح الحديث فهو مذهبي کا مصداق قرار دے چکے ہیں۔ فیصلہ ہونا چاہیے کہ اس قول کا مصداق کس مذہب کا ہے صاحبین رحمہ اللہ کا یا امام صاحب رحمہ اللہ کا ہے تو؟ پھر وہ کہاں ہے؟

تقلید واجب ہونے کے دلائل

﴿۲۲﴾ مفتی صاحب نے تقلید کے وجوب پر سر فہرست ان آیات کو نقل کیا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (سورۃ الفاتحہ)

"ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا"۔

پھر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم یہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں۔ اور تمام مفسرین، محدثین فقہاء اولیاء اللہ غوث۔ قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں۔ وہ سب ہی مقلد گزرے لہٰذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا"۔ مفتی صاحب نے جن قطبوں اور ابدالوں کا ذکر کیا ہے جب یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس وقت ان کے والد محترم بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں منعم علیہم کے راستہ کی توفیق مانگنے کا ذکر فرمایا ہے، قرآن پاک نے جن لوگوں کو منعم علیہم قرار دیا ہے وہ یہ لوگ ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین۔ فرمایئے اس میں کون کس کا مقلد تھا؟ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو بطور مثال پیش فرمایا ہے:

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا﴾ (بقرہ:۱۳۷)

"اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں"۔

اور معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقط اطاعتِ رسول ﷺ کرنے والے تھے کسی کی تقلید کرنے والے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ان ہی جیسے ایمان کو معتبر فرمایا ہے کیونکہ اصل چیز صراط مستقیم ہے۔ جس پر چلنے کی توفیق مانگی گئی ہے نہ کہ لوگ۔ یعنی حق کا معیار صراطِ مستقیم ہے نہ کہ بندے۔ ہوسکتا ہے جنہیں ہم اللہ کے نیک بندے سمجھتے ہوں (قطب ابدال وغیرہ) وہ درحقیقت نیک بندے نہ ہوں۔ جب کہ صراطِ مستقیم سے مراد قرآن وحدیث ہے۔ جن کے غیر مستقیم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدمت نبوی ﷺ میں مصروف ایک غلام تیر کھا کر جاں بحق ہوگیا، لوگوں نے کہا اسے جنت مبارک ہو، فرمایا ہرگز نہیں اس نے خیبر والے دن مالِ غنیمت میں سے جو چادر کھسکائی تھی وہ اس پر شعلے مار رہی ہے۔ (عن ابی ہریرہ بخاری حدیث ۴۲۳۴ ص ۶۰۸، مسلم حدیث ۳۱۰ ج ۱ ص ۴۷، مشکوٰۃ باب قسمۃ الغنائم ص ۳۴۹)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا کسی نے کہا جنت کی بشارت ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ اس نے لایعنی گفتگو کی ہو یا بخل سے کام لیا ہو۔ (عن انس ترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۳۱۶ مشکوٰۃ باب حفظ اللسان ص ۴۱۳) [1]

لہٰذا اور کسی کے بارے میں کیا گارنٹی دی جاسکتی ہے۔ دراصل صراط مستقیم پر چلنے والے ہی منعم علیہم ہیں اور یہ فقط وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ جنہیں ہم اللہ کے نیک بندے سمجھتے ہیں، ہوسکتا ہے وہ فی الواقع نیک ہی ہوں لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ ان کے اعمال سو فیصد درست ہوں، یہ تو صرف پیغمبر کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اصل چیز اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت ہے:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ﴾ (النساء:۶۹)

"اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ"۔

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر غیروں کی اطاعت کرنے والے تو مغضوب اور ضالین ہیں۔ جن کے راستہ سے بچنے کی دُعا مانگی گئی ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:۳۱)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو ربّ بنالیا"۔

اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو اپنی طرف بھی منسوب فرمایا ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ﴾ (الانعام:۱۵۳)

"اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو"۔

پس نیک بندوں کا راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

(الف) فرماتے ہیں: "غیر مقلد وہی ہے جو مجتہد نہ ہو تقلید نہ کرے جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے وہ غیر مقلد نہیں"۔ یہ قیمتی نکتہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے، اس کا مآخذ قرآن پاک ہے یا حدیث شریف یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی فرمان ہے؟ یہ اصل میں مقلد مفتیوں کا ذاتی اجتہاد ہے

[1] تخریج وحکم: یہ روایت شواہد کی بنا پر جید ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کا مقصد فقط حفظِ ماتقدم ہے یعنی تا کہ ہمیں غیر مقلد کی گالی دی جا سکے اور امام صاحب کو اس گالی سے محفوظ رکھا جا سکے۔ حالانکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت مجتہد بھی نہ ہوں اور مقلد بھی نہ ہوں یہ تو اجتماع النقیضین ہے۔ ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ غیر مقلد تھے اور آپ کے غیر مقلد ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ آپ درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ مفتی صاحب کی بات سے ثابت ہو گیا کہ جو مقلد نہ ہو ضروری نہیں کہ اسے غیر مقلد ہی کہا جائے اگر یہ بات حق ہے تو اسی طرح یہ بات بھی اپنی جگہ برحق ہے کہ ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ لازماً مقلد ہو یا مجتہد۔ یعنی جیسے بقول مفتی صاحب مقلد اور غیر مقلد کے علاوہ ایک مقام اجتہاد کا ہوتا ہے۔ اسی طرح مقلد اور مجتہد کے علاوہ ایک مقام اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہوتا ہے۔

جس طرح مجتہد کو تقلید کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والا اُمتی بھی تقلید کی لعنت سے بے نیاز ہوتا ہے۔ امام کے مقلد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی میں یہ فرق ہے کہ مقلد اپنے عالم سے امام کا قول پوچھتا ہے جب کہ رسول کا اُمتی اپنے عالم سے قرآن کی آیت یا پیغمبر کی حدیث پوچھتا ہے۔ یعنی وہ پوچھتا ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ تقلید کے گھڑ میں پھنسا ہوا انسان گلشنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہاروں اور خوشبوؤں کو کیا جانے۔

(ب) فرماتے ہیں: ”جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرانا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے“۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کہا جائے چونکہ تمہارے منہ میں دانت اور پیٹ میں آنت نہیں لہٰذا تم یہ فضلہ کھالو یہ ہضم شدہ غذا ہے۔ یا جیسے غریب آدمی کو خنزیر، مردار، خون اور گیارھویں شریف وغیرہ کھانے کا مشورہ دے دیا جائے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ تقلید اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ شے ہے۔ دراصل یہ سمجھتے ہیں کہ تقلید اور اجتہاد کے علاوہ اور کوئی مقام ہی نہیں حالانکہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

نیز گزارش ہے کہ جو ہزاروں مسائل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیے ہیں اور جن میں اجتہاد و استنباط کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کم از کم ان میں تو مقلدین کو تقلید کے پھندے سے نکلنے کی اجازت دے دو۔ آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع اُمت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔ (ص ۱۸) لہٰذا مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کا صرف یہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔ (ص ۲۰) کتنا احمقانہ نظریہ ہے، بھلا کوئی پوچھے ان مسائل سے اجتہادی اور استنباطی مسائل مراد ہیں یا وہ مسائل بھی جنہیں قرآن و حدیث نے بیان فرما دیا ہے۔

(ج) مفتی صاحب نے اس آیت سے بھی استدلال فرمایا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبة:۱۰۰)

”اور جو مہاجر اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے“۔

فرماتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہے جو مہاجرین اور انصار کے اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں“۔ مفتی صاحب کو خود اعتراف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید نہیں کی گئی۔ (ص ۳۰) پھر نہ جانے انھوں نے ان کی اتباع کو تقلید کیسے کہہ دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین کے قائل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔(بخاری حدیث ۷۳۶ ص ۱۰۲، مسلم حدیث ۸۶۱ ص ۱۶۸) حضرت وائل بن حجر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی قائل تھے۔ ❶ (بخاری حدیث ۷۳۷ ص ۱۰۲) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آمین بالجہر کے قائل تھے۔(بیہقی ج ۲ ص ۵۹) حضرت مالک بن حویرث جلسہ استراحت کے قائل تھے۔(بخاری حدیث ۸۲۴ ص ۱۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز میں جہری بسم اللہ کے قائل تھے۔(نسائی، باب قراءت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حدیث ۹۰۴) ❷

حضرت عائشہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سفر میں پوری نماز کو جائز سمجھتے تھے۔(بخاری ص ۱۴۸ حدیث ۱۰۹۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آٹھ تراویح کی قائل تھیں۔(بخاری ص ۱۵۴) وہ مسجد میں نماز جنازہ بھی جائز سمجھتی تھیں۔(مسلم ج ۱ حدیث ۲۲۵۲ ص ۳۱۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔(بخاری حدیث ۴۹۷۷ ص ۷۴۴) وہ رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان رکھنے کے قائل تھے۔(مسلم ج ۱ حدیث ۱۱۹۳ ص ۲۰۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک گدھا حرام نہیں تھا۔(شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۱۴۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ متعہ کے قائل تھے۔(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۵۰) وغیرہ۔

کیا حنفیہ ان مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کرنا پسند فرمائیں گے۔ان کی تقلید نہ کر کے کیا اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہا۔دراصل اس آیت میں اتباع سے مراد تقلید نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے تھے، اسی طرح سب مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کی پیروی کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

"جو اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمی ہے"۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید نہیں کی گئی جن سے کسی کو برابری کا دعویٰ نہیں ہے تو اور کون اس لائق ہو سکتا ہے۔مفتی صاحب نے اتباع اور تقلید کو ہم معنی قرار دے کر اپنی جہالت کا اعلیٰ ترین مظاہرہ فرمایا ہے۔

﴿۲۳﴾ قرآن پاک میں ہے:

﴿ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء: ۵۹)

اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں:"نبی علیہ السلام اور امام مجتہد کا ہر حکم ہر کام کسی کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا تینوں چیزوں میں پیروی کی جائے گی"۔مفتی صاحب نے ان الفاظ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر درجہ دے دیا ہے یعنی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث چاہے وہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری حجت ہے، اسی طرح امام صاحب کی بھی ہر قولی فعلی اور تقریری بات حجت اور پیروی کے لائق ہے۔﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

مفتی صاحب نے یہاں اطاعت اور تقلید کو گڈمڈ کر دیا ہے۔صفحہ ۱۶ پر مفتی صاحب خود لکھتے ہیں:"حضور علیہ السلام کی اطاعت کرے، کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا ہر قول و فعل شرعی ہے۔تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا"۔تو جب اطاعت تقلید نہیں ہو سکتی تو تقلید کیسے اطاعت کہلا سکتی ہے۔یاد رہے اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی شرعی ہے۔جب کہ تقلید میں دلیل شرعی کو نہیں دیکھا جاتا لہٰذا تقلید

---

❶ حکم و تخریج: صحیح۔ ❷ حکم و تخریج: صحیح۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہرگز اطاعت نہیں کہلا سکتی۔

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ آگے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ﴾

"پھر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف"۔

اس سے معلوم ہوا اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے باقی ہر کسی کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اس شرط کے ساتھ تقلید کا پتہ کٹ گیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق))۔ (عن نواس بن سمعان شرح السنه حديث ٢٤٥٥، مشكوة كتاب الامارة ص ٣٢١) [1]

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔

(الف) فرماتے ہیں: "اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جائے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں"۔ سوال یہ ہے کیا مجتہد کی اطاعت خلافِ شرع کاموں میں بھی کی جائے گی؟

(ب) فرماتے ہیں: "اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد ہو جب بھی تقلید ثابت ہو ہی گئی عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی"۔ اگر تقلید ثابت ہو گئی تو بادشاہ کا مجتہد ہونا بھی ثابت ہو گیا، کیونکہ تقلید مجتہد کی ہوتی ہے۔ بقول مفتی صاحب جو خود مجتہد نہ ہو وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے۔ کیا احناف کو اتنے بے شمار مجتہد منظور ہیں۔ فرض کیجیے ایک ہی شخص کی زندگی میں یکے بعد دیگرے پانچ چھ اسلامی بادشاہ گزریں اور وہ شرعی احکام میں ان کی اطاعت اور خلافِ شرع کاموں میں ان کی مخالفت کرتا چلا جائے تو کیا یہ تقلید ہے؟ اولی الامر والی آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جسے نبی ﷺ نے ایک لشکر میں روانہ فرمایا تھا۔ (بخاری ص ۶۵۹ حدیث ۴۵۸۴)

اس واقعہ کی تفصیل دوسرے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ نبی ﷺ نے ایک انصاری صحابی (عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ) کو ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ ان سے کسی بات پر ناراض ہو گئے اور کہا کیا نبی ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ صحابہ نے کہا: ہاں۔ بولے ایندھن جمع کرو۔ انھوں نے ایندھن جمع کیا۔ کہنے لگے: اسے آگ لگا دو۔ انہوں نے آگ لگا دی۔ کہا: اب اس میں کود جاؤ۔ انہیں نے قصد کیا، لیکن بعض متردد تھے کہ آگ سے بچنے کے لیے ہی ہم نبی علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اس پس وپیش میں آگ بجھ گئی اور ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ نبی ﷺ تک بات پہنچی تو فرمایا اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک آگ میں ہی رہتے۔ اور فرمایا: اطاعت صرف جائز کاموں میں ہے۔ (بخاری ص ۶۲۲ حدیث ۴۳۴۰) اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت بھی غیر مشروط نہیں دوسری بات یہ کہ اولی الامر کا مطلب حکام ہیں یعنی جن کا حکم چلتا ہوا اماموں کا تو صرف فتویٰ چلتا ہے۔ لفظ امر کا تقاضا بھی یہی ہے۔ نیز اولی الامر جمع کا صیغہ ہے جس سے مراد مختلف اور متعدد حکام ہیں نہ کہ ہمیشہ کے لیے ایک فوت شدہ مجتہد۔ اولی الامر سے مراد علماء بھی ہوں تو وہ ایک نہیں کئی ہیں۔ مخصوص نہیں عام ہیں۔ حنفیہ ائمہ اربعہ کو مانتے ہیں مگر ایمان ایک پر لاتے ہیں باقی تین کی تقلید کا انکار کرتے ہیں ہم سب کو مانتے ہیں مگر ان کی تقلید کا انکار کرتے ہیں گویا ہم مکمل طور پر تقلید

---

[1] تخریج: یہ حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منکر ہوئے جب کہ حنفیہ تین چوتھائی تقلید کے منکر ہیں تو ہم میں اور ان میں صرف ایک چوتھائی کا فرق ہے اگر ائمہ ثلاثہ کے تقلید نہ کرنے سے حنفیہ کا ایمان سلامت ہے تو ہم نے اگر اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شامل کر لیا تو کون سی آفت آ گئی۔ ایک دیوبندی مولوی صاحب نے دورانِ وعظ ارشاد فرمایا: صرف ایک امام کی تقلید کرنا باقی تین اماموں کی تقلید نہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے چار آسمانی کتابوں میں سے ایک قرآن ماننا۔

ثابت ہوا ان کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید قرآن پاک کے برابر درجہ رکھتی ہے۔ کیا انہیں اتنا علم نہیں قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اربعہ میں سے سب سے پہلے امام ہیں۔ اگر ضرور تقلید کرنی ہے تو پھر تقلید پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرنی چاہیے یا آخری امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کرنی چاہیے۔ یا کیا اللہ تعالیٰ نے اختیار دے رکھا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے جس کی چاہے تقلید کر لو۔ کیا ایسا اختیار چار آسمانی کتابوں کے بارے میں بھی ہے۔ پھر تو حنفیہ کو قرآن پاک چھوڑ کر پہلی کسی کتاب پر ایمان لے آنا چاہیے۔ ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾[1]

(ج) مفتی صاحب نے درج ذیل آیت سے بھی تقلید پر استدلال فرمایا ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۷)

"تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہ ہو۔"

اگر علم کی بات پوچھنے کا نام تقلید ہے تو پھر ہر وہ شخص جس سے علم کی بات پوچھی جائے اسے مجتہد ماننا پڑے گا، پھر تو ہر ماں باپ مجتہد ہیں، ہر استاد مجتہد ہے، ہر مولوی مجتہد ہے، الغرض جس سے بھی علم کی بات پوچھی جائے وہ مجتہد ہے اور پوچھنے والا مقلد ہے۔ اگر احناف کو ہر پوچھے جانے والے شخص کا مجتہد ہونا منظور ہے تو پھر ہمیں ہر پوچھنے والے شخص کا مقلد ہونا بھی منظور ہے۔ آج بے شمار مسائل ایسے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتے نہ اصول فقہ کے تحت ان کا کوئی حل ممکن نظر آتا ہے۔ آخر وہ کن مجتہدین فی الشرع سے دریافت کیے جائیں گے؟ کیا ان کے لیے بغداد جا کر امام صاحب کی قبر کو کھودا جائے گا۔ اگر اس آیت سے تقلید پر استدلال ہو سکتا ہے تو پھر اس سے یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ تقلید جاہل کی ضرورت ہے اور یہ کہ ہر مقلد جاہل ہوتا ہے یعنی اگر عالم ہے تو مقلد نہیں مقلد ہے تو عالم نہیں۔ اگر بقول احناف ائمہ اربعہ کے سوا سب فقہاء، محدثین، اقطاب، ابدال، اغواث، اور پچاس علوم کے ماہر احمد رضا خان صاحب سمیت تمام مقلدین ہیں تو انہیں جاہل بھی ماننا پڑے گا۔ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس بات پر اجماع ہے کہ مقلد اہل علم میں شمار نہیں کیونکہ علم حق دلیل کے ساتھ جاننے کا نام ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۰)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تقلید سے فتویٰ دینا جائز نہیں اس لیے کہ تقلید علم نہیں ہوتا اور بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۷)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا ما لم يعلم من اين قلناه. (ایقاظ ص ۵۳)

"ہماری دلیل جانے بغیر کسی کو ہمارے قول سے فتویٰ دینا جائز نہیں"۔

قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت سے بھی اور ائمہ کرام کے ان اقوال سے بھی ثابت ہوا کہ مقلد مفتیوں سے فتویٰ لینا جائز نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ یہ اہل ذکر میں سے نہیں بلکہ جاہل ہیں۔

(د) فرماتے ہیں: ”بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ﴿فَسْـَٔلُوْٓا﴾ سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں“۔ یہ بات اس لیے مفتی صاحب نے ارشاد فرمائی ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق ان کے حق میں نہیں اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ (الانبیاء: ۷)

”تجھ سے پہلے جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے بھی مرد تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے“۔

اگلی آیت یوں ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۸)

”ہم نے ان کے جسم ایسے نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے“۔

یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو اہل علم سے جو بات پوچھوانا اور تصدیق کروانا چاہتا ہے وہ مفتی صاحب کے نزدیک صحیح نہیں۔ سیاق و سباق سے ہٹ کر جو نتیجہ انہوں نے خود نکالا ہے وہ صحیح ہے۔ مفتی صاحب کے استاد مولوی نعیم الدین صاحب نے کنز الایمان کے حاشیہ میں اس مقام پر رجالًا کی تشریح صورت بشری سے کی ہے یعنی انبیائے کرام بظاہر صورت انسان تھے درحقیقت انسان نہیں تھے۔ جو بات انہوں نے انبیائے کرام کے بارے میں کہی ہے اگر کوئی خود ان بریلوی مولویوں کے بارے میں کہے تو ان پر کیا گزرے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((يكون بعدي ائمة لا يهتدون بهدای ولا يستنّون بسنتي و سيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمانِ اِنسٍ))۔ (عن حذیفہ مسلم ج ۲ ص ۱۲۷، حدیث ۴۷۸۵، مشکوٰۃ کتاب الفتن ص ۴۷۴)

”میرے بعد ایسے ائمہ ہوں گے جو میری ہدایت اور سنت کے مطابق نہیں چلیں گے اور ان میں ایسے آدمی ہوں گے جن کے دِل شیطانوں کے اور جسم انسانوں کے ہوں گے“۔

صفحہ ۱۷ پر مفتی صاحب چند قرآنی آیات نقل کر کے فرماتے ہیں: ”ان جیسی آیتوں میں اس تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں کے حرام کاموں میں کی جائے۔ رہی شرعی تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت ان سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں“۔ یعنی ان کے نزدیک جہاں سیاق و سباق حق میں ہو وہاں آیت مخصوص ہو جاتی ہے اور جہاں حق میں نہ ہو وہاں مطلق ہو جاتی ہے۔

سورہ لقمان کی آیت نمبر ۱۵ کا یہ ٹکڑا نقل کیا گیا ہے:

﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ﴾ (لقمان: ۱۵)

”اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو“۔

پھر فرماتے ہیں: ”اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے“۔ یہ آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی اس لیے اس کے اولین مخاطب آپ ہی ہیں اور پھر بالتبع سب مسلمان تو کیا نبی ﷺ پر بھی تقلید واجب ہو گئی حالانکہ یہ آیت تقریباً ایک ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰)

"یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریقے پر چلیے"۔

تو کیا یہ بھی تقلید ہے؟

قرآن پاک میں ہے: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (الفرقان: ۷۴) "اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا"۔

اس کے متعلق فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے"۔ ان الفاظ میں تقلید کی نہیں پیشوا بننے کی دُعا مانگی گئی ہے۔ مفتی صاحب نے شروع میں کتابوں سے تقلید کی جو تعریف نقل کی ہے یعنی بلا دلیل کسی کی بات پر عمل کرنا اگر اسے پیش نظر رکھا جائے تو کیا اس دُعا کا یہ مطلب ہے کہ یا اللہ ہمیں ایسے لوگوں کا پیشوا بنا جو ہمارے قول فعل اور تقریر کو بلا دلیل قبول کریں۔ کیا ائمہ اربعہ کے سوا حنفیہ ان معنوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت یہ پیشوائی کسی کو دینے کے لیے تیار ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ تو جب اس آیت سے وہ مصطلحہ پیشوائی ہی ثابت نہیں ہوتی جو تقلید کے لیے جانے کے لیے ضروری ہے تو تقلید کیسے ثابت ہو گئی؟

یاد رہے اس آیت میں متقین کا امام بننے کی دُعا مانگی گئی ہے نہ کہ مقلدین کا امام بننے کی اعاذنا اللہ منه یہ کتنی عجیب بات ہے کہ صحابہ اور تابعین ساری عمر یہ دعا مانگتے رہے مگر ان میں سے کسی کی یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ پوری اُمت میں صرف ائمہ اربعہ کی دُعا قبول ہوئی بلکہ درحقیقت صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دُعا قبول ہوئی۔ کیونکہ بقول مفتی صاحب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں یہ تمام حضرات امام اعظم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ (ج ۲ ص ۲۴۷)

۲۴ ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (توبہ: ۱۲۲)

"سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں ڈرائیں تا کہ وہ ڈر جائیں"۔

اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: "معلوم ہوا ہر شخص پر مجتہد بننا ضروری نہیں بلکہ بعض تو فقیہ بنیں اور بعض دوسروں کی تقلید کریں"۔ وہ فقرہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے ہر انسان مرد نہیں ہوتا بلکہ بعض عورتیں ہوتی ہیں اور بعض مخنث۔ ظاہر ہے کہ یہ تقسیم صحیح نہیں۔ کہنا تو یوں چاہیے تھا بعض مرد ہوتے ہیں اور بعض عورتیں۔ مفتی صاحب نے فقرے کا آغاز تو یوں فرمایا ہے کہ ہر شخص پر مجتہد بننا ضروری نہیں۔ اصولاً آگے یہ الفاظ ہونا چاہئیں تھے بلکہ بعض مجتہد بنیں.... الخ لیکن یہ نہیں لکھا کیونکہ ان کا مسلک اس کی اجازت نہیں دیتا تھا بلکہ لکھا ہے بعض فقیہ بنیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے مجتہد کا لفظ بولا ہی کیوں ہے؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے تا کہ عبارت میں تقلید کا لفظ کھپایا جا سکے۔ کیونکہ تقلید فقیہ کی نہیں مجتہد کی ہوتی ہے یاد رہے یہ آیت ائمہ اربعہ کے لیے مخصوص نہیں یہ سب کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ اس آیت کی رُو سے ہمیشہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان میں ہر علاقے کے کچھ لوگ دین کی سمجھ حاصل کر کے اپنی قوم کو تبلیغ کریں۔ اس میں حنفیوں والے اجتہاد اور تقلید شخصی کا ذکر نہیں۔ طائفہ کا اطلاق بھی جماعت پر ہوتا ہے نہ کہ پوری کائنات میں قیامت تک کے لیے شخص واحد پر۔ بقول مفتی صاحب اگر اس آیت سے تقلید ثابت ہوتی ہے تو ڈرانے والے اپنی قوم کو صرف اجتہادی اور استنباطی مسائل کی تبلیغ کریں گے۔ یا انہیں عقائد و احکام سے بھی آگاہ کریں گے کیونکہ مفتی صاحب نے فرمایا تھا عقائد و احکام میں تقلید جائز نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿۲۵﴾ ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۳)

"اور اگر یہ لوگ اسے رسولؐ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں"۔

اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: "صاف معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات کو پہلے استنباط کرنے والے علماء کے سامنے پیش کرے پھر جس طرح وہ فرما دیں اس پر عمل کرے۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے لہٰذا اس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے"۔ مفتی صاحب نے اپنا مطلب اخذ کرنے کے لیے ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ کی طرح اس کا سیاق و سباق حذف کر دیا ہے۔ شروع میں یہ الفاظ ہیں: ﴿اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ﴾ "جب انہیں کوئی خبر امن یا خوف کی ملے"۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ از خود افواہوں کی تشہیر نا مناسب ہے، انھیں ارباب حل و عقد کے نوٹس میں لانا چاہیے تاکہ وہ تحقیق کریں کہ آیا خبر سچی ہے یا جھوٹی۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن اور نبی ﷺ کا فرمان (بشرطیکہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو) تو جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا لہٰذا اس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے۔ میں پوچھتا ہوں مفتی صاحب نے اس کتاب میں جتنی آیتیں حدیثیں اور خبریں درج کی ہیں کیا انہوں نے ان سب کو اپنے مجتہد یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد پر پیش کیا ہے اور انہوں نے انھیں اس قسم کے اضحوکۂ روزگار استدلالات کرنے کی اجازت دے دی ہے یا حضرت مفتی صاحب خود ہی درجہ اجتہاد و استنباط پر فائز ہو چکے ہیں۔ کیونکہ بقول انکے اجتہاد و استنباط صرف مجتہد کا کام ہے۔

﴿۲۶﴾ ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۱) "جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت بلائیں گے"۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا کہ اے حنفیو! اے شافعیو! اے مالکیو! چلو۔ تو جس نے امام ہی نہ پکڑا ہو اس کو کس کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیائے کرام فرماتے ہیں جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے"۔

مفتی صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ کہاں چلو؟ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ کیونکہ قرآن پاک میں یہ بھی ہے:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ (القصص: ۴۱)

"اور ہم نے انھیں ایسے امام بنا دیئے جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں اور روزِ قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں"۔

مفتی صاحب مسلسل آیاتِ کریمہ کی بے حرمتی فرماتے چلے جا رہے ہیں، کیا یہ نبی ﷺ کی امامت کے قائل نہیں ہیں، بے شک جس نے اللہ کے نبی ﷺ کو اپنا امام نہیں بنایا اس کا امام شیطان ہے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (الزخرف: ۳۶)

"اور جو شخص اللہ کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے"۔

ہمارے امام، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اگر اپنے اپنے پیشواؤں کے نام سے آواز پڑے گی تو اہلحدیث کو ان شاء اللہ "اے محمدیو!" کہہ کر بلایا جائے گا۔ جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا جائے گا، تابعین کو بلایا جائے گا، تبع تابعین کو بلایا جائے گا، ائمہ اربعہ کو بلایا جائے گا اور بدعتیوں سے فرمایا جائے گا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((سحقا سحقا لمن غير بعدى)). (عن سهل بن سعد بخاری ص ۹۷۴ حدیث ۶۵۸۴، مسلم ج ۲ حدیث ۵۹۶۹ ص ۲۴۹، مشکوۃ باب الحوض ص ۴۸۸)

"جنہوں نے میرے بعد تبدیلی پیدا کردی وہ دور دفعہ ہوجائیں"۔

ایک تفسیر کے مطابق اس آیت میں امام سے مراد عمل نامہ ہے، جیسے فرمایا:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ﴾ (یٰسٓ:۱۲) "اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کردیا ہے"۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ (بقرہ:۱۳) "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں کی طرح تم بھی ایمان لاؤ"۔

اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو تو مذہب بھی وہی ٹھیک ہے جو نیک بندوں کی طرح ہو۔ اور وہ تقلید ہے"۔

حالانکہ "لوگ" سے اولین مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور مفتی صاحب کو تسلیم ہے کہ وہ تقلید نہیں کرتے تھے۔ تو ان کا سا ایمان مقلدوں کا ہے یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے والوں کا۔

اقوال مفسرین و محدثین

۲۷ ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ﴾ (الکھف:۲۴) "اور جب بھی بھول جاؤ اپنے ربّ کو یاد کرلیا کرو"۔

مفتی صاحب تفسیر صاوی سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں: "یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں، اگرچہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیونکہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے"۔ سوچا جائے تو یہ کلمہ ہندوؤں اور سکھوں کے کفر سے کم نہیں ابھی تو چار مذہبوں کا نام لے کر انہوں نے بہت لحاظ فرمایا ہے اور بڑی رعایت برتی ہے ورنہ ان کی کتاب اصول کرخی میں لکھا ہے کوئی آیت یا حدیث ہمارے ائمہ کے قول کے خلاف ہو اسے منسوخ سمجھا جائے یا اس کی تاویل کی جائے۔ (ص ۱۱) یعنی کوئی آیت یا حدیث صرف فقہ حنفی کے خلاف ہو اسے بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ درمختار میں لکھا ہے ہمارا مذہب حق ہے دوسرے کا مذہب خطا ہے۔ (ج ۱ ص ۳۶) مزید غور فرمایئے! پچھلے صفحات میں مفتی صاحب خود لکھ آئے ہیں کہ عقائد میں بھی تقلید نہیں کی جائے گی صریح احکام میں بھی تقلید نہیں کی جائے گی صرف اجتہادی اور استنباطی مسائل میں تقلید کی جائے گی یہاں فرمارہے ہیں کہ تقلید کے مقابلہ میں نہ قرآن منظور ہے نہ حدیث منظور نہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم منظور ہیں یہ سب گمراہی ہی گمراہی ہے۔ لعنت ہے اس مسلک پر جس کی وجہ سے قرآن و حدیث کو ردّ کردیا جائے اور ہزار لعنت ہے اس مذہب پر جس کے مقابلہ میں اللہ کے قرآن اور پیغمبر کی حدیث کو کفر کہا جائے ان کے اعلیٰ حضرت بھی لکھتے ہیں۔

اسماعیل دہلوی کہتا ہے کہ ایک شخص کی تقلید پر جمے رہنا باوجود اس کے کہ اپنے امام کے خلاف صریح احادیث موجود ہوں درست نہیں ہے اس کا یہ کہنا کفریات میں سے ہے۔ (الکوکبۃ الشہابیہ ص ۱۰)

یہ اہل سنت والجماعت کا حال ہے۔ مفتی صاحب نے ائمہ اربعہ کا نام لیا ہے یہ بھی انہوں نے جھوٹ بولا ہے، درحقیقت ان حنفیوں کے لیے ائمہ ثلاثہ کی تقلید بھی جائز نہیں ان کے لیے صرف ایک ہی تقلید حلال ہے اور وہ بھی صرف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقلد کی نہیں بلکہ فقہ حنفیہ میں بیان شدہ بھان متی کے کنبہ کی۔ اہل حدیث کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن سے حنفیہ کو اختلاف ہے مگر ائمہ ثلاثہ میں سے انھیں کسی نہ کسی کی تائید اور موافقت حاصل ہے، مثلاً فاتحہ خلف الامام، رفع یدین وغیرہ۔

تو کیا ان مسائل میں حنفیہ کے لئے ائمہ ثلاثہ کی تقلید حلال ہے یا حرام۔ ایک زمانہ تھا کہ حنفیوں کے نزدیک شافعی ہونا قابل گردن زدنی جرم تھا۔ (المبین ج ۱ ص ۳۹) پھر ظلم تو یہ ہے کہ یہ بات اُنھوں نے قرآنی آیت کی تشریح میں بیان کی ہے یعنی یہ قرآن کی تفسیر ہے اس کا مطلب یہ ہے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اماموں کی تقلید کرنا اصل میں ربّ کو یاد کرنا ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔

تفو برتو اے چرخ گرددں تفو (اے آسمان والو! ان بدبختوں پر لعنتیں برساؤ)

یہ بات تقریباً ایسے ہی ہے جیسے مولوی احمد رضا خان صاحب کے ملفوظات میں لکھا ہے ایک مرتبہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دجلہ پر تشریف لائے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے بعد کو ایک شخص آیا اسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی، کوئی کشتی اس وقت موجود نہ تھی جب اس نے حضرت صاحب کو جاتے دیکھا۔ عرض کی میں کس طرح آؤں۔ فرمایا: یا جنید یا جنید کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا پہنچا تو شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں میں بھی یا اللہ نہ کہوں، اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا۔ فرمایا: وہی کہہ یا جنید یا جنید۔ جب کہا، دریا پار ہوا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی آپ اللہ کہیں تو دریا پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں؟ فرمایا: ارے نادان ابھی تو جنید تک تو پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔ اللہ اکبر (ص ۱۰۴)

یعنی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو پکارنا شیطان لعین کا وسوسہ ہے مولانا سرفراز احمد صاحب گکھڑوی نے اپنی کتاب راہِ سنت میں یوں تو جاء الحق کے بہت سے حوالے دیئے ہیں اور ان کی زوردار تردید کی ہے مگر مفتی صاحب نے تقلید کی حمایت میں جو کفر بھرا ہوا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے شاید اس لیے کہ یہ کفران کے مطلب کا ہے حالانکہ تقلید کے سلسلے میں اُنھوں نے جو دلائل دیئے ہیں ان کا معیار بھی وہی ہے جو علم غیب وغیرہ کے دلائل کا ہے ان سے اختلاف اور ان سے اتفاق؟

﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝﴾ (النجم:۲۲) "یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے"۔

(الف) مفتی صاحب نے یہ حدیث نقل کی ہے:

((عن تميم الداري ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الدين النصيحة قلنا لمن قال لله و لكتابه و لرسوله ولائمة المسلمين و عامتهم)). (بخاری باب ۴۲ ص ۱۳، مسلم ج ۱ حدیث ۱۹۶ ص ۵۴)

"تمیم داری سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی۔ فرمایا: اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے امام کی اور عام مسلمانوں کی"۔

فرماتے ہیں اس حدیث کی شرح نووی میں ہے:

((و قد يتناول ذلك على الائمة الذين هم علماء الدين و ان من نصيحتهم قبول ما رووه و تقليدهم في الاحكام و احسان الظن بهم)).

"یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں اور علماء کی خیرخواہی سے ہے ان کی روایت کی ہوئی احادیث کا قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا اوران کے احکام میں تقلید کرنا اوران کے ساتھ نیک گمان کرنا"۔

محض لفظ تقلید کی وجہ سے مفتی صاحب کو یہ شرح پسند آ گئی ورنہ حقیقت میں یہ ان کے خلاف ہے یہاں تقلید کا لفظ اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے اور علمائے دین سے مراد صرف ائمہ اربعہ نہیں بلکہ احادیث بیان کرنے والے وہ تمام بے شمار محدثین مراد ہیں۔ جو مفتی صاحب کے خیال میں خود مقلدین ہیں تو کیا مقلدین کی تقلید بھی جائز ہوتی ہے۔ نیز یاد رہے علامہ نووی رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث کے الفاظ ائمۃ المسلمین سے مراد خلفاء وغیرہ ہیں۔ چنانچہ اسی مقام پر علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی مشہور ہے۔ خطابی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ نیز خطابی نے کہا ہے کہ... الخ آگے وہی عبارت ہے جو مفتی صاحب نے نقل کی ہے یعنی یہ شارح مسلم نووی) کا قول نہیں بلکہ خطابی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے... الخ۔

سوال یہ ہے کیا سب خلیفوں کی سب محدثین کی اور سب ائمہ کی تقلید اصطلاحی معنوں میں جائز ہے اور کیا خیر خواہی اسی کا نام ہے اور کیا جو شخص کسی امام کی تقلید نہیں کرتا تو وہ اس کا بدخواہ ہوتا ہے اور کیا حنفیہ امام ابوحنیفہ غیر مقلد کے سوا باقی سب کے بدخواہ ہیں۔

دوسری فصل: تقلید شخصی کے بیان میں

(ب) حدیث نقل فرماتے ہیں:

((من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم أوْ یفرق جماعتکم فاقتلوہ)). (عن عرفجہ مسلم ج ۲ حدیث ۴۷۹۸ ص ۱۲۸، مشکوۃ باب الامارۃ ص ۳۲۰)

"جو تمہارے پاس آئے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو"۔

فرماتے ہیں: "اس میں مراد تمام علمائے دین ہی ہیں، کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں"۔ اگر اس حدیث میں مراد امام صاحب ہیں تو اسی باب میں یہ حدیث بھی ہے۔

((انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ و یتقی بہ)). (عن ابی ہریرہ بخاری حدیث ۲۹۵۷ ص ۴۱۵ مسلم ۴۷۷۲ ج ۲ ص ۱۲۶ مشکوۃ ص ۳۱۸)

"بے شک امام ڈھال کی طرح ہے اس کے پیچھے سے لڑا بھی جاتا ہے اور بچاؤ بھی کیا جاتا ہے"۔

اور یہ حدیث بھی ہے:

((اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ)).(عن انس بخاری حدیث ۷۱۴۲ ص ۱۰۵۷ مشکوۃ ص ۳۱۹)

"اور اطاعت کرو اگر چہ تم پر کسی حبشی غلام کو عامل بنایا جائے جس کا سر منقے جیسا ہو"۔

کیا ان میں بھی امام صاحب مراد ہیں؟ بقول مفتی صاحب اگر حدیث میں مراد امام صاحب ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کی امامت چل رہی ہو تو دوسرا امام واجب القتل ہوتا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منهما)). (عن ابی سعید مسلم ج ۲ حدیث ۴۷۹۹ ص ۱۲۸ مشکوۃ ص ۳۲۰)

"جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو"۔

تو پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد تھے تو کیا باقی ائمہ ثلاثہ واجب القتل تھے اور اگر چہ چاروں ائمہ ہی برحق ہیں تو معلوم ہوا اُمت ان چاروں میں سے کسی ایک کی اطاعت پر متفق نہیں ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجل واحد کی بات کی ہے۔ خود مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں"۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک امام کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز ہے تو پھر صاحبین رحمہما اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کیوں کیا۔ کیا انھیں یہ حقیقت معلوم نہیں تھی؟ اور امام صاحب رحمہ اللہ کو یہ فرمانے کی کیوں ضرورت پیش آئی صحیح حدیث مل جائے تو وہ میرا مذہب ہے نیز جب ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ تمہارا افلاں مسئلہ خلاف شرع ہے تو چیختے کیوں ہیں؟

(د) فرماتے ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

((لا تسئلونی ما دام هذا الحبر فیكم)). (بخاری حدیث ۶۷۳۶ ص ۹۹۷، مشکوۃ باب الفرائض ص ۲۶۴)

"جب تک یہ علامہ تم میں رہیں مجھ سے مسائل نہ پوچھو"۔

کہتے ہیں: معلوم ہوا افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔ درمختار (ج ۱ ص ۴۲) میں لکھا ہے کبھی مفضول میں ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو فاضل میں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں ثابت کرتا ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے اسے زندہ موجود ہونا چاہیے تو کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس وقت زندہ موجود ہیں۔ مفتی صاحب ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ تقلید تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ (ص ۲۸) دوسری جانب تقلید کے جراثیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی پیدا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں، کہتے ہیں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے۔ تو کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی کوئی افضل ہے؟ کیا ان کے ہوتے ہوئے ائمہ ثلاثہ کی تقلید جائز ہے؟ فرماتے ہیں: ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔

تو کیا حنفیوں کی نگاہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسی لیے افضل اور اعظم ہیں کہ یہ ان کے مقلد ہیں ورنہ وہ درحقیقت افضل اور اعظم نہیں۔ ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (المؤمنون: ۵۳) یعنی دریافت طلب بات یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ فی الواقع افضل اور اعظم ہیں یا صرف مقلدوں کے حسن ظن کے مطابق افضل و اعظم ہیں۔ اگر فقط مقلدوں کے حسن ظن کے مطابق افضل و اعظم ہیں تو اس کی کچھ حقیقت نہیں کیونکہ بھیڑ بکریوں کی رائے کا کیا اعتبار۔ قابل اعتماد رائے مجتہد کی ہوتی ہے۔

(ر) ((من مات وليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية)). (عن ابن عمر مسلم حدیث ۴۷۹۳ ج ۲ ص ۱۲۸، مشکوۃ ص ۳۲۰)

"جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: "اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ ہندوستانی وہابی کس کی بیعت ہیں"۔ میں کہتا ہوں: اگر مردہ امام کی تقلید اور مردہ ولی کی بیعت ہو سکتی ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیعت کیوں نہیں ہوسکتی ہم نے صرف ان کا کلمہ پڑھا ہے لہٰذا ہم فقط ان کی بیعت اور اطاعت میں ہیں۔ باقی نبی ﷺ نے اطاعت امیر کے بارے میں جو بے شمار احادیث بیان کی ہیں کیا حنفیوں کا ان پر ایمان نہیں؟ کیا انھیں ان سے انکار ہے ہندوستانی وہابی اگر کسی سلطان کی بیعت نہیں تو ہندوستانی حنفی کس سلطان کے بیعت ہیں اس اعتراض کی نوعیت اس قسم کی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) "اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا"۔

اب جس کے ماں باپ ہی فوت ہو چکے ہوں وہ کیا کریں؟ یعنی جب بھارت میں مسلمان سلطان ہے ہی نہیں تو بیعت کس کی کرنی ہے؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی اپنے مسلمان حاکموں کی اطاعت کرنی ہے جہاں تک مسلمان حاکموں کا تعلق ہے بحمداللہ اہل حدیث جائز احکام میں ان کی اطاعت کرتے ہیں اور خلاف شرع احکام سے اظہار برأت کرتے ہیں یہی نبی ﷺ کی ہدایت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا:

((فان لم یکن جماعة ولا امام قال فاعتزل تلك الفرق كلها و لو ان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت)). (بخاری حدیث ۷۰۸٤ ص ۱۰٤۹، مسلم ج ۲ حدیث ٤۷۸٤ ص ۱۲۷، مشکوۃ کتاب الفتن ص ٤٦١)

"اگر امام اور جماعت نہ ہو تو؟ فرمایا: ان سب فرقوں سے جدا رہو اگرچہ تمہیں درخت کی جڑیں کھا کر گزارہ کرنا پڑے۔ یہاں تک کہ تمہیں اسی حالت میں موت آ جائے"۔

ایک روایت میں باقاعدہ یہ الفاظ ہیں:

((ليس احد من الناس يخرج من السلطان شبرا فمات عليه الامات ميتة جاهلية)). (عن ابن عباس مسلم ج ۲ حدیث ٤۷۹۱ ص ۱۲۸)

"جو شخص بھی حاکم کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکل گیا اور اس پر اس کی موت واقع ہوگئی وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

فرماتے ہیں: "تبع تابعین رحمہ اللہ کے زمانہ سے اب تک ساری اُمت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع اُمت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے"۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس نے ابلیس کو بھی شرما دیا ہوگا۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت تین چار صدیاں گزر جانے کے بعد چار مذہبوں میں تقسیم ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ چوتھی صدی سے پیشتر لوگ کسی ایک مخصوص مذہب کی تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے۔ (حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۲)

حافظ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قیاس اور تقلید کا ظہور چوتھی صدی ہجری میں ہوا۔ تابعین کے دور میں قیاس احتیاط کی بنا پر تھا۔ اسے واجب العمل اور یقینی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (احکام ابن حزم رحمہ اللہ)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تقلید کا وجود تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگر ہم اس دعویٰ میں غلط ہیں تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی مقلد ہمارے اس دعوے کو غلط ثابت کرے اور ہمیں بتلائے کہ کوئی شخص بھی مقلدین کے اس راستے پر چلا ہو جس پر موجودہ مقلدین چل رہے ہیں یہ بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی جس کی مذمت نبی علیہ السلام فرما چکے ہیں۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۴۵)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب میرا قول قرآن وحدیث یا قول صحابہ کے خلاف ہو تو میرے قول کو ترک کر دو۔ (عقد الجید ص ۲۶)

نیز فرمایا: جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ (درمختار ج ۱ ص ۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عطاء، حضرت مجاہد اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ہر ایک کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ جب تمہیں میرا قول حدیث کے خلاف نظر آئے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۷)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہ میری تقلید کرو نہ مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرو نہ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی نہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی اور نہ کسی اور کی۔ تم بھی انہی کی طرح کتاب وسنت سے احکام حاصل کرو۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۷)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کسی کے لیے جائز نہیں کہ ہمارے قول کے مطابق فتویٰ دے جب تک کہ اسے ہمارے قول کی دلیل معلوم نہ ہو۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۰)

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم رائے کو فقط اس وقت قبول کرتے ہیں جب ہمیں حدیث نہ ملے۔ جب ہمیں حدیث مل جائے تو ہم رائے کو چھوڑ دیتے ہیں اور حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ (ایقاظ ص ۵۲)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہر قول قبول کرلوں تقلید کرنا تو صرف متعصب اور بے وقوف انسان کا کام ہے۔ (مفاتیح الاسرار والتراویح مطبوعہ لاہور ص ۶۵ بحوالہ حقیقۃ الفقہ)

حضرت ابو سائب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ہم حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے ایک رائے کو پسند کرنے والے آدمی سے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار (خانہ کعبہ لے جانے والی قربانی کے اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب زخم سے نشان لگانا) فرمایا ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ مثلہ ہے وہ آدمی بولا ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشعار کو مثلہ کہا ہے۔ یہ سن کر وکیع رحمۃ اللہ علیہ سخت غصہ میں آگئے اور فرمایا میں تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے۔ تو اس قابل ہے کہ تجھے قید کر دیا جائے اور اس وقت تک نہ نکالا جائے جب تک کہ تو اپنے اس قول سے رجوع نہ کر لے۔ (ترمذی ابواب الحج باب اشعار البدن حدیث ۹۰۶) [1]

علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو حدیث سنائی وہ شخص کہنے لگا فلاں نے اس طرح کہا ہے تو ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے فلاں نے اس طرح کہا ہے؟ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۰)

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حنفی، مالکی، شافعی یا حنبلی بننے کا مکلف نہیں فرمایا ہے کہ اگر وہ عالم ہوں تو کتاب وسنت پر عمل کریں جاہل ہوں تو علماء کی تقلید کریں۔ (عین العلم بحوالہ معیار الحق ص ۱۳۳)

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقلید شخصی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۷)

---

[1] سندہ صحیح۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مرید کو کسی وقت بھی پیر کا فتویٰ خلافِ شریعت معلوم ہو جائے تو پھر اس معاملہ میں وہ پیر کی تقلید نہ کرے۔ (مکتوبات ج ا)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہمیں فقیہ کے مذہب کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو پھر ہم اس حدیث کو چھوڑ کر فقیہ کے گمان پر عمل کریں تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ (عقد الجید ص ۱۷)

علامہ ابن الحاج حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر تقلید شخصی واجب نہیں فرمائی۔ (تحبیر شرح تحریر)

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص واحد کی اتباع واجب ہے وہ گمراہ اور جاہل ہے۔ (تفسیر مظہری)

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پیر کی بات حجت نہیں کتاب و سنت دلیل ہے۔ (اخبار الاخیار)

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قولِ امام کی وجہ سے قرآن و حدیث کو ترک کرنے والا گمراہ اور دین سے خارج ہے۔ (فتوحات مکیہ بحوالہ معیار الحق ص ۸۷)

شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں سمجھ سکا احادیث کی موجودگی میں تقلید شخصی کیسے جائز ہوگئی۔ حدیث اگر قولِ امام کے خلاف ہو تو قولِ امام کو نہ چھوڑنے میں شرک کا شائبہ ہے۔ (مختنم الحصول)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غیر اللہ کی عبادت کی طرح غیر اللہ کی بالاستقلال اطاعت بھی کفر ہے۔ بالاستقلال اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تقلید کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کے باوجود تقلید کو نا قابل عمل سمجھ لیا جائے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

((اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون الله والمسیح ابن مریم))۔ (تفسیر عزیزی ص ۱۲۸)

شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے ان لوگوں پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قولِ امام کو ترجیح دیتے ہیں۔ (بحوالہ مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۱۵۵)

شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کتاب و سنت کو پیش نظر رکھو اور انہی میں غور و فکر کرو اور لوگوں کے اقوال سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ (فتوح الغیب مع شرح مولوی عبدالحق ص ۱۹۷)

الغرض اس قسم کے بے شمار اقوال ہیں کہ گنے نہیں جا سکتے۔ لہٰذا میں پوچھتا ہوں کہ اجماع تقلید شخصی کرنے پر ہے یا تقلید شخصی ردّ کرنے پر ہے۔

(ز) ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾ (النساء: ۱۱۵)

"اور جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور دوزخ میں ڈال دیں گے وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے"۔

اس کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کا اجماع ہے۔" تقلید پر مسلمانوں کا اجماع تو بہر حال نہیں ہے اونٹوں، بیلوں، گھوڑوں، گدھوں اور خچروں کا اجماع اگر کہو تو مان لیتے ہیں۔ کیونکہ ان سب کے گلے میں قلادے (پٹے) ہوتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ... الخ﴾ سے تو معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ کی مخالفت ہرگز جائز نہیں اور یہ کہ پیغمبر کی مخالفت نہ کرنا ہی سبیل المؤمنین ہے۔ مگر جن کے نزدیک قرآن وحدیث پر عمل کرنا گمراہی اور کفر کی جڑ ہو۔ (ص ۲۶) ان کی راہ کو سبیل المؤمنین کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: نجات صرف وہ لوگ پائیں گے جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوں گے۔ (عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ترمذی ابواب الایمان حدیث ۲۶۴۱، مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰) ❶

اس سے ثابت ہوا ﴿سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ مراد ہے۔ اس آیت میں ﴿اَلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے بھی یہی لوگ مراد ہیں۔ مولود خواں ملّاؤں اور جاہل واجہل بریلویوں کا ریوڑ مراد نہیں۔

(س) فرماتے ہیں مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں ہے:

((اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار)). (ص ۳۰) ❷

"بڑے گروہ کی پیروی کرو، کیونکہ جو جماعت مسلمین سے علیحدہ رہے وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔"

یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ کے حوالے سے بیان ہوئی ہے مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ کتاب الفتن ص ۲۸۳ حدیث ۳۹۵۰ میں الفاظ یوں ہے:

((ان امتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رأيتم اختلافا كثيرًا فَعَلَيْكُمْ بالسواد الاعظم)). ❸

"میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ جب تمہیں بہت اختلاف نظر آئے تو بڑی جماعت کو لازم پکڑو۔"

یعنی اس میں نہ اتباع کا ذکر ہے نہ شذ شذ کا ذکر ہے اور ہے بھی بالکل ضعیف۔ البتہ مشکوٰۃ شریف میں قبل ازیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ان الله لا يجمع امتي او قال امة محمد على ضلالة يد الله على الجماعة و من شذ شذ في النار)). ❹

"اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو الگ رہا اسے الگ کر کے آگ میں ڈالا جائے گا۔" (بحوالہ ترمذی کتاب الفتن باب لزوم الجماعۃ حدیث ۲۱۶۷)

مگر اس کی سند میں سلیمان بن سفیان مدنی ضعیف ہے۔ اس میں بھی اجماع کا ذکر نہیں۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے ان روایتوں کو کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے۔

لہٰذا یہ صحیح بھی ہوں تو ان سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید مراد نہیں بلکہ مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ سیاسی وابستگی مراد ہے۔ دینی مسائل میں پیروی بھی اگر مراد ہو تو سوادِ اعظم سے اہل علم اور اہل حق یعنی ما انا علیہ و اصحابی کے مطابق چلنے والے لوگ مراد ہیں جو لوگ خود کسی کے پیچھے اندھا دُھند چل رہے ہوں اور کسی حجت اور دلیل کے بغیر اس کی پیروی کر رہے ہوں ان کی بابت کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ وہ کسی کے لیے کیسے دلیل بن سکتے ہیں؟ ان کی راہ کس طرح پیروی کے لائق ہو سکتی ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے آنکھوں والے اندھوں

---

❶ تخریج: شواہد کی بنا پر حدیث صحیح ہے۔ ❷ اس کی سند ضعیف ہے۔ ❸ اس کی سند ضعیف ہے۔ ❹ اس کی سند کمزور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پیچھے چل پڑیں یعنی جس قوم کے امام کی بات حجت نہیں اس قوم کا عمل کیسے حجت ہوسکتا ہے؟

مفتی صاحب نے ((اتبعوا السواد الاعظم)) سے تقلید پر استدلال کیا ہے۔ سوال یہ ہے کیا اتباع اور تقلید ہم معنی الفاظ ہیں، اگر ہم معنی ہیں تو اس روایت کے بموجب تقلید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہوگی یا سوادِ اعظم کی۔

نیز برصغیر پاک و ہند میں بریلویوں کا سوادِ اعظم دیوبندیوں کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ دیوبندیوں کے بغیر بریلوی بے سواد رہ جاتے ہیں اور دیوبندی بریلویوں کے نزدیک بدمذہب اور گلابی وہابی ہیں۔ تو کیا بدمذہبوں اور گلابی وہابیوں کو ملا کر سوادِ اعظم کا پورا کرنا معتبر ہے؟ اس مسئلہ پر دیوبندیوں کو بھی غور کرنا چاہیے۔ یہ بھی بریلویوں کو ملا کر اپنا سوادِ اعظم بناتے ہیں۔ حالانکہ بریلوی ان کے نزدیک مشرک ہیں اور مماتی مقلدین بھی ان کے نزدیک ٹھیک راہ پر نہیں ہیں۔ کیا ان ہر سہ فریق کے لیے اس قسم کی مردم شماری جائز ہے اور یہ مردم شماری جعلی ووٹ بھگتانے کے زمرہ میں تو نہیں آجاتی؟

(**ش**) فرماتے ہیں حدیث میں ہے:

((ما راٰہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن)). (مسند احمد ج ۱ حدیث ۳۶۰۰ ص ۳۷۹، ھدایہ اخیرین ص ۲۵۳)

"جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔" [1]

ان کے نزدیک یہ بھی تقلید شخصی کی دلیل ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن بے شمار فقہاء، علماء اور محدثین نے تقلید کے خلاف بیانات دیئے ہیں کیا وہ مؤمن نہیں تھے؟ کیا ان کی بات اچھی اور معتبر نہیں تھی۔ مفتی صاحب نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں بار بار پیش کیا ہے۔ حالانکہ سرے سے یہ حدیث ہے ہی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ظاہر ہے کہ تقلید ہی کا ثمرہ ہے۔ یہ دراصل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹، ہدایہ اخیرین ص ۲۵۲)

اور کاروباری معاملات کے بارے میں ہے اور اس میں لفظ بھی المومنون نہیں المسلمون ہے اور یہ قول انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بیان فرمایا تھا۔

(**ص**) فرماتے ہیں: "عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہو وہ اجماع کا منکر ہوا"۔ عرب و عجم کے مسلمانوں کی اکثریت بے نماز ہے۔ ڈاڑھی منڈے ہیں، عیاش ہیں، شرابی ہیں، بہت سے زانی ہیں، گینگ ریپ کرنے والے ہیں، سود خور ہیں، دینی تعلیم سے بے بہرہ ہیں، پردہ کے دشمن ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ کیا ایسے لوگوں کی کثرتِ تعداد ہمارے لیے حجت یا قابل رشک ہوسکتی ہے۔

کیا ان لوگوں نے قرآن پاک میں یہ نہیں پڑھا:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام: ۱۱۶)

"اگر تم زمین میں اکثریت کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں راہِ خدا سے ہٹا دیں گے"۔

﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۳)

"تمہاری خواہش کے برعکس اکثر لوگ مومن نہیں ہیں"۔

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (السبا: ۱۳)

"اور میرے شکر گزار بندے کم ہی ہیں"۔

---

[1] حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکوٰۃ شریف کے باب تغیر الناس کی فصل اوّل کا مطالعہ بھی فرمائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((انما الناس کالابل المائۃ لا تکاد تجد فیھا راحلۃ))۔ (عن ابن عمر ص ٤٥٨، بخاری حدیث ٦٤٩٨ ص ٩٦٢، مسلم ج ٢ حدیث ٦٤٩٩ ص ٣١٢)

"لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے سو اونٹ ہوں مگر سواری کے قابل نہ ہوں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم گذشتہ قوموں کی برابر سرابر پیروی کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے اس میں گھس جاؤ گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ سے ہے؟ فرمایا اور کون۔ (عن ابی سعید خدری، مشکوٰۃ، کتاب الفتن ص ٤٥٨، بخاری ص ١٠٨٨ حدیث ٧٣٢٠، مسلم ج ٢ حدیث ٦٧٨١ ص ٣٣٩)

فرمایا نیک لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو جائیں گے باقی رہ جائیں گے وہ لوگ جن کی حیثیت جو یا کھجور کے بھوسے سے زیادہ نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہ ہوگی۔ (عن مرداس اسلمی بخاری ص ٩٥٢ حدیث ٦٤٣٤، مشکوٰۃ ص ٤٥٨) کیا بریلویوں کو ایسے ہی لوگوں کا اجماع اور سواد اعظم عزیز ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

((اَلسُّنۃ ما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ١٨٠)

"سنت وہ ہے جسے حضور ﷺ نے مسنون فرمایا اور جماعت وہ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہوئے"۔

(ض) فرماتے ہیں: "اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلافت صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کرو گے وہ بھی اجماع اُمت سے ثابت ہوئی"۔ مفتی صاحب نے چودھویں صدی کے اجماع کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ملا دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں انھیں خود اعتراف ہے کہ وہ تو حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ ائمہ دین امام ابوحنیفہ و شافعی رحمہما اللہ وغیرہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ (ص ٣٠) کیا ان اندھے اور بہرے مقلدین کے اجماع کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے کوئی نسبت دی جا سکتی ہے؟

﴿ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (الزمر: ٩) "کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں"۔

اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اگر خلافت صدیقی و فاروقی قائم ہوئی تو اجماعِ مقلدین سے ملک پاکستان میں ایک بدنام زمانہ عورت برسر اقتدار آ گئی۔ کیا یہ دونوں ایک برابر ہیں اور ان ہر دو کا انکار کفر ہے۔ نیز سوائے اِکا دُکا اختلاف کے صحابہ و تابعین کے اجماع سے، اور امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے خلافتِ یزیدی قائم ہوئی کیا اس سے بریلویوں کو اتفاق ہے۔ اصل سوال یہ ہے بے شک اجماع صحابہ حجت ہے تو کیا چودھویں اور پندرھویں صدی کے جاہل مقلدوں کا اجماع بھی حجت ہے۔ مفتی صاحب بار بار اجماع کی بات کرتے ہیں شاید انھیں کہیں سے یہ نسخہ ہاتھ لگ گیا ہے کہ بار بار جھوٹ بولا جائے تو اسے سچ سمجھ لیا جاتا ہے۔ بھلا کسی زمانہ میں تقلید شخصی پر اجماع ہوا بھی ہے۔ تقلید تو سوغات ہی خیر القرون کے بعد کی ہے۔ یعنی جس زمانہ کے متعلق نبی ﷺ نے کوئی اچھی شہادت نہیں دی۔

۲۹ مفتی صاحب ﴿ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ (التوبہ: ١١٩) لکھ کر فرماتے ہیں: "میں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ سچوں کی تقلید کی ہے، تم بھی اس کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو"۔ جو لوگ ((ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن)) کو حدیث کہیں۔ سینکڑوں ائمہ، فقہاء اور محدثین نے تقلید شخصی کے ردّ میں جو بیانات دیئے ہیں انھیں نظر انداز کر کے تقلید شخصی پر اجماع کا دعویٰ کریں بلکہ اُلٹا اُنھیں ... کو مقلد کہیں اور تقلید شخصی کی خاطر قرآن، حدیث اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ردّ کرنے کا اعلان کریں۔ کیا ایسے لوگوں کو سچے کہا جا سکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ اگر یہ سچے ہیں تو فرمائیے پھر جھوٹ کی تعریف کیا ہے؟ تقلید دراصل سچے لوگوں نے کی ہی نہیں بلکہ جھوٹے لوگوں نے کی ہے۔ "مقلد بنو" تو یوں کہا ہے جیسے یہ بہت بڑا تمغہ ہو۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی شریف آدمی سے کہا جائے آؤ تم بھی منہ پر کالک لگوالو۔ میرا ایمان ہے جس مسلمان نے صدقِ دل سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا ہو وہ مشرک نہیں ہو سکتا اور جس نے صدق دل سے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا ہو وہ مقلد نہیں ہو سکتا۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربّاً و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا)). (عن عباس بن عبدالمطلب، مسلم ج ۱ حدیث ۱۵۱ ص ۴۷، مشکوۃ کتاب الایمان ۱۲)

"جو اللہ تعالیٰ کو ربّ، اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو رسول ماننے پر راضی ہو گیا اسے ایمان کا لطف آ گیا"۔

یہ مُردوں کو پوجنے والے یہ کنز و قدوری پر ایمان لانے والے یہ قیل و قال کی تقلید کرنے والے توحید و رسالت اور اسلام کی قدر و منزلت کو کیا جانیں۔ یہ لطف فقط اہل توحید کے حصہ میں آیا ہے۔ اندھا کیا جانے بسنت کی بہار۔

قدر زر زرگر بود قدر جوہر جوہری قدر گل بلبل بدانند قدر خیبر را علیؓ

ترجمہ: "سونے کی قدر جوہری جانے، پھول کی قدر بُلبل جانے اور خیبر کی قدر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانے، تم کیا جانو"۔

قدر نبی دا ایہہ کی جانن دنیا دار کمینے قدر نبی دا جانن والے سوں گئے شہر مدینے

(الف) مفتی صاحب اپنی پٹاری میں خیر سے عقلی دلائل کا اسٹاک بھی رکھتے ہیں۔ عقلی دلیل کے تحت فرماتے ہیں: "بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے"۔ بطور مثال عرض ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے راویوں کی وجہ سے جہری آمین والی روایت کو آہستہ آمین والی روایت پر ترجیح دی ہے۔ (ترمذی باب ماجاء فی التامین حدیث ۲۴۷) ❶

اس طرح راویوں پر بحث کے نتیجے میں انھوں نے فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین کو ترجیح دی ہے اور ان پر الگ کتابیں بھی لکھی ہیں۔ کیا حنفیہ ان مسائل میں امام بخاری رحمہ اللہ کی تقلید کرنا پسند فرمائیں گے؟ تقلید کرنا تو درکنار یہ تو ادب و احترام کے ساتھ ان کا نام بھی نہیں لے سکتے صرف بخاری نے یوں کہا ہے جیسے وہ ان کے دشمن ہوں۔

(ب) فرماتے ہیں: "قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا۔ یہ سب تقلید ہی تو ہے"۔ مثلاً بتلائیے وہ کون سے فردِ واحد قاری صاحب ہیں کہ ساری دنیا بلا دلیل فقط انہی کی قرأت پر بالاتفاق ایمان لے آئی۔

(ج) فرماتے ہیں: "نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں"۔ مگر جب امام صاحب غلطی کرتے ہیں تو کیا سبحان اللہ کہہ کر انھیں ٹوکا نہیں جاتا۔ سجدہ سہو غلطی کا کفارہ ہی تو ہے۔

(د) فرماتے ہیں: "حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں"۔ مگر خود مفتی صاحب نے یہ بھی تو فرمایا ہے حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں۔ (ص ۲۷)

(ر) فرماتے ہیں: "ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں"۔ لیکن کیا انھیں معلوم نہیں کہ انجن کی سمت

---

❶ تخریج: صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درست رکھنے کے لیے جگہ جگہ کانٹے والے مقرر ہوتے ہیں۔ اگر ذرا سی غفلت ہو جائے اور انجن غلط پٹڑی پر چڑھ جائے تو خطرناک حادثہ ہو جاتا ہے۔ سینکڑوں جانیں تلف ہو جاتی ہیں اور تقلید کا کچومر نکل جاتا ہے۔ تو جب اندھا دھند نہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تقلید جائز ہے نہ کسی قاری کی تقلید جائز ہے نہ بادشاہ کی تقلید جائز ہے نہ ریلوے انجن کی تقلید جائز ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کیسے جائز ہو گئی۔ اس بارے میں بریلویوں کی عقل شریف کیا فیصلہ صادر فرماتی ہے۔ ہاں ان مثالوں کی طرح اس شرط کے ساتھ اگر امام صاحب کی پیروی کی جائے کہ ان کی جو بات قرآن وحدیث کے خلاف ہو گی اسے رد کر دیا جائے گا۔ تو کوئی حرج نہیں۔ عقلی دلائل دینے والے مقلدین کے لیے اگر عقل کا استعمال ممنوع نہ ہو اور اس سے ان کی تقلید پر حرف نہ آتا ہو تو اس مسئلہ پر انہیں غور کرنا چاہیے۔

(ز) فرماتے ہیں: "ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے نماز کے امام دو نہیں بادشاہِ وقت دو نہیں تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے"۔ مفتی صاحب کو بات پلٹانے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔ سیاق عبارت کے لحاظ سے انہیں لکھنا چاہیے تھا تو شریعت کے امام دو یا دو سے زیادہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ انھیں اپنا یہ ویک پوائنٹ معلوم ہے کہ امام تو چار ہیں اس لیے بات بدلا گئے۔ کمال ہے! ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ شریعت کے امام بھی ایک ہی ہیں اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک نماز کے امام یا بادشاہ کا تعلق ہے تو یہ ٹھیک ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی امام یا ایک ہی بادشاہ ہوتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے ایک ہی بادشاہ کے ساتھ نکاح نہیں ہو جاتا۔ مختلف مسجدوں میں مختلف امام اور مختلف نمازوں میں مختلف امام ہوتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات امام کا وضو ٹوٹ جائے تو ایک ہی نماز میں مختلف امام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بادشاہ بھی آئے دن بدلتے رہتے ہیں:

﴿ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ﴾ (آل عمران: ۲۶)

"تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے"۔

تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی امامت کا ٹھپہ ہمیشہ کے لیے کیسے لگ گیا۔ ہمیشہ کے لیے امامت کے منصب پر صرف اور صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں۔ اس منصب پر ہم کسی کو شب خون مارنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

(س) فرماتے ہیں، مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے:

((اذا كان ثلاثة في سفر فليؤمروا احدهم)). (عن ابی ہریرہ ابو داؤد کتاب الجہاد حدیث ۲۶۰۹، مشکوٰۃ ص ۳۳۸) [1]

"جب مسافر تین ہوں تو وہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیں"۔

یہ بھی ان کا تقلید شخصی پر استدلال ہے لیکن کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہاں زندہ امیر سفر مراد ہے مردہ امیر سفر مراد نہیں اور یہ اطاعت عارضی ہے دائمی نہیں۔ نیز مفتی صاحب یہ بات بھی مانتے ہیں کہ خلاف شرع احکام میں امیر کی اطاعت جائز نہیں۔ تو ان شرائط کے ساتھ یہ بھی اگر کسی زندہ حاکم کی اطاعت کر لیں یا کسی عالم کا فتویٰ قبول کر لیں تو بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہو۔

نیز گزارش ہے کہ یہ حدیث نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان فرمائی جن کے متعلق مفتی صاحب کا اعتقاد ہے کہ وہ تقلید نہیں کرتے تھے تو یہ حدیث جن کے لیے براہِ راست بیان فرمائی گئی تھی اس سے ان کی تقلید ثابت نہ ہو سکی تو اور کسی کے لیے کیسے ثابت ہو جائے گی۔

---

[1] تخریج وحکم: اس کی سند حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب:

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

۲۹ اعتراض نقل کرتے ہیں: "اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے۔ جواب دیتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں۔ کہ آئمہ دین ابوحنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ وغیرہ ان کی پیروی کرتے ہیں" ۔ درمختار (ج ۱ ص ۴۲) میں لکھا ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بلحاظ صحابی ہونے کے اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے افضل ہیں لیکن علم اجتہاد اشاعتِ دین اور تدوین احکام کے لحاظ سے ان کا مقام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا نہیں۔ کیونکہ کبھی مفضول میں ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو فاضل میں نہیں پائی جاتیں" ۔ (استغفر اللہ)

ان الفاظ کی روشنی میں کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پیروی کی ضرورت ہے؟ نیز مفتی صاحب نے پیشوا اور پیروی جیسے الفاظ استعمال کر کے اعتراض کو ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ بات پیروی اور پیشوائی کی نہیں ہو رہی۔ اجتہاد اور تقلید کی ہو رہی ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کیا ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد تھے۔ اگر مجتہد تھے تب تو واقعی انھیں تقلید کی ضرورت نہ تھی مگر حال یہ ہے کہ مجتہد تو کجا ان کے نزدیک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرے سے فقیہ بھی نہ تھے۔ (حسامی ص ۷۵ اصول الشاشی ص ۷۲)

رفع یدین کے ایک راوی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی ان کے نزدیک فقط ایک اعرابی تھے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۱۶ وغیرہ) دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تو بات ہی جانے دیجئے۔ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر جانے لگا تو یہ دُعا مانگی:

((اللّٰھم ارحمنی و محمدا و لا تشرك فی رحمتنا احدًا)).

"یا اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

((ھو أضَلُّ ام بعیرہ)). (عن جندب ابوداؤد کتاب الادب حدیث ٤٨٨٥، مشکوۃ باب حفظ اللسان ص ٤١٤) [1]

"یہ زیادہ جاہل ہے یا اس کا اونٹ"۔

آخر یہ بھی تو ایک صحابی ہی تھے اس سے ثابت ہوا سب صحابہ کرام مجتہد نہیں تھے درجہ بدرجہ ان کا مقام ہے اور ان کا یہ قانون ہے جو خود مجتہد نہ ہو وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے۔ اب بتلائیے غیر مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم نے کس مجتہد صحابی کی شخصی تقلید کی۔ پھر پیروی کا لفظ بول کر انھوں نے دھوکا دینا چاہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تقلید کی ضرورت نہ تھی تو کیا وہ اس قابل بھی نہ تھے کہ ان میں سے کسی ایک کی تقلید کی جاتی۔

اماموں نے ان کی پیروی کیوں نہ کی اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقلید کے لائق نہ تھے تو کیا یہ خود تقلید کے لائق تھے کیا ان

---

[1] تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ہے یعنی اگر پیشوا تقلید کے لائق نہ تھے تو پیروکار کس طرح تقلید کے قابل ہو گئے۔

﴿۳۰﴾ فرماتے ہیں: یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ ہم کسی کے امتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اُمتی نہ تھے تو اُمتی نہ ہونا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس سے یہی کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نبی ہیں۔ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں۔ وہ کس کے اُمتی ہوتے؟ ہم کو اُمتی ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے امام ہیں ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔

اس بات میں بھی دھوکا ہے، مفتی صاحب شاید یہ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صرف فعلی ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ کی سنت قولی بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت (اُمتی) کے پیارے الفاظ سے یاد فرما کر عزت بخشی ہے۔ لہٰذا ہمارا اُمتی کہلانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی سنت ہے۔ اس کے برعکس کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ سب کے امام و پیشوا ہیں، اس لیے یہ کسی کی تقلید نہ کریں بلکہ کوئی بھی ان کی تقلید نہ کرے۔ تقلید کروانے کا حق صرف حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد وغیرہ کو حاصل ہے؟

میں حیران ہوں مفتی صاحب نے اس مقام پر ((اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم)).[1] (عن عمر بن خطاب جامع بیان العلم جلد ٢ ص ١٥٨، مشکوۃ باب مناقب الصحابة ص ٥٥٤) "میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں جن کی اقتداء بھی کرو گے راہ پاؤ گے" سے استدلال کیوں نہ فرمایا۔ یہ حدیث تو ان کے بہترین دلائل میں شمار ہو سکتی تھی۔ لیکن چونکہ انھیں معلوم ہے کہ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی کی تقلید کی نہ کسی نے ان کی تقلید کی اس لیے اس حدیث کو درج کر کے وہ اپنے مسلک کو خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

یہ امر واقع ہے کہ خیر القرون کو اللہ تعالیٰ نے تقلید کی لعنت سے بالکل محفوظ رکھا۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔

مفتی صاحب نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے:

"نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جائے گا جو دریا سے دُور ہو"۔

سوال یہ ہے کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے؟ جب یہ مانتے ہیں کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد نہیں تھے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ وہ سب کے سب مدینہ منورہ میں نہیں رہتے تھے بلکہ دور دراز علاقوں میں بھی رہتے تھے تو تقلید ان کے لیے کیوں ضروری نہ تھی۔ دوری جس طرح ظرف زمان کے لحاظ سے ہوتی ہے، ظرف مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے جیسے خود انھوں نے دُور کھیت کی مثال دی ہے۔ خود حنفیہ کے ہاں یہ اصطلاح عام ہے کہ فلاں صحابی ملازم صحبت ہے اور فلاں صحابی ملازم صحبت نہیں ہے۔ کیا حنفیوں کے نزدیک سب صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح ملازم صحبت ہی ہیں؟

(الف) فرماتے ہیں: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف اول کے مقتدی ہیں وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس سے دور ہیں لہٰذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں"۔ سوال یہ ہے کیا اللہ تعالیٰ نے اس بحر کو قرآن و حدیث میں محفوظ نہیں کر دیا ہے؟

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾ (الحجر: ٩)

"بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

اور کیا قرآن و حدیث ہم سے دُور ہیں۔ البتہ ان مولویوں نے تقلید کا مسئلہ گھڑ کر قرآن و حدیث کو مسلمانوں سے دُور ضرور کر دیا ہے۔

﴿يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝﴾ (الفرقان: ٣٠)

"اے میرے پروردگار! بے شک میری اُمت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا"۔

---

[1] تخریج: یہ حدیث باطل ہے اس کی سند سخت کمزور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) فرماتے ہیں: "سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں جن سب میں پانی تو سمندر کا ہے مگران سب کے نام اور راستے جدا ہیں۔ کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا۔ ایسے ہی حضور ﷺ آب رحمت کے سمندر ہیں اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے حنفی کہا گیا۔ جو امام مالک رحمہ اللہ کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا"۔

ہمیں جو سمندر دیکھنے کا موقع ملا ہے اس میں دریا گرتے ہیں اس میں سے جاری نہیں ہوتے۔ ممکن ہے مفتی صاحب نے کاٹھیاواڑ، برایوں میں کوئی انوکھا سمندر دیکھا ہوا جو بہت وسیع ہوگا جس میں سے ہزاروں دریا نکلتے ہوں گے۔ لیکن بحر نبوت سے مفتی صاحب نے صرف چار نہریں نکالی ہیں ان میں سے بھی ان کے نزدیک پینے کے قابل صرف ایک نہر کا پانی ہے اور وہ ہے حنفیہ کی گنگا جمنی نہر۔

فرماتے ہیں: "پانی سب کا ایک ہے مگر نام جداگانہ"۔ اس سے بڑی دروغ بیانی کیا ہوسکتی ہے؟ کیا چاروں مسلک ایک جسے ہیں؟ ائمہ ثلاثہ رفع الیدین پر متفق ہیں۔ شہنشاہ طریقت حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی رفع یدین کرنے والے تھے۔ کیا احناف کو اس مسئلہ میں ان سے اتفاق ہے۔ نیز اندازہ فرمایئے مفتی صاحب کو مثال دینے کے لیے بھی وہ دریا ملے جو ہندوؤں کے نزدیک پوتر ہیں۔ یہ قارورہ ملنے کی بات ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی نہریں تو ایک طرف رہیں خود حنفی نہر کے مسائل میں اتنا اختلاف اور اقوال میں اتنا تصادم ہے کہ اگر مچھلیوں کی طرح ان میں جان پڑ جائے تو آپس میں لڑلڑ کر مرجائیں۔ مگر نہ جانے یہ کیسی نہریں ہیں کہ جن میں نہ عقائد شامل ہوتے ہیں نہ احکام شامل ہوتے ہیں۔ صرف اجتہادی اور استنباطی مسائل شامل ہوتے ہیں۔ کیا انہوں نے پیچھے کوئی فلٹر لگا رکھے ہیں؟ مفتی صاحب اتنا تو مانتے ہیں کہ تقلید تبع تابعین کے دور سے شروع ہوئی (گو یہ بھی غلط ہے) تو سوال یہ ہے کہ پھر ان نہروں کا رابطہ بحر نبوت سے کیسے جڑ گیا۔ تین صدیاں نہ سہی بقول ان کے بیچ میں ایک صدی کا جو گیپ ہے وہ کیسے پورا ہوگا؟

فرقہ بریلویہ کے گرو گھنٹال مولوی احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں اکابر ائمہ کشف نے فرمایا ہے کہ چشمہ کبریٰ سے بہت سی نہریں نکلیں اور تھوڑی تھوڑی دور جا کر خشک ہوگئیں۔ مگر مذاہب اربعہ کی چاروں نہریں جوش و آب و تاب کے ساتھ بہت دور تک بہیں۔ آخر میں جا کر وہ تین نہریں بھی تھم گئیں اور صرف حنفی مذہب کی نہر اخیر تک جاری رہی۔ (ملفوظات ص ۱۸۷) گزارش ہے کہ اگر بہت سی نہریں چشمہ کبریٰ سے نکلی تھیں تو تھوڑی تھوڑی دور جا کر خشک کیوں ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ﴾ (الحجر: ۹)

"بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ اور حق اگر مذاہب اربعہ میں محدود ہے تو کیا وجہ ہے کہ تین چوتھائی یعنی "پھتر فیصد حق راستہ میں ہی تھم جائے گا۔ اور صرف مذہب حنفی کے اخیر تک باقی رہنے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت یاد آجاتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لا تقوم الساعة الا علی شرار الناس))۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۰۶، حدیث ۷۴۰۲، مشکوۃ باب لا تقوم الساعة الخ ص ۴۸۱)

"قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی"۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں "اور نہروں کی ہمیں ضرورت ہے نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لیے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نہیں"۔ مفتی صاحب ہر بات غلط کرتے ہیں۔ مجھے حسرت رہی کہ کاش کچھ کوئی بات صحیح بھی لکھ دیں۔ تقلید نے ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں سے عقل و ہوش سب کچھ چھین لیا ہے۔ اسناد کا ذکر انہوں نے کیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہر حدیث ہر صحابی نے براہِ راست نبی کریم ﷺ سے سنی ہے؟ کئی ایسی احادیث ہیں کہ ایک صحابی دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات صحابہ تابعین سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اکابر کا اصاغر سے روایت کرنا مشہور بات ہے، یہ اسناد ہی تو ہے۔

مفتی صاحب نے تقلیدی نہروں کی مثال دی اور کئی طرح کے اعتراضات میں اُلجھ کر رہ گئے۔ آیئے نبی ﷺ کی مثال سنیں جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا:

((ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة رسوله)). (موطا امام مالک حدیث ۲۳۳۸ باب النهی عن القول بالقدر ص ۳۶۳) ❶

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک انھیں تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت“۔

مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ حدیث کی اسناد ہمارے لیے ہے۔ کاش یہ بات ہی صحیح ہوتی۔ سند پر غور کیے بغیر اپنی کتاب کو رطب و یابس سے بھر دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اسناد کی ہمیں ضرورت ہے۔ مفتی صاحب آگے چل کر حصہ دوم صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں: ”حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لیے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب کا دارومدار روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوتی ہے تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لیے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں (یعنی احادیث رسول ﷺ) نہیں، ان کی دلیل صرف قولِ امام ہے“۔ کہتے ہیں حدیث کی اسناد ہمارے لیے ہے۔ شاید ان کا تعویذ بنا کر گلے میں ڈالنے کے لیے۔

جس طرح سمندر سے کبھی کوئی نہر نہیں نکلی۔ اسی طرح حنفی نہر کا بحرِ نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔ حنفی نہر عراق کے شہر کوفہ سے نکلی اور وہی اس کا منبع ہے۔ یہ کوفہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کا شہر ہے اور عراق وہ ملک ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں سے شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے۔ (عن عبداللہ بن عمر حدیث ۷۰۹۲، مسلم ج ۲ ص ۳۹۴)

یہ چار قسم کی نہریں دراصل اسلام کے خلاف سازش ہیں انہوں نے مسلمانوں کو فرقہ واریت میں تقسیم کر کے رکھا ہے۔ یہ اصل میں نہریں نہیں بلکہ بدرو ہیں جو انھیں قائم رکھنا اور چلتا رہنے دینا چاہتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ان میں ڈوب مریں۔ حد یہ ہے کہ خانہ کعبہ جو توحید و رسالت اور وحدتِ ملی کا مرکزی مقام ہے انھوں نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا۔ انھوں نے وہاں بھی چار مصلے قائم کر کے باقاعدہ چار مذہبوں کی بنیاد رکھ دی۔ بھلا ہو سعودی حکومت کا جنہوں نے بیت اللہ شریف کو فرقہ واریت کی اس نحوست سے پاک کیا:

﴿اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝﴾ (البقرہ: ۱۲۵)

”کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو“۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران: ٦٤)

”کہہ دیجیے اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ان کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی اپنا رب بنالیں“۔

---

❶ تخریج و حکم: سند حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آلِ عمران:۱۰۳)

"اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو"۔

ایک حنفی مولوی محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے فرمایا: یہ نظریہ پیش کرنا کہ ہمیں تمام فرقوں سے بالاتر ہو کر اسلام سے وابستہ ہو جانا چاہیے قطعاً غلط اور باطل نظریہ ہے۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۴ مئی ۱۹۸۷ء)

اتنا زہریلا اور فرقہ وارانہ نظریہ رکھ کر یہ حنفی علماء نہ جانے مسلمانوں کو کس منہ سے اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔

﴿۳۱﴾ تقلید ثابت کرنے کے لیے مفتی صاحب نے ائمہ دین کو سمندروں سے موتی نکالنے والے غوطہ خوروں سے تشبیہ دی ہے اور طبیبوں سے بھی تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہیں بجا ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے شاگرد کو استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ان سے تقلید شخصی ثابت کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ موتی نکلوانے کے لیے آپ کسی بھی زندہ ٹوبے کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ علاج کے لیے آپ کسی بھی جیتے جاگتے حکیم جی سے نسخہ تجویز کروا سکتے ہیں اور کسی بھی بقید حیات معلم سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے کسی ایک ہی مردے کا مجاور بننے کی ضرورت نہیں۔

(الف) مفتی صاحب نے بطور اعتراض یہ آیات نقل فرمائی ہیں:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:۳۱)

"انھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو ربّ بنا لیا"۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء:۵۹)

"پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف"۔

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (الانعام:۱۵۳)

"اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی"۔

﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ (البقرہ:۱۷۰)

"تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا"۔

جواب دیتے ہیں جس تقلید کی قرآن کریم نے برائی فرمائی ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں یہودیت یا نصرانیت وغیرہ خلاف اسلام راستے مراد ہیں حنفی، شافعی وغیرہ چند راستے نہیں۔ صفحہ ۱۷ پر مفتی صاحب نے یہ فرمایا ہے ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے۔ جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں کے حرام کاموں میں کی جائے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا ہی کریں گے چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ رہی شرعی تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت اس سے ان آیات کا کوئی تعلق نہیں۔ ان آیتوں سے تقلید کو شرک یا حرام کہنا بے دینی ہے"۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک "شرعی" تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت میں جائز و ناجائز یا حرام و حلال میں تمیز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس مقام پر انھوں نے سبل سے یہودیت و نصرانیت مراد لے لی ہے۔ گویا ان کے نزدیک اسلام کے بیچ میں صراطِ مستقیم سے ہٹ کر کسی کی تقلید کرنا اور فرقہ واریت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کرنا جائز ہے۔

حکایت: یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی ہندو کو قبلہ کی طرف پیشاب کرتے دیکھ کر ایک پٹھان نے منع کیا اور پھر خود ہی قبلہ رُخ ہو کر پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ ہندو نے کہا یہ کیا؟ پٹھان بولا خوچہ قبلہ ہمارا ہے کہ تمہارا (ہم چاہے منہ کریں یا پشت کریں تمہیں کیا) ؟ گزارش ہے کہ سبل والی آیت عام ہے۔ راہ خدا سے ہٹ کر جو بھی راستہ ہو وہ اس میں شامل ہے۔ چاہے کافروں کا راستہ ہو یا مسلمان کہلانے والوں کا۔ فرقہ واریت جس طرح یہود و نصاریٰ کے لیے بُری تھی اسی طرح مسلمانوں کے لیے بھی لعنت ہے لہٰذا مفتی صاحب کو خوچوں والی بات نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک سیدھی لکیر کے ساتھ کچھ ٹیڑھی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ سبل یعنی مختلف راستے ہیں کہ ان میں ہر راستے پر شیطان اپنی طرف بلا رہا ہے اور آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا ... الخ﴾ (مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۲، مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰) [1] "اور یہ میرا سیدھا (سیدھی لکیر میرا) راستہ ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے، میری اُمت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہو گی۔ سب جہنم میں جائیں گے۔ سوائے ایک فرقہ کے۔ عرض کیا گیا وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوں گے۔ (عن عبداللہ بن عمرو ترمذی ابواب الایمان حدیث ۲۶۴۱، مشکوٰۃ باب ایضاً ص ۳۰) [2]

ثابت ہوا بریلویوں کا یہ پروپیگنڈا قطعاً غلط ہے کہ ﴿لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں یہودیت یا نصرانیت وغیرہ خلاف اسلام راستے مراد ہیں حنفی شافعی وغیرہ چند راستے نہیں۔ نیز معلوم ہونا چاہیے کہ ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ والی آیت تو ہے ہی خاص مسلمانوں کے لیے۔ اس کے شروع الفاظ یوں ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ﴾ (النساء: ۵۹)

"اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی"۔

آیت کے اس شروع حصے سے خود مفتی صاحب نے تقلید پر استدلال فرمایا ہے۔ (ص ۲۳) انہی مسلمانوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ ... الخ﴾ تو مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کے لیے ہے۔

ان حضرات کا قرآن و حدیث کی مخالفت کے باوجود ائمہ مجتہدین کو واجب الاطاعت قرار دینا اور چار قسم کی فرقہ واریت کو عین درست سمجھنا اسلام کے خلاف کھلی بغاوت ہے ذرا ان کی بے شرمی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

﴿۳۲﴾ "ورنہ تو پھر غیر مقلدین کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے"۔ کتنی لغو بات ہے۔ مسئلہ زیر بحث مسائل میں اختلاف کا نہیں تقلید کا ہے۔ کیا ثنائی کسی اور امام کے مقلد تھے اور غزنوی کسی اور امام کے مقلد تھے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ان ناموں سے دو مستقل مذہبی جماعتیں وجود میں آ چکی ہوتیں۔ لیکن معلوم ہے آج نہ کوئی ثنائی ہے نہ غزنوی ہے۔ سب اہل حدیث ہیں۔ چند مسائل میں اختلاف فہم کی

---

[1] تخریج: حسن ہے۔ [2] تخریج: شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے وقتی طور پر جو معمولی گروہ بندی ہوئی تھی ہم اس کی بھی مذمت کرتے ہیں۔لیکن مفتی صاحب کا اسے دلیل بنا کر تقلید کو حلال کر لینا بالکل حرام ہے۔

(**الف**) فرماتے ہیں: "چاروں مذہب کے عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے۔ جیسا کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا"۔حنفیہ کے نزدیک شراب نوشی، زنا، چوری، قتل وغیرہ کی بے شمار صورتیں جائز ہیں کیا یہ فروعی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔ان کے نزدیک فاتحہ خلف الامام سے منہ میں آگ پڑتی ہے کیا یہ فروعی مسائل ہیں؟ انھوں نے شافعیوں کا قتل عام کیا۔(المبین ج ۱ ص ۳۹) کیا یہ فروعی اعمال کی وجہ سے تھا؟ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف اپنے اپنے اماموں کی تقلید کی وجہ سے تھا؟ کتنے غلط موقع پر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لیا ہے۔

(**ب**) مفتی صاحب نے اہل حدیث کا یہ شعر نقل کیا ہے:

ہوتے ہوئے مصطفیٰ (ﷺ) کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار

پھر فرماتے ہیں: "یہ شعر اصل میں چکڑالویوں کا ہے"۔

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار

پہلے شعر میں نبی ﷺ کی بات ماننے کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔مفتی صاحب کے پیش کردہ شعر میں حضور ﷺ کی بات کو ردّ کر دیا گیا ہے۔لہٰذا اوّل الذکر شعر چکڑالویوں کا کیسے ہو گیا۔مفتی صاحب چکڑالویوں کو آگے کر کے خود ان کی اوٹ میں چھپنا چاہتے ہیں مگر اب ہم انھیں چھپنے نہیں دیں گے۔درحقیقت یہ دونوں فرقے منکرین حدیث ہیں۔چکڑالویوں نے قرآن کی آڑ میں اور حنفیوں نے تقلید کی آڑ میں، حدیث کا انکار کیا ہے۔مفتی صاحب اس شعر کو یوں بھی لکھ سکتے تھے:

ہوتے ہوئے حنفیہ کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار

(**ج**) مفتی صاحب نے اہل حدیث کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

دین حقرا چار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

(دینِ حق کے نام پر چار مذہب بنانا دین نبی ﷺ میں فتنہ ہے۔)

اس کا حلیہ انھوں نے یوں بگاڑا ہے:

مسجد دوخشت علیحدہ ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

(دوا ینٹ کی الگ مسجد بنانا دین نبی ﷺ میں فتنہ ہے)۔

دیکھنا تو یہ ہے علیحدہ کون لوگ ہوئے۔کیا وہ لوگ جنھوں نے قرآن وحدیث کو حرز جاں بنائے رکھا یا وہ لوگ جنھوں نے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کو کفر بلکہ کفر کی جڑ قرار دے کر علیحدہ علیحدہ اماموں سے چمٹ گئے۔

(**د**) ان حکیم الامت صاحب نے اپنے دیوان سے یہ اشعار نقل فرمائے ہیں:

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے چار چار لطف عجب ہے چار میں

آتش و آب و خاک و باد سب کا انہیں سے ہے ثبات چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ نے فرمایا: "رسول تین سو پندرہ ہیں"۔ ❶ (عن ابی ذر مسند احمد ج ۵ حدیث ۲۱۵۴۶ ص ۸۰ مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء ص ۵۵۱)
آپ ﷺ نے فرمایا: ساتویں آسمان پر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے دیکھا جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ (عن ثابت البنانی مسلم ج ۱ حدیث ۴۱۱ ص ۹۱، مشکوٰۃ باب المعراج ص ۵۲۸)
قرآن پاک میں ہے:
﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴾ (الاعلیٰ) "ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں" یعنی ابراہیمی صحیفہ چار کے علاوہ ہے۔
نبی ﷺ نے فرمایا: "بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے، میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی"۔ ❷ (عن عبداللہ بن عمرو ترمذی ابواب الایمان حدیث ۲۶۴۱ مشکوٰۃ باب الاعتصام ص ۳۰) طریقت کے سلسلے بھی چار نہیں بلکہ حشرات الارض کی طرح بے شمار ہیں۔ اب عناصر اربعہ بھی چار نہیں رہے۔ سائنسدانوں نے ایک عنصر کا مزید اضافہ معلوم کیا ہے۔ نبی ﷺ کے چار یار نہیں تھے بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم اہل توحید ہیں، ہمارا معبود بھی ایک ہے، یعنی اللہ عزوجل ہمارا رسول بھی ایک ہے یعنی امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرشتہ وحی بھی ایک ہی ہے۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ہماری کتاب بھی ایک ہے یعنی قرآن پاک ہمارا کعبہ بھی ایک ہے یعنی بیت اللہ شریف۔ ہمارا دین بھی ایک ہی ہے یعنی اسلام جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:
﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹) "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے"۔
یا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کے تہتر فرقوں میں سے بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور یہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہوگا۔ (عن عبداللہ بن عمرو ترمذی ابواب الایمان حدیث ۲۶۴۱) ❸
اللہ تعالیٰ کو چار کا عدد نہیں اکائی کا عدد پسند ہے:
((وَ اللّٰهُ وتر يحب الوتر)). (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۹۴۹ حدیث ۶۴۱۰، مسلم ج ۲ ص ۳۴۲ حدیث ۶۸۰۹)
"بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند فرماتا ہے"۔
میری بات کا شاید انھیں یقین نہ آئے۔ میں انہیں انہی کے پیرومرشد کا حوالہ دیتا ہوں جو بقول ان کے پیران پیر (پیر پیراں) ہیں۔ غوثِ اعظم ہیں۔ ہر ولی کی گردن پر جن کا پاؤں ہے۔ یعنی جن کے حکم اور اجازت کے بغیر کوئی ولی ولی نہیں بن سکتا وہ اپنی مایہ ناز کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:
((اما الفرقة الناجية فهي اهل السنة والجماعة)). (ص ۱۹۲)
"فرقہ ناجیہ فقط اہل سنت والجماعت ہیں"۔
((فاهل السنة طائفة واحدة)). (ص ۱۹۲)
"اہل سنت ایک ہی فرقہ ہے (چار فرقے نہیں)"۔
((اهل السنة ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث)). (ص ۱۸۲)

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اہل سنت کا ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اہل حدیث"۔

آپ حیران رہ جائیں گے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے حنفیوں کو مُرجعہ کے بارہ فرقوں میں سے ایک فرقہ شمار کیا ہے جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ (ص ۲۰۸) یعنی گیارھویں والے پیر نے حنفیوں کو اہلسنت میں سے شمار ہی نہیں فرمایا۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "خانہ کعبہ کے اردگرد چار طرف نماز ہوتی ہے مگر رُخ سب کا کعبہ کو۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لیے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچیں گے؟" گزارش ہے کہ اگر ان کا کعبہ ایک ہوتا پیغمبر ایک ہوتا تو یہ کبھی چار نہ ہوتے۔ جنہوں نے ایک مذہب کو چار مذہبوں میں تقسیم کر دیا ہے ان کے پاس شیطان چاروں طرف سے آتا ہے:

﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾ (الاعراف: ۱۷)

"(شیطان کہتا ہے) پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کے دائیں جانب سے بھی اور ان کے بائیں جانب سے بھی"۔

جن لوگوں کے لیے ہر مزار کعبہ ہو ہر مجذوب فریادرس ہو اور امام پیغمبر کا درجہ رکھتا ہو بلکہ ان کے لیے قرآن وحدیث تک ٹھکرا دیا جاتا ہو۔ انھیں کیا حق پہنچتا ہے کہ بیت اللہ شریف کا ذکر کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنی پلید زبان پر لائیں۔ کعبہ انہی کا ہے جو اللہ ربّ العزت کو سجدہ کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی کے ہیں جو فقط انہی کو واجب الاطاعت جانتے ہیں اللہ اور رسول کی بات پر مجتہد کی بات کو ترجیح دینے والا ہمارے نزدیک پکا گستاخ اور بے ایمان ہے۔ دیکھا جائے تو ان میں اور مرزائیوں میں صرف برائے نام فرق ہے۔ ان لوگوں نے اپنے امام کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی حیثیت دے دی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں سابقہ انبیاء کرام کو ہے۔ اور اپنے فقہی اقوال کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو وہی حیثیت دے ڈالی ہے جو قرآن کے مقابلے میں تورات وانجیل کو ہے۔ یعنی ان کا اپنے امام اور اپنی فقہ پر مفصل ایمان ہے اور کتاب وسنت پر مجمل ایمان ہے۔

(ز) فرماتے ہیں: "جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے"۔ اس سے قبل مفتی صاحب تفسیر صاوی کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ (مذہب) صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے، کیونکہ حدیث وقرآن کے ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔ (ص ۲۶) بتلایئے ان دونوں باتوں میں کیا مطابقت ہے؟ ایک طرف یہ نمائش کہ فقہ کا تعلق صرف اجتہادی اور استنباطی مسائل سے ہے دوسری طرف یہ ظلم کہ مجتہد کی بات کے مقابلہ میں قرآن وحدیث بھی مسترد ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۳ اس اعتراض کے جواب میں کہ تقلید شخصی شرک ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ۴۰) "فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے"۔

مفتی صاحب نے یہ شعر پیش کیا ہے:

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک
بخاری و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابوحنیفہؒ
کہ جتنے فقہاء محدثین ہیں تمہارے خرمن سے خوشہ چیں ہیں
ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابوحنیفہؒ

آیت کے مقابلے میں شعر پھینکنے کی بجائے کاش مفتی صاحب ان محدثین سے کوئی اس مضمون کا حوالہ پیش کر دیتے تو کیا اچھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا فلاں امام کے بلاواسطہ یا بالواسطہ مقلد ہیں اور ان کے قول کے مقابلہ میں ہم قرآن وحدیث پر عمل کرنے کو ضلالت اور کفر کی جڑ سمجھتے ہیں:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝﴾ (الشعراء: ٢٢٤، ٢٢٥)

"اور شعروں کی پیروی وہی کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر بیابان میں سرٹکراتے پھرتے ہیں"۔

مسائل میں کسی امام کے ساتھ متفق ہو جانا تقلید نہیں۔ ہمارے بے شمار مسائل ائمہ ثلاثہ سے مطابقت رکھتے ہیں تو کیا ہم ان کے مقلد ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بسا اوقات ایک اہلحدیث کو کثرت موافقت کی وجہ سے بھی کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، جیسے امام نسائی اور امام بیہقی رحمہما اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۵۳) فقہاء ومحدثین کو مقلد کہنا ان کی توہین ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے شیروں کو زبردستی بکریوں کے باڑے میں باندھنے کی کوشش کی جائے۔ شاید مفتی صاحب کو معلوم نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام اعظم نہیں بلکہ بعض الناس ہیں۔ اور نا موافقت کی وجہ سے احناف کو بخاری شریف سے اتنی چڑ ہے کہ یہ بخاری شریف میں مذکور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار سے تعبیر کرتے ہیں۔ دخول ہو مگر انزال نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے غسل واجب نہیں جانتے۔ صرف احوط (اگر کرلو تو اچھا ہے) جانتے ہیں۔ (بخاری ص ۴۳ حدیث ۲۹۱ کے تحت) بتلایئے یہ مسئلہ ائمہ اربعہ میں سے کس امام کی تقلید میں ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی حکم خدائے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سوا کے احکام ہیں علماء، فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث یہ تمام بالواسطہ خدائے تعالیٰ ہی کے حکم ہیں۔ اگر یہ معنی ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے تو آج تمام دنیا جج کا فیصلہ کچہریوں کے مقدمات کو مانتی ہے سب ہی مشرک ہو گئے۔

گزارش ہے کہ علماء فقہاء مشائخ اور ججوں کا حکم قرآن وحدیث کے برخلاف ہو کیا وہ بھی بالواسطہ خدا تعالیٰ کا ہی حکم ہے۔ گر مطابق اور مخالف میں تمیز نہیں کی جائے گی تو ان فرامین کا کیا مطلب ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ٥٩)

"پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف"۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (المائدہ: ٤٤)

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں"۔

((لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق)). (عن نواس ابن سمعان طبرانی حدیث ١٤٧٩٥ مشکوۃ باب الامارۃ ص ٣٢١) ❶

"خالق کی نافرمانی ہو تو مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔

کیا یہ آیتیں اور حدیثیں کافروں کے لیے ہیں؟

۳۴ سوال نقل کرتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جو حدیث صحیح ثابت ہو جائے وہی میرا مذہب ہے، لہٰذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پا کر چھوڑ دیئے جواب دیتے ہیں اس زمانہ میں دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر علم رکھتا ہو کہ تمام

تخریج: ❶ یہ حدیث صحیح ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث پر اس کی تمام اسنادوں پر اطلاع رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر صحاح ستہ سے، آگے نہیں ہوتی یہ کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں"۔

گویا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد تمام احادیث کو مع ان کی اسناد کے جانتے تھے کہ ان کے مقابلے میں صحاح ستہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر وہ اتنی بے شمار حدیثیں کہاں چلی گئیں۔ انھیں زمین کھا گئی یا آسمان نے اچک لیا۔ یا امام صاحب نے انہیں اپنی بکری کو کھلا دیا یا انھیں عنقا پرندہ اڑا کر لے گیا۔ ایسی عمدہ حدیثیں کہ جن پر حنفی مسائل کی بنیاد تھی وہ سب محدثین کی نظروں سے اوجھل رہ گئیں۔ عجیب بات ہے اب تک تو یہ عذر چل رہا تھا کہ امام صاحب کو صحیح حدیث نہیں مل سکی ہوں گی۔ اس لیے ضعیف روایات یا قیاس سے کام چلانا ان کی مجبوری تھی۔ لیکن مفتی صاحب کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کی مخالفت کی وجہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث سے بے خبری نہیں تھی بلکہ احادیث کا انکار تھا کیونکہ انہوں نے صحاح ستہ والی احادیث کو نظر انداز کر کے ایسی احادیث سے استدلال فرمایا جس کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ والی بات ہے۔

مفتی صاحب نے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مجموعی طور پر تمام محدثین سے بڑھ کر علم حدیث جاننے والا ثابت کرنا چاہا۔ اگر ایسا ہو تو بھلا ہمیں کیا اعتراض ہے۔ لیکن بروایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اوّلاً میں نے سوچا تھا کہ کوئی اور علم حاصل کروں مثلاً قرآن وحدیث، نحو شاعری یا علم کلام، لیکن دل نہ مانا۔ آخر میں نے فقہ کو ترجیح دی۔ حدیث کے متعلق خاص طور پر فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (طحطاوی مطبوعہ کلکتہ ج ۱ ص ۳۵ بحوالہ حقیقت الفقہ ص ۷۳)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بقول مفتی صاحب وہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد (ص ۱۹)۔ انہوں نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے فن میں یتیم تھے۔ (قیام اللیل مروزی ص ۲۱۲)

میزان الاعتدال میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی اہل رائے کے امام ہیں نسائی ابن عدی اور دیگر اہل علم نے حافظے کی وجہ سے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۳۷، بحوالہ حقیقت الفقہ ص ۷۵)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ نے ایک حدیث بھی ان سے اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔ (مصفی شرح مؤطا ج ۱ ص ۶)

عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث کے جمع ہو جانے اور حفاظ کے احادیث کو جمع کرنے کے لیے مختلف بلاد اور اطراف میں پھرنے کے بعد تک زندہ رہتے اور ان احادیث کو پالیتے تو ان کو لے لیتے اور اپنے قیاسات چھوڑ دیتے۔ ان کے مذہب میں بھی قیاس کم ہوتا جیسا کہ دوسروں کے مذہب میں کم ہے۔ (میزان کبریٰ ص ۵۷)

علامہ مرجانی حنفی نے فرمایا اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی تصحیح تک زندہ رہتے تو قیاس چھوڑ دیتے۔ (دراسات اللبیب ص ۸۴)

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے:

((اذا بلغكم مني حديث فاعرضوه على كتاب الله فان وافقه فاقبلوه والا فردوه))۔ (مقدمہ تفسیرات احمدیہ)

"جب تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو اگر اس کے موافق ہو تو اسے قبول کرلو ورنہ رد کر دو"۔

تو اگر کوئی چکڑالوی کہے کہ بہت احادیث چونکہ قرآن کے خلاف ہیں اس لیے ہم حدیث کو چھوڑتے ہیں، قرآن میں ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میراث تقسیم کرو۔ حدیث میں ہے کہ نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی جس طرح یہ کلام مردود تمہارا قول بھی مردود"۔ گزارش ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر چکڑالویوں کلام مردود کیوں ہے؟ مقبول کیوں نہیں۔ اصل میں فقہ حنفی پر حدیث شریف کی مخالفت کا جو الزام ہے، مفتی صاحب نے اس کا جواب دینے کے لیے یہ بات گھڑی ہے اور چکڑالویوں والا ہتھیار استعمال فرمایا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے جس طرح قرآن کی مخالفت کے باوجود حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا اسی طرح قرآن و حدیث کی مخالفت کے باوجود قولِ امام کو بھی رد نہیں کیا جائے گا۔ گویا ان کے نزدیک حدیث اور قولِ امام کی حیثیت یکساں ہے۔ مفتی صاحب کی ہوشیاری کی داد دینی پڑتی ہے چکڑالویوں کے مطلب کی روایت سے فائدہ بھی پورا پورا اٹھا لیا اور اپنے آپ کو اہل سنت ظاہر کرنے کے لیے ان کے کلام کو مردود بھی فرما دیا۔ حالانکہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اس سے جو ثابت ہوتا ہے اسے مردود کہنا حضور ﷺ کے کلام کو مردود کہنا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے مان لیا کہ حدیث قرآن کے خلاف بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مخالفت کی صورت میں حدیث کو رد کر دینا چاہیے۔ تو جب حدیث نبوی ﷺ قرآن کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی تو قولِ امام کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ یہ کیسی چالاکی ہے کہ اس حدیث سے، یہ تو استدلال کر لینا کہ حدیث قرآن کے خلاف بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ استدلال کرنا کہ دریں صورت اسے رد بھی کر دینا چاہیے۔ یہ عدم استدلال حدیث پر مہربانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس پر قیاس کر کے قرآن و حدیث کے برخلاف ہونے کے باوجود قولِ امام کو قطعی ثابت کرنے کے لیے ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہے: "جس طرح یہ کلام مردود"۔ یعنی حدیث اگر قرآن کے خلاف ہو تو اسے رد کر دینا یہ چکڑالویوں کا مذہب ہے اور یہ مردود ہے۔ مفتی صاحب کو شاید اپنے مذہب کا پورا مطالعہ نہیں۔ ان کا اپنا مذہب بھی یہی ہے اُصول الشاشی میں یہی حدیث بیان کر کے باقاعدہ اس سے حدیث (خبر واحد) کو رد کرنے پر استدلال فرمایا گیا ہے۔ (ص ۷۳)

نیز لکھا ہے: جو راوی حفظ و عدالت میں تو معروف ہوں لیکن ان میں فقاہت اور فتویٰ کی صلاحیت نہ ہو۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو ان سے مروی صحیح حدیث اگر قیاس کے مطابق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگر قیاس یعنی قولِ امام کے خلاف ہو تو حدیث کی بجائے قیاس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (اصول الشاشی ص ۷۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حنفیہ نے تو اصول ایسے وضع کیے ہیں جن کا مقصد احادیث کا رد تھا۔ (فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۶۳)

اب بتلایئے ان میں اور چکڑالویوں میں کیا فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے اس حدیث سے استدلال کرنے کے مجاز نہ چکڑالوی ہیں نہ حنفی۔ چکڑالوی اس لیے نہیں کہ حدیث پر ان کا سرے سے ایمان ہی نہیں تو پھر یہ حدیث کیسے قابل اعتماد ہو گئی۔ حنفی اس لیے نہیں کہ یہ خبر واحد قرآن پاک کی اس آیت کے برخلاف ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ۳، ۴)

"اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث سرے سے حدیث ہی نہیں بلکہ فقط ایک گپ ہے جو چھوڑی گئی ہے یہ کیسے ممکن ہے اللہ کا پیغمبر ایسی بات کہے جو قرآن کے برخلاف ہو۔ ویسے میں سمجھتا ہوں چکڑالویوں کا موقف حنفیوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ چکڑالوی "قرآن" کی وجہ سے حدیث رد کرتے ہیں جب کہ حنفیہ قولِ امام کی وجہ سے حدیث کو رد فرماتے ہیں۔ ہتھیار دونوں کے الگ الگ ہیں نشانہ دونوں کا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ حدیث ہے۔

(ب) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کمی روایات کا جو الزام ہے اس کا جواب دیتے ہوئے مفتی صاحب فرماتے ہیں: "امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث تھے بغیر حدیث دانی اس قدر مسائل کیسے استنباط ہو سکتے تھے۔ ان کی کتاب مسند امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب موطا امام محمد۔ سے ان کی حدیث دانی معلوم ہوتی ہے"۔ فن حدیث میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام تھا وہ پہلے بیان ہو چکا ہے اسے بار بار دہرانا کارِ ثواب نہیں۔ مسند امام ابوحنیفہ دراصل خوارزمی کی تالیف ہے۔ (درمختار ج ا ص ۴۷)

خوارزمی ساتویں صدی کے آدمی ہیں۔ موطا امام محمد کا بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ دس برس کے بچے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیل میں تشریف لے گئے جہاں سے انہیں باہر واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ دنیا میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب نہیں نہ حدیث کی نہ قیاسات و استنباطات کی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ان سے کوئی روایت نہ لوں گا۔ (الکامل ج ۶ ص ۲۱۸۳)

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ مجھ پر جھوٹ باندھ دیتے ہیں۔ (ایضاً ولسان ج ۵ ص ۱۲۲)

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں محمد بن حسن کذاب ہے۔ (ایضاً)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔ (کتاب الضعفاء ص ۳۱۰)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے۔ (کتاب المجروحین ج ۲ ص ۲۷۶)

نیز فرماتے ہیں: انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صرف چند دن شاگردی کی ہے۔ (ایضاً ص ۲۷۵)

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایات بہت کم ملتی ہیں تو کیا وہ محدث نہ تھے۔ کمی روایت احتیاط کی وجہ سے ہے"۔ مفتی صاحب ایک ہی سانس میں متضاد باتیں ارشاد فرما دیتے ہیں۔ ابھی لوگوں کی کتابیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کی مرویات کی کثرت ثابت فرما رہے تھے۔ اب فرما رہے ہیں کہ کمی روایت احتیاط کی وجہ سے ہے۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قلت روایت پر پردہ ڈالنے کے لیے حنفیوں کے ہاتھ میں احتیاط کا بہانہ آ گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ محدثین مثلاً امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما اور وہ بے شمار راوی جن کی روایات کو انھوں نے قبول کیا ہے سب غیر محتاط تھے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ۸۴۸ حدیثیں مروی ہیں۔ کیا وہ غیر محتاط تھے؟

کیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایسی روایات نہیں ملیں جو اس قابل ہوتیں کہ انھیں آگے بیان کیا جاتا۔ اگر سب راوی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح "احتیاط" برتنے لگتے تو کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اُمت تک پہنچ سکتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال دی ہے وہ تو خلافت جہاد اور مرتدین کے استیصال میں مصروف ہو گئے تھے۔ جناب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو درس و تدریس کے علاوہ کیا کام تھا؟ احتیاط کی بھی خوب رہی۔ حدیث کی روایت کرنے میں احتیاط کرنا مگر اس سے استنباط کرنے میں بے احتیاطی کی ساری حدود پھلانگ جانا یہ احتیاط کی کون سی قسم ہے یعنی اگر کسی حدیث سے استنباط جائز تھا تو اس حدیث کو روایت کرنے میں کونسی شے مانع تھی۔ اگر ان کے سارے مسئلے احادیث سے ہی استنباط کیے گئے ہوتے تو کیا یہ اتنے ہی غلط ہوتے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کو ان سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کرنا پڑتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) فرماتے ہیں: "امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام روایات صحیح ہیں کیونکہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہے۔ بعد میں بعض روایات میں ضعف پیدا ہوا۔ بعد کا ضعف حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مضر نہیں۔ جس قدر اسناد بڑھی ضعف بھی پیدا ہوا"۔ یہ فقط ایک ڈھکوسلا ہے کوئی ایک حدیث بیان کریں جو حنفیوں کی دلیل ہو اور امام صاحب تک صحیح ہو اور ان کے بعد ضعیف ہو گئی ہو۔ امام صاحب کی تمام روایات صحیح کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہ تو محدثین کے نزدیک بذاتِ خود ایک ضعیف راوی ہیں۔ امام نسائی، ابن عدی اور دوسروں نے انھیں ضعیف کہا۔ (میزان الاعتدال)

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ کمزور تھا۔ (تمہید شرح موطا ج ۳ ص ۲۷۲)

ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں ضعیف کہا۔ (دراسات اللبیب)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انھیں ضعیف کہا۔ (سنن دارقطنی زیر حدیث قراءۃ الامام الخ)

علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں ضعیف کہا۔ (تخریج ہدایہ)

اَسّی (۸۰) کے قریب محدثین نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (بحوالہ حقیقت الفقہ ص ۷۷)

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ حدیث میں یتیم تھے۔ (قیام اللیل مروزی)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محدثین عظام مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ رحمہم اللہ۔ نے ایک حدیث بھی اپنی کتابوں میں ان سے درج نہیں کی۔ (مصفی شرح موطا ج ۱ ص ۶)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کل مسند روایات کی تعداد ۱۳۰ ہے ان میں ۱۲۰ میں غلطیاں ہیں۔ (کتاب المجروحین ج ۳ ص ۶۳)

جامع المسانید جو مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اس میں کئی کذاب راویوں سے روایتیں لی ہیں مثلاً ابوالعطوف، جابر جعفی، ابان بن عیاش، نصر بن طریف، عطاء بن عجلان بصری، عمرو بن عبید، محمد بن سائب کلبی وغیرہ۔ یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف خود ضعیف راوی ہیں بلکہ مسند امام اعظم کے مطابق آپ نے کذابوں سے روایتیں بھی لی ہیں۔ کیا اسی کا نام احتیاط ہے (اور کیا یہی کام ہے امام اعظم ہونے کا)۔

﴿۳۵﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں "لطیفہ" بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذہب حق ہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے حق تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریکی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے۔ دونوں مسئلے کس طرح صحیح ہو سکتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں کہ حق کے معنی یہاں صحیح یا واقعہ کے موافق نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی کی پیروی کر لو اللہ کے ہاں پکڑ نہ ہوگی کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے"۔ سوال یہ ہے کہ چودہ سو سال میں چاروں قسم کے مقلدین میں آج تک ایک بھی عالم یا فقیہ پیدا نہیں ہوا جو یہ فیصلہ کر سکتا اور اس کا فیصلہ سب کو منظور ہوتا کہ خطا کیا ہے صواب کیا ہے واقعہ (یعنی سنت) کے موافق کیا ہے مخالف کیا ہے بلکہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے کیا ائمہ اربعہ اپنی "امتوں" کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریکیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ تو پھر ایسے بدنصیب نااہل اور اجہل مقلدین میں داخل ہونے کا کیا فائدہ۔ نہ جانے مفتی صاحب نے اپنی کتاب کا نام جاء الحق کیونکر رکھ دیا۔ کیا انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے مندرجات واقعی حق ہیں۔ جب کہ بقول مفتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب ان کے مجتہد کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ واقعہ کے مطابق حق کیا ہے۔ انھیں یہ تک معلوم نہیں کہ درحقیقت فاتحہ خلف الامام واجب ہے یا حرام۔ رفع یدین جائز ہے یا ناجائز یعنی جو مسائل نبی ﷺ سے صریحاً اور نصاً ثابت ہیں ان کے بارے میں ان کی معلومات کا یہ عالم ہے تو جو مسائل ہیں ہی استنباطی ان کے بارے میں ان کی تحقیق کا کیا حال ہوگا فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ میں موجود ۳۶۰ بت ڈھاتے ہوئے نبی ﷺ نے جاء الحق والی آیت تلاوت فرمائی تھی کیا آپ ﷺ کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ عمل بت شکنی واقعہ کے مطابق حق ہے یا نہیں۔ اندازہ فرمائیے اپنی کتاب کا نام جاء الحق رکھ کر مفتی صاحب نے آیت کریمہ کا کتنا مذاق اڑایا ہے۔

کہتے ہیں مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجتہد کی خطا اگر معاف ہے تو کیا مقلد کے لیے جان بوجھ کر اس خطا کی تقلید کرنا بھی معاف ہے اور قیامت تک کے لیے معاف ہے نیز مجتہد کی خطا اگر معاف ہے تو اس معافی کا یہ مطلب تو نہیں کہ پھر وہ خطا حق میں تبدیل ہو جاتی ہے اور خطاؤں کا مجموعہ جاء الحق کہلانے لگتا ہے۔ ایک حاکم ازراہِ مصلحت کسی کا جرم معاف کرتا ہے تو اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ اب وہ جرم حق ہو گیا اور اس کی اتباع جائز ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جو گناہ معاف فرماتا ہے اور ان پر پکڑ نہیں فرماتا تو کیا وہ گناہ حق ہو جاتے ہیں اور ان پر عمل کرنا ثواب ہو جاتا ہے۔

(الف) مفتی صاحب نے آگے چل کر یہ حدیث بیان فرمائی ہے:

((اذا حکم الحاکم فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اصاب فله اجر ان و اذا حکم فاجتهد فاخطاء فلهٔ اجر)). (عن ابن عمرو وابی هریرہ، بخاری ص ۱۰۹۲ حدیث ۷۳۵۲، مسلم ج ۲ حدیث ۴۴۸۷ ص ۷۶، مشکوۃ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء ص ۳۲۴)

”حاکم اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں خطا کرے تو ایک اجر ہے“۔

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں مجتہد سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ نہیں ہیں بلکہ حاکم اور قاضی ہیں۔ یعنی ایک جج کو فریقین کے درمیان سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور طرفین کے بیانات سن کر صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس سے وہ مسائل ہرگز مراد نہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ارشاد فرما دیئے ہیں:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی مسلمان مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا“۔

جہاں تک عدالتی مقدمات کا تعلق ہے ان میں ایک حاکم یا قاضی یا مفتی یا جج تو کیا خود پیغمبر علیہ السلام سے بھی خطا کا امکان ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((انکم تختصمون الی و لعل بعضکم الحن بِحُجَّتِهٖ من بعض فمن قضیت له بحق اخیه شیئا بقوله فانما اقطع له قطعة من النار فلا یاخذها)). (عن ام سلمہ بخاری حدیث ۲۶۸۰ ص ۳۶۸، مسلم ج ۲ حدیث ۴۴۷۳ ص ۷۴)

”تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو شائد تم میں کوئی اپنی حجت پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ ماہر ہو اور میں اس کی بات پر اعتماد کر کے اس کے بھائی کا حق اسے دے دوں تو یوں سمجھو میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں جو اسے نہیں لینا چاہیے“۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو جب پیغمبر کی اجتہادی خطا کو قبول کرنا جائز نہیں اور وہ جہنم میں پہنچا سکتی ہے تو مجتہد کی خطا مقلدین کو کیونکر جنت میں لے جائے گی۔ افسوس کی بات ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غیر عالی معاملات میں تقلید کی طرح قاضی کا غلط فیصلہ بھی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتا ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے:

((وكل شيء قضى به القاضي بتحريمة فهو في الباطن كذلك عند ابي حنيفة و كذا اذا قضى بإحلال)).

”مسئلہ حرمت کا ہو یا حلّت کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ باطن میں بھی نافذ ہے“۔ (ج ۱ اخیرین ص ۱۱۱)

نیز لکھا ہے:

((و من ادعت عليه امراة انه تزوجها و اقامت بينة فجعلها القاضي امراته ولم يكن تزوجها وسعها المقام و ان تدعه يجامعها)). (اولین ص ۲۸۱)

”عورت کسی شخص پر دعویٰ دائر کر دے کہ اس نے اس سے شادی کی ہے اور دلیل (گواہ) بھی قائم کر دے تو قاضی اسے اس کی بیوی قرار دے دے حالانکہ اس شخص نے اس سے شادی نہیں کی تھی تو عورت کو کھلی چھٹی ہے۔ اگر وہ عورت دعوت دے تو مرد کو اس سے مجامعت کرنی چاہیے“۔

یہی الفاظ فتاویٰ عالمگیری میں بھی موجود ہیں، آگے لکھا ہے:

((و كذا لو ادعى النكاح فحكمه كذلك)). (ج ۱ ص ۲۸۳)

”اور اسی طرح اگر مرد عورت پر نکاح کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے“۔

(ب) فرماتے ہیں: ”امیر معاویہ اور مولا علی رضی اللہ عنہما اسی طرح عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں جنگ ہوئی اور حق پر ایک ہی صاحب تھے مگر دونوں کو حق پر ہی کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی پکڑ عند اللہ نہیں ہوگی“۔ ”پکڑ نہیں ہوگی“ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپس میں لڑنا جائز تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ نیز وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تھے۔ وہ لڑے نہیں تھے انہیں لڑایا گیا تھا۔ وہ سبائی سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ برخلاف حنفیوں اور شافعیوں کے کہ ان کی مغفرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح یقینی نہیں ہے اور ان کی لڑائی بھی ان کی طرح اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اماموں کی تقلید کے لیے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کی لڑائی عارضی نہیں مستقل ہے اور شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہے۔ لہٰذا چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا جرم جاسوسی معاف فرما دیا تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ بدری صحابی تھے اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بدری صحابیوں کے بارے میں فرما دیا ہے:

((اعملوا ما شئتم قد غفرت لكم)). (عن علي رضي الله عنه، بخاري ص ٦١٢ حديث ٤٢٧٤)

”جو مرضی عمل کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے“۔

اب اس کا یہ معنی نہیں کہ جاسوسی کا جرم جرم ہی نہیں رہا۔

(ج) فرماتے ہیں: ”جنگل میں ایک شخص کو خبر نہیں کہ قبلہ کدھر ہے اس نے اپنی رائے سے چار طرف رکعت پڑھیں کیونکہ رائے بدلتی رہی، یہ بھی منہ پھیرتا رہا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا مگر نماز صحیح ہو گئی چاروں قبلہ درست ہیں“۔ یہ مثال دے کر مفتی صاحب نے بزعم خود چار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبوں کی حقانیت ثابت کی ہے۔لیکن درحقیقت انہوں نے اعتراف کرلیا ہے کہ مقلدین اس جنگلی کی طرح بھولے ہوئے ہیں جس نے چاروں رکعتیں پڑھ ڈالیں۔اور آخر تک پتہ نہ چلا کہ قبلہ کدھر ہے۔اور وہ لٹو کی طرح گھومتا رہا۔میرے بھائی قبلہ کی صحیح سمت بتلا دی جائے تو پھر غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا کفر ہو جاتا ہے۔کیا چودہ سو سال تک جنگل میں بھٹکنے والے ان گم کردہ راہ مقلدین کو ابھی تک پتہ نہیں چل سکا کہ ان میں سے کس کا قبلہ صحیح ہے۔مگر جن لوگوں نے اپنے اپنے اماموں کو ہی قبلہ وکعبہ قرار دے دیا ہو ان کا قبلہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

(د) فرماتے ہیں: "مجتہد خطا بھی کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی درستی رائے بیان فرمائی مگر کسی پر عتاب نہ فرمایا"۔قصہ یوں ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کا کھیت چر گئیں۔حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ کھیت والا بکریاں لے لے،مگر ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ کھیت والا اس وقت تک بکریوں سے فائدہ اٹھائے جب تک کھیت اصلی حالت پر نہ آ جائے۔مفتی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ درست تھا۔اور کنز الایمان کے حاشیہ میں مفتی صاحب نے اس کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ نبی کے اجتہاد میں خطا بھی ہو سکتی ہے تو غیر نبی میں بدرجہ اولیٰ غلطی کا احتمال ہے"۔پھر بھی اسی حاشیہ میں فرماتے ہیں: شریعت داؤدی میں کھیت کے نقصان کا یہ حکم تھا۔ہماری شریعت میں اگرچہ چرواہا ساتھ نہ ہو تو بکریوں والے پر تاوان نہیں۔سوال یہ ہے کہ کونسی شریعت؟ جہاں تک شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری اونٹنی نے ایک آدمی کے باغ کو نقصان پہنچایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ دن کے وقت مالک کا فرض ہے کہ اپنے باغ کی حفاظت کرے اور رات کے وقت اگر مویشی باغ کو نقصان پہنچا دیں تو تاوان پڑ جائے گا۔(موطا امام مالک ص ۳۱۲ حدیث ۱۴۳۵)

ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے۔مگر حنفی شریعت کا یہ مسئلہ ہے:

((لو انفلت الدابة فاصابت ما لا او آدميا ليلا او نهارا لاضمان على صاحبها لقوله عليه السلام جرح العجماء جبار)). (ہدایہ اخیرین ص ۵۳۸)

"اگر جانور چھوٹ کر دن کو یا رات کو مالی یا جانی نقصان کر دے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان نہیں۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جانور کا لگایا ہوا زخم معاف ہے"۔

حالانکہ یہ حدیث زخمی کرنے کے بارے میں ہے کھیت وغیرہ کو اجاڑنے کے بارے میں نہیں ہے اس موضوع پر اصل جو دلیل ہے یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت اس کا انھوں نے ذکر ہی نہیں فرمایا۔یعنی نہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور ہے اور نہ باوجود درست سمجھنے کے انھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ منظور ہے۔اللہ جانے انھیں کیا منظور ہے۔

(د) مفتی صاحب نے وہ حدیث نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے جب کہ حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے تو اس کو دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد اور خطا کرے تو اس کو ایک ثواب ہے۔پھر فرماتے ہیں اس سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو جرم ہے کیونکہ شافعی حاکم شرع سے فیصلہ کرا کر رفع یدین کر رہا ہے۔اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف ہے اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہ کرایا لہٰذا اگر صحیح بھی کرتا ہے تو بھی خطا کار ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے ثابت ہوا ان کے نزدیک نبی ﷺ حاکم نہیں۔ آپ ﷺ کی حیثیت فقط ایک مفتی یا مولوی صاحب کی سی ہے۔ اصل حاکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔ جب تک یہ امام فیصلہ نہ دے دیں اس وقت تک حضور ﷺ کی کسی سنت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ نعوذ باللہ من تلك الخرافات۔ قبل ازیں مفتی صاحب ارشاد فرما چکے ہیں کہ تقلید صرف اجتہادی اور استنباطی مسائل میں ہے تو کیا رفع یدین اجتہادی مسئلہ ہے۔ کیا یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں اور صحاح ستہ میں مذکور نہیں۔ اگر یہ اجتہادی مسئلہ ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اسے روایت کیا ہے کیا وہ مجتہد یا بقول مفتی صاحب ائمہ اربعہ سمیت، تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا نہ تھے۔ بلکہ مفتی صاحب کے الفاظ ہی میں کیا وہ حاکم شرع نہ تھے؟

ان کی عدالت کا فیصلہ احناف کو کیوں قبول نہیں؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑے امام ہیں؟ اصل سوال تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی سب ائمہ نے جو رفع یدین پر عمل کیا ہے وہ سنت سمجھ کر کیا ہے یا فقط ایک اجتہادی مسئلہ سمجھ کر کیا ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ بات ہے تو ماضی میں حنفیوں کی شافعیوں کے ساتھ جو مناظرہ بازی ہوتی رہی ہے اور حنفیوں کی طرف سے جو دلائل دیئے جاتے رہے ہیں کیا وہ حماقت تھی۔ جب شافعیوں کے حاکم شرع کا فیصلہ تھا کہ رفع یدین کرنا چاہیے تو احناف نے دخل در معقولات کیوں کیا یا جب نجدی حنبلیوں نے اپنے حاکم شرع کے فیصلہ کے مطابق قبے گرائے تھے تو بریلویوں نے کیوں شور مچایا تھا۔ کیا یہ توہین عدالت نہیں ہے۔ فرماتے ہیں اگر شافعی غلطی کرتا ہے تو بھی معاف ہے"۔ اگر مثال ہی دینی تھی تو حنفی کی مثال بھی دی جا سکتی تھی اور یوں کہا جا سکتا تھا کہ اگر حنفی ترکِ رفع یدین کی غلطی کرتا ہے تو بھی معاف ہے۔ خیال فرمایئے تعصب کسی جگہ بھی ان کی جان نہیں چھوڑتا۔ فرماتے ہیں اگر غیر مقلد (رفع یدین) کرے تو جرم ہے"۔ رفع یدین اگر جرم ہے تو مقلدین کے لیے کیوں جرم نہیں۔ کیا مقلدین کی پہلی رفع یدین سرکش گھوڑوں کی دموں جیسی نہیں ہوتی یا کیا انہیں جرم کرنے کا لائسنس ملا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا مقلدین جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ البتہ ان پر کیس نہیں چل سکتا کیونکہ یہ لائسنس یافتہ ہیں۔ میرے بھائی رفع یدین اگر جرم ہے تو ہم یہ جرم سو بار کریں گے۔ کیونکہ یہ ہمارے حاکم شرع کا فیصلہ ہے۔ یہ جرم ہم نے اپنے حاکم شرع اور اپنے امام امام الانبیاء ﷺ سے سیکھا ہے۔

(ز) فرماتے ہیں" جیسے کہ آج حاکم کے بغیر کوئی شخص خود ہی قانون ہاتھ میں لے کر کوئی کام کرتا ہے تو مجرم ہے لیکن اگر حاکم کچہری سے فیصلہ کرا کر وہی کام کرے تو اس پر جرم نہیں۔ حاکم جواب دہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے تو بھی اس کی پکڑ نہیں"۔ اس سے پھر میری بات کی تصدیق ہوگئی کہ مقلدین کو جرم کرنے کا سرکاری طور پر پرمٹ مل چکا ہوا ہے۔ حکومت سے سفارش کرنی چاہیے کہ مقلدین جرم کریں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ کیونکہ یہ لائسنس ہولڈرز ہیں لیکن افسوس کہ سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان کی ہر جیل کے اخلاقی قیدیوں میں سوادِ اعظم انہی کا ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کی بات سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک نبی ﷺ کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنی کہ کسی قاضی یا مفتی کی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا اور آپ ﷺ کے حکم پر چلنا قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے اور جرم ہے۔ مگر رشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تَسْلِيمًا ﴾ (النساء:٦٥)

"سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ (ﷺ) کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے آپ (ﷺ) ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں"۔

تقلید اگر جرم کا اجازت نامہ ہے تو ہم وہ دیکھنا چاہتے ہیں ائمہ اربعہ میں سے ہی کسی ایک کا قول بتلا دو کہ اس نے تقلید کا حکم دیا ہو۔ بطور تواضع اپنے بارے میں نہیں کسی دوسرے کے بارے میں سہی۔

(س) فرماتے ہیں: "حضور ﷺ نے بدر کے قیدیوں سے محض قیاس پر فدیہ لیا پھر آیت اس کے خلاف آئی۔ معلوم ہوا اس قیاس سے رب راضی نہیں، مگر وہ فدیہ کا روپیہ واپس نہ کرایا گیا۔ معلوم ہوا کہ خطا اجتہادی پر کوئی پکڑ نہیں"۔ یہ کہنا کہ پکڑ نہیں کتنی غلط بات ہے۔ آیت کا خلاف آنا ہی پکڑ ہے۔ غفور رحیم نے اگر معاف کر دیا اور سزا نہیں دی تو اس سے خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہیے کہ خطا خطا ہی نہ رہے بلکہ جاء الحق ہو جائے۔ پھر خطا کا ہو جانا اور بات ہے اور خطا کو مستقل مذہب بنا لینا چیزے دیگر است۔ یہ قابل معافی نہیں ہے:

﴿بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ (البقرہ:٨١)

"یقیناً جس نے بھی بُرے کام کیے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا یہی دوزخی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔

اپنے مجتہد کی اجتہادی خطاؤں کو قیامت تک اپنے اوپر مسلط کر لینا تقلید کی بدترین اور شاہکار خطا ہے۔ پھر لطف یہ کہ بریلوی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی بھی حنفی مذہب پر عمل کریں گے۔ (ملفوظات احمد رضا خان ص ۱۸۶) اور حال یہ ہے کہ حنفی مذہب کی کتابوں میں جتنے بھی اقوال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ آج تک ان میں سے کسی ایک کی سند بھی امام صاحب رحمہ اللہ تک نہیں پہنچائی جا سکی اور ان میں جو آلو شوربہ پکا رکھا ہے سب فقہ حنفی کہلاتا چلا آ رہا ہے۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر ناراض نہیں ہوا تھا کہ بدری قیدیوں سے فدیہ کیوں لیا ہے جو واپس کر دیا جاتا۔ ناراض اس بات پر ہوا تھا کہ فدیہ کی خاطر قیدی بنانے سے پہلے دشمنوں کو اچھی طرح کچلا کیوں نہیں گیا تھا جیسے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ (الانفال:٦٧)

"نبی (ﷺ) کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہئیں جب تک کہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے"۔

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ (محمد:٤)

"جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اڑاؤ جب خوب ان کو قتل کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو پھر اختیار ہے کہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر"۔

اس مضمون سے آنحضرت ﷺ کے علم غیب کی بھی نفی ہو گئی تبھی بقول مفتی صاحب آپ ﷺ نے قیاس سے کام لیا جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں تھا اگر آپ ﷺ کو اللہ کا حکم اور اس کی مرضی معلوم ہوتی تو آپ قیاس سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کو کیوں ناراض کرتے۔ مفتی صاحب نے آگے چل کر دعویٰ کیا ہے کہ آپ ﷺ لوحِ محفوظ بھی پڑھے ہوئے تھے۔ کیا یہ بات لوحِ محفوظ میں نہیں لکھی ہوئی تھی؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاستنباط یعنی قیاس کی بحث

﴿۳۶﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں "ایک ایسا مسئلہ درپیش آ گیا جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثال کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن وحدیث میں ہے۔ اس کے حکم کی علت معلوم کر کے کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہٰذا اس کا یہ حکم ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ اغلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ حالتِ حیض میں عورت سے جماع حرام ہے۔ کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ اور اس میں بھی پلیدی ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہے"۔

مفتی صاحب نے قیس کے بارے میں بجا ارشاد فرمایا لیکن مثال صحیح نہیں دی۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس قیاس کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ یہ مسئلہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((و اتق الدبر والحيضة)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی تفسیر سورہ بقرہ حدیث ۲۹۸۰، مشکوۃ باب المباشرۃ ص ۲۷۶) ❶

"دبر اور حیض سے پرہیز کرو"۔

((لا تاتوا النساء فی ادبارهن)). (عن خزیمہ بن ثابت، ابن ماجہ باب النهی عن اتیان النساء فی ادبارھن حدیث ۱۹۲۴ مشکوۃ ص ۲۷۶) ❷

"ادبار میں جائز نہیں"۔

((ملعون من اتى إمرأة فی دبرها)). (عن ابی ہریرہ ابوداؤد باب فی جامع النکاح حدیث ۲۱۶۲، مشکوۃ ص ۲۷۶) ❸

"یہ لعنتیوں والا کام ہے"۔ وغیرہ۔

بلکہ قرآن پاک کی اس آیت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ ﴾ (البقرہ: ۲۲۳)

"تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ"۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اذی کے معنی پلیدی کے نہیں بلکہ تکلیف کے ہیں۔ جیسے ارشاد فرمایا:

﴿ اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ ﴾ (بقرہ: ۱۹۶)

"یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو"۔

﴿ مَنًّا وَّلَآ اَذًى ﴾ (بقرہ: ۲۶۲)

"نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں"۔

﴿ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾ (بقرہ: ۲۶۴)

"اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو"۔

﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ﴾ (آل عمران: ۱۱۱)

"یہ لوگ تمہیں ستانے کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے"۔

تخریج: ❶ حسن ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا﴾ (آل عمران:۱۸۶)
"اور مشرکوں سے بہت سی دکھ دینے والی باتیں سننی پڑیں گی"۔

﴿اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ﴾ (النساء:۱۰۲)
"اور اگر بارش کی تم کو تکلیف ہو"۔

﴿وَ دَعْ اَذٰىهُمْ﴾ (احزاب:۴۸)
"اور جو ایذا ان کی طرف سے پہنچے اس کا خیال بھی نہ کیجئے"۔

اگر بالفرض اذی کے معنی پلیدی کا لیا جائے اور پلیدی ہی کو علت ٹھہرایا جائے تو کیا حالت طہر میں فرج کی رطوبت پاک ہوتی ہے۔ ویسے حنفیہ کے نزدیک پاک ہی ہے۔ (درمختار ج ا ص ۵۱، ص ۸۳)

دوسری مثال یہ دی ہے کہ کسی نے پوچھا کہ "جس عورت سے کسی کے باپ نے زنا کیا وہ اس کے بیٹے کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت سے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے وطی یا جزئیت کی وجہ سے لہٰذا یہ عورت بھی حرام ہے"۔ لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے قیاس سے اتفاق نہیں ہے۔

((و قال الشافعي الزنا لا يوجب حرمة المصاهرة لانها نعمة فلا تنال بالمخطور)). (هدایہ اولین ص ۲۷۷)
"وہ فرماتے ہیں زنا سسرالی رشتہ کو حرام نہیں کرتا، اس لیے کہ یہ ایک نعمت ہے جو فعل حرام سے متاثر نہیں ہو سکتی"۔

یہ دونوں مسلمہ امام ہیں۔ مسئلہ بھی حرام حلال کا ہے۔ اب نہ جانے کس کا قیاس معتبر ہے۔ انہی کے علاوہ عبدالحی حنفی فرماتے ہیں ضروریاتِ شدیدہ کے وقت امام شافعی کی تقلید درست ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ ص ۲۳۰)

مفتی صاحب نے بھی فرما دیا ہے چاروں مذہبوں میں سے کسی کی پیروی کر لو اللہ کے ہاں پکڑ نہ ہوگی کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ (ص ۳۵) مقصد یہ ہے کوئی ناجائز کام کرنا ہو تو از خود مجتہد نہ بنو بلکہ کسی مجتہد کے کندھے پر رکھ کر توپ چلاؤ تاکہ تم بری الذمہ ہو جاؤ۔ اس مسئلہ میں حنفیہ نے بھی گنجائش نکالی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ایک شخص نے کنواری عورت سمجھ کر نکاح کیا مگر اس کی بکارت کو زائل پایا۔ پوچھا تیرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ وہ بولی تیرے باپ نے۔ اگر یہ خاوند مان لے تو وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔ اور مہر نہیں ملے گا۔ اگر نہ مانے تو وہ اس کی بیوی ہے۔ (ج ا ص ۲۷۶)

یعنی آسان علاج یہ ہے تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ حنفیہ کے فتاویٰ قاضی خاں میں تو یہاں تک لکھا ہے کوئی شخص محرمات ابدیہ یعنی اپنی بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کر کے جماع کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اگرچہ وہ کہے مجھے معلوم تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے۔ (حاشیہ بر فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۴۶۸)

نیز لکھا ہے کسی شادی شدہ عورت سے نکاح کر کے صحبت کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ (ایضاً)

وجہ یہ ہے کہ یہ ان کے نزدیک زنا نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب "نکاح" زنا نہیں ہو سکتا تو زنا نکاح کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ حکم یہ ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء:۲۲)
"اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا اس آیت میں نکاح سے صحیح نکاح مراد نہیں۔ قیاس کیا کہتا ہے۔

(الف) فرماتے ہیں: شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہد ہو ہر کس و ناکس کا قیاس معتبر نہیں۔ قبل ازیں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ تقلید صرف اجتہادی اور استنباطی (یعنی قیاسی) مسائل میں ہے۔ (ص ۱۸) اب سوال یہ ہے فقہ حنفی کی کتابوں میں جو ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں کی تعداد میں مسائل لکھے ہوئے ہیں کیا ان میں کوئی مسئلہ بھی قرآن وحدیث میں مذکور نہیں۔ سب کے سب قیاسی ہی ہیں اور یہ لاکھوں قیاسات حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد نے ہی فرمائے ہیں۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قبیلہ احناف میں ان کے بعد تو کوئی مجتہد پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصول وقواعد پر یہ مجتہدین فی المذہب کا کارنامہ ہے تو ایک ہی اصول پر قیاس واستنباط کرنے سے اتنا اختلاف کیسے ظاہر ہو گیا۔ کچنار کا پودا لگا یا تھا تو اس کے ساتھ کھٹے میٹھے بیر کیسے لگنے شروع ہو گئے۔ ذرا غور فرمایئے! جو مسائل امام صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرما دیئے تھے ان میں صاحبین کا امام صاحب سے دو تہائی اختلاف ہو گیا۔ اور جو مسائل بیان نہیں فرمائے تھے ان میں امام صاحب رحمہ اللہ کے وضع کردہ اصول وقواعد کی کس قدر مٹی پلید کی گئی ہو گی۔

(ب) فرماتے ہیں: "قیاس کا ثبوت قرآن وحدیث وافعال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر:۲)

"پس اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو"۔

یعنی کفار کے حال پر اپنے کو قیاس کرو اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا"۔ مگر افسوس کہ مفتی صاحب اپنی حرکات شنیعہ کو کفار کے حال پر قیاس کر کے عبرت حاصل کرنے پر آمادہ نہیں۔ صفحہ ۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں یہودیت یا نصرانیت وغیرہ خلاف اسلام راستے مراد ہیں۔ حنفی شافعی وغیرہ چند راستے مراد نہیں۔ یعنی ان کے نزدیک یہود ونصاریٰ کے لیے فرقہ واریت منع تھی۔ مسلمانوں کے لیے منع نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا﴾ (آل عمران:۱۰۵)

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا"۔

۳۷ مفتی صاحب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال نقل کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ فیصلہ کرتے وقت اوّلاً کتاب اللہ کو ثانیاً سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالثاً اجماع کو پیش نظر رکھنا چاہیے اگر ان سے مدد نہ ملے تو اجتہاد کرنا چاہیے۔ (نسائی، کتاب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم ج ۲ حدیث ۵۴۰۰ ص ۳۰۳)[1]

مفتی صاحب نے قیاس ثابت کرنے کے لیے یہ روایتیں پیش کی ہیں۔ گزارش ہے کیا اس طریق کار پر عمل کرنے کا حق اُمت محمدیہ میں صرف چار آدمیوں کو ہی حاصل تھا۔ باقی ساری اُمت کے علماء فقہاء اور محدثین کیوں اس سے محروم رہ گئے۔ کیا وجہ ہے کہ حنفی شریعت تو قیامت تک کے لیے ہو اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت صرف دو ڈھائی صدیوں تک کے لیے ہو اور وہ بھی صرف چار آدمیوں کے لیے۔ کیا نبوت کی طرح اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے۔ یا مائیں اتنی ناکارہ ہو گئی ہیں کہ انھوں نے مجتہدین کو جنم دینا چھوڑ دیا ہے یا دارالعلوم ہی اتنے پھسڈی ہو گئے کہ ان میں جوہر قابل کے پنپنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

[1] هٰذا حديث جيد۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا پورا قول نقل نہیں فرمایا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:
((لا یقول انی اخاف انی اخاف فان الحلال بین والحرام بین و بین ذالك امور مشتبهات)).
"یہ نہ کہے میں ڈرتا ہوں میں ڈرتا ہوں۔ بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں"۔
اس سے ثابت ہوا ائمہ اربعہ کے بعد کسی کے اجتہاد کے بارے میں حنفیہ کی تشویش لغو ہے۔

﴿۳۸﴾ فرماتے ہیں: "جس قیاس کی برائیاں آئی ہیں وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پا کر قیاس کیا اور حکم الٰہی کو رد کر دیا۔ یہ کفر ہے"۔ افسوس صد افسوس کہ حنفیہ صدہا مقامات پر اسی کفر کے مرتکب ہیں اور یہ کفران کا باقاعدہ اصول ہے۔ مثلاً یہی مفتی صاحب صفحہ ۲۶ پر اپنی تائید میں تفسیر صاوی کا یہ حوالہ درج فرما چکے ہیں کہ چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیونکہ حدیث اور قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے"۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ قولِ امام کے مقابلہ میں قرآن حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات کو رد کر دیا جائے۔ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات قبول کرنا صرف کفر نہیں بلکہ کفر کی جڑ ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: احناف نے نو اصول ایسے وضع کیے جن کا مقصد احادیث کا رد تھا۔ (فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۶۳)

اصول کرخی میں لکھا ہے: ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے ائمہ کے قول کے خلاف ہو اس کی تاویل کی جائے یا اسے منسوخ سمجھا جائے۔ (اصول کرخی ص ۱۱)

اصول الشاشی میں لکھا ہے اگر حدیث قیاس کے موافق ہو تو حدیث پر عمل کرنا چاہیے ورنہ قیاس پر عمل کرنا بہتر ہے۔ (ص ۷۲)
مولانا احمد رضا خان نے مکتوبات شریف کے حوالے سے لکھا ہے ہم مقلدوں کو امام کے خلاف از خود احادیث پر عمل جائز نہیں جو اس کا مرتکب ہو وہ احمق بے ہوش یا ناحق و باطل کوش ہے۔ ایک مسئلہ بھی اگر خلافِ امام کیا تو مذہب سے خارج ہو جائے گا بلکہ جو ایسا کرے وہ ملحد ہے۔ (الفضل الموہبی ص ۱۳)

ملا علی قاری حنفی نے مرقات میں علامہ ابن ہمام حنفی نے بحر الرائق میں اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے مسئلہ بیع الخیار کے تحت ص ۳۹ میں حدیث کے مقابلے میں قولِ امام کو ترجیح دینے کا حنفی مسلک بیان کیا ہے۔ قولِ امام کے مقابلے میں احناف نے جس قدر احادیث کو رد کیا ہے اگر انہیں گنا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

﴿۳۹﴾ فرماتے ہیں غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے:
﴿اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الاعراف: ۲۰۳)
"میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے ربّ کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے"۔
اِنَّمَا حصر کے لیے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جائے۔ نہ اجماع کی نہ قیاس کی۔ صرف قرآن وحدیث کی پیروی ہو۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اجماع و قیاس پر عمل بھی قرآن وحدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے"۔
غیر مقلدین سے اگر اہل حدیث مراد ہیں تو اہل حدیث ایسی غیر حقیقت پسندانہ بات نہیں کہتے۔ ہم جس اجماع کا انکار کرتے ہیں وہ ہے حنفیوں کا گھریلو اجماع یا فرضی اجماع یا اہل بدعت کی بھیڑ بکریوں کا اجماع۔ جس اجماع کا ذکر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے ہم بحمد اللہ اس کی حجیت کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

((السنة ما سَنَّهُ رسول الله صلى الله عليه و سلم والجماعة ما اتفق عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم)). (غنية الطالبين مترجم ص ۱۸۰)

"سنت وہ ہے جیسے حضور ﷺ نے مسنون فرمایا اور جماعت وہ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہیں"۔

افسوس کہ بریلوی لوگ اس اجماع کو نہیں مانتے ان کے بیشتر مسائل اور تمام بدعات اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک بس بریلوی، بدایونی، کچھوچھوی، یا کاٹھیاواڑی اجماع ہی حجت ہے۔ اسی طرح اہل حدیث اس قیاس کا انکار کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کے مقابلہ میں کیا جائے جو قیاس قرآن وحدیث کے خلاف ہو اور خواہ کسی کا بھی ہو ہم اسے شیطانی کہتے ہیں۔ اس قیاس کی جگہ شریعت کی کتابیں نہیں بلکہ بقول امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ "لیٹرین" ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۸)

فرماتے ہیں: "میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو۔ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے۔ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اوّل میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں پیچھے سے بھاگ گئی۔ اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اس لیے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو"۔ اصل متنازعہ فیہ مسائل قیاس کے حجت ہونے یا تعارض کو رفع کرنے کا نہیں ہے، تقلید شخصی کا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کا ٹھیکہ صرف چار شخصوں کو ہی دیا ہے یا اس میں کسی اور کا شیئر بھی ہے۔ اور کیا تعارض رفع کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ قولِ امام کو برقرار رکھ کر صحاح ستہ کی احادیث کو منسوخ یا موؤل قرار دے دیا جائے۔ خود احادیث کے درمیان اگر کہیں تعارض ہے اسے دُور کرنا مقصود ہے یا فرمان نبوی ﷺ اور قولِ امام کے درمیان جو تعارض ہے اسے آپ دُور کرنا چاہتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کیا کبھی انہوں نے جمعہ کی جماعت کو پیچھے سے بھاگتے دیکھا بھی ہے کیا پیچھے کسی زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین بابا ننگے شاہ کا عرس مبارک شروع ہو جاتا ہے یا ڈھول ڈھمکے کی "مسحور کن" آوازیں آنے لگتی ہیں یا بھنڈارہ شریف تقسیم ہونے لگتا ہے۔ ایسے فرضی مسائل پر ہم وقت ضائع کرنے کے قائل نہیں ہوائی جہاز پر نماز پڑھنا بھی کوئی مشکل مسئلہ ہے۔ اگر ہوائی جہاز پر نماز پڑھنے کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ارشاد فرمایا ہے تو ہمیں بھی اس سے آگاہ فرمایا جائے تاکہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو جائے اور اگر کسی بے دلیل مقلد کا حوالہ دینا ہے تو کیا اس سے بادلیل "غیر مقلد" کا حوالہ بہتر نہیں ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب

۴۰ مفتی صاحب نے اپنے کتاب کے حصہ دوم کے آخر میں پھر اسی بحث کو چھیڑا ہے بخاری و مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

((والذی نفسی بیدہ لو کان الدین معلقا بالثریا لتناولہ رجل من فارس)).

"قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا"۔

پھر فرماتے ہیں: "بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کون ہے۔ قبل ازیں لکھا ہے حضور سید عالم ﷺ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پیشینگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی"۔ بخاری شریف میں یہ الفاظ ہیں:

((لو كان الايمان عند الثريا لناله رجال او رجل من هؤلاء)). (عن ابی ہریرہ حدیث ۴۸۹۷ ص ۷۲۷)

"اگر ایمان ثریا تارے میں ہوتا تو اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا کوئی آدمی اسے حاصل کر لیتا"۔

اس سے متصل اگلی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((لناله رجال من هؤلاء)). "تو اہل فارس کے لوگ اسے حاصل کر لیتے"۔

صحیح لفظ رجل ہے یا رجال، اس کے متعلق حنفی محشی لکھتے ہیں کہ یہ شک راوی کی طرف سے ہے جب کہ دوسری روایت میں یہ شک دُور ہو گیا۔ یعنی صحیح لفظ رجال ہے رجل نہیں ہے۔ مسلم میں بھی اسی طرح یا تو شک کے ساتھ ہے یا رجال کا لفظ ہے۔ (ج ۲ ص ۳۱۲ حدیث ۶۴۹۸)

بقول مفتی صاحب شک کے بغیر صرف رجل من فارس کے الفاظ نہ بخاری میں ہیں نہ مسلم میں ہیں۔ خود مفتی صاحب نے بھی طبرانی کے حوالہ سے رجال من ابناء فارس کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ مسند احمد میں بھی ناس من ابناء فارس کے الفاظ ہیں۔ (ج ۲ ص ۴۲۰)

اس سے ثابت ہوا کوئی ایک خاص فارسی النسل شخص مراد نہیں بلکہ متعدد افراد مراد ہیں۔ نبی ﷺ کی اس پیشینگوئی کا اوّلین مصداق یہ محدثین ہو سکتے ہیں امام محمد بن اسماعیل بخاری امام مسلم قشیری امام داؤد سجستانی امام احمد بن شعیب نسائی امام ابوعیسیٰ ترمذی حافظ ابن ماجہ قزوینی۔ صحاح ستہ کے یہ تمام مؤلفین فارسی النسل ہیں دین کو اکٹھا کرنے میں ان کی جو خدمات ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دین کو اکٹھا کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ نہ اس کا کوئی ریکارڈ کسی کے پاس موجود ہے۔ انھوں نے فقط رائے اور قیاس میں امامت فرمائی ہے۔ نیز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور کوفی ہی مشہور تھے۔ بذاتِ خود فارسی نہیں البتہ فارسی النسل ضرور تھے یعنی ان کے اجداد فارس کے رہنے والے تھے۔ جب کہ مذکورہ محدثین بذاتِ خود فارسی تھے۔ پھر یاد رہے کہ فارسی یا فارسی النسل ہونا کوئی اعزاز کی بات نہیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے غزوہ اُحد کے موقع پر ایک مشرک کو تیر مارتے ہوئے کہا:

((خذها مني و انا الغلام الفارسي)). "یہ لو اور میں فارسی جوان ہوں"۔

تو نبی ﷺ نے فرمایا تم نے اس کے بجائے ((انا الغلام الانصاري)) کیوں نہ کہا۔ (ابوداؤد، باب الادب حدیث ۵۱۲۳، مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ص ۴۱۸) ❶

نیز مفتی صاحب نے ((والذي نفسي بيده)) کے جو الفاظ بخاری مسلم کی طرف منسوب کیے ہیں، غلط بات ہے۔

(الف) لکھتے ہیں: "آپ (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے چالیس سال عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی"۔ نہ جانے مفتی صاحب کو کیسے خبر ہو گئی۔ کیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں ٹیلیفون کر دیا تھا۔

(ب) فرماتے ہیں: "امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سو بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا"۔ یعنی سینچری مکمل فرما کر فوت ہوئے۔ اتنی بار تو نبی ﷺ نے بھی رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ امام صاحب پر نبی ﷺ سے بھی زیادہ مہربان تھا۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی طرف صرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجتا رہا۔ جب کہ امام صاحب کو خواب میں بذاتِ خود ملتا رہا۔ پیغمبر تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہی ہونا

تخریج: ❶ اس کی سند ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے تھا۔ (درمختار ج ۱ ص ۳۸) میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی پچپن (۵۵) حج کیے اور سو بار اپنے ربّ کو خواب میں دیکھا۔

نیز لکھا ہے: آخری حج کے موقع پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خانہ کعبہ کی طرف سے غیبی آواز آئی: اے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! تم نے ہمیں کما حقہ پہنچانا اور ہماری خوب خدمت کی، ہم نے تجھے بھی اور قیامت تک تیرا مذہب اختیار کر کے تیری پیروی کرنے والوں کو بھی بخش دیا۔ (درمختار ج ۱ ص ۳۹)

نیز لکھا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام کو مجھ پر فخر تھا اور مجھے اس آدمی پر فخر ہے جو میری اُمت میں سے ہوگا۔ اس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہوگی۔ وہ سراج امتی یعنی میری اُمت کا چراغ ہوگا۔ تمام انبیاء کو مجھ پر فخر ہے مجھے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر فخر ہے۔ جس نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا"۔ (درمختار ج ۱ ص ۳۹)

معلوم ہوا حنفیوں کے نزدیک حاصل کائنات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہے۔ معاذ اللہ۔

جس طرح رافضیوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت نے بیڑا غرق کیا اسی طرح حنفیوں کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت لے ڈوبی۔ یہ دونوں سینگ عراق کے شہر کوفہ ہی سے طلوع ہوئے تھے۔

(ج) فرماتے ہیں: "غرض یہ کہ مذہبِ حنفی، مذہب اولیاء ہے کہ جو سب سے بڑے ولی ہیں جو پیرانِ پیر (پیر پیراں) ہیں۔ جن کے متعلق مفتی صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے حضرت غوثِ اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں سب کی گردن پر حضرت غوث پاک کا قدم ہے۔ غوثِ اعظم درمیان اولیاء۔ چوں جناب مصطفیٰ درانبیاء (ص ۲۵۱) انھوں نے حنفی ہونا پسند نہ فرمایا نہ ہی انھیں حنفیوں والی نماز پسند آئی۔ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ حنبلی مذہب کے سوا کبھی کوئی ولی ہوا ہے نہ ہوگا۔ (طبقات ابن رجب ج ۱ ص ۲۰۲ بحوالہ حقیقت الفقہ ص ۸۵)

انہوں نے تو حنفیوں کو اہل سنت سمجھا ہی نہیں بلکہ انھیں مرجئہ کے بارہ فرقوں میں ایک فرقہ شمار کیا۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۲۰۶، ۲۰۸)

اس مقام پر مفتی صاحب نے چند مشہور "حنفی ولیوں کا نام لیا ہے۔ افسوس کہ ان میں "غوث اعظم" کا نام شامل ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کیا حنفی ولیوں کی گردن پر حنبلی ولی کا قدم تھا۔ جو ان سے پہلے ہو گزرے ان کی گردن پر بھی۔ لہٰذا جن کی گردن پر "غوث پاک" کا قدم نہیں انھیں اولیاء کہنا کس قانون کی رُو سے جائز ہے۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ بریلوی حضرات اپنی مسجدوں اور مدرسوں کا نام غوثیہ اور مدرسہ غوثیہ رکھتے ہیں مگر وہاں تبلیغ اور تعلیم حنفی مسلک کے مطابق ہوتی ہے۔ حالانکہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حنبلی تھے، حنفی نہیں تھے۔ ان کی نماز اہلحدیث والی تھی، وہ رفع یدین کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے حنفی مساجد و مدارس پر حنبلی مذہب کا بورڈ لگا دیا جائے۔ بریلویوں کو اس مسئلہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ خود مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ صوفیائے کرام کی تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ (ج ۱ ص ۱۶)

لہٰذا حضرت "غوث پاک" کے نام سے مسجدیں اور مدرسے نہیں البتہ بڑی خانقاہیں منسوب ہو سکتی ہیں یا شاید ان کے نزدیک ان کی مسجدیں بھی خانقاہوں ہی کا حکم رکھتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) فرماتے ہیں: "آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہیں"۔ مثلاً ان میں چند ایک تو یہ ہیں: مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہم رحمہم اللہ۔ اور اگر اولیاء سے قبروں کے گرد صرف مجاور مراد ہیں تو پھر واقعی ولایت حنفیوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ بلکہ پھر تو گرجوں کو بھی اولیاء میں شامل کر لینا چاہیے کیونکہ ان سے بہتر مردوں کا مجاور کون ہوسکتا ہے۔ کیا سجادہ نشینی مردوں کی مجاوری کے سوا کسی اور بلا کا نام بھی ہے۔

(ر) مفتی صاحب حنفیوں کی اکثریت پر ناز کرتے ہوئے فرماتے۔ کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت، ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے۔ مفتی صاحب کے یہ الفاظ قرآن پاک کے مطابق فرعون کے ان الفاظ کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں:

﴿ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۝ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ۝ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ۝ ﴾ (الشعراء: ۵۴ تا ۵۶)

"کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد ہے اور یہ ہمیں سخت غصہ میں لانے والے ہیں اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں خطرناک"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ ﴾ (البقرہ: ۲۴۹)

"بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

(ز) مفتی صاحب گوہر افشانی فرماتے ہیں: غرضیکہ امت مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں۔ اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں تو کیا اعتبار۔ اگر چمگادڑ سورج کو برا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہوجاتا۔ جیسے آج روافض حضرات صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرت امام پر مصنف اسماء الرجال وغیرہ کی کتابوں کے حوالے سے اسی ائمہ و محدثین کے نام گنوائے ہیں۔ جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ناقص الحفظ اور فن حدیث میں کمزور جانا ہے۔ اسی کی اس فہرست میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام نسائی، امام دارقطنی، عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، ابن عدی، ابن عبدالبر، ذہبی، ابن عیینہ، فضل بن عباس، یحییٰ بن سعید، قطان، عبدالرزاق بزار رحمہم اللہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ (ص ۷۷)

تو کیا یہ سب وہابیوں کی بکواس ہے؟ میزان الاعتدال میں ہے کہ ابوحنیفہ کوفی اہل الرائے کے امام ہیں۔ امام نسائی، ابن عدی اور دیگر محدثین نے انہیں از روئے حفظ ضعیف قرار دیا ہے۔ (مطبعہ مصر ج ۳ ص ۲۳۷)

اسی میزان الاعتدال میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے فلاس نے کہا یہ سچے ہیں۔ مگر بہت غلطیاں کرنے والے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں۔ (ج ۳ ص ۳۲۱)

اسی میزان الاعتدال میں امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ وغیرہ نے انہیں کمزور حافظے والا قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کو حدیث کی ذرا پہچان نہیں یہ خواہ مخواہ اس میں دخل دیتے ہیں۔ (قیام اللیل مروزی ص ۲۱۲ باب ذکر الوتر بثلاث عن الصحابۃ والتابعین)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز فرمایا: اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہوتا۔ (ابوداؤد ابواب النوم، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ)

یعنی ایں خانہ ہم آفتاب است

جی نہیں چاہتا اس ناخوشگوار بحث کو بار بار چھیڑا جائے۔ لیکن یہود و نصاریٰ کی طرح حنفیہ کا بار بار حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی شان میں مبالغہ آمیزی کرنا اس قسم کی سطور کی تحریر کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ بادل نخواستہ ہے۔ ورنہ امام صاحب رحمہ اللہ کا جو مقام ہے ہم ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

تقلید کی اہمیت

﴿۴۱﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا"۔ وہ کونسی دلیل یا کونسا اعتراض ہے جس کا جواب اہل حدیث کی بے شمار کتابوں میں موجود نہیں۔ البتہ خاص اس کتاب کو علمی حلقوں میں جواب کے قابل سمجھا ہی نہیں گیا۔ اس بندہ عاجز کی تحریر سے اُمید ہے ان کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

(الف) مفتی صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں یہ روایت بیان کی ہے:

((اصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم)). (عن عمر بن خطاب رزین، مشکوۃ باب مناقب الصحابہ ص ۵۵۴)[1]

"میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں جن کی اقتداء بھی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔

یہ روایت بالکل موضوع اور باطل ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم حج تمتع کے قائل نہیں تھے۔ (مسلم ج۱ حدیث ۲۹۶۷ ص ۴۰۲)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ زکوٰۃ دے کر بھی مال جمع کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ (بخاری ص ۶۷۲ حدیث ۴۶۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک گدھا حرام نہیں تھا۔ (شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۱۴۹)

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف دخول سے غسل واجب نہیں جانتے تھے۔ (بخاری ص ۴۳ حدیث ۲۹۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے متعلق آتا ہے کہ وہ متعہ کے قائل تھے۔ (مسلم ج۱ ص ۴۵۰ حدیث ۳۴۱۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے۔ (مسلم ج۱ ص ۲۰۲ حدیث ۱۱۹۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (ترمذی حدیث ۲۴۷)

رفع یدین بھی کرتے تھے۔ (بخاری حدیث ۷۳۶ ص ۱۰۲، مسلم حدیث ۸۶۱ ص ۱۶۸)

آمین بالجہر بھی کہتے تھے۔ (بخاری حدیث ۷۸۰ ص ۱۰۷)

کیا حنفیہ کو ان مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا منظور ہے۔

---

[1] حکم الحدیث: سنداً ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) فرماتے ہیں رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جس کا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے، کہ فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾ (البقرہ: ۱۳۷) "اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں"۔

سوال یہ ہے: کیا بریلوی مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار پر پورا اترتا ہے؟ یا کیا بریلوی مولوی اپنی بدعات کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دے سکتے ہیں؟ نیز یہ بات طے ہونی چاہئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیار ہے یا مفتی صاحب کی پیش کردہ "حدیث" ((ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن)) کے مطابق کاٹھیاواڑی لوگوں کا مذہب معیار ہے۔ یہ آیت لکھ کر اصولاً مفتی صاحب نے اپنے مصنوعی مذہب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور بریلوی ہونے کی حیثیت سے خودکشی کر لی ہے۔ اگر مفتی صاحب نے تسلیم کر لیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیار ہے تو گزارش ہے کہ انہوں نے نہ کسی کی تقلید کی نہ کسی سے اپنی تقلید کروائی نہ آئندہ کے لیے تقلید کی ضرورت کا ذکر کیا۔ حتیٰ کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں موجود تھے اور بقول حنفیہ ان سے ان کی ملاقات بھی ثابت ہے۔ انہوں نے بھی یہ نہ فرمایا کہ اس ہونہار برخوردار کی تقلید کرنی ہے۔ خواہ اس کی تقلید کے نتیجے میں قرآن حدیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے دستبرداری ہی کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔

جاء الحق حصہ اوّل کے صفحہ ۷۲ پر مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری و پوشیدہ اعمال کی خبر ہے اور آسمان کے تمام ظاہری اور پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے"۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہ فرمایا کہ میرے بعد عنقریب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پیدا ہوں گے۔ ان کی تشریف آوری کے بعد تم میری اطاعت سے سبکدوش ہو جاؤ گے۔ پھر تم پر صرف امام صاحب رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہوگی۔ کیا امام صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت اور ان کی تقلید اتنی اہم باتیں نہیں تھیں کہ انہیں بیان کیا جاتا۔ عجیب بات ہے جنکے مسلک کو حضرت عیسیٰ اور امام مہدی نے اختیار کرنا تھا۔ (بحوالہ ملفوظات احمد رضا خان ص ۱۸۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کوئی پیشینگوئی نہ فرمائی یعنی حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کے بارے میں بیان فرما دیا جو قیامت کے قریب آنے والے ہیں۔ ان کے پیشوا کے بارے میں کچھ نہ بیان فرمایا جو عنقریب پیدا ہونے والے تھے۔

فرماتے ہیں: "وہ حضرات (صحابہ رضی اللہ عنہم) فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلافات نہ فتنے لہٰذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف پیدا ہوا۔ تب اُمت مسلمہ نے محسوس کیا کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں"۔

حکیم الامت صاحب کی رائے کے مطابق اُمت نے علاج بالمثل تجویز فرمایا یعنی اختلاف اور دینی جھگڑوں کا حل یہ نکالا کہ امام الانبیاء کی اطاعت چھوڑ کر مختلف ائمہ کی تقلید کی مہر لگا کر انھیں سرکاری حیثیت دے دی گئی۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مذہبی اختلاف نہ تھا۔ یہ بات خود ان کی اپنی تحریر کے خلاف ہے۔ جاء الحق حصہ اوّل کے صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں چاروں مذاہب کے عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے جیسا کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا۔ تو جب باوجود اختلاف کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تقلید کی ضرورت محسوس نہ کی تو کیا بعد والے لوگ ان سے بڑھ کر اُمت کے خیر خواہ بن گئے جنھوں نے ایک اُمت کو کئی اُمتوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ت) فرماتے ہیں: بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے عوام علماء اور مجتہدین۔ عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھا یہ تقلید و اجتہاد ضروریاتِ زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔ سوال یہ ہے کیا صحابہ و تابعین کے زمانہ میں لوگ تین قسم کے نہیں ہوتے تھے کیا وہ دور عوام سے خالی تھا۔ کیا اس زمانہ میں علماء بھی نہیں تھے جو ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھتے۔ کیا اس وقت ہر فرد بشر مجتہد ہی ہوتا تھا مفتی صاحب کیسی انہونی باتیں کرتے ہیں۔ نیز وہ کون سے علماء ہیں۔ ذرا ان کا حوالہ تو دیجئے جنھوں نے قرآن و حدیث پر عمل کرنے کو گمراہی اور کفر کی جڑ قرار دے کر تقلید ائمہ کو لازمی سمجھا ہو۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جیسے آج یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کا اعراب سیپارے بنانا علم حدیث اور کتب حدیث بدعت ہیں۔ عہد نبوی ﷺ یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید ائمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور بخاری مسلم ضروری ہے تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے"۔

عرض ہے اگر اماموں کی تقلید لازمی ہے تو پھر واقعی قرآن و حدیث جمع کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یعنی اگر مقلدین قرآن و حدیث سے مسئلہ بتلانے کے مجاز ہی نہیں تو پھر قرآن و حدیث کو جمع کرنے اور انہیں پڑھنے پڑھانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ خود مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔ (ص ۲۰) لہٰذا مجتہدین کی تعداد کے مطابق قرآن پاک کے صرف چار نسخے ہونے چاہئیں تھے۔ رہیں بخاری و مسلم تو ان کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ یہ تو ائمہ اربعہ کے بعد جمع ہوئیں جب کہ بقول مفتی صاحب اُمت کا ان کی تقلید پر اجماع ہو چکا تھا۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ بریلویت اور عقل کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ یہ کم عقلی کی انتہاء نہیں تو کیا ہے کہ ان کے نزدیک تعلیمی ترقی اور عقائد کی ترقی میں فرق ہی کوئی نہیں۔ قرآن و حدیث کو جمع کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان پر عمل کیا جائے نہ کہ ان کو چھوڑ کر تقلید ائمہ کو مذہب بنا لیا جائے۔ ایمان لانا قرآن و حدیث پر اور تقلید کرنا اپنے خود ساختہ امام کی کیا منافقت کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔

(ث) سورہ لقمان کی آیت ۱۵ کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ (لقمان: ۱۵) "اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو"۔

پھر فرماتے ہیں: "معلوم ہوا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے۔ چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں تمام اولیاء علماء صالحین مؤمنین ان کے مقلد لہٰذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت مردودوں کا راستہ ہے"۔ صیغہ واحد مذکر مخاطب کے مطابق اس آیت کے اوّلین مخاطب نبی ﷺ ہیں دوسرے نمبر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں تیسرے نمبر پر تابعین عظام ہیں تو کیا ان پر بھی ائمہ اربعہ کی تقلید لازم ہے۔ یا کیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قرون اولیٰ کے بعد کے لوگوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں تقلید کی جو تعریف کی گئی ہے اور پھر مفتی صاحب نے ان کی جو حقیقت بیان فرمائی ہے یعنی بلا دلیل کسی کی بات ماننا خواہ وہ قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیا سوائے متعصب اور نا مقبول بندوں کے اور بھی کسی کا یہ پلید مذہب رہا ہے یہ تہمت لگا کر انھوں نے اللہ کے نیک بندوں کو بدنام کرنے کی جسارت کی ہے۔

(ج) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ آیت لکھ کر مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اُمت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء، علماء، محدثین، مفسرین مقلد گزرے"۔ مفتی صاحب بار بار اس کی گردان رٹتے ہیں مگر جھوٹ سو بار بھی بولا جائے تو جھوٹ ہی رہتا ہے۔ سچائی میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اس کا ایک بار بولنا بھی کافی ہوتا ہے۔ بار بار بولنا جھوٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔

(د) فرماتے ہیں: "غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھا دو۔ جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے"۔ بقول مفتی صاحب جس غوث اعظم کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے"۔ (ص ۲۵۱) انھوں نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حنبلی مذہب کے سوا نہ کبھی کوئی ولی ہوا ہے نہ ہوگا۔ (طبقات ابن رجب ج ۱ ص ۲۰۲) حنبلی مذہب سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اہل حدیث ہونا ہی ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اقوال نہیں مسند احمد ہے جو کہ حدیث شریف کا عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اہلسنت کا فقط ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اہل حدیث۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۸۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والوں کو تو انھوں نے مرجیۂ کے بارہ فرقوں میں سے ایک فرقہ شمار کیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۰۸)

ہمارا دعویٰ ہے آج تک جتنے بھی اولیاء اللہ ہوئے ہیں، سب کا مسلک قرآن و حدیث تھا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی مفتی صاحب کی اصطلاحی تقلید کے گٹر میں پھنسا ہوا نہیں تھا۔ جن کا مسلک قرآن و حدیث نہیں وہ ہمارے نزدیک ولی اللہ تو کجا سرے سے مسلمان ہی نہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ﴾ (الحدید: ۱۹)

"اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے ہی صدیق اور شہید ہیں"۔

اس سے ثابت ہوا اچھے اور سچے صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ہیں نہ کہ غیروں کی تقلید کرنے والے۔

احادیث شریفہ

﴿۴۲﴾ فرماتے ہیں: مسلم، ترمذی، احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی:

((من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه)). (ترمذی حدیث ۲۸۶۳ مشکوۃ کتاب الامارہ ص ۳۲۱) [1]

"جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اُتار دیا"۔

اس سے مفتی صاحب نے تقلید کے پٹے پر استدلال فرمایا ہے۔ گزارش ہے کہ صحابی کا نام حارث ہے حارثہ نہیں۔ نیز یہ روایت مسلم شریف میں نہیں ہے۔ مشکوۃ شریف میں صرف بحوالہ احمد اور ترمذی بیان ہوئی ہے۔

اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

((و ان صلى و صام و زعم انه مسلم)). "اگرچہ وہ نماز روزہ کرے اور سمجھے کہ وہ مسلمان ہے"۔

تخریج: [1] اس کی سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہیں سے علماء اہل حدیث کے علم پر طنز کرنے والے مفتی صاحب کو مغالطہ لگ گیا۔ انھوں نے لفظ مسلم کو صحیح مسلم کتاب سمجھ لیا۔ نیز یہ کتاب الامارہ کی روایت ہے جو تقلید امام کے بارے میں نہیں اطاعت امیر کے بارے میں ہے۔

(الف) ((قال رسول اللہ ﷺ ان الایمان لیارز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرھا))۔ (عن ابی ھریرہ بخاری حدیث ۱۸۷۶ ص ۲۵۲، مسلم ج۱ حدیث ۳۷٤ ص ۸٤، مشکوۃ باب الاعتصام ص ۲۹)

"نبی ﷺ نے فرمایا: ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف"۔

یہ حدیث نقل فرما کر مفتی صاحب لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہے گا۔ وہاں ان شاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا۔ الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اپنے کو حنبلی کہتے ہیں اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک وصاف ہوتے"۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات ڈھائے جا رہے تھے اور قبوں کو گرایا جا رہا تھا تو بریلویوں کے نزدیک نجدیوں کا یہ کام عین اسلامی تھا یا کفر تھا۔ اگر اسلامی تھا تو پھر بریلویوں کو نجدیوں کے خلاف سیخ پا نہیں ہونا چاہیے، اور اگر کفر تھا تو کافروں کی تقلید بریلویوں کے لیے حجت ہوگئی۔

مفتی صاحب کے یہ الفاظ" نجدی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں"۔ ظاہر کرتے ہیں کہ نجدی درحقیقت غیر مقلد ہیں۔ حالانکہ مفتی صاحب نے ابھی انہیں مقلد کہا ہے اور مفتی صاحب اس سے پہلے فرما چکے ہیں کہ غیر مقلدین وہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔ (ص ۲۵۴) وہابیت غیر مقلدین ٹیڑھا راستہ ہے جو دوزخ تک پہنچائے گا۔ (ص ۲۵۵)

اگر بقول مفتی صاحب مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہے گا تو کیا مدینہ منورہ مردودوں اور دوزخیوں کا مرکز بن سکتا ہے۔ کہتے ہیں: "ڈرتے ہیں"۔ سوال یہ ہے کہ یہ کس سے ڈرتے ہیں۔ کیا وہ بریلویوں سے ڈرتے ہیں اور اس وجہ سے ڈرتے ہیں کہ ختم کی پھلڑیاں کھانے کھانے والے شیر کہیں انھیں چٹ نہ کر جائیں"۔

(ب) فرماتے ہیں: "نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے۔ غیر مقلدین کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے۔ وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی"۔ یہ بالکل غلط الزام ہے۔ میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے ہرگز تقیہ نہیں فرمایا۔ اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں کہ آپ نے اپنے آپ کو وہاں مقلد ظاہر فرمایا ہو۔ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ حاسد دشمن جو جیب کتروں کی طرح ہندوستان سے ہی ان کے پیچھے لگ گئے تھے اور ہندوستانی مقلدین جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے ان سب نے مل کر بریلویوں اور دیوبندیوں کی مشترکہ قیادت یعنی مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ، مولانا عبد القادر بدایونوی اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے والد مولانا خیر الدین کے تحت میاں صاحب کو پھنسانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ مگر جس کا اللہ نگہبان ہو اس کا بال کون بیکا کر سکتا ہے۔ ان سب کو منہ کی کھانا پڑی۔ دیوبندیوں اور بریلویوں کا مشترکہ منصوبہ ناکام ہوگیا۔ افسوس کہ اب بھی جہاں کہیں "ضرورت" ہو یہ لوگ گھر کے جھگڑے بھول کر اہل حدیث کے خلاف فوراً متحدہ محاذ بنا لیتے ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں شیعہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

(ج) مفتی صاحب نے یہ دو مرفوع حدیثیں نقل فرمائی ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاۃ والقاصیۃ والناحیۃ و ایاکم والشعاب و علیکم بالجماعۃ والعامۃ)). (عن معاذ بن جبل مسند احمد ج ۵ حدیث ۲۲۱۰۷ ص ۲۹۰، مشکوۃ باب الاعتصام ص ۳۱) ✿

"شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارا والی یا بچھڑ جانے والی (بکری) کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تو گھاٹیوں سے بچوں اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔"

((ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ فان من شذ شذ فی النار)). (عن ابن عمر ترمذی کتاب الفتن حدیث ۲۱۶۷ باب لزوم الجماعۃ، مشکوۃ باب الاعتصام ص ۳۰) ✿

"میری اُمت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی۔ جماعت پر اللہ کی رحمت ہے۔ جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہو کر جائے گا"۔

پھر لکھتے ہیں: "ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے۔ جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ گیا۔ عام جماعت مسلمین مقلد ہے لہٰذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے"۔ مفتی صاحب خود شروع میں فرما چکے ہیں کہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ (ج ۱ ص ۱۸) اور یہاں خود ہی عقائد کو تقلید کا پابند فرما رہے ہیں۔ یہ ایک جگہ ٹکتے ہی نہیں۔ اگر عقائد مسلمانوں جیسے ہونے چاہئیں تو ظاہر ہے کہ اعمال تو بالاولیٰ ان جیسے ہونے چاہئیں، لہٰذا بریلوی مولویوں کو چاہیے ڈاڑھیوں پر استرا پھروا دیں، نماز ترک کر کے فحاشی کی اشاعت کریں، رشوت عام کر دیں، سود حلال کر دیں، جھوٹ جائز کر دیں، وغیرہ وغیرہ۔ ایک طرف حضرت صاحب فرماتے ہیں رب تعالیٰ نے جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جس کا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے۔ (ج ۲ ص ۲۵۲) دوسری جانب فرماتے ہیں: مسلمان کی نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے، کیا عقائد و اعمال میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان عامۃ المسلمین جیسے تھے۔

(د) فرماتے ہیں: "غیر مقلد وہابی سوچیں کہ ان سے کتنے مفسر کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے، اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مسلک کی شان میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾

(ابراھیم: ۲۴، ۲۵)

"پاکیزہ بات کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

((لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیامۃ)). (عن جابر بن عبداللہ مسلم ج ۲ حدیث ۲۴۷ ص ۳۴۱)

"میری اُمت میں ایک جماعت قیامت تک حق پر لڑتی رہے گی اور غالب رہے گی"۔

تخریج: ✿ اس کی سند ضعیف ہے۔ ✿ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگلی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

((لا یضرھم من خزلھم و خالفھم))۔ (عن معاویہ رضی اللہ عنہ)

”جو انھیں رسوا کرنا چاہے گا یا ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا“۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے جس کے آخر میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال محمد بن اسمعیل قال علی بن المدینی ھم اصحاب الحدیث. (ابواب الفتن ما جاء فی اھل الشام)

”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس جماعت سے مراد اہل حدیث ہیں“۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم. (شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۱۴۳ و تحفہ ج ۳ ص ۲۱۹)

”اگر اس سے مراد اہل حدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں“۔

شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اہلسنت صرف اہل حدیث ہیں۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۸۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دین اہلحدیث کے حصے میں باتیں اور حیلے اہل الرائے (یعنی احناف) کے حصے میں اور جھوٹ روافض کے حصے میں آیا ہے۔ (المنتقی من منہاج الاعتدال ص ۴۸۰) میرا خیال ہے ہمارا شجرہ نسب جاننے کے لیے فی الحال اتنا تعارف کافی ہے۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا اعجاز اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے کہ پاسبان مسلک اہلحدیث ابھی تک زندہ موجود ہیں۔ ورنہ یہ لوگ جس طرح پنجے جھاڑ کر ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ہمارا نام و نشان بھی مٹ جانا چاہیے تھا۔ ہمارا وجود ان کے لیے اتنا ناقابل برداشت ہے جیسے بھارت اور اسرائیل کے لیے پاکستان کا وجود۔

(ر) فرماتے ہیں جیسے ”قرآن سمجھانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کے لیے ائمہ مجتہدین پیدا فرمائے گئے“۔ مثال تو یوں دی ہے جیسے ان ائمہ کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح فرشتے آیا کرتے تھے۔ سوال تو یہ ہے کیا حدیث سمجھانے کے لیے صرف چار مجتہدین ہی پیدا فرمائے گئے۔ ان میں بھی ان کی تقلید کے قابل صرف ایک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ باقی تین اس لیے ہیں کہ ان سے مسلسل سرد جنگ لڑی جائے۔

میں حیران ہوں کہ جن مجتہدین اور جن مقلدین سے ان کو جنم جنم کا بیر ہے ان کے اجتہاد اور تقلید کو اپنے لیے سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ چہ خوب است۔

(ز) فرماتے ہیں: ”جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں قرآن و سنت میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ“۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ائمہ اربعہ کی تقلید سے مستقل مذاہب اربعہ وجود میں آ گئے۔ بلکہ اگر امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو مذاہب خمسہ کہنا چاہیے۔ خود ایک فقہ حنفی کے اندر اتنا شدید اختلاف ہے جیسے پاک بھارت جنگ چھڑی ہوئی ہو۔ الا ماشاء اللہ ہر مسئلے میں فلاں کا قول یہ ہے فلاں کا قول وہ ہے اور فتویٰ فلاں کے مذہب پر ہے۔ اس کے سوا فقہ حنفی میں ہے کیا؟ جن کے اپنے گھر میں ڈانگ سوٹا ہو رہا ہو وہ کسی کی کیا خبر لیں گے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا ٹھوکریں کھانا ہے اور ہدایہ و فتاویٰ عالمگیری کی بھول بھلیوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگرداں رہنا جنت کا راستہ ہے۔ استغفر اللہ

(ز) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "تم صرف یہی بتادو کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے، حدیث کسے کہتے ہیں اور سنت کسے؟ تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو ہم اہل سنت ہیں۔ بتاؤ تم میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جائے۔

جواب: لغتاً حدیث بات کو کہتے ہیں، اور شرعاً ہر اس بات کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ چاہے وہ قولی ہو یا فعلی ہو یا تقریری۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

((من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين)). (عن سمرة بن جندب و مغيره بن شعبه، مسلم ج ۱ ص ٦ مقدمه مشكوة باب العلم ص ۳۳)

"جو جانتے بوجھتے میری طرف سے جھوٹی حدیث بیان کرے وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے"۔

ایک آدمی نے دمشق کی مسجد میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

((انى جئتك من مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم لحديث بلغنى انك تحدثه عن حديث رسول الله ﷺ ما جئت لحاجة)). (عن كثير بن قيس ابو داؤد كتاب العلم، حديث ۳٦٤١، مشكوة باب العلم ص ۳٤) ❶

"میں مدینہ منورہ سے آپ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کے لیے حاضر ہوا ہوں جس کے متعلق مجھے اطلاع ملی کہ آپ اسے نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی کام نہیں تھا"۔

سنت کے معنی طریقہ کے ہیں۔ اگر یہ لفظ نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو تو اس سے حضور ﷺ کا طریقہ مراد ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کا لفظ سنت کی نسبت عام ہے اہل حدیث وہ ہیں جو حضور ﷺ کی ہر قولی فعلی اور تقریری بات کو مانتے ہیں اور اہلسنت وہ ہیں جو حضور ﷺ کی صرف فعلی بات کو مانتے ہیں۔ حضور ﷺ کی قولی اور تقریری بات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر حدیث پر قیاس کر کے لفظ سنت کو بھی عام کر دیا جائے تو پھر حدیث ہی کی طرح جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی سنت ہے جس پر عمل کیا وہ بھی سنت ہے اور جس کسی کے عمل پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا وہ بھی سنت ہے لہٰذا بلحاظ اطلاق حدیث اور سنت میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جو اہلحدیث ہے وہی اہل سنت ہے جو اہل سنت ہے وہی اہل حدیث ہے جو اہل حدیث نہیں وہ اہلسنت بھی نہیں۔ مفتی صاحب کا حدیث اور سنت میں فرق کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے کسی سے کہا جائے بتاؤ تم انسان ہو یا آدمی ہو۔ سنت سے مراد اگر سنت نبوی ﷺ ہے تو وہ حدیث نبوی ﷺ ہی سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ حدیث شریف کے بغیر سنت نبوی ﷺ معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ اور اگر سنت سے کوئی آبائی یا عوام یا کاٹھیاواڑی رسمیں مراد ہیں تو وہ بلاشبہ ہندو تہذیب سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فعلى المؤمن اتباع السنة والجماعة فالسنة ما سَنَّهُ رسول الله صلى الله عليه وسلم والجماعة ما اتفق عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم)). (غنية الطالبين ص ۱۸۰)

"پس مومن پر سنت و جماعت کی اتباع فرض ہے۔ پس سنت وہ ہے جسے نبی ﷺ نے مسنون فرمایا اور جماعت وہ ہے جس پر اصحاب رسول اللہ ﷺ متفق ہوئے"۔

تخریج: ❶ حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز فرماتے ہیں:

((فعلامة اهل البدعة الوقيعة فى اهل الاثر)). (غنية الطالبين ١٨٢)

”پس اہل بدعت کی پہچان اہل حدیث پر تنقید کرنا ہے“۔

نبی ﷺ نے اہل حق کا ذکر فرمایا جس کے متعلق بروایت امام بخاری، امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ اہل حدیث ہیں۔ (ترمذی باب ماجاء فی اہل الشام حدیث ۲۱۹۲) ان الفاظ کی روشنی میں بریلویوں کو اپنا مذہب اور اپنی علامات پرکھ لینی چاہئیں۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں تم اپنے کو اہلحدیث کہتے ہوں ہم اہلسنت ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ہمارا اہل حدیث کہلانا ایک مشکوک معاملہ ہے اور فقط ایک دعویٰ ہے جب کہ خود یہ یقیناً اہل سنت ہیں۔ ہم گنہگار ضرور ہیں لیکن بلحاظ عقیدہ ہم حدیث شریف سے بے وفائی نہیں کرتے۔ جو لوگ غیروں کے مقلد ہوں کتاب وسنت پر عمل کرنے کو ضلالت اور کفر کی جڑ قرار دیتے ہوں اور صبح وشام بدعت کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہوں، انہیں اہل سنت کہلانے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اپنے عقیدے کے مطابق انھیں خود کو اہل تقلید یا اہل بدعت حسنہ کہلانا چاہیے۔ بوتلوں میں شراب بھر کران پر شہد کا یا پیکٹوں میں زہر بھر کران پر تریاق کا لیبل لگانا سراسر نوسر بازی ہے۔

(س) فرماتے ہیں: ”حدیث سمجھنا اس سے مسائل کا نکالنا تو ان بے چارے غیر مقلدوں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں اور اہل حدیث بن گئے۔ حدیث سمجھنا تو اللہ کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے“۔ یعنی حدیث سمجھنا ان کا کام ہے جن کے مدارس میں سرے سے حدیث پڑھائی ہی نہیں جاتی۔ البتہ اب کچھ عرصہ سے انھیں آخری سال دورہ حدیث پڑھنا شروع ہوگیا ہے۔ احناف کا درس نظامی صرف نحو منطق فلسفہ اور فقہ حنفی پر مشتمل ہے۔ حدیث کی کتاب صرف مشکوٰۃ ہے۔ (رود کوثر ص ۶۰۵ از شیخ محمد اکرم) مصنف ہذا آگے لکھتے ہیں:

دینی نقطہ نظر سے درسِ نظامی کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں تفسیر وحدیث پر پوری توجہ نہیں اور منطق، حکمت، صرف ونحو پر بہت زیادہ زور دیا جاتا رہا۔ فی الحقیقت درس نظامی مذہبی اور روحانی تعلیم کا نظام نہ تھا بلکہ دنیاوی نظامِ تعلیم تھا جس میں فقہ وغیرہ پر اس لیے توجہ ہوگئی تھی کہ اس کی طلبا کو اسلامی حکومت کے دوران میں قاضی مفتی اور محتسب بننے کے لیے ضرورت تھی ورنہ زیادہ توجہ منطق گرامر اور فلسفہ پر تھی اور نظامِ تعلیم کا مقصد طلباء کی عام عقلی تربیت اور ذہنی ترقی تھا۔ (ص ۶۰۷)

نیز لکھتے ہیں کہ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اس منطق وفلسفہ سے تو انگریزی بہتر کہ اس سے دنیا کے نفع کی اُمید تو ہے۔ (ص ۶۰۸)

(ش) مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”اگر فہم حدیث کا لطف اُٹھانا ہے تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے“۔ حالانکہ قبل ازیں مفتی صاحب نے لکھا ہے: ”جیسے قرآن سمجھانے کے لیے حضور ﷺ بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کے لیے ائمہ مجتہدین پیدا کیے گئے“۔ (ص ۲۵۷) نیز انھوں نے یہ بھی لکھا ہے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کرام رضی اللہ عنہم کا صرف یہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔ (ج ۱ ص ۲۰) مگر اب انھیں قرآن وحدیث کی خود بخود ہی سمجھ آ رہی ہے اور مجتہد کی مدد کے بغیر مسائل بھی استنباط کیے جا رہے ہیں۔ یہ غیر مقلدوں والا دعویٰ غالباً مفتی صاحب نے اپنی کتاب کی مشہوری کے لیے کیا ہے۔ جیسے آگے چل کر مفتی صاحب فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ص) "اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہماری فلاں فلاں کتاب دیکھ لو"۔ اس سے متصل پہلے لکھتے ہیں وہابیو! بولو آج تک قرآن و حدیث کے ایسے ایمان افروز مسائل کسی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے۔ یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے"۔ واقعی وہابیوں کے ذہن میں ایسے عارفانہ مسائل کیسے آ سکتے ہیں؟ جب کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے مجتہدین کو بھی نہیں بخشی۔ صرف مقلدین کو ہی بخشی ہے اللہ تمہیں بخشے۔

(ض) فرماتے ہیں: "قرآن و حدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں۔ جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو جان سے ہاتھ دھوئے گا۔ ایسے ہی قرآن سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا۔ اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا"۔ باوجود مجتہد نہ ہونے کے مفتی صاحب نے اپنی کتابوں میں ایک ایک آیت یا ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط یا صدہا عارفانہ و عاشقانہ مسائل کا استخراج کیا ہے تو کیا اس طرح وہابیوں کی طرح وہ اپنے ایمان سے ہاتھ تو نہیں دھو بیٹھے۔

(ط) "مفتی صاحب نے طعنہ دیا ہے کہ "غیر مقلد وہابیوں کو چاہیے کہ پاؤں میں ٹوپی سر پر جوتا ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پائجامہ پہنا کریں کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے۔ یہ ہیں غیر مقلد۔ اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو۔ ہر کام انوکھا کرو۔ ہر بات نرالی کہو"۔ اس سے معلوم ہوا بریلوی حضرات نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید چھوڑ کر لوگوں کی تقلید شروع کر دی ہے اور اس وجہ سے شروع کر دی ہے کہ وہ کندھے پر کرتہ اور ٹانگوں میں پائجامہ پہنتے ہیں۔ ہمارا مسلک بحمد اللہ نہ کسی کی تقلید کرنا ہے نہ کسی کا اُلٹ کرنا ہے بلکہ اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ اگر کوئی مفتی نبی ﷺ سے اس ڈھنگ کا لباس ثابت کر دے تو اللہ کی قسم ہمیں یوں پہننے میں بھی عار نہ ہوگا۔ یہ تو مسئلہ ہی کوئی نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ کا جوتا مبارک تو ہم سر پر بطور تاج بھی پہننے کو تیار ہیں۔

(ظ) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بظاہر احادیث میں اتنا تعارض ہے کہ اللہ کی پناہ۔ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جائیں تو چکر آ جاتا ہے۔ اگر تقلید نہ کی جائے صرف حدیثیں دیکھی جائیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں"۔ یہی اعتراض ہے جس سے چکڑالویت پیدا ہوئی اور فتنہ انکار حدیث معرضِ وجود میں آنے کا بہانہ ملا۔ چنانچہ چکڑالوی حدیث چھوڑ کر اہل قرآن بن گئے۔ اور احناف حدیث چھوڑ کر اہل تقلید بن گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ.

اگر احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ مقلدوں کو چکر آ جاتا ہے تو پھر ان کا نہ ماننا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ تھے اور ان کی بات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بات تھی تو پھر احادیث میں اس قدر تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا:

﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء: ۸۲)

"اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے"۔

لیکن اگر اپنے اماموں کا بول بالا کرنے کے لیے ضعیف، موضوع، واہی اور باطل روایتوں کو احادیث صحیحہ کے بالمقابل کھڑا کر کے مصنوعی تعارض پیدا کر دیا جائے تو یہ احادیث کا تعارض نہیں دماغ کا عارضہ ہے۔ کہتے ہیں کدھر جائیں۔ جانا کدھر ہے، کسی مینٹل ہسپتال میں جا کر علاج کروائیں۔

احادیث صحیح میں کہیں ایسا تعارض نہیں جس میں تطبیق ممکن نہ ہو۔ انھیں جو چکر آتا ہے تو دراصل احادیث صحیحہ میں تعارض کی وجہ سے نہیں آتا، بلکہ ان کی عینک کا نمبر احادیث کے موافق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابیں پڑھ کر انہیں چکر نہیں آتا۔ حالانکہ ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا بجا اتنا تعارض اور اختلاف ہے کہ اسے پڑھ کر انہیں بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا۔

(ع) فرماتے ہیں: "کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھائیں جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو"۔ شکر ہے اب انہوں نے ہماری "عزت" کرنی شروع کر دی ہے کبھی ہمیں وہابی صاحب لکھتے ہیں، کبھی ہمارے ذہن کو ذہن شریف لکھتے ہیں۔ (ص ۲۶۲) مجھے ڈر ہے کہیں یہ ہماری پوجا ہی نہ شروع کر دیں۔ کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ آج تک جتنے بھی اولیاء اللہ ہوئے ہیں اور جن میں کئی ایک کی یہ پوجا کرتے ہیں وہ سب کے سب اہل حدیث تھے۔ یعنی قرآن و حدیث کے ماننے والے ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو قرآن اور صحیح حدیث پر قولِ امام کو ترجیح دینے والا ہو۔ یعنی وہ سب ہمارے ہی اکابر تھے اور ہم ان کے خادم ہیں۔ بریلوی درحقیقت ہماری عبادت کرتے ہیں جس سے ہم انھیں باز کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ شیطانی کام ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے: "دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھائیں جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو"۔ عرض ہے یہ بتلانا آپ کی ذمہ داری ہے کہ اہل حدیث کی نماز فلاں صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ ہم ان شاء اللہ اپنی اصلاح کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔

(غ) فرماتے ہیں: "ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے سات پڑھتے تھے تو گیارہ تیرہ پڑھتے تھے اب غیر مقلد ایسا وتر پڑھ کر دکھائیں کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جائے"۔ میں نہیں سمجھ سکا مفتی صاحب نے یہ اعتراض ہم پر کیا ہے یا نبی ﷺ پر کیا ہے۔ چیلنج دینے سے پہلے انھیں سوچنا چاہیے تھا کیا احادیث میں ایسا ہی مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ بیک وقت اتنے اور اتنے وتر پڑھتے تھے۔ مختلف اوقات میں مختلف تعداد میں وتر پڑھنے سے کونسا تعارض لازم آتا ہے۔ تین وتر پر ٹک جانے سے کیا حدیث کا تعارض رفع ہو گیا یا سرے سے احادیث ہی کا انکار ہو گیا۔ کیا فقہ حنفی اسی بات کا نام ہے۔ کیا تقلید اسی طرح مسائل حل کرتی ہے۔ ان حضرت صاحب کو تعارض کی تعریف تک معلوم نہیں۔

(ف) فرماتے ہیں: "ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالاخفاء کی پانچ پڑھ دیں بچارے منہ تکتے رہ گئے"۔ حضرت صاحب واقعی بہت بڑے علامہ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتلایا حدیث کے مقابلے میں پانچ کیا پڑھیں۔ سوال یہ ہے کیا کوئی صحیح حدیث بھی پڑھی وہ بے چارے اسی لیے منہ تکتے رہ گئے ہوں گے کہ حضرت صاحب کیا کر رہے ہیں۔

(ق) فرماتے ہیں: "یہ کام مجتہد کا ہے کہ کون سی حدیث ناسخ ہے کون سی منسوخ، کون سی حدیث ظاہری معنی پر ہے کون سی واجب التاویل"۔ نسخ اور تاویل حنفیہ کے دو روایتی ہتھیار ہیں۔ جیسا کہ اصول کرخی میں بھی لکھا ہے ہر وہ آیت یا ہر وہ حدیث جو اپنے امام کے قول کے خلاف ہو اسے منسوخ یا مؤول قرار دے دیا جائے۔ (ص ۱۱) چنانچہ یہ لوگ اپنے امام کے قول کی لاج رکھنے کے لیے ضعیف، موضوع اور موہوم روایات تلاش کر کے صحیح احادیث کو منسوخ کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں یا اس کی تاویل بلکہ تحریف کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ اس ظلم کا مشورہ نہ ائمہ اربعہ نے دیا نہ ان محدثین نے دیا کہ حدیث جن کا فن ہے۔ یہ مجتہدین کی نہیں مقلدین کی خباثت ہے۔

(ل) فرماتے ہیں: "حدیث پر عمل وہ کرے جو مزاج شناس رسول ﷺ ہو اور راز دار پیغمبر ﷺ یہ مزاج شناسی راز داری ایرے غیرے کا کام نہیں"۔ مفتی صاحب نے اعتراف کر لیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پوری اُمت کے لیے حدیث پر عمل کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ سب ایرے غیرے ہیں۔ مفتی صاحب نے بقول خود اپنی کتابوں میں ایک ایک آیت یا ایک ایک حدیث سے جو آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط و استخراج کیا ہے۔ (ص ۲۸۵) نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ کر یہ کام کیا ہے۔ مزاج شناس رسول یا ایرا غیرا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہابی اور حدیث

۴۳ فرماتے ہیں: "غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے۔ لقب نجدی، کیونکہ ان کا مورثِ اعلیٰ محمد بن عبدالوہاب ہے۔ اگر انھیں مورثِ اعلیٰ جی طرف نسبت دی جائے تو نجدی"۔ یعنی جیسے بدعتیوں کا اصلی نام رضاخانی ہے لقب بریلوی۔ کیونکہ ان کا مورثِ اعلیٰ احمد رضا خان تھا جو بریلی بھارت "شریف" کا رہنے والا تھا۔ اگر انھیں مورثِ اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جائے تو رضاخانی کہا جاتا ہے۔ اور اگر جنم بھومی کی طرف نسبت کی جائے تو بریلوی کہا جاتا ہے۔

قبل ازیں مفتی صاحب وہابیوں کے بارے میں لکھ آئے ہیں ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے۔ اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شرخ کا پھل ہیں۔ (ص ۲۵۷) مگر اب انھیں ہمارا شجرہ نسب معلوم ہوگیا ہے۔ سوال یہ ہے کیا اہلحدیث کا مسلک قرآن وسنت کے علاوہ کچھ اور ہے؟ اور کیا یہ مسلک جناب محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے پہلے نہیں تھا۔ بحمد اللہ ہمارے مسلک کے مورثِ اعلیٰ رضوی مسلک کی طرح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنة رسوله)). (مؤطا امام مالک حدیث ۳۳۳۸ ص ۳۶۳) ✿

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک انھیں تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہوگے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

(الف) فرماتے ہیں: "یہ لوگ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ کی شان میں تبرّے کرتے ہیں"۔ جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی، نعیم الدین صاحب مرادآبادی، مفتی احمد یار خان صاحب اوجھانوی، محمد عمر صاحب اچھروی، عبدالغفور صاحب ہزاروی، عنایت اللہ سانگلہ ہلوی اور سردار خان صاحب فیصل آبادی ساری عمر اہل حدیث کے خلاف زہر اُگلتے رہے کیا انھیں کسی اہل حدیث نے قتل کر دیا۔ اس کے برعکس مفتی صاحب نے "وہابیوں" پر یہ حدیث فٹ کی ہے۔

((لئن ادرکتھم لأقتلنھم قتل عاد)). (جآء الحق ج۱ ص ٤)

"اگر میں انھیں پالوں تو عاد کی طرح انہیں قتل کردوں"۔

جہاں تک ائمہ اربعہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک وہ اہل حدیث ہی نہیں جو ان کی شان میں تبرا کہے۔ اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۹۶۳ حدیث ۶۵۰۲) یہ بزرگ تو امام ہی ہمارے تھے اور قرآن وحدیث کے ناطے سے، ہمارے ہم مسلک تھے۔ حنفی مقلدوں کو ان سے کیا نسبت۔ ان کا تعلق ان سے ایسا ہی ہے جیسے مشرکین مکہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ یا جیسے یہودیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شیعہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ یا مقلدوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ حنفیہ نے یہ حدیث بنائی کہ امام شافعی رحمہ اللہ اُمت کے لیے ابلیس سے زیادہ خطرناک ہیں۔

انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو جاہل بھی کہا۔ (نور الانوار ص ۳۰۰)

علامہ کوثری حنفی مصری امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ صرف محدث ہیں فقیہ نہیں ہے۔ (تانیب بحوالہ التنکیل ج۱ ص ۱۹۷)

تخریج وحکم: ✿ شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں نے امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام داؤد، امام ابن حزم اور امام شوکانی رحمہ اللہ کے خلاف جو غلیظ زبان استعمال کی ہے اور جو تبرّے کیے ہیں۔ (مثلاً نظم الفرائد ص ۱۰۲ از مولوی محمد حسن سنبھلی وسط الرحمن از مولانا فضل رسول بدایونی) میں۔

شاید وہ تبرّے نہیں بلکہ پھولوں کے چڑھاوے ہیں اور مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کی ذریت نے اہل حدیث کو جو ننگی گالیاں دی ہیں اور گندی لغات استعمال فرمائی ہے وہ بھی شاید اظہارِ عشق ہے۔

(ب) فرماتے ہیں: "کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دو نقیضین یا دو ضدین کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام۔ ربّ فرماتا ہے:

﴿فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ (المرسلات:۵۰)

"اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

﴿اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ﴾ (الزمر:۲۳)

"اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے"۔

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ (لقمان:٦)

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں"۔

اور تیسری آیت میں ناول، قصے، کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا"۔

یعنی جیسے قرآن پاک میں سنت کا لفظ عذاب کے مفہوم میں آتا ہے:

﴿فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ﴾ (فاطر:۴۳)

"سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے"۔

یا جیسے تقلید کے معنی جانور کو پٹہ پہنانا ہے۔ مفتی صاحب کو استدلال کے لیے پہلی دو آیتیں پسند نہیں آئیں۔ تیسری آیت پسند آئی ہے۔ یہ ان کا حسن انتخاب ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا مسلک حدیث ہے لھو الحدیث نہیں ہے۔ حدیث اور لھو الحدیث میں فرق ہے ایسے ہی جیسے کہ لفظ اللہ اور غیر اللہ میں فرق ہے۔ کیا اللہ کے ماننے والے کو غیر اللہ کا طعنہ دیا جا سکتا ہے۔ حماقت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے بے شک حدیث کے معنی بات کے ہیں مگر ہر بات ہمارا مسلک نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک حدیث سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے یا نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔ ٹھیک ایسے ہی جیسے قرآن پاک میں لفظ المدینہ مختلف شہروں کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً فرمایا:

﴿وَ قَالَ نِسۡوَۃٌ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ﴾ (یوسف:۳۰)

"اور شہر میں عورتوں نے چرچا کیا"۔

یہاں المدینہ سے مصر کا ایک شہر مراد ہے (قصہ یوسف کے ضمن میں آیا)۔

﴿وَ جَآءَ اَہۡلُ الۡمَدِیۡنَۃِ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴾ (الحجر:٦٧)

"شہری لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے"۔

یہاں شہر سے سدوم مراد ہے (لوط علیہ السلام کی قوم کا شہر)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ﴾ (الکهف: ۱۹)

"پس تم اپنے میں سے کسی کو اپنے یہ چاندی کے سکے دے کر شہر بھیجو"۔

یہاں شہر طرسوس مراد ہے (اصحاب کہف والا شہر)۔

﴿وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ﴾ (النمل: ٤٨)

"اس شہر میں نوسردار تھے"۔ یہاں قوم ثمود کا شہر حجر مراد ہے۔

﴿وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ﴾ (یٰس: ۲۰)

"اور ایک شخص اس شہر کے آخری حصے سے آیا"۔

یہاں شہر انطاکیہ مراد ہے (سورۃ یٰسین والے حبیب نجار کا شہر)۔

مگر ہم جب مدینہ یا المدینہ کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے محمد مصطفیٰ ﷺ کا شہر مراد ہوتا ہے۔ جس کا سابقہ نام یثرب تھا۔ (الاحزاب: ۱۳)

ذرا توجہ فرمائیے جن کے نزدیک حدیث پر عمل کرنا ناممکن ہے وہ اپنے آپ کو اہل سنت کہلواتے ہیں ان کی سنت سنت ہے یا اکاس بیل۔

﴿وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝﴾ (ابراهيم: ٢٦)

"اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا اسے کچھ مضبوطی تو ہے نہیں"۔

(ج) فرماتے ہیں: "اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال بیان کیے جائیں" بالکل جھوٹ۔ محدثین کی اصطلاح میں حدیث صرف رسول اللہ ﷺ کے قول فعل اور تقریر کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و عمل کو اثر یا خبر کہتے ہیں۔ (شرح نخبہ ص ۵) مجازاً یا لغتاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال پر اگر حدیث کا اطلاق کر لیا جائے تو یہ معاملہ الگ ہے۔

(د) فرماتے ہیں: "عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کون سی حدیث پر عامل ہو۔ لغوی یا اصطلاحی پر۔ اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہیے کہ ہر ناول گو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے"۔ یہی سوال "سنیوں" سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ تم کونسی سنت پر عمل پیرا ہو سنت عاد پر سنت ثمود پر سنت قوم لوط پر سنت سیئہ پر؟ یا تقلید کے لیے تمہیں کون سا پٹہ پسند ہے۔ گھوڑے کا گدھے کا بیل کا خچر کا۔ مفتی صاحب کا یہ سوال انتہائی بدتمیزی پر مبنی ہے۔ یہ بدتمیزی ہمارے ساتھ نہیں نبی ﷺ کے ساتھ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی نالائق یہ کہے نبی ﷺ بھی باتیں کرتے تھے مسیلمہ کذاب بھی باتیں کرتا تھا آخر ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ معاذ اللہ۔

(ذ) فرماتے ہیں: "اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سچ نجات دیتا ہے۔ جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ ہر مشرک کافر اس کا قائل ہے۔ وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے"۔ بات صرف عامل ہونے کی نہیں ایمان لانے کی بھی ہے۔ اگر صرف عمل کی بات ہو تو یہودی اور سکھ بھی ڈاڑھی رکھتے ہیں لہٰذا یہ بھی اہلسنت والجماعت ہو گئے۔ اصل میں نبی ﷺ پر ایمان لا کر اور حضور ﷺ کا حکم سمجھ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو شخص داڑھی رکھے گا وہ حدیث پر عامل کہلائے گا۔

(د) فرماتے ہیں: "تم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمانوں کو اہلحدیث کیوں نہیں مانتے؟ یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں"۔ آپ خود ہی اپنے آپ کو اہل حدیث نہیں مانتے۔ ہمارے ماننے یا نہ ماننے کا کیا سوال؟

آپ نے لکھا ہے کہ کسی کا اہل حدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دو نقیضین یا دو ضدین کا جمع ہونا۔ (ج ۲ ص ۲۶۵) بات یہ ہے کہ جو شخص کسی مسئلہ پر اس لیے عمل پیرا ہو کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے وہی اہل حدیث کہلانے کے قابل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ثواب لینے کا بھی اُمیدوار ہے۔ اور جو شخص کسی مسئلہ پر اس لیے عمل پیرا ہو کہ یہ اس کے امام یا اس کے پیر و مرشد کا قول ہے وہ نقطہ مقلد ہے۔ اسے ثواب کی اُمید بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں اپنے امام سے رکھنی چاہیے۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت، ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((قال الله تبارك تعالى انا اغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه معي غيري تركته و شركه و في رواية فانا منه بري هو للذي عمله)). (باب الرياء والسمعته ص ٤٥٤ مسلم ج ٢ ص ٤١١ حديث ٧٤٧٥)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں سب شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ جس نے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا میں اس کے شرکیہ عمل کو رد کر دیتا ہوں ایک روایت میں ہے کہ میں اس عمل سے بیزار ہوں، وہ اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے عمل کیا"۔

مفتی صاحب کو شافعیوں مالکیوں اور حنبلیوں سے ہمدردی جتلانے کی ضرورت نہیں، یہ اپنی فکر کریں۔ بحمد اللہ ائمہ ثلاثہ کے ماننے والے اہل علم کے نزدیک اہلسنت یعنی اہل حدیث ہی ہیں۔ البتہ حنفیوں کو اہل سنت میں شمار نہیں کیا گیا۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۳۰۶ از شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ)

یہ اہل الرای کہلاتے ہیں (مقدمہ ابن خلدون الملل والنحل از علامہ شہرستانی سیرت النعمان ج ۲ ص ۲۲ از شبلی نعمانی)۔

(ز) فرماتے ہیں: "اگر اہلحدیث کے معنی حضور ﷺ کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں۔ بعض حدیثوں میں حضور ﷺ کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور ﷺ کے لیے مباح یا فرض تھے ہمارے لیے حرام ہیں جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا بغیر مہر نکاح ہونا ازدواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ حضرات اس حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے۔ غرض کہ حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور ﷺ کے لیے کمال ہیں ہمارے لیے کفر"۔ نہ جانے مفتی صاحب کو کس بھڑوے نے بتلا دیا ہے کہ حدیث پر ایمان لانا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس پر پریکٹیکلی عمل ہو سکے۔ کیا عقائد ایمان میں داخل نہیں؟ آپ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں۔ کیا اس پر عمل کی کوئی صورت ہے؟ کیا حدیث معراج پر عمل ہو سکتا ہے۔ اصل میں عقیدے والی احادیث پر ایمان رکھنا ہی عمل ہوتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے چار سے زیادہ بیویاں جائز نہیں نبی ﷺ کے لیے جائز تھیں۔ آپ ﷺ کے لیے بغیر مہر نکاح بھی جائز تھا۔ یہ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم کا عمل ہی تو ہے۔ نبی ﷺ اگر اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ پڑھتے تو کیا اس سے محمد ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخصیت مراد تھی۔ باقی نبی ﷺ کا منبر پر نماز پڑھنا یہ تعلیم و تربیت کے لیے آج بھی جائز ہے۔ خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں۔ اُونٹ پر طواف بھی آپ ﷺ سے خاص نہیں امام بخاری نے باب ادخال البعير فی المسجد للعلة کے تحت حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں سواری پر طواف کرنے کی اجازت دی تھی۔ (ص ٦٦) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمانے کی کوئی حدیث میرے مطالعہ سے نہیں گزری۔ اگر کہیں ہو تو اس میں ان کی منقبت ضرور ہے خصوصیت نہیں ہے۔ نبی ﷺ کے سجدے لمبے ہی ہوتے تھے۔ بسا اوقات بہت ہی لمبے ہوتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے:

((سجد النبی صلی اللہ علیہ و سلم فاطال السجود ثم رفع راسه و قال ان جبریل اتانی فبشرنی فسجدت لله شکرا)). (مسند احمد ج۱ ص ۱۹٦ حدیث ١٦٦٤) ❶

"نبی ﷺ نے طویل سجدہ سے سر مبارک اُٹھا کر فرمایا: جبریل نے مجھے بشارت دی تھی اس لیے میں بارگاہِ ربّ العزت میں سجدہ شکر بجالایا"۔

نصف شعبان کے بارے میں بیہقی (حدیث ۳۵۵۴) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک ضعیف روایت آتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک حجت ہے جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں:

((قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من اللیل فصلی فاطال السجود حتی ظننت انه قد قبض... الخ)). (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج۲ ص ٦٢)

"نبی ﷺ رات کو اُٹھے نماز پڑھی اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ میں سمجھی آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں"۔ ❷

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کا خطاب کس نے دیا انھیں تو حنفیوں ہی کے بڑے بھائیوں یعنی کوفہ کے شیعوں نے دھوکہ سے بلا کر شہید کر ڈالا تھا جو تاریخ کا نہایت المناک باب ہے۔ کیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادتیں اس سے کم درجہ کی ہیں۔ یہ خاتم آلِ عبا کیا ہوتا ہے۔ یہ تو خالص شیعی اصطلاح معلوم ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ فرمائیں بریلوی حضرات کا قارورہ شیعہ سے کس قدر ملتا جلتا ہے۔

اپنی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو نبی ﷺ نے جو کندھے پر اٹھایا تو اس کی تخصیص کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ چنانچہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مائیں اپنے بچوں کو اُٹھا کر نماز پڑھ لیتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بسا اوقات میرا ارادہ لمبی نماز کا ہوتا ہے، مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں تا کہ ماں کو تکلیف نہ ہو۔ (عن ابی قتادۃ بخاری ص ۹۸ حدیث ۷۰۷ عن انس مسلم ج۱ ص ۱۸۸ حدیث ۱۰۵٦)

حضور ﷺ کے اقوال و اعمال اپنے لیے کفر کہہ کر مفتی صاحب نے حدیث شریف کی نہایت غلط ترجمانی فرمائی ہے اگر کچھ باتیں ایسی ہیں جن پر عمل نہیں کیا جا سکتا تو کیا ان پر ایمان لانا بھی کفر ہے۔ پھر تو قرآن پاک پر بھی انھیں ایمان نہیں لانا چاہیے کیونکہ اس میں بھی کئی ایسی باتیں ہیں جن پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عقائد اور معجزات وغیرہ۔ نیز ہم خود کو اہل حدیث کہلاتے ہیں یعنی حدیث شریف کو ماننے والے چاہے اس کا عقیدے کے ساتھ تعلق ہو یا عمل کے ساتھ۔ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہو یا سب کے لیے عام ہو۔ عامل

تخریج: ❶ حسن لغیرہ ہے۔ ❷ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالحدیث کی اصطلاح مفتی صاحب نے خود گھڑی ہے تاکہ مذکورہ غلط سلط صغرے کبرے قائم کر کے مضحکہ خیز نتیجے نکالے جاسکیں۔

(س) فرماتے ہیں: "اسی طرح حضور ﷺ کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطا سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہرحال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کرسکتا"۔ مفتی صاحب نے بار بار عامل عامل کی رٹ لگا رکھی ہے۔ پتہ نہیں یہ کہاں پڑھتے رہے ہیں۔ غالباً کسی استاد نے انھیں یہ نہیں بتلایا کہ ایمان بھی کوئی چیز ہے اور یہ کہ ایمان بھی دِل کا عمل ہی ہے۔ بحمد اللہ ہمارا ہر حدیث پر ایمان ہے۔ اگر محض کسی حدیث کے منسوخ ہوجانے سے یا کسی نسیان اور خطا کی وجہ سے حدیث پر ایمان لانا کفر ہوجاتا ہے تو پھر قرآن پر ایمان لانا بھی کفر قرار دے دینا چاہیے۔ کیونکہ قرآن پاک میں بھی متعدد آیات منسوخ ہیں اور اس میں بھی نبی علیہ السلام سمیت انبیاء کرام علیہم السلام کے نسایات اور اجتہادی خطاؤں کا ذکر ہے لیکن ان کے کیا کہنے انھوں نے تو قرآن و حدیث ماننے کو ضلالت اور کفر کی جڑ قرار دے ہی دیا ہوا ہے۔ (ص ۲۶ بحوالہ تفسیر صاوی) میں پوچھتا ہوں حنفی حضرات جس فقہ کے مقلد ہیں کیا وہ ساری کی ساری قابل عمل ہے اس میں جو قیل و قال کوڑا کباڑ اور رطب و یابس بھرا ہے آیا وہ اس قابل ہے کہ اس پر کوئی شریف آدمی عمل کرسکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر" اس کا مطلب یہ ہوا قرآن و حدیث میں نسخ بھی ہے اجتہادی خطا بھی ہے مگر ان مقلدوں کی فقہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

مفتی صاحب نے نسیان اور اجتہادی خطا پر عمل کرنے کی بات کی ہے۔ ان پر تو خود بخود عمل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً آئے دِن لوگ نماز میں بھولتے رہتے ہیں اور سجدہ سہو بھی کرتے ہیں۔ اجتہادی مسائل میں غلطی بھی لگ جاتی ہے اور اصلاح بھی قبول کرلی جاتی ہے۔ تو کیا جان بوجھ کر بھولنے اور قصداً اجتہاد میں خطا کرنے کو نسیان اور اجتہادی خطا کہہ سکتے ہیں۔ نہ جانے مفتی صاحب کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ کچھ پینے پلانے کا چکر تو نہیں تھا۔

(ش) فرماتے ہیں "حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین))۔ (عن عرباض بن ساریہ ابوداؤد کتاب السنة حدیث ٤٦٠٧، ترمذی کتاب العلم حدیث ٢٦٧٦ مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ٣٠) ❶

"لازم پکڑو میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو"۔

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو"۔

سوال یہ ہے کیا آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حنفیت کو لازم پکڑو یا بریلویت کو لازم پکڑو یا سلسلہ چشتیہ قادریہ سہروردیہ نقشبندیہ کی بیعت ہوجاؤ۔ اصل میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی حدیث کے مقابلے میں نہیں بدعت کی مخالفت میں ہے۔ آگے ارشاد فرمایا:

((ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة))۔ (ابوداؤد شریف حدیث ٤٦٠٧)

"نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

تخریج: ❶ سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بدعت ان "سنی" بریلویوں کو حلوے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ بدعت ایسی چیز ہے کہ جس میں حلوے کو کھینچنے کی مقناطیسی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ مفتی صاحب نے یہ ضخیم کتاب بدعت ہی کو حق ثابت کرنے کے لیے تحریر فرمائی ہے۔ مفتی صاحب حدیث شریف کے بہت ویری نظر آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ جاننے کے لیے کہ حضور ﷺ کی سنت کیا ہے کیا اس کا ماخذ حدیث کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ مثلاً کوئی آپ سے پوچھے بخاری شریف میں کل کتنی روایات ہیں تو آپ ۷۵۶۳ حدیثیں کہیں گے یا ۷۵۶۳ سنتیں کہیں گے۔ اہل حدیث بنے بغیر اہل سنت بننے کا دعویٰ کرنا تقریباً ایسے ہی ہے جیسے اسلام قبول کیے بغیر نماز روزہ پر عمل کرنا۔ میں حنفیوں سے دو ٹوک الفاظ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ حدیث کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر مانتے ہیں تو اہل حدیث ہو گئے (اہل حدیث کہلانا یا نہ کہلانا الگ مسئلہ ہے) اور اگر حدیث کو نہیں مانتے تو منکرین حدیث ہوئے۔ بتلایئے آپ کو کس کھاتے میں ڈالا جائے۔

(ص) فرماتے ہیں: "ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے۔ حضور ﷺ کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں حضور ﷺ سے خاص بھی نہ ہو خطاء نسیاناً بھی سرزد نہ ہوئے ہوں بلکہ اُمت کے لیے لائق عمل ہوں انھیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہمارا نام اہلسنت بالکل حق درست ہے کہ ہم بفضلہ تعالیٰ حضور کی ہر سنت پر عامل ہیں مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن ہے"۔ یہ ساری تقریر تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے حنفی انسان نہیں ہیں کیونکہ انسان کو کھانسی بھی آتی ہے زکام بھی لگ جاتا ہے بخار بھی چڑھ جاتا ہے بلکہ مر بھی جاتا ہے۔ بلکہ آدمی وہ ہیں کہ جسے کھانسی بھی نہ آئے زکام بھی نہ لگے تاپ بھی نہ چڑھے اور مرے بھی نہیں۔ مستثنیات کی جو فہرست مفتی صاحب نے سنت کے ساتھ چپکائی ہے وہی فہرست اگر حدیث کے ساتھ بھی ملحق فرما دیتے تو کیا یہ عمل خلاف سنت ہو جانا تھا۔ حدیث اور سنت کا یہ فرق جو مفتی صاحب نے بیان فرمایا ہے یہ کسی مجتہد کا اجتہاد ہے یا کسی مقلد کا اجتہاد ہے۔ اگر کسی مجتہد کا اجتہاد ہے تو اس کا حوالہ دیا جائے اور اگر مقلد کا اجتہاد ہے تو کیا یہ حجت ہے؟ نیز گزارش ہے کہ وہ اعمال طیبہ جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہیں اور وہ عقائد جن کا عمل کے ساتھ تعلق نہیں کیا ان پر ان کا باپ ایمان لائے گا اس سے ثابت ہوا ان اہل سنت کا دین کے صرف اسی حصے پر ایمان ہے جو اُمت کے لیے لائق عمل ہے دین کے باقی حصے سے ان کو انکار ہے جب کہ بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث مکمل دین پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ض) فرماتے ہیں: "کسی حدیث سے کیا مسئلہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے اور کون مسئلہ اشارتاً کون اقتضاءً یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے"۔ کیوں کیا آپ ناک میں لقمہ ڈالتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب جیسے لوگ جو ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں۔ (ص ۲۵۸) کیا ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیا ان باتوں کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں صرف چار اشخاص ہی پیدا فرمائے ہیں۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صراحتاً اشارتاً اور اقتضاءً تمام مسائل حل فرما دیئے ہیں اور ان کا مستند ریکارڈ حنفیوں کے پاس موجود ہے اور بعد کی تیرہ صدیوں میں کوئی نیا مسئلہ تو نہیں پیدا ہوا۔ اگر پیدا ہوا ہے تو اسے حل کروانے کے لیے حضرت امام صاحب کی قبر کھودی جائے گی یا اس پر مراقبہ کیا جائے گا یا کوئی نیا مجتہد تیار کیا جائے گا یا صبر و شکر کر کے غیر مقلدین کی خدمات پر ہی گزارہ کر لیا جائے گا۔

(ط) فرماتے ہیں: "چکڑالوی اسی لیے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں براہ راست ربّ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہابی غیر مقلد اسی لیے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ ﴾ (النحل: ٤٤)

"اور یہ کتاب ہم نے تیری طرف اتاری کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں"۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پاک واقعی حدیث نبوی ﷺ کے بغیر صحیح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کیا اس طرح کا کوئی فرمان حدیث کے بارے میں بھی ہے کہ یہ حنفی تقلید کے بغیر ناقابل فہم ہے۔ حدیث اگر حنفی تقلید کی محتاج ہے اور حنفی تقلید کے بغیر اسے سمجھنے کی کوشش کرنا یا اس پر عمل کرنا گمراہی ہے تو نبی ﷺ نے کیا کیا اور ﴿ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ کا کیا مطلب ہے۔ یعنی حدیث نبوی ﷺ اگر بذاتِ خود ناقابل فہم ہے اور قرآن کی ہدایت کیسے حاصل ہو جائے گی۔ ان کی باتوں سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ قرآن پاک کو نہیں سمجھا سکے ان کے امام مجتہد نے سمجھایا ہے۔ یعنی جو کام حضور ﷺ سے نہیں ہو سکا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کر دکھایا۔ سوال یہ ہے اگر قرآن حدیث کے بغیر سمجھ نہیں آ سکتا اور حدیث امام مجتہد کے نور (یعنی فقہ حنفی) کے بغیر سمجھ نہیں آ سکتی تو فقہ حنفی کو سمجھنے کے لیے بھی تو کسی نور کی ضرورت ہے یا نہیں۔ لہٰذا یہ تسلسل کہاں تک چلے گا۔ مفتی صاحب کو ضرورت استاد کا اشتہار دے کر تقلید شخصی کی لعنت کا اثبات نہیں کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت چکڑالویوں اور حنفیوں کا ایک ہی مذہب ہے اور وہ ہے حدیث کا انکار۔ فرق صرف یہ ہے چکڑالویوں نے قرآن کا نام لے کر اور حنفیوں نے تقلید کا نام لے کر حدیث سے جان چھڑائی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ انکارِ حدیث کے مسئلے میں چکڑالوی درحقیقت حنفیوں ہی کے شاگرد ہیں۔

(ظ) فرماتے ہیں: "مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ ﷺ بھی ہے اور سراج اُمت امام مجتہد کا نور بھی ہے"۔ تقلید کرنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی، انکار کرنا حدیث نبوی ﷺ کا اور بننا اہل سنت یہ تو تین نقیضوں کا اجتماع ہو گیا۔ کیا کبھی دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والوں کا بیڑا بھی پار ہوا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سراج اُمت کا خطاب کس نے دیا ہے۔ اگر آپ یہ حدیث ثابت کر دیں تو اسی پر فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی سراجِ اُمت ہیں تو ائمہ ثلاثہ کی تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین اگر سراج اُمت کی تقلید کے بغیر بخشے جائیں گے تو ہم گنہگاروں کا بھی اللہ مالک ہے۔

(ع) فرماتے ہیں: "اہل سنت وہی ہو گا جو کسی امام کا مقلد ہو گا"۔ یہ قرآن کی آیت ہے یا کوئی حدیث ہے یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یا مقلد کی بڑ ہے۔ کیا ایک مقلد کی بڑ بھی حجت ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک میں ہم نے یہ تو پڑھا ہے:

﴿ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ ﴾ (النساء: ٨٠)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"۔

لیکن یہ نہیں پڑھا جس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی اس نے حضور ﷺ کی اطاعت کی۔ مفتی صاحب اگر صحیح اہل سنت ہوتے تو یوں لکھتے وہی اہل سنت ہو گا جو نبی ﷺ کا فرماں بردار ہو گا۔ ارشادِ نبی ﷺ ہے:

((کل امتی یدخلون الجنۃ الامن ابی قالوا و من ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ و من عصانی فقد ابی)).

(عن ابی ھریرۃ بخاری ص ۱۰۸۱ حدیث ۷۲۸۰، مشکوۃ باب الاعتصام ص ۲۷)

"میری ساری اُمت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کیا گیا انکار کس نے کیا؟ فرمایا: جس نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا"۔

(غ) فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا"۔

﴿ یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍۭ بِإِمَامِهِمْ ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۱)

"جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت بلائیں گے"۔

قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں اور غیر مقلد وہابی بھی لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم رحمہ اللہ ہیں۔ ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں۔ غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ ان شاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے"۔ آیت کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ کسی کا بیڑا پار اور کسی کا بیڑا غرق کرنے سے پہلے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ آیا ہماری بھی کوئی ذمہ داری ہے یا ساری ذمہ داری امام اعظم رحمہ اللہ پر ڈال دی گئی ہے جو آیت مفتی صاحب نے پیش کی ہے، اس سے اگلی آیت یہ ہے:

﴿ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۲)

"اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت بھٹکا ہوا رہے گا"۔

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴾ (الفرقان: ۷۳)

"اور جب انھیں ان کے ربّ کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے"۔

﴿ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

"اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہے، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں"۔

جب اللہ تعالیٰ نے امام صاحب رحمہ اللہ کو اُمت کے ناخدا ہونے کی ذمہ داری نہیں سونپی تو آپ کون ہوتے ہیں انھیں یہ ذمہ داری سونپنے والے۔ کیا آپ خدا لگ گئے ہیں۔ یہ مقام دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس پر انھوں نے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کو بٹھا دیا ہے۔ مرزائی نبی کا لفظ بول کر بدنام ہو گئے ہیں ورنہ حقیقت میں حنفیوں نے امام صاحب کو جو مقام دے دیا ہے شاید وہ مقام مرزائی بھی اپنے دجال کو نہیں دے سکے۔ اور یہ سب کچھ امام صاحب رحمہ اللہ کی مرضی کے بغیر ہو رہا ہے۔ احناف نے جو سلوک امام صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے ٹوٹے لتر کو بھی اس کی خبر نہیں۔ یہ خواہ مخواہ ان کے کندھوں پر سوار ہو رہے ہیں۔ تو مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ یہ بھی عرض کر دوں جس جہاز کے ناخدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں ہمیں اس کی سواری کا کوئی شوق نہیں۔

(ف) فرماتے ہیں: "آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے۔ برائے مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتا دیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب اور مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے اور نماز میں کتنے فرض ہیں کتنے واجب کتنی سنتیں کتنے مستحبات کتنے مکروہ تنزیہی کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام۔ ان شاء اللہ تا قیامت یہ مسائل یہ حضرات حدیث سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بتا سکتے۔ تو دوستو! ضد کیوں کرتے ہو تقلید اختیار کرو جس میں دین و دُنیا کی بھلائی ہے"۔

گزارش ہے اگر ان تفصیلات کا ذکر احادیث صحیحہ میں نہیں ہے تو آپ قیامت سے پہلے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال صحیحہ و ثابتہ سے ہی بتلا دیں۔ فقہی کتابوں کا حوالہ ہمیں نہیں چاہیے۔ مصنف سے لے کر حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک جتنی صدیاں گزری ہیں اور جتنے قرن بیتے ہیں ان کے مطابق صحیح سلسلہ سند درکار ہے۔ بالفرض والمحال کوئی ایسی بات بتلا دیں جس کا ثبوت یا جس کی تائید قرآن و حدیث سے نہ ہو تو اس کی حیثیت ہی کیا ہے اور اگر کوئی بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو ان پر تو ہمارا ایمان ہے ہی۔ یہ تفصیلات دراصل ان لوگوں کے نزدیک زیادہ اہم ہیں جنہوں نے کسی عمل کو فرض یا واجب نہ سمجھ کر ترک کر دیا ہو۔ ہمیں اس جھنجھٹ میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہم جس طرح فرائض و واجبات پر عمل کرتے ہیں اسی طرح سنن و مستحبات پر بھی عمل کرتے ہیں۔ ہم رفع یدین بھی کرتے ہیں آمین بالجہر بھی کہتے ہیں سینہ پر ہاتھ بھی باندھتے ہیں پاؤں بھی ملاتے ہیں جلسہ استراحت بھی کرتے ہیں تورک بھی کرتے ہیں، جب کہ حنفیہ نے یہ سب کچھ متروک کر رکھا ہے بلکہ ان کی نماز یوں بھی ہو جاتی ہے۔

محمود غزنوی حنفی مذہب کا پیرو تھا۔ لیکن اسے حدیث سننے کا بہت شوق رہتا تھا ایک دفعہ اس نے بہت سے اکابر علماء کی مجلس کا انعقاد کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس مذہب کی نماز سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے۔

نماز کی ادائیگی کے لیے اس وقت کے سب سے بڑے عالم قاضی قفال مروزی کا انتخاب ہوا۔ قاضی موصوف نے جو حنفی نماز ادا کی وہ حسب ذیل ہے۔

قاضی صاحب نے کتے کی رنگی ہوئی کھال منگائی اور اس کا کچھ حصہ نجاست سے آلودہ کر کے پہن لی۔ صاف پانی کی بجائے نبیذ سے بلا نیت اور بغیر بسم اللہ پڑھے بلا ترتیب وضو کیا اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی بجائے فارسی میں خدائے بزرگ تر است کہہ کر ہاتھ باندھ لیے اور بغیر سورہ فاتحہ پڑھے قرآن کی اس آیت ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ کا فارسی میں ترجمہ کہہ کر رکوع کیا اور جاتے اُٹھتے تین تسبیح کہتے ہوئے بغیر سیدھے کھڑے ہونے کے سجدے میں چلے گئے اور بغیر اطمینان کے دوسرا سجدہ ایسے کیا جیسے کوا ٹھونگے مارتا ہے۔ اور تشہد میں بغیر درود شریف کے سلام کی جگہ گوز مارا (ہوا خارج کی) اور نماز سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے:

بادشاہ! یہ حنفی نماز ہے۔

ایسی نماز دیکھ کر بادشاہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا ایسی نماز کون پڑھ سکتا ہے؟ قاضی فرمانے لگے: بادشاہ! فقہ حنفی کی مستند کتابیں منگایئے۔ کتابیں منگوائی گئیں تو قاضی موصوف نے من وعن اس نماز کے طریقے کو احناف کی کتابوں سے ثابت کر دیا۔ اسی وقت سلطان محمود غزنوی نے حنفیت سے توبہ کر لی۔ (حیاۃ الحیوان الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۴ از علامہ دمیری)

فرض واجب وغیرہ جاننے کا چیلنج دینے سے پہلے مفتی صاحب کو اپنے گھر کی خبر لے لینی چاہیے تھی۔ کیا ائمہ اربعہ کے مقلدین ان پر متفق ہیں۔ اگر تقلید کر کے بھی کسی ایک صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچا جا سکتا تو تقلید کی دلدل میں پھنسنے کا کیا فائدہ۔ ان تفصیلات میں تو خود فقہ حنفیہ کی کتابیں آپس میں متفق نہیں ہیں۔ کوئی امام کچھ کہہ رہا ہے کوئی کچھ کہہ رہا ہے جتنے منہ اتنی باتیں۔ سنن و مستحبات تو درکنار ابھی تک ان میں یہ طے نہیں ہو سکا کہ نماز کے فرائض کتنے ہیں۔ لہٰذا آیئے تقلید کے بت کو توڑ کر سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ لیجیے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمِ غیب

مقدمہ

پہلی فصل

﴿۴۴﴾ جلد اوّل ص ۱۴۱۔ مفتی صاحب رقمطراز ہیں حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَ مَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ تَمُرُّ وَ تَنْقَضِيْ اِلَّا آتَانِيْ)).

"کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے"۔

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج ہر روز بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر آگے جانے کی اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت ملتی ہے۔ (عن ابی ذر بخاری ص ۴۵۴ حدیث ۳۱۹۹، مسلم ج ۱ ص ۸۸ حدیث ۴۰۰، مشکوۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ ص ۴۷۲) قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ ان میں سے کونسی بات صحیح ہے۔

(الف) فرماتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہاوند میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچادی"۔ (دلائل النبوۃ، فی کرامات اولیاء، بیہقی مشکوۃ باب الکرامات ص ۵۴۶) اس سے علم غیب کا ثبوت مطلوب ہے۔ اوّل تو اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے۔ نیز یہ کرامت ہے، اور کرامت وقتی چیز ہوتی ہے۔ اسے محدثین نے باب الکرامات میں بیان کیا ہے۔ اگر علم غیب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفت ہوتا تو آپ جنگ قادسیہ کا نتیجہ سننے کے لیے ہر روز صبح سویرے مدینہ سے باہر نکل کر قاصد کے آنے کا انتظار نہ کیا کرتے۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی ص ۳۶۹)

ایرانی سردار ہرمزان گرفتار ہو کر آیا تو اس نے پانی پینے کے بہانے پناہ حاصل کرلی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، میں تم کو دھوکا نہیں دوں گا۔ (ایضاً ص ۳۸۶)

اگر امیر المومنین عالم الغیب ہوتے اور انھیں ہرمزان کی نیت کا حال معلوم ہوتا تو کیا وہ دھوکا دینے میں کامیاب ہوسکتا تھا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ عالم الغیب ہوتے تو کیا صبح کی نماز میں صفِ اوّل میں عین آپ کے پیچھے کھڑا تھا، یا محراب میں چھپا عیسائی غلام ابولؤلؤ آپ پر خنجر کے چھ وار کرسکتا تھا؟ نیز زخمی ہونے کے بعد آپ یہ نہ پوچھتے کہ میرا قاتل کون ہے؟ (ایضاً ص ۳۹۸)

(ب) فرماتے ہیں: "نفس علم کسی چیز کا بھی برا نہیں ہوتا۔ ہاں بری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لیے سیکھنا برا ہے"۔ سوال یہ ہے کہ جس علم کو استعمال ہی نہیں کرنا اسے سیکھنے کا کیا فائدہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا تھی:

((اللّٰهم انی اعوذبك من علم لا ينفع)). (عن زید بن ارقم مسلم ج ۲ حدیث ۶۹۰۶ ص ۳۵۰ مشکوۃ باب الاستعاذۃ)

"یا اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ اس علم سے جو فائدہ نہ دے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پنجابی کا مشہور محاورہ ہے "جیہڑے پنڈ نہیں جانا اوہدا راہ کیہہ پچھنا"۔

﴿۴۵﴾ مفتی صاحب گوہرافشانی فرماتے ہیں: "اگر کوئی علم بُرا ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ اللہ ہر برائی سے پاک ہے"۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کسی کو ننگا دیکھنا برا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی کوئی پردہ پردہ نہیں ہوتا۔ وہ سب کو اصل (برہنہ) حالت میں دیکھ لیتا ہے۔ کسی کو مار ڈالنا بھی بُرا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی مار ڈالتا ہے، وغیرہ۔ شریعت کے مکلف ہم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ:

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ۲۳)

(الف) فرماتے ہیں: "جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لیے۔ اگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لیے ربّ کی طرف سے دو فرشتے ہاروت، ماروت کیوں زمین پر اُترے؟ موسیٰ کے جادوگروں نے جادو کے علم کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو پہچانا اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو! علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا"۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک جادو کو دفع کرنے کے لیے جادو کرنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ خود فرما چکے ہیں کہ بُری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لیے سیکھنا بُرا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا تو اسے جادو کے ذریعے زائل کیا گیا تھا؟ (عن عائشہ بخاری حدیث ۵۷۶۵ ص ۸۵۸) یا کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو کی طاقت سے جادوگروں کے جادو کا ابطال کیا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو جادو جانتے ہی نہیں تھے وہ اگر علم سحر سے آشنا ہوتے تو کیا وہ جادو کی رسیاں اور لاٹھیاں دیکھ کر ڈر جاتے؟

﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴾ (طٰہٰ: ۶۷)

"پس موسیٰ اپنے دل ہی دل میں ڈرنے لگے"۔

مفتی صاحب نے "موسیٰ علیہ السلام کے جادوگر" تو یوں کہا جیسے وہ موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد رہے ہوں۔ فرعون کے جادوگر کہنا چاہیے تھا، اسی نے انھیں بلایا تھا۔ کہتے ہیں کہ علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔ میں پوچھتا ہوں کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لایا تھا؟ اگر ذریعہ ایمان بن جانا دلیل ہے تو پھر ہر گمراہی جو ہدایت کا موجب بن جائے جائز ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن کر جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل جانے کا اعجاز کیا آپ کی صداقت کے لیے کافی نہیں تھا۔ کیا اتنی موٹی بات سمجھنے کے لیے بھی علم جادو سیکھنے کی ضرورت تھی۔ ہاروت ماروت بھی جادو کی تعلیم کے لیے نہیں اُترے تھے۔ وہ تو آزمائش بن کر اُترے تھے وہ تو سیکھنے والوں سے صاف کہہ دیتے تھے:

﴿اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (بقرہ: ۱۰۲)

"ہم تو آزمائش ہیں، پس تو مت کفر کر"۔

کیا تعلیم کا یہی طریقہ ہوتا ہے؟ کیا یہ آیت علم جادو کے بُرا اور کفر ہونے پر نص الٰہی نہیں؟

(ب) فرماتے ہیں: "سارے انبیاء علیہم السلام اور ساری مخلوق کے علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے۔ تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو"۔ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے: "اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے"۔ گزارش ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوقات کے علوم کا علم تھا تو لازماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ سائنسی ایجادات کا علم بھی ہوگا اور ایٹمی ہتھیاروں کا علم بھی ہوگا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی کیوں نہ بتلا دیا تاکہ پہیہ جلدی ایجاد ہو جاتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان جلدی ترقی کر جاتے اور بحکم:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال:٦٠)

”تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو“۔

مسلمان کلاشنکوف بناتے، ایٹم بم بناتے، ہائیڈروجن بم بناتے، بلکہ اس آیت میں ﴿مِنْ قُوَّةٍ﴾ کے آگے ﴿وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ کی بجائے یہ ہونا چاہیے تھا ایف ۱۶ بناؤ، طیارہ شکن توپیں بناؤ، ٹینک بناؤ، میزائل بناؤ، آبدوزیں بناؤ۔ بلکہ آدم سے لے کر تمام انبیاء کرام رضی اللہ عنہم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استاد تھے تو یہ کام بہت پہلے کیا جانا چاہیے تھا۔ خلق خدا کو ایک جانے بوجھے علم سے محروم رکھنا کوئی خوبی نہیں ہے۔ گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی بھیجنے والا ہے، جبریل علیہ السلام پہنچانے والے ہیں، انبیاء علیہم السلام وصول کرنے والے ہیں۔ درمیان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استادی والی بات (معاذ اللہ) سمجھ میں نہیں آتی کیا انبیاء کرام رضی اللہ عنہم نے کہیں اعتراف کیا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے۔

(ج) فرماتے ہیں: ”جب علم غیب کا منکر اپنے دعویٰ پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ لکھی ہے وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو“۔ یہ بہت اچھی بات ہے کاش علم غیب کے مدعی خود بھی اس بات کا خیال رکھ سکتے۔

پہلا باب علم غیب کے ثبوت میں

[۴۱] علم غیب کے ثبوت میں مفتی صاحب نے یہ آیت پیش کی ہے:

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (بقرہ:٣١)

”اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر فرشتوں کے سامنے پیش کیا“۔

پھر چند تفسیری حوالے دے کر فرماتے ہیں: ”ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے“۔ پھر لکھتے ہیں: ”حق یہ ہے کہ یہ علم آدم علیہ السلام میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہے“۔

جب ابلیس نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو یہ کہہ کر ورغلایا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور وہ انھیں دھوکا دینے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا تو کیا مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کے عالم آدم علیہ السلام کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ خبیث ابلیس ہے۔ نیز عرض ہے کیا یہ آیت مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کے علم غیب پر قطعی الدلالت ہے۔ قطعی الدلالت ہونے کے بارے میں مندرجہ بالا ہدایت کیا صرف علم غیب کے منکروں کے لیے ہے۔ یا علم غیب کے حامیوں پر بھی اس کی پابندی عائد ہوتی ہے۔ ﴿الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ سے ضروریات کی تمام چیزوں کا علم مراد ہے، یا ان کو جاننے کی صلاحیت و قابلیت کا علم مراد ہے۔ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کے علم غیب پر اس سے استدلال کرنا ناانصافی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ (ابراھیم:٣٤)

”اور جو تم نے اس سے مانگا وہ سب اس نے تم کو دیا“۔

ظاہر ہے کہ یہاں ضرورت ہی کی ہر چیز مراد ہے۔ ورنہ انسان جو بھی مانگے اسے مل جانا چاہیے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً بریلوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات یہ چاہتے ہیں اوران کی یہ دلی دُعا ہے کہ دنیا سے اہل حق مٹ جائیں اور مکہ مدینہ سمیت ہر جگہ شرک و بدعت کا بول بالا ہو جائے۔ مگران شاء اللہ ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی۔ خود مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی یہاں مِنْ كُلِّ کا ترجمہ "بہت کچھ" کیا ہے۔ ایک طرف مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم دے دیا دوسری طرف فرماتے ہیں کہ علم آدم علیہ السلام میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرّہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسا علم بھی ہے جو مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ سے باہر ہو۔ یعنی معلوم شے کوئی بھی ہو کہیں بھی ہو کب بھی ہو وہ یا اب تک ہو چکی ہے یا آئندہ ہونے والی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم پر بھی مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے اور مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ بھی غیر محدود ہی کو ظاہر کرتا ہے۔

لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا علم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو کجا اللہ تعالیٰ کے برابر ہو گیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھ گیا۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ نے وَعَلَّمَ ارشاد فرمایا ہے تو جس چیز کی تعلیم دے دی جائے کیا اس پر غیب کی تعریف صادق آ سکتی ہے۔ مفتی صاحب نے ص ۳۹ پر خود غیب کی یہ تعریف کی ہے غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃً عقل میں آ سکے۔

مفتی صاحب نے تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ "حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں"۔ کیا اس مبالغہ آمیز گپ کا کوئی حوالہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ علم آدم علیہ السلام میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرّہ ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھلائی گئی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو لازماً اربوں کھربوں زبانیں سکھلائی گئی ہوں گی۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا مجھے یہود پر اعتماد نہیں ہے۔ چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نصف ماہ سے کم مدت میں ان کی زبان سیکھ لی اور اب میں ہی یہود سے خط و کتابت کرتا ہوں۔ (ترمذی باب تعلیم السریانیۃ جلد ۲ ص ۱۰۰ حدیث ۲۷۱۵) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب زبانیں آتی تھیں تو یہود پر بداعتمادی ظاہر کرنے کا کیا مقصد تھا۔

﴿۴۷﴾ قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (بقرہ:۳۰)

"جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

اس کے متعلق ایک تفسیر کا حوالہ دے کر مفتی صاحب فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل سارے انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے"۔ آدم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ اس کا فیصلہ ہم انھیں کے بزرگوں سے کروا لیتے ہیں۔ ان کے امام احمد رضا خان صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا ہے تمہارے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ ان کے مرشد نعیم الدین صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: تمام انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ احکام شریعت میں لکھا ہے اعلیٰ حضرت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔(ص ۱۱)

اب خود ہی سوچ لیں کس کا فیصلہ صحیح ہے۔مفتی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اپنی پیدائش پاک سے قبل موجود نہیں تھے۔ابھی یہ تمام انبیاء کو حضور ﷺ کا شاگرد بھی ثابت فرما چکے ہیں۔(ص ۴۳) تو کیا جو شخص پیدا ابھی نہ ہوا ہو موجود بھی نہ ہو وہ شاگردوں کا استاد ہو سکتا ہے۔اگر انبیاء کرام کو حضور ﷺ کا شاگرد کہا جائے تو آپ کو قبل از پیدائش موجود ماننا پڑے گا اور اگر خلیفہ کہا جائے تو غیر موجود ماننا پڑے گا۔

﴿ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (بقرہ:۲:۱۴۳) ”اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں“۔

اس سے بھی مفتی صاحب نے علم غیب پر استدلال فرمایا ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پہلی اُمتیں اس بات کا انکار کر دیں گی کہ انھیں کسی نبی نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تھا تو اُمتِ محمدیہ گواہی دے گی کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے انھیں تبلیغ فرمائی تھی کیونکہ یہ اُمت موقع کی گواہ نہیں ہوگی اس لیے یہ کہیں گے یا اللہ ہمیں تیرے نبی ﷺ نے یہ بات بتلائی تھی۔تب نبی ﷺ گواہی دیں گے کہ یا اللہ یہ صحیح کہتے ہیں۔بقول مفتی صاحب اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ قیامت تک کے مسلمانوں کے ایمان، اعمال اور نیت سے باخبر ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ نے گزشتہ پیغمبروں اور ان کی اُمتوں کے حالات بنورِ نبوت دیکھے تھے“۔

سوال پیدا ہوتا ہے جب اُمت کی گواہی فقط نبی ﷺ کے بتلانے سے معتبر مان لی جائے گی تو نبی ﷺ کی گواہی اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے کیوں معتبر نہ مانی جائے گی کیا اللہ تعالیٰ کی ثقاہت میں کچھ شبہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ ﷺ کو گزشتہ قوموں کے حالات نہیں بتلائے جو نورِ نبوت سے دیکھنے کی مہمل اصطلاح گھڑ لی گئی۔اس اشکال کا جواب مفتی صاحب نے یوں دینے کی کوشش فرمائی ہے۔

۴۸ آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان دے چکے تھے (ہوں گے) سُنی گواہی کی انتہاء دیکھی گواہی پر ہوتی ہے“۔عرض ہے کہ اُمت کی گواہی نبی ﷺ سے سن کر ہے اور نبی ﷺ کی گواہی اللہ تعالیٰ سے سن کر ہے اور اللہ تعالیٰ چشم دید گواہ ہے:

﴿ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ (النساء:۷۹) ”اور اللہ تعالیٰ کافی گواہی ہے“۔

اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے مفتی صاحب نے تفسیر روح البیان کا حوالہ بھی دیا ہے۔حالانکہ صاحب رُوح البیان شیخ اسماعیل حقی نے اپنا جو صحیح مسلک بیان کیا ہے مفتی صاحب نے وہ ساری عبارت درمیان سے کاٹ کر آخر میں مذکور کسی گمنام کا قول بظاہر صاحب رُوح البیان کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا ہے۔یہ خیانت مجرمانہ ہے۔

جہاں تک نورِ نبوت کا تعلق ہے اگر اس سے علم غیب حاصل ہو جاتا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله)). (عن ابی سعید خدری ترمذی باب تفسیر سورۃ الحجر حدیث ۳۱۲۷) ❶

”لہٰذا ہر مؤمن کو عالم الغیب ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ کا نور نورِ نبوت سے بڑھ کر ہے“۔

۴۹ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرما لیا کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر

حکم: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی تو کافر ہوگی:

﴿وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (نوح:۲۷)

"اوران کے ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار ناشکرے ہوں گے۔"

یہ بھی ان کی بھول اور جہالت اور قرآن سے دوری ہے حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے ہی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی۔

﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (ھود:۳۶)

"نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور اب کوئی ایمان نہیں لائے گا پس تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو۔"

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بعض خاص کافروں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ارشاد فرمایا تھا:

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (بقرہ:۶)

"ان کو برابر ہے تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

بسا اوقات ایسی پیشین گوئیاں تلخ اور طویل تجربوں کے بعد بھی کی جاتی ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں ایک متعصب حنفی مولوی چاہے بریلوی ہو یا دیوبندی اس کا راہِ راست پر آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ویسے اللہ کرے میری یہ پیشین گوئی غلط ثابت ہو اور ان بھائیوں کو صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہو جائے۔ (آمین)

(الف) فرماتے ہیں: "حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا"۔ شاید مفتی صاحب کی نظر اس آیت پر نہیں پڑی:

﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ (الکھف:۸۲) "اور میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا"۔

(ب) ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ (النساء:۴۱) "اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

کے تحت تفسیر نیشاپوری کے حوالہ سے لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام روحوں، دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اول ما خلق الله نوری)).[1] "اللہ تعالیٰ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے"۔

میں پوچھتا ہوں ان کے اپنے ہی بیان کردہ اصول کے مطابق یہ قطعی الدلالت آیت ہے یا حدیث متواتر ہے۔ اس قسم کی موضوع روایتوں پر عقائد کی عمارت استوار کر لینا عقل مندی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ارشاد فرمایا ہے:

((كان الله ولم يكن شيء غيره و كان عرشه على الماء و كتب في الذكر كل شيء و خلق السموات والارض)). (عن عمران بن حصین بخاری ص ۴۵۳ حدیث ۳۱۹۱)

"اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی شے نہ تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ذکر میں ہر شے لکھ دی اور اس نے زمین و آسمان پیدا فرمائے"۔

نیز فرمایا:

تخریج: [1] موضوع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((اول ما خلق الله القلم فقال اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر ما کان وما هو کائن الی الابد)). (عن عبادہ بن صامت ترمذی ابواب القدر حدیث ۲۱۵۵) ❶

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے کہا لکھو، قلم نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھو یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے"۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یوں تطبیق دیتے ہیں کہ عرش اور پانی کے بعد پہلی چیز جو بنائی گئی وہ قلم تھی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۹)

نیز اوّل مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ سے علم غیب پر استدلال بھی صحیح نہیں۔ کیا آپ ﷺ اس لیے عالم الغیب ہیں کہ آپ کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔ تب تو عرش، پانی اور قلم کو بھی عالم الغیب ہونا چاہیے۔ یا آپ ﷺ نور ہونے کی وجہ سے عالم الغیب ہیں تب تو تمام فرشتوں کو بھی عالم الغیب ہونا چاہیے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق انھیں نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ (عن عائشہ مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ حدیث ۷۴۹۵ مشکوۃ باب بدء الخلق ص ۶۰۵)

بریلوی بھائی نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ کی اصطلاح بہت استعمال فرمایا کرتے ہیں۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا نور اللہ کے نور سے جدا ہوا تھا تو میرا خیال ہے انھیں قرآن مجید سے لَمْ یَلِدْ والی آیت نکال دینی چاہیے۔ اور اگر اس سے مخلوق نور مراد ہے تو اس میں آنحضرت ﷺ کے لیے کوئی فضیلت نہیں اربوں کھربوں فرشتے نور ہی نور ہیں جو یقیناً انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل نہیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں: "تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت حضور ﷺ پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، لہٰذا آپ اُمت کو ان کی علامت سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال کو بھی اس لیے آپ گواہی دیں گے"۔ پہلے تو یہ طے ہونا چاہیے کہ ان متضاد تفسیروں میں سے کونسی تفسیر صحیح ہے۔ یعنی آیا آپ ﷺ علم غیب کی وجہ سے گواہی دیں گے یا اوّل مخلوق ہونے کی وجہ سے گواہی دیں گے یا نور ہونے کی وجہ سے گواہی دیں گے یا صبح و شام اعمال پیش ہونے کی وجہ سے گواہی دیں گے۔ یہ آخری تفسیر تو علم غیب کی نفی کرتی ہے۔

﴿۵۰﴾ فرماتے ہیں: "آیت الکرسی میں ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ﴾ سے لے کر ﴿اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ تک تین صفات حضور ﷺ کے بیان ہوئی ہیں"۔ ان لوگوں نے عشق کے جنون میں اللہ تعالیٰ سے اس کی صفات کو بھی چھیننا شروع کر دیا ہے۔ یہ بہت بڑا ڈاکہ ہے۔ اس کی جرأت ان کے اپنے امام مولوی احمد رضا خان صاحب کو بھی نہ ہوئی۔ انھوں نے پوری آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کو ہی مراد لیا ہے۔

مفتی صاحب کے مرشد مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی پوری آیت الکرسی کو اللہ تعالیٰ ہی کے متعلق قرار دیا ہے۔ (حاشیہ کنز الایمان)

خود مفتی صاحب فرماتے ہیں: چونکہ آیت الکرسی میں ربّ کی ذات و صفات ہی مذکور ہیں لہٰذا یہ دیگر آیتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ (تفسیر نعیمی ج ۳ ص ۲۱)

دروغ گورا حافظہ نہ باشد

ترجمہ: "جھوٹے بندے کا حافظہ کمزور ہوتا ہے"۔

اپنی تفسیر نور العرفان حاشیہ کنز الایمان میں بھی مفتی صاحب نے اولاً آیت الکرسی کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دے کر بعد میں یہ

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا کہ یہ جز حضور ﷺ کی نعت بھی ہے۔ اور اس کتاب میں صاف لکھ دیا کہ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ﴾ سے لے کر ﴿اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ تک، تین صفات حضور ﷺ کی بیان ہوئی ہیں۔ اب ان کی کس بات کا اعتبار کیا جائے؟

مفتی صاحب نے اپنے اس مسلک کی تائید میں روح البیان کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، یہ ایک ناقابل اعتماد تفسیر ہے۔ اور پھر صاحب روح البیان نے اسے ایک احتمال کے تحت ذکر کیا ہے۔ اور مفتی صاحب دلائل کے بارے میں پہلے فرما چکے ہیں کہ وہ آیت قطعی الدلالہ ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں۔ (ص ۴۴) اور جو بات بذاتِ خود احتمال ہو اس کی کیا وقعت ہے۔

۵۱ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

"اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔"

اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے"۔ ایک موٹی عقل کا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک بات جب تک کسی کو بتلائی نہ جائے وہ یقیناً غیب ہوتی ہے۔ بتلا دینے کے بعد وہ غیب نہیں کہلا سکتی۔ مثلاً آپ، چند دوستوں میں سے ایک کو منتخب کر کے کوئی پرائیویٹ بات بتلا دیں وہ اس کے لیے غیب نہ رہے گی۔ البتہ دوسروں کے لیے وہ بدستور غیب رہے گی۔ وہ شخص یہ ڈینگ نہیں مار سکتا کہ میں عالم الغیب ہوں کیونکہ مجھے وہ بات معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں۔ کیونکہ اسے وہ بات بتلا دی گئی ہے جو دوسروں کو نہیں بتلائی گئی۔

خود مفتی صاحب نے تفسیر بیضاوی سے نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لیے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی اس کو خبر دیتا ہے"۔ کیا علم غیب اسی کو کہتے ہیں؟ علم غیب تو تب مانا جائے اگر اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مستقل طور پر ایسی صفت کے ساتھ متصف فرما دے کہ پھر انھیں از خود ہر غیبی بات اور مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کا علم ہو جائے اور انہیں راہنمائی کے لیے وحی کی بھی ضرورت نہ رہے۔ مگر اس کے بعد پھر یہ سوال پیدا ہو جائے گا کہ وحی آئے بغیر وہ پیغمبر بھی رہیں گے یا نہیں۔ مفتی صاحب نے خود لکھا ہے بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ (ص ۱۳۷) واقعی عالم الغیب کو وحی کی ضرورت نہیں۔ یہ تحصیل حاصل ہے اور جس پر وحی نازل نہ ہو وہ پیغمبر ہی نہیں لہٰذا ایک بات ماننی پڑے گی یا تو حضور ﷺ کو پیغمبر مانو یا پھر عالم الغیب مانو۔ بیک وقت دونوں کا ماننا اجتماع النقیضین ہے۔ ثابت ہوا کہ علم غیب کا عقیدہ انکارِ نبوت کو مستلزم ہے۔

۵۲ ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (النساء: ۱۱۳) "اور تجھے وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا"۔

اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو تمام آئندہ اور گذشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی کلمہ مَا عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے"۔ اس میں شک نہیں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بہت علم دیا لیکن اس سے مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کے علم غیب پر استدلال کرنا حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (علق: ۵) "وہ ذات جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔

اس آیت میں بھی مَا موجود ہے جو بقول مفتی صاحب عربی زبان میں عموم کے لیے ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ انسانوں کو مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کا علم غیب حاصل نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں: ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ﴾ میں انسان سے مراد نبی ﷺ ہی ہیں۔ مگر سیاق و سباق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مفہوم کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سے پہلے یہ آیت ہے:

﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴾ (علق:٤) ”جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا“۔

نبی ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے۔ بالخصوص اس وقت جب یہ پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ فرمایا:

﴿وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ﴾ (عنکبوت:٤٨)

”اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے“۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (بقرہ:١٥١) ”اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے“۔

کیا نبی ﷺ مسلمانوں کو مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن کا علم غیب سکھلاتے تھے؟

﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُکُمْ﴾ (الانعام:٩١)

”اور تم کو ایسی بہت سی باتیں سکھائی گئی ہیں جن کو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے“۔

کیا یہ مخاطب اور ان کے آباء واجداد سب عالم الغیب ہی تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وَاٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (المائدہ:٢٠) ”اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہ دیا“۔

تو کیا اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر وہ شے انہیں دے ڈالی جو اور کسی کو نہ دی تھی؟ بقول مفتی صاحب مَا کا مطلب تو ان آیتوں میں یہی ہونا چاہیے۔

۵۳ ﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (الانعام:٣٨) ”ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی“۔

اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں۔ اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن و لوح محفوظ حضور ﷺ کے علم میں“۔ اگر سارے حالات کی بات ہے تو یہاں کتاب سے صرف لوح محفوظ ہی مراد ہوسکتی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ اور اگر قرآن ہی کو مراد لیا جائے تو پھر مِنْ شَیْءٍ سے دین اور ہدایت کی باتیں ہی مراد ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ اسی آیت کے شروع میں جانوروں اور پرندوں کا تذکرہ ہے لیکن ان میں سے بہتوں کا نام قرآن پاک میں مذکور نہیں۔ جانور اور پرندے تو ایک طرف رہے نبی ﷺ کو تو بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی نہیں بتلایا گیا۔ فرمایا:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ﴾ (النساء:١٦٤)

”اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان رسولوں کا جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا“۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت کو بے اثر بنانے کے لیے مفتی صاحب اپنی تفسیر نور العرفان حاشیہ کنزالایمان میں فرماتے ہیں: ”اس آیت میں ذکر فرمانے کی نفی ہے نہ کہ علم دینے کی۔ حضور ﷺ کو سارے پیغمبروں کا علم دیا گیا۔ ان سب نے معراج کی رات حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ﴾ (هود:١٢٠) ”اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں“۔ (ترجمہ کنزالایمان)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے بعض پیغمبروں کے تفصیلی حالات قرآن میں بیان فرمادیئے اور بعض کے اب تک بیان نہ فرمائے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ آئندہ بھی بیان نہ کریں گے۔ لہٰذا وہابی اس سے دلیل نہیں پکڑ سکتے"۔ ذرا مفتی صاحب کی تفسیر فہمی ملاحظہ ہو، سارے پیغمبروں کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے مفتی صاحب نے دو ثبوت دیئے ہیں۔ ایک واقعہ معراج اور دوسرا سورۃ مومن کی آیت۔ واقعہ معراج بھی مکی ہے اور سورۃ مومن بھی مکی ہے اور سورہ نساء جس میں نفی کا ذکر ہے وہ مدنی ہے۔ اگر معراج کے موقع پر اور سورۃ مؤمن کی آیت کے مطابق نبی ﷺ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے تفصیلی حالات معلوم ہو چکے تھے تو کئی سال بعد نفی کرنے کا کیا مطلب؟ نبی ﷺ نے شب معراج اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو نماز پڑھائی تھی تو کیا آپ ﷺ نے ان کے تفصیلی حالات بھی جان لیے تھے؟ کیا ایسا ہونا ممکن بھی ہے؟ اگر ممکن ہے تو سورہ یوسف جو واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی اس میں یہ آیت کیسے نازل ہوگئی؟

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ۖ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝﴾ (یوسف: ۳)

"ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا ہے، اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے"۔

مفتی صاحب سورۂ نساء کی آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: اس میں ذکر فرمانے کی نفی ہے نہ کہ علم دینے کی۔ مگر سورہ یوسف کی آیت ﴿إِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ سے معلوم ہوا صرف ذکر کی نفی نہیں بلکہ علم کی بھی نفی تھی۔ نیز یہ بات ہے اگر اللہ تعالیٰ نے آپ سے ذکر نہیں کیا تھا تو آپ کو علم کیسے ہو جاتا تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ بریلوی حضرات عطائی علم غیب کے قائل ہیں یا ذاتی علم غیب کے؟ مفتی صاحب نے **وکلا نقص** سے جو کچھ سمجھا ہے وہ بھی صحیح نہیں اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے پیغمبروں کے تفصیلی حالات بتلا دیئے یا بتلا دینے تھے بلکہ ﴿مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ﴾ میں ﴿مِنْ﴾ تبعیضیہ ہے۔ (جامع البیان وغیرہ) اور آگے یہ الفاظ ہیں: **ما نثبت به فؤادك**۔

آیت کا مطلب یہ ہوا پیغمبروں کے بعض حالات کے بارے میں جتنے بھی واقعات ہم تم سے بیان کرتے ہیں وہ (**کلا**) سب اس لیے ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں۔ یعنی **کلا** کا مطلب سب پیغمبر نہیں ہیں بلکہ وہ سب واقعات ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہوئے۔ حضرت معاویہ بن حکم نے نبی ﷺ سے متعدد جاہلی باتوں کے بارے میں سوالات کیے ایک سوال یہ تھا کہ ہم میں سے کچھ لوگ (قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے) لکیریں کھینچتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

((**كان نبي من الانبياء يخط فمن وافق خطه فذاك**)). (مسلم ج۱ ص ۲۰۳ عن معاویہ بن حکم حدیث ۱۱۹۹، مشکوۃ باب ما لا یجوز من العمل فی الصلوۃ ص ۹۰)

"ایک نبی خط کھینچتے تھے پس جس کا خط ان کے موافق ہو گیا وہ درست ہے"۔

اس سے ثابت ہوا نبی ﷺ کے پاس لکیریں کھینچنے کا یہ علم نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اپنی اُمت کو اس سے محروم نہ رکھتے۔ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝﴾ یہ علم لوحِ محفوظ میں یقیناً ہوگا۔ لہٰذا دو باتیں معلوم ہوگئیں۔ ایک تو یہ کہ یہ علم قرآن پاک میں نہیں دوسرے یہ کہ یہ علم لوحِ محفوظ میں ہے مگر نبی ﷺ اس سے واقف نہیں۔ اب مفتی صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا کہ سارے علوم قرآن میں ہیں یا لوحِ محفوظ حضور ﷺ کے علم میں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۴ ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام:۵۹)

"اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب کتاب مبین میں ہیں"۔

اس کے متعلق فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں ہر خشک و تر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور لوحِ محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ ان سب کو محیط ہے۔لہٰذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ کے دریا کے قطرے ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ اگر فرشتے لوحِ محفوظ کو جانتے ہیں تو پھر انھیں اللہ تعالیٰ سے خلیفہ کے بارے میں استفسار کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ اسے پیدا فرمائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ (بقرہ:۳۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو علم دیا تھا کیا وہ لوحِ محفوظ میں درج نہیں تھا، جو فرشتے اس سے آگاہ نہ تھے اور انھیں یہ کہنا پڑا:

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ (بقرہ:۳۲)

"اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے"۔

یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار برس پہلے لکھ دی ہوئی ہے۔(عن عبداللہ بن عمرو بن عاص مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ حدیث ۶۷۴۸، مشکوۃ باب الایمان بالقدر ص ۱۹)

پھر ان کا یہ فرمانا کہ لوحِ محفوظ کو اللہ کے خاص بندے بھی جانتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں ذرا ان خاص بندوں کی نشاندہی تو فرمائی جائے تاکہ ہم بھی ان سے نیاز حاصل کریں۔کہیں یہ سارے "وصال" ہی تو نہیں فرما گئے۔مولوی احمد رضا خان صاحب مولوی نعیم الدین صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب بھی تو اللہ کے خاص بندے تھے کیا یہ لوحِ محفوظ پڑھے ہوئے تھے۔ممکن ہے واقعی پڑھے ہوئے ہوں اور آج بھی جتنے بڑے بڑے حضرت اور پیرانِ طریقت نظر آرہے ہیں ہوسکتا ہے ان سب نے بھی لوحِ محفوظ کو پڑھ ڈالا ہو مگر بطور انکسار اور تواضع اس کا دعویٰ نہ فرماتے ہوں، کیونکہ اگر ان خاص بندوں کو لوحِ محفوظ کا علم نہ ہو تو پھر اور کس کو ہوگا۔ نیز عرض ہے اگر ان کے خاص بندے کھربوں میل دور آسمانوں پر موجود لوحِ محفوظ پڑھ سکتے ہیں تو کیا یہ اپنے قدموں کے نیچے چند فٹ کے فاصلے پر خزانوں کا پتہ نہیں لگا سکتے تاکہ قوم کا فائدہ ہوجائے اور جگہ جگہ بے کار کھدائیاں نہ کرنی پڑیں۔

تجربے سے تو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ان کے خاص بندوں کو تھالی میں چاولوں کے نیچے پڑی ہوئی شکر بھی نظر نہیں آتی۔ ذرا یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے: "آپ کے نزدیک پڑھا لکھا کون ہوتا ہے؟" بابا یوسف شاہ نے جواب دیا: "ہمارے نزدیک تو پڑھا لکھا وہ ہوتا ہے جو نظر اُٹھا کر لوحِ محفوظ کو پڑھ لے اور اگر چاہے تو اپنی طرف سے کچھ لکھ بھی دے"۔ یہ جواب سن کر سب کی نظریں ادب سے جھک گئیں۔ بابا یوسف صاحب نے پڑھے لکھے کی یہ تعریف اس لیے فرمائی کہ وہ بابا تاج دین کے تصرفات کو رات دِن اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے تھے۔

بابا تاج دین صاحب ایک نظر اُٹھا کے لوحِ محفوظ کی تحریر پڑھ لیتے تھے اور کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے اس میں کچھ اضافہ بھی فرما دیتے تھے جیسے وہ کوئی بہت غیر اہم کام ہو۔(روزنامہ جنگ لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء جمعہ میگزین)

اس مضمون کی روشنی میں جتنے بھی بریلوی علماء و مشائخ ہیں اللہ جانے ان میں کوئی پڑھا لکھا بھی ہے یا نہیں یا سب اَن پڑھ ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔لوح محفوظ نہ ہوئی کسی دفتر کی فائل ہوگئی۔افسوس ہے ایسے عقیدے رکھنے والوں پر اور صد افسوس ہے ان اخبار والوں پر جو اپنا اخبار بیچنے کے لیے اور لوگوں کے عقائد خراب کرنے کے لیے اس قسم کے لچر مضامین شائع کر دیتے ہیں۔ مُلا علی قاری رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں جب علم وعمل کے ذریعے کسی کی نورانیت ترقی کر جاتی ہے تو اس کے دل پر لوحِ محفوظ کے نقوش منعکس ہونے لگتے ہیں اور وہ غیب پر مطلع ہونے لگتا ہے اور اسے اجسامِ عالم میں تصرف کی صلاحیت بھی حاصل ہو جاتی ہے... الخ۔(مخلص مرقات ج ۱ ص ۶۲)

جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے انبیاء کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنے کو کفر کہا ہے۔(شرح فقہ اکبر ص ۱۳۷) پھر نہ جانے اس قسم کی مشرکانہ باتیں اُنھوں نے کیسے لکھ دیں۔

مفتی صاحب کا لوحِ محفوظ سمیت مخلوق کے تمام علوم کو علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا کا قطرہ کہنا بھی عجیب بات ہے۔آخر وہ کون سے علوم ہیں جن کا ذکر لوحِ محفوظ میں بھی نہیں اور جن پر علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محیط ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو ہر شے لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے۔علم کا یہ دریا نہ جانے کہاں بہہ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کو تو نظر نہ آیا مگر اس پر ان بریلویوں کی نظر پڑ گئی۔

﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (یونس:۱۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے"۔

﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ﴾ سے علم غیب پر استدلال کرنے سے پہلے کاش مفتی صاحب نے اسی آیت کے شروع حصے پر غور کر لیا ہوتا۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ (الانعام:۵۹)

"اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام چابیاں غیب کی ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے"۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل:۸۹)

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے"۔

﴿وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ (یونس:۳۷)

"اور احکامِ ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اس میں کوئی بات شک کی نہیں"۔

﴿وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ (یوسف:۱۱۱)

"کھول کھول کر بیان کرنے والا ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت ہے"۔

ان آیات کے بارے میں مفتی صاحب کا خیال ہے کہ "قرآنِ کریم میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اس میں احکامِ شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔قرآن میں سارے لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے"۔یہ باتیں لکھ کر مفتی صاحب رحمہ اللہ نے منکرین حدیث کو تقویت پہنچائی ہے۔وہ کہتے ہیں جب قرآن میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے تو پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔بلکہ سچی بات یہ ہے کہ یہ لکھ کر اُنھوں نے اپنی تقلید پر بھی کلہاڑا چلا دیا ہے۔یہی محترم تقلید کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مجتہد کے قیاس کے بارے میں رقم فرماتے ہیں:"یعنی ایک مسئلہ درپیش آ گیا جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے..... الخ"۔(ص ۳۶) سوال یہ ہے کہ جب قرآن پاک میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے تو مفتی صاحب کے الفاظ میں (ص ۳۱) وہ کیسے غوطہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زن ائمہ دین ہیں کہ جنہیں فقہ حنفی کے لاکھوں مسائل کا ثبوت قرآن پاک تو کجا حدیث شریف میں بھی نہیں ملتا۔ ماننا پڑے گا یا تو قرآن پاک میں ہرادنیٰ واعلیٰ کی تفصیل موجود نہیں یا پھران کے مجتہد ناقص غوطہ زن ہیں۔ بلکہ قرآن پاک میں ہر شے کی تفصیل کے متعلق ان کا دعویٰ صرف احکام شرعیہ کے بارے میں نہیں تمام علوم کے بارے میں ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو مسلمانوں کو نت نئی ایجادات کے لیے عیسائی سائنسدانوں کا مرہونِ منت نہ ہونا پڑتا اور نہ اتنی صدیاں انتظار کرنا پڑتا۔ ہمارے بریلوی غوطہ زنوں نے بدعتیں تو بہت ایجاد کی ہیں مگر سائنسی کارنامہ ایک بھی انجام نہ دے سکے۔

اصل میں ان آیاتِ مذکورہ بالا سے بقدرِ ضرورت ہر شے کی تفصیل مراد ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۱۵۴)

"پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے"۔

﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف: ۱۴۵)

"اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی"۔

ظاہر ہے تورات میں دین و دنیا کی ہر تفصیل موجود نہیں تھی کیونکہ دین نبی ﷺ پر مکمل ہوا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (المائدہ: ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی"۔

روزِ محشر جب برے لوگوں کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تو کہیں گے:

﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (حم السجدہ: ۲۱)

"ہمیں اس اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی"۔

حالانکہ ہر شے نہیں بولتی بلکہ مطلب یہ ہے تمام وہ مخلوق جنہیں اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی بخشی ہے۔

۵۵ ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾ (الرحمٰن: ۱ تا ۴)

"رحمٰن نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا"۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کی تقلید میں مفتی صاحب نے ان آیات کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔ رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا کیا مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کا بیان اس کو سکھایا۔

یہ ترجمہ کذب بیانیوں کا مجموعہ ہے۔ بھلا کوئی پوچھے اپنے محبوب کو یا بجائے انسان کے انسانیت کی جان محمد ﷺ کو اور مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ ہے یا تحریف ہے۔ پھر اگر بعض اسلامی ممالک نے اس ترجمہ پر پابندی لگا دی ہے تو کیا خطا کی ہے۔ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے رافضیوں کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے:

((ان الامام یعلم کل شیء ما کان و ما یکون من امر الدنیا والدین حتی عدد الحصی و قطر الامطار و ورق الاشجار)). (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۹۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"امام دین و دنیا سے متعلق مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن کا سارا علم جانتا ہے۔ اس کنکر، بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد تک کا علم ہوتا ہے"۔

﴿۵۶﴾ ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ (القلم:۲) "تو اپنے ربّ کے فضل سے دیوانہ نہیں"۔

روح البیان کے حوالے سے مفتی صاحب اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں جو ازل میں تھیں اور جو ابد تک ہوں گی۔ کہتے ہیں اس آیت سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔ ان کے مرشد مولوی نعیم الدین صاحب اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں اس میں کفار کے اس مقولہ کا ردّ ہے جو انھوں نے کہا تھا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (الحجر:۶)

"اے وہ شخص جس پر قرآن اُتارا گیا ہے یقیناً تو کوئی دیوانہ ہے"۔

تو کیا کفار کے مجنون کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کے متعلق کفار کے اس الزام کا ذکر متعدد مقامات پر ہے:

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ (الصفت:۳۶)

"اور کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں"۔

﴿وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ﴾ (دخان:۱۴) "اور انھوں نے کہہ دیا کہ سکھایا پڑھایا ہوا باؤلا ہے"۔

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (القلم:۵۱) "اور کہتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے"۔

یہ لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جیسے:

﴿وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ (الذاریات:۳۹) "اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے"۔

بلکہ ہر پیغمبر کے لیے استعمال ہوا ہے:

﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ (الذاریات:۵۲)

"اس طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انھوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے"۔

ان سب مقامات پر مولوی احمد رضا خان نے ترجمہ دیوانہ یا عقل سے دُور کیا ہے۔

مفتی صاحب روح البیان سے اپنے مطلب کی تفسیر نقل کر دیتے ہیں جو صاحب روح البیان نے کسی کے قول کے طور پر ذکر کی ہوتی ہے۔ ورنہ علم غیب کے متعلق ان کا اپنا مسلک یہ ہے:

﴿۵۷﴾ وعنه عليه السلام مفاتيح الغيب خمسٌ و تلا هذه الاية فمن ادعى علم شيء من هذه المغيبات الخمس فهو كافر بالله تعالى. (روح البیان ج۷ ص۱۰۲)

"نبی ﷺ سے مروی ہے غیب کی چابیاں پانچ ہیں، پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس جو شخص ان پانچ غیبوں میں سے کسی شے کو جاننے کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے"۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: علم غیب کلی ثابت ہوا۔ حالانکہ ان کے مولوی احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں عطائے الٰہی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی بعض علم ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔ (خالص الاعتقاد ص ۱۲۳)

۵۸ ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ﴾ (توبہ: ۶۵)

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے ہم تو یوں ہی بس آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے"۔

اس آیت کے تحت فرماتے ہیں معلوم ہوا حضور ﷺ کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جسے قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔ مفتی صاحب کو ہر بات خواہ مخواہ معلوم ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں کہیں بھی ذکر نہیں کہ منافقین نے حضور ﷺ کے علم غیب کا انکار کیا تھا جس کی وجہ سے انھیں قرآن نے کافر قرار دے دیا۔ البتہ یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ دین کا مذاق اڑانا کفر ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے باطل کا نام حق رکھ کر اپنی اس کتاب میں دین کا مذاق اڑایا ہے اور عوام کو دھوکا دیا ہے۔

۵۹ ﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ (الجن: ۲۶، ۲۷)

"اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے"۔

اس کے تحت فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ ﷺ سے باقی رہ گئی"۔ حالانکہ یہاں قیامت کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔ اس سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ۝ ﴾ (الجن: ۲۵)

"فرماؤ میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا"۔ (کنز الایمان)

مفتی صاحب کے مرشد نعیم الدین صاحب اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں "یعنی وقت عذاب کا علم غیب ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانے"۔ اس پہلی آیت سے قیامت بھی اگر مراد لی جائے تو اس علم کی تو نبی ﷺ کی طرف سے صریحاً نفی کرادی گئی۔ بقول مفتی صاحب اگر برگزیدہ رسولوں کو قیامت کا علم ہوتا ہے تو پھر معاذ اللہ نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کے مطابق آپ کو علم نہیں تھا کہ قیامت قریب ہے یا دُور۔

مفتی صاحب نے مولوی احمد رضا خان صاحب کی تقلید میں آیت مذکورہ کا ترجمہ یہ نقل کیا ہے "تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔ یہ انھوں نے مکھی پر مکھی ماری ہے یُظْهِرُ غائب کا صیغہ ہے حاضر کا نہیں ہے۔ نیز یُظْهِرُ کا معنی مسلط کرنا بھی خوب ہے۔ یہ اظہار سے ہے جس کے معنی خبردار کرنے اور مطلع کرنے کے ہیں۔ اس مضمون کی آیت پہلے بیان ہو چکی ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

"اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمھیں غیب سے آگاہ کردے بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے"۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر اور خواجہ حسن نظامی رحمہم اللہ وغیرہ کسی نے بھی تسلط والا ترجمہ نہیں کیا۔

المنجد میں ہے:

((اظهره على عدوه جعله يغلبه اظهره على السر اطلعه))۔ "اسے دشمن پر غالب کیا، اسے راز پر مطلع کیا"۔

تو اگر تسلط ترجمہ کرنا ہو تو پھر لغت کی رُو سے علم غیب کو حضور ﷺ کا دشمن تصور کرنا پڑے گا کیونکہ تسلط یا غلبہ دشمن پر ہوتا ہے۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ ﴾ کے تحت یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ جس بات کی اطلاع دے دی جائے وہ غیب نہیں کہلاتی۔ کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی دلیل ہونی چاہیے جس سے یہ ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو علم غیب کی صفت سے متصف فرما دیا تھا۔

۶۰ ﴿ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴾ (النجم: ۱۰) "پس اس نے اللہ کے بندے کو پیغام پہنچایا جو بھی پہنچایا"۔

اس کے تحت لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ "معراج میں حضور ﷺ کو وہ وہ علوم عطا ہوئے جن کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں، مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن تو صرف بیان کے لیے ہے ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا کی ہوئی"۔

گزارش ہے کہ سورہ نجم کی یہ آیات سرے سے واقعہ معراج کے بارے میں ہیں ہی نہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((ان محمدًا صلی الله علیه و سلم رأی جبرئیل له ست مائة جناح)). (بخاری ۷۲۰ حدیث ۴۸۵۷)

"نبی ﷺ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو دیکھا جن کے چھ سو پر تھے"۔

ترجمہ جاننے والے اصحاب سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ جس کو نبی ﷺ نے دیکھا وہ اُفق اعلیٰ میں تھا۔ اُفق اس مقام کو کہتے ہیں جہاں زمین و آسمان کے کنارے ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ اُفق تک اتر آیا ﴿ فَتَدَلّٰی ﴾ تھا اور وہ ﴿ قَابَ قَوْسَیْنِ ﴾ تک پہنچ گیا تھا۔ معاذ اللہ۔ اُفق میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کا صراحت کے ساتھ ذکر سورہ تکویر میں بھی ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ... وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴾

"بے شک یہ عزت والے فرشتے کا قول ہے.... آپ ﷺ نے اسے اُفق مبین میں دیکھا"۔

ان آیات سے سارے شبہے ختم ہو جاتے ہیں۔ ﴿ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴾ کا مفہوم دو طرح سے بیان کیا گیا ہے:

① جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔

② اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی معرفت اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔

وحی کیا تھی شیعہ کہتے ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے کے بارے میں تھی۔ بریلویہ کہتے ہیں یہ علم غیب کے بارے میں تھی۔ نبی ﷺ سے ان دونوں باتوں کی تصدیق ثابت نہیں۔ شاید حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان لوگوں کو الگ سے کچھ بتلا دیا ہوگا۔ مگر یہ عجیب بات ہے جبرائیل علیہ السلام نے شیعہ کو کچھ اور بتلایا اور بریلویہ کو کچھ اور بتلا دیا۔ ان لوگوں نے قرآن پاک کی آیت کو رنگ برنگی بولی بنا دیا ہے۔ یعنی اپنے مذاق کے مطابق کوئی جو مرضی سمجھ لے۔

ویسے معراج کی رات نبی ﷺ کو جو عطا ہوا تھا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق یہ تین چیزیں تھیں:

① پانچ نمازیں ② سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ③ اور جو شرک نہ کرے اس کے گناہوں کی بخشش۔ (مسلم ج۱ حدیث ۴۳۱ ص ۹۷، مشکوٰۃ باب المعراج ص ۵۲۹) اس فہرست میں مفتی صاحب کے عطا کردہ علوم غیبیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۶۱ ﴿ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴾ (تکویر: ۲۴) "اور پوشیدہ باتوں کے بتلانے پر بخیل بھی نہیں"۔

اس کے تحت مفتی صاحب لکھتے ہیں: یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو علم غیب ہو اور حضور ﷺ لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہیں۔ عرض ہے اگر اللہ تعالیٰ کے بتلا دینے کے بعد بھی غیب غیب ہی رہتا ہے تو پھر سارا جہان ہی عالم الغیب ہے کیونکہ ایک دوسرے کو بتلا دینے کی وجہ سے یہ غیبی مذہب تو سب تک پہنچ گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ (الکھف: ٦٥) "اور اسے اپنی طرف سے علم سکھا رکھا تھا"۔

مفتی صاحب نے کنز الایمان سے اس کا یہ ترجمہ نقل فرمایا ہے اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو پھر اس کے تحت لکھتے ہیں: "معلوم ہوا ربّ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آیا کہ حضور ﷺ کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوقِ الٰہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں"۔

بریلوی حضرات کا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ بقول ان کے علم لدنی علم باطن کو کہتے ہیں جو علم شریعت سے الگ چیز ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام ولی اللہ تھے اور یہ علم لدنی یا علم باطن تمام اولیاء کے پاس ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت خضر علیہ السلام کے لیے شریعت کی مخالفت جائز تھی اسی طرح اولیاء کے لیے بھی جائز ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

مفتی صاحب اپنی تفسیر نور العرفان میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں طریقت والے کبھی خلاف شرع کریں تو اس کی کوئی خفیہ وجہ ضرور ہوتی ہے۔ دراصل وہ کام خلافِ شرع نہیں ہوتا۔ اس لیے جلد ان سے بدظن نہ ہونا چاہیے۔

اس عقیدے کا اظہار مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی اس آیت کے حاشیہ میں کیا ہے، فرماتے ہیں: "جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لیے خاص فرمایا وہ علم باطن و مکاشفہ ہے اور یہ اہل کمال کے لیے باعثِ فضل ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ صدیق کو نماز وغیرہ اعمال کی بناء پر صحابہ پر فضیلت نہیں بلکہ ان کی فضیلت اس چیز سے ہے جو ان کے سینہ میں ہے یعنی علم باطن و اسرار کیونکہ جو افعال صادر ہوں گے وہ حکمت سے ہوں گے اگرچہ بظاہر خلاف معلوم ہوں"۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کون سا عمل شریعت کے خلاف تھا کیا ان سے بڑھ کر بھی دنیا میں کوئی متبع سنت ہوا ہے؟ کچھ تو خدا کا خوف کیجیے۔ اولیائے کرام کے لیے شریعت کی مخالفت کے جواز کا تصور صرف جاہل صوفیاء میں پایا جاتا ہے اہل علم صوفیاء نے اسے جائز نہیں رکھا۔ (روح المعانی ج ١٦ ص ١٦ تا ١٨)

میرے بھائی علم لدنی ایک بے معنی اصطلاح ہے لدن ظرف ہے اور عند (پاس) کے معنی میں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اسے اپنے پاس سے علم دیا۔ وہ علم بے شک علم موسیٰ علیہ السلام سے الگ تھا لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ کسی خاص علم کو یا کسی خفیہ علم کو یا کسی باطنی علم کو علم لدنی کہا جاتا ہے۔ صرف اس لیے کہ آیت میں لفظ لدنا استعمال ہوا ہے غلط بات ہے۔ علم شریعت بلکہ ہر علم اللہ ہی کے پاس سے ملا ہے۔ بلکہ کائنات کی ہر شے اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اسی کی پیدا کردہ ہے لہٰذا سارا جہان لدنی ہوا۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾ (ھود: ١)

"یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے"۔

اس سے معلوم ہوا قرآن وحدیث دونوں لدنی ہیں۔

﴿ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ (آل عمران: ٨) "اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما"۔

﴿ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ (آل عمران: ٣٨) "مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما"۔

﴿ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴾ (النساء: ٧٥) "اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے"۔

﴿ وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء: ٦٧) "اور تب تو ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں گے"۔

﴿ يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ (القصص: ٥٧)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”جہاں تمام چیزوں کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے جو بطورِ رزق کے ہیں“۔

﴿لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ (الکھف:۲) ”تا کہ اپنے پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے“۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رحمت بھی لدنی ہے اولاد بھی لدنی ہے..... حمایتی بھی لدنی ہے۔ ثواب بھی لدنی ہے رزق بھی لدنی ہے بلکہ عذاب بھی لدنی ہے۔ اگر یہ سب لدنیات اولیاء کے ساتھ خاص ہیں تو پھر ہم اولیاء کے لیے علم لدنی کے بھی قائل ہو جائیں گے۔ مفتی صاحب نے ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾﴾ کا کنز الایمان سے جو ترجمہ نقل کیا ہے یعنی اوران کو اپنا علم لدنی عطا کیا بالکل غلط ہے یہ ترجمہ تب صحیح ہوتا اگر عبارت یوں ہوتی و اتيناه علمنا اللدنى صحیح ترجمہ یہ ہے اور ہم نے اسے اپنے پاس سے علم سکھلایا۔ اس ترجمہ میں لدنیت کا کوئی چستانی تصور نہیں پایا جاتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ (لقمان:۱۲) ”اور یقیناً ہم نے لقمان (علیہ السلام) کو حکمت دی تھی“۔

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کیا تھے نبی تھے یا ولی تھے یا ہاروت ماروت کی طرح فرشتے تھے۔ فرشتہ ہونے کو اس بات سے تقویت ملتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((انما سمی خضرا لانه جلس علی فروة بيضاء فاذا هی تهتز من خلفه خضراء)). (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۴۸۳ حدیث ۳۴۰۲)

”انھیں خضر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ سرسبز ہو کر لہرانے لگی“۔

بچھڑے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں سامری نے کہا تھا:

﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ (طٰہٰ:۹۶)

”میں نے وہ شے دیکھی جو دوسروں نے نہ دیکھی پس میں نے فرشتہ کے قدموں سے ایک مٹھی حاصل کر لی“۔

اس کے تحت اپنی تفسیر میں مفتی صاحب فرماتے ہیں (جبرائیل علیہ السلام کی) گھوڑی کی ٹاپ سے گھاس آ گئی۔ لوگوں نے نہ دیکھی صرف سامری نے دیکھی۔

نیز بات یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا علم اگر موسیٰ علیہ السلام کے خلاف تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم ظاہری تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کا علم باطنی تھا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شریعت اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس طریقت تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم تشریعی تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کا علم تکوینی تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھلایا تھا۔ کیا کسی ولی کو بھی علم تکوینی کا دعویٰ ہے۔ اگر ہے تو حضرت خضر علیہ السلام کی طرح کسی بچے کو قتل کر کے دکھلائے۔ مفتی صاحب اپنی تفسیر نور العرفان میں فرماتے ہیں خیال رہے کہ خوف کفر پر قتل کر دینا اب کسی ولی یا عالم کو جائز نہیں یہ حضرت خضر علیہ السلام کی خصوصیات میں سے تھا“۔ یہ خصوصیت اسی لیے ہے کہ وہ علم اور اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہی نہیں ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ سے کیا تھا نہ کہ اپنے علم باطن کی بناء پر۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ”تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے“۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے تحت مفتی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا تھا آپ نے اس ہی علم سے فرمایا کہ تم صبر نہ کرسکو گے اور ایسا ہی ہوا۔ آپ کا یہ فرمان اندازے اور تخمینے سے نہ تھا بلکہ علم الیقین سے تھا"۔

مگر اس سے متصل اگلی آیت مفتی صاحب کے مفروضے کی تردید کرتی ہے:

﴿وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾

"اور اس بات پر کیونکر صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں"۔ (کنز الایمان)

﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ کے تحت مفتی صاحب کے استاد مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: "حضرت خضر علیہ السلام نے یہ اس لیے فرمایا کہ جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام امورِ منکرہ و ممنوعہ دیکھیں گے اور انبیاء سے ممکن ہی نہیں کہ وہ منکرات دیکھ کر صبر کرسکیں"۔ کیا یہ علم غیب ہے؟ یعنی مولوی نعیم الدین صاحب اسے علم غیب نہیں سمجھتے جب کہ مفتی صاحب نے اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہوئے اسے علم غیب سمجھا ہے۔ حالانکہ اسی مقام پر مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے: استاد کا ادب کرنا ضروری ہے۔ استاد کی بات پر اعتراض نہ کرنا چاہیے"۔ ﴿لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہیں تھے۔

مفتی صاحب کا دعویٰ ہے کہ انبیاء اور اللہ کے خاص بندے علم غیب جانتے ہیں مگر دورانِ سفر میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

((انك على علم من علم الله علمكهٔ الله لا اعلمه و انا على علم مِنْ علمِ اللهِ علمينه الله لا تعلمه)).

(عن ابی بن کعب بخاری ص ۶۹۰ حدیث ۴۷۲۷)

"ایک علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا جسے میں نہیں جانتا اور ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا جسے آپ نہیں جانتے"۔

اس سے ہر دو حضرات کے علم غیب کی نفی ہوگئی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو تین واقعات رونما کیے کیا ان کا ذکر لوح محفوظ میں نہیں تھا اور کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوحِ محفوظ کو نہیں پڑھا تھا جو اتنے حیران ہوئے اور بے صبری کا مظاہرہ فرمایا۔ بلکہ نبی علیہ السلام نے بھی فرمایا:

((وددنا ان موسٰی کان صبر حتّٰی یقص الله علینا من خبرهما)). (عن ابی بن کعب بخاری ص ۶۸۸ حدیث ۴۷۲۵)

"کیا اچھا ہوتا اگر موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مزید واقعات بیان فرماتا"۔

(تو کیا نبی ﷺ نے بھی لوح محفوظ کو نہیں پڑھا تھا جو آپ ﷺ نے بھی یہ اشتیاق ظاہر فرمایا۔ اگر حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں عالم الغیب تھے تو کیا وجہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی ملاقات کو آئے تو انھیں ان سے اپنا تعارف کروانا پڑا بلکہ اس سے پہلے جب اللہ تعالیٰ نے ان سے ملنے کو کہا تو پوچھا یا اللہ ان سے کہاں ملاقات ہوگی۔ اور مقامِ ملاقات سے آگے نکل گئے اور پلٹ کر واپس آنا پڑا۔ کیا عالم الغیب کی یہی شان ہوتی ہے)۔

۶۲ ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام: ۷۵)

"اور ہم نے اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں"۔

مفتی صاحب نے اس کا رضا خانی ترجمہ یہ فرمایا ہے اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ ترجمہ میں تھے کی بجائے ہیں کا لفظ ظاہر کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ اب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی بادشاہی دکھلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا ہے۔ اگلے الفاظ یہ ہیں: ﴿وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾ اس کا رضا خانی ترجمہ یہ ہے: "اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے"۔ تو کیا ابھی تک حضرت ابراہیم علیہ السلام عین الیقین والوں میں سے نہیں ہوئے۔ پھر انھوں نے ساری کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔ نہ جانے یہ ساری کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

﴿٦٣﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "معلوم ہوا ازعرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی۔ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آ گئی۔ لہٰذا مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا۔ علم ابراہیم علیہ السلام اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور ﷺ کے علم کے دریا کا قطرہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیکھنے کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ صرف ستارے، چاند اور سورج کے متعلق ہے مگر مفتی صاحب نے انھیں ازعرش تا تحت الثریٰ دکھلا دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے نوجوانوں کی شکل میں آئے اور آپ نے بطورِ مہمان نوازی ان کی خدمت میں بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا تو آگے قرآن پاک میں ہے:

﴿فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝﴾ (هود: ٧٠)

"پس جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں پہنچتے ان کو اوپری سمجھا اور جی ہی جی میں ان سے ڈرنے لگا، بولے ڈریئے نہیں ہم قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں"۔ (کنزالایمان)

سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو پہچانا کیوں نہیں؟ اور آپ ان سے ڈرے کیوں؟ کیا یہ واقعہ لوحِ محفوظ میں نہیں لکھا تھا اور کیا یہ واقعہ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن سے خارج تھا۔ اس واقعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام علم غیب تو کجا علم حاضر سے بھی پوری طرح آشنا نہ تھے۔ مفتی صاحب نے لفظ ملکوت کا بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ﴾ (الاعراف: ١٨٥)

"کیا لوگوں نے دیکھا نہیں زمین و آسمان کی بادشاہی میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے"۔

تو کیا سب لوگ ازعرش تا تحت الثریٰ مخلوق کے اعمال لوحِ محفوظ اور مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کے حافظ ہو گئے۔ پتہ نہیں جب مفتی صاحب یہ کتاب لکھ رہے تھے تو اس وقت ان کی عقل شریف کہاں چرنے چلی گئی تھی۔

﴿٦٤﴾ ﴿لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ (یوسف: ٣٧)

"تمھیں جو کھانا دیا جاتا ہے میں تمھیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا"۔

مفتی صاحب ہر جگہ رضا خانی ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ مگر اس جگہ نقل نہیں کیا۔ کیونکہ جو بات وہ ثابت کرنا چاہتے تھے وہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ صرف من مانی یہ تفسیر بیان کر دی ہے کہ "میں تمھیں کھانے کے گزشتہ و آئندہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ اب بتاؤ کہ حضور ﷺ کا علم کتنا ہو گا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطرہ ہے"۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ قیدیوں نے حضرت یوسف سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تھی یا غلہ کے ماضی و مستقبل کے حالات کو جاننا چاہا تھا۔ اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے بعد انھیں ان کے خواب کی تعبیر بتلائی تھی یا غلہ کی آمد و رفت کا ذکر کر کے اپنے علم غیب کا مظاہرہ فرمایا۔

مولوی احمد رضا خان صاحب نے تاویل کا معنی تعبیر کیا ہے۔ تعبیر خواب کے مفہوم کا نام ہے یا غلہ کی سرگزشت اور اس کے نفع و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقصان کا، ایسی بے تکی باتیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

﴿۶۵﴾ ﴿وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ﴾ (آل عمران: ۴۹)

"اور جو تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتادیتا ہوں"۔

اس سے بھی مفتی صاحب نے علم غیب پر استدلال فرمایا ہے۔ مقصد ان کا یہ ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب تھے لہٰذا نبی ﷺ بھی لازماً عالم الغیب تھے۔ اگر یہ کوئی قانون ہے جو کچھ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے وہی کچھ نبی ﷺ بھی ہوں تو بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صرف ایک یہی معجزہ نہ تھا۔ انھوں نے مٹی کے پرندے میں پھونک مار کر جان بھی ڈالی تھی۔ انھوں نے مردے بھی زندہ کیے تھے۔ وہ بغیر باپ کے بھی پیدا ہوئے تھے۔ وہ زندہ آسمان پر بھی قیام پذیر ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چمگادڑ بھی بنائی تھی۔ میں پوچھتا ہوں نبی ﷺ نے کتنی چمگادڑیں بنا کر اڑائی تھیں۔ کتنے مردے زندہ کیے تھے؟ اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر کیا اور بھی کوئی بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم غیب کو لے لینا اور باقی کو نظر انداز کر دینا انصاف نہیں ہے۔ نیز یہ سب کچھ باذن اللہ تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ساری باتیں وقتی معجزات تھیں مستقل صفات نہ تھیں۔ وہ خود روز قیامت بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے:

﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ ... وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝﴾ (مائدہ: ۱۱۶، ۱۱۷)

"تمام غیبوں کو جاننے والا تو ہی ہے.... میں لوگوں پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے"۔

قرآن پاک میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ (آل عمران: ۴۹)

"میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے"۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے خلق کا لفظ استعمال فرمایا۔ باوجود اس کے وہ کسی مسلمان کے نزدیک صفت خالقیت سے متصف نہیں ہیں۔ تو غیب کی بات بتلانے سے انہیں عالم الغیب مان لیا جائے گا۔ یا پھر غیر اللہ کے خالق ہونے کا بھی عقیدہ رکھو۔

﴿۶۶﴾ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ﴾ (مائدہ: ۱۰۱)

"اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں"۔

اسے بھی علم غیب کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے آدھی آیت نقل کی ہے۔ اگر باقی حصہ بھی نقل فرما دیتے تو ان کے خیال کی تردید ہو جاتی۔ آگے مفصل الفاظ ہیں:

﴿وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ﴾ (مائدہ: ۱۰۱)

"اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ انھیں معاف فرما چکا ہے"۔ (ترجمہ کنز الایمان)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا بذریعہ وحی نبی ﷺ کو ان کی اطلاع کر دی جائے گی۔

تتمہ: مفتی صاحب قبل ازیں ﴿تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ﴾ اور ﴿تَفۡصِيلَ كُلِّ شَيۡءٍ﴾ وغیرہ آیات کے متعلق لکھ چکے ہیں ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ قرآن میں سارے لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے اور لوحِ محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ سارا لوحِ محفوظ حضور ﷺ کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے۔ (ص ۵۷)

یعنی ان کے نزدیک ﴿كُلِّ شَيۡءٍ﴾ سے مراد ہر چیز ہے۔ ہدہد نے ملکہ سبا (بلقیس) کے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿وَأُوتِيَتۡ مِن كُلِّ شَيۡءٍ﴾ (النمل: ۲۳) ”اور اسے ہر چیز سے ملا ہے“۔ (کنز الایمان)

چونکہ یہ امر محال ہے اس لیے مفتی صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ (یہ بتلانے میں) ہدہد غلطی کر سکتا ہے“۔ میں کہتا ہوں جیسا کہ پہلے مفصل گفتگو ہو چکی ہے کیا تورات کے متعلق ﴿تَفۡصِيلًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ﴾ کہنے میں اللہ تعالیٰ سے بھی غلطی ہو گئی۔ انھوں نے ہدہد کی ایک غلطی یہ بھی پکڑی ہے جو اس نے کہا تھا: ﴿وَلَهَا عَرۡشٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور اس کا بڑا عرش ہے“۔

کہتے ہیں کیا تخت بلقیس عرشِ عظیم تھا؟ یہ غلطی ان کے اماموں اور مرشدوں نے بھی کی ہے۔ کنز الایمان کے مطابق اس کا ترجمہ یہ ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔ اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: ”جس کا طول اسی گز عرض چالیس سونے چاندی کے جواہرات کے ساتھ مرصع“ تو کیا ابھی اس کے عرشِ عظیم ہونے میں شک ہے۔ تخت بلقیس ضرور عرش الٰہی کے برابر ہوتا تب ہی انھیں عظیم نظر آتا تھا۔ خود مفتی صاحب نے بھی اس آیت کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ جس کی لمبائی اَسّی گز اور چوڑائی چالیس گز ہے۔ اگلا حصہ سونے کا پچھلا حصہ چاندی اور زبرجد کا۔ جواہرات سے جڑاؤ ہے۔ بڑا قیمتی ہے۔ اس کے چاروں پائے سرخ یاقوت کے ہیں“۔ تو بقول مفتی صاحب جس تخت کی پیمائش نوہزار چھ سوفٹ مربع ہو اور ہو بھی بڑا قیمتی وہ عظیم نہیں تو کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے جس وقت مفتی صاحب نے تفسیر لکھی تھی اس وقت تخت بلقیس عظیم تھا اور جب یہ کتاب لکھی تب وہ سکڑ کر چھوٹا ہو گیا۔ اصل میں ہُد ہُد سے ان کی دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے وہابیوں والی یہ بات کہہ دی تھی:

﴿أَحَطتُ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهِۦ﴾ ”میں وہ بات جانتا ہوں جسے آپ نہیں جانتے“۔

مگر ہُد ہُد بے چارہ بھی کیا کرتا بات ہی ایسی تھی۔ کیا انھیں معلوم نہیں قرآن کیا کہتا ہے:

﴿وَتَفَقَّدَ ٱلطَّيۡرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى ٱلۡهُدۡهُدَ أَمۡ كَانَ مِنَ ٱلۡغَآئِبِينَ ۝﴾ (النمل: ۲۰)

”آپ نے پرندوں کی دیکھ بھال کی اور فرمانے لگے کیا بات ہے کہ میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھتا یا وہ غیر حاضر ہے؟“

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور بریلوی مسلک کے مطابق عالم الغیب بھی تھے۔ پھر کیا وجہ ہے انھیں ہُد ہُد دکھائی نہ دیا۔ انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آیا وہ حاضر ہے مگر نظر نہیں آ رہا یا غیر حاضر ہے تو کہاں اور کیوں غیر حاضر ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں مفتی صاحب نے چند احادیث سے علم غیب پر استدلال فرمایا ہے:

"نبی ﷺ نے ایک دفعہ ابتداء پیدائش سے لے کر جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک کے حالات ہمیں بتلائے"۔ (عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بخاری حدیث ۱۹۲ ۳ ص ۴۵۳)

عرض ہے کہ یہ حالات نبی ﷺ نے اپنے غیب سے بتلائے یا وحی کی مدد سے ارشاد فرمائے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۝﴾ (النجم: ٤)

"اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے"۔

(۶۷) ((ان الله زوی لی الارض فرایت مشارقها و مغاربها)). (عن ثوبان مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ حدیث ۷۲۵۸)

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ پس میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے"۔

مفتی صاحب نے پورے الفاظ نقل نہیں فرمائے۔ آگے یہ عبارت ہے:

((و ان امتی سیبلغ ملکها ما زوی لی منها)).

"جتنی زمین میرے لیے سمیٹی گئی وہاں تک میری اُمت کی بادشاہی پہنچے گی"۔

اس سے ثابت ہوا نبی ﷺ نے اتنا ہی علاقہ دیکھا جتنا اسلامی قلمرو میں شامل ہونا تھا۔ سوال یہ ہے کیا آگے آپ کے علم غیب کی سرحد ختم ہو گئی تھی۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: رَاَیْتُ یعنی "میں نے دیکھا"۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے ماضی میں ایک دفعہ کچھ دیکھ لینے سے علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔ مسلسل دیکھتے رہنے سے ثابت ہوتا ہے۔

((رایت ربی عزوجل فی احسن صورة فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدی فعلمت ما فی السموات والارض)). (عن عبدالرحمن بن عائش دارمی حدیث ۲۱۴۹ مشکوۃ باب المساجد ص ۶۹) ❶

"میں نے رب العزت کو نہایت حسین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔ پس میں نے زمین و آسمان کی ہر شے جان لی"۔

گزارش ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور یہ خواب کا واقعہ ہے کتاب التفسیر ترمذی میں بھی سورہ ص حدیث ۳۲۳۵ کے تحت صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث بیان ہوئی ہے جس میں صاف یہ الفاظ ہیں:

((فنعست فی صلوتی فاستثقلت)). (عن معاذ بن جبل مشکوۃ باب المساجد ص ۷۲) ❷

"مجھے اپنی نماز میں زبردست اونگھ آ گئی"۔

تخریج: ❶ مرسل ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کے ایک ٹکڑے کا حوالہ اسی صفحہ پر مفتی صاحب نے بھی دیا ہے:

((فتجلی لی کل شیء و عرفت)) "ہر شے مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی"۔

مگر اس کے شروع حصے پر ان کی نگاہ نہیں پڑی کہ یہ خواب کا معاملہ تھا۔ نیز اس حدیث میں بھی ماضی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت ﷺ ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ کے مستقل ناظر ہو گئے تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی منظر کی جھلک ایک دفعہ دیکھ لیں تو تصویر کی طرح اس کا نقشہ تو آپ ﷺ کے ذہن میں رہتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ بعد میں اس منظر میں ہونے والے انقلاباتِ زمانہ کو بھی آپ ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ مثلاً آپ نے ایک دفعہ اگر لاہور دیکھ لیا تو کیا پھر ہر وقت لاہور دیکھتے ہی رہتے ہیں؟

نبی ﷺ نے معراج کی رات بیت المقدس کو بھی دیکھا تھا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں حجر (حطیم) میں کھڑا تھا قریش مجھ سے میری سیر کے بارے میں سوالات کرنے لگے، انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کے متعلق بھی کچھ معلومات جاننا چاہیں، جنھیں میں یاد نہیں رکھ سکا تھا۔ میں سخت پریشان ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے کر دیا، اب میں ان کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا"۔ (عن ابی ہریرہ مسلم ج ۱ ص ۹۶ حدیث ۴۱۱، مشکوۃ باب المعراج ص ۵۲۹)

سوال یہ ہے نبی ﷺ اگر عالم الغیب تھے اور ہر وقت ہر منظر اگر آپ ﷺ کے سامنے رہتا تھا تو پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقاۃ میں جو کچھ بیان فرمایا ہے مفتی صاحب نے اس سے بھی خواہ مخواہ علم غیب پر استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ (ص ۷۳) مگر ملا علی قاری نے اس مسئلہ کے بارے میں جہاں اپنے بلکہ حنفیہ کے مسلک کا بھی کھل کر اظہار فرمایا ہے اس طرف انھوں نے خاطر خواہ توجہ نہ دی۔ وہ فرماتے ہیں:

((اعلم ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لم یعلموا من المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیانا و ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب، لمعارضۃ قولہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾)). (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۷)

"جاننا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی قسم کا غیب نہیں جانتے سوائے اس کے جو کبھی اللہ تعالیٰ انھیں بتلا دے۔ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ نبی ﷺ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی غیب نہیں جانتا"۔

مفتی صاحب نے ص ۱۳۲ پر یہ حوالہ نقل کیا ہے مگر کلی جزی عطائی اور ذاتی وغیرہ کہہ کر حسب عادت اسے ٹال دیا ہے۔

﴿۶۸﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

((ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذا)).

"اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرما دیا۔ پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں"۔ (ترجمہ مفتی صاحب)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کوئی مستند حوالہ نہیں۔ اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا۔ یعنی ایک وقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک منظر دکھلایا اور بس۔ اگر آپ مستقل ناظر ہوتے تو کیا وجہ ہے کہ اس منظر میں بیت المقدس شامل نہ تھا بلکہ بیعت الرضوان کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل نہ تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے قیامت تک ظاہر ہونے والے تین سو سے زائد قائدین فتنہ کا ذکر مع ان کے نام ولدیت اور قبیلہ کے فرمایا۔ (عن حذیفہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد کتاب الفتن حدیث ۴۲۴۳، مشکوٰۃ ص ۴۶۳) ❶

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آئندہ ہونے والے فتنوں کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔ مگر ان میں قائدین فتنہ کا نام ونسب کا تذکرہ نہیں۔ نیز اس کی سند میں تین راویوں یعنی عبداللہ بن فروخ، اسامہ بن زید اور ابن قبیصہ پر جرح کی گئی ہے لہٰذا یہ ضعیف ہے۔ اچھا ہوا یہ روایت ضعیف ہے اور بہت ہی اچھا ہوا کہ حضرت حذیفہ نے قائدین فتنہ کے ناموں کی تفصیل بیان نہیں فرمائی ورنہ عین ممکن ہے اس فہرست میں مولوی احمد رضا خان صاحب کا اسم گرامی بھی جلی حرفوں میں نظر آتا۔ تاہم اس روایت میں علم غیب والی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی آپ ﷺ کی پیشینگوئیاں اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کا معجزہ تھیں۔

۶۹ ((تلد فاطمة إن شآء الله غلاما يكون في حجرك)). (دلائل النبوة بيهقي ج ٦ ص ٤٦٩ باب جماع اسئلة اليهود مشكوة مناقب اهل بيت ص ٥٧٢) ❷

"فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ان شاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا جو تیری گود میں آئے گا"۔

یہ روایت حضرت ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے اور یہ حضور ﷺ نے ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتلائی تھی۔ بھلا اس کا علم غیب سے کیا تعلق۔ نیز یہ روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف بھی۔

نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا ان میں ایک کو استنجا میں بے احتیاطی کی وجہ سے اور دوسرے کو غیبت کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کر کے ان کی قبروں پر گاڑ دیئے اور فرمایا: اُمید ہے ان کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۴ حدیث ۲۱۶ مسلم ج ۱ ص ۱۴۰ حدیث ۶۷۷ مشکوٰۃ باب آداب الخلاء ص ۴۲)

یہ علم غیب کی نہیں بلکہ نزول وحی کی دلیل ہے۔ ان دونوں میں ایک بات کا ماننا دوسرے کے انکار کو مستلزم ہے۔

ایک دفعہ نبی ﷺ نے بعد نمازِ ظہر منبر پر کھڑے ہو کر قیامت اور اس سے پہلے پیش آنے والے بڑے بڑے واقعات کا ذکر فرمایا اور فرمایا کوئی مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے تو پوچھ لے۔ خدا کی قسم جب تک میں اس جگہ یعنی منبر پر ہوں میں تمہیں ہر سوال کا جواب دوں گا۔ لوگوں نے زور شور سے رونا شروع کر دیا اور آپ ﷺ بار بار ارشاد فرما رہے تھے مجھ سے پوچھو۔ ایک شخص نے اُٹھ کر سوال کیا میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ۔ آپ بار بار فرما رہے تھے پوچھو پوچھو۔۔۔ آخر میں ارشاد فرمایا: بخدا اس وقت دورانِ نماز میں مجھ پر جنت وجہنم پیش کی گئیں اور خیر وشر کے معاملے میں مَیں نے

حکم: ❶ ضعیف ہے۔ ❷ منقطع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آج جیسا دِن کبھی نہیں دیکھا۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۸۳ حدیث ۷۲۹۴)

محترم کو اس حدیث سے علم غیب کی بُو آئی ہے۔ حالانکہ اس میں ان کی تردید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جب تک میں اس منبر پر کھڑا ہوں۔ یا اس وقت دورانِ نماز میں یا آج جیسا دِن سب اس بات کی علامت ہیں کہ یہ ایک وقتی کیفیت تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوئی۔ مستقل اور دائمی چیز نہیں تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کو یہ فرمانا تیرا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ بھی ان کے نزدیک علم غیب ہے۔ اب ہیں ان سے ایک سوال کرتا ہوں۔ انہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ وہ لوٹ گیا تو اسے دوبارہ بلا کر فرمایا:

((ان ابی و اباك فی النار)). (مسلم ج ۱ حدیث ۵۰۰ ص ۱۱۴) "میرا اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں"۔

فرمایئے کیا یہ بھی علم غیب ہے اور آیا اس پر ان کا ایمان ہے اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب غلط ہو سکتا ہے؟

﴿۷۰﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دِن فرمایا کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ (خیبر) فتح فرمائے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ (عن سہل بن سعد بخاری ص ۷۰۵ حدیث ۴۲۱۰، مسلم ج ۲ ص ۲۷۹ حدیث ۶۲۲۰، مشکوٰۃ مناقب علی رضی اللہ عنہ ص ۵۶۳)

یہ بھی ان کے نزدیک علم غیب کی دلیل ہے مگر یہ اس صورت میں دلیل ہے جب وحی الٰہی کا انکار کر دیا جائے۔ گزارش ہے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کی بدولت معلوم ہو جاتا تھا کہ فتح کس کے ہاتھ پر مقدر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے موقع پر امارت کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو کیوں عطا فرمایا اور یہ کیوں فرمایا: اگر شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو امیر بنا لینا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا لینا۔ (عن عبداللہ بن عمر بخاری ص ۶۱۱ حدیث ۴۲۶۱) جب کہ فتح سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لکھی ہوئی تھی۔ (عن انس بخاری ص ۶۱۱ حدیث ۴۲۶۲)

لکھتے ہیں: ((عرضت علی اعمال امتی حسنها و سیئها فوجدت فی محاسن اعمالها الاذی یماط عن الطریق)).

"مجھ پر اپنی اُمت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے گئے۔ میں نے ان کے اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ چیز پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے"۔ (عن ابی ذر غفاری مسلم ج ۱ ص ۲۰۷ حدیث ۱۲۳۳، مشکوٰۃ ص ۶۹)

یعنی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ آپ کی اُمت کے اچھے اعمال یہ ہوں گے اور برے اعمال یہ ہوں گے۔ اس میں علم غیب، کہاں سے نکل آیا۔ اگر محض پیش ہونے سے کوئی عالم الغیب بن جاتا ہے تو سب فرشتے بھی عالم الغیب ہیں۔ کیونکہ فرمایا:

﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (بقرہ: ۳۱) "ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا"۔

بلکہ جہنم بھی عالم الغیب ہے، کیونکہ فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾ (الاحقاف: ۳۰) "اور جس دن کافر جہنم پر پیش کیے جائیں گے"۔

لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر بعض کفار کے متعلق پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ فلاں فلاں یہاں گرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (عن انس مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ حدیث ۴۶۲۱)

یہ واقعہ علم غیب کی دلیل تب بن سکتا ہے جب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بتلایا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔ یہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے علم غیب پر استدلال فرماتے ہیں: اگر ان میں کوئی معقول آدمی ہو تو میں اس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوچھوں حدیبیہ کے موقع پر نبی ﷺ نے برتن میں ہاتھ ڈالا تو آپ کی اُنگلیوں سے چشمے پھوٹ پڑے جن سے پندرہ سو آدمی سیراب ہو گئے۔ (عن جابر بخاری ص ۵۹۸ حدیث ۴۱۵۲، مشکوۃ باب المعجزات ص ۵۳۲)

تو کیا آپ ﷺ کی مبارک اُنگلیوں سے ہر وقت پانی کے چشمے جاری رہے تھے اور آج بھی جاری ہیں؟ مثلاً کیا عصائے موسیٰ علیہ السلام آج بھی اپنے کمالات دکھلا رہا ہے۔

۷۱ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو قابو کر لیا۔ چرواہے نے اپنی بکری واپس چھڑالی بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر بولا اللہ نے مجھے رزق دیا تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ آدمی نے کہا: آج جیسا دِن جو میں نے دیکھا کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کرتا ہے۔ بھیڑیا بولا اس سے بھی زیادہ تعجب والی بات یہ ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تمہیں گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دیتا رہے۔ (عن ابی ہریرہ مشکوۃ کتاب المعجزات ص ۵۴۱ بحوالہ شرح السنۃ حدیث ۴۲۸۲) ❁

یہ ضعیف روایت بھی ان محترم کا استدلال ہے۔ غور فرمایئے قرآن پاک میں مذکور ہدہد کی رپورٹ پر انھیں یقین نہیں آیا کیونکہ وہ بہر حال ایک پرندہ تھا۔ جب کہ اصل بات یہ ہے کہ ﴿وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ والی آیت ان کے موافق نہیں ہے۔ ضعیف روایت میں مذکور بھیڑیے کی بات پر انھوں نے یقین کر لیا ہے صرف اس لیے کہ ان کے خیال میں بھیڑیا ان کا ہم مسلک تھا اور نبی ﷺ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یعنی ان کے مسلک کے مطابق بھیڑیے کو عالم الغیب بھی مان لینا چاہیے کیونکہ اس جانور نے بن دیکھے نبی ﷺ کا عالم الغیب ہونا جان لیا اور بتلا بھی دیا۔ بریلویوں کو چاہیے کہ اس کا بھی کوئی مزار بنا دیں۔ کیونکہ اگر گھوڑے شاہ ہو سکتا ہے تو بھیڑیے شاہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ میرے بھائی اس روایت کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ہے اور اس سے علم غیب مرا نہیں بلکہ گذشتہ اور آئندہ کے واقعات ہیں جو نبی ﷺ نے بذریعہ وحی اُمت کو بتلائے۔

۷۲ ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

”جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو چھوڑ نہیں دے گا“۔

اس کے تحت تفسیر خازن کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم پر ہماری اُمت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش ہوئی تھی۔ ہم کو بتایا گیا کون ہم پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہو گئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے۔ یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد وثنا کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں۔ اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی پوچھو گے ہم تم کو خبر کر دیں گے۔

پھر فرماتے ہیں: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور ﷺ کے علم میں طعنے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے دوسرے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ وہ حضور ﷺ کے علم میں ہیں۔

تفسیر خازن کا یہ حوالہ بالکل نامعتبر اور موضوع ہے۔ بالخصوص یہ عبارت تو خاصی مہمل لگتی ہے:

((عرضت علی امتی فی صورھا فی الطین))۔ ”ہم پر ہماری اُمت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں“۔

تخریج: ❁ یہ حدیث حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمت اگر زندہ پیش کی گئی تھی تو وہ مٹی نہیں تھی اور اگر مٹی تھی تو وہ زندہ نہیں تھی۔ اس پیشی کو حضرت آدم علیہ السلام والی پیشی سے، کوئی نسبت نہیں حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی ذریت زندہ کر کے پیش کی گئی تھی اور باقاعدہ ان سے سوال جواب ہوا تھا۔ یہ اُمت اگر زندہ کر کے پیش کی گئی تھی تو ان سے کیا سوال و جواب ہوا۔ شاید یہ پوچھا گیا ہوگا کہ تم میں مولوی احمد رضا خان صاحب کا اُمتی کون کون ہے؟

نیز سوال یہ ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام والی پیشی کا ذکر قرآن پاک میں ہے اس پیشی کا ذکر قرآن پاک میں کیوں نہیں۔ کیا یہ اس کے مقابلے میں غیر اہم ہے۔ اس حوالہ سے مفتی صاحب دراصل ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے بارے میں علم تھا۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ﴾ (توبہ: ۱۰۱) "تم انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں"۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مولوی نعیم الدین صاحب اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، منافقین کے حال کی نفی باعتبار ماسبق ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ﴾ (محمد: ۳۰) "اور ضرور تم انھیں بات کے اسلوب میں پہچان لوگے"۔

یہ توجیہ خود مفتی صاحب نے بھی اپنے حاشیہ میں بیان کی ہے اور انھوں نے ﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ﴾ کے حاشیہ میں ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس مستند بریلوی ترجمہ اور حاشیوں سے ثابت ہوا کہ سورہ توبہ نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے بارے میں ضرور علم ہوتا۔ یاد رہے کہ سورہ توبہ نو ہجری کو غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی تھی۔ نیز ان کا یہ دعویٰ کہ بعد کو جب سورہ محمد والی آیت ﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ﴾ نازل ہوئی تو آپ کو منافقین کے بارے میں علم عطا ہو گیا تھا یہ نری ان کی خوش فہمی ہے۔ کیونکہ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورہ محمد، سورہ توبہ سے سات آٹھ برس پہلے نازل ہو چکی تھی۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورہ توبہ ۱۱۳ ویں سورت ہے۔ اور سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عدد نزول ۹۵ ہے۔ تو پہلے نازل ہونے والی آیت بعد میں نازل ہونے والی آیت کو کیسے منسوخ کر سکتی ہے۔ ﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ﴾ کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ ان علاموں نے سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب منافقین کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرا دیا تھا۔ ورنہ تو پھر ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ کا مفہوم ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں چہروں سے اور اندازِ گفتگو سے شناخت کر لیں گے۔ علم غیب میں اور اندازِ گفتگو سے پہچاننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ کے دوران میں بعض منافقین کا نام لے کر انہیں مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۴) [1]

اگر یہ روایت صحیح ہو تو ظاہر ہے کہ آپ کی یہ اطلاع ان منافقین کے بارے میں وحی الٰہی پر مبنی تھی جیسے کہ اسی روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں۔ ایک شخص نے کہا:

((ابشر یا عمر قد فضح اللہ المنافقین الیوم)).

"اے عمر رضی اللہ عنہ خوش ہو جائیے آج اللہ تعالیٰ نے منافقین کو رسوا کر دیا ہے"۔

یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مجھ سے جو مرضی پوچھو میں بتلاؤں گا۔ یہ اصل میں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ ... الخ﴾ کا شانِ نزول ہے۔ ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کا نہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی علم غیب ثابت

حکم وتخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے جنون میں ان دونوں آیتوں کے تحت یہ شانِ نزول بیان کر ڈالا ہے۔

۷۳ نبی ﷺ نے دجال کا پیچھا کرنے والے دس سواروں کے بارے میں فرمایا:

((انی لا عرف اسماءھم و اسماء اباءھم و الوان خیولھم خیر فوارس او من خیر فوارس علی ظھر الارض))۔ (عن ابن مسعود مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۲ حدیث ۷۲۸۱، مشکوۃ باب الملاحم ص ۴۶۷)

"میں جانتا ہوں ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی، وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہوں گے"۔

یہ بھی ان کا استدلال ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب کو نبی ﷺ کے پیغمبر ہونے سے نہیں عالم الغیب ہونے سے دلچسپی ہے۔ میں پوچھتا ہوں قیامت یا اس سے پہلے پیش ہونے والے واقعات کے بارے آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے علم غیب کی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے یا وحی کی بناء پر ارشاد فرمایا ہے۔ اگر علم غیب کی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے تو انھیں چاہیے کہ اس آیت کو قرآن پاک سے نکال دیں:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ ﴾ (النجم: ۳،۴)

"اور آپ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے"۔

مفتی صاحب کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں سارے لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے۔ (ص ۵۷) لوحِ محفوظ میں تو بے شک ہر شے کی تفصیل موجود ہے اگر قرآن پاک میں بھی سارے لوح محفوظ کی تفصیل موجود ہے تو برائے مہربانی قرآن پاک میں مذکورہ حدیث کی تفصیل کی نشاندہی فرمائی جائے۔

۷۴ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کسی کی نیکیاں تاروں کے برابر بھی ہیں؟ فرمایا: ہاں وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (رزین مشکوۃ باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما ص ۵۶۰) ❶

مفتی صاحب کہتے ہیں: "معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض تارے اب تک فلاسفہ کے سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے"۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت قطعاً موضوع اور باطل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں اگر تاروں کے برابر تھیں تو یہ کچھ بھی نہیں تھیں۔ نبی ﷺ نے ایک تسبیح ارشاد فرمائی جس کی مقدار کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا:

((سبحان اللہ و بحمدہ عدد خلقه و رضا نفسه و زنة عرشه و مداد کلماته))۔ (عن جویریہ رضی اللہ عنہا مسلم ج ۲ ص ۳۵۰ حدیث ۶۹۱۳، مشکوۃ باب ثواب التسبیح ص ۲۰۰)

"اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر اس کی رضا کے برابر اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر"۔

لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساری نیکیاں صرف تاروں کے برابر ہوں نیز عرض ہے اگر نبی ﷺ کو تاروں کا تفصیلی علم تھا تو آپ نے بتلایا کیوں نہیں۔ کوئی ممانعت تھی اُمت کو آپ کے اس علم کا کیا فائدہ پہنچا۔ اصل میں یہاں تاروں سے کثرت

حکم: ❶ موضوع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراد ہے نہ کہ تعداد جیسے نبی ﷺ نے حوضِ کوثر کے بارے میں کبھی تو یہ فرمایا:
((کیزانہ کنجوم السماء)). (عن عبداللہ بن عمرو بخاری ص ۹۷٤ حدیث ٦٥٧٩ مسلم ج ۲ ص ۲٤۹ حدیث ۵۹۷۱، مشکوۃ باب الحوض والشفاعۃ ص ٤۸۷)

"اس کے آبخورے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں"۔

اور کبھی یہ فرمایا: ((وَلَآنِیَتُه اکثر من عدد النجوم)). (عن ابی ذر مسلم ج ۲ ص ۲۵۲ حدیث ۵۹۸۹)

"اور اس کے برتن تاروں سے زیادہ ہیں"۔

اگر حضور ﷺ کو تاروں کی صحیح تعداد معلوم ہوتی تو یہ کمی بیشی متصور نہیں ہو سکتی تھی۔ نیز حوضِ کوثر کی پیمائش کے بارے میں کبھی فرمایا:

((طوله من عمان الی ایلة)). (عن ابی ذر مسلم ج ۲ ص ۲۵۲ حدیث ۵۹۸۹)

"اس کی لمبائی عمان سے ایلہ تک ہے"۔

کبھی فرمایا: ((حوضی مسیرۃ شھر)). (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ایضًا)

"میرا حوض ایک مہینے کی مسافت تک ہے"۔

کبھی فرمایا: ((حوضی من عدن الی عمان البلقاء)). (عن ثوبان ترمذی باب صفة آوان الحوض حدیث ۲٤٤٤، مشکوۃ ص ٤۹۳) ❶

"میرا حوض عدن سے عمان تک ہے"۔

کبھی فرمایا: ((حوضی کما بین الکوفة الی الحجر الاسود)). (عن ابن عمر ترمذی ایضًا) ❷

"میرے حوض کی پیمائش کوفہ سے حجر اسود تک کے برابر ہے"۔

اور کبھی فرمایا: ((حوضی ما بین جنبیه کما بین جرباء و اذرخ)). (عن ابن عمر بخاری ص ۹۷٤ حدیث ٦٥۷۷ مسلم ج ۲ ص ۲۵۱ حدیث ۵۹۸٤ مشکوۃ ص ۵۹٤)

"میرے حوض کا فاصلہ جرباء سے اذرخ تک کے برابر ہے"۔

حالانکہ یہ سب فاصلے مختلف ہیں۔

علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں دربارۂ علم غیب

﴿ ۷۵ ﴾ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝﴾ (الحدید: ۳)

"وہی پہلے ہے وہی پیچھے ہے وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے"۔

اس کے متعلق مفتی صاحب مدارج النبوۃ کے حوالے سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "یہ اللہ کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفی ﷺ بھی"۔ اس سے ثابت ہوا ان کے نزدیک اللہ اور رسول ﷺ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اصل میں ان کے نزدیک حمد اور نعت میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک غزل اور نعت میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی جس طرح یہ حمد سے اللہ تعالیٰ کا نام نکال کر نبی ﷺ کا نام شامل کر دیتے ہیں اسی طرح یہ فلمی گانوں سے معشوقہ دلربا کا نام کاٹ کر حضور ﷺ کا نام درج فرما دیتے ہیں۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اکثر آپ نے دیکھا ہوگا ان کی نعتیں فلمی گانوں ہی کی بدلی ہوئی شکل ہوتی ہیں۔ العیاذ باللہ۔

لکھتے ہیں: "اسی مدارج النبوۃ ج ۱ باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت ﷺ ص ۱۴۴ میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے صور پھونکنے تک تمام حضور ﷺ پر ظاہر فرما دیا تاکہ اوّل سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں۔ اس سے مفتی صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شیخ عبدالحق صاحب علم غیب کے قائل تھے۔ مگر عرض ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں یہ بھی فرمایا تھا:

((**خمس لا یعلمھن الا اللہ**))۔ (عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۲۷ حدیث ۹۷ مشکوۃ کتاب الایمان ص (۱)

"پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے"۔

تو اس کی تشریح شیخ عبدالحق صاحب یوں فرماتے ہیں:

علم قیامت و وقت بر پاشدن دے داخل است دراں پنج چیز کہ نمے داند آنہا را ہیچ یکے مگر خدا تعالیٰ۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۴)

"قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

﴿۷۶﴾ مفتی صاحب اپنے کسی بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں، اگر کہا جائے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور ﷺ کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں۔ جواب دیا جائے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہی لکھا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

﴿۷۷﴾ پھر لکھتے ہیں: لوح و قلم کے علوم علم مصطفیٰ ﷺ کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ **مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن** کا علم حضور ﷺ کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

پھر مدارج النبوۃ ج ۱ سے نقل کرتے ہیں کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو تمام علوم الٰہیہ معلوم کروائے گئے اس کے تحت مفتی صاحب نہایت خوش ہو کر لکھتے ہیں بعض لوگوں نے حضور ﷺ کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ فرمایا بلکہ عارف کہا معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے لیے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ مگر اس سے پہلے خود مفتی صاحب لکھ آئے ہیں کہ صفات الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعویٰ نہیں کرتے۔ (ص ۴۴) لہٰذا سوال یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کے برابر علم ماننا شرک نہیں بلکہ معرفت ہے تو ص ۴۴ کے مطابق اس کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا کفر ہے یا نہیں؟

﴿۷۸﴾ لکھتے ہیں مولانا بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی رحمہ اللہ خطبہ حواشی میر زاہد رسالہ میں فرماتے ہیں حضور ﷺ کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علوم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں جن کے گھیرنے پر لوحِ محفوظ قادر نہیں:

((**لم یلد الدھر مثلہ من الازل ولم یولد الی الابد فلیس لہ من فی السموات والارض کفوا احد**))۔

"آپ ﷺ جیسا نہ کبھی پیدا ہوا نہ کبھی پیدا ہوگا نہ زمین آسمان میں کوئی آپ ﷺ کے برابر ہے"۔

سورہ حدید کی آیت نمبر ۳ جس میں اللہ کی صفتیں بیان ہوئی ہیں وہ بھی انھوں نے نبی ﷺ کو دے دیں۔ آیت الکرسی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیانہ حصہ بھی انھوں نے نبی ﷺ کو بخش دیا اور وہ سورہ جس کا نام ہی اخلاص ہے وہ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ مہربان معلوم ہوتے ہیں علم اعلیٰ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہی ہوسکتا ہے۔ اور علم اعلیٰ کا معنی ہے سب سے اوپر والا علم۔ یعنی جس کے اوپر اور کوئی علم نہ ہو۔ اب نہ جانے وہ کون سے علوم ہیں جن پر علم اعلیٰ بھی محیط نہیں اور ربّ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو وہ علوم بصیغہ جمع کیسے سکھلا دیئے جنھیں شاید ربّ تعالیٰ خود بھی نہیں جانتا۔ (معاذ اللہ) معلوم ہوتا ہے انھوں نے شاگرد کو استاد سے بھی بڑھا دیا ہے۔

(**نوٹ:** نبی پاک ﷺ کے لیے لَمْ یَلِدْ اور لَمْ یُوْلَدْ کے الفاظ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی بھی توہین کی ہے اور نبی پاک ﷺ کی بھی گستاخی کی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ)

۷۹ لکھتے ہیں: علامہ شنوائی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں، یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دُنیا سے نہ نکالا یہاں تک، کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بتدریج علم غیب دیا۔ قبل ازیں آپ پڑھ آئے ہیں کہ سورہ توبہ کی آیت ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ﴾ کے تحت محشی کنز الایمان مولوی نعیم الدین صاحب نے لکھا ہے منافقین کے حال کی نفی باعتبار ما سبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ یاد رہے کہ سورہ توبہ ۹ ہجری کو نازل ہوئی یعنی عمر کے آخری حصہ میں آگے چل کر یہی مفتی صاحب ﴿كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ علم قیامت دینے سے قبل کی بات ہے۔ (ص ۱۱۱) سوال یہ ہے آخر نبی ﷺ کس تاریخ کو عالم الغیب بنے۔ ایک طرف ان کا دعویٰ ہے کہ نبی ﷺ کہتے ہی اسے ہیں جو عالم الغیب ہو۔ تو کیا ہر چیز پر اطلاع اور علم غیب حاصل ہونے سے پہلے آپ ﷺ نبی نہیں تھے۔ نیز انھوں نے بحوالہ "مثنوی شریف" نبی ﷺ کی زبان سے یہ بھی کہلوا دیا ہے، ہم سارے جہاں کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم وحوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ (ص ۸۱)

۸۰ مفتی صاحب نے درمختار کتاب الحج سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ حج ۹ ھ میں فرض ہوا اور حضور ﷺ نے اس کو ۱۰ ھ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور ﷺ کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے"۔ عذر یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کو مشرکوں سے شدید نفرت تھی۔ آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ مشرکوں کے ساتھ مل کر حج کریں۔ جب سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ﴾ (التوبہ: ۲۸)

"اے ایمان والو! مشرکین بالکل ہی ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں"۔

تب آپ ﷺ نے حج کی سعادت حاصل فرمائی۔ باقی یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں فوت کرنے سے پہلے دنیا میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیتا ہے اور یہ بذریعہ وحی ہوتا ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

((ان الله خير عبدا بين الدنيا و بين ما عنده فاختار ذلك العبد ما عندالله)). (عن ابی سعدی خدری

بخاری ص ۵۱٦ حدیث ۳٦۵٤)

"اللہ تعالیٰ نے بندے کو جینے اور اپنے پاس آنے کا اختیار دیا پس بندے نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو ترجیح دی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسی ملک الموت کے ہاتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجا:

((ان کنت ترید الحیوۃ فضع یدك علی متن ثور فما توارت یدك من شعرۃ فانك تعیش بھا سنۃ)).

(عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ بخاری ص ٤٨٤ حدیث ٣٤٠٧ مسلم ج ٢ ص ٢٦٧ حدیث ٦١٤٩ مشکوۃ باب بدء الحق ص ٥٠٧)

"اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھو جتنے بال تمہارے ہاتھ کے نیچے چھپ گئے تمہیں اتنے سال اور زندگی مل جائے گی"۔

مفتی صاحب نے درمختار کے حوالے سے بتایا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی پاک زندگی کے باقی رہنے کا علم تھا۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے خود اعتراف کر لیا کہ اس کے بعد آپ ﷺ کی زندگی باقی نہ رہی صرف اتنی باقی تھی کہ ایک حج فرما لیا۔

81 قرآن پاک میں ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ (عنکبوت: ٤٨)

"اس سے پہلے آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے"۔

اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا سلیقہ بتلا دیا باوجودیکہ آپ ﷺ نے لکھنا نہ سیکھا اور نہ اگلوں کی کتابیں پڑھیں۔ (ملخص)

﴿وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ کے تحت مزید لکھتے ہیں: ثابت ہوا کہ حضور ﷺ علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسی طرح مولوی نعیم الدین صاحب نے امی کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا میں کسی سے پڑھا نہیں۔ یہ تشریحات اسی قسم کی ہیں جیسے کوئی نصف النہار یعنی دوپہر کا معنی آدھی رات کر دے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے باوجود آپ ﷺ نے قرآن پاک جیسی عظیم الشان کتاب پیش فرما دی اور یہ معجزہ بھی اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں۔ لہٰذا اب نبی ﷺ کو لکھنا پڑھنا سکھلا دینا چودھویں صدی کے بریلویوں کا معجزہ تو ہو سکتا ہے نبی ﷺ کا معجزہ نہیں ہو سکتا۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا اُمّی کے بارے میں یہ فرمانا کہ آپ ﷺ نے دنیا میں کسی سے نہ پڑھا یعنی ویسے آپ ﷺ پڑھنا جانتے تھے، غلط ہے۔ المنجد میں اس کا معنی لکھا ہے:

((من لا یعرف الکتابۃ والقراۃ)). "جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا"۔

جو لوگ کسی مدرسہ میں داخلہ نہیں لیتے اور از خود اپنی محنت سے تعلیم حاصل کر لیتے ہیں، ان علاموں کی تشریح کے مطابق انھیں اُمّی ہی کہا جانا چاہیے۔

نبی ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا: ہم اُمّی لوگ ہیں ہمیں حساب کتاب نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا مہینہ کبھی اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی ۲۹ دن کا اور کبھی اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی ۳۰ دن کا۔ (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۵۶ حدیث ۱۹۱۳ مسلم ج ۱ ص ۳۴۷ حدیث ۲۵۰۱، مشکوۃ باب رؤیۃ الھلال ص ۱۷۴)

جب صلح حدیبیہ کی شرائط لکھی جا رہی تھیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی لکھ دیا، کافروں نے اس پر اعتراض کیا تو آگے یہ الفاظ ہیں:

((فامر علیا ان یمحاھا فقال علی لا واللہ لا امحاھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارنی مکانھا فاراہ مکانھا فمحاھا و کتب ابن عبداللہ)). (عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ حدیث ٤٦٣١)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے مٹا دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بخدا میں اسے نہیں مٹاؤں گا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے مجھے دکھاؤ کہاں لکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دکھلایا تو آپ ﷺ نے مٹا کر ابن عبداللہ لکھا“۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو پڑھنا نہیں آتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ کا نام کہاں لکھا ہے۔ آخری الفاظ سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ابن عبداللہ لکھا جیسا کہ بخاری شریف میں بھی ہے:

((فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب و لیس یحسن یکتب فکتب ھذا ما قاضی محمد بن عبداللہ ... الخ)). (عن البراء بخاری ص ٦١٠ حدیث ٤٢٥١)

”آپ ﷺ نے کتاب پکڑی، آپ ﷺ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے آپ ﷺ نے لکھا محمد بن عبداللہ نے یہ معاہدہ کیا“۔

حاشیہ میں علامہ کرمانی فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ نبی ﷺ تو اُمی تھے پھر آپ ﷺ نے کیسے لکھا تو جواب یہ ہے کہ اُمی وہ ہوتا ہے جو اچھی طرح نہ لکھ سکے نہ کہ جو بالکل نہ لکھ سکے۔ یا نبی ﷺ کی طرف لکھنے کی نسبت مجازی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ یا آپ ﷺ کا یہ لکھنا بطور معجزہ تھا۔

لہٰذا مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ نبی ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھنا سکھلایا یا یہ کہ آپ ﷺ علم خط بخوبی جانتے تھے فقط ایک گپ ہے۔

پانچویں فصل: مخالفین کی تائید کے بیان میں

﴿۸۲﴾ اس فصل میں مفتی صاحب نے علم غیب کی تائید میں چند اکابر دیوبند کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً حاجی امداداللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء اولیاء کو نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت وادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت ﷺ کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۱۱۰)

مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیقظ حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے۔ (ماخوذ از انوار غیبیہ ص ۳۲)

ایک ہی مکتب فکر کی طرف سے توجہ اور ہر دم مشاہدہ دو متضاد نظریے ہیں۔ اس کا جواب یا تو دیوبندیوں کو دینا چاہیے جن کے یہ اکابر ہیں یا بریلویوں کو دینا چاہیے جنھوں نے اپنی تائید میں انھیں نقل کیا ہے۔ ہمارے ذمہ اس کا جواب نہیں۔ کیونکہ ہم تو پہلے ہی ان دونوں کو ایک شے سمجھتے ہیں سوائے ان کے جو عقائد میں مماتی کہلاتے ہیں۔

مفتی صاحب نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ نانوتوی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر اس میں تو کوئی علم غیب والی بات نظر نہیں آتی۔

چھٹی فصل: علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

﴿۸۳﴾ فرماتے ہیں: ”عرش وفرش کے لوگ آپ ﷺ کے اُمتی ہیں... حضور علیہ السلام کے اُمتی تو ملائکہ بھی ہیں: ﴿لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَذِيْرًا﴾ "۔عرش پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا موجود ہونا ثابت نہیں:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝﴾ (طٰہٰ:۵) "رحمٰن عرش پر مستوی ہوا"۔

تو کیا اللہ تعالیٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہے؟ سدرۃ المنتہیٰ جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اس کے بارے میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں ملائکہ اور ارواحِ شہداء و اتقیا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مفتی صاحب اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں چونکہ فرشتے اور شہداء کی روحیں اس سے آگے نہیں بڑھتیں اس لیے اسے سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا ہے۔لہٰذا عرش پر اگر لوگ آباد ہیں تو کیا وہ سدرۃ المنتہیٰ سے نیچے ہے؟ کچھ سوچ کر بات کرنی چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث ہونا ایک حقیقت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا بھی ہے۔ ملائکہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ثابت نہیں۔نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا بلکہ فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔لہٰذا فرشتے کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بن گئے۔نیز فرشتے تو معصوم ہیں اور نہایت فرمانبردار ہیں۔

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحریم:۶)

"جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جائے بجالاتے ہیں"۔

لہٰذا انہیں کسی کا اُمتی بننے کی کیا ضرورت ہے۔اگر ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ ہی دلیل ہے تو عالمین میں تو جانور بھی آجاتے ہیں بلکہ ایسے ایسے جانور بھی آجاتے ہیں جن کا نام لینا بھی گالی ہے تو کیا معاذ اللہ انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا نبی کہو گے۔قرآن پاک میں بنی اسرائیل سے فرمایا:﴿وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (بقرہ:۴۷) "اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی"۔

تو کیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو انسانوں، جنوں، فرشتوں بلکہ نبیوں پر بھی فضیلت دے دی؟ کیونکہ عالمین میں سب آجاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس کے تحت مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں: "﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ کا استغراق حقیقی نہیں"۔مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے آباء کو ان کے زمانہ والوں پر فضیلت دی۔مفتی صاحب نے بھی اپنے حاشیہ میں اس فضیلت کو ان کے زمانہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔لہٰذا اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی عالمین سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نذیر یعنی ڈرانے والے بن کر آئے۔اگر بریلویوں کو اصرار ہے کہ ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے تو انسانوں اور جنوں کے علاوہ کسی اور کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نذیر ہونا ثابت کریں جیسا کہ معلوم ہے۔نذیر کا معنی ہے ڈرانے والا، ڈرانا کس چیز سے ہے۔قرآن پاک میں ہے:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝﴾ (السبا:۴۶)

"وہ تمہیں ایک بڑے سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں"۔

ظاہر ہے کہ انسانوں اور جنوں کے سوا کسی نے جہنم میں نہیں جانا۔نیز قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:۱۵۸)

"آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تو سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں"۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (السبا:۲۸) "اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کے لیے بھیجا ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے العالمین سے مراد بھی لوگ ہی ہیں، یعنی سب لوگ۔یہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ساتھ ہے خود مفتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب نے لکھا ہے: ”تفسیر بالقرآن یہ سب سے مقدم ہے“۔ (ص ۱۱)

(الف) مفتی صاحب لکھتے ہیں: ”چاند اشارے سے پھاڑا، ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا پانی برسا، پھر حکم دیا کھل گیا۔ یہ سب خداداد اختیارات کا اظہار تھا“۔ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ نبی ﷺ نے چاند کو اشارے سے پھاڑا۔ بعض ستم ظریف تو یہاں تک کہتے ہیں کہ چاند کا ایک ٹکڑا حضور ﷺ کے گریبان میں داخل ہو کر آپ ﷺ کی آستین سے نکل گیا۔ کیا وہ گیند تھا جس سے ملائکہ کرکٹ کھیل رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ فرماتے ہیں عہد نبوی ﷺ میں ایک ٹکڑا پہاڑ کے نیچے کی جانب تھا آپ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔ (بخاری ص ۱۲۱۷) ڈوبے ہوئے سورج کا واپس آنا ایک موضوع حکایت ہے۔ (موضوعات کبیر ص ۲۴ البدایہ والنہایہ جزء ۶ ص ۷۶) بادلوں کو حکم دینا بھی قطعاً ثابت نہیں۔ نہ برسنے کے لیے نہ کھل جانے کے لیے۔ آپ ﷺ نے دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی۔ (عن انس بخاری ص ۱۳۷ حدیث ۱۰۱۵، مسلم ج ۱ ص ۲۹۳ حدیث ۲۰۷۸، مشکوٰۃ باب المعجزات ص ۵۳۶) گپیں نہیں ہانکنی چاہئیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ فرماتے ہیں: یہ سب خداداد اختیارات کا اظہار تھا۔ حالانکہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ کی دعا سے بارش ہوئی تو فرمایا:

((اشھد ان اللہ علی کل شیء قدیر و انی عبداللہ و رسولہ))۔ (عن عائشہ ابو داؤد ابواب صلوۃ الاستسقاء حدیث ۱۱۷۳، مشکوۃ باب الاستسقاء ص ۱۳۲) ❶

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں“۔

عرصہ دراز سے سن رکھا تھا کہ بریلوی اور عقل کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ علم غیب کی چھٹی فصل پڑھ کر اس کی تصدیق ہو گئی۔

(ب) عقلی دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”چند سال کامل استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ ایک تارہ ہزار سال بعد چمکتا تھا اور میں نے اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگا لو کتنے کروڑ برس دربارِ خاص میں حاضری رہی“۔ دربارِ خاص میں یہ حاضری پانچ ارب چار کروڑ برس بنتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ تارہ تھے تو کیا اس وقت آپ نبی نہیں تھے۔ اگر نبی تھے تو کیا وجہ ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کے بغیر بھی کوئی نبی ہو جاتا ہے؟ پھر آپ ﷺ ایک دفعہ چمک کر ستر ہزار سال تک غائب کہاں؟ اور کیوں ہو جاتے تھے؟ نیز معلوم ہونا چاہیے کہ وہ پتھر اور مٹی کا بنا ہوا تارہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں کیسے منتقل ہو گیا۔ کیونکہ ثابت ہو گیا ہے کہ تارے پتھر اور مٹی کے ہی بنے ہوئے ہیں اور حجم میں ہماری زمین کے لگ بھگ ہوتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو کھربوں کی تعداد میں تارے نظر آ رہے ہیں کیا سب دربارِ خاص ہی میں حاضر ہیں۔ کیونکہ اوپر تو تاروں کا ثبوت نہیں ہے۔ سب تارے آسمانِ دنیا کے نیچے ہی ہیں:

﴿زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ (ملک: ۵) ”ہم نے آسمان دُنیا کو ستاروں سے مزین کیا“۔

کیا یہی دربارِ خاص ہے۔ نیز نبی ﷺ اگر تارہ تھے تو دیگر انبیاء کرام بھی تو تارے رہے ہوں گے۔ اور عین ممکن ہے موجودہ تارے بھی اصل میں اولیاء ہی ہوں۔ بریلویوں کو چاہیے کہ ماہرین آواگون سے مل کر اس مسئلہ پر تحقیق کریں۔ بقول ان کے نبی ﷺ

تخریج: ❶ اس کی سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچ ارب چار کروڑ برس دربارِ خاص میں حاضر رہے اور قبل ولادت ہی کامل عالم تھے تو پھر نہ جانے ۹ ہجری تک آپ کو منافقین کے بارے میں علم غیب کیوں نہ حاصل ہو سکا۔

۸۴ اس فصل میں متعدد "عقل" کی باتوں کے منجملہ ایک "عقل" کی بات یہ لکھی ہے کہ ربّ تعالیٰ نے ہر بات لوحِ محفوظ میں کیوں لکھی؟ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لیے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں یا دوسروں کے بتانے کے لیے۔ ربّ تعالیٰ تو بھول سے پاک ہے اور حضور ﷺ تو دوسروں سے زیادہ محبوب۔ لہٰذا وہ تحریر حضور ﷺ کے لیے ہے"۔ عرض ہے کیا نبی ﷺ کو یادداشت کی ضرورت تھی اور کیا آپ ﷺ بھول بھی جاتے تھے اور پھر لوحِ محفوظ پڑھ کر آپ ﷺ کو بھولا ہوا سبق یاد ہو جاتا تھا؟ یادداشت کا محتاج اور بھول جانے والا انسان، عالم الغیب ہو سکتا ہے؟

(الف) فرماتے ہیں: "محبوب ﷺ نے ربّ ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔ مرقات باب الایمان بالقدر فصل اوّل کے آخر میں ہے حضور ﷺ نے دنیا میں اللہ کو دیکھا کیونکہ وہ خود نور ہو گئے تھے"۔ مرقات کی اصل عبارت یوں ہے:

((و اذا صفت المؤمنون عن الكدورات البشرية فى دار الثواب فيرونه بلا حجاب كما ان النبى صلى الله عليه وسلم رآه فى الدنيا لا نقلابه نورا كما قال فى الدعاء اللهم اجعل فى قلبى نورا و فى بصرى نورا الى قوله و اجعلنى نورا)). (ج۱ ص ۱٦٤)

"مسلمان آخرت میں جب بشری کدورتوں سے پاک ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کو بالمشافہ دیکھیں گے۔ جیسے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دُنیا میں دیکھ لیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نور میں تبدیل ہو گئے تھے جیسے آپ ﷺ کی یہ دُعا تھی یا اللہ میرے دِل میں نور پیدا کر اور میری آنکھوں میں نور پیدا کر... الخ"۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"اہل جنت نہ بیمار ہوں گے نہ ٹٹی پیشاب کریں گے نہ تھوکیں گے نہ ناک سنکیں گے"۔ (عن ابی ھریرہ بخاری ص ٤٦٨، حدیث ۳۳۲۷، مسلم ج۲ ص ۳۷۹ حدیث ۷۱۵٤، مشکوۃ باب صفة الجنة و اھلھا ص ٤٩٦)

اب چند سوالات پیش خدمت ہیں:

① کیا واقعی نبی ﷺ دنیا میں ان کدوراتِ بشریہ سے مبرا ہو گئے تھے؟

② فرشتے نوری ہیں اور ان کدوراتِ بشریہ سے پاک ہیں۔ کیا وہ ربّ کو بلا حجاب دیکھتے ہیں؟

③ اور کیا نبی ﷺ پہلے ہی نور تھے یا اس دُعا کی قبولیت کے نتیجے میں نور بنے تھے۔ اگر دُعا کے بعد نور بنے تھے تو معراج کا واقعہ دُعا مانگنے سے پہلے کا ہے یا بعد کا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے؟ تو فرمایا:

((هُوَ نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ)). (عن ابی ذر مسلم ج۱ حدیث ٤٤٣ ص ۹۹) "وہ نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں"۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اماں جان! کیا نبی ﷺ نے اپنے ربّ کو دیکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تھا؟ تو فرمانے لگیں، تیرے سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ جو تمہیں یہ کہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ربّ کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا۔ جو تمہیں یہ کہے کہ آپ ﷺ کل کی بات جانتے تھے اس نے بھی جھوٹ بولا۔ اور جو تمہیں یہ کہے کہ آپ ﷺ نے (کسی دین کی بات کو) چھپایا اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر فرمایا کہ نبی ﷺ نے درحقیقت جبرئیل علیہ السلام کو دو بار ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ (بخاری ص ۷۲۰ حدیث ۴۸۵۵)

مفتی صاحب کے مرشد مولوی نعیم الدین صاحب نے اپنے حاشیہ میں آیاتِ نجم کے تحت متعدد احتمالات نقل کیے ہیں۔ اور استدلال کے لیے مفتی صاحب کا یہ قانون ہے کہ آیت **قطعی الدلالۃ** ہو جس کے معنی میں چند احتمالات نہ نکل سکتے ہوں۔ (ص ۴۴)

(ب) فرماتے ہیں: "ربّ تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لیے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اسے یہ خبر بھی ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے کون نہیں۔ جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا تو ضروری ہے کہ دنیا کے طبیب مطلق ہدایت دینے کے لیے اس سے کہیں زیادہ علم والے ہوں"۔

مطلب یہ کہ مفتی صاحب کے نزدیک نبی ﷺ کا علم شیطان سے بھی زیادہ تھا۔ یہ تقابل کس قدر بدذوقی پر مبنی ہے۔ اس تقابل سے انھوں نے اپنے علم غیب کو بھی بدنام کر لیا ہے۔ یعنی علم غیب ایسی چیز ہے جو شیطان کو بھی حاصل ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں شیطان کی ذریت کے بارے میں ہے:

﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ (السبا: ۱۴)

"پس جب سلیمان (علیہ السلام) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے"۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام سامنے کھڑے تھے جنات کو عرصہ دراز تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں۔

نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اوپر کی باتوں کی ٹوہ لگانے والے شیاطین پر انگارے برسنے لگے تو ان کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

﴿لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (الجن: ۱۰)

"ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ربّ کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے"۔

کہتے ہیں شیطان کو معلوم ہوتا ہے کہ کون گمراہ ہوگا اور کون نہیں ہوگا۔ عرض ہے کہ پھر اسے ہر نیک و بد کے ساتھ چمٹ کر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا مبلغین اسلام کی طرح اسے بھی اتمام حجت مقصود ہوتا ہے وہ تو نبی ﷺ کا پیچھا بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ گو وہ آپ ﷺ کا کچھ بگاڑ نہیں سکا تھا۔ (عن ابن مسعود مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ حدیث ۷۱۰۸، مشکوۃ باب الوسوسہ ص ۱۸)

مفتی صاحب نے شیطان کے بالمقابل نبی ﷺ کو پیش کیا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ لازماً آپ ﷺ کی لاج رکھتا اور پھر ایک ہزار میں سے ۹۹۹ انسان دوزخ میں نہ جاتے۔ (عن ابی سعید خدری بخاری ص ۶۹۳ حدیث ۴۷۴۱) کیا خیال ہے شیطان جیت گیا اور نبی ﷺ ہار گئے؟ **استغفر الله معاذ الله، نعوذ بالله من ذالك الخرافات الوهمية**۔

گمراہ کرنے کے لیے شیطان نے اللہ تعالیٰ سے رہتی دنیا تک کے لیے زندگی مانگ لی ہے۔ (**الحجر ۳۶**) کیا ہدایت دینے کے لیے اس قسم کی رعایت کا ثبوت نبی ﷺ کے لیے بھی ہے؟ آپ ﷺ آج سے تقریباً چودہ صدیاں پیشتر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ سمجھانا تھا سمجھا کر چلے گئے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر توحید و سنت کی راہ اختیار کریں یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شرک و بدعت کا شیطانی راستہ اپنائیں۔ شیطان کو وسوسے ڈالنے کی صلاحیت تو ضرور دی گئی ہے جیسا کہ ''جاء الحق'' بھی اسی کے وسوسوں کا مظہر ہے۔ لیکن اسے ہم پر کوئی جبر ہے نہ اس میں نبی ﷺ کا کوئی قصور ہے۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف: ۲۹) ''اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''۔

﴿۸۵﴾ فرماتے ہیں: ''علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے''۔ سورہ تحریم ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی آیت نمبر ۳ میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک بیوی صاحبہ کو ایک راز کی بات بتلائی جسے انھوں نے فاش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے آگاہ فرما دیا۔ آپ نے ان سے باز پرس کی تو ان بیوی صاحبہ نے کہا آپ کو کیسے پتہ چلا تو فرمایا:

﴿نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ ''مجھے جاننے والے خبردار نے بتلایا ہے''۔

اب سوال یہ ہے اگر نبی ﷺ کو علم تھا کہ وہ راز اُگل دیں گی تو کیا آپ ﷺ انھیں راز کی بات بتلاتے اور کیا راز اگلتے وقت بیوی صاحبہ کو معلوم نہیں تھا کہ نبی ﷺ کو پتہ چل جائے گا کیونکہ علم غیب تو نبی ﷺ کے معنی میں داخل ہے بلکہ جب نبی ﷺ نے انھیں جتلا بھی دیا تب بھی ام المومنین کو علم نہ ہوا کہ آپ علم غیب جانتے ہیں بلکہ پوچھا کہ آپ کو کس نے بتلایا ہے؟ پھر نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے کس نے بتلانا تھا میں تو خود عالم الغیب ہوں بلکہ فرمایا مجھے اللہ علیم وخبیر نے بتلایا ہے۔ اب بریلویوں کو نہ جانے کہاں سے خبر مل گئی کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں اور یہ کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوا نبی ﷺ تو عالم الغیب نہیں تھے البتہ بریلوی ضرور عالم الغیب لگتے ہیں۔ یعنی کہ جس چیز کی خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ ہو سکی بلکہ نبی ﷺ کو بھی نہ ہو سکی ان بریلویوں کو ہو گئی۔

صاحب قاموس نے نبی کا معنی المخبر عن اللہ تعالیٰ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا نہ کہ غیب کی خبریں دینے والا۔ مفتی صاحب نبوت کو کہانت کے معیار پر لے آئے ہیں۔

(الف) فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی ﷺ کے واسطہ سے ہوتا ہے''۔ صدقہ کہتے ہیں زکوٰۃ و خیرات کو۔ کیا نبی ﷺ اولیائے کرام کو علم غیب کا صدقہ دیتے ہیں۔ کیا یہ کوئی سونا چاندی ہے یا کوئی بکرا ہے۔ غلط العوام کے طور پر اگر صدقہ سے مراد واسطہ لیا جائے تو واسطہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے آنحضرت ﷺ کن دو کے درمیان واسطہ ہیں۔ یعنی کیا جس طرح اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کے درمیان حضرت جبرائیل علیہ السلام واسطہ تھے کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اولیائے کرام کے درمیان نبی علیہ السلام واسطہ ہیں۔

اگر یہ بات ہے تو پھر جیسے جبرائیل علیہ السلام کا مقام حضور ﷺ سے کم ہے اسی طرح حضور ﷺ کا مقام اولیاء سے کم ماننا پڑے گا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ پوری نوع انسانی کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بن کر تشریف لائے ہیں۔ اولیائے کرام کو غیب دینے کے لیے سفیر بن کر نہیں آئے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی شکل میں ہدایت ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر کسی ولی کی پوٹلی میں حضور ﷺ کا دیا ہوا علم غیب بھی پایا جاتا ہے تو ثابت کرے۔

(ب) ملا علی قاری حنفی کی مرقات ج ۱ ص ۶۲ سے نقل کرتے ہیں بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پا لیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے''۔ پہلے انھوں نے لکھا ہے کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب وہبی چیز ہے۔ کیونکہ نبوت وہبی چیز ہے۔ یاد رہے کہ ولی کی کرامت بھی وہبی ہوتی ہے۔ مگر مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کسبی چیز ہے، محنت کر کے اسے بتدریج حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ثابت ہوا علم غیب نہ معجزہ ہے نہ کرامت ہے۔ بلکہ فقط ایک ریاضت ہے اور ایک ہنر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جس کی فضیلت نہیں۔

﴿۸۶﴾ لکھتے ہیں: شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں: "لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔" اگر یہ لوح محفوظ ایسی ہی کھلی لائبریری میں پڑی ہے تو پھر نہ جانے اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن پاک میں محفوظ اور مکنون کیوں فرمایا ہے۔ بریلویوں کے ولی تو قرآن پاک بھی صحیح طریقہ سے نہیں پڑھ سکتے الا ماشاء اللہ۔ تو پھر وہ کیسے ولی تھے جو لوحِ محفوظ بھی پڑھ لیتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ خود بھی ولی بن ولی تھے۔ کیا ان باپ بیٹوں کو لوحِ محفوظ پڑھنے کا اتفاق ہوا؟ آج کل سائنس کا زمانہ ہے۔ میں ولیوں کی خدمت میں بصد ادب گزارش کروں گا جب وہ لوحِ محفوظ پڑھنے کے لیے آسمان کی طرف پرواز کرنے لگیں تو کیمرہ ساتھ لے جائیں تاکہ اس کی ویڈیو فلم اُتار لائیں۔ معراج کے وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لیے لوحِ محفوظ کی نقاب کشائی نہ فرمائی۔ معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

﴿۸۷﴾ لکھا ہے حضور غوث پاک ارشاد فرماتے ہیں: "ہم نے اللہ تعالیٰ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا ہے جیسے چند رائی کے دانہ ملے ہوئے ہوں"۔

نیز لکھا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: اے بہادرو! اے فرزندو، آ ؤ اور اس دریا سے کچھ لے لو جس کا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے ربّ کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ہمارا گوشۂ چشم لوحِ محفوظ میں رہتا ہے۔ اور میں اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں"۔

یہ سب ہوائی باتیں ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں اس قسم کی ڈینگیں نہیں ماریں۔ نیز غنیۃ الطالبین کے مطابق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ رفع یدین بھی کرتے تھے۔ آمین بالجہر بھی کہتے تھے۔ جلسہ استراحت بھی کرتے تھے۔ تورّک بھی کرتے تھے۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی پڑھتے تھے۔ ہاتھ ناف کے اوپر باندھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ سوال یہ ہے لوحِ محفوظ میں گوشہ چشم رکھنے اور اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطہ لگانے کے باوجود انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ سب مسئلے "غلط" اور وہابیوں والے ہیں۔ میرے بھائی جن کی شریعت "صحیح" نہیں تھی ان کی طریقت کیسے صحیح ہو گئی۔ یا لوحِ محفوظ میں صرف طریقت درج ہے شریعت درج نہیں ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ غوث پاک نے ابھی صرف گوشۂ چشم ہی وا کیا ہوا ہے اگر پوری آنکھیں کھول لیں تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ پر ہی نظر جا پڑے۔ پھر نہ جانے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کی نگاہوں کی تاب بھی لا سکیں یا نہیں۔ مفتی صاحب پہلے روح البیان کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ حضور ﷺ پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔ (ص ۴۹) مگر غوث پاک کا قول یوں نقل کیا ہے تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ یعنی نبی ﷺ پر لوگوں کے صرف اعمال پیش ہوتے ہیں۔ جب کہ غوث پاک پر بذاتِ خود لوگ پیش ہوتے ہیں۔ خود ہی اندازہ فرما لیں ان دونوں میں کس کا مقام بلند ہے۔

(الف) لکھتے ہیں: "مولانا جامی نفحات الانس میں خواجہ بہاء الدین نقشبند کا قول نقل کرتے ہیں۔ حضرت عزیزاں رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس گروہِ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے۔" لگتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے دونوں نے اپنا اپنا تجربہ بیان کیا ہے۔ اگر حضرت عزیز ان بھی کسی آئی اسپیشلسٹ سے اپنی عینک کا شیشہ تبدیل کروا لیتے تو ممکن ہے حضرت نقشبند کی طرح انھیں بھی زمین دسترخوان کی بجائے ناخن کی طرح نظر آتی۔ حقیقت یہ ہے یہ دعویٰ خدائی دعویٰ سے کم نہیں۔ اس لحاظ سے نبی ﷺ تو اِن کے پاسنگ بھی نہیں تھے۔ آپ کو تو میدانِ اُحد میں وہ گڑھا بھی نظر نہ آیا جس میں گر کر آپ ﷺ زخمی اور بے ہوش ہو گئے تھے۔ (تاریخ اسلام ص ۱۷۳) اور وہ بچھو بھی نظر نہ آیا جس نے آپ کو عین حالتِ نماز میں ڈس لیا تھا۔ (عن علی شعب الایمان بیہقی حدیث ۲۳۴۱، مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی ص ۳۹۰) ❶

(ب) ایک بزرگ علی خواص کا قول نقل کرتے ہیں ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مردِ کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکاتِ نسبی کو (حرکاتِ مریدہ فی انتقالہ فی الاصلاب) نہ جان لے یومِ میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک"۔ یعنی ان کے مردِ کامل کو علم ہوتا ہے کہ ان کا مرید جس نطفے سے بنا ہے وہ آدم سے لے کر اب تک کس کس باپ کی پشت سے ٹپکتا ہوا آیا ہے اور قیامت تک کن کن حالات میں منتقل ہوتا چلا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسئلہ پوچھنے نبی علیہ السلام کے دروازہ پر حاضر ہوئیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے متعلق یہ نہ بتلانا کہ میں کون ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا مسئلہ کس نے پوچھا ہے؟ عرض کیا گیا زینب نے۔ فرمایا: کون سی زینب؟ عرض کیا گیا: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی۔ (بخاری ص ۱۹۸ حدیث ۱۴۶۶)

یعنی نبی ﷺ کو یہ پتہ نہ چلا کہ دیوار کے پیچھے کون ہے؟ جب بتلایا گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں تو پھر یہ بھی نہ پتہ چلا کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ کیا حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی مُرید نہیں تھیں۔ بلکہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا نبی ﷺ کو یہ نہ بتلانا کہ ہم کون ہیں اس سے ان کا عقیدہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ آپ ﷺ کو عالم الغیب نہیں مانتی تھیں۔ تو کیا وہ وہابی تھیں؟ اس واقعہ کے پیشِ نظر میں بریلویوں سے پوچھتا ہوں کیا نبی ﷺ مردِ کامل نہیں تھے۔ مجھے تلاش ہے کسی ایسے مردِ کامل کی جو مفتی صاحب کی بیان کردہ تعریف پر پورا اُتر کر دکھلائے۔ وہ مشائخ عظام جن کے القاب وخطابات کئی سطروں میں پھیلے ہوتے ہیں کیا اس چیلنج کو قبول فرمائیں گے۔

اس قسم کی اٹکل علمائے دیوبند نے بھی ماری ہے:

ہم مرید بہ یقین داند کہ روحِ شیخ مقید بہ یک زماں نیست۔ پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید۔ اگر چہ از شیخ دور است اما روحانیت او ر دُور نیست۔ (امداد السلوک مصنفہ رشید احمد گنگوہی) یعنی شیخ کی روح زمان ومکان کی قید کے بغیر ہر جگہ اور ہر زمانے میں مرید کے پاس ہوتی ہے۔

(ج) ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس جب کہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۶۳ حدیث ۶۵۰۲)

اسے بھی انہوں نے علم غیب کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جائے اس کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر نہیں ہوتا اس کے تمام اعضاء وجوارح اللہ ربّ العزت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تو ہر اس شخص کو حاصل ہو جاتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتا ہے:

تخریج: ❶ یہ حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)
”کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا“۔

تو کیا وہ سب عالم الغیب ہو جاتے ہیں؟

۸۸ فرماتے ہیں: ”حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں اور یہ حضرت اب اُمت مصطفیٰ ﷺ کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اُمت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے“۔ سورج نکلتا ہے تو ساری دنیا دیکھتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو سب کو پتہ چل جائے گا۔ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کی زندگی کے بارے میں کوئی ثبوت ہے یا صرف قول ہی قول ہیں۔ فقط کسی کے کہنے سے تو کوئی زندہ نہیں ہو جاتا۔ مثلاً شیعہ اگر کہتے ہیں کہ بارہویں امام غار سرمن رائی میں چھپے ہوئے ہیں تو کیا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے؟ نیز بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت جیلانی رحمہ اللہ کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

تو کیا ان تینوں کی گردنیں بھی عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے قدم کے نیچے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ولی جو ہوئے ہیں۔ ویسے یہ گستاخی ان سے بعید نہیں کیونکہ ان کی کتاب تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فریدالدین عطار میں بایزید بسطامی کا قول لکھا ہے میرے علم کے، نیچے مخلوق کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہوں گے۔ (ص ۱۰۸) بلکہ فوائد فریدیہ میں لکھا ہے میرا جھنڈا محمد ﷺ کے جھنڈا سے زیادہ اونچا ہے۔ (ص ۷۳) استغفر اللہ۔

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

پہلی فصل: آیاتِ قرآنیہ کے بیان میں

۸۹ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الانعام:۵۰)
”تم فرمادو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں“۔
(مفتی صاحب کا کنز الایمانی ترجمہ)

مفتی صاحب نے اس آیت کو چار طریقے سے رد کرنے کی کوشش فرمائی ہے: ذاتی علم غیب کی نفی، کلی کی نفی، دعویٰ کی نفی یا بطور تواضع نفی۔ اتنی توجیہات سے بہتر تھا کہ آیت کا انکار ہی کر دیتے۔ میں آپ غیب جان لیتا ہوں میں لفظ ”آپ“ کا دُم چھلا انھوں نے عطائی کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے لگایا ہے۔ یہ صاحب کنز الایمان کی مہربانی ہے یہی الفاظ سورہ ہود ۳۱ میں حضرت نوح علیہ السلام کے لیے استعمال ہوئے ہیں وہاں ترجمہ میں ان حضرت نے آپ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ تو کیا حضرت نوح علیہ السلام عطائی علم غیب سے ناآشنا تھے۔ اور ”بجائے جانتا ہوں“ کے ”جان لیتا ہوں“ میں بھی شرارت کا عنصر نمایاں ہے۔ اگر یہ ترجمہ درست ہے تو لا اقول کا ترجمہ بھی میں تم سے نہیں کہتا کی بجائے یوں کرنا چاہیے تھا: میں تم سے نہیں کہہ لیتا۔

ظاہر ہے کہ اس طرح نامعقولیت ظاہر ہو جاتی تھی۔ انہی کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے خواجہ حسن نظامی صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے: ”نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) مجھے علم غیب ہے اور نہ میں تمام چھپی باتوں کو جانتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں"۔ مفتی صاحب نے اپنی توجیہات میں کلی کی نفی کا جو ذکر کیا ہے۔ یہ خود ان کے اپنے مسلک کے مطابق نہیں۔ اِنِّیْ لَا اَعْرِفُ اَسْمَاءَھُمْ وَ اَسْمَاءَ اٰبَاۗئِھِمْ کے تحت اپنی تائید میں مرقات کی یہ عبارت نقل فرما چکے ہیں کہ حضور ﷺ کا علم کلی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔ (ص ۴۷)

﴿۹۰﴾ ان کا ایک نکتہ ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں: اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لیے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا ثبوت اور دوسرے لَا اَقُوْلُ میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے۔ یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے: ((اوتیت مفاتیح خزائن الارض)) "یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں"۔ اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں"۔

یہ نکتہ مفتی صاحب نے فقط اپنے آپ کو حکیم الامت ظاہر کرنے کے لیے بیان فرمایا ہے ورنہ اس کا حکمت اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا کہیں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ ایک شے کا ذکر ہو تو دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہوتی ہے۔ دو چیزوں کا ذکر ہو تو دعویٰ کی نفی اور مدعی کا ثبوت ہوتا ہے۔ کیا صرف عطف ڈالنے سے ہی عبارت کا مفہوم اُلٹ جاتا ہے:

﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الاعراف: ۱۸۸) "اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا"۔

میں صرف غیب جاننے کی نفی ہے تو کیا اس کے مطابق بریلوی حضرات دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی پر ایمان لے آئے ہیں۔

﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝۳۳﴾ (بقرہ: ۳۳)

"کیا میں نے تمہیں نہ کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو۔ اور جو تم چھپاتے ہو"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی ﴿اَلَمْ اَقُلْ﴾ کے تحت دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے تو کیا اس میں صرف دعویٰ ہی ثابت ہے مدعی ثابت نہیں؟ یعنی اللہ تعالیٰ میں اور نبی ﷺ میں یہ فرق ہے کہ نبی ﷺ کا علم غیب پر دعویٰ تو نہیں البتہ علم غیب جانتے ضرور ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب پر بس دعویٰ ہی دعویٰ ہے ورنہ علم غیب جانتا نہیں ہے۔ ان کے بنائے ہوئے قانون وقاعدے سے تو یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب رحمہ اللہ نے دوسرے ﴿لَا اَقُوْلُ﴾ یعنی ﴿لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے: "اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں"۔ اگر بقول مفتی صاحب دوسرے ﴿لَا اَقُوْلُ﴾ میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے تو میں تم سے یہ نہیں کہتا کی بجائے "اور نہ تم سے یہ کہوں" ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اس ترجمہ سے بھی دعویٰ کی نفی ثابت ہو رہی ہے مدعی کی نفی ثابت نہیں ہو رہی۔ خود ص ۹۱ پر مفتی صاحب نے بھی دعویٰ اور مدعی کا نکتہ بیان کرتے ہوئے کنز الایمان کے برعکس ان پورے کلمات کا ترجمہ شریف آدمیوں کی طرح کیا ہے یعنی میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ (اور) میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس ترجمہ سے مفتی صاحب کی سابقہ چاروں توجیہات کا جنازہ نکل گیا۔

﴿لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ کے خلاف مفتی صاحب نے حدیث کا یہ ٹکڑا پیش کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

91 ((اوتیت بمفاتیح خزائن الارض)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۸۰ حدیث ۷۲۷۳، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۲)
"مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں"۔

اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں جو مفتی صاحب خلاف سمجھ کر کھا گئے ہیں۔

اور آگے یہ الفاظ ہیں: ((فَوُضِعَتْ فِی یَدِی)) "کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں"۔

سوال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ بیدار ہوئے تو کیا خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تھیں؟ وہ کہاں چلی گئیں؟ کہیں انھیں شیخ عبدالقادر جیلانی تو اچک کر نہیں لے گئے۔

پیغمبر کا خواب بے شک غلط نہیں ہوتا۔ مگر اصل شے اس کی تعبیر ہوتی ہے۔ چنانچہ محدثین کے نزدیک اس خواب کی تعبیر آئندہ ہونے والی فتوحات اور قیصر و کسریٰ کے خزانے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۴ حاشیہ بخاری ص ۱۰۸۰ وغیرہ)

خود اس روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ نبی ﷺ تو تشریف لے گئے اور تم ان خزانوں کو حاصل کر رہے ہو۔ یہ روایت بخاری شریف کتاب التعبیر ص ۱۰۳۶ حدیث ۶۹۹۸ میں بھی ہے جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں ((وانتم تنتقلونها)) اور ایک نسخہ کے مطابق ((تنتقلونها)) یعنی تم ان خزانوں کو منتقل کر رہے ہو یا غنیمت حاصل کر رہے ہو۔

نبی ﷺ کی حیات طیبہ کیسی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ بستر کے بغیر کھجور کی چٹائی پر لیٹے تھے۔ سرہانے چمڑے کا تکیہ تھا۔ جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اپنی اُمت کے لیے فراخی کی دُعا کیجئے۔ فارس و روم والے کافر ہیں مگر کتنے دولت مند ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ تم کن خیالوں میں ہو ان لوگوں کو دُنیا میں مال و دولت دے کر فارغ کر دیا گیا ہے۔ کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ ان کے لیے دُنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔ (بخاری ص ۳۳۵ حدیث ۲۴۶۷، مسلم ج ۱ ص ۴۸۰ حدیث ۳۶۹۲، مشکوۃ باب فضل الفقراء الخ ص ۴۴۷)

کیا خزانوں کے مالک کی زندگی ایسی ہوتی ہے؟

ایک مرتبہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت ﷺ سے خرچہ (نفقہ) مانگ رہی تھیں تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا:

((تسألن رسول الله صلى الله عليه و سلم ما ليس عنده، قلن والله لا نسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئًا ابدا ما ليس عنده)). (عن جابر بن عبدالله مسلم ج۱ ص ٤٨٠ حديث ٣٦٩٠)

"تم نبی ﷺ سے وہ کچھ مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے انہوں نے جواب دیا بخدا آئندہ ہم نبی ﷺ سے کبھی ایسی شے نہیں مانگیں گی جو آپ کے پاس نہ ہو"۔

کیا خزانوں کے مالک کا یہی حال ہوتا ہے؟

غزوہ تبوک کے موقع پر سواری کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے جو مسلمان جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معذور قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ﴾ (التوبہ: ۹۲)

"اور نہ ان پر حرج ہے جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انھیں سواری عطا فرماؤ تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر میں تمہیں سوار کروں۔ اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو اُبلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا"۔ (کنز الایمان)

حاشیہ پر مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں اصحابِ رسول نے حضور ﷺ سے سواری کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں جس پر میں تمہیں سوار کروں تو وہ روتے ہوئے واپس ہوئے۔

البتہ مفتی صاحب اپنے حاشیہ میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں یہاں ﴿لَاۤ اَجِدُ﴾ فرمانا معذرت کے لیے ہے سائل کو ردّ کرنے کے لیے نہیں۔ حضور ﷺ کی زبان پر ردّ کرنے کے لیے کبھی لا نہ آیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں ﴿لَاۤ اَجِدُ﴾ فرمانا ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حضور ﷺ خزانہ الٰہیہ کے مالک ہیں۔ ربّ فرماتا ہے: ﴿اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ (یونس: ۷۴)

اس معذرت میں اُمت کو معذرت کرنے کی تعلیم ہے۔ لہٰذا دیوبندی وہابی اس سے سند نہ پکڑیں"۔ سوال یہ ہے کیا معذرت کرے، اور ردّ کرنے میں کوئی فرق ہے۔ مثلاً آپ سے کوئی ایک ہزار روپیہ مانگے۔ آپ دینے سے انکار کر دیں یا کہیں معذرت قبول فرمایئے۔ ان دونوں جوابوں میں آخر کیا فرق ہے سوائے حسنِ اخلاق کے۔ مفتی صاحب نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

((ما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم شياء قط فقال لا)). (عن جابر بن عبداللہ مسلم ج ۲ ص ۲۵۳ باب فی سخائہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۶۰۱۸، مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۹)

"نبی ﷺ نے سوال کے جواب میں کبھی نہ نہیں کہا"۔

یہ حدیث دراصل حضور ﷺ کی سخاوت کے بارے میں ہے۔ یعنی اگر آپ ﷺ کے پاس دینے کو کچھ ہوتا تو کبھی نہ نہ کرتے ورنہ ظاہر ہے سائل یا بھیک مانگنے والے کو کسی طرح جواب دینا ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ چند انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے سوال کیا آپ نے پھر دیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا ختم ہو گیا اور فرمایا میرے پاس اگر مال ہو تو میں کبھی اس کو تم سے بچا کے نہ رکھوں۔ (عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۹۷ حدیث ۱۴۶۹، مسلم ج ۱ ص ۳۳۷ حدیث ۲۴۲۴، مشکوٰۃ باب من لاتحل لہ المسئلۃ ص ۱۶۲)

﴿لَاۤ اَجِدُ﴾ والی آیت کا سخاوت سے کوئی تعلق نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے بھیک نہیں مانگی تھی کہ معذرت کی ضرورت پڑتی۔ بحیثیت سپاہی کے جہاد میں شامل ہونے کے لیے انھوں نے آپ ﷺ سے سواری کا مطالبہ کیا تھا جو بہر صورت پورا ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کیا کرتے مجبوری تھی۔ نہ ہونے کا کیا علاج۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ ﴿لَاۤ اَجِدُ﴾ ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حضور ﷺ خزانہ الٰہیہ کے مالک ہیں۔ ایسی مالکی کا کیا فائدہ کہ آپ اپنے پیارے ساتھیوں کو چند اُونٹ گھوڑے بھی سپلائی نہ فرما سکے جس کی وجہ سے انھیں روتے ہوئے واپس جانا پڑا۔ یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ ﴿لَاۤ اَجِدُ﴾ ظاہری اعتبار سے ہے یعنی کیا درحقیقت آپ ﷺ کے پاس اونٹ گھوڑوں کا بندوبست تھا اور آپ ﷺ نے انھیں سرنگوں اور غاروں میں چھپا کر رکھا ہوا تھا؟ انسان نے کوئی شے چھپا کر رکھی ہوئی ہو اور صاف کہہ دے میرے پاس نہیں ہے کیا یہ کذب بیانی نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ لوگ شاید نبی ﷺ کو بھی اپنے جیسا ہی خیال کرتے ہیں۔ کیا بریلویوں کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ نبی ﷺ خزانہ الٰہیہ کے مالک ہیں آپ فقط ظاہری اعتبار سے فرما رہے ہیں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اسی آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ﴿لَا يَجِدُوْا﴾ یعنی ان کے پاس نہیں ہے تو کیا یہ باطنی اعتبار سے ہے۔ یعنی فی الواقع ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ مگر ایک ہی آیت میں مذکور ﴿لَآ اَجِدُ﴾ کو ظاہر پر اور ﴿لَا يَجِدُوْا﴾ کو باطن پر محمول کر لینے کا کیا تک ہے۔ اور اگر ﴿لَا يَجِدُوْا﴾ بھی ظاہری اعتبار پر محمول ہے تو پھر کیا ان کا رونا معاذ اللہ بناوٹی تھا اور کیا پھر ان کے جہاد میں شامل نہ ہونے کا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا عذر قبول فرمالیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ سب ظاہری باتیں ہیں۔ اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝﴾ (الحجر:۲۱)

"اور جتنی بھی چیزیں ہیں سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقرر اندازے سے اتارتے ہیں"۔

مفتی صاحب نے حضور ﷺ کے خزانوں پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے:

﴿اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (التوبہ:۷۴)

"انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول (ﷺ) نے دولت مند کر دیا"۔

اس آیت کے حاشیہ میں مفتی صاحب لکھتے ہیں ظاہر ہے کہ فضلہ کی ضمیر رسول ﷺ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ رسول قریب ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ایسے غنی ہیں کہ دوسروں کو بھی غنی فرما دیتے ہیں"۔ رسول اگر قریب ہے تو عقل بھی تو قریب ہونا چاہیے۔ مفتی صاحب لوگوں کو گمراہ کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کیا قرآن پاک کے تیس پاروں میں اس مضمون کی کوئی ایک آیت بھی ہے کہ نبی ﷺ فضل کرنے والے ہیں جہاں تک مرجع قریب ہونے کی بات ہے:

﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝﴾ (الفتح:۹)

"تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور رسول (ﷺ) کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو"۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں بھی "رسول" قریب ہے۔ مفتی صاحب کے اصول کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ تعظیم وتوقیر کی طرح تسبیح بھی رسول اللہ ﷺ کی ہو۔ مگر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی یہاں اللہ کی پاکی مراد لی ہے اور جناب مفتی صاحب نے بھی حاشیہ میں اس سے پانچ نمازیں مراد لی ہیں۔

مفتی صاحب ﴿اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایسے غنی ہیں کہ دوسروں کو بھی غنی فرما دیتے ہیں۔ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے۔ اگر نبی ﷺ نے ان منافقین کو غنی فرما دیا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ غنی فرمانے کی مستقل خدائی صفت لاحق ہوگئی تھی۔ ورنہ غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے سواریاں مانگنے نہ آتے اور اگر آ ہی گئے تھے تو خالی ہاتھ نہ جاتے۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ دوسروں کو بھی غنی فرما دیتے ہیں گویا اب بھی آپ ﷺ غنی فرما رہے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ﴾ (الرعد:۲۶) "اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔ سوال یہ ہے کیا نبی ﷺ بھی اسی طرح دیتے ہیں۔ یعنی کسی کو زیادہ اور کسی کو کم۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ تحصیل حاصل ہے۔ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کر ہی رہا ہے۔ یا نبی ﷺ انصاف کے ساتھ سب کو ایک جیسا دیتے اور غنی فرماتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر کسی کا انتہائی امیر ہونا اور کسی کا انتہائی غریب ہونا انصاف کے خلاف تو نہیں۔

نبی ﷺ نے منافقین کو جو کچھ دیا بذاتِ خود دیا اور ہاتھوں ہاتھ دیا۔ ایسا نہیں کہ انہیں قدرتی طور پر مال ملا ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ کیا اب نبی ﷺ کسی کو بذاتِ خود اپنے دستِ مبارک سے عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا قدرتی طور پر ملنے کو اس ملنے پر قیاس نہیں کر سکتے جو نبی ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے دیا۔ حقیقت یہ ہے نبی ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں علم یا دولت جو کچھ بھی کسی کو دیا اللہ تعالیٰ کے دیئے میں سے دیا۔ فرمایا:

((انما انا قاسم واللہ یعطی))۔ (عن معاویہ بخاری ص ۱۶ حدیث ۷۱، مسلم ج ۱ ص ۳۳۳ حدیث ۲۳۹۲)

”میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے“۔

یعنی آپ ﷺ دینے والے نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دین کو تقسیم کرنے والے تھے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ﴾ سے تعبیر فرمادیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ۟ ﴾ (الضحیٰ: ۸) ”اور تجھے تنگ دست پایا پس غنی کر دیا“۔

مفتی صاحب نے اپنی تفسیر نور العرفان میں اس سے بھی بہت کچھ استدلال فرمایا ہے حالانکہ شاہ عبدالقادر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی وجہ سے نبی ﷺ کی مالی حالت میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ (موضح القرآن) مولوی نعیم الدین صاحب نے اس غنی سے دولت قناعت مراد لی ہے۔

نبی ﷺ کس قدر غنی تھے یا کس قدر غنی فرمادینے والے تھے اس کا اندازہ ﴿ لَآ اَجِدُ ﴾ سے بھی ہو جاتا ہے اور دیگر بے شمار واقعات کے علاوہ اس بات سے بھی ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہوئے تو آپ کی درع (لوہے کی زرہ) مبارک تین صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے ہاں گروی پڑی تھی۔ (عن عائشہ بخاری حدیث ۲۹۱۶ ص ۴۰۹)

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ﴾ (فاطر: ۱۵)

”اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے“۔

۹۲ ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ ﴾ کے سلسلے میں مفتی صاحب نے ایک توجیح فرمائی ہے کہ ”یہاں لَکُمْ میں کفار سے خطاب ہے۔ یعنی اے کافرو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرلو۔ یہ تو صدیق سے کہا جائے گا کہ مجھے خزائن الٰہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں“۔

عرض ہے کہ وہ کس قسم کے خزانے تھے اور جو اتنے غیر محفوظ بھی تھے کہ ان کے چوری ہو جانے کا خطرہ تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بتلا دینے سے کیا وہ کفار کے علم میں بھی نہ آ گئے۔ یا صدیق ان خزانوں کا بھید قبر میں اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ نیز یاد رہے خزائن الٰہی کی کنجیوں والا خواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ ”پُر اسرار“ خواب نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کان میں نہیں بتایا تھا۔ بر سرِ عام ذکر کیا تھا مفتی صاحب نے اسرار کا لفظ بولا ہے تو کیا خیال ہے خزانے درحقیقت خزانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنہیں تھے فقط اسرار ہی تھے۔ ایک طرف مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ اس آیت میں علم غیب کی نفی بطور تواضع ہے پھر لکھا ہے کہ اس آیت میں خطاب کفار سے ہے۔ تو کیا آپ ﷺ نے کافروں کے سامنے تواضع کا اظہار فرمایا۔

(الف) فرماتے ہیں "نیز یہاں عندی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میرے ملک میں ہے کیونکہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے میں خزانچی نہیں"۔ اگر لفظ عند سے خزانچی ہونا ثابت ہوتا ہے تو قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ (الحجر: ٢١)

"اور جتنی بھی چیزیں ہیں سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خزانچی ہے اور نبی ﷺ مالک ہے۔ اس طرح بریلوی حضرات تو کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اصل خزانوں کے مالک نبی ﷺ ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ فقط ایک خزانچی ہے اس لیے نبی ﷺ نے ہی اپنے خزانوں سے اللہ تعالیٰ کو الوہیت و ربوبیت عطا فرمائی ہے:

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝﴾ (الکھف: ٥)

"یہ اتنی بڑی تہمت ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں"۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (المنافقون: ٧)

"اور اللہ ہی کے لیے ہے زمین اور آسمان کے خزانے"۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس سے ثابت ہوا خازن بھی اللہ تعالیٰ ہے اور خزانوں کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(ب) فرماتے ہیں کہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر پانی برسا اور ان کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوئے۔ اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔ تاہم قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝﴾ (الحجر: ٢٢)

"اور ہم بوجھل کرنے والی ہوائیں چلا کر پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں پلاتے ہیں اور تم کچھ اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو"۔

معجزات سے پیغمبر کی نہیں قادر مطلق کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ ان کے اللہ کا نبی ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ﴾ (الاعراف: ١٨٨)

"اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی بھی تکلیف مجھے نہ پہنچتی"۔

٩٣ مفتی صاحب نے اس کا کنز الایمانی ترجمہ یوں نقل کیا ہے: "اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو وہ یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی (اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی)"۔ (کنز الایمان) یہ ترجمہ کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ قارئین پر نبی ﷺ کے علم غیب نہ جاننے کی "کمزوری" کا حال نہ کھل جائے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب کو یوں تو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ کسی بھی پڑھے لکھے سے پوچھ لیں کیا شرط کے بعد جزا کا ترجمہ اسی طرح ہوتا ہے؟ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے اگر میں محنت سے کتابیں پڑھتا تو یوں ہوتا کہ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس ہوگیا اور فیل نہ ہوا جیسے کہا جائے اگر مجھے بازار کا نرخ معلوم ہوتا تو یوں ہوتا کہ میں بہت نفع کما لیا اور نقصان نہ ہوا۔ اس آیت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے مفتی صاحب نے یہاں تک لکھ دیا ہے۔

﴿۹۴﴾ ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں "اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے"۔ یعنی شرط کو جزا اور جزا کو شرط بنا دیا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے ایسی ہی ہیر پھیر اور دور از کار تاویلوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

یہ تو تھا ترجمے کا کمال۔ اب اصل موضوع کی طرف آیئے۔ چونکہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ علم غیب نہیں جانتے تھے اس کی انھوں نے چار میں سے تین تاویلیں وہی دہرائی ہیں جو ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ... الخ﴾ میں کر چکے ہیں یعنی ذاتی کی نفی کلی کی نفی یا بطور تواضع نفی۔

دعویٰ کی نفی والی تاویل یہاں انہوں نے استعمال نہیں فرمائی کیونکہ یہاں ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ﴾ کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ صاف الفاظ ہیں ﴿لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ "اگر میں غیب جانتا"۔ یعنی میں غیب نہیں جانتا۔ یہاں یہ بات نہیں چل سکتی کہ میں غیب جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ سرے سے مدعا کی نفی ہے۔ اس حقیقت کا احساس خود مفتی صاحب کو بھی ہے۔ تبھی یہاں انہوں نے دعویٰ کی نفی والی تاویل اڑا دی ہے۔ تو جب نبی ﷺ کی طرف سے علم غیب کے دعویٰ کی نفی بھی ہوگئی اور مدعا کی نفی بھی ہوگئی تو کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ ﷺ کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرے۔ اگر تھوڑی سی عقل کو استعمال کیا جائے تو یہاں ذاتی اور کلی کی نفی والی تاویل بھی نہیں چل سکتی کیونکہ نبی ﷺ اگر ذاتی علم غیب نہیں جانتے تھے تو بقول ان کے عطائی تو جانتے تھے کلی نہیں، جزئی تو جانتے تھے۔ بلکہ لوح محفوظ اور مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کا علم حضور ﷺ کے علم کا ایک قطرہ تھا اور نبی ﷺ کے معنی میں علم غیب داخل ہے۔ تو کیا خیر کثیر حاصل کرنے اور برائی سے بچنے کے لیے اتنا علم کافی نہیں۔ اور کیا جلب منفعت اور دفع مضرت کے لیے ضروری ہے کہ علم غیب ذاتی اور کلی ہو۔ اگر یہ بات ہے تو پھر ایسے علم غیب کا کیا فائدہ؟ یہ حضرت تواضع کا لفظ بھی بار بار استعمال فرماتے ہیں تو کیا تواضع کی خاطر قرآن پاک کے لیے کذب بیانی جائز ہے۔

مفتی صاحب نے نہ جانے کس خوشی میں شرح مواقف سے میر سید شریف کا یہ قول نقل کیا ہے تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی ﷺ کے لیے ضروری نہیں اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ... الآية﴾ تمام غیب غیر متناہی ہیں، آگے بریکٹ میں لکھتے ہیں (یہ کلام انکسار کے طور پر ہے)۔ (ص ۹۲) عرض ہے کہ یہ انکسار تو بقول مفتی صاحب نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ میر سید شریف نے تو نہیں فرمایا۔ انھوں نے تو اپنا عقیدہ ہی ظاہر فرمایا ہے۔ اب سوال یہ ہے نبی ﷺ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ نہ رکھ کر میر سید شریف کا ایمان ہماری طرح "ضائع" ہوا کہ نہیں۔ میں پوچھتا ہوں جن احادیث سے مفتی صاحب بزبان حضور ﷺ علم غیب ثابت کرتے ہیں۔ (ص ۶۷ تا ۷۱) اس وقت تواضع کہاں رخصت ہو جاتا ہے۔

بریلوی حضرات کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ((واللہ ما یخرج منہ الا حق))۔ (عن عبداللہ بن عمرو ابوداؤد باب کتابۃ العلم حدیث ۳۶۴۶) [1]

"بخدا میری زبان سے صرف حق نکلتا ہے"۔

حکم وتخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر یہ بریلوی حضرات تواضع کے نام پر بار بار نہ صرف نبی ﷺ کی زبان مبارک سے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی جھوٹ بلواتے ہیں۔ کیونکہ یہ قرآن پاک آخر کلام تو اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ جس میں ارشاد ہے:

﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾

(حٰم السجدہ: ۴۱، ۴۲)

"یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ نازل کردہ ہے حکمتوں والے خوبیوں والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے"۔

﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ کی تفسیر کے تحت صاحب مواہب الرحمٰن نے بھی تواضع والی تاویل کی سخت تردید کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں تواضع کے طور پر جھوٹ بولنا روا نہیں اور ایسی تاویل تو سخت غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا وہ واقعی ہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے تحقیقی خبر دے دی۔ جس طرح آپ ﷺ پر وحی ہوئی۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن)

معلوم ہوتا ہے ان تاویلوں سے مفتی صاحب کا اپنا دل بھی مطمئن نہیں، لکھتے ہیں خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا، علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لیے کافی نہیں جب تک کہ خیر حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ تو علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی درست نہیں ہوتے۔

یہ گویا مفتی صاحب کی پانچویں تاویل ہے۔ ان کے خیال میں ﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ میں اس علم غیب کی نفی ہے جو قدرت کے ساتھ ہو جو کہ لازم الوہیت ہے۔

دوسرے لفظوں میں انھوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصل علم غیب وہی ہوتا ہے جو قدرت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ جس علم غیب کی مدد سے نہ خیر کا حصول ہو سکے نہ شر سے حفاظت ہو سکے وہ کیا علم غیب ہے۔ وہ تو بے فائدہ علم غیب ہے۔ اور بے فائدہ علم سے نبی ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ معلوم ہوا انہوں نے علم غیب کے دعویٰ سے دستبرداری فرمالی ہے۔ اصل بات یہ ہے نبی ﷺ نہ تو قدرت والا علم غیب جانتے تھے نہ بغیر قدرت والا علم غیب جانتے تھے۔ آیت میں مطلق علم غیب کی نفی ہے یہ قدرت کا دُم چھلا انہوں نے خود لگایا ہے اگر یہ بات ہے تو کیا بریلوی حضرات نبی ﷺ کے متعلق مختار کل کے عقیدے سے دستبردار ہو گئے ہیں۔

۹۵ مفتی صاحب نے یہ آیات نقل کی ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ (بقرہ: ۲۶۹) "اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا"۔

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ؕ﴾ (کوثر) "یقیناً ہم نے تجھے کوثر دیا ہے"۔

﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ﴾ (آل عمران: ۱۶۴) "اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے"۔

﴿وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (المائدہ: ۶۷) "اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"۔

چونکہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خیر کثیر بھی حاصل تھی اور آپ لوگوں کے شر سے بھی محفوظ تھے۔ اس لیے مفتی صاحب ﴿لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ کا یہ مفہوم نکالتے ہیں "لہٰذا مجھے علم غیب بھی حاصل ہے"۔ اور فرماتے ہیں یہ آیت تو علم غیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔حکیم الامت صاحب کا یہ حکیمانہ نکتہ بقول ان کے ان کی پہلی نفیس حکیمانہ توجیہہ کے بالکل برعکس ہے۔ پہلے بیان فرما چکے ہیں خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے۔یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت حقیقی لازم ہے۔اب نبی ﷺ کی زبان سے یہ کلمات جاری کرواتے ہیں میرے پاس بہت خیر ہے اور میں صمیت سے بھی محفوظ ہوں لہٰذا مجھے علم غیب بھی ہے"۔اس سے ثابت ہوا انکے نزدیک نبی ﷺ کو علم غیب اور قدرت دونوں حاصل ہیں جو ذاتی بھی ہیں اور لازم الوہیت بھی۔

اب تھوڑی سی تشریح ان آیات کی بھی ہو جائے جن سے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ نبی ﷺ کو خیر کثیر حاصل تھی اور آپ ﷺ مصیبت سے بھی محفوظ رہتے تھے۔لہٰذا آپ ﷺ عالم الغیب تھے۔﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ میں خیر سے،مراد بھلائی ہے جو بے شک نبی ﷺ کو سب سے بڑھ کر حاصل تھی لیکن ﴿لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ میں خیر سے مراد مال اور منافع ہیں۔(ابن کثیر، جامع البیان، بیضاوی) مال کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ آپ کو زیادہ عطا ہوا تھا خیر بمعنی مال قرآن پاک میں اکثر مستعمل ہے۔مثلاً:

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ: ۲۱۵)

"اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے"۔

﴿مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ... الخ﴾ (البقرہ: ۲۱۵)

"جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتہ داروں کے لیے ہے"۔

ان آیات میں مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی مال ہی مراد لیا ہے۔

﴿إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ سے یہ خیر کثیر مراد لیتے ہیں۔حالانکہ معراج کے موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو بتلایا تھا کہ کوثر ایک مخصوص نہر کا نام ہے۔(عن انس بخاری ص ۷۴۲ حدیث ۴۹۶۵)

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بدعتیوں کو اس حوض سے دور رکھا جائے گا۔(عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۷۴ حدیث ۶۵۸۴)

کوثر کی یہ تشریح آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے اسی کو ترجیح ہو سکتی ہے۔جن لوگوں نے خیر مراد لی ہے اس سے انھوں نے مال نہیں نبوت قرآن اور مقام محمود مراد لیا ہے۔(حاشیہ بخاری ص ۷۴۲) جب کہ ﴿لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ میں مال کی کثرت مراد ہے۔

اسی طرح ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ میں بے شک نبی ﷺ کی حفاظت کا بیان ہے تو کیا خیال ہے نبی ﷺ کو کبھی کوئی گزند نہیں پہنچا۔غزوۂ اُحد میں نبی ﷺ کے دندانِ مبارک کا شہید ہونا، چہرہ مبارک کا لہولہان ہونا، آہنی خود کا سر مبارک میں کھب جانا، اور پھر حضرت حمزہؓ سمیت ستر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شہید ہو جانا کیا کم تکلیف دِہ باتیں ہیں؟ اگر نبی ﷺ کو علم ہوتا کہ وحشی بن حرب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے ارادے سے ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا ہے۔تو کیا آپ ﷺ انھیں اس سے محتاط رہنے کا مشورہ نہ دیتے۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا صدمہ نبی ﷺ ساری عمر نہیں بھولے۔فتح مکہ کے بعد جب وہی وحشی اسلام قبول کرنے کے لیے،حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((هل تستطيع ان تغيب وجهك عني)). (بخاری ص ۵۸۳ حدیث ۴۰۷۲)

"کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غائب کر سکتے ہو"۔

نیز عالم الغیب اور حاضر و ناظر سے بھی کبھی کسی کا چہرہ غائب رہ سکتا ہے۔ نبی ﷺ نے زندگی میں بے شمار صدمے برداشت کیے صرف اس لیے کہ پیشگی ان کا علم نہ تھا۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ (الانعام: ۵۹)

"اور اللہ تعالیٰ کے پاس تمام مخفی اشیاء کے خزانے ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے"۔

مفتی صاحب نے اس آیت کو دو طرح سے ردّ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ کہتے ہیں "یا تو اس سے مراد سارے معلوماتِ الٰہیہ کا جاننا ہے یا یہ مراد ہے کہ غیب کو حاضر اور حاضر کو غائب یعنی پیدا کرنے اور موت کی قدرت پروردگار ہی کو ہے"۔ چونکہ اس آیت سے بالصراحت اور دوٹوک انداز میں غیر اللہ کے لیے علم غیب کی نفی ہوتی تھی جو بریلوی شریعت کے لیے زہر قاتل ہے اس لیے مفتی صاحب نے اس کا مفہوم ہی کچھ سے کچھ بنا دیا۔ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے خود اپنے علم غیب کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (الانعام: ۵۹)

"وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا اور وہ اسے بھی جانتا ہے۔ اور نہیں کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں"۔

ان علوم غیبیہ کا تعلق نہ جمیع معلومات الٰہی سے ہے نہ پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت سے ہے اور یہ سب کچھ کتاب مکنون یعنی لوحِ محفوظ میں ہے۔ اور بقول مفتی صاحب لوحِ محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ ﷺ ان سب کو محیط ہے لہٰذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ ﷺ کے دریا کے قطرے ہیں۔ (ص ۵۶)

﴿۹۶﴾ اپنی تاویلوں کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگر وہ مطلب نہ بیان کیے جائیں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے"۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ مفتی صاحب نے ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لیا ہے کہ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ... الخ﴾ میں غیب کی بالکل نفی ہے۔ باقی بات یہ ہے مخالفین سے مراد اہل حدیث ہیں تو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بتلائے بغیر کسی کو کوئی بھی غیبی بات معلوم نہیں ہو سکتی اور جو بتلا دی جائے یا کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے وہ غیب نہیں رہتی۔

لہٰذا یہاں کُل اور بعض کا سوال ہی نہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس آیت میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔ میں کہتا ہوں: زبردست نفی ہے اور مبالغہ کی حد تک نفی ہے۔ یوں سمجھیے غیب ایک مقفل کمرہ ہے نہ صرف یہ کہ اس کے اندر کا کسی کو پتہ نہیں بلکہ اس کمرے کو جو تالے لگے ہوئے ہیں ان کی چابیوں کا بھی اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

مفتی صاحب نے مولوی احمد رضا خان صاحب کی ملفوظات کے حوالے سے ایک نکتہ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مفاتح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مقالید ہر دو کے اوّل آخر حروف لیے جائیں تو محمد بنتا ہے اور ملفوظات کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ ہی وہ کنجی ہیں جن سے غیب و شہادت کی کنجیاں جس جگہ بند تھیں اس کا قفل کھل گیا۔ (ص ۴۰۰)

آگے ﴿لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ کے الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چابیوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نبی ﷺ اگر چابی ہیں تو آپ ﷺ کو تو ہر کوئی جانتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کوئی کسی کو جانتا ہے تو وہ نبی ﷺ ہی ہیں۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝﴾ (الم نشرح: ٤)

مفتی صاحب نے اس اشکال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں: ”حقیقت محمدیہ کو ربّ ہی جانے“۔ عرض ہے کہ کیا حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت اویس قرنی، حضرت علی رضی اللہ عنہم، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت فرید گنج شکر اور حضرت علی ہجویری رحمہم اللہ بھی حقیقت محمدیہ کو نہیں جانتے تھے؟ جو لوگ عارف باللہ یا زبدۃ العارفین کہلاتے ہیں کیا وہ بھی حقیقت محمدیہ سے ناآشنا ہیں؟ کیا حضور ﷺ کی معرفت کے بغیر کسی کو اللہ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے؟ اگر حضور ﷺ کی معرفت کے بغیر بھی عرفانِ الٰہی حاصل ہو سکتا ہے تو پھر حضور ﷺ کی ضرورت ہی کیا ہے۔

رہی بات مفاتیح اور مقالید کے اوّل و آخر حروف سے لفظ ”محمد“ کے استخراج کی تو میرے بھائی ان کی کیا بات ہے یہ تو وہاب کو اُلٹا کر کے باہو بھی بنا لیتے ہیں۔ انھیں تو اُحد اور احمد میں بھی صرف میم کی مروڑی کا فرق نظر آتا ہے۔ میں آپ کو مثال دیتا ہوں جس میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے جیسے رحیم اور رجیم، بلکہ سَلیم اور سُلیم کہ ان دونوں میں نقطہ برابر بھی فرق نہیں مگر ایک کا معنی محفوظ ہے اور دوسرے کا معنی ڈسا ہوا یا شدید زخمی ہے۔ ادھر ادھر سے حروف اکٹھے کر کے نبی ﷺ کو چابی قرار دینا مفتی صاحب کے نزدیک نکتہ ہو گا مگر میرے نزدیک یہ نکتہ بیانی نہیں بلکہ قرآن پاک پر نکتہ چینی ہے اس طریقے سے حروف اکٹھے کر کے کوئی بھی مرضی کا لفظ بنایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک نکتہ حکیم الامت صاحب نے اپنی طرف سے بھی پیش کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیب کی وہ کنجی اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دے دی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝﴾ (الفتح: ۱) ”بے شک ہم نے آپ کو ایک ظاہری فتح دی“۔

اور حدیث شریف میں ہے:

((اوتيت بمفاتيح خزائن الارض)). (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۱۰۸۰ حدیث ۷۲۷۳، مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ حدیث ۱۱۶۸، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۲)

”میں زمین کے خزانوں کی چابیاں دیا گیا ہوں“۔

واہ کیا دماغ پایا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا یہ حکیم الامت ہیں یا مریض الامت۔ ان نکتہ آفرینیوں سے پہلے کاش انھوں نے مولوی نعیم الدین صاحب کا حاشیہ ہی دیکھ لیا ہوتا۔ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ کے تحت فرماتے ہیں جسے وہ چاہے وہی غیب پر مطلع ہو سکتا ہے بغیر اس کے بتائے کوئی غیب نہیں جان سکتا۔ بغیر اس کے بتائے کوئی غیب نہیں جان سکتا۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا﴾ میں فتح سے مراد واقعہ حدیبیہ ہے۔ (عن براء بن عازب بخاری ص ۵۹۸ حدیث ۴۱۷۲)

اور حدیث شریف میں ایک خواب کا ذکر ہے جس کی تعبیر آئندہ ہونے والی فتوحات تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: ٦٥)

"کہہ دیجئے آسمانوں والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا"۔

مفتی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے: "تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ"۔ پھر لکھا ہے: "اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا، کلی غیب کوئی نہیں جانتا"۔

اس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے بتلانے سے سب زمین و آسمان والے غیب جانتے ہیں۔ لہٰذا سب ہی عالم الغیب ٹھہرے نبی ﷺ کی تو کوئی خصوصیت نہ رہی۔ یعنی زمین و آسمان والوں میں منجملہ ایک آپ ﷺ بھی ہیں جو خود نہیں بلکہ اللہ کے بتلانے سے غیب جانتے ہیں۔ لفظ خود کا اضافہ کر کے انہوں نے آیت کو مہمل بنا دیا اور نبی ﷺ کی توہین کر ڈالی ہے۔ اس اضافے کی جرأت تو ان کے رئیس المحرفین مولوی احمد رضا خان صاحب کو بھی نہیں ہو سکی۔ یہ تحریف صرف اس غرض سے کی گئی ہے تا کہ آیت کو ذاتی علم غیب کی نفی پر محمول کیا جا سکے۔ یہ حضرت بار بار ذاتی اور عطائی کی تکرار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک بے وقوف آدمی بھی سمجھتا ہے کہ جو علم بتلا دیا جائے وہ غیب نہیں رہتا۔ تفسیر مدارک کا ایک حوالہ دے کر اس حقیقت کو خود مفتی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

﴿٩٧﴾ لکھا ہے تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت:

((والغيب ما لم يقم عليه دليل ولا اطلع عليه مخلوق)).

"غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو"۔

آگے لکھتے ہیں: "مدارک کی اس توجیہہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا۔ غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں"۔ لہٰذا بریلویوں کا یہ کہنا کس قدر مہمل ہے کہ حضور ﷺ کا علم عطائی بھی ہے اور غیب بھی ہے۔ یہ تو سراسر اجتماع النقیضین ہے۔

تفسیر مدارک کے برخلاف اگر بریلوی حضرات بضد ہیں کہ عطائی ماننے کے باوجود حضور ﷺ کو علم غیب کی حقیقت کے ساتھ متصف ہونا ثابت کریں۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حواس خمسہ عطا فرمائے ہیں۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے جب چاہیں ہم انھیں استعمال کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بھی مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن کے غیب کی حقیقت سے متصف فرما دیا تھا۔ اور پھر آپ ﷺ بغیر بتلائے ہمہ وقت عالم الغیب ہوتے تھے۔ اگر یہ چیز ثابت ہو جائے تب تو آپ ﷺ کو واقعی عالم الغیب ماننا پڑے گا۔ اور اگر یہ بات ہے کہ جتنی بات بتلا دی بس اس کا علم ہو گیا جو نہ بتلائی اس کا علم نہ ہوا تو کیا یہ علم غیب ہے؟ بلکہ ان حضرات کا اس قسم کی آیات کو کلی غیب کی نفی پر محمول کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بھی نبی ﷺ کو بعض غیب کا ہی عالم مانتے ہیں۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بعض غیب کا عالم ہوا سے عالم الغیب کہنا فضول سی بات لگتی ہے۔ یعنی علم بھی پورا نہیں اور بغیر بتلائے معلوم بھی نہیں اس پر علم غیب کا اطلاق سراسر نادانی ہے۔

یہاں مفتی صاحب نے یہ فرمایا کہ کلی غیب کوئی نہیں جانتا مگر ﴿مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ کے تحت یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔ (ص ٥٩)

نیز ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا... الآية﴾ کے تحت لکھا ہے خداوند قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور ﷺ

www.KitaboSunnat.com

کو عطا فرما دیا گیا۔ اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ سے باقی رہ گئی۔ (ص ٦٠)

نیز ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو لوحِ محفوظ کا علم بھی تھا مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ کا بھی علم تھا۔ لہٰذا اب باقی کیا رہ گیا۔ کیا کسی ایسی شے کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جو لوحِ محفوظ اور مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ سے باہر ہو۔ ایک قلی بھی اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ علم کلی ہے جزئی نہیں۔ یاد رہے ﴿عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ کی طرح اس آیت کے تحت بھی مفتی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں (علم غیب کی) بالکل نفی ہے۔

ذاتی اور عطائی کا فرق واضح کرنے کے لیے مفتی صاحب نے چند آیات کے ٹکڑے نقل کیے ہیں:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ٤٠) "فرمانروائی صرف اللہ ہی کی ہے"۔

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (بقرہ: ١١٦) "اس کی ملکیت میں زمین وآسمان کی تمام چیزیں ہیں"۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (النساء: ٧٩) "اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے"۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (النساء: ٨١) "اور اللہ کافی کارساز ہے"۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (النساء: ٦) "دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ کافی ہے"۔

پھر لکھتے ہیں: "ان آیات میں حکومت وملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لیے یہ اوصاف بہ عطائے الٰہی مانے گئے۔ اسی طرح آیاتِ غیب میں بھی توجیہہ کرنا لازم ہے"۔ بحث اس بارے میں ہے کیا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے بیچ میں ایسی صفت رکھ دی تھی کہ پھر آپ ہمیشہ کے لیے عالم مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن ہو گئے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (یسین: ٦٩)

"نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ اس کے یہ لائق ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے"۔

اس آیت میں صاف بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شاعر نہیں بنایا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے شعر کا ایک مصرعہ پڑھا۔ الفاظ آگے پیچھے ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مصرعہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۸ بحوالہ ابن ابی حاتم) [1]

شعر گوئی کا علم نہ ہونے سے نبی ﷺ کے علم غیب کی نفی تو ہوتی ہے مگر آپ کی شان میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شعر آپ ﷺ کے لائق نہیں ہے، یعنی آپ کا مقام شعر سے بلند ہے۔ ساری دنیا کے شعراء آپ کی جوتیوں پر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو کوئی علم دے یا نہ دے مگر بریلوی حضرات آپ ﷺ کو ہر قسم کا علم دینے پر کمربستہ ہیں ورنہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو عالم الغیب نہیں بنایا مگر بریلویوں نے بنا دیا ہے۔ اس آیت کی بھی بے شمار تاویلیں کی گئی ہیں۔

﴿٩٨﴾ کہتے ہیں: یہاں شعر سے مراد شعر گوئی کا ملکہ ہے یا جھوٹی وہمی اور خیالی باتیں ہیں یا معمے اور اجمالی کلام ہے۔ (ملخص) عرض

---

[1] تخریج ... ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیے شعر گوئی کا ملکہ ہونا بھی تو ایک علم ہے۔ اس کی نفی انھوں نے تسلیم فرمالی لہٰذا علم غیب کی نفی تو ہوگئی۔ اگر نبی ﷺ نے جھوٹے اور وہمی اشعار نہیں کہے تو کیا آپ کا کوئی حقیقی اور سچے شعروں والا مجموعہ ہے؟ شعر کا معنی معمے اور اجمالی کلام کرنا بالکل غلط ہے۔ شعر منظوم کلام کو کہتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں ان حضرتوں نے مفاتح اور مقالید کے اوّل و آخر سے جو لفظ "محمد" نکالا ہے یہ اجمال ہے یا تفصیل ہے۔ یہ تو معمے سے بھی گئی گذری شے ہے۔ یہ لوگ ایسے ایسے مفہوم نکالتے ہیں اور ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو نبی ﷺ تو کجا اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی نہ آئی ہوں گی۔

﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ﴾ (یونس: ۱۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں اور نہ زمین میں"۔

﴿۹۹﴾ نبی ﷺ کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی لیکن شعر کی پہچان تو تھی جیسے ایک آدمی روٹی پکانا نہیں جانتا لیکن اسے اس کی سمجھ تو ہوتی ہے اور وہ اچھی بری میں تمیز کر سکتا ہے۔ (ملخص) میں پوچھتا ہوں کیا نبی ﷺ کو میراج یا ایف ۱۶ طیارے بنانے کی سمجھ تھی۔ ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم بنانے کا پتہ تھا۔ ریڈیو ٹی وی اور وی سی آر کی خبر تھی۔ گھڑیوں کے پرزوں سے واقف تھے۔ موجودہ لاتعداد مشینریوں کا علم تھا یا کیا یہ جدید سائنسی علم مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن سے باہر ہے۔ ان کا عقیدہ ہے تمام انبیاء اور اللہ کے خاص بندے علم غیب اور لوح محفوظ کو جانتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کیا یہ سب لوگ خواہ ان چیزوں کو بنا نہ سکتے ہوں لیکن آیا وہ ان چیزوں کی تھیوری کو سمجھتے ہیں؟ اور درست نادرست کا فیصلہ کر سکتے ہیں یعنی جس طرح ایک پڑھا لکھا آدمی شعر کی یا عام آدمی روٹی کی تمیز کر سکتا ہے کیا انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء عظام ان مشنریوں کے بارے میں کچھ بھی شُد بُد رکھتے تھے۔

نبوت تو خیر ختم ہوگئی ہے ولایت جاری ہے اور آج کل "ولی" صرف بریلوی فرقہ میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ولایت پر صرف انہی کی اجارہ داری ہے۔ مگر سائنسی دور کو پالینے کے باوجود ان کے اولیاء و مشائخ اور سجادہ نشینوں کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ انھیں اتنا علم نہیں کہ بیر کی پشت کس طرف ہوتی ہے۔ لوحِ محفوظ کو جاننے والے بریلویوں کے خاص بندے (ص ۵۶) مجھے تو عام بندے بھی نہیں لگتے۔

﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (المومن: ۷۸)

"جن میں سے بعض کے واقعات ہم آپ کو سنا چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے قصے ہم نے آپ کو سنائے ہی نہیں"۔

اس مضمون کی آیت النساء (۱۶۴) میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بہت سے انبیاء کے بارے میں نہیں بتلایا۔ یہ بھی علم غیب کی نفی کی دلیل ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق علم کی نفی نہیں۔ بلکہ صراحۃً ذکر کی نفی ہے۔ یا یہ کہ تفصیلی ذکر نہیں اجمالاً ذکر ہے یا یہ کہ وحی ظاہر میں نہیں وحی خفی میں ذکر ہے۔ (ملخص) آنحضرت ﷺ پر جتنی قسم کی وحی نازل ہوئی وہ قرآن وحدیث کی شکل میں بحفاظت ہمارے پاس موجود ہے اس میں بے شمار انبیاء کا ذکر نہیں نہ صراحۃً نہ اشارۃً نہ تفصیلاً نہ اجمالاً نہ بظاہر نہ بالاخفاء، ہاں ان کا ذکر کہیں ان دس پاروں میں نہ ہو جنہیں ان کے شیعہ بھائیوں کی بکری کھا گئی تھی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

﴿۱۰۰﴾ تفسیر صاوی کے حوالہ سے لکھا ہے: "حضور ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو تفصیلاً جان لیا کیونکر نہ جانیں۔ وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ ﷺ کے مقتدی بنے لیکن یہ علم مکنون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اوران پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے اُمت کے لیے۔ ان پر رحمت فرماتے ہوئے۔ پس ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی"۔
ان کے اس حوالہ سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس صاف گوئی پر میں ان کا مشکور ہوں۔ ورنہ بانی ملت بریلویہ کا تو کہنا ہے:

لا موتهم الا انيا تصديقا للوعدهم احياء ابدا بحياة حقيقية دنياوية روحانية جسمانية.

"انبیاء کرام کی موت صرف ایک آن کے لیے ہوتی ہے بطور تصدیق وعدہ پھر انہیں ہمیشہ کے لیے دنیاوی روحانی اور جسمانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱۰)

کہتے ہیں دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی علم دے دیا گیا تھا۔ اس کا کیا فائدہ؟ کیا یہ علم قبر میں لے جانے کے لیے دیا گیا تھا؟ نیز اس کے لیے کوئی کام کی دلیل بھی تو چاہیے۔ جو دو دلیلیں انہوں نے پیش کی ہیں وہ بے کار ہیں۔ مثلاً یہ کہ تمام پیغمبر نبی ﷺ سے تخلیق کیے گئے۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ﴾ (طٰهٰ: ۵۵) "اسی زمین میں سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے"۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کی بات مانیں یا ان کے صاوی صاحب کی بات مانیں اگر ولدیت کا چکر ہے تو بات یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیے گئے یا آدم علیہ السلام نبی ﷺ سے پیدا کیے گئے؟ یعنی ان میں باپ کون ہے اور بیٹا کون ہے؟ یا آیا دونوں ہی ایک دوسرے کے باپ بھی ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کے بیٹے بھی ہیں۔ یہی سوال مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ نبی ﷺ کے باپ دادا تھے یا بیٹے تھے۔

۱۰۱ تمام انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی علم کی دوسری دلیل یہ دی ہے کہ سب پیغمبر شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے گزارش ہے کہ معراج شریف مکی زندگی میں ہوا۔ اگر شب معراج میں نبی ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی علم دیا جا چکا تھا تو پھر سورہ نساء جو مدنی ہے، اور بعد میں نازل ہوئی اس میں یہ نہ بیان ہوتا کہ بعض انبیاء کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا۔ نیز سو سوا سو مقتدی ہوں اور امام کتنا بھی ولی اللہ اور خاص بندہ کیوں نہ ہو اسے اپنے سب مقتدیوں کے بارے میں تفصیلی تو کیا اجمالی علم بھی نہیں ہوتا۔ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار مقتدیوں کے بارے میں نبی ﷺ کو تفصیلی علم کیسے ہو گیا۔

جب کہ عرصہ ملاقات بھی صرف ایک شب میں دو رکعت نماز کا وقت ہے اور پھر اس مختصر عرصہ میں آپ ﷺ نے امامت فرمائی تھی۔ کوئی تعارفی نشست برپا نہیں فرمائی تھی۔ نیز دعویٰ ان کا یہ ہے کہ عالم الغیب ہونا حضور ﷺ کی صفت ہے پھر اکثر باتوں کے جواب میں بار بار یہ کہنا کہ فوت ہونے سے پہلے آپ کو اس کا علم دے دیا گیا تھا کتنا مہمل جواب ہے۔ کیا نبی ﷺ کو وقتاً فوقتاً علم غیب دیا جاتا رہا۔ اور کیا تمام انبیاء علیہم السلام کا علم دیئے جانے سے پہلے آپ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کے عالم نہیں تھے۔

اگر صاوی صاحب کی بات درست ہے تو ثابت ہوا کہ علم غیب آپ کی صفت نہیں تھی ورنہ بتلایا جائے کہ کس تاریخ کو آنحضرت ﷺ عالم الغیب بنے۔ اُنھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کا علم مکنون ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا جمیع انبیاء علیہم السلام کا ذکر لوحِ محفوظ میں بھی نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کتابِ مکنون سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ (الواقعہ: ۷۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن بریلویوں کے نزدیک وہ مکنون نہیں۔قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴾ (النمل:۷۵)

اس کا ترجمہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے یہ کیا ہے "اور جتنے بھی غیب ہیں آسمانوں اور زمین میں سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں"۔ حاشیہ پر مفتی صاحب رقم فرماتے ہیں: لوح محفوظ کو مبین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تمام علوم غیبیہ ان لوگوں پر ظاہر کرتی ہے جن کی وہاں نظر ہے۔ اگر لوحِ محفوظ کسی پر ظاہر نہ ہوتی تو اسے مبین نہ فرمایا جاتا بلکہ یہ تحریر اسی لیے ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ لوگ سب علوم حاصل کریں۔ اس آیت کریمہ میں انبیاء واولیاء کے علم غیب کا اعلیٰ ثبوت ہے"۔ لہٰذا جمیع انبیاء علیہم السلام کا علم ہم سے تو مکنون ہوسکتا ہے، بریلوی مشائخ جو اللہ کے خاص بندے اور اولیاء ہیں ان سے مکنون نہیں ہوسکتا۔ وہی لوحِ محفوظ یا کتابِ مبین پڑھ کر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے تفصیلی حالات بتلا دیں۔ کاش قوم کے مایہ ناز سائنس دان جناب عبدالقدیر صاحب کو کوئی یہ بات بتلا دے کہ پاکستان کے ایٹمی راز کے متعلق صرف وہی واقف نہیں۔ بریلوی اولیاء بھی جانتے ہیں کیونکہ تمام ایٹمی معلومات لوحِ محفوظ میں موجود ہیں اور انھوں نے لوحِ محفوظ کو پڑھ رکھا ہے۔

ایک تضاد ملاحظہ فرمائیں ﴿ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ ... الخ﴾ کے آخر میں جو کتاب مبین ہے اس کا ترجمہ صاحب کنز الایمان نے بتانے والی کتاب کیا ہے اور ﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ ... الخ﴾ کے آخر میں جو قرآنِ مبین ہے اس کا ترجمہ انھوں نے روشن قرآن کیا ہے کیونکہ اوّل الذکر میں علم غیب کی گنجائش پیدا کرنا مقصود تھا۔ جب کہ ثانی میں اس کی ضرورت نہ تھی:

﴿ وَمَآ أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ﴾ (الاحقاف:۹)

"اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے"۔

١٠٢ اس کے مفتی صاحب نے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ میں بغیر وحی اپنے قیاس سے ایک یہ امور نہیں جانتا وحی سے جانتا ہوں"۔ الفاظ بدل کر یہ وہی ذاتی اور عطائی والی تاویل ہے جس کا کئی بار جواب ہو چکا۔ یعنی بذریعہ وحی بتلا دیا تو کیا غیب رہا۔ دوسرا "خوبصورت" جواب انھوں نے یہ دیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں بتلانے سے پہلے کی ہے۔ معلوم ہوا کہ انھوں نے تسلیم کرلیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت آپ عالم الغیب یا عالم مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ نہیں تھے اور یاد رہے کہ سورہ احقاف نبوت کے دسویں یا گیارھویں سال نازل ہوئی تھی۔ یعنی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کے بغیر ہی تھے۔ اس آیت کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر ایک عورت حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے انھیں جنت کی بشارت دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((واللہ لا ادری واللہ لا ادری و انا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم))۔ (بخاری ص ۱۶۶ حدیث ۱۲۴۳، مشکوۃ باب البکاء والخوف ص ۴۵۶)

"اللہ کی قسم میں نہیں جانتا اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں"۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا۔ (مرقات ج ۱۰ ص ۷۶)

اس حدیث کی تشریح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم باحوال غیب بتفصیل جز پروردگار تعالی را نبا شد اگرچہ مجملا معلوم است کہ عاقبت انبیاء علیهم السلام بخیر است. (اشعۃ اللمعات ج ٤ ص ٢٥٣)

”غیبی احوال کا تفصیلی علم بجز پروردگار کسی کو نہیں، اگرچہ مجملاً معلوم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عاقبت اچھی ہے“۔

آگے چل کر شیخ عبدالحق صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل ارشاد فرمایا کہ ”تم مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں“۔ (ایضاً ص ۲۵۵)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والحاصل انه يريد نفي علم الغيب عن نفسه و انه ليس بمطلع على المكنون)). (مرقات ج ١٠ ص ٧٦)

”دراصل نبی ﷺ اپنی ذات سے علم غیب کی نفی چاہتے ہیں اور یہ کہ آپ چھپی باتوں پر آگاہ نہیں ہیں“۔

۱۰۳ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء: ۱۰۹)

”اور میں کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے“۔ (کنز)

بریلوی صاحب نے ان کا ترجمہ ”کیا؟“ یعنی استفہامیہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان نافیہ ہے۔ (جامع البیان بیضاوی وغیرہ) یعنی میں نہیں جانتا یہ کرتب صرف اس لیے فرمایا ہے تاکہ حضور ﷺ کی طرف علم غیب کی نفی منسوب نہ ہو جائے۔ مفتی صاحب نے اپنے حاشیہ میں اس نفی کو بھی اٹکل اور قیاس پر محمول کر کے آیت کو بے اثر بنانے کی کوشش کی ہے۔ دلیل میں یہ آیات پیش کی ہیں:

﴿ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ﴾ ”سچا وعدہ قریب آ گیا“۔

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ﴾ ”لوگوں کا حساب قریب آ گیا“۔

سوال یہ ہے اگر نبی ﷺ کو عطائی طور پر معلوم تھا کہ قیامت قریب ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک سے یہ کیوں کہلوایا کہ میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا دور۔ ایک بات معلوم ہو۔ چاہے کسی کے بتلانے سے ہی معلوم ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مجھے معلوم نہیں۔ کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ بھی اور نبی ﷺ بھی معاذ اللہ جھوٹ بولتے ہیں۔ بے شک بذریعہ وحی الٰہی نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ قریب ہے لیکن قریب کی میعاد بھی تو معلوم ہونی چاہیے۔ ایک لمحہ بھی قریب ہے ایک دن بھی قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزاروں برس کا فاصلہ بھی قریب ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ﴾ (الحج: ٤٧)

”تیرے رب کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے“۔

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ﴾ کو نازل ہوئے پندرھویں صدی جا رہی ہے۔ بتلائیے انسانی جنتری کے لحاظ سے قیامت قریب تھی یا دور؟ اسی لیے فرمایا:

۱۰۴ ﴿ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝ ﴾ (الجن: ٢٥)

”فرما دیں میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا“۔ (کنز الایمان)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ﴾ "آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں"۔

یہ آیت بھی علم غیب کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ مگر مفتی صاحب تفسیر جمل کے حوالے سے فرماتے ہیں:

((والجواب ان آية النفي نزلت قبل آية الاثبات)).

"جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے"۔

اس سے بھی ثابت ہوا یہ آیت نازل ہونے تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں بنے تھے اور پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ یہ آیت سورہ توبہ کی ہے جو نو ہجری کو نازل ہوئی تھی تفسیر جمل کے حوالے سے ہی اثبات والی آیت ان کے نزدیک یہ ہے:

﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ﴾ (محمد: ۳۰)

"اور یقیناً تو انھیں ان کی بات کے ڈھب سے پہچان لے گا"۔

حالانکہ یہ سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت ہے جو غزوہ بدر سے بھی پہلے نازل ہوئی تھی۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے التوبہ ۱۱۳ ویں اور محمد ۴۷ ویں سورت ہے۔ لہٰذا کئی سال پہلے نازل ہونے والی آیت نے ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ کی نفی کا کیسے اثبات کر دیا؟ یہی جھک مفتی صاحب نے اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اپنے اپنے حاشیوں میں بھی ماری ہے۔

منافقوں کو جاننے کے بارے میں مفتی صاحب نے عینی شرح بخاری ج ۴ ص ۲۲۱ کے حوالے سے یہ دلیل بھی دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مسجد سے باہر نکال دیا۔ عرض ہے کہ یہ علم غیب کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حکم سے تھا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اس موقع پر ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتلایا۔

۱۰۵ ((ابشر يا عمر قد فضح الله المنافقين اليوم)). (ج ٤ ص ٣٨٤)

"اے عمر رضی اللہ عنہ! خوش ہو جاؤ، آج اللہ تعالیٰ نے منافقین کو رسوا کر دیا ہے"۔

نیز ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ﴾ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم غیب دے دیا بلکہ یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اندازِ گفتگو سے پہچان لیں گے۔ ایک توجیہ انہوں نے یہ فرمائی ہے کہ بغیر ہمارے بتائے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو نہیں پہچانتے۔ یہ کتنی مہمل توجیہ ہے پہلے بتلا بھی دیا پھر کہنا تم انہیں نہیں جانتے۔

۱۰۶ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵)

"یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ جواب دے دیجئے کہ روح میرے ربّ کے حکم سے ہے اور تمھیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی کم ہے"۔

یہ آیت نقل کر کے مفتی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم تھا۔ اس کے لیے وہ کوئی دلیل نہیں لا سکے۔ البتہ کچھ عجیب و غریب باتیں ضرور ارشاد فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت گولڑوی صاحب نے کہا ہے کہ عالم کئی ہیں روح عالم امر سے ہے۔ روح البیان کے حوالے سے کہا ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج عالم عناصر عالم طبیعت عالم ارواح سے گزرتے ہوئے عالم امر میں پہنچ گئے"۔ پھر لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی بلکہ خود عالم امر میں سے بن گئے اور اپنے ربّ کو دیکھا اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر روح کیسے مخفی رہ سکتی تھی"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے لفظ امر کو عالم امر بنا دیا ہے۔ جو عالم عناصر عالم طبیعت اور عالم ارواح سے بھی پرے ہے۔ حالانکہ خود انھوں نے مولوی احمد رضا خان صاحب کی تقلید میں امر کا ترجمہ حکم نقل کیا ہے تو کیا حکم بھی عالم امر سے ہے۔ قرآن پاک میں لفظ امر بے شمار مقامات پر آیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران:۱۲۸) "اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں"۔

﴿ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (الشوریٰ:۵۲) "اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے"۔

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ﴾ (الاعراف:۵۴) "یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا"۔

﴿ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ (الشوریٰ:۳۸) "اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے"۔

﴿ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ (البقرہ:۲۱۰) "اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے"۔

﴿ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ﴾ (محمد:۲۱) "پھر جب کام مقرر ہو جائے"۔

تو کیا ان سب کا تعلق عالم امر سے ہے؟ اس کی جمع امور ہے اس کا ذکر بھی کئی جگہ آیا ہے۔ جیسے:

﴿ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ (بقرہ:۲۱۰) "اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں"۔

﴿ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (لقمان:۲۲) "اور تمام کاموں کا انجام اللہ کی طرف ہے"۔

﴿ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ ﴾ (التوبہ:۴۸) "اور تیرے لیے کاموں کو اُلٹ پلٹ کرتے ہیں"۔ وغیرہ۔

تو کیا یہ سب عالم امر ہی ہیں۔ یعنی عالم امر ایک نہیں بلکہ کئی ایک ہیں۔ لفظ امر کو عالم امر بنا دینا تو ایسے ہی ہے جیسے انھوں نے ﴿ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ سے ﴿ عِلْمِ لَدُنِّي ﴾ استخراج فرمالیا ہوا ہے۔ قرآن و حدیث یا عربی لغت میں تو نہیں البتہ ہندی زبان میں لفظ امر ضرور عالم بقا کے معنی میں آتا ہے جو بریلوی مزاج کے عین موافق ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ "آنحضرت ﷺ عالم عناصر، عالم طبیعت اور عالم ارواح سے تجاوز کر کے عالم امر میں پہنچ گئے بلکہ خود امر ہو گئے"۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جسم و روح سمیت معراج فرمایا۔ مگر یہ باتیں پڑھ کر معلوم ہوا کہ معراج شریف نہ جسمانی تھا نہ روحانی تھا بلکہ اس سے بھی کم درجے کا تھا یعنی صرف "امری" تھا ان کی یہ تضاد بیانی بھی ملاحظہ ہو۔ ایک طرف کہتے ہیں پھر نبی ﷺ عالم ارواح سے نکل کر عالم امر میں پہنچ گئے۔ یعنی عالم ارواح اور ہے اور عالم امر اور ہے۔ پھر کہتے ہیں روح عالم امر سے ہے۔

کہتے ہیں: اپنے ربّ کو دیکھا۔۔۔ پھر آپ ﷺ پر روح کیسے مخفی رہ سکتی تھی؟ میں اگر یہ کہوں کہ آپ ﷺ روح کو نہیں دیکھ سکے تو ربّ کو کیسے دیکھ لیا تو ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ ان کے پاس نہ روح کو دیکھنے کی دلیل ہے نہ ربّ کو دیکھنے کی دلیل ہے۔ الفاظ کے پیچ و خم اور اُوٹ پٹانگ اقوال نقل کر دینے سے تو مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آدھے بشر تھے اور آدھے روح کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام روح۔

﴿ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا ﴾ (مریم:۱۷) "ہم نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اپنی روح (یعنی جبرائیل) کو بھیجا"۔

اور آپ علیہ السلام کی پیدائش حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے ہوئی اس لیے دونوں امر آپ علیہ السلام میں موجود ہیں۔ فتوحات کلیہ باب ۵۷۵ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و کان نصفه بشر او نصفه الاخر روحا مطهرا ملکا لان جبریل وهبه لمریم.

"حضرت مسیح علیہ السلام نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں کیونکہ جبریل علیہ السلام نے انھیں حضرت مریم علیہا السلام کو بخشا"۔

ان کا یہ فرمانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے ہوئی یہ بعض مفسرین کا قول ہے۔ قرآن و حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا﴾ (الانبیاء: ۹۱) "ہم نے ان کے اندر اپنی روح پھونک دی"۔

﴿فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا﴾ (تحریم: ۱۲) "پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی"۔

﴿وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ (النساء: ۱۷۱)

"اور اس کا کلام تھا جسے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کی طرف سے رُوح ہیں"۔

اگر جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصف فرشتے بن سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی پھونک سے (جیسا کہ امر واقع ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصف الٰہ بھی تو ہو سکتے ہیں۔ بلکہ پھر تو حضرت آدم علیہ السلام کو نصف الٰہی ہی کہنا چاہیے کیونکہ فرمایا:

﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي﴾ (الحجر: ۲۹) "اور میں اس میں اپنی روح پھونک دوں"۔

نیز بقول ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ نصف بشر اور نصف فرشتہ تھے لہٰذا ان کی پھونک سے جو پرندے وجود میں آتے تھے انہیں بھی ثلث بشر اور ثلث فرشتہ کہنا چاہیے، کیونکہ فرمایا:

﴿فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۴۹)

"پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے"۔

میں کہتا ہوں کہ فرشتے کے پھونک مارنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصف بشر اور نصف فرشتے ہو سکتے ہیں تو پھر تمام انسان چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر نصف بشر اور نصف فرشتے ہیں کیونکہ جب بچہ شکم مادر میں پرورش پا رہا ہوتا ہے تو اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثم یرسل اللہ الملك فینفخ فیه الروح))۔ (عن ابن مسعود مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ حدیث ۶۷۲۳)

"پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے پس وہ اس میں روح پھونکتا ہے"۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا عام انسان و حیوانات ہوں ان کے بیچ میں جس طریقہ سے بھی روح ڈالی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے۔ اسی کی طرف سے ہی ہے اور امر ربی ہی ہے۔ روح کے بغیر کوئی بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی انسان کو نصف بشر اور نصف رُوح (یعنی فرشتہ) کہنے کی بجائے نصف جسم اور نصف روح (یعنی جان) سمجھنا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو روح اللہ کا خطاب حاصل ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے اندر فرشتے کی یا اللہ تعالیٰ کی روح حلول کر گئی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بغیر باپ کے پیدا کیا تھا اور کلمہ کن سے ان کی معجزانہ تخلیق ہوئی تھی۔

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (آل عمران: ۵۹)

"اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہو بہو آدم علیہ السلام کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے لیے بغیر ماں باپ کے اونٹنی پیدا کی پھر اسے ناقۃ اللہ کا خطاب دے دیا۔ (الشمس: ۱۳)

[۱۰۷] آگے مفتی صاحب نے اپنے آپ کو شاید فلاسفر ظاہر کرنے کے لیے کچھ عجیب وغریب باتیں رقم کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کی (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی) پیدائش بھی حضور ﷺ کے نور سے ہے تو گویا حضور ﷺ از سرتا پا رُوح ہیں۔ بحوالہ روح البیان لکھا ہے: حقیقت محمد یہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہی وجود عام ہے۔ لہٰذا آیت ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلاواسطہ پیدا ہوا اور وہ تو حقیقت محمد یہ ہے کہ بلاواسطہ ان کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں"۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ قبل ازیں مفتی صاحب لکھ آئے ہیں کہ حقیقت محمد یہ کو ربّ ہی جانے۔ (ص ۹۶) اب یہاں آ کر انھوں نے حقیقت محمد یہ کی وضاحت فرمادی ہے تو کیا یہ وضاحت حقیقت محمد یہ سے بے خبری کی دلیل ہے یا باخبری کی دلیل ہے یعنی حقیقت محمد یہ کو صرف ربّ ہی جانتا ہے یا بریلوی مشائخ بھی جانتے ہیں۔

[۱۰۸] آگے لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور ﷺ کے صدقے سے بعض علماء اور اولیاء کو بھی ملا بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے"۔ مفتی صاحب کا عقیدہ ہے کہ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن کی تکمیل شب معراج میں ہوگئی۔ (ص ۱۳۵)

اور رُوح کے بارے میں یہ سوال واقعہ معراج کے بعد کا ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ خود روح تھے یا ان کو علم روح عطا ہوا تھا تو آپ کو بتلا دینا چاہیے تھا کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝﴾ (التکویر: ۲۴) "اور پوشیدہ باتوں کے بتلانے پر بخیل بھی نہیں"۔

مفتی صاحب نے تفسیر خازن سے قیل کے ساتھ بیان کی گئی اس توجیہہ کا ذکر کیا ہے کہ خبر نہ دینا نبوت کی علامت ہے۔ (ص ۱۰۸) یہ کس قدر غلط بات ہے بریلویوں کے نزدیک تو نبی ﷺ کا معنی ہی یہ ہے غیب کی خبریں بتلانے والا۔ خود صاحب خازن نے آگے لکھا ہے:

((والقول الاصح ان الله استاثر بعلم الروح)). "زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے"۔

نیز معلوم ہونا چاہیے کہ مفتی صاحب ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ روح کے علم کی خبر نہ دینا نبوت کی علامت ہے۔ دوسری طرف فرماتے ہیں: روح کا علم حضور ﷺ کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء اللہ کو بھی ملا۔ سوال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے خبر ہی نہیں دی تو آپ ﷺ کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء اللہ کو علم روح کہاں سے مل گیا۔

[۱۰۹] ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۝ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا ۝﴾ (النزعات: ۴۲، ۴۳)

"لوگ آپ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں آپ کو اس کے بیان سے کیا تعلق؟"

[۱۱۰] ﴿يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

"وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ ﷺ تحقیقات کر چکے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ اس کا علم صرف میرے ربّ کے پاس ہے"۔

[۱۱۱] ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ﴾ (الاحزاب: ۶۳)

"لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان آیات کا اُنھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ "یہ حضور ﷺ کو قیامت کے وقت کا علم دینے سے پہلے کی باتیں ہیں"۔ گزارش ہے کہ مؤخر الذکر آیت سورہ احزاب کی ہے جو پانچ ہجری کو نازل ہوئی تھی۔ معلوم ہوا نبوت کے ۱۸ برس گذار کر بھی آپ ﷺ عالم غیب نہیں بن سکے تھے۔ باقی ان کا یہ خیال کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت کے وقت کا علم دے دیا تھا۔ یہ بھی سراسر وہم ہے کیونکہ النازعات میں آیت ۴۴ یہ ہے:

﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ "اس کے علم کی انتہا تو اللہ ہی کی جانب ہے"۔

اعراف والی آیت میں پہلے یہ الفاظ بھی ہیں:

﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

"کہہ دیجئے بے شک اس کا علم میرے رب کے پاس ہے، اپنے وقت پر وہی اسے ظاہر فرمائے گا"۔

اور احزاب والی آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

﴿وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا﴾

"اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب ہو"۔

معلوم ہوا علم قیامت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کسی پر ظاہر نہیں فرمایا۔

مفتی صاحب النازعات والی آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کو حضور اکرم ﷺ نے قیامت کا دِن تاریخ مہینہ بتا دیا کہ عاشورہ کے دِن بروزِ جمعہ ہوگی اور قیامت کی بے شمار علامات بتا دیں"۔ کاش مفتی صاحب یہ بھی فرما دیتے کہ آپ نے سن کونسا بتلایا تھا تاکہ معاملہ بالکل ہی صاف ہو جاتا۔ اعراف والی آیت کے حاشیہ میں مفتی صاحب فرماتے ہیں قیامت آنے سے پہلے اس کا ظاہر فرما دینا میرے واسطے منع ہے اس لیے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو قیامت کا علم تو ہے اظہار کی اجازت نہیں"۔ نیز اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں"۔ (ص ۱۱۱)

اس سے معلوم ہوا بقول مفتی صاحب مسلمانوں کو قیامت کی تاریخ بتلا کر نبی اکرم ﷺ نے ایسا کام کیا جو آپ ﷺ کے فرائض میں شامل نہیں تھا بلکہ منع تھا۔ مفتی صاحب نے عاشورہ کے دِن قیامت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے لیے بھی کوئی معقول دلیل چاہیے۔ نیز عرض ہے کہ کفار نبی اکرم ﷺ سے پوچھتے تھے کہ قیامت کب ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا یہ خیال تھا کہ نبی ﷺ کو عالم الغیب ہونا چاہیے۔

لکھتے ہیں: "دنیا کی کل عمر ستر ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو قیامت تک کا علم ہے"۔ نبی ﷺ نے تو یہ بات ارشاد نہیں فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے یہ روایت صحیحہ انہوں نے ابلیس کی ڈائری سے نقل کی ہے اور خود ہی اس کے راوی ہیں۔ لہٰذا اس کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

۱۱۲ مفتی صاحب نے ﴿اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ کا ایک یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ ﷺ کو قیامت کا علم نہیں دیا اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں ہے۔ عرض ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو علم دے دیا اور آپ کو مل بھی گیا پھر یہ کہنا کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے کتنی بے موقع بات ہے۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے تبھی کہا جائے گا جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پاس اس کا علم نہ ہو۔

بالفرض محال اگر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بتلا بھی دیا تھا تو اسے علم غیب نہیں کہا جا سکتا بتلائی گئی بات کو علم غیب وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل غائب ہو گئی ہو۔

۱۱۳ قیامت کے متعلق سوال کے جواب میں نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا تھا:

((ما المسئول عنھا باعلم من السائل)). (عن ابی ھریرہ بخاری ص ۱۲ حدیث ۵۰)

"مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا"۔

اس کے متعلق فرماتے ہیں: "حضور اکرم ﷺ نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی ہے ورنہ فرماتے ﴿لَا اَعْلَمُ﴾ "میں نہیں جانتا"۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے جبرائیل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی۔ اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں"۔ عرض ہے کہ جن آیات میں یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا یا اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ آیا انھیں تم لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے؟ وہاں تم نے ذاتی، کلی، دعویٰ، تواضع یا قبل از اطلاع کی بحث چھیڑ دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس موقع پر نبی ﷺ نے صرف یہ نہیں فرمایا تھا کہ مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا بلکہ اسی حدیث میں اگلے الفاظ کے مطابق یہ بھی فرمایا تھا:

((فی خمس لا یعلمھن الا اللہ)).

"قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں شمار ہے جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

لہٰذا مفتی صاحب کی برابر والی تاویل برباد ہوگئی۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا واقعی قیامت کے بارے میں نبی ﷺ کا علم جبریل علیہ السلام سے زیادہ نہیں تھا تو پھر ان کے اس دعویٰ کا کیا بنے گا کہ تمام مخلوقات کا علم حضور ﷺ کے علم کے دریا کا ایک قطرہ ہے۔ (ص ۵۴)

"مجھ کو بھی خبر ہے اور تجھ کو بھی خبر ہے"۔ اس تاویل کو ملا علی قاری حنفی نے نہایت غلط اور بدترین جہالت قرار دیا ہے۔ (مرقات ج۱ ص ۶۲ وموضوعات کبیر ص ۹۹)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں سائل و مسئول کا علم عجز میں برابر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی من تو ہر دو برابریم در نادانستن آں بلکہ ہر سائل مسئول ہمیں حال دارد کہ آں را جز خداوند تعالیٰ کسے نداند وے تعالیٰ ہیچ کس را ملائکہ رسل بر آں اطلاع نہ دادہ۔ (اشعۃ اللمعات ج۱ ص ۱۴۲)

"یعنی میں اور تم دونوں علم قیامت نہ جاننے میں برابر ہیں۔ بلکہ ہر سائل و مسئول کا یہی حال ہے کیونکہ یہ علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور پیغمبروں سمیت اس علم پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا"۔

مفتی صاحب نے فرمایا ہے: "اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں"۔ عرض ہے کہ کیا یہ کافروں کا مجمع تھا؟ مفتی صاحب نے خود لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو قیامت کا دن اور تاریخ بتلا دی تھی۔ تو پھر ان سے کیا پردہ؟

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۳۴﴾ (لقمان: ۳٤)

"بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کل کیا کمائے گی۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین پر مرے گی۔ بے شک اللہ جاننے والا بتلانے والا ہے"۔ (ترجمہ کنز الایمان)

۱۱۴ یہ آیت نقل کر کے مفتی صاحب نے چند غیر مستند تفسیروں سے ثابت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیئے اور اس آیت میں خبیر بمعنی مخبر ہے"۔ یہ دعویٰ اور یہ ترجمہ قرآن پاک سے صریح بغاوت ہے۔ خبیر کا معنی مخبر یعنی بتانے والا کرنا۔ لغت کی رُو سے قطعاً غلط ہے۔ مفتی صاحب نے اس آیت کو ذاتی علم کی نفی پر محمول کیا ہے۔ یعنی عطائی طور پر آپ ﷺ عالم الغیب ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی صفات میں صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے تو یہ لوگ کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ خدا بھی ہیں۔ الٰہی بھی ہیں۔ خالق بھی ہیں قدیر بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور فرق رکھنے کے لیے ساتھ عطائی کا دُم چھلا لگا دیں۔ بلکہ خبیر بمعنی مخبر کی طرح مذکورہ الفاظ کا یوں بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ خدا بمعنی خدا دینے والا الٰہی بمعنی الوہیت عطا کرنے والا خالق بمعنی صفت خالقیت بخشنے والا اور قدیر بمعنی قدرت دینے والا، سمیع سماعیت دینے والا، بصیر بصارت دینے والا۔ بلکہ کہنے والے نے تو کہہ ہی دیا ہے:

؎	وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر	اُتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر!
؎	اس امر پر ایمان ہے کہ خالق نے	ظہور میں تیری صورت کو اختیار کیا
؎	بُلا کے عرش پر حق نے تجھے شب معراج	تیرے سپرد خدائی کا اقتدار کیا
یا	کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں	وہ بھی اللہ ہے یارو یہ بھی اللہ ہے یارو
بلکہ	چاچڑ وانگ مدینہ دسے کوٹ مٹھن بیت اللہ	ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

یاد رہے کہ خبیر یا الخبیر یا خبیراً کا لفظ قرآن پاک میں ۴۴ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ خود مولوی احمد رضا خان صاحب نے اس کا معنی خبردار یا خبر رکھنے والا کیا ہے، سوائے دو مقامات کے۔ ایک اسی مذکورہ بالا آیت میں اور ایک سورہ فاطر کی آیت ۱۴ میں کہ یہاں انھوں نے خبیر کا معنی بتانے والا کیا ہے اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کون سا ترجمہ صحیح ہے وہ جو دو جگہ استعمال ہوا ہے یا وہ جو ۴۲ جگہ استعمال ہوا ہے۔ انھوں نے قرآن پاک کو بھی موم کی ناک ہی تصور کر لیا ہے۔

۱۱۵ مفتی صاحب نے تفسیر صاوی کے حوالہ سے یہاں بھی لکھا ہے کہ "حضور ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرما دیا۔ اس کا کئی بار جواب ہو چکا ہے"۔

مفتی صاحب کے نزدیک علوم خمسہ کو ولی بھی جانتے ہیں محبوب بھی جانتے ہیں۔

۱۱۶ پھر لکھتے ہیں کہ "قطب ان کو جانتے ہیں، پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا کیا کہنا"۔

میں کہتا ہوں سید الانبیاء ﷺ کا کیا کہنا، نہیں بلکہ بریلویوں کا کیا کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تو علوم خمسہ نبی ﷺ سمیت کسی کو عطا نہیں فرمائے مگر بریلویوں نے نبیوں، غوثوں، قطبوں، ولیوں اور خاص بندوں سب کو عطا کر دیئے۔

مفتی صاحب قسطلانی شرح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ رعد سے نقل کرتے ہیں "کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ نے اس کو اپنے غیب پر مطلع فرمایا ہے اور ان کا تابع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے"۔ عرض ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیب سے اگر قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی شے مراد ہے تو پھر اس ولی کا نبی ﷺ سے کس طرح رابطہ ہوتا ہے اور آج کل کن کن کو یہ شرف حاصل ہے۔ نبی ﷺ اگر ہم گنہگاروں کے سامنے آنا پسند نہیں فرماتے تو کم از کم ہم ان "صحابیوں" کی زیارت کر کے تابعی بننے کا شرف ہی حاصل کرلیں۔

ہمارے نزدیک ولیوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔ ہر نیک مسلمان اللہ کا ولی ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (یونس: ٦٢ و ٦٣)

"اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف اور غم نہیں، وہ یہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں"۔

اور جو اللہ کا ولی ہے ظاہر ہے کہ وہ نبی ﷺ کا بھی ولی ہے۔ آپ ﷺ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی:

((ان اولى الناس بى المتقون من كانوا او حيث كانوا)). (عن معاذ مسند احمد ج ٥ حدیث ٢٢٠٥٢ مشکوۃ کتاب الرقاق ص ٤٤٦) ❶

"میرے قریب ترین (ولی) وہ لوگ ہیں جو پرہیز گار ہیں کوئی بھی ہوں کہیں بھی ہوں"۔

تو جب ہر پرہیز گار مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ولی ہے تو کیا کسی بھی تابع ولی کا نبی ﷺ سے رابطہ ہے اور اس نے آپ ﷺ سے قیامت کا علم غیب لے لیا ہے اور اگر بریلوی ذوق کے مطابق صرف قبروں کے مجور (مجاوروں) یعنی سجادہ نشین ہی اولیاء کرام ہوتے ہیں تو کیا ان کے پاس قیامت کا علم ہے۔ یا پوری دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جسے قیامت کا علم ہو۔ کیوں جھوٹ بول بول کر لوگوں کا ایمان خراب کرتے ہو۔

﴿۱۱۷﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں: انجاح الحاجه حاشيه ابن ماجه باب اشراط الساعة زير حديث خمس لا يعلمهن الا الله. صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہے لہٰذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پس یہ فراست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مؤمن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے"۔ (ص ۲۹۳)

مفتی صاحب نے پوری بات نقل نہیں کی۔ یہ واقعہ جو بظاہر ((لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ)) کے خلاف ہے محشی نے اسے جواب دینے کے لیے نقل کیا ہے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں:

((مع هذا لا يخرج عن درجة الظن ولا يدخل فى حد العلم فافترقا)).

"تاہم اس پیشینگوئی کی حیثیت درجہ ظن سے زیادہ نہیں ہے یہ علم کی حد میں داخل نہیں ہوئی، لہٰذا یہ دونوں معاملے جدا ہیں"۔

یہ روایت موطا امام مالک رحمہ اللہ میں بھی ہے جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ درج ہیں:

((ذو بطن بنت خارجة اراها جارية)).

"میرا خیال ہے کہ بنت خارجہ کے شکم میں لڑکی ہے"۔ (حدیث ۲۹۳۹)

حاشیہ میں لکھا ہے:

((فيه حصول الظن بمثل ذلك و انما المنع العلم)). (ص ۳۱٤ باب ما لا یجوز من النحل)

"یہ ظن کی قسم ہے، ورنہ علم تو ممتنع ہے"۔

تخریج: ❶ اس کی سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاملہ کے شکم میں لڑکی ہے یا لڑکا ہے اس قسم کے ظنی اندازے تو بسا اوقات سیانی عورتیں بھی لگا لیتی ہیں۔ ان دونوں حاشیوں سے ثابت ہوا کہ ظن اور چیز ہے علم اور چیز ہے اب سوال یہ ہے کہ علم غیب کا تعلق ظن سے ہے یا علم سے۔

جب بچہ شکم مادر میں پرورش پا رہا ہوتا ہے تو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے متعلق چار باتیں لکھتا ہے: عمل، اجل، رزق اور اس کا نیک و بد ہونا۔ (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۷۶ حدیث ۶۵۹۴، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) اس کے متعلق مفتی صاحب نے فرمایا: ”یہ وہی علوم خمسہ ہیں اور تمام موجودہ اور گزشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا ہے“۔

نیز لکھتے ہیں مشکوٰۃ شریف اسی باب میں ہے:

((كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة)). (عن ابن عمرو مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ حدیث ۶۷۴۸ مشکوٰۃ ص ۱۹)

”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں“۔

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم خمسہ ہیں تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوحِ محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے“۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام سکھلائے اور فرشتوں سے کہا تم مجھے ان کے نام بتلاؤ تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی:

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ (بقرہ:۳۲) ”تو پاک ہے ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے“۔

تو کیا یہ نام لوحِ محفوظ میں درج نہیں تھے اور فرشتوں کی ان پر نظر نہیں پڑی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ نام سکھلائے۔ مفتی صاحب قبل ازیں لکھ آئے ہیں کہ ”علم آدم علیہ السلام میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہے“۔ (ص ۴۶)

تو جب اللہ تعالیٰ نے نام سکھلائے تو کیا اس وقت تک آدم علیہ السلام نے ابھی نبی علیہ السلام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ شکم مادر میں جو فرشتہ تقدیر لکھتا ہے وہ اللہ کے بتلانے سے لکھتا ہے یا اسے علم غیب سے لکھتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (النحل:۵۰) ”اور جو حکم مل جائے اس کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں“۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا دور تو ختم ہو گیا ہے۔ دورِ ولایت جاری ہے۔ میرا پوری بریلوی اُمت کو چیلنج ہے کہ ایک عدد ولی ایسا دکھلا دیں جس نے لوحِ محفوظ کی شکل بھی دیکھی ہو۔

﴿۱۱۸﴾ غیروں کے لیے علوم خمسہ کے ثبوت میں مفتی صاحب فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو دیکھا ہے۔ (عن ابی موسیٰ ابوداؤد کتاب السنۃ حدیث ۴۶۹۳، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص ۲۲) ❶ شب معراج آنحضرت ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے گرد جنتی اور دوزخی ارواح کو دیکھا ہے۔ (عن انس بخاری ص ۱۷۴ حدیث ۳۳۴۲، مسلم ج ۱ ص ۹۳ حدیث ۴۱۵، مشکوٰۃ باب المدارج ص ۵۲۹) نبی ﷺ کے دائیں ہاتھ جنتیوں کی اور بائیں ہاتھ میں دوزخیوں کی فہرست تھی۔ (ملخص) (عن عبداللہ بن عمرو ترمذی ابواب القدر حدیث ۲۱۴۱، مشکوٰۃ ص ۲۱) ✿

میں پوچھتا ہوں ایک شخص ایک طرف اہلسنت والجماعت کا اجتماع بھی دیکھ لے اور دوسری طرف اہل شرک و بدعت کا ہجوم بھی دیکھ لے یا ان کے ناموں کی فہرست پر نظر ڈال لے تو کیا اسے ان کا علم غیب حاصل ہو جائے گا اور وہ ان کے بارے میں علوم خمسہ جان

حکم وتخریج: ❶ اس کی سند صحیح ہے۔ ✿ اس کی سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے گا اگر ایسی بات ہے تو پھر مردم شماری والوں کو بھی ہر شہری کی قسمت کا حال معلوم ہونا چاہیے۔ یاد رہے کہ نبی ﷺ نے شب معراج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گرد نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں جنتی اور دوزخی دیکھے تھے: ﴿ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ﴾ (بقرہ: ۳۳) "اے آدم! تم ان کو ان کے نام بتادو" کے حاشیہ میں مفتی صاحب لکھتے ہیں: "آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو نام سکھائے نہیں بلکہ صرف بتائے جیسے واعظ ایک مجلس میں پچاس مسئلے لوگوں کو سنا دے اس سے وہ لوگ عالم نہیں بن جاتے"۔ مفتی صاحب کی بیان کردہ مذکورہ بالا احادیث میں تو اتنی بات بھی نہیں ہے لہٰذا ان سے کسی طرح علوم خمسہ کا حصول ہو گیا۔

مفتی صاحب اولیاء کو بھی علوم خمسہ کی طرف گھسیٹ لائے ہیں حالانکہ حضرت ابوعبداللہ نامی ایک صحابی بیمار ہو گئے ان کے دوست عیادت کے لیے آئے تو یہ رو رہے تھے۔ رونے کی وجہ پوچھی تو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس (جنت) کے لیے ہے اور بائیں مٹھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس (جہنم) کے لیے ہے اور مجھے پرواہ نہیں۔ اب نہ جانے میں اللہ کی کس مٹھی میں ہوں۔ (عن ابی نضرہ، مسند احمد ج ۴ ص ۹۶ حدیث ۱۷۵۹۳، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص ۲۴) ❶

﴿۱۱۹﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جب مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں:

((قد کنا نعلم انك تقول هذا)). (عن ابی ہریرہ ترمذی باب ما جاء فی عذاب القبر، حدیث ۱۰۷۱، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر ص ۲۵) ❷

"ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا"۔

معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے"۔

عرض ہے کہ یہ علم انھیں اللہ تعالیٰ بھی تو دے سکتا ہے اور ممکن ہے مومن اور کافر کی ہیئت کذائی میں بھی فرق ہوتا ہو اور وہ پولیس کی طرح شکل دیکھتے ہی پہچان لیتے ہوں"۔

﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾ (الفتح: ۲۹) "ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے"۔

بلکہ یہ بھی ممکن ہے جنتیوں اور جہنمیوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتے ہی الگ الگ بھیجتا ہو جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: کافر کی جان قبض کرنے کے لیے عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں۔ (عن ابی ہریرہ مسند احمد حدیث ۸۵۳۴، مشکوٰۃ، کتاب الجنائز ۱۴۲) ❸

﴿۱۲۰﴾ لکھتے ہیں: "حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے پھر ہمارے پاس آنے والا ہے۔ اس سے جھگڑا نہ کر۔ معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو گا"۔

اس روایت میں عیاش راوی ضعیف ہے لہٰذا نا قابل استدلال ہے اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا:

﴿ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (النمل: ۱۸)

"ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے"۔

مفتی صاحب کے حاشیہ کے مطابق تین میل سے چیونٹی کو پتہ چل گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر آ رہے ہیں تو کیا اب چیونٹیوں کو بھی عالم الغیب ماننا پڑے گا۔ مفتی صاحب نے اپنے حاشیہ میں سورہ نمل کی اس آیت سے یہ تو استدلال کر لیا کہ نبی دور سے چیونٹی کی آواز سن لیتے ہیں اگر ہمارے حضور ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہو کر ہماری فریاد سن لیں تو کیا تعجب ہے"۔ انھیں یہ بھی

حکم و تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ سند حسن ہے۔ ❸ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدلال کرنا چاہیے تھا کہ چیونٹیاں بھی نہ صرف یہ کہ دور سے سن لیتی ہیں بلکہ پہچان بھی لیتی ہیں۔

لکھتے ہیں: بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے بعض کفار کے بارے میں پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ وہ کس کس جگہ مریں گے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ حدیث ۴۶۲۱، مشکوٰۃ باب المعجزات ص ۵۴۳)

کاش نبی ﷺ اُحد کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بتلا دیتے کہ وحشی کے ذریعے ہندہ ان کے ساتھ کس مقام پر کیا سلوک کرنے والی ہے۔

بریلوی حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ اور بہت سے اولیاء عالم الغیب ہیں مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی زیادہ ہے۔

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

۱۲۱ اس کا صحیح عنوان یہ ہونا چاہیے تھا نفی غیب کی احادیث کے ردّ میں۔ کیونکہ مفتی صاحب نے یہی کام دکھایا ہے۔ مثلاً حضرت ربیع بن معوذ بن عفرا کی شادی کے موقع پر نبی علیہ السلام کی موجودگی میں بچیاں شہدائے بدر کے بارے میں گیت گا رہی تھیں۔ ایک بچی نے یہ مصرع پڑھا: و فينا نبي يعلم ما في غد "اور ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتے ہیں"۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ چھوڑو، وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (بخاری ص ۷۷۳ حدیث ۵۱۴۷، مشکوٰۃ باب اعلان النکاح ص ۲۷۱) یہ حدیث علم غیب کی نفی میں واضح ہے۔ مگر یہ حضرت فرماتے ہیں آپ ﷺ نے بطور انکسار منع فرمایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد فرمایا تھا:

((فوالله لا تسئلوني عن شيء الا اخبرتكم به ما دُمت في مقامي هذا)). (عن انس بخاری ص ۱۰۸۳ حدیث ۷۲۹٤)

"اللہ کی قسم میں جب تک اس جگہ رہوں گا جو پوچھو گے بتلاؤں گا"۔

کیا اس وقت انکسار کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ کیا آپ ﷺ نے انکسار چھوٹی بچیوں کی مجلس میں ہی فرمانا تھا۔ انکسار کے پردے میں حقیقت کو نہیں جھٹلانا چاہیے۔ فرماتے ہیں: "یا اس لیے ناپسند فرمایا کہ محفل گانے بجانے کی تھی یا اس لیے کہ اس وقت مرثیے پڑھے جا رہے تھے"۔ (ملخص) معلوم ہوا نبی ﷺ کی نعت مبارک خوشی یا غمی کے موقع پر نہیں پڑھنی چاہیے، لہٰذا میلاد، عرس اور برسیاں اس سے مبرا ہو جانی چاہئیں۔

ایک جواب یہ دیا ہے کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ کیا بچی نے یہ کہا تھا آپ ﷺ بذاتِ خود غیب جانتے ہیں۔ اس نے تو غیب کا لفظ بولا ہی نہیں تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ ﷺ کل کی بات جانتے ہیں۔ کل سے مراد اگلا دِن نہیں بلکہ آئندہ زمانہ ہے۔ آپ ﷺ نے بذریعہ وحی الٰہی مستقبل میں پیش آنے والے بے شمار واقعات بتلائے جن کا ذکر کتاب الفتن اور اشراط الساعۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ نبی ﷺ نے یہ مصرع پڑھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ کوئی نالائق اس سے علم غیب پر استدلال نہ کرے کیونکہ استدلال کرنے والے بہت تیز ہوتے ہیں:

﴿الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝﴾ (الناس)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ جن ہو یا انسان"۔

یہ استدلال کرنے والے تو ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) کے حرف ندا سے بھی پورا پورا ناجائز فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔

۱۲۲ انصار مدینہ نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور کے درخت میں لگا دیتے تھے۔ اس عمل کو تلقیح یا تابیر کہتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمادیا تو اگلے سال پھل کم آیا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا تو فرمایا:

((انتم اعلم بأمر دنیاکم))۔ (عن انس مسلم ج ۲ ص ۲٦٤ حدیث ٦١٢٨)

"اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو"۔

چونکہ اس حدیث سے دنیوی معاملات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا عجز ثابت ہوتا ہے اس لیے مفتی صاحب نے اس حدیث کا مفہوم بگاڑنے پر خاصی محنت کی ہے۔ گڑبڑ کا آغاز انھوں نے ترجمہ سے ہی کر دیا ہے ترجمہ یہ فرمایا ہے اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو حالانکہ اعلم اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ معنی یہ بنتا ہے اپنے دنیوی معاملات تم زیادہ جانتے ہو۔ جیسے اللہ اکبر کا یہ معنی نہیں کہ اللہ بڑا ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ سب سے بڑا ہے۔ اور جیسے مولوی احمد رضا خان نے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ﴾ (نساء: ۲۵) کا ترجمہ یہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان کو خوب جانتا ہے۔

فرماتے ہیں "یہ اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو آگے کسی کا قول لکھا ہے اگر وہ مان جاتے اور ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے"۔ اس سے ثابت ہوا آنحضرت ﷺ نے لاغرضی کا مظاہرہ فرمایا، یعنی جس چیز میں مسلمانوں کا فائدہ تھا آپ ﷺ نے اس کی پرواہ نہیں فرمائی۔ حالانکہ رحمت للعالمین ﷺ کی عادت مبارکہ ایسی نہ تھی۔ ایک شخص کو اسہال کی شکایت ہوگئی آپ ﷺ نے اس کے بھائی سے کہا: اسے شہد پلاؤ۔ شہد پلانے سے اس کے اسہال میں مزید اضافہ ہوگیا۔ چار مرتبہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے ہر بار اسے شہد پلانے کا مشورہ ہی دیا حتیٰ کہ اسے آرام آ گیا"۔ (عن ابی سعید خدری بخاری ۸۴۸ حدیث ۵۶۸۴، مسلم ج ۲ ص ۲۲۷ حدیث ۵۷۷۰، مشکوٰۃ کتاب الطب ص ۳۸۷)

یہ سمجھنا کہ نبی ﷺ ایک ہی بار شکایت سن کر ناراض ہوگئے اور تنگ آ کر آپ ﷺ نے ایسی بات ارشاد فرمادی جس میں مسلمانوں کا سراسر نقصان تھا یہ آپ ﷺ کی شایانِ شان نہیں یہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے اوپر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔ آپ ﷺ کو انصارِ مدینہ سے جو والہانہ محبت تھی اس کے پیش نظر بھی یہ بے التفاتی فہم سے بالاتر ہے۔ اگر عمل تلقیح سے بچ جانے کا کوئی معجزہ صادر ہونا تھا تو وہ انصارِ مدینہ کے معصوم استفسار سے رُک نہیں سکتا تھا۔ اگر بالفرض انصارِ مدینہ غلطی کر ہی بیٹھے ہیں تو بریلویوں کو چاہیے اپنے اولیاء کو کہہ کر بطورِ کرامت ہی اسے جاری فرمادیں۔

۱۲۳ کسی علامہ قیصری کا قول نقل کیا ہے:

((لا یعز من علمه مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء من حیث مرتبته و ان کان یقول انتم اعلم بامور دنیاکم))۔

"حضور ﷺ کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو"۔

یعنی سورہ یونس کی آیت نمبر ٦١ اور سبا کی آیت نمبر ۳ جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہیں یہ بھی انھوں نے نبی ﷺ کو بخش دی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ﴾ (یوسف:٤٧) "اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا"۔

﴿اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (یوسف:۵۵)

"آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں"۔

ان کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ "حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم تھا"۔ ایک طرف مفتی صاحب فرماتے ہیں: تمام انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں۔ (ص ۴۳) اب کہتے ہیں کس سے سیکھے؟ یہ اپنی بات پر بھی قائم نہیں رہتے۔ میرے بھائی جس خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم سکھلایا تھا وہ انھیں ملکی انتظامات کی صلاحیت بھی عطا فرما سکتا تھا نیز جس عزیز مصر کے ہاں انہوں نے سالہا سال تک پرورش پائی تھی وہ بھی خزائن الارض کا ہی افسر اعلیٰ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷۳) ان کے نزدیک علم غیب کے سوا ان کا کوئی اور ذریعہ معلومات ہی نہیں تھا ایک مرغی جو انڈے سیتی ہے اور پھر اپنے چوزوں کی نگہداشت کرتی ہے، یہ اس نے کس سے سیکھا۔ کیا وہ عالم الغیب ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی والدہ کی گود میں کہا تھا ﴿اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ... الخ﴾ تو کیا اس وقت وہ عالم الغیب تھے اور جب ایک ولد الزنا نے حضرت جریج رحمہ اللہ کی برأت کرتے ہوئے اپنے متعلق کہا تھا کہ وہ فلاں چرواہے کی اولاد ہے۔ (عن ابی ہریرہ، مسلم ج ۲ ص ۳۱۳ حدیث ۶۵۰۹) تو کیا وہ عالم الغیب تھا۔ میرے بھائی وقتی معجزات و کرامات کو مستقل دلیل نہیں بنا لینا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ((انتم اعلم بامور دنیاکم)) فرمانا علم غیب کی نفی پر نص صریح ہے۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے بتلا دی معلوم ہو گئی جو نہیں بتلائی نہیں معلوم ہوئی۔ اس میں اشکال کیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے غزوہ بدر کے موقع پر سیرت النبی میں سیرت ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے، وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر سے ہے؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے۔ حباب نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنویں بے کار کر دیئے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ (سیرۃ النبی از شبلی نعمانی مطبوعہ نامی پریس کانپور ۱۹۱۸ء ص ۲۳۲) اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا جو قبول کر لیا گیا۔ (ایضاً ص ۳۰۸) خود قرآن پاک میں ہے:

﴿وَشَاوِرْھُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹) "اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں"۔

کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بلاوجہ ہی نازل فرمائی ہے۔

۱۲۴ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں ترمذی کتاب التفسیر (تفسیر سورہ الانعام) میں ہے کہ حضرت مسروق رحمہ اللہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا یا کسی شے کو چھپایا اور وہ جھوٹا ہے:

((ومن زعم انه يعلم ما في غدٍ فقد اعظم الفرية على الله)). (حدیث ۳۰۶۸) [1]

"اور جو یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا"۔

جواب دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں۔ آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ عباس رضی اللہ عنہ

---

[1] هذا حديث حسن صحيح۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے روایت پیش فرمائی اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ یہ سارا جواب ہی لغو ہے۔ ایک طرف فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں۔ یعنی باطنی معنی میں ہیں۔ گویا ٹھیک ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ یعنی غلط ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی۔ یہ بھی ان کی غلط بیانی ہے۔ یہی روایت جس کا انھوں نے حوالہ دیا ہے اس میں آگے چل کر وَلَقَدْ رَاٰهُ نزلة اخری و لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سب سے پہلے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ جنھیں میں نے ان کی اصلی شکل میں صرف دو بار دیکھا پھر ان کا یہ کہنا کہ آیات سے استدلال ہے۔ گویا ان کے نزدیک قرآنی آیات سے استدلال استدلال ہی نہیں یہ رائے کے برابر ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ہے ان کے نزدیک قرآن پاک کی قدر و منزلت۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ احناف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آتے ہیں۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بڑھ کر فقیہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بخاری شریف میں بھی ہے۔ (ص ۷۲۰)

حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا اماں جان! کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا تو کہنے لگیں تمہارے سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تین باتیں بالکل جھوٹ ہیں: جو شخص تمہیں بتائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ (الانعام: ۱۰۳)

"اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی (دیکھ نہیں سکتی) اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے (دیکھ سکتا ہے)"۔

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ﴾ (الشوری: ۵۱)

"ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر بطور وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے وحی کرے"۔

اور جو تمہیں یہ بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں، اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ﴾ (لقمان: ۳۴)

"کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کس زمین میں مرے گا"۔

اور جو تمہیں یہ بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھپایا اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ (المائدہ: ۶۷)

"اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے ربّ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ادا نہیں کی"۔

مفتی صاحب نے بخاری شریف کا حوالہ نہیں دیا شاید اس لیے کہ قارئین کو یہ پتہ نہ چل جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علم غیب وغیرہ سے انکار والی حدیث بخاری شریف میں بھی ہے جو کہ اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ یہ لوگ بخاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شریف سے بہت الرجک ہیں۔ جس طرح یہودیوں کو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے عداوت ہے اسی طرح احناف کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی چڑ اور عداوت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی کھری کھری بات بیان کر دینے کے عادی ہیں۔ چاہے کسی کے موافق ہو یا ناموافق۔ یاد رہے کہ یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ احناف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ حنفی کا بانی اوّل قرار دیتے ہیں۔ ان سے بھی مروی ہے کہ قرآن پاک میں جو آتا ہے:

﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝﴾ (النجم: ۹، ۱۰)

”پس دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم پس اس نے اللہ کے بندے کو پیغام پہنچایا جو بھی پہنچایا“۔

اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چھ سو پروں سمیت دیکھنا مراد ہے۔ (بخاری ص ۷۲۰ حدیث ۴۸۵۶، مسلم ج ۱ ص ۹۷ حدیث ۴۳۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک سیکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ (عن عبداللہ بن عمرو بخاری حدیث ۴۹۹۹، مسلم مشکوۃ جامع المناقب ص ۵۷۴)

مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((سالت رسول الله صلی الله علیه وسلم هل رایت ربك قال نور انی اراه)). (مسلم ج۱ ص۹۹ حدیث ٤٤٣)

”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: وہ تو نور ہے۔ میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں“۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی: ﴿وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝﴾ (النجم: ۱۳) ”اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا“ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام کو دیکھنا مراد ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۹۸ حدیث ۴۳۴)

مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”ربّ تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت پیش فرمائی“۔ اس میں بھی دھوکہ ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کے مطابق خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”وہ تو نور ہے، میں اُسے کیسے دیکھ سکتا ہوں“۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کا اپنا قول مروی ہے:

((راٰه بقلبه — یا — بفؤاده مرتین)). (مسلم ج۱ ص ۹۸ حدیث ٤٣٦)

”اپنے دل کے ساتھ اسے دوبارہ دیکھا“۔

یعنی سر کی آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھا۔ نیز اس میں یہ بھی ذکر نہیں کہ کس کو دیکھا جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا یا ربّ کو دیکھ۔ یہ صحیح روایت ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دل کا ذکر کیے بغیر ربّ کو دیکھنے کا قول مروی ہے۔ (تفسیر النجم) مگر ایک تو یہ روایت صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ دوسرے یہ کہ اسے صحیح روایت کے مطابق دل کے ساتھ دیکھنے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((لم یره رسول الله صلی الله علیه و سلم بعینه انما راٰه بقلبه)). (ابن مردویه بحواله تحفة الاحوذی تفسیر الانعام)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھا بلکہ اپنے دِل کے ساتھ دیکھا“۔

اگر ان کا مذہب سر کی آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کا بھی ہو تو یہ ان کا ذاتی مذہب ہوگا ورنہ قرآن و حدیث میں اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ سورہ نجم کے حوالے سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اسی کو دیکھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُفق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دیکھا اور سورۃ تکویر میں صریحاً ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اُفق میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ ﴾ (الشمس)

"یقیناً یہ ایک بزرگ پیغامبر کا کلام ہے۔ اور اس نے فرشتے کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے"۔

اللہ تعالیٰ تو عرش پر مستوی ہے۔

خود مفتی صاحب شروع میں لکھ آئے ہیں۔ تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں تفسیر بالقرآن یہ سب سے مقدم ہے۔ (ص ۱۱)

رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((فرأيت ربي في احسن صورة))۔ (ترمذی تفسیر حدیث ۳۲۳۴) [1] "میں نے اپنے ربّ کو احسن صورت میں دیکھا"۔

مگر یہ خواب کا واقعہ ہے اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں:

((اني نعست فاستثقلت نوما))۔ "مجھے اونگھ آئی پھر گہری نیند آگئی"۔

اگر یہ دیکھنا معتبر ہے تو نبی ﷺ نے اگر ربّ کو ایک بار دیکھا تو بقول احناف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ربّ کو سو بار دیکھا ہے۔ (درمختار ج۱ ص ۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان کہ جو تمہیں یہ بتائے کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ چھپایا اس نے بھی جھوٹ بولا۔ مفتی صاحب کو ام المومنین کی اس بات سے بھی اتفاق نہیں، کہتے ہیں اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الٰہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور اکرم ﷺ سے دو قسم کے علم ملے۔ ایک وہ جس کی تبلیغ کر دی، دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتلاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ (بخاری ص ۲۳ حدیث ۱۲۰) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کے تحت فرماتے ہیں: علماء کے نزدیک اس سے مراد امراء سوء کے نام ہیں۔ چنانچہ کتاب الفتن میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ (فتح الباری ج۱ ص ۲۱۶) اور وہ اشارہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ﷺ سے سنا کہ میری اُمت کی ہلاکت قریشی لڑکوں کے ہاتھوں میں ہے۔ مروان نے کہا: ان لڑکوں پر خدا کی لعنت ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ فلاں فلاں کی اولاد ہیں۔ (بخاری ص ۱۰۴۶ حدیث ۷۰۵۸) خود مفتی صاحب نے بھی ص ۶۸ پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے یہ ضعیف روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت تک ظاہر ہونے والے تین سو سے زائد قائدین فتنہ کے نام مع ان کی ولدیت اور قبیلہ کے ذکر کیے۔ (ابوداؤد باب ذکر الفتن حدیث ۴۲۴۳، مشکوٰۃ ص ۴۶۳) [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: ابن منیر نے کہا باطنی فرقے والے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اپنے اس باطل عقیدے پر دلیل دیتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہری حصہ ہے اور ایک باطنی حصہ ہے۔ یہ سراسر دین سے فرار کا ایک بہانہ ہے۔ اس بات کا حوالہ بخاری شریف کے حنفی محشی نے بھی دیا ہے۔

مفتی صاحب کا یہ تضاد ملاحظہ فرمایئے۔ ایک طرف لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو اسرار الٰہیہ پر مطلع نہ فرمایا۔ دوسری طرف

تخریج: [1] صحیح ہے۔ [2] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک وہ علم ملا جس کے بیان کرنے پر ان کی گردن کٹ سکتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ علم اسرارِ الٰہیہ میں سے تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں بتلا دیا۔ جب بتلا دیا تو پھر یہ کہنا کہ مطلع نہ فرمایا کتنی غلط بات ہے۔ کیا خیال ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حدیث ہر صحابی کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ ایک کو بتلانا بالواسطہ سب کو بتلانے کے مترادف ہے۔ احادیث کا ذخیرہ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ روایتوں کے مجموعے کا نام ہی تو ہے۔

نیز عرض ہے اگر یہ اسرارِ الٰہیہ تھے تو کیا صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس قابل نہ تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح انھیں بھی اسرارِ الٰہیہ سے مطلع فرمایا جاتا۔

اگر جواب دیں کہ انہیں بھی مطلع فرمایا تھا تو پھر مفتی صاحب کی یہ بات اور بھی زیادہ غلط ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اسرارِ الٰہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا اگر یہ جواب دیں کہ انہیں مطلع نہیں فرمایا تھا تو دوبارہ عرض ہے کہ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں مطلع فرمایا تھا۔ نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو اسرارِ الٰہیہ کے قابل نہیں سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کو اسرارِ الٰہیہ کے قابل کیسے سمجھا۔ بینوا توجروا۔

میں پوچھتا ہوں وہ جو باطنی علم ہے جسے مفتی صاحب نے اسرارِ الٰہیہ کا نام دیا ہے اور جسے یہ لوگ طریقت یا تصوف یا علم لدنی بھی کہتے ہیں اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اسلام کی تبلیغ فرما دی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نہیں بتلایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اسلام کی تبلیغ نہیں فرمائی جو بہت بڑا بہتان ہے اور اگر اس باطنی علم کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو پھر یہ بات سچ ثابت ہو جائے گی کہ تصوف کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض امپورٹڈ ہے۔

دوبارہ عرض ہے بقول ان کے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرارِ الٰہیہ پر مطلع نہیں فرمایا تو بریلوی مشائخ کو بیٹھے بٹھائے یہ علم کہاں سے حاصل ہو گیا یا یہ مان لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہری شریعت نازل ہوئی تھی اور بریلوی مجاوروں پر باطنی شریعت نازل ہوئی جو کہ ظاہری شریعت سے زیادہ اہم ہے۔ اصل نبی تو پھر یہی ہوئے۔ معاذ اللہ ظاہری اور باطنی شریعت کا فرق ملت بریلویہ نے دراصل اپنے اکابر کے عقائد شرکیہ اور اعمال بدعیہ پر پردہ ڈالنے کے لیے وضع کر رکھا ہے۔ ان کے نزدیک جس کو ولایت ثابت ہو جائے اس سے بظاہر خلافِ شریعت کلمات کا صدور جائز ہے۔ (ملفوظات مولوی احمد رضا خان صاحب ص ۲۶۸)

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ولی کی ولایت کیسے ثابت ہوگی؟ کیا ننگے شاہ اور گھوڑے شاہ کی ولایت ثابت ہوگئی ہے؟ اور کیا "ذکر شاہ کی ولایت بھی ثابت ہوگئی ہے؟ آپ حیران ہوں گے کمالیہ کے قریب ایک مزار ہے جہاں حصولِ اولاد کے لیے عورتوں کے اندامِ نہانی میں پھیرنے کے لیے لکڑی کے بنے ہوئے ذکروں کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے ایک مجذوب موسیٰ سہاگ کا ذکر کیا جو چوڑیاں پہنتا تھا سرخ لباس پہنتا تھا زنانہ وضع رکھتا تھا اپنے آپ کو خدا کا سہاگ کہتا تھا اور بے نماز تھا۔ یہ مولوی احمد رضا خان صاحب کے نزدیک سچے مجذوب صاحب تحقیق اور حضرت سیدی موسیٰ سہاگ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور یہ ان کے مزار شریف کی زیارت سے مشرف بھی ہوئے۔ (ملفوظات ص ۲۰۸) ان کے نزدیک منصور تبریز اور سرمد خدائی دعوے کرنے کے باوجود ولی اللہ تھے کیونکہ ان کا خدائی دعویٰ کرنا ایسے ہی تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے سنا ((انی انا اللہ رب العالمین)) میں ہی ہوں اللہ رب سارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہان کا۔ (احکام شریعت ص ۱۵۹) یعنی ان کے نزدیک ان اولیاء کا خدائی دعویٰ کرنا گو بظاہر شریعت کے خلاف تھا لیکن درحقیقت صحیح تھا۔ میں کہتا ہوں: خدائی دعویٰ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اولیاء کرام ہو سکتے ہیں تو فرعون اور نمرود وغیرہ نے کیا قصور کیا تھا۔ اگر منصور اور سرمد کے اندر خدا بول سکتا ہے تو کیا فرعون اور نمرود کے اندر اس کا داخلہ ممنوع ہے۔ چنانچہ حسین منصور حلاج کا قول ہے موسیٰ بھی برحق اور فرعون بھی سچا تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۵۵ مصنفہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں اولیاء کے اندر سے خدا بولتا ہے"۔ حمزہ خراسانی نے دنبے کو آواز سن کر فرمایا لبیک جل شانہ۔ (فوائد فریدیہ ص ۴۷ مصنفہ خواجہ غلام فرید) ابن العربی کا مشہور مصرع ہے:

ما الکلب والخنزیر الا الھنا. (دیوان ابن العربی) "کتے اور سور ہمارے خدا ہی تو ہیں"۔

تو یہ دُنبے اور کتے اور خنزیر بھی اولیاء کرام ہی ہیں ان کے اندر خدا ہی حلول کیے ہوئے ہے اور شجر موسیٰ کی طرح وہی بولتا ہے۔

فضیل بن عیاض نے فرمایا: میں عرش کرسی لوح اور قلم ہوں میں جبریل میکائیل اسرافیل عزرائیل ہوں میں موسیٰ اور محمد ﷺ ہوں۔ (فوائد فریدیہ ص ۷۲) اس قسم کے بول بایزید بسطامی وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۰۶) ان سے یہ کہنا بھی ثابت ہے کہ:

سبحانی ما اعظم شانی. (فوائد فریدیہ ص ۷۳)

اب سوال یہ ہے ان کے اندر کون سی شے بول رہی تھی۔ اس طرح کے بلند بانگ اور شیطانی دعوے تو مسیلمہ کذاب اور مرزا قادیانی نے بھی نہیں کیے تھے۔

آمدم برسر مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ نے دین اسلام سے تعلق رکھنے والی کوئی شے نہیں چھپائی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نہیں چھپائی۔ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہر سچے کلمہ گو پر جہنم کی آگ حرام ہے انہوں نے عرض کیا اجازت ہو تو میں لوگوں کو یہ بشارت سنا دوں۔ فرمایا تب لوگ بھروسہ کر بیٹھیں گے (یعنی غلط مطلب لے کر عمل کرنا چھوڑ دیں گے)۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے بیان کی۔ (بخاری ص ۲۴ حدیث ۱۲۸، مسلم ج ۱ ص ۴۴ حدیث ۱۴۸، مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ۱۴) یعنی اس خیال سے کہ کہیں ان پر دین چھپانے کا الزام نہ آ جائے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۵۹)

"جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے"۔

اور یہ مفتی صاحب فرماتے ہیں نبی ﷺ نے لوگوں کو اسرار الٰہیہ پر مطلع نہ فرمایا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مفتی صاحب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکمل نافرمانی کرتے ہوئے تیسری بات کے بارے میں لکھتے ہیں: "اسی طرح صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور اکرم ﷺ نہیں جانتے اس سے مراد بالذات نہ جاننا ہے ورنہ صدہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آئے گی"۔ میں حیران ہوں ایک طرف مفتی صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بار بار صدیقہ لکھتے ہیں دوسری طرف ان کی ہر بات کو جھٹلانے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اپنی بات کو تقویت پہنچانے کے لیے مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "حضرت صدیقہ نے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا ہے مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج ان کے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے۔ جو اب تک ان کے علم میں نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا تھا"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معراج کے جسمانی ہونے کا جو انکار کیا ہے اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معراج کے وقت ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہیں آئی تھیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جن کے اس قول سے انھوں نے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسم کے ساتھ معراج کو گئے تھے۔ وہ تو شاید اس وقت ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ کسی صحابی کا ایک خیال صحیح نہ ہو تو ضروری نہیں کہ اس کی باقی باتیں بھی غلط ہو جائیں۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جن کے نزدیک گدھے کی حرمت مشکوک تھی۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۴۹ حدیث ۵۰۱۷) بلکہ شرح مسلم نووی کے مطابق ان کے نزدیک گدھا حرام نہیں تھا۔ (ص ۱۴۹) بقول حنفیہ فقہ حنفی کی بنیاد زیادہ تر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات پر ہے ان کے نزدیک تو معوذتین قرآن کی سورتیں ہی نہیں تھیں۔ (بخاری ص ۷۴۴ حدیث ۴۹۷۷) وہ رکوع میں دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۰۲ حدیث ۱۱۹۱) ان کے نزدیک قاب قوسین سے ربّ تعالیٰ کو دیکھنا نہیں جبرائیل علیہ السلام کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنا مراد ہے۔ (بخاری ص ۷۲۰ حدیث ۴۸۵۵) تو کیا اب فقہ حنفی کا انکار کر دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کو ردّ کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے کے لیے مفتی صاحب نے قیامت اور اس سے پہلے پیش آنے والے چند واقعات کا ذکر کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ علم غیب ہے؟ اگر یہ علم غیب ہے تو پھر ساری دُنیا عالم الغیب ہے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل گیا۔ اسی طرح آپ کے بتلانے سے سب کو پتہ چل گیا۔ ان علوم غیب میں مفتی صاحب نے شہادتِ حسین اور جنگ بدر سے پیشتر کفار کے قتل اور جگہ قتل کا ذکر بھی کیا ہے۔

مقتولین بدر کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ شہادتِ حسین کے متعلق عرض ہے یہ پیشینگوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب کی وجہ سے نہیں کی تھی بلکہ اس روایت میں صاف الفاظ ہیں:

((اتانی جبریل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی هذا))۔ (دلائل النبوة بیہقی، باب جماع اسئلة الیهود، مشکوة باب مناقب اهل بیت ص ۵۷۲) ❶

"مجھے جبرائیل (علیہ السلام) نے آکر خبر دی کہ میرے اس بیٹے کو میری اُمت قتل کر دے گی"۔

یہ روایت ام الفضل بنت الحارث سے مروی ہے اور اسی روایت کے آغاز میں ام الفضل کے اس خواب کا ذکر ہے۔ جس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ مفتی صاحب نے ص ۶۹ پر اسے بھی خواہ مخواہ علم غیب کے دلائل میں شمار فرمالیا ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے یہ روایت نہایت ضعیف اور منقطع ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنی بھی لیے جائیں تو مخالفین کے بھی تو خلاف ہے کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پنجشنبہ ہوگا سورج نکلے گا رات آئے گی یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا"۔ ایسے معلوم ہوتا ہے انہیں علم وعقل کی ہوا بھی نہیں لگی کیا ما ذا تکسب غدا کا یہ مطلب ہے کہ کل وار کیا ہوگا۔ سورج نکلے گا یا نہیں رات ہوگی یا نہیں۔ اس آیت میں کیلنڈر کا مستقبل نہیں اپنے مستقبل کے متعلق جاننا مراد ہے۔ مفتی صاحب نے پنجشنبہ یعنی جمعرات کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے جمعرات انھیں بہت پیاری ہے اور یہ اسی وار کو یاد رکھتے ہیں اور اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں کیونکہ اس روز "روحیں" آتی ہیں اور ان کی روٹی پانی کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ یعنی جمعرات جاننے کی حد تک یہ بھی "عالم الغیب" ہیں۔ اور اصل میں

حکم: ❶ منقطع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سارا چکر ہی یہی ہے۔ مفتی صاحب نے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ اس آیت میں علم غیب کی بالکل نفی ہے جسے وہ اثبات میں بدلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک سفر میں میرا ہار گم ہو گیا۔ ہار کی تلاش کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے قافلہ بھی رُک گیا۔ وہاں پانی کا بندوبست نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بہت ڈانٹا بلکہ کچھ مارا بھی۔ ساری رات یونہی گزر گئی حتی کہ صبح ہو گئی تو تیمم کی آیت نازل ہو گئی پھر جب ہم نے اونٹ کو اٹھایا تو ہار اس کے نیچے پڑا تھا۔ (بخاری ص ۴۸ حدیث ۳۳۴)

یہ واقعہ بھی علم غیب کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر اسی وقت، بتا دیا جاتا تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ گزارش ہے کہ جاننے کے باوجود نہ بتانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تو ہو سکتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آیت تیمم اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ہار کہاں ہے تو کیا صبح کی نماز تک ایسی جگہ قیام کرنا جہاں وضو کے لیے پانی دستیاب نہ ہو اور پھر تیمم کر کے نماز پڑھ لینا کیا آپ کے لیے جائز تھا؟ اور کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے کہ ہار کہاں ہے بلکہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصہ کی حالت میں جب ام المومنین کو ڈانٹا بلکہ مارا بھی تو کیا انہیں معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ ہے کہ ہار کہاں ہے۔ آپ جان بوجھ کر کسی حکمت کے تحت نہیں بتلا رہے۔ اگر معلوم تھا تو کیا یہ ساری رات ڈرامہ ہی ہوتا رہا۔ یعنی اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہار کا پتہ ہے تو چودھویں صدی کی مخلوق کو کیسے پتہ چل گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ تھا۔ مگر بتلایا نہیں۔ کیسی عجیب بات ہے۔ پورے قافلے میں سے ساری رات کسی ایک شخص نے بھی نہ کہا یا رسول اللہ! اب آپ ہی بتلا دیجئے کہ ہار کہاں ہے۔ بہت ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں اگر اسی وقت بتلا دیا جاتا تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ کیا خیال ہے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتلا دیتے تو یہ آیت تیمم آسمان پر ہی اٹکی رہتی۔ یہ سارا قرآن پاک جو نازل ہوا ہے اسے اتارنے کے لیے کیا اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی "ڈراموں" کا انتظار رہتا تھا؟ معاذ اللہ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت واقعات کو ڈرامہ بنا دینا اور پھر اس کو حکمت کہنا حکیم الامت صاحب کی نہایت ہی غیر حکیمانہ حرکت ہے۔

لکھتے ہیں: "حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاند گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی معلوم نہیں"۔ معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ چاند کیسے گھٹتا بڑھتا ہے لیکن بتلایا نہیں لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ہار کے متعلق نہیں بتلایا تو اللہ تعالیٰ کی طرح یہ بھی بتلانے کی نفی ہے جاننے کی نفی نہیں۔ عرض ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اللہ تعالیٰ سے چاند گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا تھا تو یہ جان کر دریافت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا سبب معلوم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو انہوں نے ہار کی گمشدگی کا پوچھا ہی نہیں کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے ہی ہیں۔ نیز عرض ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاند کے بارے میں براہِ راست پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو علم تھا کہ چاند کیسے گھٹتا بڑھتا ہے۔ اگر علم نہیں تھا تو آپ کے علم غیب کی نفی ثابت ہو گئی اور اگر علم تھا تو اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر آپ کو کیسے علم ہو گیا کیونکہ بقول مفتی صاحب اللہ تعالیٰ نے بتایا ہی نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ذاتی تھا عطائی نہیں تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا فرق باقی رہ گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۵ مفتی صاحب لکھتے ہیں: ”تعجب ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کر لے اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہ سکتی ہے“۔ کتنی اُلٹ سوچ ہے۔ اصل میں کہنا تو یوں چاہیے تھا جس سے اونٹ کے نیچے کی شے مخفی رہے اس کی آنکھ قیامت تک کے حالات کا مشاہدہ کیسے کر سکتی ہے۔ یعنی ما کان و ما یکون کا عالم کیسے ہو سکتا ہے۔ سوائے ان حالات و واقعات کے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتلائے۔ میں پوچھتا ہوں ایک شخص کے پاس ٹی وی بھی ہو ریڈیو بھی ہو اخبارات بھی ہوں اور وہ زمانے بھر کے حالات و واقعات سے باخبر ہو کیا ضروری ہے کہ اسے یہ بھی خبر ہو کہ اس کے تکیے کے نیچے کیا ہے؟

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَيَرِدَنَّ علی اقوام اعرفهم و يعرفوننی ثم يحال بينی و بينهم فاقول انهم منی فيقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك فاقول سُحْقًا سُحْقًا لمن غير بعدی)). (عن سهل بن سعد بخاری ص ۹۷۴ حدیث ۶۵۸۳)

”میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے میں انھیں پہچان لوں گا، وہ مجھے پہچان لیں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ حائل کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا یہ مجھ سے ہیں۔ جواب ملے گا: تو نہیں جانتا انہوں نے تیرے بعد کیا بدعتیں جاری کیں میں کہوں گا دوری ہو دوری ہو، اس کے لیے جس نے میرے بعد تبدیلی کی۔

یہ حدیث بھی علم غیب کی نفی پر زبردست دلیل ہے۔ اس لیے کہ حوض کوثر پر نبی ﷺ ایسے لوگوں کو اپنا ساتھی سمجھ لیں گے جو اہل بدعت ہوں گے۔ فرشتوں کے بقول آپ کو علم نہیں ہوگا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا تبدیلی کی۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں حضور ﷺ کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا۔ یہ چیز ثابت کرنے کے لیے حضرت صاحب نے ((اعرفهم و يعرفونني)) کا ترجمہ کرنے میں گڑبڑ کی ہے یعنی جن کو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں۔ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: غور کی بات ہے آج تو حضور ﷺ فرماتے ہیں ہم ان کو پہچانتے ہیں کیا اسی دن بھول جائیں گے؟ عرض ہے کہ آج پہچاننے والی بات مفتی صاحب کے ترجمہ کا کمال ہے ورنہ اصل ترجمہ یہ ہے میں انھیں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان جائیں گے چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((بينا انا قائم اذا زُمْرَةٌ حتى اذا عرفتهم)). (بخاری ص ۹۷۵ حدیث ۶۵۸۷)

اس اثناء میں کہ میں کھڑا ہوں گا کہ ایک گروہ ہوگا۔ یہاں تک کہ میں انہیں پہچان لوں گا۔

معلوم ہوا دنیا میں پہچاننا مراد نہیں بلکہ آخرت میں پہچاننا مراد ہے۔ اگر نبی ﷺ انھیں دنیا میں پہچانتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے ایسے لوگوں کو اپنا صحابی بنا رکھا تھا جن کے بارے میں آپ کو بذریعہ علم غیب معلوم تھا کہ یہ بعد میں مرتد ہو جائیں گے۔ اور انہیں حوض کوثر سے ہٹا کر جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ یہ تو شیعہ کو تقویت پہنچانے والی بات ہے۔

پہچاننے کی ایک دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ قیامت والے دن مسلمانوں اور کافروں کی علامتیں ہی الگ الگ ہوں گی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ان مرتدین کو اپنا مسلمان ساتھی سمجھ بیٹھیں اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے۔ یا تو یہ کہ یہ علامتیں بعد میں ظاہر ہوں گی۔

یا یہ کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے مگر شرک و بدعت پر جان چھڑکنے والے اس موقع پر بظاہر مسلمان عاشق رسول ﷺ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء حقیقت مشائخ طریقت اور بلبل ریاضِ مصطفیٰ نظر کریں گے لیکن درحقیقت وہ جہنم کا مال ہوں گے۔ صرف شرمندہ کرنے کے لیے انھیں نبی ﷺ کے سامنے گزارا جائے گا۔

۱۲۶ مفتی صاحب نے ایک اور دلیل دی ہے قیامت والے دِن جنتیوں سے فرمایا جائے گا:

((فمن وجدتم فی قلبه مثقال ذرة من خير فاخرجوه)). (عن ابی سعید خدری بخاری، مسلم، مشکوۃ باب المومن والشفاعة ص ٤٩٠)

"جس کے دِل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ اس کو نکال لے جاؤ"۔

پھر کہتے ہیں دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دِل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ لیکن حضور ﷺ کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر؟"

مفتی صاحب نے ابھی خود لکھا ہے کہ قیامت والے دِن مسلمانوں اور کافروں کی علامتیں الگ الگ ہوں گی۔ تو کیا جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کی مختلف علامتیں دیکھ کر نہیں پہچان سکیں گے کہ فلاں میں کس درجہ کا ایمان ہے اور فلاں میں کس درجہ کا ایمان ہے؟ اور پھر عین ممکن ہے کہ خود اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ ان کی راہنمائی فرمائیں۔

ایک اور ضروری گزارش ہے کہ اس حدیث میں خیر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ مفتی صاحب نے ایمان کیا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ اسی حدیث میں آگے یہ الفاظ ہیں:

((فیخرج منها قوما لم یعملوا خیرا قط)).

"پس نکالے گا اس سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہوگا"۔

یہاں عمل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ آخر میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی جہنم سے نکال لے گا جنھوں نے کوئی بھی نیک عمل نہ کیا ہوگا۔ اگر خیر کا ترجمہ ایمان کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ اللہ ایسے لوگوں کو بھی بخش دے گا جن کے دِل میں سرے سے ایمان ہی نہیں ہوگا، جو قطعاً غلط ہے۔ لازماً یہاں خیر سے مراد نیک عمل ہے جس کا تعلق صرف دِل کے ساتھ نہیں جوارح کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ لم یعملوا خیرا کے تحت علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تفرد الله تعالیٰ بعلم ما تکنه القلوب بالرحمة لمن لیس عنده الا مجرد الایمان.

"یعنی جن کے پاس سوائے ایمان کے کچھ نہیں ہوگا جو دل کا معاملہ ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان پر بھی رحم فرمائے گا"۔

مفتی صاحب حدیث شریف کو رد کرنے کے سلسلے میں سارا زور پہچاننے پر لگا رہے ہیں۔ حالانکہ اصل بات ملائکہ کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نہیں جانتے۔ انہوں نے آپ کے بعد کیا تبدیلی پیدا کی۔ سوال تو ہے کیا وہ جھوٹ بولیں گے۔ مفتی صاحب کو اس کا کوئی معقول جواب دینا چاہیے تھا۔ ٹالنے سے بات نہیں بنتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے:

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝﴾ (المائدہ: ۱۱۷)

"پھر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھی ذکر ہوا مفتی صاحب نے کہا ہے کہ "ایک جنتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے دینار برابر یا ذرہ کے برابر"۔ بجائے مستقبل کے حاضر کے صیغے کا استعمال بتلاتا ہے کہ اب بھی جانتے ہیں اب بریلوی حضرات اگر اپنے آپ کو جنتی سمجھتے ہیں تو کیا انہیں علم ہے کہ کس شخص کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر ہے۔ اگر انھیں علم ہے تو بتلائیں اگر علم نہیں تو بقول مفتی صاحب ان کا جنتی ہونا خطرہ میں پڑ گیا۔

حضرت ام علاء رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی موت پر کہا:

((شهادتي عليك لقد اكرمك الله)). "میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اکرام کیا ہوگا"۔

و نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

((والله لا رجو له الخير والله ما ادري و انا رسول الله ما يفعل بي (به) قالت فوالله لا ازكي احدا بعده ابدا)). (بخاری ص ۱۶۶ حدیث ۱۲۴۳)

"بخدا میں اس کے لیے خیر کی اُمید رکھتا ہوں۔ بخدا میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ (یا اس کے ساتھ) کیا کیا جائے گا۔ ام علاء نے کہا: خدا کی قسم میں اس کے بعد کبھی کسی کا تزکیہ نہیں کروں گی"۔

مفتی صاحب نے قرآن پاک کی آیت ﴿مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ کے تحت جو تاویل کی ہے اسے یہاں بھی دہرا دیا ہے۔ (ص ۱۰۶) جس کا جواب کئی بار ہو چکا ہے۔ یاد رہے بخاری شریف کے ایک نسخہ میں بی کی بجائے بہ ہے۔ ابن کثیر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ (ج ۴ ص ۱۵۵) یعنی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بارے میں بتلا دیا گیا تھا تو عثمان بن مظعون کے بارے میں تو نہیں بتلایا گیا تھا اسی لیے فرمایا باوجود پیغمبر ہونے کے مجھے معلوم نہیں۔

﴿۱۲۷﴾ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: "حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط۔ اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔ جواب دیتے ہیں اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی۔ نیز بخاری کی اس حدیث میں ہے:

((ما علمت على اهلي الاخيرا)). (بخاری حدیث ۴۱۴۱ ص ۵۹۶) "میں اپنی بیوی کی پاک دامنی ہی جانتا ہوں"۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں"۔

مفتی صاحب نے اعتراض نقل کرنے میں ذرا بخل سے کام لیا ہے۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے کچھ مزید اقتباسات درج کرنا چاہتا ہوں تاکہ قارئین کو خود پڑھ کر اندازہ ہو جائے کہ بات نہ بتانے سے تعلق رکھتی ہے یا نہ جاننے سے۔ قدرتی بات ہے اس واقعہ میں افک عائشہ رضی اللہ عنہا کا باعث بھی ان کے ہار کی گمشدگی ہی بنا"۔ فرماتی ہیں قافلہ روانہ ہونے والا تھا، میں پیشاب کے لیے دور نکل گئی۔ واپس آئی تو ہار نہ دارد۔ دوبارہ تلاش کے لیے نکلی تو ہار مل گیا لوٹی تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ جس ہودج میں بیٹھی تھی وہ سے اونٹ پر لاد کر لے گئے۔ وہ سمجھتے رہے کہ میں اس کے بیچ میں ہوں"۔ سوال یہ ہے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا ہے اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ وہ تلاش کے لیے نکل گئی ہیں، اگر معلوم تھا تو تیمم والے واقعہ کی طرح قافلے کو رکوایا کیوں نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی تیمم والے واقعے میں صرف ایک ہار کی گمشدگی کے لیے آپ ﷺ نے ساری رات قافلے کو رکوائے رکھا اور اب نہ صرف ہار ہی گم ہوا بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی گم ہیں اور آپ ﷺ قافلہ لے کر چل دیے۔ کیا یہ عجب تضاد نہیں ہے؟ کیا نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ اونٹ کے اوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والا ہودج خالی ہے۔ کیا کوئی غیرت مند شوہر برداشت کر سکتا ہے کہ وہ اپنی چہیتی بیوی کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر چلا جائے۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ ولی بھی عالم الغیب ہوتے ہیں، نبی ﷺ سے براہِ راست فیض پانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام ان سے بدرجہا بلند ہے۔ اسی لشکر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے، عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کیا کسی کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ام المومنین پیچھے رہ گئی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں:

((وھم یحسبون انی فیه)) "وہ سمجھتے تھے کہ میں ہودج کے بیچ میں ہی ہوں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی راہنمائی میں واپس تشریف لائیں تو چہ مے گوئیاں شروع ہو گئیں۔ مدینہ پہنچ کر انھیں بخار ہو گیا۔ انھیں کسی بات کی خبر نہ تھی۔ فرماتی ہیں:

((لا اعرف من رسول الله صلی الله علیه و سلم اللطف الذی کنت اریٰ منه حین اشتکی)).

"بیماری کے دوران میں نبی ﷺ سے جس شفقت کی عادی تھی اب وہ بات نظر نہیں آ رہی تھی"۔

معمولی علیک سلیک اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد آپ ﷺ تشریف لے جاتے"۔ سوال یہ ہے اگر نبی ﷺ کو یقین تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بری الذمہ ہیں تو کیا آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل صحیح تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام مسطح کی زبانی جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انھوں نے اپنی والدہ سے اس کی تصدیق چاہی۔ ان کے خیال میں یہ افواہ کسی دوسری بیوی کی رقابت کا نتیجہ ہوگی۔ نبی ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا: ((لا نعلم الا خیرا)) "میں تو انہیں صحیح ہی سمجھتا ہوں"۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا: ((والله ما علمت الا خیرا)) "بخدا میں انہیں صحیح سمجھتی ہوں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کیا آپ ﷺ کو بیویوں کی کمی ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا: مجھے ان میں کوئی قصور نظر نہیں آتا۔ تب نبی ﷺ نے برسر منبر بھری مجلس میں ارشاد فرمایا:

((ما علمت علی اھلی الا خیرا)). "میں اپنے اہل کو صحیح جانتا ہوں"۔

عرض ہے اگر حضور ﷺ عالم الغیب تھے تو ایک ایک شخص سے کرید کرید کر سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ عجیب بات ہے جس سے آپ ﷺ نے پوچھا ان میں سے بھی کوئی نہ بولا یا رسول اللہ ﷺ! آپ خود تمام معاملات سے آگاہ ہیں ہم سے کیا پوچھتے ہیں؟ کیا ان میں کوئی بھی بریلوی خیال کا نہ تھا؟ نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے:

((ما علمت علی اھلی الا خیرا))

اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے۔ وقت سے پہلے اظہار نہیں"۔ عرض ہے اگر اس فقرے سے علم غیب ثابت ہوتا تو کیا پھر اس کا انکار کرنے سے حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کافر نہ ہو گئے جو اس غلط افواہ کو پھیلانے میں پیش پیش تھے۔ کیا شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اس بات کا علم تھا کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب ہیں اور آپ ﷺ کو ہر بات کا پتہ ہے ہم خواہ مخواہ شور مچا رہے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((ما علمت علی اھلی الا خیرا)) کے متعلق مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ علم ہے وقت سے پہلے اظہار نہیں۔ گزارش ہے کہ اگر یہ علم ہے تو پھر یہ اظہار بھی ہے۔ اظہار اور کس چیز کو کہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے یہ بچوں والی بات کی ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی نے تجھ کو کوئی بات بتلائی اور اسے راز رکھنے کو کہا تو آپ لوگوں کو راز بتلا بھی دیں اور پھر یہ بھی کہتے پھریں کہ میں آپ کو بتلاؤں گا نہیں۔ یعنی بتلا بھی دیا اور یہ بھی کہہ دیا بتلاؤں گا نہیں۔ اصل بات یہ ہے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمانا علم ہے نہ اظہار ہے محض حسن ظن ہے جس کا اظہار آپ نے سابقہ تجربہ کی بنا پر کیا تھا۔ یعنی میری انسانی معلومات کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا سچی ہیں۔

اگر یہ علم ہے یا یہ علم غیب ہے تو یہی بات اس سے پہلے حضرت زینب، حضرت بریرہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم بھی کہہ چکے تھے۔ تو بلحاظ علم نبی ﷺ میں اور ان میں کیا فرق رہ گیا؟ یاد رہے علم وہ ہوتا ہے جو یقینی ہو باقی تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ ﴾ (الممتحنہ:۱۰)

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لیا کرو دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا علم یقین پر اور لوگوں کا علم گمان غالب پر دلالت کر رہا ہے۔ نیز جیسے کوئی رشتے کا خواہش مند آپ سے کسی کے متعلق مشورہ پوچھے تو آپ عموماً کہتے ہیں میری معلومات کے مطابق اچھا ہے اس قسم کے فقرے تجربے پر دلالت کرتے ہیں علم غیب پر نہیں۔ اسی واقعہ کے آخری روز نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صاف صاف کہا اگر تم بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت فرمائے گا اور اگر گناہ سرزد ہوا ہے تو توبہ استغفار کرو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین سے جواب دینے کو کہا، انہوں نے کہا ہم کیا جواب دیں؟ سوال یہ ہے کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کو پتہ نہیں تھا کہ نبی ﷺ سب کچھ جانتے ہیں اور یہ ساری کارروائی فرضی ہے۔ کیا کوئی غیرت مند ماں باپ جان بوجھ کر اپنی بیٹی کی اس قدر بدنامی برداشت کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے برأت کی آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہ نے انہیں نبی ﷺ کا شکریہ ادا کرنے کو کہا تو فرمانے لگیں:

((واللہ لا اقوم الیہ و انی لا احمد الا اللہ)). (بخاری ص ۵۹۳ تا ۵۹۶ حدیث ۴۱۴۱)

"میں آپ ﷺ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اللہ کی تعریف کروں گی"۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی"۔ بریلوی حضرات ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے مقابلے میں لے آتے ہیں۔ انہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جب مناسب سمجھا خبر دے دی۔ نبی ﷺ نے تو آخری وقت میں بھی یہی فرمایا عائشہ (رضی اللہ عنہا) اگر گناہ ہوا ہے تو توبہ استغفار کر لو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ اگر نبی ﷺ کو علم تھا تو کیا وجہ ہے آپ ﷺ نے اس وقت اظہار نہ فرمایا جب تک قرآن کی آیات نازل نہ ہو گئیں۔ کیا اس سے قبل آپ پر کوئی پابندی عائد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی ایسی پابندی نہیں لگائی تھی۔ مفتی صاحب نے لگا دی ہے اگر آپ کو علم غیب ہوتا یا آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں لازماً گواہی دیتے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ﴾ (البقرہ: ۲۸۳)

"اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپائے وہ گنہگار دِل والا ہے"۔

مفتی صاحب ﴿سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ کے تحت اپنے تفسیری حاشیہ میں فرماتے ہیں خود ام المومنین نے بھی لوگوں سے نہ کہا کہ میں بے قصور ہوں، حالانکہ آپ کو اپنی پاک دامنی یقین سے معلوم تھی"۔ ام المومنین کن لوگوں سے کہتیں، کیا بازار میں ڈھنڈورا پیٹتیں۔ جہاں تک اپنے والدین اور اپنے شوہر حضرت محمد ﷺ کا تعلق ہے اسی حدیث شریف کے مطابق آپ نے ان سے کہا تم نے یہ بات سنی یہاں تک کہ یہ بات تمہارے جی میں بیٹھ گئی اور تم نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں اس سے بری ہوں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں باوجودیکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بے قصور ہوں تم میری تصدیق کرو گے:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۞﴾ (یوسف: ۱۸)

"پس صبر اچھا ہے اور تم جو بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر مددگار ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ سے مزید اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب تصور نہیں کرتی تھیں۔ اب نہ جانے بریلویوں کا ان کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ تو ہوسکتا ہی نہیں کہ نبی ﷺ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُبِينٌ ۞﴾ (النور: ۱۲)

"اسے سنتے ہی مومن مردوں وعورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے"۔

پتہ لگا کہ نزول برأت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی ﷺ حرام سے معصوم ہیں تو آپ بدگمانی کیسے فرما سکتے تھے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا: ﴿إِفْكٌ مُبِينٌ﴾ آپ ﷺ پر واجب نہ تھا کیونکہ یہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا"۔ یہ بات آج تک کبھی کسی نے نہیں کہی کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگمانی تھی۔ آپ کو تو ان کے بارے میں حسن ظن تھا مگر قرآن کہتا ہے یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واجب فرمایا تھا مگر بریلویوں نے واجب نہیں فرمایا کہ کیونکہ بقول مفتی صاحب یہ گھر کا معاملہ تھا۔ عرض ہے اگر نبی ﷺ اپنے علم غیب کی بناء پر کم از کم اپنے قریبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی فرمادیتے کہ یہ کھلا بہتان ہے تو کیا انہوں نے یقین نہیں کرنا تھا۔ نبی ﷺ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعتماد اور جان نثاری کا یہ عالم تھا کہ اسی حدیث کے مطابق آپ کے ادنیٰ اشارے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی منافق کو جو اس بہتان کا اصل مُوجد تھا قتل کرنے کے لیے تیار ہوگئے تھے۔

بقول مفتی صاحب یہ گھر کا معاملہ بھی کیوں نہ ہو لیکن اگر گھر کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی بات پر یقین نہیں کرنا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان نظر ثانی کے قابل تھا۔ معاذ اللہ۔ دراصل یہ صرف نبی ﷺ کے گھر کا معاملہ نہیں تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہی نہیں تھیں ام المومنین بھی تھیں۔ یہ ہر مومن کی مقدس ماں کا معاملہ تھا۔

میں حیران ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب بنایا تھا تو کیا آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں اتنا بھی کہنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجاز نہ تھے کہ یہ کھلا بہتان ہے اس علم غیب کا کیا فائدہ جسے آپ استعمال ہی نہ فرما سکیں۔ ہر جگہ بریلویوں کی حکمتیں آڑے آجاتی ہیں۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: آپ ﷺ کا فوراً یہ فرمانا ﴿هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ آپ ﷺ پر واجب نہ تھا۔ گزارش ہے فوراً اگر واجب نہیں تھا تو ٹھہر کر تو واجب ہونا چاہیے تھا۔ میں پوچھتا ہوں فوراً کی میعاد کتنی ہوتی ہے؟ یہ کیسی فوراً ہے جس کی میعاد ہی ختم نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ایک ماہ بعد خود باری تعالیٰ کی طرف سے آیاتِ برأت نازل ہوئیں۔

(ج) مفتی صاحب لکھتے ہیں: "رہی پریشانی اور اتنا سکوت کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے"۔ گزارش ہے کہ چودہ سو سال بعد بریلویوں کو پتہ چل گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب تھے اور یہ کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے بارے میں لاعلم نہیں تھے تو سوال یہ ہے کہ اس بات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ پتہ چلا؟ کیا ان سے بڑھ کر بھی کوئی حضور ﷺ کا محرم راز تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہ پتہ چلا۔ کیا ان سے بڑھ کر بھی کوئی حضور ﷺ کے قریب تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ پتہ چلا وہ بھی اُم المؤمنین کی کوئی مدد اور مشکل کشائی نہ فرما سکے بلکہ نبی ﷺ کو یہ کورا جواب دے دیا کہ آپ کو بیویوں کی کمی ہے؟ مقصد کہنے کا یہ ہے حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے۔ میں کہتا ہوں: آپ کے عالم الغیب ہونے کا علم کم از کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو ہونا چاہیے تھا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم ہوتا کہ آپ عالم الغیب ہیں تو مدینہ منورہ کی فضا قطعاً ایک ماہ تک سوگوار نہیں رہ سکتی تھی۔ منافقین کی بات چھوڑیے خود کسی ایک مسلمان کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ وہ کہتا یا رسول اللہ! آپ لوحِ محفوظ کے حافظ ہیں، عالم الغیب ہیں، ما کان وما یکون کا علم آپ ﷺ کے علمی سمندر کا ایک قطرہ ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور تمام ملائکہ آپ ﷺ کے شاگرد ہیں۔ پانچ ارب چار کروڑ برس دربارِ خاص میں آپ ﷺ کی حاضری رہی ہے۔ آپ سے تو کچھ بھی مخفی نہیں لہٰذا اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والا معاملہ رفع دفع کیجئے۔ بلکہ یہاں معاملہ اُلٹ نظر آتا ہے۔ شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جن کے لیے نبی ﷺ منبر رکھوایا کرتے تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا ابوداؤد حدیث ۵۰۱۵ کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر) [1] بدری صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اور نبی ﷺ کی پھوپھی زاد حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اس بہتان کی تشہیر میں زور وشور سے شریک ہو گئے اور پھر بعد میں سزا کے طور پر ان تینوں نے کوڑے بھی کھائے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوداؤد حدیث ۴۴۷۴ باب فی حد القاذف) [2]

ہم علم غیب کا انکار کرتے ہیں تو اہل بدعت کی طرف سے ہمیں گستاخ رسول بدمذہب منافق اور مرتد وغیرہ جیسے خطابات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اب بتلایئے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا خیال ہے جنہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ نہیں رکھا۔ مفتی صاحب پیچھے لکھ آئے ہیں کہ حضور ﷺ کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔ (ص ۵۹)

(د) مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا اور پہلے ہی سے عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو وہ ثواب نہ ملتا۔ اس تاخیر میں صدہا حکمتیں ہیں"۔ عرض ہے کہ نبی ﷺ کو آیات کا انتظار فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا آپ ما کان وما یکون کے عالم نہیں تھے؟ کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بری ہیں اور کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں فلاں دن فلاں فلاں آیات نازل ہونے والی ہیں۔ اگر آپ قبل از نزول آیات اپنے علم کا اظہار

تخریج: [1] صحیح ہے۔ [2] حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمادیتے تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف اس وجہ سے یقین نہیں کرنا تھا کہ یہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین نہ کر کے وہ کافر نہ ہو جاتے؟ رہے منافقین وہ تو آیات اُترنے کے بعد بھی کہہ سکتے تھے کہ یہ گھر کا معاملہ ہے کیونکہ ان کا تو قرآن پاک اور وحی پر ایمان ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا ہے کہ تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ یہ کھلا بہتان ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ کھلا بہتان ہے اور لوحِ محفوظ کا حافظ ہونے کی وجہ سے یہ بھی علم تھا کہ اس میں یہ آیت لکھی ہے کہ تمہیں سنتے ہی۔ یعنی فوراً بلا انتظار آیات یہ کہنا چاہیے تھا کہ یہ کھلا بہتان ہے اور یہ بھی علم تھا کہ سرزنش عنقریب ہونے والی ہے تو اس پر عمل نہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت میں فرق تو نہ آ گیا؟ مفتی صاحب نے جن حکمتوں کا ذکر کیا ہے یہ حاصل ہی اس صورت میں ہو سکتی ہیں جب تک کہ اس واقعہ کو ڈرامے کا رنگ نہ دیا جائے۔

۱۲۸ فرماتے ہیں یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتی۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ﴾ (النور: ٢٦)

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: "تو کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا"۔

مفتی صاحب کے علم کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ان حضرات کو اتنا پتہ نہیں کہ یہ آیت بھی اسی وقت نازل ہوئی تھی جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوئی تھی۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی اس بات کا علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتی تو کیا یہ ہی علم نہیں تھا کہ قبل از نزول آیات یہ گواہی دینی چاہیے تھی:

﴿هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ (النور: ١٢) "یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے"۔

﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ (النور: ١٦) "یا اللہ تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے"۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتی" کو ثابت کرنے کے لیے مفتی صاحب نے ایک یہ دلیل تحریر فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس بات پر تعجب فرمایا کہ "عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟" (عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا، مسلم ج ۱ ص ۱۴۶ حدیث ۷۱۲، مشکوٰۃ باب الغسل ص ۴۸) مفتی صاحب ضرورت سے زیادہ مجتہد اور محقق بننے کی کوشش فرماتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب تعجب کا اظہار فرمایا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ نبی کی بیوی کو احتلام نہیں ہوتا غیر نبی کی بیوی کو ہوتا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

((نعم تربت يمينك فبم يشبهها ولدها))۔

"تمہارا ہاتھ خاک آلود ہو، پھر بچے کی اپنی ماں سے مشابہت کیونکر ہوتی ہے"۔

اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کو احتلام ہوتا ہے تو کیا خیال ہے اس سے اس کا بدکار ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ نازک شاخ پر آشیانہ نہیں بنانا چاہیے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے تعجب کو مفتی صاحب نے خواہ مخواہ قانون کا درجہ دے دیا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق بھی نہیں فرمائی بلکہ تردید فرمائی ہے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ذاتی نسوانی تجربے کی بناء پر یہ بات کہی تھی۔ آج بھی بے شمار خواتین ایسی ہیں جنہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرح اس چیز کا پتہ نہیں تو کیا خیال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں ہیں۔

﴿۱۲۹﴾ فرماتے ہیں: ”اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت کوئی بات نہ بتلاسکیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہوسکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے، غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے مگر ادھر دھیان نہیں“۔ کیسی عجیب بات ہے ایک مہینہ گھر کی بدنامی ہوتی رہی پھر بھی ذہول ہی رہا۔ تائید میں جو آیت پیش کی ہے اس میں غافل کا ترجمہ بے پرواہ کردیا جو نہایت غلط ہے۔ خود اُمت بریلویہ کے بانی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی“۔ ایک واقعہ جس کے علم میں ہو کیا اسے بے خبر کہا جا سکتا ہے۔ اب میں ان سے پوچھتا ہوں یہ بتلائیں کہ جاہل اور بے خبر میں کیا فرق ہے؟ یہاں مفتی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے جاہل نہ تھے۔ یعنی ذہول تھا بے علمی نہ تھی۔ مگر احمد رضا خان صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔ اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب فرماتے ہیں ”یعنی نزول قرآن سے پہلے اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے بعد بے خبر اور غافل نہیں۔ عالم کے اگلے پچھلے واقعات سے خبردار ہیں“۔ گویا یہاں اُنھوں نے تسلیم کرلیا کہ نزولِ قرآن سے پہلے بے خبری تھی۔ اب بھلا بے خبری اور بے علمی میں کیا فرق ہے؟ یاد رہے کہ سورہ یوسف مکی زندگی کے آخری دَور میں نازل ہوئی۔ یہ ترتیب نزول کے لحاظ سے ۵۳ ویں سورت ہے اور یہ واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی۔ آگے چل کر مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ما کان و ما یکون کی تکمیل شبِ معراج میں ہوئی۔ (ص ۱۳۵) اب سوال یہ ہے ما کان و ما یکون کی تکمیل کے بعد یہ غفلت اور بے خبری کیا معنی رکھتی ہے؟ کیا معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا ہے؟ مفتی صاحب کے لیے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا ہے؟ مفتی صاحب کے لیے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں غافل کا لفظ استعمال فرمایا ہے جاہل کا لفظ استعمال نہیں فرمایا جس سے بے علمی ثابت نہیں ہوتی مگر قرآن پاک میں ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ﴾ (ھود: ۴۹)

”یہ غیب کی خبریں ہیں۔ ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔ انھیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے“۔ (کنز الایمان)

یہ سورہ ہود بھی مکی زندگی کے آخری دَور میں نازل ہوئی جو ترتیب نزول کے لحاظ سے ۵۲ ویں سورت ہے اور شب معراج کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے غفلت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ ﴿مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ (اسم اشارہ قریب) یعنی اس وقت سے پہلے تک واقعہ حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ سے صاف علم کی نفی فرمائی ہے۔ مفتی صاحب اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں خود سرکار فرماتے ہیں کہ اس نے دستِ رحمت میرے سینے پر رکھا تو تمام چیزیں مجھ پر ظاہر ہوگئیں۔ (عن عبدالرحمٰن بن عائش دارمی، مشکوۃ باب المساجد ص ۷۰) [1] کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ یہ روایت پہلے بیان ہوچکی ہے جہاں بتلایا گیا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ اگر خواب میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین و آسمان کی جھلک دکھلا دی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آپ ما کان و ما یکون کے عالم ہوگئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غلط بیانی فرمائی ہے؟

(الف) مفتی صاحب نے اپنے اس ذہول کی تائید میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثال پیش کی ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام

تخریج: [1] معلق روایت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کرتہ کی خوشبو مصر سے تو پائی مگر کنوئیں میں رہے تو آپ معلوم نہ کر سکے کیونکہ بقول شیخ سعدی ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

مفتی صاحب نے شاید ڈر کے مارے اس شعر کا ترجمہ نہیں کیا کہ اگر ترجمہ کر دیتے تو ظاہر ہو جاتا کہ یہ واقعہ ذہول کی دلیل نہیں نفی علم غیب کی دلیل ہے۔اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے: "کبھی میں فلک الافلاک پر بیٹھتا ہوں کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نظر نہیں آتی"۔

چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو سالہا سال تک پتہ نہ چل سکا کہ ان کا یوسف کہاں ہے۔اس غم میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور بینائی رخصت ہو گئی۔کیا ذہول اتنا طویل اور پختہ ہوتا ہے۔اصل بات یہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے چاہا انہیں مصر جیسے دور دراز ملک سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو پہنچا دی جب نہ چاہا انہیں قریبی کنوئیں سے خود حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی خوشبو بھی محسوس نہ ہو سکی۔ س شعر کا بہت صحیح اطلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوتا ہے۔کبھی وہ وقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس نظر آتے ہیں اور وہ بھی وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے مشرق و مغرب کی جھلک دکھلا دی۔(عن ثوبان مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ حدیث ۷۲۵۹) اور وہ بھی وقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاؤں کے نیچے کی خبر نہیں ہوتی۔ایک دفعہ دورانِ امامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین شریف اتار دیئے۔سلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے بتلایا تھا کہ جوتوں میں نجاست لگی ہے۔(عن ابی سعید خدری ابوداؤد باب الصلاۃ فی النعل حدیث ۶۵۰) ❶ کیا اس واقعہ کی کوئی تاویل کی جا سکتی ہے؟ یہ ذہول ہے یا لاعلمی ہے میرے بھائی جنہیں لوحِ محفوظ نظر آتی ہو کیا انہیں اپنے پاؤں کے نچلے حصے کی بھی خبر نہیں ہو سکتی۔یہ ایسی بات ہے کہ بریلوی حضرات تا قیامت اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ایک اور حدیث جو بریلویوں کے لیے اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے ملاحظہ فرمائیے۔ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے لگے اقامت ہو چکی تھی اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے غسل جنابت ہے۔تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے لیے تشریف لے گئے۔(عن ابی ہریرہ بخاری ص ۸۹ حدیث ۶۳۹ مسلم ج ۱ ص ۲۲۰ حدیث ۱۳۶۷) کیا عالم الغیب کا یہی حال ہوتا ہے؟

(ب) مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہِ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے۔فرماتے ہیں:

﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۸۶) "مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جن سے تم سراسر بے خبر ہو"۔

دراصل مفتی صاحب کو ذہول ہو گیا ہے۔اصل میں یہ اس خواب کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دکھلایا تھا کہ گیارہ تارے اور سورج چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ ابھی خواب کی تعبیر کا وقت نہیں آیا تھا۔لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ ان کا بیٹا زندہ ہے۔لیکن یہ علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔اولاد فوت ہو جائے تو ماں باپ کو آخر قرار آ ہی جاتا ہے۔بچہ زندہ ہو مگر گم شدہ ہو تو صبر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔یہی کیفیت اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی تھی۔اگر انہیں علم ہوتا کہ ماہِ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے تو پھر انہیں رونے دھونے اور آنکھیں سفید کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ورنہ تو وہ لوگ ان سے بہتر ہوئے جن کے بچے پردیس میں کئی کئی سال گزار دیتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔

۱۳۰ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ رونا حضرت یوسف علیہ السلام سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا۔عجیب بات

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ ان کا بیٹا زندہ ہے اور بقول مفتی صاحب یہ بھی معلوم تھا کہ ماہِ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے تو پھر رونا کس بات کا۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ (یوسف: ۸۴)

"اور آہ یوسف اور اُن کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کے مارے گھٹے جا رہے تھے"۔

اس آیت کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں: "حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اسی برس روتے رہے"۔ یہ حوالہ میں نے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں باپ کا غم ثابت کرنے کے لیے بیان کیا ہے ورنہ اسی برس والی بات مبالغہ سے خالی نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اٹھارہ برس کے تھے کہ باپ سے جدا ہوئے۔ تقریباً تین برس عزیز مصر کے ہاں قیام کیا، نو برس جیل میں گزارے، پھر سات سال گزار کر آٹھویں سال قحط شروع ہوا۔ اس دوران میں ان کے بھائی راشن لینے آئے تو ان کا یہ آنا ماں باپ کی ملاقات کا سبب بن گیا۔ لہٰذا جدائی کی مدت بائیس یا تیئس برس بنتی ہے۔ اور یہ مدت بھی کوئی کم مدت نہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مفتی صاحب نے ﴿وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ سے یہ استدلال کیا ہے کہ "حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہِ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے"۔ عرض ہے کہ انہیں جو کچھ معلوم تھا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم تھا یا اپنے علم غیب کی وجہ سے معلوم تھا۔ انہوں نے تو صاف اللہ تعالیٰ کا نام لیا نیز کیا انہیں یہ بھی یقیناً معلوم تھا کہ ماہِ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے۔ پھر مولوی نعیم الدین صاحب کی بیان کردہ روایت کے مطابق اسّی سال رونے کا مطلب؟ اور پھر انہیں یہ کہنے کی ضرورت کیا تھی؟

﴿يٰبَنِىَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ﴾ (یوسف: ۸۷) "اے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ"۔ (کنزالایمان)

اتنی بات بھی انہوں نے اس وقت فرمائی جب قافلہ آنے جانے کی وجہ سے انہیں شک پڑ گیا کہ یوسف علیہ السلام مصر میں ہو سکتے ہیں ورنہ پہلے تو اتنی بات بھی نہ تھی۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ (یوسف: ۸۳) "یہ تو نہیں بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی"۔

اس کے متعلق لکھتے ہیں: "یعنی یوسف علیہ السلام کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی میری اولاد یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے"۔ یہ چونکہ خاص بنیامین کا معاملہ تھا اور انہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے روک لیا تھا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے نزدیک ﴿سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ﴾ سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام ہی ہیں جو ان کے پاس حاضر بھی نہ تھے۔ حالانکہ یہ صیغہ حاضر کا ہے۔ خود مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی ﴿اَنْفُسُكُمْ﴾ سے برادرانِ یوسف علیہ السلام ہی مراد لیے ہیں۔ قرآن پاک میں تسویل کا لفظ اس کے علاوہ تین مقامات پر آیا ہے اور کہیں بھی اچھے معنوں میں نہیں آیا۔ ایک تو اسی سورہ یوسف کے شروع میں جب برادرانِ یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک آئے اور گھر آ کر یہ جھوٹ بولا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ (یوسف: ۱۸) "یوں تو نہیں بلکہ تم نے اپنے دل میں سے ایک بات بنائی ہے"۔

نمبر ۲۔ جب سامری نے بچھڑا بنایا تو اس نے کہا تھا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾ (طٰہٰ: ۹۶) "اور اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بنا دی"۔

نمبر ۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ﴾ (محمد: ۲۵)

"بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا"۔ (کنز الایمان)

تو کیا خیال ہے حضرت یعقوب علیہ السلام پاکباز بیٹے یوسف علیہ السلام کے لیے تسویل کا لفظ استعمال فرما سکتے تھے؟ مگر افسوس کہ مفتی صاحب نے تسویل کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ صرف اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عالم الغیب ثابت کیا جا سکے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ﴾ (یوسف: ۲٤)

"اور یوسف علیہ السلام اس کا قصد کرتے اگر وہ اپنے ربّ کی برہان نہ دیکھ لیتے"۔

یوسف علیہ السلام نے کیا دیکھا تھا۔ برہان سے کیا مراد ہے؟ اس کی بے شمار تفسیریں کی گئی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، قرطبی وغیرہ) جن میں ایک تفسیر یہ بھی ہے:

((رای صورة ابیه عاضا علی اصبعه بفمه)).

"اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی جو اپنے منہ میں اُنگلی دبائے ہوئے تھے"۔

(الف) مگر مفتی صاحب نہایت یقین کے ساتھ لکھتے ہیں: "اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور دانت تلے اُنگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں کہ تم نبی کے بیٹے ہو"۔ مفتی صاحب نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ کجا صورت دیکھنی اور کجا خود پہنچنا۔ مفتی صاحب نے اس تفسیر کو بنیاد بنا کر اپنے کنز الایمان کے حاشیہ میں بہت حاشیہ آرائی بھی فرما ڈالی ہے مثلاً لکھتے ہیں: یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ہر حال سے خبردار تھے۔۔۔ اللہ کے بندے دُور سے بند کوٹھڑی کی بھی خبر رکھتے ہیں۔۔۔ دور سے مدد کرتے ہیں، جہاں کسی کی مدد نہ پہنچے وہاں ان کی مدد پہنچتی ہے۔۔۔ یہ حضرات حاضر و ناظر ہوتے ہیں آپ تو کنعان میں رہتے ہوئے مصر میں پہنچ گئے۔ وغیرہ۔ کتنی عجیب بات ہے مفتی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ہر حال سے خبردار بھی تھے، ان کی مدد بھی کرتے تھے ان کے پاس حاضر و ناظر بھی تھے اور ان کے پاس پہنچ بھی گئے مگر خود حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان میں سے کوئی بات بھی معلوم نہ ہو سکی۔ انہی کے مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: "وہ بے چارے اسّی سال یوسف علیہ السلام کی جدائی میں روتے رہے"۔ ان کے بیٹوں کو یہ کہنا پڑتا ہے:

﴿تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ۝﴾ (یوسف: ۸۵)

"واللہ آپ ہمیشہ یوسف (علیہ السلام) کی یاد میں ہی لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں"۔

تو کیا حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو بے وقوف بنا رہے تھے اور کیا بیٹوں کو پتہ نہیں تھا کہ ان کے والد محترم عالم الغیب ہیں اور انہیں ہر چیز کی خبر ہے۔ بریلویوں کی ذہنیت پر افسوس ہے انہوں نے سارے قرآن کو ڈرامہ بنا کے رکھ دیا ہے۔ بقول مفتی صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والے معاملے کی طرح کیا یہاں بھی اظہار کی اجازت نہ تھی؟ نیز سوال یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اس بند کمرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کیسے پہنچ گئے۔ دروازے تو بند تھے کیا روشندان سے نازل ہو گئے تھے؟ اگر یہ ممکن تھا تو حضرت یوسف علیہ السلام ہی اُڑ کر وہاں سے کیوں نہ نکل گئے۔ دروازے کی طرف کیوں بھاگے؟ پھر شک میں پکڑے بھی گئے اور نو برس کے لیے جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے کہا ہے اللہ کے بندے دور سے بند کوٹھڑی کی خبر رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ "اللہ کے بندے" کے الفاظ بولنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بریلویت کے موجد مولوی احمد رضا خان صاحب ایک "مستند" حوالے سے فرماتے ہیں "کرشن کہنیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا"۔ (ملفوظات ص ۱۱۴) معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب کی بیان کردہ یہ صفتیں صرف اللہ کے بندوں میں نہیں شیطان کے بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ برہان سے اگر حضرت یعقوب علیہ السلام ہی مراد لیے جائیں تو اس سے ان کی مثالی صورت ہی مراد ہوگی نہ کہ بذاتِ خود حضرت یعقوب علیہ السلام اگر بذاتِ خود حضرت یعقوب علیہ السلام ہوتے تو زلیخا نابینا تو نہیں تھی اسے نظر نہ آتے؟ اس کی مثال بیت المقدس سے دی جاسکتی ہے نبی ﷺ نے معراج کے بعد مکہ مکرمہ میں بحالت کشف اسے دیکھا تھا اور وہ اپنی جگہ موجود تھی۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے برہان سے عصمت انبیاء علیہم السلام مراد لی ہے۔ یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے دعوتِ گناہ کے جواب میں فرمایا:

﴿مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ﴾ "اللہ کی پناہ بے شک وہ میرا ربّ ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا"۔

مولوی نعیم الدین صاحب نے ایک روایت میں اس تفسیر کا ذکر بھی کیا ہے جو یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ عرض ہے یہ کوئی روایت نہیں صرف بعض مفسرین کا ایک قول ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے جس پر مفتی صاحب نے استدلال کی ایک پوری عمارت کھڑی کر دی ہے۔

قرآن پاک میں ہے: "اور یوسف علیہ السلام کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے۔ باپ نے کہا یوں نہیں بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنائی ہے"۔

اس کے تحت تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کا حوالہ مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی اپنے حاشیہ میں دیا ہے کہ قمیص دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: عجب طرح کا ہوشیار بھیڑیا تھا جو میرے بیٹے کو کھا گیا اور قمیص کو پھاڑا تک نہیں"۔ آگے مولوی صاحب لکھتے ہیں: "ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک بھیڑیا پکڑ لائے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہنے لگے یہ بھیڑیا ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھایا ہے۔ آپ نے اس بھیڑیے سے دریافت کیا وہ بحکم الٰہی گویا ہوا۔ کہنے لگا حضور نہ میں نے آپ علیہ السلام کے فرزند کو کھایا اور نہ انبیاء کے ساتھ کوئی بھیڑیا ایسا کر سکتا ہے"۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "بھیڑیے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء علیہم السلام کا گوشت حرام ہے۔ پھر آپ علیہ السلام اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر رازدار تھے۔ جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی"۔ عرض ہے کیا ان فرضی کہانیوں پر عقائد کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے؟ اگر یہ کہانی ثابت ہے تو جہاں انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب رازدار تھے۔ وہاں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ بھیڑیے بھی نہ صرف عالم الغیب ہوتے ہیں بلکہ انہیں حرام و حلال کی بھی تمیز ہوتی ہے۔ کیونکہ بریلویوں کے اس بھیڑیے کو علم تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر نبی بنے گا اور یہ کہ مستقبل کے اس نبی کا گوشت اس پر حرام ہے۔ کہتے ہیں: "فرزند کی تلاش میں جنگل کیوں نہیں گئے؟" نہ جانے بریلویوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ وہ تلاش میں نہیں گئے۔ کیا انہیں الہام ہوا ہے یا اس بارے میں کوئی آیت یا حدیث آتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ بالفرض وہ ہوں تو کیا انہوں نے بریلویوں کو اطلاع دے کر جانا تھا۔ عدم ذکر سے نفی تو لازم نہیں آتی۔ بلکہ سالہا سال کے بعد اگر وہ اپنے فرزندوں سے یہ کہہ سکتے ہیں ﴿فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ﴾ کہ یوسف علیہ السلام کا سراغ لگاؤ تو انہوں نے شروع میں کیوں نہیں تلاش کیا ہوگا۔

(ب ا) فرماتے ہیں: "کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات سے بے خبر ہوں؟ مگر جو رب کہ ان کو اتنا علم دیتا ہے طاقت ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی الٰہی راز فاش نہیں کرتے"۔ مفتی صاحب حضرت یعقوب کے لیے علم غیب ثابت کرنے میں ایک فیصد بھی کامیاب نہیں ہو سکے تو ان کا علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی دلیل کیسے بن جائے گا؟ نیز طاقت ضبط اور بے مرضی الٰہی راز فاش نہ کرنے پر جس طرح مفتی صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو شاباش دی ہے کیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں شاباش دی ہے؟ مثلاً کیا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھا کیا جو ایک ماہ تک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اظہار نہ فرمایا؟ بلکہ اُلٹا ڈانٹ پلائی کہ تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ سریح بہتان ہے۔ اسی طرح کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو جدائی کا راز نہ کھولا اگرچہ "اسّی سال" رو رو کر جان ہلکان اور آنکھیں سفید کر لیں اور مرنے کے قریب ہو گئے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سچی باتیں نہیں چھپایا کرتے۔ بریلویوں نے انھیں اپنی طرح ہی سمجھ رکھا ہے۔ یہ جانتے ہیں قل، ساتے، دسویں، چالیسویں، برسیاں، عرس اور میلاد وغیرہ کوئی چیز نہیں مگر کتمان حق میں مست ہیں راز فاش نہیں کرتے کیونکہ راز فاش نہ کرنے میں بڑی حکمتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت "طاقت ضبط" دے رکھی ہے۔

۱۳۱ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد نوش فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ پروگرام بنایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے ہاں بھی آئیں وہ یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مغافیر کی بُو آرہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں میں تو زینب کے ہاں سے شہد پیتا ہوں۔ خدا کی قسم میں آئندہ کبھی نہیں پیوں گا۔ کسی کو نہ بتلانا۔ (بخاری کتاب التفسیر ص ۷۲۹ حدیث ۴۹۱۲)

مفتی صاحب اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "یہ حرام فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لیے ہے۔ نیز اپنے منہ کی بُو غیب نہیں محسوس چیز ہے، ہر صحیح الدماغ محسوس کر لیتا ہے"۔ سوال یہ ہے کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے اس قسم کا منصوبہ بنانا بے کار ہے۔ اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ چکر صرف اسی اسکیم کے تحت چلایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے نہ جایا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اور کسی کو نہ بتلانا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ اس اسکیم میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی شریک ہیں؟

نیز ازواج کی رضا یعنی بیویوں کا دل رکھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو طبعاً بھی نامرغوب قرار دے سکتے تھے جیسے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنی ہوئی گوہ پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہاتھ اٹھا لیا؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے پوچھا کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ ہمارے علاقے میں نہیں پائی جاتی تھی اس لیے بس اسے پسند نہیں کرتا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا اور کھانے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ رہے تھے۔ (بخاری ص ۸۳۱ حدیث ۵۵۳۶، مسلم ج ۲ ص ۱۵۱ حدیث ۵۰۳۴) جیسے ارشاد فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((اکثر جنود اللہ لا اٰکلہ ولا احرمہ)). (عن سلیمان، ابوداؤد کتاب الاطعمۃ باب فی اکل الجراد حدیث ۳۸۱۳) ❶

"اللہ تعالیٰ کے بہت سے جانور ایسے ہیں جنہیں نہ میں کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں"۔

مگر قرآن پاک کے الفاظ تحرم کے مطابق آپ ﷺ نے شہد کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ فی الواقع سمجھ گئے تھے کہ شہد میں مغافیر کی بُو ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جانتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کو بُو سے شدید نفرت ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی اسی خوبی کا فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو ازواج کی رضا کا ذکر کیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کو اصل واقعہ کی خبر تھی صرف ازواج کی رضا کے لیے آپ ﷺ نے شہد حرام فرمایا تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ آپ ﷺ نے بیویوں کا اعتبار ہی کیوں کیا۔ آپ ﷺ ان کے کہنے میں کیوں لگ گئے۔ اگر شہد بری شے ہوتی تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود نبی ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دیتا۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر یہ وحی ہو سکتی تھی کہ کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد کے قریب نہیں" نا۔ (عن جابر بخاری ص ۱۱۸ حدیث ۸۵۵، مسلم ج ۱ ص ۲۰۹ حدیث ۱۲۵۲) تو کیا اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو مغافیر سے بے خبر رکھتا؟ اگر نبی ﷺ کو اصل واقعہ کی خبر تھی اور آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ شہد میں مغافیر نہیں ہے تو پھر کس بنا پر آپ ﷺ نے شہد حرام فرمایا۔ یہ تو نبی ﷺ پر عذرِ گناہ بدتر از گناہ قسم کا الزام لگانے والی بات ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ پیغمبر کی شان کے لائق نہیں کہ محض اپنی بیویوں کی رضا کے لیے انتہائی قدم اٹھائے اور جان بوجھ کر بلا وجہ ایک حلال شے کو حرام کر ڈالے۔ اگر محض ازواج کی رضا ہی مقصود تھی تو کیا آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے سے زینب ناراض ہو جائے گی؟ اور کیا آپ ﷺ کو علم نہ تھا کہ آخر میں اللہ تعالیٰ آیات نازل کر دیں گے؟ بے شک نبی ﷺ نے ازواج کے کہنے پر شہد کو حرام کیا تھا لیکن اس کی اصل وجہ یہ تھی جو آپ ﷺ کو بتلائی گئی کہ شہد میں مغافیر کی بو ہے۔

خیبر کی ایک یہودی عورت نے نبی ﷺ کو بھنی ہوئی بکری تحفتاً پیش کی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اسے کھانے لگے۔ پھر فرمایا: ہاتھ اُٹھا لو پھر یہودن کو بلا کر پوچھا تم نے اس میں زہر ڈالا ہے؟ بولی آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرمایا: مجھے اس دستی کے گوشت نے بتلایا ہے۔ (عن جابر، ابوداؤد کتاب الدیات حدیث ۴۵۱۳، مشکوٰۃ باب المعجزات ص ۵۴۱) ❷

(الف) اس حدیث کے جواب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اس وقت حضور اکرم ﷺ کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہ کرے گا اور یہ بھی خبر تھی کہ ربّ تعالیٰ کی مرضی یہ ہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقتِ وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جائے راضی برضا تھے"۔ اگر مفتی صاحب نے اس حدیث کا صحیح مطالعہ کیا ہوتا تو ایسی بے تکیاں نہ ہانکتے۔ اگر حضور ﷺ کو علم تھا کہ بکری میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر اثر نہیں کرے گا۔ تو پھر کھاتے کھاتے رُک کیوں گئے۔ کیا شہادت سے ڈر گئے تھے؟ کیا آپ ﷺ راضی برضا نہیں تھے؟ یہودن کے سوال کے جواب میں آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ میں چونکہ نبی ہوں اور نبی غیب دان ہوتے ہیں۔ یہ کیوں فرمایا کہ مجھے اس دستی کے گوشت نے بتلایا ہے۔ کیا آپ ﷺ نے صحیح نہیں فرمایا تھا؟ ان کا یہ فرمانا کہ زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہیں کرے گا یہ بھی سراسر غلط بیانی پر مبنی ہے۔ اسی حدیث میں آگے ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے اس کا اثر زائل کرنے کے لیے باقاعدہ ابوہند سے اپنے کندھے مبارک پر چھری کے ساتھ سنگی لگوائی اور ایک صحابی نے انتقال بھی کیا۔ اس سے متصل اگلی حدیث میں ان صحابی کا نام بشر بن براء بن معرور انصاری مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ وہ یہودیہ ان کے قصاص میں

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحکم نبوی ﷺ قتل کی گئی۔ (عن ابی سلمہ ابوداؤد حدیث ٤٥١٢، باب فیمن سقی رجلا ما او اطعمه فمات یقاد منه) [1]

نبی ﷺ پر نہ صرف اس زہر کا اثر ہوا بلکہ وفات کے وقت بھی اس کا اثر ظاہر ہوا۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۷۶۳) مفتی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ بوقتِ وفات نبی ﷺ پر زہر کا اثر لوٹا اور آپ ﷺ نے اس سے شہادت پائی۔ مگر مولوی احمد رضا خان صاحب نے علم غیب ثابت کرنے کے لیے ﴿وَمَا مَسَّنِيَ السُّوٓءُ﴾ (اعراف:۱۸۸) کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مجھے کوئی برائی نہ پہنچی اور اس کی تائید میں مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ ربّ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾۔ معلوم ہوا مصیبت سے محفوظ رہنے پر علم غیب کا انحصار ہے۔ تو کیا نبی ﷺ دشمنوں کے زہر کے اثر سے محفوظ رہے۔ فوراً نہ سہی کچھ عرصہ ٹھہر کر سہی۔ کیا خیال ہے جو مصیبت ٹھہر کر آئے وہ مصیبت ہی نہیں؟ فرماتے ہیں "راضی برضا تھے"، میں پوچھتا ہوں جان بوجھ کر زہر کھایا جائے یہ خودکشی ہے یا راضی برضا ہونا ہے؟ عقل کا علاج کرواؤ جا کر کہیں۔

(ب) مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں "اگر حضور ﷺ کو علم غیب تھا تو بیرِ معونہ کے منافقین دھوکے سے آپ ﷺ سے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیوں لے گئے جنہیں وہاں جا کر شہید کر دیا۔ (عن انس بخاری ص ۵۸۶ حدیث ۲۸۰۱) جواب دیتے ہیں جی ہاں حضور ﷺ کو یہ بھی خبر تھی کہ بئر معونہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ یہ لوگ ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیں گے مگر ساتھ ہی یہ خبر بھی تھی کہ مرضی الٰہی یہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ ربّ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے"۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بریلوی رحمت عالم ﷺ کو اتنا بے رحم خیال کرتے ہیں۔ اگر ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پس ماندگان کو پتہ چل جاتا کہ نبی پاک ﷺ نے جان بوجھ کر ان کو مروایا ہے تو کیا وہ آپ ﷺ کو معاف کر دیتے۔ کیا دُنیا میں کوئی ماں باپ اپنی اولاد کو اس دشمن کے حوالے کر سکتے ہیں جس کے متعلق انھیں معلوم ہو کہ یہ لے جا کر انھیں ذبح کر دے گا۔ مفتی صاحب نے علم غیب ثابت کرنے کے جنون میں نبی ﷺ کے پورے کردار کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ میرے بھائی کسی قانون دان سے پوچھئے اگر کوئی شخص کسی کو حکماً کسی کے ساتھ بھیجے جب کہ بھیجنے والے کو علم ہو کہ اس نے لے جا کر اسے قتل کر دینا ہے تو کیا وہ بھیجنے والا اس قتل کی سازش میں شریک نہیں سمجھا جائے گا؟ بریلوی حضرات نے نبی ﷺ کو علم غیب دے کر صرف اس ایک واقعہ میں ستر عدد افراد کے قتل کا مجرم بنا دیا ہے۔ توبہ توبہ۔ نعوذ باللہ من ذالک الخرافات الوھمیة۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو پہلے ہی خبر تھی تو اس حدیث کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی ((فبلغ ذلك النبي ﷺ)) پس نبی ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی۔ اس المناک حادثے سے نبی ﷺ کو جو صدمہ پہنچا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اسی حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے مہینہ بھر صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی اور ان کافروں کے لیے بددُعا فرمائی۔ کیا یہ راضی برضا ہونے کی علامت ہے۔ اگر نبی ﷺ کو پہلے ہی ہر بات کی خبر تھی تو ردِّعمل بھی اتنا شدید نہیں ہو سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اسے ڈرامہ کہا جائے۔ معاذ اللہ۔

اسی طرح نبی ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عاصم بن ثابت کی سربراہی میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک سریہ روانہ فرمایا جنہیں بنولحیان نے دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس روایت میں باقاعدہ یہ ذکر ہے کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

((اللّٰھم اخبر عنا رسولك)). (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ، بخاری ص ۵۸۵ حدیث ۴۹۸۷، مسلم ج ۲ ص ۱۳۹ حدیث ۴۹۱۷)

"یا اللہ ہمارے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دے"۔

کیا حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور آپ کو پہلے ہی ہر بات کی خبر ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھیجا ہی اس لیے ہے کہ کافروں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ علم غیب کا عقیدہ رکھے بغیر مارے گئے تو اب بریلویوں سے سوال ہے کہ ان کی موت اسلام پر ہوئی یا کفر پر ہوئی۔

(ج) مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر تھی کہ مرضی الٰہی یہ ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ بریلویوں کو اس بات کا کیسے پتہ چل گیا۔ کیا انہیں الہام ہوا ہے۔ مرضی الٰہی اس کام کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ بھی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات پر راضی تھے کہ ستر قراء اور دیگر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سازش کے تحت کافروں کے ہاتھوں ذبح کر دیئے جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا ہر وہ کام جو دنیا میں ہو رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ تب تو پھر ہمیں بھی ہر ہونے والے کام کو مرضی الٰہی سمجھ کر راضی برضا رہنا چاہیے یعنی ملک میں جو شرابیں پی جا رہی ہیں جوئے کھیلے جا رہے ہیں قتل ڈکیتی اغوا اور زنا کی وارداتیں ہو رہی ہیں فسق و فجور اور شرک و بدعت کی یلغار ہے۔ افراتفری مچی ہوئی ہے بلکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کا بے پناہ جانی و مالی نقصان ہو رہا ہے تو کیا ہمیں ان باتوں کو مرضی الٰہی سمجھ کر راضی برضا ہو جانا چاہیے؟ کیا ہمیں ان برائیوں کے خلاف جدوجہد ترک کر دینی چاہیے؟ سرزمین حجاز میں سعودی (وہابی) حکوست قائم ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ کیا یہ مرضی الٰہی نہیں ہے؟ کیا وجہ ہے حنفی اس پر راضی برضا نہیں ہوتے اور کیا راضی برضا کا مسئلہ صرف نبی علیہ السلام کے لیے ہے؟ معلوم ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ برے کاموں پر راضی نہیں۔ فرمایا:

﴿رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (مائدہ: ۳) "اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"۔

اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری پر خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کی وجہ سے تم سے خود ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے نقصان پر بھی راضی نہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾ (النساء: ۱۴۷)

"اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ"۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (الشوریٰ: ۳۰)

"اور تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر فرما لیتا ہے"۔

﴿وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ (النساء: ۷۹) "اور جو برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے"۔

اس آیت کے حاشیہ میں مفتی صاحب نے لکھا ہے دنیاوی مصائب ہمارے گناہوں کی شامت سے آتے ہیں۔ معلوم ہوا مصیبت سزا ہوتی ہے رضا نہیں ہوتی ہے البتہ مصیبت پر صبر کرنا چونکہ نیکی ہے اس لیے اس پر اللہ تعالیٰ ضرور راضی ہوتا ہے کیونکہ مرضی الٰہی ہمیشہ اچھی ہی ہوتی ہے۔ جب کہ تقدیر اچھی اور بری دونوں طرح ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

((و تؤمن بالقدر خیرہ و شرہ)). (عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، مسلم ج۱ ص ۲۷ حدیث ۱، مشکوۃ باب الایمان ص ۱۱)
"کہ تو ایمان لائے تقدیر پر اچھی ہو یا بری"۔

لہٰذا اس مقام پر رب کی رضا پر راضی کی بجائے مفتی صاحب کو تقدیر پر صابر کے الفاظ بولنے چاہئیں تھے۔

۱۳۲ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الٰہی پا کر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی"۔

ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے لہٰذا بریلویوں کے نزدیک وہ بھی عالم الغیب تھے۔ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ بیٹا ذبح ہونے سے پہلے ہی یہ آواز آجائے گی۔

﴿ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ ﴾ (الصفت: ۱۰۴ و ۱۰۵) "کہ اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا"۔

اگر معلوم تھا کہ ذبح تک نوبت نہیں پہنچے گی تو کیا اس قربانی کی کوئی حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟ اگر بیٹے کو صرف پیشانی کے بل لٹانا ہی ہو اور ہاتھ میں چھری ہی پکڑنی ہو اور درحقیقت اسے ذبح نہ کرنا ہو تو کیا یہ کام کوئی مشکل ہے یہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے؟ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اگر معلوم تھا کہ آگ ان کے لیے گلزار بن جائے گی تو پھر اس میں ان کا کود جانا کوئی کمال نہیں؟ پھر شاعر یہ نہ کہتا:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشا لبِ بام ابھی

اگر یہ سب ڈرامے ہی تھے تو نہ جانے کیا سمجھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا تھا۔

﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ﴾ (النساء: ۱۲۵) "اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو دوست بنالیا"۔

مفتی صاحب نے فرمایا ہے ابراہیم علیہ السلام مرضی الٰہی پا کر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے۔ میں پوچھتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا مرضی الٰہی پائی تھی۔ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں: (۱) بیٹے کو ذبح نہیں کرنا پھر یہ تو کوئی کارنامہ نہیں۔ (۲) بیٹے کو ذبح کر دینا ہے۔ حالانکہ وہ ذبح نہیں کیے گئے تو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم غیب غلط ہو گیا یا اس مقام پر بریلوی ہی اپنے عقیدے سے دستبردار ہو گئے۔ جس بریلوی بھائی میں ذرا بھی عقل ہو گی وہ ضرور اس نکتے پر غور کرے گا۔

مفتی صاحب نے ابراہیم کی قربانی والے واقعہ کو بئر معونہ والے واقعے کے لیے بطورِ مثال پیش کیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں باوجود عالم الغیب ہونے کے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی مرضی معلوم ہوئی تھی کہ بیٹے کو ذبح کر دیں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے کسی طرح یہ اشارہ دیا تھا کہ میری مرضی یہ ہے کہ اپنے ستر پیارے صحابہ کو کافروں سے قتل کروا دو۔ اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشگی بتلا دیا تھا کہ میں تجھے ذبح کرنا چاہتا ہوں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلا دیا تھا کہ میں رضائے الٰہی کے تحت تمہیں ان کافروں سے مروانا چاہتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ایک بچہ بھی ذبح نہ ہونے دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کر ستر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل کرا دیئے ان لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت غلط نقشہ کھینچا ہے۔

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبہ: ۱۲۸)
"تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو تمہاری منفعت کے بارے میں خواہش مند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں"۔

نہ جانے مفتی صاحب نے کیا سمجھ کر واقعہ ابراہیم علیہ السلام کو واقعہ بئر معونہ کے ساتھ نتھی کر دیا ہے۔

۱۳۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں: اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے اور بئر معونہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ مقصد یہ ہے اللہ تعالیٰ بھی عالم الغیب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے جاننے کے باوجود نہیں روکا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی باوجود جاننے کے نہیں روکا۔ گویا اللہ رسول دونوں کی ایک ہی بات ہے۔۔۔ حالانکہ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے جونہی آپ کو پتہ چلا کہ بکری میں زہر ہے آپ نے اسی وقت کھانے سے روک دیا تھا اور جونہی آپ کو ستر صحابہ کی شہادت کی اطلاع ملی آپ نے اسی وقت قاتلوں کے خلاف قنوتِ نازلہ شروع فرما دی۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ حضرت حمزہ سمیت ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ بقول مفتی صاحب، ظاہر ہے کہ اللہ کی یہی مرضی تھی اب سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی بھی یہی تھی۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درہ پر پہرہ دینے والے پچاس آدمیوں سے یہ کیوں کہا خواہ کچھ ہو جائے تم نے یہاں سے نہیں ہلنا؟ کیونکہ ان کا وہاں سے ہلنا ہی مسلمانوں کی شکست کا سبب بن گیا تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت پر جو شدید صدمہ محسوس کیا۔ کیا وہ سب فرضی کاروائی تھی اور اگر جواب نفی میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اللہ کی مرضی سے ٹکرا رہی تھی۔

مفتی صاحب بار بار اللہ تعالیٰ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں لے آتے ہیں یہاں ان کا مقصد یہ ہے جب باوجود نہ روکنے کے اللہ تعالیٰ کا علم غیب ثابت ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نہیں روکا تو آپ کے علم غیب پر کیسے حرف آ گیا۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ سے بھی بلند ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو بالاولیٰ عالم الغیب ہوئے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ قرآن پاک میں بار ہا یہ مضمون تو بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کہیں یہ بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب ہیں بلکہ اُلٹا کئی جگہ یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں۔ گو بریلوی تاویلیں کر کے اللہ تعالیٰ کی نفی کو اثبات میں بدل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کا علم غیب ثابت کرنے کے لیے بھی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے؟ آیئے میں آپ کو بتاؤں اللہ تعالیٰ نے کیوں نہیں روکا تھا۔

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ (عنکبوت:۲و۳)

"کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے چھوڑ دیں گے ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خود جانچا، اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹ کہتے ہیں"۔

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران:۱۴۲)

"کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

﴿۱۳۴﴾ فقہ حنفیہ کی بعض کتابوں میں نبی ﷺ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھنے کو کفر کہا گیا ہے۔ مثلاً فتاویٰ قاضی خاں شرح فقہ اکبر ملاں علی قاری درمختار وغیرہ۔

مفتی صاحب نے اس کا الزامی جواب یہ دیا ہے کہ بعض علم غیب تو دیوبندی اکابر نے بھی غیر اللہ کے لیے مانا ہے۔ لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے۔ یہ اصل میں ان بھائیوں کا گھریلو معاملہ ہے میں اس میں دخل دینے کا مجاز نہیں۔ ایک جواب یہ دیا ہے کہ علم غیب کا عقیدہ رکھنے کو کفر کہنے کا مسلک فقہاء کی کتابوں میں قالوا یا قیل کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ وہاں بولے جاتے ہیں جہاں اختلاف ہو۔ (شامی ج ۵ ص ۴۴۵) عرض ہے کہ جن فقہاء احناف نے علم غیب کے عقیدے کو کفر کہا ان کے بارے میں بریلویوں کی کیا رائے ہے وہ مسلمان ہیں یا بدمذہب اور مرتد۔ ایک جواب یہ دیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک علم غیب ذاتی ماننا کفر ہے نہ کہ عطائی۔ میں پوچھتا ہوں جن بعض فقہاء احناف نے علم غیب کے عقیدے کو کفر کہا ہے۔ اگر اس سے مراد علم غیب ذاتی ہے تو ان فقہاء کا کیا بنے گا اور جن فقہاء نے علم غیب کے عقیدے کو کفر نہیں کہا اُن کی مراد عطائی ہے۔ اس سے کون سا علم غیب مراد ہے۔ ذاتی یا عطائی۔ اگر عطائی علم غیب مراد ہے تو پھر اختلاف کیا۔ فقہاء کو قالوا یا قیل کہہ کر الگ مسلک بیان کرنے کی کیوں ضرورت پڑی اور اگر ذاتی علم غیب مراد ہے تو پھر اللہ تعالیٰ میں اور نبی ﷺ میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے۔ یاد رہے مفتی صاحب شروع میں لکھ آئے ہیں کہ عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں... الخ۔ (ص ۱۷) تو کیا مسئلہ علم غیب عقیدے سے تعلق نہیں رکھتا۔ لہٰذا مفتی صاحب کو کیا پڑی تھی کہ فقہاء کی عبارتیں نقل کرتے تاکہ جو ان کے مطلب کی ہیں ان سے تائید حاصل کریں اور جو خلاف مطلب ہیں ان کی تاویل کریں۔ انہیں صاف کہنا چاہیے تھا چونکہ علم غیب کے عقیدے میں ہم کسی کے مقلد نہیں لہٰذا علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کا جواب دینے کے ہم پابند نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے یہ تقلید کے گڑھے میں پوری طرح ڈوبے ہوئے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

﴿۱۳۵﴾ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کو عالم الغیب ماننا شرک ہے۔

جواب دیتے ہیں غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے، حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ (الرعد: ۹) اسی طرح سننا دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں تو اگر کسی کو حاضر چیز کا عالم ماننا یا کسی کو سمیع یا بصیر حی ماننا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سننا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا ہے؟"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب کو یا تو سمجھنے میں غلطی لگی ہے یا شاید اپنے قارئین کو بہت ہی بے وقوف خیال کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ علم غیب اور علم شہادت دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ مگر اس میں یہ بتلانا مقصود نہیں اصل مقصد یہ ہے کہ جس طرح غیر اللہ کے لیے حاضر اور غیب میں فرق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ فرق قطعاً نہیں ہے۔ اس کے لیے حاضر اور غیب دونوں یکساں ہیں۔ جیسے آگے فرمایا:

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝﴾ (الرعد:۱۰)

"تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور بآواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو سب اللہ تعالیٰ پر برابر یکساں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ تو بار بار فرمایا ہے کہ میرے سوا غیب کوئی نہیں جانتا یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میرے سوا حاضر کو کوئی نہیں جانتا لہٰذا ان مفتیوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ غیب کو حاضر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کچھ صفتیں ایسی ہیں جن کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے گو ان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت بالکل معمولی اور برائے نام ہوتی ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ مثلاً سننا دیکھنا زندہ رہنا مسکرانا مہربانی کرنا غصہ کرنا خرچ کرنا وغیرہ اور کچھ صفتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے پیدا کرنے والا زندگی دینے والا غیب جاننے والا وغیرہ۔ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ وقتی معجزات کے سوا کسی میں ان کو ادنیٰ ادنیٰ سا ماننا بھی شرک اور ظلم عظیم ہے۔ شرک صرف یہ نہیں کہ مکمل طور پر غیر اللہ کو اللہ مانا جائے۔ جو صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو اسے غیر اللہ پر چسپاں کرنا شرک ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ (النساء:۳۶) "اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو"۔

بلکہ جو صفتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں انہیں بھی غیر اللہ میں حد سے بڑھ کر ماننا شرک میں داخل ہے۔ مثلاً انسان سامع ہے باصر ہے عالم ہے زندہ ہے کچھ عرصہ سے کچھ عرصہ تک کے لیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سمیع ہے بصیر ہے علیم ہے اور حی القیوم ہے۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ کے لیے ہے۔

(**الف**) مفتی صاحب عقیدہ علم غیب کو شرک سے بچانے کے لیے فرماتے ہیں علم غیب نبی عطائی حادث اور متناہی ہے رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے"۔ سوال یہ ہے کیا مشرک وہی ہوتا ہے جو غیر اللہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرح ذاتی قدیم اور غیر متناہی صفتیں مانے۔ کیا آج تک کبھی کوئی ایسا مشرک پیدا ہوا بھی ہے۔ اس طرح کا شرک تو مشرکین مکہ نے بھی نہیں کیا تھا وہ بھی اپنے معبودوں کی صفت کو خدا کی دین ہی تصور کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

((لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك)). (عن ابن عباس مسلم ج۱ ص ۳۷۶ حدیث ۲۸۱۵)

"تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ وہ بھی تیرا ہی ہے تو مالک ہے اس کا بھی اور اس کی ملکیت کا بھی"۔

اگر توحید کی یہی تعریف ہے جو مفتی صاحب نے بیان فرمائی ہے تب تو مشرکین مکہ کو توحید کا علم بردار سمجھنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے خواہ مخواہ ہی انہیں اپنا دشمن بنالیا۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب مانتے ہو۔ بعض ہی سہی اور خدا کی صفت میں کلاً و بعضاً ہر طرح شریک کرنا شرک ہے"۔ تم سے مراد اگر دیوبندی ہیں تو یہ ان کے اپنے بھائیوں کا مسئلہ ہے لہٰذا اگر یہ اس کے مخاطب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل حدیث ہیں تو بحمد اللہ وہ نبی ﷺ کے لیے نہ کل علم غیب کے قائل ہیں نہ بعض علم غیب کے۔

(ج) فرماتے ہیں: مولوی حسین علی صاحب واں بھچراں والے مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں اپنی کتاب بلغة الحیران زیر آیت ﴿يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں تب علم ہوتا ہے اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں پھر کسی کو عالم الغیب ماننا شرک کیوں ہوگا"۔

مفتی صاحب نے یہ سراسر بہتان باندھا ہے۔ مولوی حسین علی صاحب مرحوم نے اپنا نہیں یہ معتزلہ کا مسلک بیان کیا ہے۔ (ص ۱۵۷)

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح)

"اور نہ ودکو اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا"۔

مگر یہ نہ بتلایا جائے کہ یہ کافروں کا قول ہے۔ اندازہ فرمایئے مفتی صاحب علم غیب کو شرک سے بچانے کے لیے جھوٹ بولنے اور معتزلہ کی خدمات حاصل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

(د) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا؟ اس سوال کے جواب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔ ((کنت نبیا و آدم بین الطین والماء)) اور نبی کہتے ہی اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے، مگر ما کان و ما یکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لیے قرآن میں ہے ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کا بیان"۔ مختصر لفظوں میں آنحضرت ﷺ کو نفس علم غیب شب معراج میں اور بیان علم غیب نزول قرآن سے ہوا۔

مفتی صاحب نے جو حدیث بیان کی ہے اس کے متعلق ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں سخاوی نے کہا میں حدیث کے ان الفاظ سے واقف نہیں زرکشی نے کہا ان الفاظ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے کہا عوام نے یہ اضافہ کر دیا کہ ابھی نہ آدم تھے نہ پانی تھا اور نہ مٹی تھی جب کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (مرقات ج ۱۱ ص ۵۵)

اصل میں الفاظ یوں ہیں:

((کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ طبرانی کبیر بحوالہ تحفة الاحوذی ج ٤ ص ۲۹۳) ❶

"میں نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے"۔

ترمذی میں الفاظ اس طرح ہیں جن سے کنت نبیا کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

((قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسد)). (عن ابی ہریرہ ابواب المناقب حدیث ۳٦۰۹) ❷

"لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی فرمایا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے"۔

عرباض بن ساریہ سے یوں مروی ہے:

((انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینه)). (شرح السنه، حدیث ۳٦۲٦، مشکوٰۃ باب فضائل النبی ﷺ ص ۵۱۳) ❸

حکم الحدیث: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ اس کی سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں اللہ کے نزدیک اس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں پڑے ہوئے تھے"۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فی الواقع نبی نہیں تھے بلکہ یہ مطلب ہے کہ آپ کی نبوت مقدر ہو چکی تھی اور آپ کی نبوت کے بارے میں فیصلہ ہو چکا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار برس پہلے لکھ دی تھی اور عرش پانی پر تھا۔ (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، مسلم ج ۲ ص ۳۳۵، حدیث ۶۷۴۸، مشکوۃ باب الایمان بالقدر ص ۱۹) جیسے فرمایا بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیج کر چاروں چیزیں لکھ دیتا ہے عمل اجل رزق اور اس کا شقی یا سعید ہونا۔ (عن ابن مسعود بخاری ص ۹۷۶ حدیث ۶۵۹۴، مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ حدیث ۶۷۲۳) حالانکہ فی الحال وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سب کچھ پیدا ہونے کے بعد ہونا ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ولادت سے پہلے نبی صاحب القرآن ہیں بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ (ص ۱۳۷) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل از ولادت نبی تھے بلکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نبی تھے اور آپ پر وحی بھی نازل ہوئی تھی تو امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ باب باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟

((کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)).

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا"۔

اس باب کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

((اوّل ما بدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ)).

"وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا"۔

کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم نہیں تھا کہ وحی کا سلسلہ تو کروڑوں برس سے جاری ہے۔ جبریل کی آمد، آغاز وحی اور واقعہ حرا بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں:

((فرجع بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فوادہ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوہ حتی ذھب عنہ الروع فقال لخدیجۃ و اخبرھا الخبر لقد خشیت علی نفسی)). (حدیث: ۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کی ابتدائی آیات لے کر لوٹے۔ آپ کا دل دھڑک رہا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے کپڑا اوڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اُڑھایا گیا یہاں تک کہ آپ کا خوف دُور ہو گیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساری روئیداد سنائی اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

سوال یہ ہے کیا اس گھبراہٹ کے لیے کوئی وجہ جواز تھی؟ اگر آپ پہلے ہی صاحبِ وحی تھے تو کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آپ کی جان پہچان نہیں تھی؟ صفحہ ۸۴ پر مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ارب چار کروڑ برس دربارِ خاص (دربارِ الٰہی) میں حاضری رہی"۔ تو پھر کیا سبب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام کی ذرا سی جھلک بھی بمشکل برداشت فرما سکے۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیاں دیں اور پھر انہیں ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے بھی ڈھارس بندھائی اور کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ اسی حدیث کے مطابق چند روز بعد جب دوبارہ آپ کی ملاقات جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی تو فرمایا:

((فرعبت منہ فرجعت فقلت زملونی زملونی)).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں اس سے مرعوب ہو گیا اور گھر لوٹا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ"۔

نیز عرض ہے اگر نبی علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے تو نبی تو ہمیشہ کسی قوم کی طرف مبعوث ہوتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (النحل: ۳۶) "اور ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں کس قوم کی طرف مبعوث ہو کر تبلیغ فرماتے رہے۔ شاید ان لوگوں نے نبوت کو بھی وزارت بے محکمہ کی طرح کوئی بے کار چیز سمجھ رکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "نفس علم غیب ولادت سے پہلے عطا ہو چکا تھا"۔ نہ جانے نفس علم غیب کیا ہوتا ہے۔ اس اصطلاح کو مفتی صاحب یا ان کے حواری ہی جانیں۔ آگے فرماتے ہیں "مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کی تکمیل شب معراج میں ہوئی"۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے ۹ویں سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کا علم حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ اس عرصے میں آپ کو صرف نفس علم غیب حاصل تھا۔ قبل ازیں مفتی صاحب تحریر فرما چکے ہیں مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے۔ (ص ۴۶) نیز لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو کوئی نہیں پا سکتا۔ مگر جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی دینا چاہیں تو عطا فرما دیں۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا وہ حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے"۔ (ص ۵۲) سوال یہ ہے کہ قبل از ولادت جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نفس علم غیب حاصل تھا"۔ ابھی مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کی تکمیل نہیں ہوئی تھی تو لاکھوں برس پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگرد اور نائب نبیوں کو مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کا علم کیسے عطا فرما دیا۔ کس قدر عجیب اور انہونی بات ہے کہ شاگردوں اور نائبوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کا علم حاصل ہو گیا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شب معراج تک صرف نفس علم غیب تک محدود رہا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا"۔ اس سے معلوم ہوا آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب نبیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سوال یہ ہے کیا ان نبیوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آخر وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے؟ کیا خیال ہے انبیاء کرام علیہم السلام قبل از ولادت ان کی نظر بند ہو جاتی ہے اور وہ مشاہدہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

مفتی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ شب معراج کو مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کی تکمیل ہوئی مگر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا:

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ﴾ (التوبہ: ۱۰۱) "آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں"۔

یہ سورہ توبہ کی آیت ہے جو نو ہجری کو نازل ہوئی جس کے متعلق خود مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ﴾ "اور یقیناً تو انھیں بات کے ڈھب سے پہچان لے گا"۔

لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے"۔ (ص ۱۰۴) ثابت ہوا ۹ ہجری تک مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن کی تکمیل نہیں ہو سکی تھی۔ مفتی صاحب نے یہ بھی غلط فرمایا ہے کہ ﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ﴾ بعد میں نازل ہوئی کیونکہ یہ سورہ محمدؐ کی آیت ہے جو غزوہ بدر سے بھی پہلے نازل ہوئی تھی۔

ص ۹۶ پر مفتی صاحب نے ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾ سے یہ استدلال شریف فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنجی بھیجی۔ یاد رہے کہ سورہ فتح ۶ ہجری ذی قعدہ کو صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ معلوم ہوا اس سے پہلے آپ ﷺ کے پاس غیب کی کنجی نہیں تھی اور قبل ازیں مفتی صاحب بار ہا یہ بھی لکھ چکے ہیں:

((ان اللہ تعالٰی لم یخرج النبی صلی اللہ علیہ و سلم حتٰی اطلعه علٰی کل شیء)). (ص ۷۹)

"اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دُنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا"۔

معلوم ہوا فوت ہونے سے ایک دِن پہلے تک بھی آپ ﷺ مکمل عالم الغیب نہیں تھے۔ البتہ فوت ہونے کے وقت آپ، عالم الغیب بن گئے تھے۔ بھلا اس علم غیب کا اُمت کو کیا فائدہ؟ کیا یہ کوئی ویزا تھا جو روانگی سے پہلے پہلے مکمل ہو جانا چاہیے تھا۔

فرماتے ہیں: "یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو ظاہر سے دیکھا پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اس لیے قرآن میں ہے: ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ "ہر چیز کا بیان"۔ مفتی صاحب کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مناظر پہلے دکھلا دیئے یا مناظر کا ٹریلر پہلے دکھلا دیا اور کمنٹری بعد میں فرمائی۔ معلوم ہوا قرآن پاک صرف نبی ﷺ کے لیے ہی تبیان ہے کیونکہ فقط آپ ﷺ نے ہی ان اشیاء کا نظر سے مشاہدہ فرما رکھا تھا جن کا قرآن بیان ہے۔ اوروں کے لیے یہ تبیان نہ ہوگا حالانکہ پورے الفاظ یوں ہیں:

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾﴾ (النحل: ۸۹)

"اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب جو بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت ہے اور رحمت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے"۔

﴿۱۳۶﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگر کہا جائے کہ پھر نزولِ قرآن سے کیا فائدہ؟ یہ سب باتیں تو پہلے ہی حضور علیہ السلام کے علم میں تھیں ۔۔۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزولِ قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہزار ہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی"۔ جو شخص اس فقرے پر غور کرے گا اسے مفتی صاحب کے مینٹل ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہے گا۔ بتلانا تو یہ تھا کہ جب قرآن نازل ہوا تو علم کے علاوہ نزولِ قرآن کے کیا فائدے تھے مگر حضرت صاحب نے نزولِ قرآن سے پہلے کے فائدے بتلا دیئے ہیں۔ اور جو فائدے بتلائے ہیں انہیں بجائے فائدوں کے نقصانات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایک شخص آپ کو کوئی عملی چیز دے اور ساتھ ہی کہہ دے نہ اسے پڑھنے کی اجازت ہے، اور نہ اس پر عمل کرنے کی اجازت ہے تو یہ خاک فائدہ ہے۔ مفتی صاحب کے باقی ہزار ہا فائدے بھی اسی قبیل کے ہوں گے۔ ان کے نزدیک نزولِ قرآن سے پہلے ہی نبی ﷺ کو قرآن پاک کا علم تھا۔ آیئے اس سلسلے میں ہم قرآن پاک کو ہی ثالث مان لیں کہ وہ کیا کہتا ہے:

ف ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

"اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل"۔ (کنز الایمان)

مگر مفتی صاحب نے اپنی فطرت کے مطابق اس کے حاشیہ میں بھی بہت گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں: "یعنی آپ ایمان اور کتاب کو اٹکل و قیاس سے نہ جانتے تھے"۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے جانتے تھے۔ تو اگر آپ ﷺ جانتے تھے خواہ کسی طرح بھی جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم نہیں جانتے تھے۔ یہ تو دبے لفظوں میں باری تعالیٰ کی طرف جھوٹ کا انتساب ہے۔ کہیں بریلویوں نے دیوبندی مذہب تو قبول نہیں کر لیا۔ یا یہ کہا جائے کہ بریلویوں کو پتہ چل گیا کہ قبل از نزولِ قرآن نبی ﷺ قرآن کا علم رکھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو پتہ نہ چل سکا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے کہہ دیا کہ تم نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانتے تھے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ نیز فرماتے ہیں یہ بھی خیال رہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینی طور پر یہ بھی جان لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اسی لیے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو نہ یہ کہ تم اپنی طرف سے باتیں کر رہے ہو یا قرآن سنا رہے ہو۔ ورقہ بن نوفل کے پاس جانا انھیں ایمان بخشنے کے لیے تھا نہ کہ اپنی تسلی کے لیے"۔

مفتی صاحب یوں باتیں کرتے ہیں جیسے آنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام نہ ہوں کوئی مولوی صاحب ہوں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تکلف تعارف کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس قدر گھبرا گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا ایسے میں اس قسم کے سوال و جواب کس کو سوجھتے ہیں؟ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو پہچان لیا تھا تو کیا وجہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کو نہ پہچان سکے:

﴿قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ (الذاریات: ۲۵) "کہا سلام ناشناسا لوگ ہیں"۔ (کنز الایمان)

اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام بھی نہ پہچان سکے:

﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ (الحجر: ٦٢) "کہا تم کچھ بیگانہ لوگ ہو"۔ (کنز الایمان)

کہتے ہیں ورقہ بن نوفل کے پاس جانا ایمان بخشنے کے لیے تھا نہ کہ اپنی تسلی کے لیے۔ کمال کی بات ہے ابھی تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین سے معلوم نہیں تھا کہ ان پر کیا بیتی ہے۔ کسی کو ایمان بخشنا تو بعد کی بات ہے۔ ابھی تو تبلیغ کا حکم یا تبلیغ کے قابل کوئی بات بھی نازل نہیں ہوئی تھی نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس از خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انھیں اپنے ساتھ لے گئیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوئی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگزشت سن کر کہا بھتیجے! یہ وہی فرشتہ (ناموس) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی بھیجا تھا۔ کاش جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی میں اس وقت جوان اور زندہ ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیران ہو کر) کہا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا: ہاں! ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا آیا ہے اگر زندگی رہی تو میں تمہاری مؤثر مدد کروں گا"۔ کیا یہ سب قبل از نبوت جاننے کی علامتیں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بھی یہ نہ فرمایا چچا! مجھے کیا بتلاتے ہو میں سب کچھ پہلے ہی جانتا ہوں؟

ارے بھائی! اگر قبل از نزولِ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا علم تھا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے:

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ: ١١٤)

"اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک کہ اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہو لے اور عرض کرو اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے"۔

اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں: جب حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن کریم لے کر نازل ہوتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور جلدی کرتے تھے تاکہ خوب یاد ہو جائے"۔

نیز اس آیت کی بھی کیا ضرورت تھی:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ ﴾ (القیمہ: ١٦ تا ١٩)

"تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے"۔ (کنز الایمان)

اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں سید عالم ﷺ جبریل امین علیہ السلام کے وحی پہنچا کر فارغ ہونے سے قبل یاد فرمانے کی سعی فرماتے تھے اور جلد جلد پڑھتے اور زبان اقدس کو حرکت دیتے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی مشقت گوارا نہ فرمائی اور قرآن کریم کا سینہ پاک میں محفوظ کرنا اور زبانِ اقدس پر جاری فرمانا اپنے ذمہ کرم پر لے لیا اور یہ آیت کریمہ نازل فرما کر حضور ﷺ کو مطمئن فرمایا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب قرآن نازل ہورہا ہوتا تو نبی ﷺ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ (بخاری ص ۷۴۲ حدیث ۴۹۲۸)

اگر نزولِ وحی سے پہلے نبی ﷺ کو قرآن کا علم تھا تو آپ ﷺ کا یہ مشقت اٹھانا اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو مطمئن فرمانا اور زیادتی علم کی دُعا کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کا ہونٹ ہلانا گوارا نہیں۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف چل رہے تھے؟ اسی طرح جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَقَالُوا هٰذَا اِفْكٌ﴾

اگر یہ آیت پہلے ہی حضور اکرم ﷺ کے علم میں تھی تو کیا آپ قبل از نزولِ آیت برأت ﴿هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہنے کے مکلف نہ تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔

مفتی صاحب کے نزدیک قرآن پہلے ہی حضور ﷺ کے علم میں تھا۔ جبریل علیہ السلام کا قرآن لے کر اُترنا محض ایک رسمی کاروائی تھی مگر چونکہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے۔ اس لیے اس کا جواب دیتے ہوئے یوں دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "اگر نزولِ قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لیے ہے تو بعض سورتیں دو بار کیوں نازل ہوئیں"۔ پھر تفسیر مدارک کے حوالے سے سورہ فاتحہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ اوّلاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں"۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝﴾ (الحجر: ۸۷)

"اور یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ دھرائی جاتی ہیں، اور قرآن عظیم بھی دے رکھا ہے"۔

یہ سورہ الحجر کی آیت ہے جو بالاتفاق مکی ہے۔ نبی ﷺ نے اس آیت کا اطلاق سورہ فاتحہ پر فرمایا لہٰذا سورہ فاتحہ کا مکی ہونا یقینی ہے۔ سورہ فاتحہ کا مدینہ میں نازل ہونا یا مکہ اور مدینہ دونوں جگہ نازل ہونا صرف بعض کا قول ہے۔ اس پر عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اگر دونوں جگہ اس کا نزول مان بھی لیا جائے تو بقول علامہ زرکشی کسی آیت کا تکرارِ نزول یہ اس کی انتہائی عظمت شان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (الاتقان ص ۳۵) گو حنفیوں کے نزدیک یہ سورت اس قابل نہیں کہ مقتدی اس کی تلاوت کریں۔ اسے بدقسمتی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ چونکہ مدنی ہے اور آخری آیتوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ شب معراج کو عطا ہوئیں۔ (عن عبداللہ بن مسعود مسلم ج۱ ص ۹۷ حدیث ۴۳۱ مشکوٰۃ باب المعراج ص ۵۲۹) اس سے بھی مفتی صاحب نے استدلال فرمایا ہے کہ یہ دوبار نازل ہوئیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ سورہ بقرہ کا بیشتر حصہ مدنی زندگی کے ابتدائی دور کا ہے۔ آخری آیتیں پہلے ہی مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔

سود کی حرمت والی آیت بھی فتح مکہ کے بعد مدنی زندگی کے آخری دَور کی ہے۔ اور یہ بات تو مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی لکھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے یہ سورت (بقرہ) نازل ہوئی سوائے آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُرْجَعُوْنَ﴾ کے کہ حج وداع میں بمقام مکہ مکرمہ نازل ہوئی۔ (بحوالہ تفسیر خازن) کہیں ثابت نہیں کہ سورہ بقرہ مکمل طور پر مدنی زندگی کے شروع میں نازل ہوگئی تھی۔ بالفرض اگر کسی ایک آدھ آیت کا دوبارہ نازل ہونا ثابت ہو بھی جائے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ نبی ﷺ کو سارا قرآن پہلے معلوم تھا۔

اپنے اس مہمل مسلک کو ثابت کرنے کے لیے مفتی صاحب نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس قرآن پاک کا دور کرنے کے لیے ماہ رمضان کی راتوں میں آیا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں بتاؤ یہ نزول کیسا تھا؟ حالانکہ کسی روایت میں نزول کا لفظ نہیں ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

((یعرض علیه النبی صلی الله علیه وسلم القرآن)). (عن ابن عباس، بخاری ص ۲۵۵ و ۷۴۸ حدیث ۴۹۹۷)

"نبی ﷺ جبریل علیہ السلام کو قرآن پاک سناتے"۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

((کان یعرض علی النبی صلی الله علیه و سلم القرآن)). (عن ابی ہریرہ بخاری ص ۷۴۸ حدیث ۴۹۹۸)

"جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو قرآن پاک سناتے"۔

ایک حدیث میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے یوں مروی ہے:

((اسر الی النبی صلی الله علیه و سلم ان جبریل یعارضنی بالقرآن کل سنة و انه عارضنی العام مرتین ولا اراه الا حضرا جلی)). (بخاری ص ۷۴۸ حدیث ۴۹۹۷ باب کان جبرائیل علیه السلام... الخ)

"نبی ﷺ نے مجھے چپکے سے بتلایا کہ جبریل علیہ السلام مجھ سے ہر سال قرآن پاک کا دور کیا کرتے تھے۔ اس سال انھوں نے میرے ساتھ دوبار دور کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میرا وقت آ گیا ہے"۔

حضرت ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

((المعارضة مفاعلة لان کلا منهما کان تارة یقراء والاخریٰ یستمع)). (فتح الباری ج ۹ ص ۴۳)

"معارضہ باب مفاعلہ سے اس لیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک ایک بار پڑھتا تھا اور ایک بار سنتا تھا"۔

اگر مفتی صاحب کے مطابق عرض کا معنی نزول لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جبریل نبی ﷺ پر اور نبی ﷺ جبرائیل علیہ السلام پر نازل کرتے تھے۔ مفتی صاحب سطر سطر میں دھوکا دینے کی کوشش فرماتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے انہیں کسی صحیح آدمی نے گھٹی نہیں دی۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

((کان یلقاہ فی کل لیلة من رمضان فیدارسه القرآن)). (عن ابن عباس بخاری ص ۳ حدیث ۶)

"جبریل علیہ السلام نبی ﷺ سے ماہِ رمضان کی ہر رات ملاقات کرتے اور قرآن پاک کا دَور کرتے"۔

حفاظ کی اصلاح میں اسے دَور کرنا کہتے ہیں۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے حضور ﷺ کی وفات کے پیش نظر جبریل علیہ السلام نے آخری سال نبی ﷺ کے ساتھ دوبار دَور کیوں فرمایا۔ کیا بعد میں آنحضرت ﷺ نے دنیا چھوڑ کر کہیں چلے جانا تھا۔ کیا پھر حیات نبوی ﷺ میں دَور ممکن نہیں تھا۔ پیش منظر نہ سہی پس منظر یا پس پردہ سہی۔ یہ سب احادیث بریلویوں کے خلاف ہیں۔ کیونکہ حضرت جبریل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ السلام نبی ﷺ کو قرآن یاد کرانے آیا کرتے تھے۔ اگر آپ عالم الغیب تھے اور آپ ﷺ کو پہلے ہی قرآن پاک آتا تھا تو نہ نزول کی ضرورت تھی اور نہ ہر سال بار بار دور کی ضرورت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب تصور کرلیا جائے تو آپ ﷺ کی ساری زندگی ڈرامے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کیا بریلویوں کو معلوم نہیں کہ نبی ﷺ بسا اوقات قرأت میں بھول بھی جاتے تھے۔ (عن ابن عمر ابوداؤد باب الفتح علی الامام فی الصلوۃ حدیث ۹۰۷) ❶

اور نماز میں تو نبی ﷺ کئی بار بھولے ہیں اور پھر سجدہ سہو فرمایا۔ (مثلاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۶۳ حدیث ۱۲۲۹، عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۲۱۴ حدیث ۱۲۸۵) بھولنا عالم الغیب کی شان نہیں ہے۔ اگر بریلوی حضرات اس بھولنے کو حکمت و مصلحت کا جامہ پہنانے کی کوشش کریں تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ حکمت و مصلحت کے تحت جان بوجھ کر غلط نماز پڑھنے سے نماز درست ہو جائے گی؟ چاہے وہ نماز ہماری ہو یا نبی علیہ السلام کی۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ﴾ (الفرقان: ۳۲)

"اور کافروں نے کہا قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا، ہم نے یونہی بتدریج اسے اتارا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں"۔ (کنزالایمان)

مولوی نعیم الدین صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں: علاوہ بریں یہ بھی فائدہ ہے کہ اس کا حفظ سہل اور آسان ہو۔ سوال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کو پہلے ہی قرآن آتا تھا اور یاد تھا تو پھر اسے ایک دم اتارنے میں کیا خطرہ تھا۔ مفتی صاحب کا یہ دعویٰ نہایت واہیات ہے کہ نزول قرآن حضور اکرم ﷺ کے علم کے لیے نہیں تھا۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ﴾ (النساء: ۱۱۳)

"اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے"۔ (کنزالایمان)

۱۳۷ مفتی صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴾ (المائدہ: ۱۵)

"اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی بکثرت ایسی باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے"۔

مفتی صاحب کو دھوکا دہی کا ایوارڈ ملنا چاہیے تھا۔ آنحضرت ﷺ یہ سب کچھ علم غیب کی وجہ سے نہیں بلکہ وحی اور قرآن کی بدولت بیان فرماتے تھے۔ جیسے فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾ (النمل: ۷۶)

"بے شک یہ قرآن ذکر فرماتا ہے بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں"۔ (کنزالایمان)

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: قرآن کریم نے حق کا اظہار فرما کر جھگڑے کو ختم کر دیا۔ قرآن کریم نے اصل حقیقت ظاہر فرما دی۔

حکم: ❶ حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہودی نبی ﷺ کے پاس زنا کا کیس لے کر آئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: رجم کے متعلق تورات میں کیا لکھا ہے؟ کہنے لگے: ہمارے، ہاں زانیوں کی سزا رسوائی اور کوڑے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو تورات میں رجم کی سزا ہے۔ وہ تورات لائے اور اسے کھولا۔ ایک یہودی رجم والی آیت پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے پڑھنے لگا تو عبداللہ بن سلام نے کہا اپنا ہاتھ اُٹھاؤ۔ ہاتھ اُٹھایا تو نیچے رجم والی آیت موجود تھی۔ کہنے لگے: یہ سچ کہتے ہیں واقعی تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ تب آپ ﷺ کے حکم سے زانی مرد اور عورت دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ (عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۱۱ حدیث ۶۸۴۱، مسلم ج ۲ ص ۶۹ حدیث ۴۴۳۷، مشکوٰۃ کتاب الحدود ص ۳۰۹)

سوال یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ آیت رجم سے واقف تھے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ کردار ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز یہود جو اہل کتاب تھے کیا انھیں بھی معلوم نہیں تھا کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں اور آپ ﷺ کو آسمانی کتابوں کا پورا علم ہے گو وہ اس کا اقرار نہ کرتے ہوں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

"وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل میں نبی ﷺ کی اتنی صفتیں بیان فرمائیں مگر یہ نہ بیان فرمایا کہ آپ عالم الغیب بھی ہوں گے حاضر و ناظر بھی ہوں گے مختارِ کل بھی ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ عجیب بات ہے صفات نبوی کے بارے میں وہ اہم عقائد جن پر بریلویت کا انحصار ہے، اور جن پر ان کے اصلی اہل سنت والجماعت ہونے کا دار و مدار ہے ان کا ذکر نہ قرآن پاک میں ہے نہ تورات و انجیل میں ہے۔ البتہ مفتی صاحب نے گنجائش پیدا کر لی ہے یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ آیت مذکورہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "مشکل کشا حاجت روا دافع البلا صاحب الجود والعطا ہیں۔ جیسا کہ ﴿يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ... الخ﴾ سے معلوم ہوتا ہے"۔ انھیں معلوم ہوتا ہوگا اور تو کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ انہی کے مولوی نعیم الدین صاحب ﴿يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ﴾ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں "یعنی سخت تکلیفیں جیسے کہ توبہ میں اپنے آپ کو قتل کرنا اور جن اعضاء سے گناہ صادر ہوں ان کو کاٹ ڈالنا"۔ اور ﴿الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں: یعنی احکام شاقہ جیسے کہ بدن اور کپڑے کے جس مقام کو نجاست لگے اس کو قینچی سے کاٹ ڈالنا اور غنیمتوں کو جلانا اور گناہوں کا مکانوں کے دروازوں پر ظاہر ہونا وغیرہ"۔ خود مفتی صاحب نے آگے چل کر اپنے حاشیہ میں ان باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ تو شریعت نافذ فرمائی تھی۔ اسے بریلویوں کی معروف اصطلاح کے مطابق مشکل کشائی اور حاجت روائی نہیں کہا جا سکتا۔ کیا خیال ہے جو شخص بھی شریعت نافذ کرے گا بریلوی اسے مشکل کشا حاجت روا دافع البلا وغیرہ کہنا شروع کر دیں گے۔ بریلویوں نے یہود کی طرح اسلام کے بیچ میں بدعات گھسیڑ کر عام مسلمانوں کو بہت مشکل میں ڈال دیا ہوا ہے ہم انھیں ان ظلمات سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اپنے اصول کے مطابق اُنھیں ہمیں بھی مشکل کشا اور حاجت روا اور دافع البلاء ماننا چاہیے۔ مگر یہ تو ہمارے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب لکھتے ہیں: "حضرت جبرائیل علیہ السلام نے غارِ حرا میں پہلی بار آ کر عرض کیا ﴿ اِقْرَاْ ﴾ "پڑھیے"۔ یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیے اور پڑھوا اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ((ما انا بقارئ)) میں نہیں پڑھنے والا۔ میں تو پڑھانے والا ہوں۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہوا ہے۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟"

سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کب پڑھا کس سے پڑھا اور کس کو پڑھایا۔ کوئی ثبوت؟ کیا آپ نے قبل از ولادت کوئی کلاس کھول رکھی تھی۔ کسی ٹریننگ کالج یا ٹیوشن سنٹر کا اجرا کیا ہوا تھا؟ جس میں انبیائے کرام علیہم السلام کی روحیں تعلیم پاتی تھیں۔ مفتی صاحب پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پا سکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرما دیں۔ لہٰذا از حضرت آدم علیہ السلام تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ہے حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے۔ (ص ۵۳) تعجب ہے کہ انبیائے کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھے ہوئے ہوں اور آپ کی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوں تو دنیا میں تشریف لانے کے بعد از سرنو انھیں جبریل علیہ السلام سے سبق لینے کی ضرورت پڑے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مکمل تعلیم نہیں دیتے تھے اور انھیں اچھی طرح سبق نہیں پڑھاتے تھے اور انھیں یاد نہیں کرواتے تھے؟ حد تو یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جبریل علیہ السلام سے پڑھنا پڑا تھا۔

مفتی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے: اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اوّلاً یہ کہ شاگرد نااہل تھا، دوم یہ کہ استاد کامل نہ تھا، سوم یہ کہ استاد بخیل تھا، چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ (ص ۸۲)

مفتی صاحب کو یہ بھی وضاحت فرمانی چاہیے تھی کہ فرشتے انبیاء کے ساتھ ہی پڑھتے تھے یا ان کے لیے الگ کلاسیں لگانا پڑتی تھیں۔

مفتی صاحب نے پہلے لکھا ہے کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی۔ (ص ۱۳۶) مگر اب مفتی صاحب نے ڈنکے کی چوٹ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نزولِ قرآن سے پہلے ہی نہ صرف پڑھنے والا بلکہ پڑھانے والا بھی بنا دیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ ﴾ (عنکبوت: ۴۸) "اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے"۔ (کنز الایمان)

مفتی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ((ما انا بقارئ)) کی کتنی غلط ترجمانی فرمائی ہے میں نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پہلے ہی لیا ہوا ہے اگر یہ بات ہوتی تو جب جبریل علیہ السلام نے سورہ علق کی پانچ آیات پڑھیں تو آپ کا فرض نہیں تھا کہ جبریل علیہ السلام کو پوری سورت فرفر سنا کر اپنے پڑھے ہونے کا ثبوت دیتے اور فرماتے اور بھی جہاں سے چاہے سن لو۔ اس کے برعکس مولوی نعیم الدین صاحب نے اپنے حاشیہ میں ((ما انا بقارئ)) کا ترجمہ یہ کیا ہے "ہم پڑھے نہیں"۔ مفتی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا ہوا ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں فلاں آیت پڑھیے۔ حالانکہ ایسی بات صرف اسے کہی جا سکتی ہے جو حافظ قرآن ہو نہ کہ غیر حافظ سے"۔ عرض ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے سے انکار تھا اور آپ پڑھنے والے نہیں بلکہ پڑھانے والے تھے تو پھر جبریل علیہ السلام کے پڑھانے پر پڑھا کیوں؟ بلکہ سارا قرآن ہی ان کے پڑھانے پر پڑھا۔ فرمایا:

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ (الاعلیٰ: ۶) "اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے"۔

اس سے ثابت ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نہیں پڑھے ہوئے تھے جبریل علیہ السلام نے جو اقراء کہا تھا میرے ناقص علم کے مطابق اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ انھوں نے لکھی ہوئی شے پڑھنے کو کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ پڑھے ہوئے نہیں تھے اس لیے ((ما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انا بقاریٔ)) کہہ کر معذرت فرمادی۔ اس چیز کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں کیا ہے۔ تفسیر حقانی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ یا جب جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا تو آپ ﷺ یہ سمجھے کچھ پڑھنے کو کہہ رہے ہیں آپ کو کچھ آتا ہی نہیں تھا بھلا پڑھتے کیا۔ لہٰذا فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں حالانکہ جبریل علیہ السلام کا مقصد یہ نہ تھا ان کا مقصد یہ تھا کہ لفظ اقراء اپنی زبان مبارک سے ادا کیجئے کیونکہ یہ تو نازل ہونے والی وحی کا حصہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(الف) مفتی صاحب نے نبی ﷺ کو قبل از ولادت نبی اور صاحب قرآن ثابت کرنے کے لیے مثال دی ہے کہ "آج بھی بعض بچے حافظ پیدا ہوتے ہیں"۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ تردید کی ضرورت نہیں۔ زیر بحث کتاب کے ہزاروں قارئین نے پڑھا ہوگا کوئی صاحب بتلائیں آج تک انہوں نے کبھی پیدائشی حافظ قرآن دیکھا ہے۔ اگر مفتی صاحب کی پیدائشی حافظ سے پیدائشی نابینا مراد ہے تو یہ میں مانتا ہوں۔

(ب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال دی ہے کہ "انہوں نے پیدا ہوتے ہی فرمایا: ((اتانی الکتاب)) "رب نے مجھے کتاب دی"۔ معلوم ہوا ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں"۔ مفتی صاحب بات پلٹانے میں خوب ماہر ہیں۔ یہاں کتاب جاننے کی بات نہیں کتاب دینے کی بات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب دے دی تھی۔ بتایئے اس وقت انجیل کہاں تھی ذرا پورے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

﴿اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ۠ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّ بَرًّاۢ بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝﴾ (مریم: ۳۰ تا ۳۲)

"اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا نبی کیا اور اسی نے مجھے مبارک کیا میں جہاں کہیں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب تک جیوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا"۔ (کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہوتے ہی نبی بھی بنادیا تھا۔ مفتی صاحب نے لکھا ہے بغیر وحی کے نبوت کیسی۔ (ص ۱۳۷) تو کیا ان پر وحی نازل ہونا شروع ہوگئی تھی۔ مفتی صاحب ﴿وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ کے تحت اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں رسالت ملی لہٰذا آپ کی نبوت رسالت سے پہلے ہے"۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بیک وقت یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی دی ہے اور نبی بھی بنایا۔ میں پوچھتا ہوں جو نبی صاحب کتاب ہو وہ صرف نبی ہوتا ہے یا رسول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے لیے بھی کہیں نبی کا لفظ بولا ہے اور کہیں رسول کا۔ تو کیا آپ پر بھی کوئی ایسا وقت آیا تھا جب آپ صرف نبی تھے یعنی آپ کا کام صرف غیب کی خبریں بتلانا تھا اور رسول بعد میں بنے۔ ان آیات میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بھی ہے۔ تو کیا عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی نماز اور زکوٰۃ پر عمل کرنا شروع فرمادیا تھا اور کیا آپ نے پیدا ہوتے ہی ماں کی خدمت بھی شروع فرمادی تھی۔ وغیرہ۔

اصل بات یہ ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ حضرت عکرمہ منقول ہے:

((ای قضی انہ یوتینی الکتاب فیما قضی)). (ج ۳ ص ۱۱۹)

"اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر میں لکھ دیا ہے کہ وہ مجھے کتاب دے گا"۔

ان کے مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی اپنے حاشیہ میں ایک تفسیر یہ لکھی ہے جس کی انہوں نے تردید فرمائی تھی۔ "یہ نبوت اور کتاب کے ملنے کی خبر تھی جو عنقریب آپ کو ملنے والی تھی"۔

تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکم مادر میں ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تورات پڑھ چکے تھے۔ (ج ۳ ص ۱۲۰) مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن سعید عطار حمصی متروک ہے۔

(ج) ایک مثال مفتی صاحب نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دی ہے کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ (مریم:۱۲) "ہم نے انھیں بچپن ہی سے علم وحکمت دی"۔

غنیمت ہے کہ انہوں نے حکم کا ترجمہ علم وحکمت کیا ہے ورنہ ان کے مولوی احمد رضا خان صاحب نے تو حکم کا ترجمہ نبوت کر ڈالا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ افسوس کہ اپنے حاشیہ میں مفتی صاحب نے احمد رضا خان صاحب والے ترجمہ کی تائید کی ہے۔ حکمت کا لفظ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے لیے بھی استعمال فرمایا ہے مگر وہاں احمد رضا بریلوی صاحب نے ترجمہ حکمت ہی کیا ہے۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی لکھا ہے اکثر علماء اس طرف ہیں کہ آپ حکیم تھے نبی نہیں تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک حضرت معمر سے بیان کرتے ہیں کہ بچوں نے حضرت یحییٰ سے کہا آؤ کھیلیں۔ تو فرمایا:

((ما للعب خلقنا)). "ہم کھیل کے لیے نہیں پیدا ہوئے"۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((من قراء القرآن قبل ان يحتلم فهو ممن أوتى الحكم صبيا)). (تفسیر قرطبی)

"جو شخص بالغ ہونے سے پہلے قرآن پاک پڑھ لے وہ ان میں سے ہے جنہیں بچپن میں حکمت عطا کر دی گئی"۔

بہر حال مفتی صاحب قبل از ولادت نبوت کا دعویٰ ثابت نہیں کر سکے۔

(د) فرماتے ہیں: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے اُمت کی شفاعت کی کیونکہ حکم قرآنی ہے: یہ بالکل من گھڑت قصہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ صرف مفتی صاحب پہلے لکھ چکے ہیں کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ (ص ۱۳۶) قرآن آیا نہیں اور اُمت کے حق میں شفاعت پہلے ہی ہونے لگی۔

(ر) فرماتے ہیں حضرت غوث پاک نے ماہِ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ کیا شیر خواری کی عمر میں غوثِ پاک پنج وقت نماز بھی پڑھتے تھے؟ کیا یہ حکم قرآنی نہیں ہے۔ میں ایسے ڈھکوسلوں کی تردید قارئین کے فہم پر چھوڑتا ہوں۔

(ز) فرماتے ہیں: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان پاک چوسا دوسرا بھائی کے لیے چھوڑا۔ یہ عدل وانصاف بھی قرآنی حکم ہے"۔ قرآن کی کون سی آیت میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ عدل وانصاف کا یہ تقاضا ہے کہ رضاعی بیٹا صرف ایک پستان چوسے دوسرا حقیقی بیٹے کے لیے چھوڑ دے۔ کیا عدل وانصاف کا تقاضا اس طرح پورا نہیں ہوسکتا کہ دونوں بھائی باری باری دونوں پستان استعمال کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی بے بنیاد اور جعلی تعریفوں سے بے نیاز ہیں۔

﴿۱۳۸﴾ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم متناہی ہے۔ مفتی صاحب کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متناہی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا علم قیامت تک محدود ہے کیونکہ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی"۔ اور اللہ تعالیٰ کو بعد کے حالات کا بھی علم ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قیامت تک اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ بعد کے حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ نبی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کو معلوم نہیں۔ دونوں کے علم میں بس اتنا ہی فرق ہے اور یہی فرق کافی ہے۔ یہ میں نے مفتی صاحب کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ مفتی صاحب نے یہ محض تکلف ہی فرمایا ہے ورنہ ایک دو نہیں بے شمار احادیث ایسی ہیں جن میں نبی ﷺ نے قیامت کے بعد پیش آنے والے جنتیوں اور دوزخیوں کے احوال کا بیان فرمایا ہے اس لیے بریلوی حضرات اگر نبی ﷺ کو بعد از قیامت غیب کا عالم بھی کہہ دیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جہاں اتنا کچھ لکھ دیا وہاں یہ بھی سہی۔ ان کا مسلک اسے برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اونٹ کے بوجھ سے چھلنی اتار بھی لی جائے یا اس کے اوپر رکھ دی جائے اس کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے یہ تو معمولی بات ہے نیز سوچنے کی بات ہے اگر قبل از قیامت حضور اکرم ﷺ کو عالم الغیب نہ ماننا حضور ﷺ کی توہین ہے۔ تو بعد از قیامت عالم الغیب نہ ماننا کیوں توہین نہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کے علم کو قیامت تک محدود ماننا دانش مندی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اور نبی ﷺ کے علم میں فرق رکھنے کے لیے بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تم دونوں کے علم میں ذاتی اور عطائی کا یا پھر انیس اور بیس کا فرق ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے علم یا اپنے زعم کے مطابق علم غیب کے حق میں دلائل بھی دیئے اور مخالف دلائل کا جواب بھی دیا مگر ان دلائل کو ہاتھ نہیں لگایا جن کی ان سے تاویل نہ ہو سکی مثلاً قرآن پاک میں ہے:

① ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ﴾ (کہف: ۲۳)

"اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے"۔ (کنز الایمان)

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب فرماتے ہیں مکہ والوں نے حضور ﷺ سے اصحابِ کہف کا حال دریافت کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر بتائیں گے اور انشاء اللہ فرمانا یاد نہ رہا تو کئی روز تک وحی نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے اصحابِ کہف کے واقعہ کی تفصیل بیان نہ فرمائی تھی"۔ یاد رہے کہ سورہ کہف ترتیب نزول کے لحاظ سے ۶۹ ویں سورت ہے۔

② ﴿عَفَا ٱللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ ٱلَّذِينَ صَدَقُوا۟ وَتَعْلَمَ ٱلْكَٰذِبِينَ ۝﴾ (توبہ: ۴۳)

"کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے"۔ (کنز الایمان)

یاد رہے کہ سورہ توبہ ترتیب نزول کے لحاظ سے ۱۱۳ ویں سورت ہے۔

③ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: ۳۱)

"اور تمہارے ربّ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ (کنز الایمان)

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب لکھتے ہیں: "یعنی ربّ کی مخلوق کے اقسام یا مخلوق کی تعداد یا فرشتوں کا شمار رب ہی جانتا ہے"۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

④ ((خرجت لاخبركم بليلة القدر فتلاحى فلان و فلان فرفعت و عسى ان يكون خيرا فالتمسوها فى التاسعة والسابعة والخامسة)). (عن عبادہ بن صامت بخاری ص ۲۷۱ حدیث ۲۰۲۳، مشکوۃ باب لیلۃ القدر ص ۱۸۲)

"میں تمہیں لیلۃ القدر کی اطلاع دینے نکلا اتنے میں فلاں فلاں نے جھگڑنا شروع کر دیا تو اس کی تعیین اُٹھا لی گئی شاید اسی میں بہتری ہو۔ تم اسے انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں راتوں میں تلاش کرو"۔

⑤ ((فقال النبى صلى الله عليه و سلم لا تخيرونى على موسى فان الناس يصعقون يوم القيمة فاصعق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معهم فاكون اوّل من يفيق فاذا موسٰى باطش بجانب العرش فلا ادرى أكانَ فيمن صعق فافاق قبلى او كان فيمن استثنى الله))۔ (عن ابی ھریرہ بخاری ص ۳۲۵ حدیث ۲۴۱۱، مسلم ج ۲ ص ۲۶۷ حدیث ۶۱۵۳، مشکوٰۃ باب بدء الخلق ص ۵۰۷)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اختیار دو مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر بے شک لوگ قیامت کو بے ہوش ہوں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا ان کے ساتھ۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے نظر آئیں گے۔ میں نہیں جانتا آیا وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں شامل ہوں گے اور مجھ سے پہلے انھیں ہوش آ جائے گی۔ یا اللہ تعالیٰ انھیں مستثنیٰ رکھے گا"۔

⑥ روزِ قیامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شفاعت کے لیے بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں گے تو اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

((ويلهمنى محامدًا احمده بها لا تحضرنى الان فاحمده تلك المحامد))۔ (عن انس بخاری، مسلم ج ۱ ص ۱۱۰ حدیث ۴۸۰، مشکوٰۃ باب الشفاعۃ ص ۴۸۸)

"اللہ تعالیٰ مجھے حمدیہ کلمات الہام فرمائے گا، جن کے ساتھ میں اس کی حمد بیان کروں گا، وہ کلمات اب مجھے معلوم نہیں"۔

⑦ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کون اور کب ہوگا۔ حضرت نواس بن سمعان سے روایت ہے:

((ذكر رسول الله صلى الله عليه و سلم الدجال فقال ان يخرج و انا فيكم فانا حجيجه دونكم و ان يخرج و لست فيكم فامرء حجيج نفسه))۔ (مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ حدیث ۷۳۷۳، مشکوٰۃ باب ذکر الدجال ص ۴۷۳)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوا تو تمہاری بجائے میں اس سے لڑوں گا اور اگر وہ میری غیر موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر شخص اپنی طرف سے خود اس کا مقابلہ کرے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صیاد پر بھی شبہ ہوا تھا کہ شاید ہونے والا دجال یہی ہے۔ (عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۱۲ حدیث ۶۱۷۳ مسلم ج ۲ ص ۳۹۸ حدیث ۷۳۴۵، مشکوٰۃ باب قصۃ ابن صیاد ص ۴۷۸) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک جزیرے میں ایک عجیب و غریب شخص کو دیکھا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ دجال یہی ہوگا۔ (عن فاطمہ بنت قیس مسلم ج ۲ ص ۴۰۵ حدیث ۷۳۸۶، مشکوٰۃ باب الذکر الدجال ص ۴۷۵)

⑧ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا:

((لو انى استقبلت من امرى ما استدبرت لم اسق الهدى و جعلتها عمرة فمن كان منكم ليس معه هدى فليحل وليجعلها عمرة))۔ (عن جابر بن عبداللہ، مسلم ج ۱ ص ۳۹۶ حدیث ۲۹۵۰، مشکوٰۃ باب قصۃ حجۃ الوداع ص ۲۲۴)

"جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا اور میں اسے عمرہ کر دیتا پس جن کے پاس قربانی نہیں ہے وہ احرام کھول دیں اور اسے عمرہ قرار دے دیں"۔

⑨ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سو جانے کی وجہ سے پورے قافلے کی صبح کی نماز قضا ہو گئی جسے سورج نکلنے کے بعد پڑھا گیا۔ (عن ابی قتادہ بخاری ص ۸۳ حدیث ۵۹۵)

⑩ جب یہ آیت نازل ہوئی:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ (حجرات:۲)

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اوپر نہ کرو"۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے:

((اذا احدث النبی صلی اللہ علیہ و سلم بحدیث حدثہ کأخی السرار لم یسمعہ حتی یستفھمہ)).

"کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کرتے تو آپ ﷺ کو سنائی نہ دیتا یہاں تک کہ حضور ﷺ کو پوچھنا پڑتا"۔ (عن ابن ابی ملیکہ بخاری ص ۱۰۸۵ حدیث ۷۳۰۲)

بریلویوں کے قومی ترانے کا ایک مشہور بول یہ ہے:

ہم یہاں سے پڑھیں وہ وہاں سے سنیں مصطفیٰ (ﷺ) کی سماعت پہ لاکھوں سلام

⑪ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے لعان کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((انظروھا فان جاءت بہ احمر قصیرا مثل وَحَرَةٍ فلا اراہ الا قد کذب و ان جاءت بہ اسحم اعین ذا الیتین فلا احسب الا قد صدق علیھا فجاءت بہ علی الامر المکروہ)). (عن سھل بن سعد الساعدی بخاری ص ۱۰۸۵ حدیث ۷۳۰٤)

"اس عورت کا خیال رکھنا اس کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا اگر وہ سرخ رنگ کا چھوٹے قد کا اور چھپکلی کی طرح ہوا تو پھر عویمر نے جھوٹ بولا۔ اور اگر وہ سیاہ رنگ کا بڑی آنکھوں والا اور بھاری سرین والا ہوا تو پھر میں سمجھوں گا عویمر نے سچ کہا۔ چنانچہ وہ ی ناپسندیدہ صورت میں ہوا"۔

⑫ جعرانہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ سے ایک شخص نے احرام کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا تو آگے یہ الفاظ ہیں:

((فنظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساعۃ فجاءہ الوحی)). (عن یعلی بن امیہ بخاری ص ۷٤٥ حدیث ٤۹۸٥)

"پس نبی ﷺ نے دیکھا پس آپ پر وحی نازل ہونے لگی"۔

⑬ ایک صبح نبی پاک ﷺ پریشان نظر آ رہے تھے، فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے آج رات ملنے کا وعدہ کیا تھا لیکن آئے نہیں۔ بخدا انہوں نے کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی۔ پھر آپ ﷺ کے دل میں خیال آیا کہ چارپائی کے نیچے کتیا کا پلا ہے۔ آپ کے حکم سے اسے نکالا گیا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس جگہ کو دھویا۔ شام کے وقت جبرائیل علیہ السلام آئے تو ان سے کہا آپ نے گزشتہ رات آنے کا وعدہ کیا تھا تو جبریل نے کہا: ہاں لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں ہم نہیں داخل ہوتے۔ (عن میمونہ مسلم ج ۲ ص ۱۹۹ حدیث ۵۵۱۱، مشکوۃ باب التصاویر ج ٤ ص ۱۸٦)

⑭ ((عن عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر حتی کان یری انہ یاتی النساء ولا یاتیھن فانتبہ من نومہ ذات یوم فقال یا عائشۃ اعلمت ان اللہ قد افتانی فیما اَسْتَفْتَیْتُہ)). (بخاری ص ۸۵۸)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا۔ جس سے آپ کی کچھ گھریلو قسم کی یادداشت متاثر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔ ایک روز آپ بیدار ہوئے تو فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو پوچھا تھا وہ اس نے مجھے بتلا دیا ہے"۔

⑮ قرآن پاک میں ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح: ۱۸)

"یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے"۔

اس بیعت کا سبب سب کو معلوم ہے یعنی کہ

((فبلغ رسول الله ﷺ والمسلمين ان عثمان رضى الله عليه قتل)). (تفسیر ابن کثیر ج ٤ ص ١٨٦) ❶

"نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو یہ اطلاع پہنچی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے"۔

⑯ ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا:

((لقد سالني هذا عن الذى سالني عنه ومالى علم بشىء منه حتى اتانى الله به)). (عن ثوبان مسلم ج ١ ص ١٤٦ حدیث ٧١٦)

"اس نے مجھ سے ایسی باتیں پوچھیں جن کا مجھے ذرا بھی علم نہیں تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا"۔

⑰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت میری خدمت کرتی تھی۔ جب میں اس کی کوئی مالی مدد کرتی تو وہ مجھے یہ دُعا دیتی اللہ تعالیٰ آپ کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔ میں نے اس کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو فرمایا:

((كذبت يهود ولا عذاب دون يوم القيمة)).

"یہودی جھوٹ بولتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں"۔

تھوڑی مدت گزری تھی کہ آپ نے اعلان فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے سامنے عذاب قبر سے پناہ طلب کرو۔ عذاب قبر برحق ہے۔ (مسند احمد بحوالہ فتح الباری ج ۳ ص ۲۳٦) ❷

www.KitaboSunnat.com

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاضر و ناظر کی بحث

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دُور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے"۔

یہ ساری عبارت خاکسار کے لیے اجنبی ہے۔ لفظ حاضری کا استعمال کسی اسکول کے شاگرد یا کسی فیکٹری کے ملازم کے لیے تو مناسب ہے آنحضرت ﷺ کے لیے حاضر کا لفظ بولنا سراسر بدتمیزی ہے۔ کہتے ہیں: "حاضر و ناظر کے شرعی معنی" نہ جانے اس سے کونسی شریعت مراد ہے یہود کی شریعت یا عیسائیوں کی شریعت یا ہندوؤں کی شریعت یا بریلویوں کی شریعت؟ جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے تو قرآن وحدیث میں یہ معنی کہیں نہیں پائے گئے۔ فرماتے ہیں: "قوت قدسیہ والا"۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا ہوتا ہے؟ کھل کر بات کرنی چاہیے۔ قدوس اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو کیا "قوتِ قدسیہ والا" سے قوتِ الٰہیہ یعنی خدائی طاقتوں والا مراد ہے۔ کیا بریلوی تعدد الٰہ کے بھی قائل ہو گئے ہیں صحیح مسلمان تو صرف ایک اللہ کو مانتے ہیں۔ اور وہی اکیلا الٰہ ہے دوسرا کوئی نہیں۔

پہلا باب: حاضر و ناظر کے ثبوت میں

پہلی فصل

آیاتِ قرآنیہ سے ثبوت

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۴۵و۴۶)

"اے غیب کی خبریں دینے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب"۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے لیے لفظ شاہد استعمال ہوا ہے۔ مفتی صاحب نے اس کا ترجمہ اپنے مرشد کے ترجمہ سے حاضر و ناظر نقل کیا ہے جو بریلوی مسلک کی ترجمانی تو ضرور کرتا ہے مگر قرآن پاک کی ترجمانی نہیں کرتا۔ یہ شاہد کا ترجمہ نہیں ہے اور نہ آج تک کبھی کسی بھلے مانس نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ لفظ شهد يشهد باب سمع يسمع سے اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی حاضر ہونے اور گواہی دینے کے ہیں۔ کہیں اس کے معنی صرف گواہی دینے کے ہیں۔ حاضر کا وہاں کوئی تصور نہیں۔ جیسے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَ لَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴾

(البقرہ:۸۴)

"اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنی بستیوں سے نہ نکالنا۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم گواہ ہو"۔ (کنزالایمان)

یا جیسے کلمہ شہادت ہے:

((اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ))

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ الٰہ (عبادت کے لائق) کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اس کے بندے (بندگی کرنے والے) اور اس کے رسول (پیغام پہنچانے والے) ہیں"۔

کہیں صرف حاضری کے معنی میں ہے۔ گواہی کا کوئی مفہوم نہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ﴾ (البقرہ:۱۸۴)

"تم میں جو کوئی مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے"۔ (کنزالایمان)

﴿اَمۡ کُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ﴾ (البقرہ:۱۳۳)

"بلکہ تم میں کے خود موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی"۔ (کنزالایمان)

﴿اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّ هُمۡ شٰهِدُوۡنَ ﴾ (الصافات:۱۵۰)

"یا ہم نے ملائکہ کو عورتیں بنایا اور وہ حاضر تھے"۔ (کنزالایمان)

﴿وَ مَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَ مَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴾ (قصص:۴۴)

"اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کا حکم بھیجا اور اس وقت تم حاضر نہ تھے"۔ (کنزالایمان)

مفتی صاحب نے شاہد کا ترجمہ جو حاضر و ناظر لکھا ہے اس کے متعلق مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس آخری آیت (قصص:۴۴) نے معاملہ بالکل صاف کر دیا ہے۔ مفتی صاحب قصص کی اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں "یعنی اس جسم شریف سے ورنہ سارے واقعات حضور ﷺ کی نگاہ میں اور مشاہدہ میں ہیں"۔ مفتی صاحب کی بات کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت بذات خود وہاں موجود نہ تھے لیکن شاہد یعنی حاضر و ناظر ضرور تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ دونوں لحاظ سے نفی فرما رہا ہے یعنی کہ آپ ﷺ بذات خود بھی موجود نہ تھے اور شاہد بھی نہ تھے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو وہاں کسی طرح بھی نہ دیکھا مگر مفتی صاحب نے وہاں حضور ﷺ کو حاضر و ناظر دیکھ لیا۔ بڑے غضب کی نظر رکھتے ہیں۔ شاید یہ لوگ بھی حاضر و ناظر ہی ہیں۔ ایک اور تماشا دیکھئے مفتی صاحب نے یہ آیت اور یہ بریلوی ترجمہ نقل کیا ہے:

﴿فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیۡدًا ﴾ (النساء:۴۱)

"تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت پر گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ نگہبان بنا لائیں"۔ (کنزالایمان)

غور فرمائیے ایک ہی آیت میں لفظ شہید دو بار آیا ہے مگر پہلے شہید کا معنی صرف گواہ کیا ہے اور دوسرے شہید کا معنی گواہ اور نگہبان کیا ہے۔ سوال یہ ہے کیا لفظ نگہبان گواہ کی تشریح ہے۔ اگر یہ تشریح ہے تو کیا لفظ گواہ اتنا مشکل تھا کہ اسے تشریح کی ضرورت تھی۔ اور اگر یہ تشریح نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ مستقل لفظ ہے تو کیا کبھی کسی نے شہید کا ترجمہ نگہبان کیا بھی ہے۔ اگر یہ جھک مارنی ہی تھی تو پہلے شہید نے کیا قصور کیا تھا کیا اس کا یہی قصور ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہے۔ شاہد یا شہید کے بارے میں مفصل گفتگو علم غیب کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

مفتی صاحب نے ﴿سِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ کا ترجمہ چمکا دینے والا آفتاب نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

۱۳۹ "سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں، وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ گھر گھر میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے"۔ عرض ہے کہ معنی آفتاب نہیں بلکہ چراغ ہے۔ قرآن پاک میں اگر کہیں اللہ تعالیٰ نے سورج کے لیے سراج کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو بطور تشبیہ کے استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

﴿وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا﴾ (النبأ: ۱۳) "اور ہم نے ایک چمکتا چراغ رکھا"۔ (کنز الایمان)

ٹھیک ایسے ہی ہے جیسے مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور تشبیہ سراجاً منیرا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اگر سراج کا معنی سورج ہو تو پھر اس آیت کا معنی کس طرح کریں گے:

﴿وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ (نوح: ۱۶) کیا اس کا معنی یہ ہوگا: "بنایا اس نے سورج کو سورج"۔

نہیں بلکہ "بنایا اس نے سورج کو چراغ"۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان بریلوی صاحب نے بھی ان ہر دو آیتوں میں سراج کا ترجمہ چراغ ہی کیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا﴾ (الفرقان: ۶۱)

اس کا ترجمہ بریلوی صاحب نے اس طرح کیا ہے "اور ان میں چراغ رکھا اور چمکتا چاند"۔ لہٰذا تشبیہ دینے کے باوجود جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہی ہیں درحقیقت سراج (یعنی چراغ) نہیں ہیں، اسی طرح سورج بھی سورج ہی ہے سراج نہیں ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی سورج کے لیے منیر کی صفت استعمال نہیں فرمائی۔ منیر کا لفظ کتاب کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسے:

﴿الْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ (آل عمران: ۱۸۴) ﴿وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ﴾ (الحج: ۸)

چاند کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسے ابھی فرقان کی آیت گزری یا سراج یعنی چراغ کے لیے استعمال ہوا جیسے ﴿وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ (الاحزاب: ۴۶) نیز سورہ احزاب کی اس آیت کے سوا حضرت بریلوی صاحب نے کہیں بھی منیر کا ترجمہ چمکا دینے والا نہیں کیا بلکہ چمکتا چمکتی یا روشن کیا ہے۔

شرک نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی تھے آدمی کام کے

۱۴۰ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ (توبہ: ۱۲۸)

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے"۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اس آیت سے تین طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔ ایک یہ کہ ﴿جَاءَكُمْ﴾ میں قیامت تک مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں"۔

مولوی نعیم الدین صاحب اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "اس آیت کریمہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کا بیان ہے"۔ سوال یہ ہے کہ اگر ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ ... الخ﴾ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور میلاد مبارک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا بیان ہے اور اسی سے آپ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنی تشریف آوری اور میلاد مبارک سے قبل حاضر و ناظر نہیں تھے۔ لہٰذا بریلویوں کے اپنے بقول نبی ﷺ کا کم از کم اپنی ولادت باسعادت سے قبل ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا غلط ثابت ہو گیا۔ نیز ان کے دعویٰ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس جگہ مسلمان نہ ہوں وہاں نبی ﷺ نہیں ہوتے۔ یعنی زمین و آسمان فضا خلا سمندر الغرض جو جگہ بھی مسلمان کے وجود سے خالی ہے وہ حضور اکرم ﷺ سے بھی خالی ہے۔ بے شک مسلمان ہر آباد ملک میں موجود ہیں لیکن ہر جگہ موجود نہیں۔ لہٰذا ان کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہو گیا۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس جگہ مسلمان نہیں وہاں نبی ﷺ بھی نہیں تو سوال یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان ہوتے ہیں اس جگہ مسلمان ہوتے ہیں یا نبی ﷺ ہوتے ہیں یعنی اس حصہ فضا کو کس نے پُر کیا ہوتا ہے؟ ان مسلمانوں کو ہم مسلمان سمجھیں یا پیغمبر خیال کریں۔ پھر مسلمان جب ناگفتنی حالتوں میں ہوتے ہیں اس وقت نبی کریم ﷺ کی کیا پوزیشن ہوتی ہے؟ بات یہ ہے کہ مفتی صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ﷺ ہی کی شان ہو سکتی ہے"۔ (ص ۱۶۲)

اگر ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ ﴾ سے نبی ﷺ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر سارے پیغمبروں کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ (البقرہ:۹۲)

"تمہارے پاس تو موسیٰ (علیہ السلام) بھی دلیلیں لے کر آئے"۔

﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ (آل عمران:۱۸۳)

"آپ کہہ دیجئے تمہارے پاس تو کئی پیغمبر مجھ سے پہلے کھلی نشانیاں لے کر آئے"۔

﴿ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ (غافر:۳۴)

"اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام دلیلیں لے کر آئے"۔

نیز اللہ تعالیٰ نے صرف ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ ﴾ نہیں فرمایا وہ آیت بھی بیان فرمائی ہے جس کا حوالہ مفتی صاحب نے ص ۱۳۷ پر دیا ہے:

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (مائدہ:۱۵)

"اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہارے سامنے بکثرت ایسی باتیں بیان کرتا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے، اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے"۔

اس آیت سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی ﷺ ہر مسلمان کے پاس نہیں بلکہ ہر یہودی اور عیسائی کے پاس بھی ہوتے ہیں۔ یعنی عالم میں جہاں جہاں یہودی اور عیسائی ہیں اس کے پاس نبی ﷺ موجود ہیں۔ العیاذ باللہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں صرف تشریف آوری کا ذکر نہیں بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں تو بریلوی آپ ﷺ کا بیان کرنا ہی ثابت کر دیں ہم اسی وقت عقیدہ حاضر و ناظر پر ایمان لے آئیں گے۔ بلکہ ایک آیت میں اہل کتاب کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ﴾ (مائدہ:۱۹)

"پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا تمہارے پاس آ پہنچا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بریلویوں سے پوچھتا ہوں کیا واقعی آج کل بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ کو خوشخبریاں اور ڈر سنا رہے ہیں؟

مفتی صاحب لکھتے ہیں: "دوم یہ فرمایا گیا ہے ﴿مِنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ "تمہارے نفسوں میں سے ہیں"۔ یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں موجود ہیں اور ہر رگِ جاں جسم کے تمام اعضاء میں ایک سے خبردار رہتی ہے، ایسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے فعل سے خبردار ہیں"۔ مفتی صاحب کی یہ تشریح نری ڈھکاشاہی ہے ﴿مِنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ کی بجائے اگر ﴿فِي اَنْفُسِكُمْ﴾ ہوتا تب اس قسم کی یاوہ گوئی کی شاید گنجائش نکل سکتی تھی۔ جیسے فرمایا:

((و نفخت فیه من روحی))۔ (ص ۷۲) "اور اس میں اپنی روح پھونک دی"۔

فرماتے ہیں اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو ﴿مِنْكُمْ﴾ کافی تھا ﴿فِي اَنْفُسِكُمْ﴾ کیوں ارشاد فرمایا"۔ عجیب بات ہے۔ انسانیت ثابت ہونے کے لحاظ سے ﴿مِنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ میں تو ﴿مِنْكُمْ﴾ سے بھی زیادہ تاکید ہے۔ مفتی صاحب نے گویا تسلیم کرلیا ہے اگر ﴿مِنْكُمْ﴾ ہوتا تو تب واقعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک انسان ہوتے۔ تو سنیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعہ:۲) "وہی ہے جس نے بھیجا امیین میں رسول انہی میں سے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی یہ تھی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (البقرہ:۱۲۹) "یا اللہ بھیج ایک رسول ان میں سے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((انت منی و انا منك))۔ (عن براء بن عازب بخاری ص ۳۷۲ حدیث ۲۶۹۹، مشکوۃ باب بلوغ الصغیر ص ۲۹۳)

"تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں"۔

حضرت جابیب شہید رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

((هٰذا منی و انا منهم))۔ "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔ (عن ابی ہریرہ، مسلم ج ۲ ص ۲۹۵ حدیث ۶۳۵۸)

قرآن پاک میں ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (الروم:۲۱)

"اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے"۔ (کنز الایمان)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((العباس منی و انا منه))۔ (عن ابن عباس ترمذی حدیث ۳۷۵۹، باب المناقب مشکوۃ ص ۵۷۰) ❶

"عباس مجھ سے اور میں ان سے ہوں"۔

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

((حسین منی و انا من حسین))۔ "حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں"۔ (ترمذی حدیث ۳۷۷۵) ❷

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((علی منی و انا من علی))۔ "علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں"۔ (ترمذی حدیث ۳۷۱۹) ❸

تخریج: ❶ اس کی سند ضعیف ہے۔ ❷ حدیث صحیح ہے۔ ❸ حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "تیسرے یہ کہ فرمایا گیا ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے"۔

مفتی صاحب اگر نبی ﷺ کا حاضر ناظر ہونا ثابت کر دیتے تو تب ان کی بات میں وزن ہو سکتا تھا۔ ہمارے نزدیک ان الفاظ کا تعلق حیات طیبہ سے ہے۔ وفات کے بعد الحمدللہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

﴿إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا﴾ (آل عمران:۱۲۰)

"تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں"۔

جن کفار کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کیا وہ بھی ابھی تک حاضر و ناظر ہیں اور انہیں ہماری خبر ہے تبھی انہیں ہماری بھلائی بری اور برائی بھلی لگتی ہے؟ بلکہ اس سے قبل یہ بھی الفاظ ہیں:

﴿وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ﴾ (آل عمران:۱۱۸) "وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو"۔

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (النساء:٦٤)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرما دیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں ورنہ پھر ہم فقیر پردیسی گنہگاروں کی مغفرت کی کب سبیل ہو گی.... لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر ہیں"۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی کیا صحابہ کرام نبی ﷺ کے پاس حاضر نہیں ہوتے تھے۔ وہ تو ہر لحہ آپ پر جاں نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اس آیت میں دراصل منافقین سے شکوہ ہے۔ اس سے ذرا پہلے یہ آیت ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ (النساء:٦١)

"ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (ﷺ) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر لیتے ہیں"۔

سورہ منافقون میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون:٥)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں"۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں"۔ کیا انھیں یہ آیت نظر نہ آئی:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۱۳۵)

"اور جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا"۔

اور کیا یہ آیت بھی نظر نہ آئی:

﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (النساء: ۱۱۰)

"جو کوئی شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا"۔

بقول مفتی صاحب بخشش کی جو صرف ایک (یعنی اکلوتی) سبیل تھی کیا اسے اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں بھول گیا؟ مولوی بریلوی صاحب نے ﴿جَآءُوْكَ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے "تمہارے حضور حاضر ہوں"۔ مگر مفتی صاحب نے پردیسیوں کے لیے اس کی تشریح یہ کی ہے "وہ تمہارے پاس موجود ہیں"۔ یعنی انہوں نے لوگوں کو نبی ﷺ کے حضور حاضر کرنے کی بجائے نبی ﷺ کو لوگوں کے حضور حاضر کر دیا ہے۔ استغفر اللہ۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "تم غائب ہو"۔ عرض ہے کہ کس سے غائب؟ مفتی صاحب سے یا نبی علیہ السلام سے۔ نبی ﷺ جو بقول ان کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں کیا ان سے کوئی شے غائب ہو سکتی ہے؟۔ نیز عرض ہے کہ اگر ﴿جَآءُوْكَ﴾ سے نبی ﷺ کا ہمارے پاس موجود ہونا اور بریلویوں کا ان کے حضور حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنا ثابت ہوتا ہے تو اس سے متصل اگلی آیت بھی تو تلاوت کرنی چاہیے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾

"تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں"۔ (کنز الایمان)

کیا اس آیت سے اپنے جھگڑوں میں حضور ﷺ کو حاکم بنانا ثابت نہیں ہوتا؟ کیا بریلوی حضرات اپنے مقدمات لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے فیصلے کرواتے ہیں جواب نفی میں ہے تو کیا یہ مسلمان رہ گئے؟ فی الحال آپ کم از کم حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہی فیصلے کروالیں کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ بشر ہیں یا نہیں۔ رفع یدین کرنی چاہیے یا نہیں۔ آمین بالجہر کے بارے میں کیا خیال ہے وغیرہ تا کہ بریلویوں کو اپنے مسائل ثابت کرنے کے لیے لمبی چوڑی کتابیں لکھنے اور "ون سوتے" اجتہاد کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یقین جانئے جونہی نبی ﷺ فیصلہ صادر فرمادیں گے ہم فوراً سے پہلے ایمان لے آئیں گے۔

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا تو کجا بریلوی مقلدین تو حدیث نبوی ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کو تیار نہیں۔

۱۴۱ ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

"اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے"۔

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (الاعراف: ۱۵۶) "اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے"۔

ان آیات کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں معلوم ہوا حضور ﷺ جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ "جہانوں کو محیط"۔ مفتی صاحب نے صغریٰ کبریٰ تو خوب قائم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے بارے میں فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اسراء: ۸۲) تورات کو بھی رحمت فرمایا۔ (الانعام: ۱۵۴) قصاص میں تخفیف کو بھی رحمت فرمایا۔ (البقرہ: ۱۷۸) تو کیا ہر وہ شے جس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کا اطلاق کر دیا وہ جہانوں کو محیط اور حاضر ناظر ہو جائے گی؟ مومنوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ﴾ (النساء: ۱۷۵) "پس اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا"۔

رحمت اگر جہانوں کو محیط ہے تو کیا خیال ہے وہ مؤمن جو رحمت کے بیچ میں ہوں گے وہ بھی جہانوں کو محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہو جائیں گے۔ مفتی صاحب کے صغریٰ کبریٰ کا نتیجہ تو یہی ہونا چاہیے۔

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ﴾ (الانفال: ۳۳)

"اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے"۔

اس کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یعنی عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں"۔ مفتی صاحب ایسے دلائل دیتے ہیں کہ خود ہی ان میں پھنس جاتے ہیں اور صریحاً ان کے خلاف ہوتے ہیں۔ ان کی تشریح سے ثابت ہوا کہ بے شمار سابقہ اُمتوں پر جو عذابِ الٰہی آچکا ہے آپ کسی حیثیت سے بھی ان میں موجود نہیں تھے اور یہ بات بریلوی شریعت کے منافی ہے۔

اس آیت کا مفہوم ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے:

﴿وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل ۷۶ و ۷۷)

"اور بے شک قریب تھا کہ وہ تمہیں اس زمین سے ڈگا (ہٹا) دیں کہ تمہیں اس سے باہر کر دیں اور ایسا ہوتا تو وہ تمہارے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر تھوڑا دستور ان کا جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے"۔ (کنز الایمان)

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جب قوم نے اپنی بستیوں سے اپنے رسول کو نکالا تو انہیں بھی وہاں رہنا نصیب نہ ہوا عذاب میں گرفتار ہوئے"۔ انفال کی آیت میں ﴿وَ اَنْتَ فِيْهِمْ﴾ جو فرمایا گیا ہے اس کا مقصد ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آپ اس وقت واقعی بنفس نفیس مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ مفتی صاحب اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ حضور ہر وقت ہر مسلمان کے ساتھ ہیں اسی لیے ہم پر ہمارے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہیں آتا کیونکہ عذاب نہ آنے کی وجہ حضور ﷺ کی موجودگی ہے"۔ عرض ہے کہ جب کہیں زلزلہ آتا ہے یا سیلاب آتے ہیں یا حادثہ ہوتا ہے یا کوئی سنگین واردات ہوتی تو بھی بیسیوں کبھی سینکڑوں اور کبھی ہزاروں افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں تو کیا اس وقت آنحضرت ﷺ کہیں چہل قدمی کے لیے تشریف لے گئے ہوتے ہیں۔ کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہو رہا ہے کیا نبی ﷺ کے لیے وہاں ویزے کی پابندی ہے جو نہیں لگ رہا۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے ہم پر پہلی قوموں کی طرح ہمہ گیر عذاب نہ آنے کی وجہ حضور ﷺ کی موجودگی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی یہ دُعا ہے جو قبول ہوگئی:

((سالت ربی ثلاثا سالته ان لا يهلك امتی بالغرق فاعطانيها و سالته ان لا يهلك اُمتی بالسنة فاعطانيها و سالته ان لا يجعل باسهم بينهم فمنعنيها)). (عن سعد بن ابی وقاص مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ حدیث ۷۲۶۰)

"میں نے اپنے ربّ سے تین چیزیں مانگیں۔ ایک یہ کہ میری اُمت کو غرق کر کے نیست و نابود نہ کر دے جو منظور ہوگئی دوسری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ انہیں قحط میں مبتلا کر کے ختم نہ کر دے۔ یہ بھی منظور ہوگئی۔ تیسری یہ کہ ان میں باہم لڑائی نہ ہو، یہ نامنظور ہوگئی"۔

۱۴۲ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ﴾ (الحجرات:۷)

"اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں"۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مختلف جگہ رہتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سب جگہ ان کے پاس ہیں"۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ایک وقت آئے گا کچھ لوگ جہاد کریں گے اور پوچھیں گے:

((هل فيكم من صاحب رسول الله عليه وسلّم)).

"کیا تم میں صحابی ہیں"۔ جواب ملے گا: ہاں۔ تو انھیں فتح نصیب ہوگی۔ پھر ایک دور آئے گا کچھ لوگ جہاد کریں گے اور پوچھیں گے:

((هل فيكم من صاحب اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم)).

"کیا تم میں تابعی ہیں"۔ جواب ملے گا: ہاں۔ تو انھیں فتح نصیب ہوگی۔ پھر ایک دور آئے گا لوگ جہاد کریں گے اور پوچھیں گے:

((هل فيكم من صاحب من صاحب اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم)).

"کیا تم میں تبع تابعی ہیں"۔ جواب ملے گا: ہاں۔ تو انھیں بھی فتح نصیب ہوگی۔ (عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۱۵ حدیث ۳۰۴۹، مشکوۃ باب المناقب الصحابۃ ص ۵۵۳)

سوال یہ ہے کہ اس ﴿فِيْكُمْ﴾ کی وجہ سے کیا سب صحابہ تابعین اور تبع تابعین بھی ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق دوسرے دَور میں صحابہ رضی اللہ عنہم نہ رہے تیسرے دور میں تابعین بھی نہ رہے اور نبی ﷺ ان تینوں دوروں میں نہ رہے ورنہ نبی ﷺ کی موجودگی میں کسی کو یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ تم میں کوئی صحابی یا تابعی ہے یا نہیں۔ مفتی صاحب کی عبارت پر غور کیجیے، لکھتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مختلف جگہ رہتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سب جگہ ان کے پاس ہیں"۔ میں پوچھتا ہوں "تھے" "یا" "ہیں" کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ اگر نبی علیہ السلام ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو نبی ﷺ کے پاس ہی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "تھے" کیوں ہو گئے اور نبی ﷺ "ہیں" کیوں ہو گئے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے فلاں شخص اپنے مرحوم بیٹے کے پاس رہتا ہے بلکہ اس بات میں بھی کوئی حقیقت نہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں بھی ہر جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ہوتے تھے ورنہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ (النساء:٦٤)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں"۔ (کنز الایمان)

یعنی حضور ﷺ حاضر ہونے کی کیا ضرورت تھی کیا آپ سب جگہ ان کے پاس نہیں ہوتے تھے؟ قرآن پاک میں ہے:

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ﴾ (التوبہ:۱۰۸)

"اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہیے"۔ (کنز الایمان)

مفتی صاحب اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "یہ آیت کریم مسجد قباوالوں کے حق میں نازل ہوئی"۔ سوال یہ ہے کہ اہل قبا جن کی اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے کیا یہ بھی اب تک وہاں موجود یا ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ کیونکہ فِيْكُمْ اور فِيْهِ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(الف) ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام: ۷۵)

"اور اسی طرح ہم ابراہیم (علیہ السلام) کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی"۔ (کنزالایمان)

مفتی صاحب نے اسے بھی اپنے دلائل کی فہرست میں شمار کیا ہے لیکن یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا نبی علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ناظر ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کی بادشاہی دکھلائی تھی تو قصہ ختم ہوا۔ ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تفصیل علم غیب کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

(ب) ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؀﴾ (الفیل: ۱)

"کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا"۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ؀﴾ (الفجر: ۶)

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے ربّ نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا"۔

یہ آیات ذکر کر کے مفتی صاحب فرماتے ہیں قوم عاد اور اصحابِ فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ "کیا آپ نے نہ دیکھا؟" یعنی دیکھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ (الانعام: ۶)

"کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں"۔

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا مگر فرمایا گیا کیا نہ دیکھا انہوں نے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اُجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے"۔ یہ جواب نہیں تاویل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُجڑے ہوئے مکانات دیکھنے کی نہ ہلاکت دیکھنے کی بات کی۔ اُجڑے ہوئے مکانات دیکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوسرے الفاظ استعمال فرمائے، مثلاً:

﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ؀﴾ (النحل: ۳۶)

"تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا"۔ (کنزالایمان)

مفتی صاحب اس آیت کے حاشیہ میں بھی اپنا کام دکھا گئے ہیں۔ فرماتے ہیں: "معلوم ہوا عذابِ الٰہی اور قہر ربانی کا مشاہدہ کرنا ہو تو کفار کی بستی دیکھو لہٰذا اگر رحمت الٰہی کا نظارہ کرنا ہو تو اولیاء اللہ کے آستانے دیکھو وہاں کے نظارے کرو"۔ عرض ہے کہ کفار کی تباہ شدہ بستیوں میں تو اُجڑے ہوئے مکانات نظر آئیں گے ملبے کے ڈھیر اور کھنڈرات دکھلائی دیں گے اور عبرت کا سامان ہوگا۔ اولیاء اللہ کے آستانوں میں کیا نظر آئے گا۔ اگر آستانوں سے مراد مسنون قبریں ہیں تو صحابہ کرام اور تابعین سمیت جمہور مسلمانوں کی قبروں میں کیا نظارہ نظر آتا ہے۔ سوائے اس کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا فکر پیدا کرتی ہے۔ (عن ابن مسعود ابن ماجہ حدیث ۱۵۷۱ باب زیارۃ القبور ص ۱۱۲ مشکوٰۃ ص ۱۵۴) [1] اور اگر آستانوں سے مراد خوبصورت بلند گنبد ہیں اور نظاروں سے مراد "سلام" کے لیے آنے والی نئی نویلی دُلہنیں ہیں تو یہ نظارے واقعی "قابل دید" ہیں مگر یہ نظارے تو اب عام مل جاتے ہیں اور ہر جگہ "حاضر ناظر" ہیں۔

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پوچھتا ہوں آستانہ اگر شرعی لفظ ہے تو یہ قرآن و حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

آمدم بر سرِ موضوع مفتی صاحب کی چالاکی ملاحظہ ہو انہوں نے ﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ﴾ کو تو نقل کر دیا مگر ان آیات کو ہاتھ ہی نہیں لگایا جہاں ان کی مذکورہ تاویل نہیں چل سکتی تھی، جیسے فرمایا:

﴿ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ﴾ (الانبیاء:۳۰)

"کیا کافروں نے خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انھیں کھولا"۔ (کنز الایمان)

﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴾ (نوح:۱۵)

"کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر ایک"۔ (کنز الایمان)

﴿ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ (البقرہ:۵۰)

"اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا"۔ (کنز الایمان)

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ (البقرہ:۵۵)

"اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں۔ تو تمہیں کڑک نے آ لیا اور تم دیکھ رہے تھے"۔ (کنز الایمان)

سوال یہ ہے کافروں نے زمین و آسمان کو جڑے ہوئے (بند) اور پھر کھلتے ہوئے دیکھا۔ کیا قوم نوح نے اُوپر تلے سات آسمان دیکھے۔ کیا زمانہ نبوی ﷺ کے بنی اسرائیل نے آلِ فرعون کو ڈوبتے دیکھا اور کیا اُنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ستر ساتھیوں کو کڑک سے مرتے بھی دیکھا۔ کیا خیال ہے یہ کفار اور بنی اسرائیل بھی اپنی ولادت سے قبل حاضر ناظر تھے۔ کیونکہ ہر آیت میں قبل از ولادت دیکھنے کا ذکر ہی ہے۔ مولوی بریلوی صاحب نے ﴿ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے کیا کافروں نے خیال نہ کیا۔ اگر مفتی صاحب ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ ﴾ فعل میں بھی یہی مفہوم ملحوظ رکھ لیتے تو پھر انھیں مغالطہ نہ لگتا کہ آپ ﷺ نے دیکھا؟ کیا تو نے نہیں دیکھا یا کیا اس نے نہیں دیکھا۔ یہ دراصل محاورہ ہوتا ہے اس میں سچ مچ دیکھنا مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف معلوم ہونا یا معلوم کرانا مراد ہوتا ہے:

۱۴۳ ﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ (بقرہ:۳۰) "اور جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا"۔

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ﴾ (بقرہ:۵۴) "اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا"۔

اس قسم کی آیات کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں اس جگہ مفسرین اذکر محذوف مانتے ہیں۔ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو اور یاد وہ چیز کرائی جاتی ہے جو پہلے دیکھی بھالی ہو۔ ادھر توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گذشتہ واقعات حضور ﷺ کے دیکھے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے: ﴿ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ جواب دیا جائے گا کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تاریخ پڑھی تھیں آپ ﷺ کو بجز نور نبوت کے علم کا ذریعہ کیا تھا"۔ ایک طرف تو مفتی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یاد وہ شے کرائی جاتی ہے جو دیکھی بھالی ہو۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے متعلق یہ جواب دیتے ہیں کہ انھوں نے کتب تاریخ پڑھی تھیں۔ معلوم ہوا ان کا یہ خود ساختہ قانون خود انہی کے ہاتھوں ٹوٹ گیا کہ یاد کرانے کے لیے شے کا دیکھا بھالا ہونا ضروری ہے۔ تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب پڑھی ہوئی شے یاد کرائی جا سکتی ہے تو سنی ہوئی بات بھی یاد کرائی جا سکتی ہے۔ جب سورہ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوتی تھیں اس وقت نبی ﷺ کی عمر مبارک ۵۳ برس سے متجاوز تھی آپ شہری ماحول کے رہنے والے تھے اور قرآن پاک کا بہت سا حصہ نازل ہو چکا تھا کیا خیال ہے ابھی تک آپ بالکل خالی الذہن تھے۔ یاد رہے سورہ بقرہ مدنی ہے ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا ۸۷واں نمبر ہے۔

اور سورۃ الانعام مکی ہے ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر ۵۵واں ہے اس کے دسویں رکوع میں اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے آباء و ذریات کا ذکر ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب کا یہ فرمانا آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا؟ کتنی فضول بات ہے۔ سنیے قرآن پاک میں ہے:

(**الف**) ﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (المائدہ: ۱۱۵)

”اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم (علیہا السلام) کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو اللہ کے سوا“۔ (کنز الایمان)

اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: ”روز قیامت عیسائیوں کی توبیخ کے لیے“ یہاں بھی اِذْ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو کیا قیامت بھی نبی ﷺ کی دیکھی بھالی ہے۔ اس سے پہلا رکوع یہاں سے شروع ہوتا ہے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (المائدہ: ۱۰۹)

”جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے“۔

یہاں بھی مفسرین اذکر محذوف مانتے ہیں۔ (جامع البیان قرطبی وغیرہ) تو کیا واقعات قیامت حضور ﷺ کے دیکھے بھالے تھے۔ دراصل دیکھے بھالے ہونے کی شرط سرے سے ہے ہی غلط۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (بقرہ: ٦٣) ”تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا“۔

تو کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھالا ہوا ہے۔ نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((اکثروا ذکرھا زم اللذات الموت)). (عن ابی ہریرہ، ترمذی حدیث ۲۳۰۷، نسائی حدیث ۱۸۲٤، مشکوۃ ص ۱٤۰) [1]

”لذتیں مٹا دینے والی موت کو بہت یاد کرو“۔

تو کیا مرنے سے پہلے کبھی کسی نے موت کا ذائقہ چکھا ہے مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ آپ کو بجز نورِ نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بریلویوں کا نور نبوت پر ایمان ہے وحی الٰہی پر ایمان نہیں ہے۔ کیا بریلوی حضرات آسان لفظوں میں اس نورِ نبوت کی تشریح فرما سکتے ہیں۔

(**ب**) ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٦)

”نبی ﷺ مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں“۔ (ترجمہ مفتی صاحب)

اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں: ”سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے"۔ اس آیت کو اپنے حق میں ڈھالنے کے لیے مفتی صاحب نے اولیٰ کا معنی قریب کیا ہے ورنہ ان کے مولوی بریلوی صاحب نے اولیٰ کا معنی مالک کیا ہے۔ جس سے ان کا استدلال ختم ہو جاتا ہے۔ اولیٰ کے معنی نہ تو مالک کے ہیں نہ جغرافیائی لحاظ سے قریب کے ہیں بلکہ ((احق اجدر)) یعنی زیادہ حق دار اور زیادہ لائق کے ہیں۔ جیسے اسی آیت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ﴾ (احزاب:۶)

"اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اور مسلمانوں اور مہاجروں کے"۔ (کنز الایمان)

نیز قرآن پاک میں ہے:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ... الخ﴾ [آل عمران:۶۸]

"بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے"۔ (کنز الایمان)

﴿اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ (النساء:۱۳۵)

"وہ غنی ہو یا فقیر بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے"۔ (کنز الایمان)

﴿فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ (محمد:۲۰)

"تو ان کے حق میں بہتر یہ تھا کہ فرمانبرداری کرتے اور اچھی بات کہتے"۔ (کنز الایمان)

﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝﴾ (مریم:۷۰)

"پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں جھونکنے کے زیادہ لائق ہیں"۔ (کنز الایمان)

ان آیات میں کہیں بھی اولیٰ کا وہ معنی فٹ نہیں بیٹھتا جو مفتی صاحب نے فرمایا ہے: ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ میں اگر اولیٰ کا معنی زیادہ قریب کے بھی کیے جائیں تو اس سے حضور ﷺ کا بذاتِ خود قریب ہونا مراد نہیں بلکہ بلحاظ نبوت کے بلحاظ حاکم کے بلحاظ شفقت مہربانی اور خیر خواہی کے قریب ہونا مراد ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ و الناس اجمعین)).

(عن انس بخاری ص ۷ حدیث ۱۵، مسلم ج ۱ ص ۴۹ حدیث ۱۶۹، مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ۱۲)

"بخدا تم میں کوئی مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ میں اسے اس کی اولاد سے ماں باپ سے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔

نیز اسی آیت کا حوالہ دے کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فایما مومن مَاتَ وَ تَرَكَ مَالًا فلیرثہ عَصَبَتُہٗ من کانوا و مَنْ ترک دینا او ضیاعا فلیاتنی فانا مولاہ)).

(عن ابی ہریرہ بخاری ص ۳۲۳ حدیث ۲۳۹۹)

"جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے تو اس کا عصبہ اس کا وارث ہوگا خواہ وہ کوئی بھی ہوں اگر وہ قرضہ یا بچے وغیرہ چھوڑ کر مرے تو میں اس کا مولیٰ ہوں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اولیٰ کا وہ مفہوم معتبر ہے جو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے یا وہ جو مفتی صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے اسی زیادتی قرب کی وجہ سے (حضور علیہ السلام) آنکھ سے نظر نہیں آتے"۔ میں پوچھتا ہوں مثلاً وہ کونسی شے ہے جو زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے ہمیں نظر نہ آئے تو باقی جو حواس اربعہ ہیں کم از کم ان میں سے ہی کسی حاسہ کو محسوس ہونی چاہیے۔ مقلدوں کو قرآن وسنت بھی شاید اسی لیے نظر نہیں آتے کہ وہ بہت قریب ہیں۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:١٦)

"اور ہم دِل کی رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں"۔ (کنز الایمان)

اس کے حاشیہ میں ان دونوں آیتوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ ربّ ہم سے شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور حضور ﷺ جان سے زیادہ قریب، سبحان اللہ"۔ یہ پہلے فرما چکے ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان ہے۔ ثابت ہوا مفتی صاحب کے نزدیک نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ سبحان اللہ انہوں نے کہہ دیا ہے حالانکہ یہ مجھے کہنا چاہیے تھا۔ کیا سبحان اللہ اس وقت کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی شان میں کمی کی جائے؟ یہ حضرت اللہ تعالیٰ کی شان نبی ﷺ سے گھٹاتے ہیں پھر شاید داد لینے کے لیے کہتے ہیں، سبحان اللہ ان کے سبحان اللہ کہنے پر۔ سبحان اللہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا:

((ان اولی الناس بی المتقون من کانوا او حیث کانوا)). (مسند احمد حدیث ٢٢٠٥٢ ج ٥ ص ٢٩٢ مشکوٰۃ کتاب الرقاق ص ٤:٦) ❶

"میرے قریب وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ کوئی بھی ہوں کہیں بھی ہوں"۔

اگر اس اولیٰ کے معنی بھی وہی کیے جائیں جو مفتی صاحب کے نزدیک ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا جہاں جہاں نبی ﷺ ہیں وہاں وہاں متقی ہیں۔ لہٰذا سبھی حاضر ناظر ہو گئے۔

احادیث کے بیان میں

تمام وہ احادیث جو مفتی صاحب نے علم غیب کی تائید میں پیش کی ہیں ان سے مسئلہ حاضر و ناظر کے استدلال پر بھی اشارہ فرمایا ہے ان کا جواب اپنے مقام پر ہو چکا ہے۔ مفتی صاحب نے بحث کو گڈمڈ کر دیا ہے وہ اس طرح کہ علم غیب تو ایک علم کا نام ہے یعنی کہ نبی علیہ السلام زمانہ قبل از آدم سے لے کر تا قیامت پوری کائنات کا علم رکھتے ہیں، اور حاضر و ناظر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ زمانہ قبل از آدم سے لے کر تا قیامت پوری کائنات میں ہر جگہ موجود ہیں۔ جو حدیثیں علم غیب سے متعلق ہیں وہ حاضر ناظر کی دلیل کیسے بن سکتی ہیں۔ چنانچہ مفتی صاحب نے خود لکھا ہے پنجاب والے کے لیے بمبئی غیب نہیں کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے۔ (ص ٣٩) اور یہ بھی لکھا ہے عالم میں حاضر ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو کفِ دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے۔ (ص ۱۳۸) تو جو شخص عالم کو کف دست کی طرح دیکھتا ہو۔ دور نزدیک کی آوازیں سنتا ہو اور ہر زمانے میں ہر موقع پر موجود اور ہر واقعہ کا عینی شاہد ہو اس کے لیے بمبئی کی طرح کوئی شے غیب کیسے ہو سکتی ہے۔ اور اگر محض سن لینے کی وجہ سے پنجاب والے کے لیے بمبئی غیب نہیں تو جو باتیں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بتلا دیں اور عطا کر دیں وہ غیب کیسے کہلا سکتی ہیں۔ ثابت ہوا کہ علم غیب کا عقیدہ رکھنا ہر لحاظ سے غلط ہے ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی علم دیا دوسرے اس لیے کہ آپ ﷺ خود حاضر ناظر ہیں۔ اور اگر علم غیب کا عقیدہ رکھے بغیر ان کی روٹی ہضم نہیں ہوتی تو پھر حاضر و ناظر کے عقیدے سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ بلکہ وحی الٰہی کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ ہر جگہ اور ہر زمانے میں حاضر ناظر کا عقیدہ پڑھ کر مجھے مشہور لکھاری جناب اے حمید صاحب کی بچوں کے لیے لکھی کہانیاں یاد آ جاتی ہیں جن میں وہ اپنے کرداروں کو جس زمانے میں چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں۔

﴿۱۲۴﴾ مفتی صاحب نے ایک حدیث کا ٹکڑا نقل کیا ہے:

((فيقولان ما كنت تقول في هٰذا الرجل لمحمد)). (عن انس بخاری ص ۱۸٤ حدیث ۱۳۷٤)

"نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم ان کے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے ہو"۔ (ترجمہ مفتی صاحب)

پھر فرماتے ہیں: معلوم ہوا قبر میں میت کو حضور ﷺ کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ مُردے دفن ہوتے ہیں تو اگر حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟

گزارش ہے کہ قبر برزخی زندگی ہے اور بات دُنیا کی ہو رہی ہے نہ کہ عالم برزخ کی۔ مفتی صاحب نے نبی ﷺ کو برزخ میں حاضر و ناظر ثابت کر کے دنیا میں عقیدہ حاضر ناظر کو خطرہ میں ڈال لیا ہے۔ کیونکہ اس برزخی حاضری کے لیے انھوں نے دیدار کو ثبوت بنایا ہے۔ یعنی دیدار ثبوت ہے حاضری کا جو برزخ میں ہے اور دُنیا میں نہیں ہے۔ اس کی تائید میں خود مفتی صاحب نے اپنے مولوی بریلوی صاحب کا شعر بھی پیش کیا ہے ؎

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

معلوم ہوا دنیا میں نبی ﷺ حاضر و ناظر نہیں ہیں ورنہ یہاں بھی آپ ﷺ کا دیدار ہوتا۔ ان کی تحریر سے ثابت ہو گیا جو لوگ بیداری میں نبی ﷺ کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ نے بیداری میں کسی کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا ہوتا تو کم از کم اعلیٰ حضرت اس سے محروم نہ رہتے اور انہیں اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کے لیے مرنے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔ مگر ان اعلیٰ حضرت کا یہ عقیدہ ہے:

((لا موت لهم الا انيا تصديقا للوعد ثم هم احياء و ابدا بحياة حقيقية دنياوية روحانية)).

(فتاوی رضویه ج۱ ص ۶۱۰)

"انبیاء کرام علیہم السلام پر صرف ایک لمحہ کے لیے بطور تصدیق موت آتی ہے۔ پھر انہیں ہمیشہ کے لیے حقیقی، دنیاوی، روحانی اور جسمانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے"۔

ان اعلیٰ حضرت کا یہ بھی عقیدہ ہے اولیاء اگر چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ دعوت قبول کر سکتے ہیں۔ (الملفوظات ص ۱۱۳) تو کیا یہ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ دعویٰ ان کا حاضر و ناظر ہونے کا ہے جب کہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں "ثبوت" صرف حاضر ہونے کا ہے ناظر ہونے کا نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے قبر میں صرف حضور ﷺ کی شکل مبارک دکھلائی جاتی ہو۔ اگر شکل کا نظر آنا ہی حاضر و ناظر ہونے کی دلیل ہے تو ٹی وی میں نظر آنے والی تصویروں کو بھی حاضر و ناضر ہی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ گھر گھر میں نظر آ رہی ہیں۔ علمائے کرام کے نزدیک ((ھذا الرجل)) کا اشارہ اس تصویر کی طرف ہے جو نبی ﷺ کے متعلق ہر مسلمان اور کافر کے ذہن میں قائم ہے چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ مروی ہیں:

((ما ھذا الرجل الذی کان فیکم)) "یہ آدمی جو تم میں تھا کون تھا؟"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے:

((ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم)). (مسند احمد حدیث ۱۸۵۳٤ ج ٤ ص ۲۷۹) "یہ آدمی جو تم میں بھیجا گیا کون تھا؟" [1]

مفتی صاحب کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: اگر ایسا ہوتا تو کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے ((لا ادری)) کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں ہے۔

عرض ہے اگر حضور ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ کر پہچاننے کی بات ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا حضور ﷺ کی شکل مبارک کو کون پہچانتا ہے؟ سب نے حضور ﷺ کے بارے میں سنا ہی ہے شاید ہی کوئی ہوگا جس نے نہ سنا ہو۔ مسلمانوں نے بھی سنا ہے کافروں نے بھی سنا ہے۔ فرق تو صرف ایمان لانے اور نہ لانے کا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لا یبقی علی ظهر الارض بیت مدر و بر الا ادخله الله کلمة الإسلام بعز عزیز و ذل ذلیل اما یعزهم الله فیجعلهم من اهلها او یذلهم فیدینون لها)). (عن مقداد بن اسود، مسند احمد حدیث ۲۳۸۱٤ ج ٦ ص ۳۰۸ مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ١٦) [2]

"اور زمین پر مٹی یا خیمے کا کوئی گھر ایسا نہیں رہے گا جہاں اللہ تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہیں فرمائے گا۔ کوئی اسلام قبول کر کے عزت پائے گا اور کوئی انکار کر کے ذلت پائے گا اور اسلام کے ماتحت ہوگا (مراد جزیرہ عرب کی سرزمین ہے)"۔

میرے خیال کے مطابق ((ھذا الرجل)) کے الفاظ نکیرین کی بجائے آنحضرت ﷺ کے بھی ہو سکتے ہیں یعنی ((ھٰذا)) کا اشارہ قریب خود آپ ﷺ کی اپنی جانب تھا۔ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا نکیرین میت سے اس شخص کے (یعنی میرے) بارے میں پوچھتے ہیں محمد ﷺ کے الفاظ راوی کے ہیں۔ (عن انس بخاری ص ۱۸۴ حدیث ۱۳۷۴) یعنی رجل سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

((ھذا الرجل)) کے الفاظ نکیرین کے بھی مانے جائیں تو ضروری نہیں کہ ((ھٰذا)) کا اشارہ قریب کے لیے ہی ہو۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے لکھا ہے: "((ھٰذا)) کا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا دکھا کر پوچھتے ہیں"۔ ((ذٰلك)) اشارہ بعید کے لیے ہے مگر حافظ ابن کثیر ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سعدی، مقاتل بن حیان، زید بن اسلم اور ابن جریج نے کہا کہ اس آیت میں ﴿ذٰلِكَ﴾ بمعنی ھٰذا یعنی قریب کے لیے ہے۔ آگے کہتے ہیں ذٰلِكَ اور ھٰذا دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور یہ کلام میں عام بات ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی جلالین میں ذٰلِكَ کا معنی ھٰذا کیا ہے۔ اس طرح ھٰذا

تخریج: [1] صحیح ہے۔ [2] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے شک، اشارہ قریب کے لیے ہے مگر بعید کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔ شاہِ روم ہرقل کے دربار میں ابوسفیان کا اس سے مکالمہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اس نے کفار قریش سے کہا تھا:

((ایکم اقرب نسبا بھٰذا الرجل الذی یزعم انه نبی)).

"یہ شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں کون اس کا سب سے قریبی رشتہ دار ہے"۔

جب ابوسفیان نے بتلایا کہ میں ہوں، تو ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا:

((قل لھم انی سائل ھذا عن ھذا الرجل)). (عن ابن عباس بخاری ص ٤ حدیث ٧)

"قریش سے کہو میں اس (ابوسفیان) سے اس شخص (یعنی نبی علیہ السلام) کے بارے میں سوال کروں گا"۔

اب کہاں بیت المقدس اور کہاں مدینہ منورہ فاصلے کی اس دوری میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے لیے ((ھٰذَا الرجل)) استعمال کیا گیا۔ کیا اس وقت ہرقل وغیرہ کو حضور ﷺ کا دیدار ہو رہا تھا۔

مفتی صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے اس کا غلط ہونا اس بات سے بھی عیاں ہے کہ نکیرین کے سوال کے جواب میں مومن یہ نہیں کہتا: ((ھٰذَا عبداللہ و رسوله)) بلکہ یہ کہتا ہے ((اشھد انه عبداللہ و رسوله)) (عن انس بخاری ص ١٨٤ حدیث ١٣٧٤) یا یوں کہتا ہے: ((ھو عبداللہ و رسوله اشھد ان لا اله الا اللہ و ان محمدا عبده و رسوله)) (عن ابی ہریرہ ترمذی حدیث ١٠٧١ باب عذاب القبر مشکوۃ ص ٢٥) ✿ یا یوں کہتا ہے: ((ھو رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم)) (عن براء بن عازب مسند احمد حدیث ١٨٥٣٤ ج ٤ ص ٢٧٩ ابوداؤد حدیث ٤٧٥٣ کتاب السنة مشکوۃ ص ٢٥) ✿ اور مندرجہ ذیل واقعہ سے تو مفتی صاحب کے زعم کی بالکل قلعی کھل جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک کالا سا آدمی تھا یا عورت تھی، جو مسجد میں صفائی کرتے تھے۔ وہ فوت ہو گیا۔ نبی ﷺ کو اس کی موت کا علم نہ ہو سکا۔ ایک روز آپ ﷺ نے اس کا ذکر کیا اور فرمایا اسے کیا ہوا؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو فوت ہو گیا ہے۔ فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی۔ لوگوں نے کچھ وجہ بیان کی اور مرنے والوں کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر بتلاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری ص ١٧٨ حدیث ١٣٣٧، مشکوۃ کتاب الجنائز ص ١٤٥) اگر نبی ﷺ عالم الغیب تھے یا ہر قبر میں حاضر ناظر تھے تو آپ ﷺ کو پتہ ہی نہ چلا کہ کون فوت ہوا کب فوت ہوا اور اس کی قبر کہاں ہے۔ میں پوچھتا ہوں: جب نکیرین نے اس مرنے والے سے پوچھا ہوگا: ((ماتقول فی ھذا الرجل)) تو اسے کیا دکھلایا گیا ہوگا؟ کتنی عجیب بات ہے نبی علیہ السلام کو تو اپنا حاضر و ناظر ہونا معلوم نہیں مگر بریلویوں کو معلوم ہے۔ پتہ نہیں یہ کس طرح سونگھ لیتے ہیں۔ میں اگر بریلویوں کو اس کائنات کا آٹھواں عجوبہ کہوں تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: میں نے انہیں خواب میں سفید لباس پہنے دیکھا ہے۔ اگر وہ جہنمی ہوتے تو ان پر کوئی اور لباس ہوتا۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسند احمد ج ٦ ص ٦٥ حدیث ٢٤٣٦٧، ترمذی باب الرؤیا حدیث ٢٢٨٨، مشکوۃ کتاب الرؤیا ص ٣٩٦) ✿

اگر نبی ﷺ قبر میں یا کسی جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو کیا آپ کو خواب کا حوالہ دینے کی ضرورت تھی۔ بقول مفتی صاحب ہر قبر اور

تخریج: ✿ صحیح ہے۔ ✿ صحیح ہے۔ ✿ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر جگہ جلوہ گری تو ایک طرف رہی قبل ازیں بیان ہو چکا ہے ایک وقت تھا نبی ﷺ کو یہ تک خبر نہ تھی کہ قبر میں مرنے والوں کا امتحان بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسند احمد بحوالہ فتح الباری ج ۳ ص ۲۳۶) ❶

یہ لطیفہ بھی ملاحظہ فرمایئے، مفتی صاحب نے حاضر و ناظر پر استدلال کرنے کی خاطر ((ما تقول فی هذا الرجل لمحمد)) والی حدیث تو بیان کر دی ہے مگر ((فی هذا الرجل)) کا ترجمہ کرنے کی ہمت نہیں فرما سکے کیونکہ اس کا ترجمہ بریلوی مسلک کے خلاف ہے۔ترجمہ کیا ہے ان کے (محمدؐ رسول اللہ) کے بارے میں۔ جو سراسر غلط ہے۔ لفظ ان کے تو ضمیر کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔ یہاں مشار الیہ اسم ظاہر ہے۔صحیح ترجمہ یہ ہے اس مرد یا اس آدمی کے بارے میں۔ آگے چل کر مفتی صاحب نے فتاویٰ عالمگیری وغیرہ سے لکھا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کو ((هٰذَا الرجل)) یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے۔ (ص ۱۷۳) تو جب ان کے نزدیک نبی ﷺ ((هٰذَا الرجل)) ہیں ہی نہیں اور یہ الفاظ اس قابل بھی نہیں کہ ان کا ترجمہ کیا جا سکے بلکہ تقریباً کفریہ الفاظ ہیں تو ان سے انہیں استدلال کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اور یہ ان سے کیونکہ حضور ﷺ کو مراد لیتے ہیں کیونکہ ((لمحمد)) تو راوی کا بیان ہے۔ نبی ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانے ((هٰذَا الرجل)) سے نبی ﷺ کا کیا مطلب تھا؟

بریلویوں کے فوائد فریدیہ میں لکھا ہے: جان لو اپنا شیخ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے مرنے کے بعد قبر میں آ جاتا ہے اور اپنے مرید کی طرف سے فرشتوں کو حق کے مطابق جواب دیتا ہے اور اسے نجات دلاتا ہے۔ پس ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ شیخ کامل کو پکڑیں، تاکہ شفیع ہو۔ (ص ۶۰)

سوال یہ ہے کیا نبی ﷺ کا قبر میں آ جانا کافی نہیں ہوتا۔ تاہم شیخ کامل کی بھی قبر میں ضرورت پڑ جاتی ہے، یا نبی ﷺ کامل نہیں ہیں؟ نعوذ باللہ

﴿۱۴۵﴾ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے، فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے۔ (بخاری ص ۱۵۲ حدیث ۱۱۲۶، مشکوۃ باب التحریض علی قیام اللیل ص ۱۰۹) ❷ مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشم خود ملاحظہ فرما رہے تھے۔" یہ استدلال بالجبر ہے۔ اگر ایک رات خواب میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آئندہ نازل ہونے والے خزانوں اور عذابوں کی جھلک دکھلا دی تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ آپ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ایک واقعہ جو ابھی رونما بھی نہ ہوا ہو اسے جاگتے میں سر کی آنکھوں سے کیسے دیکھا جا سکتا ہے بلکہ "بچشم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں" سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یعنی بعد میں بھی ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ یہ مفتی صاحب کی کرامت ہے کہ انہوں نے ماضی حال اور مستقبل کو ایک ہی زمانہ بنا دیا ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی واقعہ ۹۹ء میں وقوع پذیر ہوتا ہو تو کوئی کہے کہ میں فلاں کی برأت یا فلاں کا جنازہ ۷۰ء میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ ۸۰ء میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ ۹۰ء میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اور اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ یا فلاں دن ہونے والا ختم شریف میں ہر زمانے میں دیکھ رہا ہوں یا فلاں دن ہونے والی قوالی میں ہر زمانے سن رہا ہوں یا فلاں روز کھلنے والا پھول میں ہر زمانے میں سونگھ رہا ہوں یا فلاں دن چوری کرنے والے کو میں ہر اگلے پچھلے زمانے میں پکڑ رہا ہوں۔ ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے والے کو لوگ یہی کہیں گے کہ یہ مالیخولیا کا مریض ہے۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الف) غزوہ موتہ کے موقع پر حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسو بہاتے ہوئے خبر آنے سے پہلے خبر دے دی اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح عنایت فرمائی۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۳۱ حدیث ۳۷۵۷، مشکوۃ باب المعجزات ص ۵۳۳) اس کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ موتہ جو مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔" مفتی صاحب نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہانے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ یہ ذکر کرنے سے ان کا استدلال ختم ہو جاتا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر موتہ کا منظر دیکھ رہے ہوتے تو پھر آپ کو یہ اطلاع رننگ کمنٹری کی طرح اسی وقت دے دینی چاہیے تھی اور آنسو بھی اس وقت بہہ جانے چاہئیں۔ تھے جب یہ دلخراش حادثہ پیش آ رہا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سب واقع مکمل ہو جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کا علم ہوا تب ہی آپ نے اطلاع دی اور تب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکلے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ واقعہ کو گزرے کافی وقت گزر چکا ہو اور آنسو اتنی دیر اٹکے رہے ہوں۔

(ب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں برسر منبر ارشاد فرمایا:

((و ان موعدکم الحوض و انی لا نظر الیہ من مقامی ھذا))۔ (عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۷۸ حدیث ۴۰۴۲، مشکوۃ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۴۷)

"تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں"۔ (ترجمہ مفتی صاحب)

مفتی صاحب نے حدیث کے اس ٹکڑے سے بھی حاضر و ناظر پر استدلال فرمایا ہے۔ اور چالاکی یہ کی ہے کہ آخری لفظ ((ھٰذَا)) کو حذف کر دیا ہے کیونکہ یوں ان کی دلیل نہیں بنتی تھی۔ اس لیے کہ ((ھٰذَا)) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقتی معجزہ تھا۔

نیز بخاری شریف ۵۷۸ پر یہ الفاظ ہیں ((من مقامی ھذا)) اور بخاری شریف ص ۸۸۸ اور ص ۹۷۹ اور مسلم ج ۲ ص ۲۵۰ پر ((الان)) کے الفاظ ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص اس وقت کی بات ہے۔

۱۳۶ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظھری))۔ (عن انس رضی اللہ عنہ، بخاری ص ۱۰۰ حدیث ۷۲۵)

"اپنی صفیں سیدھی رکھو ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں" د

مفتی صاحب نے یہ حدیث یہیں تک بیان کی ہے۔ متصل آگے الفاظ خلافِ مصلحت سمجھ کر نقل نہیں فرمائے جو یہ ہیں:

((و کان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ و قدمہ بقدمہ))۔

"ہم ایک دوسرے کے کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے تھے"۔

غور فرمایئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا مطلب یہ سمجھا کہ صف میں نمازیوں کے کندھے اور پاؤں ملے ہونے چاہئیں۔ مگر بریلویوں نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ میرے بھائی جیسا کہ اس صحیح حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی اقتداء میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے ملاحظہ بھی فرما رہے ہوتے تھے تو کیا بریلویوں کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دیکھنا معتبر ہے یا نہیں۔ اگر معتبر ہے تو پھر تم کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح صف بنانی چاہیے اور تب کوئی بات کرنی چاہیے۔ مگر ظاہر ہے کہ بریلویوں کے نزدیک نبی علیہ السلام کا یہ دیکھنا دلیل نہیں ہے تو پھر اس سے حاضر وناظر پر استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے یہ بھی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہوتا تھا ورنہ میں پوچھتا ہوں نبی علیہ السلام کو یہ بات بتلانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم نہیں تھا کہ آپ صرف پیچھے بلکہ دائیں بائیں اور نیچے عرش تا فرش ثریا تا ثریٰ ہر جگہ دیکھتے ہیں اور حاضر وناظر ہیں۔

﴿۱۴۷﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں: حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی پہاڑی پر کھڑے ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا:

((فانی اری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر)). (عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۴۶ حدیث ۷۰۶۰، مشکوۃ باب الفتن ص ٤٦٢)

"میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں"۔

معلوم ہوا کہ یزیدی حجازی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انھیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے"۔ سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا صرف یزیدی اور حجازی فتنے ہی نظر آرہے تھے؟ یہ عراقی فتنے، یہ کوفی فتنے، یہ شیعی، حنفی، رضاخانی فتنے نظر نہیں آرہے تھے؟

آگے لکھتے ہیں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور وقریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت وعلم عطا فرماتا ہے"۔ عجیب بات ہے کہ پہلے خود لکھ آئے ہی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا نہیں"۔ پھر نہ جانے وہ کون سے خدام ہیں کہ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ قدرت وعلم عطا ہوجاتا ہے۔ کیا بریلوی خدام کا مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ہے۔ نبی علیہ السلام سے براہِ راست فیض پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ تو موتہ کا منظر نظر آیا، نہ حوض کوثر نظر آیا نہ پیچھے سے نظر آیا نہ فتنے نازل ہوتے نظر آئے مگر بریلویت کے خدام کو سب کچھ نظر آجاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دورانِ خطبہ میں آواز دی: ((یا ساریۃ الجبل)).[1] (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ دلائل النبوۃ بیھقی، مشکوۃ باب الکرامات ص ٥٤٦) "اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہوجا"۔ اس روایت سے مفتی صاحب نے علم غیب پر بھی استدلال فرمایا ہے۔ اور اب حاضر وناظر پر بھی۔ سوال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ پوچھا تھا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو تو انھوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شامل نہیں تھے۔ کیا بریلویوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ معجزات وکرامات مستقل صفت نہیں ہوتے مفصل جواب علم غیب کی بحث میں گزر چکا ہے۔

﴿۱۴۸﴾ مفتی صاحب نے فقہ اکبر اور جامع کبیر للسیوطی کے حوالے سے حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں گویا عرشِ الٰہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔ جب آفتاب کے ذرّوں کی نظر کا یہ حال ہے کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کونین کی نظر کا کیا پوچھنا"۔ اس بے سند واقعہ سے آفتاب کی نظر تو ثابت نہیں ہوتی البتہ حکیم الامت صاحب

تخریج: [1] حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جہالت ضرور آشکارا ہو جاتی ہے۔ اگر اس واقعہ میں کچھ سچائی ہو تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ حارث مذکور کا ایمان بالغیب اتنا پختہ اور یقینی تھا کہ گویا انھیں یہ سب چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ اگر انھیں سچ مچ نظر آ رہی تھیں تو انھیں بار بار گویا کہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے احسان کے متعلق جبریل علیہ السلام کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((ان تعبد اللہ کانک تراہ))۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۲ حدیث ۵۰)

"اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو"۔

تو کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ واقعی نظر آتا ہے؟

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف پڑھائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

((رایناك تناولت شیئًا فی مقامك ھذا ثم رأینك کعکعت فقال انی رأیت الجنة فتناولت منھا عنقودا او لو اخذته لاکلتم منه ما بقیت الدنیا و رأیت النار فلم أرَ منظرًا کالیوم قط افظع))۔

(عن ابن عباس رضی اللہ عنھما بخاری ص ۱۴۴ حدیث ۱۰۵۲، مسلم ج۱ ص ۲۹۸، حدیث ۲۱۰۹، مشکوۃ ص ۲۹)

"ہم نے دیکھا کہ آپ یہاں کھڑے ہو کر کچھ پکڑنے لگے تھے۔ پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے ہٹتے دیکھا۔ تو فرمایا: "میں نے جنت دیکھی میں اس سے انگوروں کا گچھا پکڑنے لگا تھا اگر پکڑ لیتا تو تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے اور میں نے جہنم دیکھی تو میں نے اتنا خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا"۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں: "صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز میں یہ جنبش کیسی تھی؟ فرمایا: ہم پر جنت پیش کی گئی کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اس سے پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کھڑے ہیں، ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا، جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر۔ یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے"۔

مفتی صاحب جنبش کا لفظ لکھ کر بات گول کر گئے ہیں۔ انہوں نے تکعکت کا ترجمہ نہیں کیا شاید تاکہ یہ سوال پیدا نہ ہو جائے کہ جب "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک اتنا لمبا تھا کہ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر پہنچ گیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگور توڑنے کے لیے آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر پیچھے کس وجہ سے ہٹنا پڑا؟

مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں، ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جو بالکل غلط بیانی اور قلت مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ نمازِ کسوف والی روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

((قد دنت منی الجنة حتی لو اجترءت علیھا لجئتکم بقطاف من قطافھا و دنت منی النار))۔

"تحقیق جنت میرے قریب آ گئی حتیٰ کہ اگر میں چاہتا تو اس کا ایک خوشہ توڑ کر تمہارے پاس لا سکتا تھا اور جہنم بھی میرے قریب آ گئی"۔ (بخاری ص ۱۰۳ حدیث ۷۴۵)

یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

((لقد جئی بالنار و ذلکم حین رأیتمونی تاخرت مخافة ان یصیبنی من لفحھا.... ثم جئی بالجنة و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذلکم حین رأیتمونی تقدمت حتی قمت فی مقامی))۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۹۸ حدیث ۲۱۰۲)

"جہنم لائی گئی اور یہ اس وقت تھا جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا اس ڈر سے کہ اس کا شعلہ مجھ تک نہ پہنچ جائے۔ پھر جنت لائی گئی اور یہ اس وقت تھا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا"۔

اس سے ثابت ہوا مدینہ میں کھڑے حضور ﷺ کا ہاتھ جنت میں نہیں پہنچا تھا بلکہ جنت اور دوزخ آپ ﷺ کے قریب کر دی گئی تھیں۔ اور یہ وقتی معجزہ تھا۔ اگر جنت دوزخ کا دیدار حضور ﷺ کی مستقل صفت ہوتا تو جنت دیکھ کر نماز کے بیچ میں آگے بڑھنے اور دوزخ سے گھبرا کر پیچھے ہٹنے کا کیا مطلب تھا؟ حتیٰ کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا والی روایت کے مطابق اس نماز ہی کے دوران نبی ﷺ کا فرشتوں سے اہل جہنم کے بارے میں بات چیت کرنا بھی ثابت ہے۔

مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ حضور ﷺ مدینہ میں کھڑے ہیں... الخ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ بذاتِ خود مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے ہیں، البتہ آپ ﷺ کا ہاتھ ہر جگہ حاضر ہو جاتا ہے۔ تو پھر انھیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ حضور ﷺ آگئے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کا ہاتھ آ گیا۔ جیسا کہ آخر میں مفتی صاحب نے نتیجہ نکالتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے: "حضور ﷺ کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے"۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کا ہاتھ اتنا ہی لمبا چوڑا اور پوری کائنات میں پھیلا ہوا ہے تو پھر آئے دن جو کشتیاں ڈوبتی رہتی ہیں، جہاز گرتے رہتے ہیں، گاڑیوں کی ٹکر ہوتی رہتی ہے، بلکہ غداروں کی مہربانی سے ملک بھی ٹوٹتے اور ڈوبتے رہتے ہیں، تو کیا وہاں تک نبی ﷺ کے ہاتھ کی رسائی نہیں ہوتی؟ سقوطِ بغداد، سقوط اندلس اور سقوطِ ڈھاکہ جیسے واقعات کیوں نبی ﷺ کے دستِ کرم سے محروم رہ گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی "مشکل کشا" کی مدد بھی نہ فرمائی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کی خاک میں تڑپنے سے بچا نہ سکے، وہ بے چارے دہائی دیتے رہ گئے۔ غزوۂ اُحد میں سچ مچ حاضر ناظر ہونے کے باوجود حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ ایسے سینکڑوں واقعات ہیں۔ آخر آپ ﷺ نے کیا کر لیا؟ آپ ﷺ کا بیٹا ابراہیم آپ کے ہاتھوں میں دم توڑ گیا۔ آپ ﷺ تو اسے بھی بچا نہ سکے۔ آپ ﷺ کو کہنا پڑا:

((انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون))۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۷٤ حدیث ۱۳۰۳، مسلم ج ۲ ص ۲٥٤ حدیث ٦٠٢٥، مشکوۃ باب البکاء علی المیت ص ۱٥٠)

"اے ابراہیم! ہمیں تیری جدائی کا صدمہ ہے"۔

فتح مکہ سے قبل حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کو خط بھیجا۔ وہ خط حاصل کرنے کے لیے نبی ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو روضہ خاخ کے مقام پر روانہ فرمایا۔ (عن علی رضی اللہ عنہ بخاری ص ۶۱۲ حدیث ۴۲۷۴) سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہاتھ اتنا ہی لمبا تھا تو خط خود ہی کیوں نہ حاصل کر لیا؟

نبی ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے مسجد سے چٹائی پکڑا دو۔ انھوں نے عرض کیا: میں حیض سے ہوں۔ فرمایا: حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ حدیث ۶۹۱) کیا آنحضرت ﷺ ہاتھ لمبا کر کے مسجد سے چٹائی بھی نہ پکڑ سکتے تھے۔

مفتی صاحب نے نبی ﷺ کی طرف یہ الفاظ بھی منسوب کیے ہیں: "تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے"۔ حالانکہ آپ ﷺ نے ایسا ہرگز نہیں فرمایا۔ اہل علم کے نزدیک انگور نہ توڑنے کی وجہ یہ تھی کہ غیر فانی جنت کا پھل فانی دنیا میں نہیں کھایا جا سکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ (حنفی حاشیہ بخاری ص ۱۰۳)

مفتی صاحب کی بے انصافی ملاحظہ فرمائیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں انہیں فکر ہے کہ ان کا علم بالغیب قائم رہے اور اپنے بریلوی بزرگوں کے متعلق حوضِ کوثر اور جنت دوزخ دیکھنے کے بارے میں رقم فرماتے ہیں: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام کو بھی خداوند قدوس یہ قدرت وعلم عطا فرماتا ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بریلوی ولیوں کی بہ نسبت ایمان بالغیب کے زیادہ محتاج تھے۔ ایک اور گزارش ہے کہ جس نمازِ کسوف سے مفتی صاحب نے حاضر وناظر ہونے پر استدلال فرمایا ہے اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک رکعت میں دو دو رکوع فرمائے تھے، کیا بریلویوں کو اس سے اتفاق ہے؟

تیسری فصل

حاضر وناظر کا ثبوت فقہاء اور علماءِ اُمت کے اقوال سے

﴿۱۴۹﴾ درّ مختار ج ۳ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

((یا حاضر یا ناظر لیس بکفر))۔ "معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں"۔

حالانکہ مفتی صاحب نے ان الفاظ کے تحت شامی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔ اگر مفتی صاحب کو خواہ مخواہ اصرار ہو کہ غیر اللہ کے متعلق ہی ہیں تو سوال یہ ہے کہ جو کام کفر نہ ہو آیا وہ جائز ہوتا ہے"۔ مثلاً حنفیہ کے نزدیک غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر نہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ ترک نماز کفر نہیں تو کیا ترکِ نماز جائز ہے؟ ماں بہن سے نکاح کر کے صحبت کرنا واجب الحد نہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

درمختار سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((و یقصد بألفاظ التشهد الا نشاء کانه یحیی علی الله و یسلم علی نبیه بنفسه))۔

"التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی ربّ کو تحیۃ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بذاتِ خود عرض کر رہا ہے"۔

آگے شامی کی یہ تشریح بیان کی ہے۔ (ترجمہ:) یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ربّ تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔ آگے مفتی صاحب نے وہی لکھا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یعنی معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں۔

درمختار میں کانّه (گویا کہ) کا لفظ ہے۔ یعنی جیسا کہ شامی نے بھی بیان کیا ہے کہ السلام علیك ایها النّبی کہتے وقت نمازی یہ خیال نہ کرے کہ وہ فقط فرشتوں کی حکایت کر رہا ہے بلکہ بذاتِ خود سلام پیش کرے۔ یعنی یوں سمجھے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں۔ حاضر ہونے اور گویا کہ حاضر ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آگے چل کر خود مفتی صاحب نے بھی احیاء العلوم ج ۱ باب ۴ فصل ۳ سے امام غزالی رحمہ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((واحضر فی قلبك النبی علیہ السلام و شخصه الکریم و قل السلام علیکم ایها النّبی ... الخ))۔ (ص ۱۵۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور اپنے دِل میں نبی ﷺ کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو السلام علیك ایھا النبی... الخ"۔
اب سچ مچ حاضر ہونے اور دِل میں حاضر جاننے کا جو فرق ہے وہ اندھوں کو بھی معلوم ہے۔

۱۵۰ لکھا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیب ص ۳۳۳ میں فرماتے ہیں:

((اما انبیاء علیھم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حسی و باقی و متصرف اندر ایں جا سخن نیست))۔

"انبیاء علیہم السلام دنیاوی و حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل در آمد تصرف فرمانے والے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں"۔

یہی دعویٰ مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱۰) مگر نرے دعویٰ سے یہ بات نہیں بنتی۔ اس کے لیے دلیل چاہیے۔ اور دلیل بھی دنیاوی چاہیے یعنی ملاقات کیونکہ مسئلہ دنیاوی ہے یہ اگر شیخ عبدالحق کا قول ہے تو میں کہتا ہوں بے شک کسی ان سے بھی بڑے شیخ کا قول لے آیئے دلیل نہیں ملے گی:

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾﴾ (بقرہ: ٢٤)

(الف) مفتی صاحب مرقات ج ۴ ص ۱۳ باب مایقال عندمن حضرہ الموت کے آخر سے نقل کرتے ہیں۔ (ترجمہ) اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہیں"۔ مفتی صاحب نے انکسار سے کام لیا ہے ورنہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ان کے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے تو ارشاد فرمایا ہے اولیاء اگر چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں۔ (ملفوظات ص ۱۱۳) اور اگر بطور مثال انھوں نے حوالہ کسی پیغمبر کا کسی صحابی کا یا کسی تابعی کا نہیں دیا بلکہ سبع سنابل شریف سے کرشن کنہیا کافر کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔ اور آگے انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کیا گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں۔ حاشا بلکہ شیخ بذاتِ خود ہر جگہ موجود تھے۔

سوال یہ ہے اگر بریلوی مذہب کے مطابق ایک ولی دس ہزار جسموں کے ساتھ دس ہزار جگہ دعوت قبول کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ پھر وہ دس ہزار جگہ ختم بھی پڑھا سکتا ہے، دس ہزار جگہ امامت بھی کرا سکتا ہے، دس ہزار جگہ نکاح بھی پڑھا سکتا ہے، دس ہزار جگہ اپنا نکاح کر سکتا ہے۔ عورتیں بھی ولی ہو سکتی ہیں وہ بھی دس ہزار جسموں کے ساتھ دس ہزار شہروں میں موجود ہو سکتی ہیں اور بیک وقت دس ہزار خصم کرا سکتی ہیں بلکہ یہ اولیاء دس ہزار جگہ مر بھی سکتے ہیں اور ان کے دس ہزار مزار بھی بن سکتے ہیں۔ چونکہ ولایت بریلویوں کو الاٹ ہو چکی ہے میں بریلوی صاحبان سے لمبی چوڑی فرمائش نہیں کرتا۔ یہ مجھے فقط ایک کے دو ہو کے دکھا دیں۔ بندہ قائل ہو جائے گا۔ اگر دو ہونے کا مظاہرہ کسی سرکس میں کر کے دکھا دیں تو آمدنی بھی نہایت معقول ہو گی۔ بلکہ یقین جانیے ختم کی محفلوں سے زیادہ نذرانے آئیں گے۔ اور انھیں اپنی ان فضول بدعتوں کا مرہونِ منت نہیں رہنا پڑے گا۔ اس میں مذاق والی بات نہیں۔

نیز گستاخی نہ ہو تو عرض کروں اگر اولیاء کرام بیک وقت دس ہزار جسموں کے ساتھ دس ہزار شہروں میں ہو سکتے ہیں تو نبی ﷺ جو بقول ان کے ہر جگہ موجود ہیں، حاضر و ناظر ہیں، آپ ﷺ تو پھر لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہوں گے۔ مگر مولوی بریلوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے حضور اقدس ﷺ کا نظیر محال بالذات ہے تحت قدرت ہی نہیں۔ (ملفوظات ص ۳۰۷) اس سے ثابت ہوا خدائے قادر مطلق حضور ﷺ کی ایک نظیر بھی پیدا نہیں کر سکا۔ مگر بریلوی کروڑوں کی تعداد میں پیدا کر سکتے ہیں۔

(ب) مفتی صاحب مدارج النبوۃ سے شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں، حضور دیکھتے اور سنتے ہیں، تمہارے کلام کو کیونکہ حضور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں"۔ اللہ تعالیٰ کی صفت اس کا معبود ہونا خالق ہونا رب ہونا حی ہونا محیی ہونا ممیت ہونا بھی ہے تو کیا نبی ﷺ ان صفات الٰہیہ سے بھی موصوف ہیں۔ پھر شرک کس بلا کا نام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اگر یہ فرمایا ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں تو کیا نبی ﷺ کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کے ہم نشین ہیں یا اللہ تعالیٰ نے کہیں فرمایا ہے کہ میری اور نبی ﷺ کی صفتیں ایک جیسی ہیں اور میری اور ان کی ایک ہی بات ہے؟

(ج) مفتی صاحب نے بعض فقہاء احناف کا یہ قول نقل کیا ہے، ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں اپنی اُمت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات نیات اور دِل کی باتوں کو جانتے ہیں۔ یہ آپ کو بالکل ظاہر ہیں اس میں پوشیدگی نہیں"۔ دیوبندیوں کے سرخیل مولانا سرفراز احمد گکھڑوی صاحب اپنی کتاب سماع موتٰی میں عام مردوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ادراک و شعور فہم و سماع میں مُردے اور زندہ برابر ہیں۔ (ص ۱۲۲) احناف ایسی باتیں شاید اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں زندگی اور موت کا فرق معلوم نہیں۔ کیا واقعی وفات کے بعد نبی ﷺ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جو صفتیں انھوں نے نبی ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں ان کا پایا جانا تو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی ثابت نہیں، کجا موت کے بعد۔

﴿۱۵۱﴾ لکھتے ہیں: امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو حضور ﷺ کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ ﷺ مسجدوں میں موجود ہیں۔ (بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ) سوال یہ ہے کہ بریلوی مسلک کے مطابق وہ کونسی جگہ ہے جہاں حضور ﷺ موجود نہیں؟ لہٰذا انھیں ہر جگہ سلام کرنا چاہیے۔ بریلوی جوان سینما کے بہت شائق ہیں انھیں وہاں بھی السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر داخل ہونا چاہیے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق حضور ﷺ ہر جگہ جو حاضر ناظر ہیں۔ (معاذ اللہ)

﴿۱۵۲﴾ مفتی صاحب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۵۰ سے نقل کرتے ہیں کہ "اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کے جسم پاک کو ایسی حالت وقدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثال سے خواہ آسمان پر خواہ زمین پر خواہ قبر میں تو درست ہے"۔

بات یہ ہے کہ وفات کے بعد نبی ﷺ کے جسم پاک کا احساس اولاً ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہونا چاہیے تھا۔ جن کے آپ ﷺ رفیق حیات تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہونا چاہیے تھا جو یارِ غار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہونا چاہیے تھا جنہوں نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر فرمایا تھا خبردار جس نے کہا حضور ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو ہونا چاہیے تھا جنہوں نے کہا تھا:

((صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام صرن لیالیا)). (تفسیر روح المعانی جلد ۱۰ ص ۱۴۶)

"مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں اگر وہ دِنوں پر پڑتیں تو راتیں ہو جاتے"۔

ان پاکباز ہستیوں کو چھوڑ کر نبی ﷺ کا حنفیوں کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمانا ایک ایسی بات ہے جسے وہی کہہ سکتا ہے جس کے دِل سے خدا کا خوف بالکل نکل گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

"حضرت محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں تو تم اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے"۔

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (الزمر: ۳۰) "یقیناً خود آپ ﷺ نے بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور انھوں نے بھی مرنا ہے"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

((من كان يعبد محمدا ﷺ فان محمدا قد مات)). (عن عائشه رضی الله عنها بخاری ص ۵۱۷ حدیث ۳۶۶۸)

"جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک محمد ﷺ کی موت ہوگئی"۔

مگر حنفی کہتے ہیں کہ زندہ ہیں۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ انھوں نے فرمایا: "جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں، خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے"۔ تو کیا نبی ﷺ کو پہلے چاہنا اور پھر کہیں جانا پڑتا ہے کیا آپ ﷺ پہلے ہی ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہیں نیز یہ بات کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں کیا یہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے منافی نہیں ہے۔ کیا زندگی بھر آپ ﷺ کبھی کسی کے مکان میں بغیر اجازت اندر تشریف لے گئے ہیں۔ کوئی صاحب اس کا یہ جواب نہیں دے سکتے کہ وفات کے بعد حکم بدل جاتا ہے کیونکہ مفتی صاحب فرما چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ (ص ۱۵۱) اور بالخصوص جب کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرہ پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ (ملفوظات ص ۲۷۱) تو جب نبی ﷺ کی موت و حیات میں فرق بھی نہیں اور آپ ﷺ شب باشی بھی فرماتے ہیں تو ان حالات میں آپ ﷺ کا لوگوں کے مکانوں میں بلا اجازت تشریف لے جانا کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو انبیاء کرام علیہم السلام کی قبورِ مطہرہ میں شب باشی کے لیے پیش کرنے کا ذکر کیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں جب تک نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن حیات رہیں شب باشی کے لیے وہ حضور ﷺ کی قبر میں پیش ہوتی تھیں یا حضور ﷺ گھر میں تشریف لاتے تھے؟ اگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پیش ہوتی تھیں تو کیا نبی ﷺ کو اپنے مکان میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ نعوذ باللہ من تلک الخرافات۔

مفتی صاحب نے اشعة اللمعات كتاب الصلاة باب التشهد سے شیخ عبدالحق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمد یہ ﷺ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے پس حضور علیہ السلام نمازیوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں۔ نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے"۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں: مسلک الختام میں نواب صدیق خاں بھوپالی وہابی ص ۲۴۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعة اللمعات کے بارے میں لکھی ہے کہ نمازی کو چاہیے کہ حضور ﷺ کو حاظر و ناظر جان کر التحیات میں سلام کرے"۔ اس عبارت میں حاضر و ناظر کا کوئی ثبوت نہیں۔ نواب صاحب نے اگر یہ عبارت نقل کی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو حقیقت محمدیہ کے لحاظ سے حاضر و موجود جانا ہے نہ کہ بذاتِ خود حاضر ناظر۔ اب یہ بریلویوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بتلائیں کہ محمد ﷺ میں اور حقیقت محمد ﷺ میں کیا فرق ہوتا ہے؟ مفتی صاحب نے ناظر کا لفظ لکھا ہے، حالانکہ اصل فارسی عبارت میں ناظر کا لفظ نہیں ہے صرف حاضر اور موجود کے الفاظ ہیں۔ انہی چکر بازیوں سے یہ اپنا کام چلاتے ہیں۔

۱۵۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء (احناف) فرماتے ہیں اور زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہوا اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے کہ شاید ولی اللہ ہے اور کرامت سے اپنی بیوی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس پہنچا ہو۔" مفتی صاحب نے صحیح وضاحت نہیں فرمائی اور کچھ پردہ بھی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ فقہ شریف کا یہ خوبصورت اور مردانہ مسئلہ ذرا کھل کر بیان ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں۔ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت خالد کے ساتھ بھاگ گئی اور آٹھ دس برس کے بعد چند لڑکے یا لڑکیاں لے کر آئی۔ زید کا انتقال ہو گیا وہ اولاد زید کی متصور ہو کر زید کی وارث ہوگی یا ولد الزنا ہو کر ترکہ سے محروم رہے گی؟

جواب: جائز وارث قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ممکن ہے وہ (زید) طي ارضي پر قدرت رکھتا ہو۔ ایک قدم میں دس کوس جائے اور ممکن ہے جن اس کے تابع ہوں ممکن ہے صاحبِ کرامت ہو وغیرہ۔ (احکامِ شریعت ص ۱۸۷) معلوم ہوا ان کے ولی اتنے بااختیار ہوتے ہیں کہ ان کی عورتیں کسی آشنا کے ساتھ بھاگ بھی جاتی ہیں اور اتنے کرنی والے ہوتے ہیں کہ انھیں چھڑا بھی نہیں سکتے۔ اور اتنے با کرامت ہوتے ہیں کہ سینکڑوں یا ہزاروں میل کا فاصلہ چند سیکنڈ میں طے کر کے آشنا کے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت بھی کر آتے ہیں۔ جب یہ ولی صاحب وہاں پہنچتے ہوں گے تو ان کی بیوی اس وقت اگر اپنے آشنا کے ساتھ رنگ رلیوں میں مشغول ہو تو یہ دروازہ پر کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے ہوں گے یا پہرہ دے کر اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوں گے۔ وہ بیوی بھی ولیہ ہی ہوتی ہوگی جو بیک وقت دونوں کو خوش رکھ لیتی ہے۔ ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ﴾ (النور) نہ جانے فقہ حنفی نے یہ فیصلہ کیسے دے دیا کہ سارے بچے شوہر ہی کے ہیں کیا انہیں کہیں سے ٹسٹ رپورٹ مل جاتی ہے کہ آشنا کے پانی میں جراثیم نہیں ہیں۔

مفتی صاحب آگے فقہ حنفی سے دلیل دیتے ہیں:

وطي المسافة منه لقوله عليه السلام طوي لي الارض ويدل عليه ما قالوا فيمن كان في المشرق وتزوج امرأة بالمغرب فاتت بولد يلحقه في التتارخانيه ان هذه المسئلة تويد الجواز. (بحواله شامي ج ۲ باب ثبوت النسب و ج ۳ باب المرتدين مطلب كرامات اولياء)

"اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے، حضور ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی۔ اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہاء نے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ جنے تو بچہ اسی مرد سے ملحق ہوگا۔ اور تتارخانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونے کی تائید کرتا ہے"۔

فقہ حنفی کے اس حوالہ سے ثابت ہوا مثلاً کوئی حنفی پاکستان میں رہ کر ٹیلی فون پر انگلینڈ یا امریکہ میں رہنے والی کسی میم وغیرہ سے نکاح کرے نہ یہ وہاں جائے نہ وہ یہاں آئے اور وہ بچے جننے شروع کر دے تو بچے اسی کے شمار ہوں گے اور اس کے ترکہ کے وارث ہوں گے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ صاحبِ کرامت ولی ہو۔

شامی نے طوي لي الارض سے طی مسافت پر استدلال فرمایا جب کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اصل الفاظ یہ ہیں:

((ان الله زوى لي الارض فرأيت مشارقها ومغاربها)). (عن ثوبان مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ حديث ۷۲۵۸)

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ پس میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے"۔

یعنی نبی ﷺ نے فقط ایک دفعہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عنقریب فتح ہونے والی حدود تک مشرق و مغرب کی جھلک دکھلائی نہ آپ کہیں تشریف لے گئے نہ چند قدم چل کر دس بیس کوس کا سفر طے کیا نہ طی مسافت پر آپ کو قدرت حاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی ورنہ کسے معلوم نہیں کہ آپ غارِ ثور تک کن دقتوں سے پہنچے تھے اور سفرِ ہجرت کس صعوبت سے طے فرمایا تھا۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی ایک قدم اُٹھایا ہو اور دس کوس کا فاصلہ طے ہو گیا ہو۔ جب یہ بنیاد ہی موجود نہیں تو اس پر قیاس کر کے ولی کی کرامت کیسے وضع کی جا سکتی ہے۔ مفتی صاحب پیچھے لکھ چکے ہیں کہ حضور صفاتِ الٰہی سے موصوف ہیں۔ (ص ۱۵۰) اور شامی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی صفاتِ محمدی سے موصوف ہیں تو ثابت ہوا کہ وہ صفت جو اللہ تعالیٰ میں موجود ہے وہ نبی ﷺ میں موجود ہے اور ہر وہ صفت جو نبی ﷺ میں موجود ہے وہ بریلوی ولیوں میں موجود ہے لہٰذا ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ میں موجود ہے وہ بریلوی ولیوں میں موجود ہے۔ اللہ اور بریلوی ولی ایک ہی شے ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

بریلوی ولیوں کا نام میں اس لیے لیتا ہوں کہ ان کے نزدیک ان کے سوا کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ بے شک پوچھ لیجئے کیونکہ اصل اہلسنت والجماعت "یہی" ہیں۔ بریلویوں اور دیوبندیوں کی چونکہ فقہ ایک ہی ہے اس لیے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب بھی فرماتے ہیں۔ میاں پردیس میں ہے اور مدت ہو گئی برسیں گزر گئیں نہیں آیا اور یہاں لڑکا پیدا ہو گیا تب بھی وہ حرامی نہیں ہے، اسی شوہر کا ہے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۸۸) نیز فرماتے ہیں نکاح ہو گیا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکا پیدا ہو گیا تو وہ لڑکا اسی شوہر کا ہے، حرامی نہیں ہے اور اس کا حرامی کہنا درست نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۴۳) دراصل بیچ میں چکر اسی ولایت کا ہے۔

۱۵۴ آگے مفتی صاحب لکھتے ہیں "شامی یہی مقام پر:

والانصاف ما ذکرہ الامام النسفی حین سئل عما یحکی ان الکعبة کانت تزور واحدا من الاولیاء هل یجوز القول به فقال نقض العادة علی سبیل الکرامة لاهل الولایة جائز عند اهل السنة.

"انصاف کی بات وہی ہے جو امام نسفی نے اس وقت کہی جب کہ ان سے سوال کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے کو جاتا ہے۔ کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے خلافِ عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے"۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لیے عالم میں چکر لگاتا ہے"۔ یہی بات تبلیغی جماعت کے دیوبندی مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت خانہ کعبہ حنفی ولیوں کی زیارت کے لیے دورے پر گیا ہوتا ہے اس وقت حرم شریف کی پوزیشن کیا ہوتی ہے؟ یہ اتنا غلیظ اور کھلم کھلا جھوٹ ہے کہ بے ساختہ قرآن پاک کی یہ آیت زبان پر آجاتی ہے: ﴿لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾۔

فقہ حنفی کے متعلق سیانے آدمی کے لیے اتنا ہی اشارہ کافی ہے۔ اگر حنفی ولیوں کی طرح خانہ کعبہ کے بھی متعدد اجسام مانے جائیں اور وہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے عالم میں چکر لگا رہے ہوں تو کیا ہر کعبہ کی طرف نماز جائز ہو گی کیونکہ وہ کعبہ ہی کیا جس کی طرف نماز جائز نہ ہو۔ میں پوچھتا ہوں اگر ایک عدد کعبہ کسی ولی کا طواف کر رہا ہو تو اتنے میں نماز کا وقت ہو جائے تو کیا وہ ولی صاحب قبلہ درست رکھنے کے لیے کعبہ کے ساتھ ساتھ لٹو کی طرح گھوم کر نماز پڑھیں گے۔ احناف کو اس قسم کے اہم فقہی مسائل پر بھی موشگافیاں فرمانی چاہئیں۔ اندازہ فرمائیے جن کا کعبہ بھی ایک جگہ قائم نہیں رہتا ان کا ایمان کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے نبیوں کو ولیوں کو حتیٰ کہ کعبہ کو بھی حاضر ناظر بنا دیا۔ چلتے پھرتے کعبے کو ماننے والوں کے لیے لازم ہے کہ اب خود بھی چلتے پھرتے نظر آئیں۔

آگے مفتی صاحب نے چند اقوال بزرگانِ دین کے لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمراہ اسراف زمین میں آتے جاتے ہیں صالح آدمی کے جنازے میں شرکت کرتے ہیں، مختلف محفلوں میں اپنے جسم پاک سے تشریف لاتے ہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ اور صاحب دِل حضرات نے آپ کو دیکھا ہے۔ اس پر احادیث واحکام آتے ہیں"۔ یہ سب باتیں ایک سے ایک بڑھ کر گپ ہیں۔ کوئی ایک حدیث پیش کریں جس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فکر نہ کرو، ہم مرنے کے بعد بھی تمہارے پاس آتے جاتے رہیں گے۔ کوئی ایک ولی دکھلا دیں جس نے نبی ﷺ کو دیکھا ہو۔ ان کے تو اپنے اعلیٰ حضرت فرما گئے ہیں: یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا۔ تو کیا یہ اعلیٰ حضرت ولی اور صاحب دل نہیں تھے البتہ دیوبندی مولوی جناب مناظر حسین صاحب نظر ایڈیٹر خدام الدین نے لکھا۔ نبی ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مولانا احمد صاحب لاہوری کے واقعی درس قرآن پاک میں تشریف لایا کرتے تھے۔ میں بریلویوں سے پوچھتا ہوں کیا خیال ہے دیوبندی واقعی اولیاء اللہ اور صاحب دِل ہوتے ہیں؟ کیا اب بھی ان سے آپ کی لڑائی جاری ہے؟

۱۵۵ فرماتے ہیں: "ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں مگر جب حقہ آجاتا ہے تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں"۔ مفتی صاحب کے نزدیک یہ بھی گویا دلیل ہے نبی ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کی۔ یہ نہیں پتہ کہ یہ دلیل اُلٹ پڑ جاتی تھی۔ حقہ کی مجلس سے نبی ﷺ کا واپس ہو جانا ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی صریح نفی ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا اعلیٰ حضرت کے ہاں آنا جانا نہیں تھا کیونکہ حقہ کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ پیچھے مفتی صاحب لکھ آئے ہیں کہ حضور ﷺ ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ (ص ۱۴۲) ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کے نزدیک حقی شقی سے بھی بدتر ہے۔

۱۵۶ لکھتے ہیں: "ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکال جاتا ہے۔ روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ﷺ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور ﷺ کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا"۔ مفتی صاحب کسی بھی مفسر کی اوٹ پٹانگ بات کو اپنی دلیل بنا لیتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ان کے مطلب کی ہوتی ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ کسی مومن کے گناہ کا اصل سبب نبی علیہ السلام ہیں۔ نہ آپ ﷺ بے توجہی برتتے نہ وہ گناہ ہی کرتا۔ کیا خیال ہے آپ زانی کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور زنا کے وقت بے توجہی یعنی دھیان پرے کر لیتے ہیں۔ آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں ہر مومن کے ساتھ ہوتا ہوں۔ البتہ یہ فرمایا ہے:

((ان الشيطان يجري من الانسان مجرى الدم)). (عن علی بن حسین رضی اللہ عنہما بخاری ص ۲۷۳ حدیث ۲۰۳۸)

"شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے"۔

پتہ نہیں بریلوی کسے اپنا نبی سمجھتے ہیں۔

چوتھی فصل

حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

۱۵۷ اس فصل میں مفتی صاحب نے مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کی کتاب تحذیر الناس ص ۱۰ کا ذکر کیا ہے جس میں لکھا ہے...

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدرجہ اولیٰ حضور ﷺ حاضر و ناظر ہوئے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی کتاب امداد السلوک ص ۱۰ کا ذکر کیا ہے جس میں ہے مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں مقید نہیں ہے اور یہ جہاں بھی ہو دُور ہو یا نزدیک اگرچہ پیر کے جسم سے دُور ہے لیکن پیر کی روحانیت دُور نہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان (ص ۷) کا ذکر کیا ہے جس میں ہے ابو یزید سے پوچھا گیا طی زمین کی نسبت تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں۔ دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے۔ پھر مفتی صاحب لکھتے ہیں: اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آنا فانا مشرق سے مغرب تک پہنچ پانا۔ اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔

ہمارے نزدیک بریلوی اور دیوبندی ایک ہی چیز کے دو نام اور ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی شاخ کے دو پھل اور ایک ہی فقہ کے مقلد اور ایک ہی استاد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے شاگرد ہیں۔ اصل بات جو یہاں ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حاضر و ناظر نہیں بلکہ نبی، ولی، کعبہ، کفار و شیاطین سب حاضر و ناظر ہیں۔ یعنی حاضر و ناظر ہونا نبی ﷺ کی ایسی صفت ہے جس میں کفار و شیاطین سب شامل ہیں۔ واہ کیسا ادب ہے اور کیسی تعظیم ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو صفت شیطان میں پائی جائے آیا ضروری ہے کہ وہ نبی یا ولی میں بھی پائی جائے۔ ورنہ اس سے اس کا کمتر ہونا ثابت ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں مثلاً مچھر سو فٹ تک اُڑ سکتا ہے مگر دیوبندیوں اور بریلویوں کے ولی کتنے فٹ تک پرواز کر سکتے ہیں۔ تو کیا اس سے ان کا کمتر ہو جانا ثابت ہو گیا۔

پانچویں فصل

حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی ذات جامع کمالات ہے یعنی جس قدر کمالات، کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام یا آئندہ اولیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے۔ وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور ﷺ کو عطا فرما دیئے بلکہ حضور ﷺ ہی کے ذریعے سے ان کو ملے"۔ بقول مفتی صاحب ان کمالات میں ایک کمال حاضر و ناظر ہونا بھی ہے۔ عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں باقی کمالات سے مراد اگر مفتی صاحب کے نزدیک معجزات و کرامات ہیں تو یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ نبی ﷺ میں اس قسم کا ہر کمال پایا جاتا تھا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں محفوظ رہنا، حضرت داوٗد علیہ السلام کے لیے لوہے کا نرم ہونا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہواؤں پر حکومت کرنا، حضرت صالح علیہ السلام کا چٹان سے اونٹنی نکالنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کو اژدھا بنانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور مردوں کو زندہ کرنا اور قربِ قیامت تک کے لیے آسمانوں پر اٹھایا جانا وغیرہ اور بقول حنفیوں کے خانہ کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کرنا بلکہ ان کا طواف کرنا۔ (دلیل العارفین ملفوظات معین الدین چشتی مرتبہ بختیار کاکی ص ۹۷) بایزید بسطامی کا چالیس برس تک عام انسانوں کی غذا کا نہ چکھنا۔ (تذکرۃ الاولیاء از فرید الدین عطار ص ۸۹) اور ایسا بے نیاز ہونا کہ انہیں نماز معاف ہو گئی۔ (ایضاً ص ۹۳) ابو العباس کے حکم سے سورج طلوع ہونا۔ (فوائد فریدیہ از خواجہ فرید ص ۷۸) ابو الحسن خرقانی کا اللہ تعالیٰ سے کشتی لڑنا۔ (ایضاً ص ۷۸) حضرت جنید بغدادی کا زمین کی مثل نہر دجلہ کو پار کرنا۔ (ملفوظات احمد رضا خان ص ۱۱۷) شیخ عبد القادر جیلانی کا بارہ برس بعد ڈوبی ہوئی کشتی کو مع دولہا دولہن بلکہ پوری برات اور ساز و سامان کے نکالنا۔ (زندہ اور نادرہ کرامات، شائع کردہ بزم احناف مسجد غوثیہ کوچہ غوثیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاہور) تو کیا یہ سب کمالات آنحضرت ﷺ میں بھی پائے جاتے تھے، ہرگز نہیں۔ دجال میں بھی بہت سے کمالات پائے جائیں گے مثلاً وہ ایک آدمی کو دو ٹکڑے کر کے دوبارہ جوڑ کر زندہ بھی کر دے گا۔ (عن ابی سعید مسلم ص ۳۹۹ حدیث ۷۳۷۳، مشکوٰۃ ص ۴۷۴) اصل میں کمالات سے مراد مناقب و فضائل اور خوبیاں ہیں نہ کہ خدائی صفتیں۔

۱۵۸ مفتی صاحب فرماتے ہیں: جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علی وجہ الکمال حضور ﷺ کو عطا ہوئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا نبی ﷺ کو سائنس آتی تھی؟ کیا آپ ایف سولہ (۱۶) طیارے بنا سکتے تھے؟ کیا آپ ﷺ کوٹی وی کی ایجاد پر قدرت تھی؟ فرشتے نظر نہیں آتے اور جب چاہیں نظر آ بھی جاتے ہیں، کیا نبی ﷺ ایسا کر سکتے تھے؟ جنات بھی مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں، کیا آنحضرت ﷺ میں یہ صفت تھی؟ غرض ہزارہا مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ بریلوی حضرات دراصل نبی ﷺ کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی مخلوق میں کوئی کمال ہو اور وہ کمال اگر حضور ﷺ میں نہ مانا جائے تو آپ ﷺ کی توہین لازم آ جاتی ہے۔ ان عقل کے دشمنوں کو اتنا پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمال کسی مخلوق کو دیا وہ اسی کے لیے مناسب اور اسی کی شان کے لائق ہوتا ہے۔

جس کا کام اسے کو ساجھے اور کرے تو ڈھینگا باجے

ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق اپنے کمالات سمیت خاتم النبیین ﷺ کی ان کے مقابلے میں پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ بار بار نبی ﷺ کو مخلوق کے مقابلے میں لے آتے ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرنا چاہیے۔

مفتی صاحب نے ملک الموت کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لیے یہ آیت لکھی ہے:

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ (الانعام:٦١)

"یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، اس کی روح ہمارے فرشتے قبض کر لیتے ہیں"۔

پھر لکھتے ہیں: ملک الموت کے لیے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔ مفتی صاحب نے شاید یہ سمجھا ہے کہ اکیلے عزرائیل علیہ السلام ہی سب کی جان نکالتے ہیں حالانکہ آیت میں رسل جمع کا صیغہ استعمال ہوا آگے ﴿وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾ "اور وہ کمی نہیں کرتے" بھی جمع ہے۔

قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ (النساء:٩٧)

"جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں"۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝﴾ (محمد:٢٧)

"پس کیسے درگت ہوگی جب کہ فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ماریں گے"۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ موت کے فرشتے بہت ہیں اور یہ پورا ایک محکمہ ہے جس کے سربراہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ خود مفتی صاحب نے بھی آگے چل کر لکھا ہے: "جان نکالنے والوں کا محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں"۔ (ص ۲۰۵) اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بڑی طاقت اور قوتِ پرواز بخشی ہے لیکن وہ عالم الغیب یا حاضر و ناظر ہرگز نہیں ہیں۔ اگر وہ زمین پر ہیں تو آسمان پر نہیں، آسمان پر ہیں تو زمین پر نہیں۔ ایک طویل حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: جب موت کے فرشتے روحیں لے کر آسمان کا رُخ کرتے ہیں تو راستے میں ملنے والے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون ہیں؟ تو وہ بتلاتے ہیں کہ یہ فلاں بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلاں ہے...الخ۔ (عن براء بن عازب مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۹ مشکوۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت ص ۱۴۲) ❶ خود نبی ﷺ کو جب معراج کرایا گیا تو ہر آسمان کے فرشتوں نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد ﷺ۔ وہ جنہیں پیغمبر بنایا گیا ہے؟ کہا: ہاں۔ (عن مالک بن صعصعۃ بخاری ص ۵۴۹ حدیث ۳۸۸۷، مسلم ج ۱ ص ۹۱ حدیث ۴۱۱، مشکوۃ باب المعراج ص ۵۲۷)

اگر ملائکہ عالم الغیب یا حاضر و ناظر ہوں تو یہ سوال و جواب قطعی بے معنی ہے۔ انھیں تو آسمان کے دروازے سے باہر کی خبر نہیں ہوتی۔

حاضر و ناظر ہونا تو ایک طرف رہا۔ فرشتوں کو جو قوتِ پرواز بخشی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے تو اس کی بھی نبی ﷺ میں ضرورت محسوس نہیں فرمائی ورنہ کیا وجہ ہے ہجرت کے وقت غارِ ثور تک پہنچنے کے لیے آپ ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر سوار ہونا پڑا۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری شریف) مرض وفات پر نماز پڑھنے کے لیے آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے تشریف لائے اس حالت میں کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۶۳۹ حدیث ۴۴۴۲، مشکوۃ باب ما علی الماموم الخ ص ۱۰۲)

﴿۱۵۹﴾ مفتی صاحب نے حاضر و ناظر ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ دی ہے کہ "شیطان اذان سن کر ۳۶ میل دور بھاگ جاتا ہے"۔ عرض ہے کہ وہ دُور اِسی لیے بھاگتا ہے کہ اذان کی آواز نہ سنے۔ جیسا کہ دوسری روایت میں فرمایا:

((حتّٰی لا یسمع التاذین)). (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۸۵ حدیث ۶۰۸، مسلم ج ۱ ص ۱۶۸ حدیث ۸۵۹، مشکوۃ باب الاذان ص ۶۴)

"تاکہ وہ اذان نہ سنے"۔

کیا یہ حاضر و ناظر ہونے کی نشانی ہے۔ نیز شیطان اگر ایک سیکنڈ میں ۳۶ میل دُور بھاگ جاتا ہے تو کیا زندگی میں یہ رفتار آنحضرت ﷺ کے لیے بھی ثابت ہے۔ صرف یہ تو کوئی دلیل نہیں کہ جو صفت فلاں مخلوق کو حاصل ہے وہ نبی ﷺ کو بھی حاصل ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے: ﴿وَيُمْسِكُ أُخْرٰى﴾ اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اٹھایا وہی روح جو ابھی مکہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آناً فاناً جسم میں آ کر داخل ہو گئی۔

یہ ساری بات ہی لغو ہے۔ آیت جو انہوں نے لکھی ہے وہ تو قرآن پاک کے الفاظ ہی نہیں۔ بریلوی حضرات کو سورہ زمر کی آیت ۴۲ کا دوبارہ مطالعہ کرنا چاہیے جس میں اصل الفاظ یوں ہیں: ﴿وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى﴾۔

اس آیت سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ ایک روح سیرانی ہوتی ہے جو جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے اور پھر جسم کو اُٹھانے سے وہ آناً فاناً لوٹ آتی ہے کیا اسے ٹیلیفون ہو جاتا ہے۔ نیز بریلوی روحوں کو مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ جانے کی کیا ضرورت ہے۔ انھیں بھارت شریف، اجمیر شریف، بریلی شریف، لاہور شریف، بغداد شریف، سیال شریف، کچھوچھہ شریف، آلومہار شریف وغیرہ کا رُخ کرنا چاہیے۔ حرمین شریفین میں ان کا کیا کام؟

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (توبہ: ۲۸)

"مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں"۔

سورۃ زمر کی آیت ۴۲ ﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ﴾ سے شروع ہوتی ہے جس کا ترجمہ مولوی بریلوی صاحب نے یہ کیا ہے:

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے"۔ یہ بالکل مہمل ترجمہ ہے جس کا مفہوم ہی کوئی نہیں بنتا۔ ﴿تَوَفّٰی﴾ کے معنی لے لینے اور قبض کرنے کے ہیں۔ جیسے مولوی بریلوی صاحب ہی کے یہ ترجمے ملاحظہ فرما سکے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (النساء: ۹۷) "وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں"۔

﴿فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (محمد: ۲۷) "تو کیا ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے"۔

توجس روح کو اللہ تعالیٰ نے قبض کیا ہوا سے عالم میں آوارہ گردی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔ مفتی صاحب نے خواب و خیال کو عالم میں سیر کا نام دے دیا ہے۔ بیداری میں بھی انسان کا خیال کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے تو کیا اس وقت بھی اس کی روح سیر کر رہی ہوتی ہے؟

مفتی صاحب نے نظر، خیال، بجلی، تار اور ٹیلی فون سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ یہ حضرت کچھ کچھ سائنسدان بھی لگتے ہیں۔ لیکن کیا انھیں معلوم نہیں کہ یہ سب چیزیں باقاعدہ محسوس بھی ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب نبی ﷺ یا اپنے اولیاء کے بارے میں ایسا محسوس کرا دیں تو ہمارے قائل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہر وہ کمال جو کسی مخلوق یا ذرّے میں ہے وہ نبی ﷺ میں بھی ہے اور پھر آپ ﷺ کے طفیل ولیوں میں بھی ہے۔ اب مثلاً بجلی سے بلب جلتا ہے۔ یہ لوگ اپنے کسی تسلیم شدہ ولی کے جسم سے یا اس کی قبر سے ایک زیرو کا بلب بھی روشن کر کے دکھلا دیں کسی مزار سے فون کی طرح ہیلو ہی سنوا دیں تو مزا آ جائے۔

۱۶۰ مفتی صاحب نے حضرت جبریل علیہ السلام کی رفتار کے بارے میں کچھ بے ثبوت حکایتیں بیان کی ہیں تاہم ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بہت قوت عطا کی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۝﴾ (التکویر: ۲۰) "ذی عزت ہے جو قوت والا ہے عرش والے اللہ کے نزدیک مکین ہے"۔

﴿شَدِیْدُ الْقُوٰی ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰی ۝﴾ (النجم: ۵، ۶) "پوری طاقت والا فرشتہ جو زور آور ہے وہ سیدھا کھڑا ہوا"۔

لیکن بات نبی ﷺ کی ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کا ۲۳ سالہ دورِ نبوت دنیا کے سامنے ہے اس دور میں آپ ﷺ نے کبھی از خود جبریل جیسی تیز رفتاری کا مظاہرہ فرمایا ہو تو پیش کیجئے؟

مفتی صاحب واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: براق کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر پر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ رفتارِ انبیاء علیہم السلام کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقتدی بنے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے"۔

اللہ تعالیٰ کے لیے واقعی کچھ مشکل نہیں لیکن تیز رفتاری سے حاضر و ناظر کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ سوال تو یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں تھے تو کیا وہ آسمانوں پر بھی تھے یا جب آسمانوں پر تھے تو کیا وہ بیت المقدس میں بھی تھے۔ یعنی آیا وہ بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں؟ مفتی صاحب نے رفتارِ انبیاء علیہم السلام کا یوں ذکر فرمایا ہے جیسے وہ بذاتِ خود ابھی یہاں اور ابھی وہاں تھے۔ اس طرح کا سفر تو نبی ﷺ نے بھی نہیں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا تھا جنھوں نے بذریعہ براق آپ ﷺ کو یہ سفر کرایا۔ (عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۴۹ حدیث ۳۸۸۷، مسلم ج ۱ ص ۹۱ مشکوٰۃ باب المعراج ص ۵۲۷) اور آسمانی سفر کے بارے میں آتا ہے:

((ثم اخذ بیدی و خرج بی الی السماء الدنیا))۔ (عن ابی ذر رضی اللہ عنہ بخاری ۵۰ حدیث ۳۴۹)

"پھر جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان دنیا کی طرف معراج کروایا"۔

معلوم ہوا آپ ﷺ از خود نہیں گئے آپ ﷺ کو لے جایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ (بنی اسرائیل: ۱) ''پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے پاک بندے کو لے گیا''۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ آپ کا یہ سفر روح و جسم کے ساتھ تھا۔ یعنی آپ ﷺ مسجد اقصیٰ میں تھے تو مکہ مکرمہ میں نہیں تھے اور جب آسمانوں پر تھے تو زمین پر نہیں تھے۔

مفتی صاحب نے براق کی رفتار کا ذکر کیا ہے کاش مفتی صاحب اس گدھے کا بھی ذکر فرما دیتے جسے نبی ﷺ کی سواری کا اعزاز حاصل تھا۔ اور وہ جب چلتا تھا تو دھول اڑتی تھی جس کی وجہ سے ایک دفعہ آپ ﷺ کو عبداللہ بن ابی سے جلی کٹی بھی سننا پڑی تھیں۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۷۰ حدیث ۲۶۹۱)

لکھتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعة اللمعات باب زیارۃ القبور میں فرمایا کہ ''ہر پنجشنبہ کے دن مُردوں کی روحیں اپنے خویش و اقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصالِ ثواب کی تمنا کرتے ہیں۔ اب اگر میت کے خویش و اقرباء دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی''۔

پہلے میرا خیال تھا کہ بریلوی جہالتیں خالص جہالت ہی کی پیداوار ہیں لیکن یہ کتاب پڑھ کر معلوم ہو رہا ہے کہ خیر سے علمائے احناف نے بھی ان ڈھکوسلوں کی حوصلہ افزائی فرما رکھی ہے۔ میں پوچھتا ہوں یہ بات قرآن ہے یا حدیث ہے یا اجماع صحابہ ہے یا قیاس مجتہد ہے؟ حنفیہ کے نزدیک شریعت کے آخذ کل کتنے ہیں؟ نبی ﷺ نے یہ تو فرمایا ہے کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حالت میں پیش ہو کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہو۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جمعرات کو روحیں بھی گھروں میں آتی ہیں۔ یہ بدعت دراصل جمعراتی ملاؤں نے روٹیاں اکٹھی کرنے کے لیے وضع کر رکھی ہے۔ اب حنفی علماء خیر سے کھاتے پیتے ہیں لہٰذا انھیں یہ کمینہ مسئلہ منسوخ کر دینا چاہیے۔ یہ مسئلہ اس لحاظ سے بھی غور طلب ہے کہ فوت شدہ مرد یا عورت کی روح جمعرات کو گھر میں آئے تو اس کی بیوی یا خاوند نے نکاح ثانی کر لیا ہو تو اس پر کیا گزرتی ہوگی۔ مفتی صاحب نے مردہ روحوں کو اپنے خویش و اقارب کی تلاش میں دوسرے ممالک میں بھی پہنچا دیا ہے نہ جانے خود مفتی صاحب کی روح آج کل کن ممالک میں جمعراتیں بسر کر رہی ہے۔

﴿۱۶۱﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: ''کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں ہے''۔ مفتی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا شرک ہے۔ اس سے قبل اپنی تائید میں شیخ عبدالحق صاحب کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔ (ص ۱۵۰) اب بتائیے یہ شرک ہوا یا نہیں حقیقت یہ ہے بریلویوں نے فی الصفات کے مسئلہ کو سرے سے ختم ہی کر دیا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی صفت رہنے ہی نہیں دی۔ سب نبیوں اور ولیوں میں بانٹ دی ہیں۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو لینا ہے لے لیں گے محمد (ﷺ) سے

اس کا مطلب یہ ہوا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی خدائی بھی چھین لی ہے لہٰذا اب نہ صرف شرک فی الصفات بلکہ شرک فی الذات کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔ اب تو پاکستانی صدروں کی صدارت کی طرح اللہ تعالیٰ کی خدائی بھی اعزازی لگتی ہے۔ کوئی منچلا یہ نعرہ نہ لگا دے کہ اللہ تعالیٰ کو بریلویوں سے رہائی دلاؤ۔ ہم کہتے ہیں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ۔ بریلویوں کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو نبی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کا شریک نہ بناؤ۔ انھوں نے فضا بالکل ایسی ہی بنادی ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کے خدام میں ہر جگہ رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے"۔
نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہوتے ہیں۔ میرے آسمانی وزیر جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمینی وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ترمذی مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ حدیث ۳۶۸۰، مشکوۃ مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما ص ۵۶۰) ❶
کیا ان چار خدام میں سے کسی کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے؟ حضور ﷺ کے سب سے زیادہ طاقتور خادم جبریل علیہ السلام ہیں، پیچھے آپ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ ایک رات وعدہ کے باوجود جبریل علیہ السلام نہ آئے نبی ﷺ ساری رات ان کا انتظار کرتے رہے۔ اگلے روز ملاقات ہوئی تو جبریل علیہ السلام نے کہا جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں ہم نہیں جاتے۔ (عن میمونہؓ نسائی کتاب الصید والذبائح ص ۳۴، حدیث ۴۲۸۲، مشکوۃ باب التصاویر ص ۳۸۵) ❷ اس سے ثابت ہوا نبی علیہ السلام کو ساری رات معلوم نہ ہو سکا کہ تو جبریل علیہ السلام کے نہ آنے کو کیا وجہ ہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتے حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ جب نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے، اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ زیادہ آیا کریں تو جبریل علیہ السلام نے کہا:

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ (مریم:٦٤) "ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اُتر نہیں سکتے"۔

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ملائکہ زمین پر اُترنے کے لیے پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ کیا عجیب بات ہے نبی ﷺ بھی حاضر و ناظر ہوں۔ ایک حاضر و ناظر دوسرے حاضر و ناظر کا انتظار کرے یا زیادہ ملاقات کی خواہش کرے۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک امر محال ہے کہ ہر جگہ ہوا ہے"۔
یہاں بھی مفتی صاحب کو غلطی لگی ہے۔ ہوا عالم کے گوشہ گوشہ میں نہیں ہے بلکہ کرہ ارضی کے ارد گرد چند میل کے فاصلے تک ہے۔ نیز کرہ ارضی کے اندر بھی نہیں ہے اور ہر اس جگہ بھی نہیں ہے جسے ہوا کے علاوہ کسی اور شے نے پُر کر رکھا ہو۔ اسی طرح دھوپ بھی چلتی پھرتی ہے۔ دن کے وقت ہے رات کے وقت نہیں ہے۔ کبھی یہاں ہے اور کبھی وہاں ہے۔ بلکہ ایک ہی مقام پر کھلی جگہ میں ہے سایہ دار جگہ میں نہیں ہے۔

(ب) فرماتے ہیں کہ "ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حضور علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق کو ہر وقت ضرورت ہے۔ تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہو"۔ سوال یہ ہے آیا اس مخلوق میں بریلوی بھی شامل ہیں جن کا یہ نعرہ ہے "رہبر و راہنما، بوحنیفہ اور رضا" سچ پوچھتے ہو تو بریلویوں کو خدا کی بھی ضرورت نہیں۔ ان کا خدا "غوث اعظم" ہیں۔ ان کا لٹریچر پڑھ کر دیکھ لیجیے وہ کونسا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے اور "غوثِ اعظم" نہیں کر سکتے۔ ان کو نبی ﷺ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے اپنا رہبر و راہنما "ابوحنیفہ اور احمد رضا" کو بنا لیا ہے۔ جبکہ الحمدللہ نبی ﷺ کی ضرورت صرف اہلحدیث کو ہے کہ جن کا آپ ﷺ کے سوا کوئی واجب الاتباع امام نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے کتاب و سنت کا ورثہ چھوڑا ہے۔ (موطا امام مالک ص ۶۳ حدیث ۳۳۳۸) ❸ جس کی ہمیں ایسے ہی ضرورت ہے جیسے جسم کے لیے روح اور مچھلی کے لیے پانی ضروری ہے جب کہ پچھلے صفحات میں مفتی صاحب تقلید کو چھوڑ کر کتاب و سنت پر عمل کرنے کو گمراہی اور کفر کی جڑ قرار دے رہے ہیں۔ (ص ۲۶) جنہیں کتاب و سنت کی ضرورت نہیں انھیں خدا اور رسول کی بھی کیا ضرورت ہے۔

تخریج: ❶ سند ضعیف ہے۔ ❷ سند صحیح ہے۔ ❸ سند صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف قرآن وحدیث کی کتابیں اپنے پاس رکھنے سے کوئی اہل سنت نہیں بن جاتا۔ یہ کتابیں تو غیر مسلم لائبریریوں میں بھی موجود ہیں۔ یہ کتابیں تو گدھوں پر بھی لادی جاسکتی ہیں۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (الجمعہ: ۵)

"جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو"۔

اور بزا دعویٰ کرنے سے بھی کوئی مقلد عاشق رسول نہیں بن سکتا۔ اس تقلید اور دعوے کی تو وہ مثل ہے "تابع سیٹھ کی پرچہ بھاگ شاہ کا"۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں ((وکل الخلق من نوری)) اور اصل کا اپنی فرع میں، مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے ؎

"ہر ایک ان سے ہے وہ ہر ایک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے بنے دو جہاں کے رہنما بناوہ نہیں جوان سے بنا نہیں"۔

معلوم ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر شے میں موجود ہیں۔ بریلوی حضرات وحدۃ الوجود کے بھی قائل ہیں۔ یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی اللہ ہے اور کوئی شے نہیں ہے۔ چنانچہ بایزید بسطامی کا مشہور قول ہے:

((سبحانی ما اعظم شانی)). (فوائد فریدیہ مترجم ۷۳) "میں پاک ہوں میری شان کیا ہی بلند ہے"۔

بلکہ فرمایا:

((ما الکلب والخنزیر الا الرضا)). (دیوان ابن عربی) "کتے اور خنزیر ہمارے خدا ہی تو ہیں"۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے منصور، تبریز اور سرمد رحمۃ اللہ علیہم کے خدائی دعوؤں کو شجر موسیٰ کی مثل قرار دے کر سند جواز عطا فرمائی ہے۔ (احکام شریعت ص ۱۵۹) معلوم ہوا ان کے نزدیک ہر شے میں خدا بھی ہے اور رسول بھی ہے کافروں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی، انسانوں میں بھی جانوروں میں بھی حتیٰ کہ کتوں اور خنزیروں میں بھی اور یہ بھی کہ ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنی ہے۔ لہٰذا کل مخلوق بھی نوری ہے۔ بریلویوں کا اپنے پیٹ کے خارجی امور کے بارے میں کیا خیال ہے کہ یہ بھی تو مخلوق ہی ہے۔ اگر نور اتنا ہی عام ہے، تو پھر بریلویوں کا نور پر جھگڑنا اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتا۔ بریلویوں کو چاہیے کہ کوئی عقیدہ وضع کرتے وقت اس کا مالہ و ماعلیہ دیکھ لیا کریں۔ مجھے افسوس ہے کہ مفتی صاحب کے تمام عقلی دلائل بے عقلی کی نذر ہو گئے۔

دوسرا باب: مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کے بیان میں

۱۶۲ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾۔ ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ﴾ لہٰذا یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب ارشاد فرماتے ہیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا کی ہی شان ہوسکتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کو شرک فی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصفات کی زد سے بچانے کے لیے مفتی صاحب نے یہ چال چلی ہے مگر سرے سے اللہ تعالیٰ کو ہی حاضر و ناظر ہونے کی صفت سے محروم کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر جگہ تو نبی ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ (المجادلہ:۷)

"تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا۔ اور نہ زیادہ کا مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہیں"۔

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:٤) "اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے"۔

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:١٦) "اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں"۔

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ (البقرہ:١٨٦)

"اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں"۔

اور قبل ازیں مفتی صاحب حاضر و ناظر کی یہ تشریح کر چکے ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے۔ (ص ۱۳۸) ایک جگہ لکھا ہے ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھنا۔ (ص ۱۶۳) اب اصل سوال یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مکین ہے یا لامکان ہے۔ اصل سوال تو سارے عالم کو کف دست کی طرح دیکھنے کا ہے؟ یہی تعریف مفتی صاحب نے حاضر و ناظر ہونے کی ہے تو بریلوی مذہب کے مطابق جس طرح نبی ﷺ سارے عالم کو کف دست کی طرح دیکھتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا؟ اگر یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو خدا ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ نبی علیہ السلام کو ہی خدا مان لینا چاہیے۔ چنانچہ مفتی صاحب نے یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے مکاں ہیں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

یہ شاعرانہ رمز ترنگ تو ہوسکتی ہے۔ علم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ لامکان بھی ہونا اور مکین بھی ہونا اجتماع النقیضین ہے۔ اب تک تو یہ ہوتا آیا ہے کہ بریلوی حضرات نبی ﷺ کو یا اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں شریک کرتے تھے۔ جس کو شرک فی الصفات کہا جاتا ہے۔ مگر اب کچھ عرصہ سے انھوں نے شرک فی الصفات کی تہمت سے بچنے کے لیے یہ علاج سوچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفتوں سے محروم کر کے نبی ﷺ کو ان سے موصوف کر دیا جائے۔ اسے بدمعاشی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ بقول مفتی صاحب اگرچہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں۔ (ص ۱۶۰) تو پھر یہ شرک سے بھی اونچی کونسی قسم لگتی ہے۔

اپنے نقل کردہ اس شعر میں بھی مفتی صاحب نے نبی ﷺ کو سرِ عرش تخت نشین کر کے عرش کا مکین بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس سے بے دخل کر دیا ہے۔ شعر سے انھوں نے بیلف کا کام لیا ہے۔ اب تو صرف رسم دستار بندی منعقد ہونا باقی رہ گئی ہے۔ مفتی صاحب ایک طرف تو فرماتے ہیں: ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ ہونا تو رسول خدا ﷺ ہی کی شان ہو سکتی ہے۔ (ص ۱۶۲) مگر خود اپنی تفسیر نعیمی میں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے تحت فرماتے ہیں نمازی جس طرح اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے اسی طرح اس کے محبوب کو بھی۔ (ج ۱ ص ۴۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دروغ گورا حافظہ نہ باشد

(جھوٹ گھڑنے والے کے سر میں دماغ نہیں ہوتا)۔

(الف) غیر اللہ کو حاضر و ناظر ماننا شرک فی الصفت ہے کہ اعتراض کا دوسرا جواب مفتی صاحب نے یہ دیا ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے تو بفرض محال حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی حادث مخلوق قبضہ الٰہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے۔ کسی کے قبضے میں نہیں۔ اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟" گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ختم کی پھلیاں یا قبر کا چڑھاوا نہیں کہ خلق خدا میں تبرک کی طرح بانٹ دی جائیں۔ اس طرح تو آپ غیر اللہ کو خدا بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خدا ہونا ذاتی اور قدیم ہے اور غیر اللہ کا خدا ہونا عطائی اور حادث ہے، فرق کرنے کا کیا ہے؟ وہ تو کسی بھی لحاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ان کے بڑے بڑے بزرگوں نے خدائی دعوے کیے بھی ہیں اور بریلویوں نے انھیں شجر موسیٰ کہہ کر تسلیم بھی کیا ہے۔ (احکام شریعت ۱۵۹) مشرکین مکہ بھی اپنے شریکوں کے متعلق ذاتی الوہیت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا:

((**الا شریکا ھو لک تملکه وما ملک**)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنھما مسلم ج۱ ص ۳۷۶ حدیث ۲۸۱۵)

"مگر وہ شریک کردہ تیرا ہی ہے، تو مالک ہے اس کا بھی اور اس کی ملکیت کا بھی"۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ﴾ (الروم:۲۸)

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کیا تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو"۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں میں ذاتی نہیں عطائی صفتیں ہی مانتے تھے۔

(ب) مفتی صاحب نے اپنی تائید میں اپنے چچیرے حنفی بھائی مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا ہے۔ لکھتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ کتاب البدعات ص ۹۱ میں ہے "فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے۔ اگر باعلام اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے"۔ پھر مفتی صاحب نے خوش ہو کر لکھا ہے: "مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری فرما دی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر ناظر جاننا بہ عطا الٰہی شرک نہیں"۔ مفتی صاحب کا اس "رجسٹری" پر خوش ہونا اس لحاظ سے تو بجا ہے کہ ایک اہم دیوبندی مولانا نے محفل میلاد میں بہ عطاء الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو شرک نہ قرار دے کر ان کی ہم نوائی فرمائی ہے۔ لیکن اس لحاظ سے ان کی خوشی بے جا ہے کہ گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت (اگر واقعی ان کی ہے تو) بالکل مہمل ہے۔ کیونکہ باعلام اللہ تعالیٰ فخر دو عالم کو کسی شے کا علم تو ہو سکتا ہے حاضری نہیں ہو سکتی۔ حاضر ہونا باحضار اللہ تعالیٰ ہی ممکن ہے۔ گنگوہی صاحب کے اقتباس سے بظاہر جو کچھ ثابت ہوتا ہے مفتی صاحب نے استدلال اس سے زیادہ فرما لیا ہے۔ انھوں نے صرف مولود کا ذکر کیا ہے انہوں نے ہر جگہ کر دیا ہے۔ انھوں نے صرف حاضر لکھا ہے انہوں نے ناظر بھی بنا دیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اگر محفل میلاد میں حاضر ہو سکتے ہیں تو ہر جگہ بھی ہو سکتے ہیں اور اگر وہ بذاتِ خود حاضر ہو سکتے ہیں تو پھر ناظر ہونا بھی یقینی بات ہے۔ معلوم ہوا وہی بات جو گنگوہی صاحب نے دبے لفظوں میں کہی تھی مفتی صاحب نے کھل کر کہہ دی ہے۔ بس دیوبندیوں اور بریلویوں میں اتنا ہی فرق ہے یعنی وہ ذرا گول مول مخلوق ہیں اور یہ چورس ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے: وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا۔ دیگر صفات کی تجلی مخلوقات میں بھی ہوسکتی ہے"۔ میرے خیال کے مطابق تو یہ چاروں صفتیں بھی بریلویوں نے کب کی نبی ﷺ کو بخش دی ہوئی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں جسے صاحب لولاک کہا جائے وہ ممکن الوجود ہے یا واجب الوجود؟ نبی ﷺ اگر قدیم نہیں تو بتلایئے پھر وہ کب سے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو صفتِ خلق سے نہیں نوازا تھا اور مفتی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ جو کمال کسی مخلوق میں ہے وہ نبی ﷺ میں بالا ولیٰ ہے۔ (ص ۱۵۸) اور کیا بریلویوں اور حیاتی دیوبندیوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں۔ البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ بریلویوں نے ایک آن کے لیے حضور ﷺ کی موت مانی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱۰) اور دیوبندیوں نے ایک آن کے لیے نہیں مانی۔ (آب حیات مولانا محمد قاسم نانوتوی) میرا یہ دعویٰ ہے کہ بریلویوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی امتیازی صفت نہیں چھوڑی۔ نبی علیہ السلام تو کجا ان کے نزدیک تو ان کے بزرگ بھی بڑی شے ہیں۔ مثلاً حضرت ابوالحسن خرقانی نے فرمایا میں اپنے ربّ سے دو سال چھوٹا ہوں۔ (فوائد فریدیہ مصنفہ خواجہ غلام فرید ص ۷۲) یہ ایک عام بزرگ کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی عمر تو ان سے چار سال "بالاولیٰ" زیادہ ہوگی۔ (معاذ اللہ) ان کے بزرگ مُردے بھی زندہ کر لیتے ہیں۔ (اسرار الاولیاء ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر مرتبہ خواجہ اسحٰق ص ۱۱۰) مُردوں کو زندہ کرنا صفتِ خلق سے کم کمال نہیں اور جو دوسروں کو زندہ کرسکتا ہے وہ خود بھلا کب مرسکتا ہے۔

انہی میں سے ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں: محمد ﷺ کو اللہ نہ کہا جائے اور سوائے اس کے خدا صفتوں سے جس صفت سے چاہے پکارے بجا اور درست ہے۔ بلکہ لکھا ہے "حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بشریت اور الٰہیت سے ملا ہوا ہوں۔ جب تو مجھ سے ہدایت یاب ہو تو میری بشریت کو نہ دیکھ اور میری الٰہیت سے نفع پا۔ (نصرت الحق و آنحضرت کی بشریت از مولوی امام دین کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ)

مفتی صاحب نے اعتراض کے طور پر یہ آیات نقل کی ہیں:

﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ ﴾ (آل عمران: ۴۴)

"اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب وہ اپنی قلمیں ڈالتے تھے"۔

﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾ (یوسف: ۱۰۲)

"اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب برادرانِ یوسف نے اپنے کام کا فیصلہ کیا"۔

﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا ﴾ (قصص: ۴۴)

"اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی"۔ (کنز)

۱۶۳ مفتی صاحب جواب دیتے ہیں کہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں بایں جسم موجود نہ تھے لیکن پھر بھی آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔ یہ آیات تو حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔

اگر مفتی صاحب ان آیات کے سیاق و سباق پر بھی نظر ڈال لیتے تو کبھی ایسی بونگی نہ مارتے۔ سیاق و سباق کا ذکر کرنے سے پہلے تو یہ عرض ہے کہ انھوں نے یہ تاویل کی ہے کہ آپ ﷺ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے۔ سوال یہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ہی وہاں اپنے جسم پاک کے ساتھ موجود تھا۔ مفتی صاحب نے پہلے خود لکھا ہے کہ خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ﷺ ہی کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شان ہوسکتی ہے۔ (ص ۱۶۱) نیز عرض ہے نبی ﷺ قبل از ولادت اگر بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے تو پھر کس حالت میں تھے اور کہاں تھے اور کیسے سب کچھ مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اب آیئے ان آیات کے سیاق وسباق کی طرف۔ پہلی دونوں آیتوں کے شروع میں یہ الفاظ ہیں:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ (آل عمران: ٤٤)

"یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں"۔ (کنز)

اگر نبی ﷺ کو پہلے ہی ان واقعات کا علم اور مشاہدہ تھا جیسا کہ مفتی صاحب کا خیال ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ غیب کی خبریں ہم تمہیں بتلاتے ہیں کیا علم اور مشاہدہ کے بعد بھی کوئی خبر غیب کہلا سکتی ہے۔ مفتی صاحب ان الفاظ کو گول کر گئے ہیں تا کہ حق پردۂ غیب میں رہے۔ انہوں نے مشاہدہ کی بات کی ہے۔ حالانکہ سورۂ یوسف کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝﴾ (یوسف: ۳)

"ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی"۔ (کنز)

اس آیت اور بریلوی ترجمہ سے ثابت ہو گیا کہ قبل از نزول قرآن نبی ﷺ کو ان واقعات کی خبر نہ تھی۔ اسی آیت کے حاشیہ میں خود مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے معلوم ہوا حضور نزولِ قرآن کے بعد بے خبر اور غافل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے تسلیم کر لیا کہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ ﷺ بے خبر اور غافل تھے۔ مفتی صاحب کے یہ الفاظ دوبارہ پڑھیے: "اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں... الخ"۔ تو کیا اب بریلویوں کے نزدیک نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں یا نہیں؟ میں تو یہ بھی نہیں سمجھ سکا مفتی صاحب نے اپنے ان الفاظ کو آیات کا مطلب کیسے قرار دیا ہے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران: ۷۸)

"اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے وہ دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں"۔

اسی طرح سورہ قصص کی مندرجہ بالا آیت کے آخر میں متصل یہ الفاظ ہیں:

﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (قصص: ٤٤) "اور اس وقت تم حاضر نہ تھے"۔ (کنز)

مفتی صاحب نے یہ پورے الفاظ نقل نہیں فرمائے تا کہ قارئین کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ کسی طرح بھی وہاں موجود نہ تھے۔ یعنی آپ ﷺ نہ حاضر تھے نہ شاہد تھے نہ بایں جسم پاک اور نہ ہی روحانی طور پر۔ اس کھلم کھلا انکشاف کے بعد مفتی صاحب نے آگے اوٹ پٹانگ منطق بکھیری ہے، وہ خود بخود کالعدم ہو گئی۔

۱۶۴ بطورِ اعتراض یہ آیت نقل کی ہے:

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (التوبہ: ۱۰۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور کچھ مدینہ والے، اس کی تو ہوگئی ہے نفاق۔ تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں"۔ (کنز)

لکھتے ہیں اس کا تفصیلی جواب ہم بحث علم غیب میں دے چکے ہیں۔ وہاں جو جواب دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ (محمد:۳۰)

"اور یقیناً تو انھیں بات کی ڈھب سے پہچان لے گا"۔

لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے۔ (ص ۱۰۴) حالانکہ سورہ محمد ﷺ سورہ توبہ کے سات آٹھ برس پہلے نازل ہو چکی تھی۔ تو پہلے نازل ہونے والی آیت بعد میں نازل ہونے والی آیت کے لیے ناسخ ہو سکتی ہے؟ بریلویوں کے نزدیک نبی ﷺ قبل از پیدائشِ آدم لوح محفوظ کے حافظ، حاضر و ناظر اور عالم الغیب تھے تو نو ہجری کو نازل ہونے والی آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ سے یہ فرمانا کہ تم منافقوں کو نہیں جانتے بڑی عجیب بات لگتی ہے۔

(الف) اعتراض نقل کرتے ہیں، ایک سفر کے دوران میں عبداللہ بن ابی منافق نے کہا:

﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ (المنافقون:۷)

"جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس ہیں انہیں کچھ نہ دو"۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے شکایت نبی ﷺ تک پہنچا دی۔ وہ مکر گیا اور جھوٹی قسم اٹھالی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((و کذبنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صدقھم))۔ (بخاری ص ۷۲۷ حدیث ۴۹۰۰)

"مجھے نبی ﷺ نے جھٹلا دیا اور اس کی تصدیق کر دی"۔

اگر حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو عبداللہ بن ابی کی غلط تصدیق کیوں کی؟

جواب دیتے ہیں: "عبداللہ بن ابی کی تصدیق فرما دینے سے لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو۔ شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعا علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لے گا۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعیٰ علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا۔ پھر جب قرآن نے زید رضی اللہ عنہ کی گواہی دی تب اس گواہی سے ان کی تصدیق ہوئی"۔

مفتی صاحب نے نبی ﷺ کو عام قاضی پر قیاس کر کے یہ جواب گھڑ لیا ہے حالانکہ ان کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حاضر بھی تھے ناظر بھی تھے شاہد یعنی گواہ بھی تھے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا﴾ (النساء:۴۱)

"اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

اس کے تحت خود مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ از اوّل تا روزِ قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان و نفاق و اعمال سب کو جانتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ سب کے ہی گواہ ہیں۔ (ص ۴۹) تو اگر آپ ﷺ عبداللہ بن ابی کے کیس میں گواہی دے دیتے تو کیا آپ کی گواہی معتبر نہ ہوتی۔ جواب اگر نفی میں ہے تو پھر آپ ﷺ کے حاضر و ناظر اور گواہ ہونے کا کیا فائدہ؟ کیا یہ بریلویوں کے علماء و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشائخ کے القاب کی طرح اعزازی القاب ہی ہیں بلکہ میں عام قاضی کی بات بھی کرتا ہوں ایک جرم قاضی کی موجودگی میں ہو اور اس کی نظروں کے عین سامنے ہو تو کیا اس کے لیے مجرم کے حق میں فیصلہ دینا جائز ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا ہے: "جب قرآن نے زید رضی اللہ عنہ کی گواہی دی تب اس گواہی سے اس کی (زید رضی اللہ عنہ کی) تصدیق ہوئی"۔ میں پوچھتا ہوں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اس مقدمہ میں معتبر نہیں تھی تو قرآن کی گواہی کیسے معتبر ہوگی۔ قرآن بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہی جاری ہوا۔

﴿يُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ (النساء: ۱۵۰)

"جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں"۔

سچی بات یہ ہے ہم تو قرآن پاک پر بھی اسی لیے ایمان لائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ یہ اللہ پاک کا کلام ہے۔ قرآن پاک کی گواہی کو ماننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی نہ ماننا اس کی جرأت بریلوی مولویوں کو ہی ہو سکتی ہے۔ نیز انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن پاک کی یہ گواہی کچہری کی گواہی نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک پرائیویٹ اور خفیہ رابطہ ہے اور اس کی حیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی علم کی سی ہے اور مفتی صاحب نے ابھی لکھا ہے کہ قاضی کے ذاتی علم پر فیصلہ نہیں ہوتا۔

(ب) مفتی صاحب نے آگے دلیل ارشاد فرمائی ہے۔ قیامت میں گذشتہ کفار انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا انکار کریں گے اور انبیاء دعویٰ، رب العالمین اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی لے کر انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق فرمائے گا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے:

﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ "خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے"۔

"تب ان کے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاء سے گواہی لے کر ان کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا ربّ کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا؟ ضرور تھا۔ مگر یہ قانون کی پابندی ہے"۔ مفتی صاحب نے یہ دلیل اپنے حق میں دی ہے حالانکہ یہ ان کے خلاف ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ گذشتہ اُمتیں تبلیغ کا یا مشرکین شرک کا انکار کر دیں گے تو اصل گواہ نہ ہونے کی وجہ سے کیا اللہ تعالیٰ انھیں رہائی دے دے گا اور ان کفار و مشرکین کے دعویٰ کو سچ مان لے گا۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف گواہوں کا بندوبست کرے گا۔ کیا ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کر سکتے تھے؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تکذیب اور عبداللہ بن ابی کی تصدیق فرما دی۔ بلکہ میں پوچھتا ہوں محض قانون کی پابندی کی وجہ سے مفتی صاحب نے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پتہ ہونے کو معتبر نہیں مانا تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کیونکر تسلیم کر لی گئی۔ کیا یہ قانون کی پابندی ہے۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں: ((کذبنی)) کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا"۔ یہ مفتی صاحب نے جھوٹ بولا ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے آگے یوں مروی ہے:

((فاصابنی هم لم يصبنی مثله قط فجلست فی البيت فقال لی عمی ما اردت الی ان كذبك رسول الله صلی الله عليه وسلم و مقتك)).

"مجھے ایسا غم پہنچا جو کہ ساری زندگی کبھی نہ پہنچا تھا۔ میں گھر میں بیٹھ گیا، میرے چچا نے مجھے کہا دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جھٹلا دیا ہے اور تجھ سے ناراض ہو گئے ہیں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جھٹلایا نہیں اور ((و کذبنی)) سے بھی ان کی یہی مراد ہوتی تو پھر انہیں شدید غم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حق پر ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم ان کے کان میں ہی کہہ دیتے کہ میرے نورِ نبوت کی رُو سے تم سچے ہو مگر میں قانونِ شہادت کی وجہ سے اس فیصلے پر مجبور ہوں تا کہ ان صحابی کا دِل تو نہ دُکھتا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ((و کذبنی)) کا معنی یہ کیا جائے مجھ کو جھوٹا فرمایا تو صحابہ پر فسق کا الزام آ جائے گا۔ عرض یہ ہے کہ کذب خلافِ واقع بات کرنے پر فسق کا فتویٰ نہیں لگ جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تکذیب اس لیے فرمائی کہ شاید انہیں سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لم یکذب ابراھیم الا ثلٹ کذبات ... الخ)). (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ٤٧٤ حدیث ٣٣٥٨، مسلم ج ٢ ص ٢٦٦ حدیث ٦١٤٥، مشکوۃ بدء الخلق ذکر الانبیاء ص ٥١٦)

"ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین کذب یعنی خلافِ واقع باتیں کیں"۔

تو کیا بریلوی مولوی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کوئی فتویٰ لگائیں گے۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں: "کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نورِ نظر یا فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر گندگی سے گندی نہیں ہوتیں۔ بتاؤ تم ربّ کو سب جگہ مانتے ہو یا نہیں۔ اگر مانتے ہو تو اس کی بے ادبی ہوتی یا نہیں۔ نور آفتاب گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں گو حقیقت محمدیہ جسے ربّ نور فرمائے اس پر ناپاکی سے احکام کیوں جاری ہوں گے"۔

مفتی صاحب بار بار گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ قبل ازیں خود لکھ آئے ہیں کہ خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ ہونا تو رسولِ خدا کی شان ہی ہو سکتی ہے۔ (ص ۱۶۲) نیز لکھا ہے کہ حضور تمام عالم کی اصل ہیں اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔ ہر ایک ان سے ہے وہ ہر ایک میں ہیں الخ۔ (ص ۱۶۱) بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرّہ ذرّہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس حضور علیہ السلام نمازیوں کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔ (ص ۱۵۲) اور یہ بھی لکھا ہے جب تمام مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) رونق افروز مجلس ہوتے ہیں مگر جب حقہ آ جائے تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔ (ص ۱۵۵) مگر اب اعتراض سے بچنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کو سورج کی شعاع یا نورِ نظر سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ جب اُنہوں نے ایک دفعہ کہہ دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر نہیں ہے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اللہ تعالیٰ سے بھی دے کر جان کیوں چھوڑاتے ہیں؟

جھوٹ بولا ہے تو اس پر قائم بھی رہو ظفرؔ
آدمی کو صاحبِ کردار ہونا چاہیے!

مفتی صاحب نے مثالیں بھی غلط دی ہیں۔ کبھی کسی نے سورج کو حاضر ناظر نہیں کہا۔ دھوپ کبھی یہاں ہے کبھی وہاں ہے کبھی ہے کبھی نہیں۔ اسی طرح نظر کبھی ادھر دیکھتی ہے کبھی اُدھر دیکھتی ہے اور کبھی آنکھیں بند کر لی جاتی، ہر جگہ تو کوئی بے وقوف بھی انہیں نہیں کہتا۔ نہ کوئی مسلمان فرشتوں کو ہی ہر جگہ موجود سمجھتا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حقیقت محمدیہ جسے ربّ نور فرمائے"۔ میں پوچھتا ہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کے کس پارے میں یہ آیت ہے کہ رب تعالیٰ نے حقیقت محمدیہ کو نور فرمایا ہے۔ نیز بتلایا جائے کہ حقیقت محمدیہ ہوتی کیا شے ہے؟ بلکہ عرض ہے اگر محمد مصطفیٰ حاضر ناظر نہیں بلکہ حقیقت محمدیہ حاضر ناظر ہے تو پھر اسے ہی پکارو کہ جو حاضر و ناظر ہے بلکہ یوں کہا کرو: الصلوٰۃ والسلام علیک یا حقیقتِ محمدیہ۔ نعرہ رسالت یا حقیقت محمدیہ۔ نعرہ حیدری یا حقیقت علویہ۔ نعرۂ غوثیہ یا حقیقت غوثیہ علیٰ ہذا القیاس۔ گھر میں دھوپ پہنچے تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا ہمارے گھر میں سورج آ گیا ہے یا جہاں تک نظر پہنچے تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا وہاں میری آنکھ پہنچ گئی ہے۔ اس کے برعکس بریلوی تو بذاتِ خود نبی ﷺ کو ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر مانتے ہیں مثلاً کہتے ہیں وہ آ گئے تشریف لے آئے۔ استقبال کے لیے کھڑے ہو جایئے۔ یہ تو بقول مفتی صاحب قوتِ قدسیہ والے تو ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرا دیتے ہیں۔ رفتار خواہ روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو، یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے۔ (ص ۱۳۸ و ص ۱۳۹) اور بقول مولوی احمد رضا خان صاحب اولیاء بیک وقت بذاتِ خود دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ دعوت قبول کر سکتے ہیں۔ (ملفوظات ص ۱۱۳)

۱۶۵ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیکم و انا سلیم الصدر))۔ (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوداؤد کتاب الادب حدیث ۴۸۶۰) ❶

"کوئی شخص ہم کو کسی صحابی کی باتیں یعنی شکایتیں نہ لگائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دِل آیا کریں"۔

اس حدیث سے بھی چونکہ حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے تو مفتی صاحب جواب میں فرماتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

((دعونی ما ترکتکم))۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۸۲ حدیث ۷۲۸۸)

"جب ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو"۔

سوال یہ ہے اگر آپ ﷺ ہر جگہ موجود بھی ہوتے تھے دیکھ بھی رہے ہوتے تھے، غیب تک کا آپ ﷺ کو علم ہوتا تھا تو پھر بے توجہی کیسی؟ اگر علم شہودی ہی کا نام حاضر و ناظر ہونا ہے تو ہو سکتا ہے سب بریلوی بھی عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہی ہوں صرف توجہ کی کمی ہو۔ میں پوچھتا ہوں جب نبی ﷺ کے علم شہودی میں یہ موجود ہو کہ فلاں شخص نے آپ ﷺ کے خلاف یہ بات کہی ہے تو جب وہ شخص سامنے آئے گا تو کیا خود بخود توجہ ادھر مبذول ہو کر آپ ﷺ کی صاف دلی میں فرق نہ آ جائے گا۔ لہٰذا یہ کہنے کا کیا فائدہ کہ کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی بات کا اس وقت تک نوٹس ہی نہیں لیا جب تک وہ بات آپ ﷺ کو پہنچا کر آپ ﷺ کے علم میں نہ لائی گئی ہو۔ کیا بقول مفتی صاحب آپ ﷺ ہر وقت ہی بے توجہ رہتے تھے۔ مثلاً غزوہ حنین کے موقع پر حاصل ہونے والی غنیمت کی تقسیم پر بعض انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعتراض ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو یہ اطلاع دی گئی۔ تب آپ ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا:

((ما حدیث بلغنی عنکم))۔ (بخاری ص ۶۲۰ حدیث ۴۳۳۱)

"مجھے تمہاری طرف سے یہ کیا بات پہنچی ہے"۔

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن ابی کی خطرناک بے ہودگی کا نوٹس بھی آپ ﷺ نے تبھی لیا جب زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ تک بات پہنچائی مگر پھر بھی آپ ﷺ کو ان پر اعتبار نہ آیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بیان کرتا ہے میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر پوچھا کیا تم وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: تم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا؟ میں نے کہا: آپ ﷺ کو صحیح اطلاع ملی تھی۔ فرمایا:

((هل تستطيع ان تغيب وجهك عني ... الخ)). (بخاری ص ۵۸۲ حدیث ۴۰۷۲)

"کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ اپنا چہرہ مجھ سے غائب کر لے"۔

یعنی آپ ﷺ اپنے چچا کے قاتل کو بحیثیت مسلمان بھی دیکھنا برداشت نہ فرما سکے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ تم میری نظروں سے غائب ہو جاؤ۔ اسی روایت میں وحشی بیان کرتا ہے پھر میں وہاں سے چلا گیا۔ تو کیا واقعی وحشی نبی غیب دان کی نظروں سے غائب ہو گیا حتیٰ کہ توجہ تک بھی نہ رہی۔ میں بریلویوں سے پوچھتا ہوں نبی ﷺ نے وحشی سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنا چہرہ مجھ سے غائب کر لو۔ کیا ایسا ممکن تھا۔ آپ ﷺ عالم الغیب بھی ہوں، حاضر و ناظر اور شاہد بھی ہوں، پھر کوئی شے آپ ﷺ سے غائب ہو سکتی ہے؟

مفتی صاحب کو جس بات کا جواب نہ آتا ہو اسے رولے میں ڈالنے کے لیے کوئی نیا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ علم شہودی نہ جانے کیا بلا ہے۔ پھر ان کا ذرونی (دعونی) ما ترکتکم فرمانا بھی قطعاً غیر متعلق ہے۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ تم مجھ سے زیادہ سوال نہ کیا کرو۔ شکایت لگانے سے تو اس کا واسطہ ہی نہیں۔ مفتی صاحب نے یہ کتنی مہمل بات کہی ہے۔

اعتراض نقل کرتے ہیں: بیہقی حدیث ۱۴۸۱ میں ہے:

((من صلى عَلَيَّ عند قبري سمعته و من صلى عَلَيَّ نائيا ابلغته)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی ﷺ وفضلها ص ۸۷) [1]

"جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور جو دُور سے درود بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ دُور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی۔ "جواب دیتے ہیں کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں اور دُور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے"۔

یہ روایت تقریباً موضوع ہے۔ اس کی سند میں علاء بن عمرو راوی کذاب ہے۔ (میزان ص ۲۱۳) بریلوی چونکہ اسے مانتے ہیں اس لیے، ان کے لحاظ سے بات کرتا ہوں۔ عرض ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھنے والے (ص ۱۳۸) کے لیے، دور و نزدیک کا کیا سوال؟ آگے ایک اور تاویل کی ہے جو اس کی بالکل برعکس اور نہایت ہی احمقانہ ہے۔ فرماتے ہیں: اہل محبت کا درود تو ہم بہ نفس نفیس سن لیتے ہیں اور غیر محبت والوں کا درود پہنچایا جاتا ہے۔ تو دُور و قریب سے درود دلی دوری و قریبی مراد ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔ سوال یہ ہے کہ کیا غیر محبت والوں کا درود نبی ﷺ بہ نفس نفیس نہیں سنتے۔ اگر نہیں سنتے تو آپ کا غیر حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو گیا۔ اگر سنتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا اہل محبت کا درود آپ ﷺ صرف سنتے ہیں، پہنچایا نہیں جاتا۔ جب کہ غیر محبت والوں کا درود آپ ﷺ سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔ پھر تو غیر محبت والے یعنی دلی دوری والے ہی اچھے رہے کہ انہیں دوہرا اعزاز حاصل

تخریج: [1] موضوع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا۔ اگلی باتیں اس سے بھی زیادہ بے کار ہیں۔

۱۶۶ اعتراض نقل کرتے ہیں، "فتاویٰ بزاری میں ہے:

((من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر)).

"جو کہے مشائخ کی روحیں حاضر ہیں، جانتی ہیں، کافر ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے"۔

مفتی صاحب نے اس کا نہایت عیارانہ جواب دیا ہے، فرماتے ہیں: "مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں وہاں تو حاضر مانیں گے۔ پس کہیں بھی ماننا کفر ہوا"۔ مسئلہ زیر بحث ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا ہے۔ ایک جگہ تو ہر ذی روح حتیٰ کہ چیونٹی بھی حاضر و ناظر ہوتی ہے۔ مفتی صاحب اِدھر اُدھر کی مار کر جان چھوڑانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ عقائد کا معاملہ ہے اور پہلے خود لکھ آئے ہیں کہ عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ (ص ۱۷)

۱۶۷ اعتراض نقل کرتے ہیں: "اگر حضور ﷺ حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو۔۔۔الخ"۔ اس کا تحقیقی جواب یہ دیا ہے کہ "حضور ﷺ، قرآن، فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے"۔ مفتی صاحب کے اس جواب سے نور بشر کا جھگڑا تو ختم ہو گیا۔ جاہل قسم کے بریلوی آئے دن نور نور کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا نور بلحاظ تخلیق نہیں بلکہ بلحاظ ایمان ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی پیدائش مبارک نور سے نہیں ہوئی آپ ﷺ کا نور ہونا ایسا ہی ہے جیسے قرآن پاک نور ہے۔ چنانچہ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ (المائدہ: ۱۵) کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب بھی فرماتے ہیں: سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ ﷺ سے کفر کی تاریکی دُور ہوئی اور راہِ حق واضح ہوئی۔ باقی مفتی صاحب نے فرشتوں کی جو مثال دی ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ ان کی پیدائش واقعی نور سے ہوئی ہے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ حدیث ۷۴۹۵، مشکوٰۃ باب بدء الخلق ص ۵۰۶) آگے مفتی صاحب نے لکھا ہے "نور کو دیکھنے کے لیے بصیرت کا نور چاہیے۔ بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں"۔ یہاں مفتی صاحب نے بات کو پھر دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ عرض ہے وہ کون سے مقبول لوگ ہیں؟ ان میں سے کس قسم کا نور بصیرت پایا جاتا ہے اور وہ کس نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بات صاف کرنی چاہیے، پہیلیاں نہیں بجھوانی چاہئیں۔ یہ اعتقاد کا معاملہ ہے۔ مفتی صاحب نے ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ﴾ کے حاشیہ میں نبی ﷺ کو چاند اور سورج کی طرح قرار دیا ہے۔ ان کی روشنی کو تو اندھے بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ مگر بقول مفتی صاحب نبی ﷺ کے نور کا مشاہدہ صرف نورِ بصیرت والوں ہی کو ہوتا ہے۔ تو کیا نور بصیرت کسی پرندے (بٹیرے) کا نام ہے، یا یہ عینک کی کوئی قسم ہے۔

۱۶۸ مفتی صاحب مختلف اعتراضات کے جواب میں فرماتے ہیں کسی بھی کمال میں کسی کو حضور ﷺ سے زیادہ ماننا کفر ہے۔ بلکہ قبل ازیں لکھا ہے کہ یہ صریح آیت قرآنی، احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ اس دعویٰ کا بوگس ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جو بات ثابت اور متفق علیہ ہے وہ بس اتنی ہے کہ آپ ﷺ سب سے افضل ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم و رفع بعضھم درجٰت۔

آصف بن برخیا کا ذکر کیا ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لے آئے تھے۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طاقت ان سے زیادہ تھی۔ حالانکہ آج تک کسی کو صحیح معلوم نہیں کہ تخت لانے والے کون بزرگ تھے اور ان کے پاس کس قسم کا علم تھا۔ صرف اتنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر ہے ﴿الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ (النمل:۴۰) "جس کے پاس کتاب کا علم تھا"۔ اب نہ جانے وہ کتاب کونسی تھی۔ بہر حال جو بھی ہو یہ اللہ تعالیٰ کی دین تھی۔ اسے کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ قادرِ مطلق کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ شب معراج آن کی آن میں نبی ﷺ کو اربوں میل کا سفر کرا سکتا ہے تو ایک لحظہ میں ڈیڑھ ہزار میل سے تخت لانا تو معمولی بات ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ معجزات و کرامات کا معاملہ مستقل نہیں عارضی ہوتا ہے۔

۱۰۹ مفتی صاحب لکھتے ہیں: "ان (آصف بن برخیا) کو یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام کی برکت سے ملا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے استاذ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معجزہ بیان فرمایا ہے:

﴿وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ (السبا:۱۲)

"اور سلیمان علیہ السلام کے بس میں ہوا کر دی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ"۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں: چنانچہ آپ صبح کو دمشق سے روانہ ہوتے تو دو پہر کو قیلولہ اصطخر میں فرماتے جو ملک فارس میں ہے۔ اور دمشق سے ایک مہینہ کی راہ پر اور شام کو اصطخر سے روانہ ہوتے تو شب کو کابل میں آرام فرماتے۔ یہ بھی تیز سوار کی طرح ایک مہینہ کا راستہ ہے۔ تقریباً یہی بات مفتی صاحب نے بھی اس آیت کے حاشیہ میں لکھی ہے۔ حنفیہ اپنی کتابوں میں ایک دن کا سفر سولہ میل گنتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پورے ایک دن میں اپنا معجزاتی سفر نو سو ساٹھ میل طے فرماتے تھے۔ جب کہ آصف بن برخیا ایک لمحہ میں ڈیڑھ ہزار میل سے تخت لے آئے۔ لہٰذا مفتی صاحب کا حضرت سلیمان علیہ السلام کو آصف بن برخیا سے زیادہ تیز رفتار ثابت کرنا غلط ہو گیا۔ ان باتوں سے مفتی صاحب کا اصل مقصد تو نبی ﷺ کو "باکمال" ثابت کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں: گر یہ کمال آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو آپ ﷺ کو سفر ہجرت کے لیے اتنی صعوبتیں نہ برداشت کرنا پڑتیں۔ اگر یہ کمال آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو کیا آپ ﷺ اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ سے لے نہ آتے جن کے شوہر حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ دیر بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اگر یہ کمال آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو بجائے بیعت الرضوان کرنے کے آپ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ کی قید سے چھڑا نہ لاتے۔ اگر یہ کمال آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو آپ ﷺ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا رقعہ خود اپنے کسی ﴿الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ قسم کے خادم کے ذریعہ پلک جھپکنے سے قبل نہ منگوا لیتے۔ اس کے لیے گھوڑ سواروں کو روانہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیا کہا تھا؟

﴿اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾ (النمل:۲۲) "کہ میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں"۔

مفتی صاحب نے اس آیت کا دو طرح سے ردّ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

① قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ علیہ السلام کو خبر نہ تھی، ہدہد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہو گی۔

② اس ملک میں آپ علیہ السلام بایں جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں"۔

کاش مفتی صاحب اپنے قارئین کو ان آیتوں سے بھی آگاہ فرما دیتے:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ۞ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡ اَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ (النمل: ۲۰، ۲۱)

"اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولا مجھے کیا ہوا میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ واقعی حاضر نہیں۔ میں اسے سخت عذاب کروں گا یا ذبح کروں گا یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے"۔ (کنز)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ ہدہد آیا حاضر ہے مگر نظر نہیں آ رہا یا غیر حاضر ہے اور اگر غیر حاضر ہے تو کیوں غیر حاضر ہے۔ مفتی صاحب اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "غائبین" کے یہ معنی ہیں کہ "یہاں سے غائب ہے نہ کہ میری نگاہ سے"۔ مفتی صاحب نے یہ کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو صاف فرمایا: ﴿مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ﴾ یعنی "کیا ہوا میں ہدہد کو نہیں دیکھتا"۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے۔ اگر حضرت کو خبر نہ تھی تو آصف بن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے؟ اور آن کی آن میں تخت کیسے لے آئے۔ معلوم ہوا کہ سارا ملک یمن حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے"۔ مفتی صاحب کی یہ دلیل نہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سمجھ میں آئی نہ اللہ تعالیٰ کی سمجھ میں آئی۔ قرآن پاک میں ہے: "میں ہدہد کو نہیں دیکھتا"۔ مگر یہ حضرت انہیں سارا جہاں دکھلانے پر مصر ہیں۔ کسی وقت کسی بزرگ سے کوئی کرامت سرزد ہو جائے تو یہ کوئی قانون نہیں کہ اسے دوسروں پر بھی مسلط کر دیا جائے۔ آصف بن برخیا (بالفرض) ایک بزرگ ہی تھے آپ بھی اپنے کسی بزرگ سے کہیں کہ دہلی سے پردھان منتری کی کرسی اٹھا لائے۔ مزا آ جائے گا۔

﴿۱۷۰﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے۔ موزے اُتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اُٹھا لیا اور اُوپر لے جا کر اُلٹا کر کے پھینک دیا جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور ﷺ نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اُٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں آپ ﷺ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ ﷺ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آ کر مجھ پر زمین کے ساتوں طبق روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اُٹھا لیا کہ شاید آپ ﷺ بے توجہی سے اس کو پہن لیں اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچ جائے"۔ خیال فرمایئے چیل پر ساتوں طبق روشن ہو گئے اور حضور ﷺ کو سانپ کا پتہ نہ چلا۔ پتہ نہیں اتنی جلدی سانپ اس میں گھس کیسے گیا تھا۔ حوالہ مثنوی شریف کا ہے۔ مثنوی شریف نہ ہوئی بخاری شریف ہو گئی۔ بلکہ کہا جاتا ہے "ہست قرآں درزبان پہلوی"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک رات ایک بچھو نے دوران نماز نبی ﷺ کے ہاتھ مبارک پر ڈس لیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے جوتے سے مسل ڈالا اور سلام پھیرنے کے بعد فرمایا بچھو پر خدا کی مار یہ نمازی اور غیر نمازی یا (فرمایا) نبی اور غیر نبی کو بھی ڈنک لگانے سے باز نہیں آتا... الخ۔ (شعب الایمان بیہقی حدیث ۲۳۴۰، مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی ص ۳۹۰)[1] افسوس کہ اس وقت کسی چیل یا کوے کا اوپر سے گزر نہیں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی مشکل کشائی نہ جانے کس وقت کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے ابھی لکھا ہے پیغمبر علیہ السلام کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے۔ (ص ۱۶۹) مگر یہ بچھو تو حضور ﷺ کو لڑ گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ بریلوی اس بچھو سے حضور ﷺ کا تعارف کرانا بھول گئے تھے۔

تخریج: [1] حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الف) اسی طرح مفتی صاحب لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کا تہبند اوڑھ لیا تو ان کی آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے اور انہیں نور کی بارش نظر آئی۔ (ملخص) عجیب بات ہے نبی ﷺ کو نہ موزے میں سانپ کا پتہ چلا نہ زمین پر بچھو نظر آیا اور صرف تہبند کی برکت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سب حجاب دور ہو گئے۔ اگر مفتی صاحب کی اس گپ میں ایک فی صد بھی سچائی ہے تو بریلویوں نے جگہ جگہ نبی ﷺ کے تبرکات شریف رکھے ہوئے ہیں ذرا انھیں اوڑھ کر یا آنکھوں سے لگا کر دیکھیں بھلا انہیں کیا نظر آتا ہے۔

(ب) اعتراض نقل کرتے ہیں اگر حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جواب دیتے ہیں "جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے"۔ گزارش ہے کہ کعبہ لوگ خدا کو دیکھنے نہیں بلکہ حج، عمرہ اور طواف کے لیے جاتے ہیں یہ ہماری عبادت کا حصہ ہے۔ نیز فرماتے ہیں: "پھر معراج میں حضور ﷺ کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ؟" ہم نے تو کہیں نہیں پڑھا کہ حضور ﷺ عرش پر گئے ہوں۔ ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ تک جانا ثابت ہے۔ (عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۴۹ حدیث ۳۸۸۷، مسلم ج ا ص ۹۱، مشکوٰۃ باب المعراج ص ۵۲۷) جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا۔ اگر بریلویوں کے بقول مان لیا جائے کہ آپ ﷺ عرش پر گئے تھے اور ربّ تعالیٰ کو دیکھا تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور مکان تسلیم کرنا پڑے گا جو بریلوی مسلک کے خلاف ہے۔ لہٰذا ہر جگہ ہونے کے باوجود لوگوں کے مدینہ پاک میں جانے یا نبی ﷺ کے "عرش" پر جانے کا فائدہ بتلانے کی ذمہ داری بریلوی علماء پر ہی عائد ہوتی ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے اور خاص تجلی گاہ جیسے کہ برقی طاقت کے لیے پاور ہاؤس۔ بلکہ اولیاء اللہ کی قبور مختلف پاوروں کے قمقمے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے"۔ افسوس کہ مفتی صاحب نے مسجد نبوی ﷺ کا ذکر نہیں کیا، جہاں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہوتا ہے۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۵۹ حدیث ۱۱۹۰، مسلم ج ا ص ۴۴۶ حدیث ۳۳۸۳، مشکوٰۃ باب المساجد ص ۶۷) قبر کا ذکر کیا ہے حالانکہ بقول ان کے آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں جب کہ مسجد نبوی ﷺ ایسی چیز ہے جو مدینہ منورہ کے سوا کہیں نہیں ہے۔ معلوم ہوا انہیں فقط حضور ﷺ کی قبر مبارک سے محبت ہے مسجد نبوی ﷺ سے کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ جس کے پتھر آپ ﷺ نے کندھوں پر اٹھائے اور جس کا گارا آپ کے جسم اطہر پر لگتا رہا، اور جو آپ ﷺ کے دلی سکون و اطمینان کا مرکز و محور تھی۔

(ج) اعتراض نقل کرتے ہیں: "اگر حضور ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو۔ ہر جگہ حضور ﷺ ہی امام ہونے چاہئیں"۔ جواب دیتے ہیں کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی حیاتِ شریف میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی۔ خود حضور انور ﷺ نے ایک رکعت ان کے پیچھے پڑھی"۔ مفتی صاحب کا اسم گرامی احمد یار خاں ہے لیکن یہ بار بار اپنے آپ کو عیار خاں ثابت کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ ثابت تو یہ کرنا ہے آیا حضور ﷺ کی موجودگی میں کسی نے امامت کرائی۔ مگر فرماتے ہیں: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی حیات شریف میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ کیا انھیں حیات شریف اور موجودگی کا فرق بھی معلوم نہیں؟ میں پوچھتا ہوں کیا ان سترہ نمازوں کے وقت حضور ﷺ مسجد میں موجود تھے۔ آپ ﷺ تو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں بستر مرگ پر آرام فرماتے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر کیا ہے۔ عرض ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے ایک رکعت کیوں پڑھی؟ دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکعت کیوں نہ پڑھیں؟ اس سے ثابت ہوا جب جماعت شروع ہوئی تھی اس وقت حضور ﷺ موجود نہ تھے۔ نیز اصل مسئلہ حضور ﷺ کی موجودگی میں کسی کی امامت کے جائز ہونے کا نہیں اصل مسئلہ یہ ہے آیا فی الواقع کبھی ایسا ہوا بھی ہے۔ ایک مثال دے دیں حضور ﷺ کی موجودگی میں کبھی کسی صحابی نے امامت کے لیے آگے بڑھنے کی جرأت کی ہو۔ یہ "شرف" صرف بریلویوں کو حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو سجدوں سمیت ہر جگہ موجود بھی مانتے ہیں اور پھر مصلّٰی امامت پر قابض بھی ہو جاتے ہیں۔

﴿۱۷۱﴾ مفتی صاحب آگے فرماتے ہیں: "امامت کے لیے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے۔ حضور ﷺ حاضر ہیں اور تمام جہان کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ہر جگہ وہ تو نظر نہیں آتے۔ ناظر ہیں مگر منظور نہیں"۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب، نے نبی ﷺ کی زندگی کو حقیقی، دنیاوی، روحانی اور جسمانی قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱۰) سوال یہ ہے کہ پھر وہ نظر کیوں نہیں آتے؟ ہمیں اگر نظر نہیں آتے تو کم از کم بریلویوں کو ضرور نظر آنے چاہئیں۔ کیا یہ صحیح اور سچے عاشق نہیں ہیں۔ خود مفتی صاحب نبی ﷺ کے متعلق پیچھے لکھ آئے ہیں نور کو دیکھنے کے لیے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہیے۔ بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ (ص ۱۶۷) تو کیا اب ان میں کوئی بھی مقبول بندہ نہیں اور یہ سب نورِ بصیرت سے محروم ہیں۔ جب نبی ﷺ واقعی حیات تھے تو آپ ﷺ کو ابولہب، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی جیسے لوگ بھی دیکھتے تھے۔ اب نہ جانے کیا وجہ ہے حقیقی دنیاوی روحانی اور جسمانی لحاظ سے زندہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ کو بریلویوں کے احبار و رہبان بھی نہیں دیکھتے۔

جہاں تک نماز پڑھنے پڑھانے کا تعلق ہے تو واقعہ معراج سے خود بریلوی حضرات استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ (عن انس بن مالک مسلم ج ۲ ص ۲۶۸ حدیث ۶۱۵۷) اور یہ بھی ذکر ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام نے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (عن انس بن مالک ابن ابی حاتم بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶) جناب مفتی صاحب نے انتباہ الاذکیاء فی حیات الاولیاء از سیوطی ص ۷ حوالہ سے لکھا ہے: "کوئی صالح آدمی مر جائے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث و آثار آتے ہیں"۔ (ص ۱۵۴) حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنی موت کے بعد ایک قاضی صاحب کا جنازہ پڑھایا۔ آپ گھوڑا دوڑاتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ (مناقب المحبوبین ص ۱۱۲)

﴿۱۷۲﴾ مفتی صاحب آخر میں لکھتے ہیں: "حضور ﷺ پر اب نماز فرض نہیں۔ ہم پر فرض ہے۔ فرض والا نفل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا"۔ ہمیں یہ شکوہ تھا کہ بریلوی مولوی ہمارے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی نماز تو نبی ﷺ کے پیچھے بھی جائز نہیں تو ہمارا شکوہ دور ہو گیا۔ گزارش ہے کہ نماز جنازہ فرض ہے جب باوجود فرض ہونے کے نماز جنازہ میں مرے ہوئے بزرگوں کی امامت جائز ہے تو پنجوقتہ نمازوں میں نبی ﷺ کی امامت کیوں جائز نہیں اور اگر نبی علیہ السلام کے امام نہ بن سکنے کی یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی نماز نفلی ہے تو کم از کم آپ ﷺ کے پیچھے تراویح ہی پڑھ لیا کریں۔ حنفیہ کے نزدیک مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے اس واسطے جائز نہیں کہ ان کے نزدیک اقتداء نام ہے بنا کا۔ اب نبی ﷺ کی نماز چونکہ نفلی ہے لہٰذا اس پر فرض کی بنا نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ ہے حضور ﷺ کی نماز کمزور ہے۔ بریلویوں کی نماز مضبوط ہے۔ حضور ﷺ کی نماز ان کی نمازوں کا بوجھ نہیں سہار سکتی۔ حالانکہ پہلے مفتی صاحب لکھ آئے ہیں حضور ﷺ کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاتعداد برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (ص ۱۶۸)

مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے یہ نماز اسی عالم کی چیز ہے حضور ﷺ دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ عرض ہے، کہ نبی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کے بارے میں یا دیگر اولیاء کرام کے بارے میں بریلویوں کے جتنے بھی خصوصی عقائد ہیں وہ کس عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی جب وہ نماز بھی نہیں پڑھ سکتے جو وجہ تخلیق انسانیت ہے تو وہ اور کیا کر سکیں گے؟

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

"میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

یہ بات لکھ کر مفتی صاحب نے اپنے پورے مسلک کو بلڈوز کر دیا ہے اور اہل توحید کے لیے راہ صاف کر دی ہے۔ یہی تو ہم کہتے ہیں، کہ اُس عالم والوں کو اس عالم سے کوئی تعلق نہیں۔ آخر میں یہ بھی عرض کر دوں جس طرح ان کی نماز نبی ﷺ کے پیچھے جائز نہیں اسی طرح شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے پیچھے بھی جائز نہیں۔ بلکہ اگر وہ سچ مچ بھی تشریف لے آئیں تو یہ انھیں اپنی مسجدوں میں گھسنے بھی نہ دیں کیونکہ وہ رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھنے والے تھے۔

مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ نماز اسی عالم کی چیز ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ شب معراج انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی یہ کس عالم سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضور ﷺ کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

﴿۱۷۳﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور ﷺ کو "یا محمد ﷺ!" وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت سے پکارا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کو ھذا الرجل (یہ مرد) اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے۔

گزارش ہے کہ اہل توحید تو صرف اللہ تعالیٰ کے پکارنے کے قائل ہیں۔ بریلوی اور شیعہ ہی یا محمد (ﷺ)، یا علی (رضی اللہ عنہ)، بلکہ یا فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے نعرے لگاتے ہیں۔ ان کا یہ مقبول ترانہ ہے:

اساں یا محمدؐ کہنا ایں
وہابیاں سڑدیاں رہنا ایں

ان کی مسجدوں، مکانوں اور گاڑیوں میں "یا اللہ، یا محمد ﷺ" کے کتبے آویزاں ہوتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں مفتی صاحب نے خود بھی حوالہ دیا ہے کہ منکر نکیر قبر میں نبی ﷺ کو ھذا الرجل سے یاد کرتے ہیں۔ (ص ۱۷۳) اب مفتی صاحب کے فتویٰ کی رُو سے نہ جانے وہ کافر ہیں یا مسلمان۔

﴿۱۷۴﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو بشر کہتے تھے:

﴿قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (ابراھیم: ۱۰) "کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر"۔

گزارش ہے اگر وہ غلط کہتے تھے یا بے ادبی سے ایسا کہتے تھے تو پھر ان کی تردید ہونی چاہیے تھی۔ جیسے فرمایا:

﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ (بقرہ: ۱۰۴) "اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو اُنْظُرْنَا کہو"۔

مگر اس کے برعکس اگلی آیت میں ان کی تصویب فرمادی:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ﴾ (ابراھیم: ۱۰۵)

"ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان۔ مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے"۔ (کنزالایمان)

یعنی ہم تم میں بلحاظ بشریت فرق نہیں بلکہ بلحاظ نبوت و رسالت فرق ہے۔ اور یہ یقیناً بہت بڑا فرق ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کفار بھی ازراہِ بے ادبی بشر نہیں کہتے تھے بلکہ اس بات کو محال جانتے تھے کہ ایک بشر بھی نبی ہو سکتا ہے:

﴿فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ يَّهۡدُوۡنَنَا﴾ (التغابن: ٦) "کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے"۔ (کنزالایمان)

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰٓى اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ٩٤)

"اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی لیے کہ بولے کیا اللہ تعالیٰ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا"۔ (کنز)

﴿وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۚ﴾ (الانبیاء: ٣)

"اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشاورت کی کہ یہ کون ہیں۔ ایک تمہی جیسے بشر تو ہیں"۔ (کنز)

معلوم ہوا کفار کا بشر کہنا بے ادبی کی وجہ سے نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو صرف منہ پر کہتے وہ تو اپنی نجی اور پرائیویٹ مجلسوں میں بھی ایسا ہی کہتے تھے: "ہم جیسے بشر" کیا خیال ہے ان کے دل میں اپنی عزت بھی نہیں تھی۔

مفتی صاحب نے ایک آیت یہ نقل فرمائی ہے:

﴿وَلَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۝﴾ (مؤمن: ٣٤)

"اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو"۔ (مفتی)

قبل ازیں یہ الفاظ ہیں:

﴿مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَيَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ۝﴾

"یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اس میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اس میں سے پیتا ہے"۔ (کنز)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ کھانے پینے والا بھی پیغمبر نہیں ہو سکتا ہے۔ مفتی صاحب نے اپنی نقل کردہ دونوں آیتوں کو کفار مکہ کا قول بتلایا ہے حالانکہ ان میں گذشتہ قوموں کا ذکر ہے۔ بہر حال بریلویوں کی طرح اگلے پچھلے تمام کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ بشر پیغمبر نہیں ہو سکتا اور اگر پیغمبر ہے تو اسے بشر نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی ان کا یہ عقیدہ چونکہ یہ پیغمبر ہے لہٰذا بشر نہیں۔ ان دونوں کے درمیان قدر مشترک ہے کہ بشریت اور نبوت یکجا نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ دونوں پر بیک وقت ایمان لانا ضروری ہے:

((اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ)).

"مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بزرگی کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی"۔

اگر فقط کفار کے کہنے کی وجہ سے بریلویوں کو انبیاء علیہم السلام کے بشر ہونے پر اعتراض ہے تو وہ ان پر کھانے پینے کا الزام بھی لگاتے تھے بریلویوں کو چاہیے کہ ان کی بھی نفی فرما دیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (ابراہیم:۱۱) کے حاشیہ میں مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں: "خیال رہے کہ نبی کو بشر یا تو رب نے فرمایا یا خود نبی نے اپنے آپ کو یا کفار نے۔ ان تینوں کے سوا کسی نے انہیں بشر نہیں کہا۔ اب جو انھیں بشر کہہ کر پکارے وہ نہ رب ہے نہ نبی تو لامحالہ بے ایمان ہے"۔ ﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (الشعراء:۱۵۴) کے حاشیہ میں مفتی صاحب نے بشر کہنے والے کو کافر بھی کہا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے اس فتویٰ کی زد میں کون کون آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں:

((كان بشرا من البشر يفلي ثوبه ويحلب شاته ويخدم نفسه)). (مسند احمد حدیث ۲۶۲۳۷)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں کی سلائی دیکھ لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنی خدمت خود کر لیتے تھے"۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: "جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے میں شک ہو اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں"۔ (ملخص ج ۱ ص ۱۱۷)

علامہ نسفی فرماتے ہیں:

وقد ارسل الله تعالى رسلا من البشر الى البشر. (شرح عقائد)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے بشر کی طرف بشر ہی رسول بنا کر بھیجے"۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

محمد صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء من البشر ارسلوا الى البشر. (الشفا بتعریف حقوق المصطفى ج ۲)

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء بشر تھے اور بشر کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے"۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: "اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر آں علوشان بشر بود و بداغ حدوث و امکان متہم"۔

(مکتوب نمبر ۷۳ دفتر اول ص ۱۷۷)

ترجمہ: "اے بھائی یاد رکھ!! محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو بشر لیکن مقام و مرتبے کے لحاظ سے سب سے بلند و بالا"۔

مفتی صاحب نے خود بھی لکھا ہے: "نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں"۔ (ص ۱۷۳)

۱۷۵ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد، یا اخا مؤمنین کہہ کر نہ پکارا، بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول وغیرہ القاب سے پکارا۔ تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ اُن کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں"۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہیں پکارا مگر نام سے یاد تو فرمایا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ (الفتح:۲۸) "محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ (آل عمران:۱۴۴) "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی ہیں"۔

اسی طرح بشر کا لفظ بھی بولا ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ ... الخ﴾ (آل عمران:۷۹، شوریٰ:۵۱) "کسی انسان کو یہ لائق نہیں ہے"۔

اور گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی اپنی قوموں کا بھائی بھی کہا ہے۔ (ہود، الشعراء)

معلوم ہوا بطور حکایت یا بطور عقیدہ یہ الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ مفتی صاحب نے بھی کہا ہے کہ نبی انسان ہی ہوتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ البتہ ان ناموں سے پکارنا نہیں چاہیے۔ بحمد اللہ اہل توحید نے کبھی نبی ﷺ کو یا محمد ﷺ یا بشر یا اے بھائی کہہ کر نہیں پکارا۔ البتہ بریلوی حضرات ضرور یا محمد ﷺ کہتے اور لکھتے ہیں۔ جسے مفتی صاحب نے حرام قرار دیا ہے۔ (ص ۱۷۳) بلکہ بقول مفتی صاحب یا محمد ﷺ وغیرہ کہنا ایسے ہی ہے جیسے آپ ﷺ کو بشر کہنا جو ابلیسی کلام ہے۔ (ص ۱۷۵)

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے جواب میں!

قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الکہف: ۱۱۰)

"کہہ دیجئے بے شک میں بشر ہوں تم جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے"۔

مفتی صاحب نے نبی ﷺ کو از جنس بشر بھی مان لیا اور انسان بھی کہہ دیا مگر ان کے اندر کا بریلوی مطمئن نہیں۔ سیدھی سی بات ہے نبی ﷺ بلحاظ انسان لوگوں کی مثل ہیں اور بلحاظ شان آپ ﷺ کی کوئی مثل نہیں۔ اس آیت میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ مگر ان کے اندر کا بریلوی انہیں نچلا نہیں بیٹھنے دیتا۔ فرماتے ہیں: یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور ﷺ کو اجازت ہے کہ آپ ﷺ بطور انکسار و تواضع فرمادیں یہ نہیں کہ اے لوگو! تم کہا کرو کہ حضور ﷺ ہم جیسے بشر ہیں۔ ہم تو فرمائیں گے ﴿شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ ہم تو فرمائیں گے ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ . يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ وغیرہ"۔ عرض ہے کہ یہ الفاظ بھی تو اللہ تعالیٰ نے ہی بیان کیے ہیں اس نے یہ کب کہا ہے کہ اے لوگو! تم یہ "فرمایا" کرو۔ افسوس کہ بریلوی حضرات اپنی اس بات پر بھی پورا نہیں اُترتے، مذکورہ الفاظ کی بجائے یہ نبی ﷺ کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں: عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کل، مشکل کشا، نور من نور اللہ، یا محمد ﷺ وغیرہ وغیرہ۔

۱۷۶ مفتی صاحب نے ایک یہ بات بڑی غیر مہذب لکھی ہے، فرماتے ہیں: "اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں۔ یعنی بشر ہوں جیسے شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے"۔ یعنی ان کے نزدیک نبی ﷺ کا بشر ہونا محض ایک شکاری کا روپ ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ مفتی صاحب کی اس نامعقول عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار نبی ﷺ سے اس لیے گھبراتے اور نفرت کرتے تھے کہ آپ ﷺ انہیں غیر جنس نظر آتے تھے۔ تب ہی آپ ﷺ کو یقین دلانا پڑا کہ گھبراؤ نہیں میں تمہاری ہی جنس سے ہوں۔ سوال یہ ہے کیا واقعی نبی ﷺ بظاہر بھی انسان نہیں لگتے تھے ورنہ پھر آپ کو دیکھ کر کافروں کے گھبرانے کی وجہ کیا تھی۔ یعنی اگر آپ اندر سے بھی انسان نہیں تھے بظاہر بھی انسان نہیں تھے تو پھر تھے کیا؟

(الف) ایک اس سے بھی بڑی بدتمیزی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر یہ سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے"۔ اس مثال میں مفتی صاحب نے کافروں کو طوطوں سے، اور نبی علیہ السلام کو اس آئینہ سے تشبیہ دی ہے جس میں طوطوں کو اپنا عکس نظر آئے اور وہ اسے بھی طوطا ہی سمجھیں۔ استغفر اللہ۔ ہمیں کہتے ہیں حضور ﷺ کو بشر نہ کہو اور خود کبھی حضور ﷺ کو شکاری سے تشبیہ دیتے ہیں کبھی طوطے سے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) فرماتے ہیں: "بشریت اور شانِ مصطفوی ﷺ میں ۲۷ درجہ فرق ہے"۔ یعنی ان کے نزدیک نبی ﷺ عام انسانوں سے صرف ۲۷ گنا افضل ہیں۔ مگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ عام انسانوں کو آنحضرت ﷺ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ آپ کا مرتبہ و مقام کھرب ہا کھرب گنا سے بھی زیادہ ہے۔

(ج) مفتی صاحب نے مثنوی کے ایک مصرعہ کا ترجمہ لکھا ہے: "حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے"۔ اگر یہ بات ہے تو پھر نہ جانے بریلویوں کے لیے حضور ﷺ کی بشریت کیوں سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔ تب تو اس پر فخر کرنا چاہیے کہ حضور ﷺ بشر ہیں بشر ہیں بشر ہیں۔

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

مفتی صاحب فرماتے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ (النور: ۳۵)

"رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے"۔

اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشن ہے"۔ عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس لحاظ سے یہ تمثیل بیان فرمائی ہے کیا وہ صحیح نہیں۔ آیا یہ مماثلت غلط ہے۔

﴿۱۷۷﴾ فرماتے ہیں، اسی طرح قرآن میں ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الانعام: ۳۸)

"اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح گروہ نہ ہو"۔

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ "ہر انسان گدھے اور اُلو جیسا ہے۔ ہرگز نہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا ہی نہیں کہ انسان گدھے اور اُلو جیسا ہے اور نہ ہی یہ فرمایا ہے کہ گدھے اور اُلو انسان جیسے ہیں، بلکہ یہ فرمایا۔ ہے کہ جانور بلحاظ اُمت ہونے کے تم جیسے ہیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہے؟ یعنی جس طرح انسان ایک اُمت ہیں۔ مخلوق میں جس طرح انسان ہیں انواع و اقسام کے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جیسے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لو لا ان الكلاب أمة من الامم لا مرت بقتلها ...الخ)). (عن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ابی داؤد حدیث ۲۸۴۵ کتاب الصید ترمذی حدیث ۱۴۸۶ ابواب الصید مشکوۃ باب ذکر الکلاب ص ۳۵۹) [1]

"اگر کتے بھی اُمتوں میں سے ایک اُمت (جماعت) نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دے دیتا"۔

مولوی نعیم الدین صاحب نے اس آیت کے تحت کئی وہ مماثلتیں بیان فرمائی ہیں جو انسان اور جانوروں کے درمیان ہوسکتی ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الاعراف: ۱۹٤)

"بے شک وہ جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں"۔ (کنز)

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب لکھتے ہیں: "ہم نبی ﷺ کو اپنی مثل نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ انہیں بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرمایا گیا۔ تعجب ہے کہ بعض لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی طرح ہیں یہ نہیں کہتے کہ ہم ابوجہل، ابولہب کی طرح ہیں"۔ میں پوچھتا ہوں: بلحاظ بشر ہونے کے آخر وہ کونسی شے ہے جو مفتی صاحب میں تھی اور ابوجہل میں نہیں تھی۔ نبی ﷺ نے دعا مانگی تھی:

((اللهم اعز الاسلام بابی جهل بن هشام او بعمر بن الخطاب))۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی کتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۳، مشکوۃ ص ۵۵۷) [1]

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ نبی ﷺ نے ابوجہل کو کیا سمجھ کر دعا مانگی تھی؟ بلحاظ بشر ہونے کے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کا انسان یا اور کوئی جانور۔

مفتی صاحب نے قرآن پاک کے الفاظ ﴿اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کو بے اثر بنانے کے لیے نبی ﷺ کی کچھ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضور ﷺ کا کلمہ ہے اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ "میں اللہ کا رسول ہوں" اگر ہم کہیں تو کافر ہو جائیں"۔ عرض ہے کیا صیغے کی تبدیلی بھی عدم مثلیت کو مستلزم ہے۔ ہم اگر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں تو کیا "محمد ﷺ اور اس ''اَنَا'' کے مصداق میں کوئی فرق ہے؟ فرماتے ہیں: "اگر ہم کہیں تو کافر ہو جائیں"۔ بایزید بسطامی نے فرمایا: عرش، کرسی، قلم، ابراہیم، موسیٰ، محمدؐ ملائکہ میں ہوں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۰۶ از شیخ فرید الدین عطار) تو کیا وہ کافر ہو گئے۔ بلکہ فرمایا: میرا جھنڈا محمد ﷺ کے جھنڈے سے زیادہ ہے۔ (فوائد فریدیہ ص ۷۳ مصنفہ خواجہ غلام فرید) تو کیا کافر ہو گئے۔ کسی نے حسین بن منصور رحمہ اللہ سے کہا تو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر تو نے میری قدر کم کر دی۔ میں تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں۔ (ایضا ص ۷٦) تو کیا کافر ہو گئے؟ حسین بن منصور رحمہ اللہ کا یہ بھی قول ہے موسیٰ علیہ السلام بھی برحق اور فرعون بھی سچا تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۵۵) کیا کافر ہو گئے؟

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ ربّ کو، جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرما لیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے"۔ عرض ہے کیا فقط ان چیزوں کو دیکھ لینے سے ہی ایمان کی نوعیت بدل جاتی ہے اور پھر بشریت بھی تبدیل ہوتی ہے۔ ان چیزوں کو دیکھنے سے پہلے آپ ﷺ کیا تھے اور پھر کیا تبدیلی رونما ہو گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ دیکھنے کی درخواست کی تھی تو یہ کہا تھا:

﴿لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ﴾ (بقرہ: ۲٦۰) "میرے دل کی تسکین ہو جائے گی۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام: ۷۷)

"اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں"۔

اس کے متعلق مفتی صاحب نے لکھا ہے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے۔ (ص ٦٣) تو کیا اس سے

تخریج: [1] حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی بشریت بدل گئی تھی؟ نہیں، بلکہ فرمایا:

﴿وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ﴾ "اور تا کہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں"۔

ثابت ہوا غیبی چیزیں دیکھ لینے سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان علی الیقین سے ترقی کر کے حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ فقہ حنفی میں تو اتنی بھی گنجائش نہیں کیونکہ ان کے ہاں کسی کا ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔ (حاشیہ مفتی صاحب تو بہ ۱۲۴)

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں ہمارے لیے ارکانِ اسلام پانچ حضور ﷺ کے لیے چار۔ یعنی آپ ﷺ پر زکوۃ فرض نہیں۔ (دیکھو شامی شروع کتاب الزکوۃ) اس بارے میں حوالہ صرف کتاب و سنت کا معتبر ہے۔ نبی ﷺ نے نہ مال جمع کیا نہ زکوۃ دینے کی نوبت آئی۔ اگر اتنی بات سے بشریت مختلف ہو جاتی ہے تو غریبوں کی بشریت کے بارے میں کیا خیال ہے کہ ان پر زکوۃ تو کجا حج بھی فرض نہیں۔

(ج) فرماتے ہیں، ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور ﷺ پر چھ یعنی تہجد بھی فرض:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹)

"اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں یہ زیادتی آپ ﷺ کے لیے ہے"۔

عرض ہے کہ ﴿نَافِلَةً﴾ کا ترجمہ نفل ہے یا فرض؟ ہدایہ میں باب النوافل ہے، کیا اس کا معنی باب الفرائض ہے۔

(د) فرماتے ہیں: "ہم کو چار بیویوں کی اجازت، حضور ﷺ کے لیے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں"۔ نبی ﷺ نے اپنی عائلی زندگی کا اکثر حصہ ایک بیوی صاحبہ کے ساتھ بسر فرما دیا، کیا اس وقت آپ ﷺ کی بشریت کم درجہ کی تھی۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ جس قدر چاہیں یہ بھی غلط ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ﴾ (الاحزاب: ۵۲) "ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں"۔ (کنز)

خود مفتی صاحب نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: "علماء فرماتے ہیں جیسے مسلمانوں کے لیے بیویوں کا نصاب چار ہے ایسے میں حضور ﷺ کے لیے نو تھا"۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ننانویں یا سو بیویاں تھیں۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۴۹۵ حدیث ۲۸۱۹، مشکوۃ باب الانبیاء ص ۵۰۸) تو کیا ان کی بشریت حضور ﷺ سے گیارہ گنا افضل تھی۔

(ر) فرماتے ہیں: "ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں مگر حضور ﷺ کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ۶) کسی کے نکاح میں نہیں آ سکتیں"۔

﴿وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْۢ بَعْدِهِ أَبَدًا﴾ (الاحزاب: ۵۳)

"اور نہ نکاح کرو آپ (ﷺ) کی بیویوں سے آپ (ﷺ) کے بعد کبھی"۔

مفتی صاحب نے قرآن پاک کے حوالے سے خود ذکر کیا ہے ازواجِ مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ماں سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ ماں سوتیلی بھی ہو تو اس سے نکاح جائز نہیں ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ رضاعی ماں سے بھی نکاح جائز نہیں۔ ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ بیوی کی ماں سے بھی نکاح جائز نہیں۔ ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾۔

(ز) مفتی صاحب نے لکھا ہے: "حضور ﷺ ایمان، عبادات، معاملات غرض کہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں"۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی بناتِ طاہرات سے بالا ولی کسی کا نکاح جائز نہ ہوتا۔ حضور ﷺ کی بیٹیاں حضور ﷺ کی بیویوں سے کم درجہ قابل احترام نہیں ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(س) مفتی صاحب مزید فرماتے ہیں: "ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو، حضور ﷺ کی میراث نہ بٹے"۔ انھوں نے صحیح وضاحت نہیں فرمائی۔ یہ صرف حضور ﷺ کی بات نہیں سب انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے یہی مسئلہ ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقه)). (عن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۸۰۶ حدیث ۵۳۵۷)

"ہم انبیاء کا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا بلکہ صدقہ ہو جاتا ہے"۔

نبی ﷺ کا ورثہ کتاب وسنت ہے۔ افسوس کہ احناف کو یہ بھی قبول نہیں"۔

(ش) فرماتے ہیں: "ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک۔ حضور ﷺ کے فضلات شریفہ اُمت کے لیے پاک"۔ (دیکھو شامی باب الانجاس، مرقات باب احکام المیاہ ج ۲ ص ۵۳) فصل اوّل میں ہے:

و من ثم افقاء کثیر من اصحابنا طهارة فضلاته.

"ہمارے بہت سے فقہاء احناف نے نبی ﷺ کے پاخانہ پیشاب کے پاک ہونے کو اختیار کیا ہے"۔

اسی مرقات باب الستر کے شروع میں ہے:

فحجمه ابو طیب فشرب دمه.

"ابوطیب نے آپ ﷺ کو سنگی لگائی اور آپ ﷺ کا خون پی لیا"۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ثم توضأ فشربت من وضوئه)). (بخاری ص ۳۱ حدیث ۱۹۰، مشکوۃ ص ۵۱)

"پھر نبی ﷺ نے وضو کیا اور میں نے آپ کے وضو کا پانی پیا"۔

اس کے تحت مرقات میں لکھا ہے یہاں وضوء سے حضور ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی بھی مراد ہو سکتا ہے اور آپ ﷺ کے وضو کا مستعمل پانی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پھر آگے چل کر لکھا ہے:

((وقال ابن حجر و قد یجاب بان المسائل من اعضائه لشرفها لا ینجس ومن ثم اختار کثیر ان من اصحابنا طهارة فضلاته علیه الصلوة والسلام)). (مرقات ج ۲ ص ۵۳)

"ابن حجر مکی نے کہا وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اعضاء سے بہنے والا پانی اعضاء کے شرف کی وجہ سے ناپاک نہیں۔ اسی لیے ہمارے بہت سے فقہاء احناف نے نبی ﷺ کے پاخانہ پیشاب کے پاک ہونے کو اختیار کیا ہے"۔

گویا ان کے نزدیک نبی ﷺ کے وضو کے استعمال شدہ پانی کی وہی حیثیت تھی جو آپ ﷺ کے پاخانہ پیشاب کی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کے لباس مبارک سے، پسینہ مبارک اور آبِ مستعمل سے تو برکت حاصل کی ہے لیکن نہ جانے اس کی کیا وجہ ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کے پاخانہ شریف سے اور پیشاب شریف سے کیوں برکت حاصل نہیں کی۔ انھوں نے فضلات شریفہ کو یونہی ضائع کر دیا۔ کاش انھوں نے فقہ حنفی پڑھی ہوتی۔ اب خدا جانے وہ کونسی اُمت ہے جس کے لیے حضور ﷺ کے فضلات شریفہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاک ہیں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ احناف کے لیے کتاب وسنت پر عمل کرنا کفر کی جڑ ہے اور فضلات شریفہ پاک ہیں۔

مفتی صاحب نے ابوطیب سے خون پینے کا جو واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ مجھے مرقات باب الستر میں نہیں ملا۔ نہ شروع میں نہ آخر میں۔ اس سلسلہ میں احناف کچھ اور بھی واقعات بیان کرتے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت مالک بن سنان سے۔ مگر کوئی بھی صحیح ثابت نہیں۔ یہ سارا زور مفتی صاحب نے دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت سے خارج کرنے کے لیے لگایا ہے اور یہ محض نادانی کی وجہ سے ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے فضائل سے جنس نہیں بدلتی شان بلند ہوتی ہے۔ حجر اسود دنیا کا مقدس ترین پتھر ہے۔ مگر ہے تو پتھر ہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((واللہ انك لحجر لا تنفع ولا تضر)). (بخاری ص ۲۱۷ حدیث ۱۵۹۷)

"خدا کی قسم تو فقط ایک پتھر ہے جو نفع نقصان کا مالک نہیں تجھے میں کبھی نہ چومتا اگر تجھے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چوما ہوتا"۔

﴿۱۰۸﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اس آیت میں ہے ﴿بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ یہ نہیں کہ ﴿اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ﴾ بشر کے معنی ہیں ذو بشرہ۔ یعنی ظاہری چہرہ مہرہ والا۔ بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنی یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ وروپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں"۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان نہیں تھے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھال اس قسم کی تھی کہ بظاہر انسان لگتے تھے لیکن حقیقت میں انسان نہیں تھے۔ یہ اتنی بڑی تہمت ہے کہ اس کی جرأت کافروں کو بھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، جادوگر اور دیوانہ تو کہا لیکن یہ کسی نے نہ کہا کہ سرے سے انسان ہی نہیں ہیں۔ یہود و نصاریٰ نے کہا تھا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (مائدہ: ۱۸) "بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو"۔

تو کیا یہاں بھی یہی مراد ہے کہ تم بظاہر چہرہ مہرہ کے لحاظ سے انسان ہو اور حقیقت میں انسان نہیں ہو۔ میں پوچھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے کوئی انسان پیدا کیا بھی ہے جو بظاہر انسان ہو اور اندر سے کچھ اور ہو کیونکہ ہر ایک کو تو بشر کہا گیا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ۔ مولوی بریلوی صاحب نے ﴿بَلْ اَنْتُمْ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ کا ترجمہ کیا ہے "بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے"۔ معلوم ہوا بشر کا معنی آدمی ہے۔ تو کیا آدمی اور انسان میں کوئی فرق ہے۔ اگر فرق ہے تو میں بریلویوں سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ آدمی ہیں یا بظاہر انسان ہیں؟

مفتی صاب پہلے لکھ آئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ تواضع وانکسار کے طور پر فرمایا تھا۔ (ص ۱۷۵) اب فرماتے ہیں: "میں ظاہر رنگ وروپ میں تم جیسا ہوں"۔ یعنی اندر سے کوئی اور شے ہوں تو کیا یہ تواضع وانکسار ہے؟

مفتی صاحب نے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی چند برکتوں کا ذکر کر کے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے خارج کرنے کی کوشش کی ہے۔ جواباً عرض ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کے بارے میں ان معجزات سے بھی بڑھ کر کرامتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ تو کیا وہ بھی بشریت کا صرف جامہ ہی پہنے ہوئے ہیں۔ اندر سے بشر نہیں ہوتے؟ میں ڈاکٹر صاحبان کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ ذرا ان بریلوی بزرگوں کا الٹرا ساؤنڈ تو کریں۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں جس طرح ﴿یَدُ اللّٰہِ اَیْدِیْهِمْ﴾ یا ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْكٰوةٍ﴾ وغیرہ جو آیات بظاہر شانِ خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اسی طرح ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ﴾ وغیرہ وہ آیات جو بظاہر شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں متشابہات ہیں لہٰذا ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے"۔ عرض ہے کہ ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ﴾ کے مقابلے میں محکم آیت کونسی ہے تا کہ ہم اس پر ایمان لائیں اور اس متشابہ آیت کو اس پر محمول کرنے کی کوشش کریں یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں آتا ہے ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ کیا نبی ﷺ کے بارے میں بھی کہیں فرمایا گیا ہے کہ آپ انسان نہیں ہیں۔ بریلویوں کا ہمارے بارے میں یہ پراپیگنڈہ ہے کہ ہم شانِ مصطفی ﷺ میں گستاخی کرتے ہیں۔ آج معلوم ہوا انھیں یہ شکایت اللہ تعالیٰ سے بھی ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ... الخ﴾ (ابراھیم: ۲۴)

"کیا تم نے نہ دیکھا اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی۔ پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت"۔ (کنز)

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید اور ساری اچھی باتیں ہیں جیسے قرآن، تسبیح، حمد الٰہی، نعت رسول ﷺ، دین کی تبلیغ وغیرہ، تمام کلمات اس میں داخل ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو انسانوں جیسا بشر قرار دیا تو مفتی صاحب کے خیال میں یہ شانِ مصطفوی ﷺ کے خلاف ہے یعنی اس میں حضور ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اس سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو درخت جیسا قرار دے دیا ہے تو کیا کلمہ توحید، قرآن، تسبیح، حمد الٰہی، نعت رسولؐ، دین کی تبلیغ وغیرہ تمام کلمات کی توہین ہو گئی۔ اگر یہ بات ہے تو بریلویوں کو اللہ تعالیٰ پر حیران ہونا چاہیے جس نے اپنی بھی توہین کر ڈالی، نبی ﷺ کی بھی توہین کر ڈالی اور کلمہ طیبہ کی بھی توہین کر ڈالی۔

مفتی صاحب نے فرمایا ہے ان کے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے حالانکہ ان کے ظاہر سے دلیل پکڑ کر خود مفتی صاحب فرما چکے ہیں کہ نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ (ص ۱۷۳)

نیز فرماتے ہیں: ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ "نبی بشر ہوتے ہیں"۔ (ص ۱۸۲) ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ تو فقط ایک آیت ہے جس کے ظاہر سے دلیل پکڑنا ان کے نزدیک غلط ہے۔ ورنہ اس سے پہلے مفتی صاحب یہ قاعدہ کلیہ بیان فرما چکے ہیں کہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔ (ص ۲۶) یعنی ان کے مذہب میں سارا قرآن و حدیث ہی کفر کی جڑ ہے۔ اور سب کا سب اس قابل ہے کہ اس کی تاویل کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہمیں صحیح اسلام سمجھا ہی نہیں سکے۔ نہ اللہ تعالیٰ کو سمجھانے کا سلیقہ آیا نہ نبی ﷺ صحیح ترجمانی فرما سکے۔ اس کو صرف بریلوی صحیح سمجھ سکے ہیں۔ اسی لیے مولوی بریلوی صاحب نے ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کا ترجمہ یوں فرمایا ہے: "ظاہر صورت بشری میں میں تم جیسا ہوں"۔ سوال یہ ہے کہ یہ ظاہر صورت کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ یہ چودھویں صدی کے "مجدد" کی بدترین خیانت ہے۔ آگے یہ الفاظ ہیں ﴿يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اس کا ترجمہ مولوی بریلوی صاحب نے یہ کیا ہے "مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے"۔ یہاں بھی کہہ دیا ہوتا بظاہر صورت تمہارا معبود ایک ہے"۔ کیونکہ بظاہر صورت ان کا مذہب یہی ہے۔ میرے بھائی ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کا معنی ہی یہ ہے یعنی اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہ "میں بشر ہوں تمہارے جیسا"۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں "روزہ کے بارے میں فرمایا: ((ایکم مثلی)) (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۳۵۱ حدیث ۲۵۶۶، مشکوۃ کتاب الصوم ص ۱۷۵) نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا: ((لکنی لست کاحد منکم)) (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۲۵۳ حدیث ۱۷۱۵، مشکوۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب اقصد فی العمل ص ۱۱۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت موقعوں پر فرمایا: ((اینا مثلہ))۔ اور احادیث تو فرما رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں۔ ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جائے"۔ بریلوی حضرات کبھی تو کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں کبھی کہتے ہیں بشر تو ہیں مگر ہم جیسے نہیں۔ یہ ایک جگہ ٹکتے ہی نہیں کہ انھیں پکڑا جاسکے۔ ان احادیث میں نہ تو بشریت کی نفی ہے نہ مثلیت کی نفی ہے۔ یعنی نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بشر ہونے کا انکار کیا ہے نہ یہ فرمایا ہے کہ میں بشر تو ہوں مگر تم جیسا بشر نہیں۔ مذکورہ احادیث میں ہم جیسا نہ ہونا بلحاظ بشریت کے نہیں بلکہ بلحاظ نبوت ایمان اور تقویٰ کے ہے۔

اسی طرح تو اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات سے بھی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (الاحزاب: ۳۲) "تم مثل معمولی عورتوں کے نہیں ہو"۔

تو کیا اب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی بشریت بھی معرض خطر میں پڑ جائے گی۔ نیز سب مسلمانوں سے فرمایا:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۵) "اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ پڑے"۔

تو کیا سب مسلمانوں کو بشریت کی صف سے نکال دیا جائے گا۔

۱۷۹ مفتی صاحب تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی بشر اس لیے ہوئے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت ان کا کمال ہے۔ لہٰذا آیت (ھود: ۲۷) کا مقصد یہ ہوا کہ "ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں"۔ یہ وہ بات ہے جو میں کہنا چاہتا تھا مگر مفتی صاحب نے خود ہی نقل کر دی ہے۔ اگر یہ حضرت ذرا بھی سیانے ہوتے اور ان میں عقل و شعور کا شمہ بھی ہوتا تو اس گفتگو پر اس بحث کا دروازہ بند کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسانوں جیسا بشر تسلیم نہ کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کمال کمال نہیں رہتا۔

سبق ملا ہے معراجِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ مجھے
کہ بشریت کی زد میں ہے عالمِ گردوں

(الف) فرماتے ہیں آدم علیہ السلام نے عرض کیا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾۔ یونس علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۸۷) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا: ﴿فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ (الشعراء: ۲۰) لیکن کوئی دوسرا ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی۔ یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہے وہ ایمان سے خارج ہے۔ پہلے بھی اور اس پچھلی عبارت میں انھوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہے لہٰذا اپنے ہی بنائے قاعدے کلیے کے مطابق مفتی صاحب ایمان سے خارج ہو گئے۔ نیز عرض ہے ظالم یا ضال ہونا تو انسانی غلطی ہے کیا بشر ہونا بھی غلطی ہے۔ اگر یہ غلطی ہے تو یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی غلطی ہے یا اللہ تعالیٰ کی غلطی ہے جس نے انہیں بشر بنایا۔ نعوذ باللہ۔

(ب) مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اکرموا اخاکم)) تم اپنے بھائی کا احترام کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں مگر بڑے بھائی نہ کہ چھوٹے۔ قرآن فرماتا ہے: ﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾، ﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾، ﴿وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾۔

جواب دیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ تواضع و انکسار فرمایا اَخَاکُمْ۔ اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح رب نے نبیوں کو اپنی قوموں کا بھائی کہا ہے یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت مل گئی۔ انبیاء کرام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے"۔ (مخلص) اصل قصہ یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ربّ کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسند احمد ج ۶ ص ۷۶ حدیث ۲۴۴۷۱ مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء ص ۲۸۳) ❶

مطلب یہ ہے کہ عبادت کا حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے میں تو تمہارا بھائی ہوں اور تم ہی میں سے ہوں۔ مجھ میں اور تم میں بلحاظ بشریت اور انسانیت کوئی فرق نہیں۔ تمہیں میری عزت کرنی چاہیے عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بیان احوال واقعی ہے۔ انکسار اور تواضع نہیں ہے تواضع پر محمول تب ہوتا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے تواضع پر محمول کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے۔ یعنی وہ سمجھ لیتے کہ آپ بطور تواضع اپنے آپ کو ہمارا بھائی فرما رہے ہیں ورنہ درحقیقت سجدہ آپ کو روا ہے۔ اگر پوری حدیث پیش نظر ہوتی تو تواضع وانکسار والی تاویل کر کے اس حدیث کا حلیہ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دعا کی تھی:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ﴾ (البقرہ:۱۲۹) "اے ربّ ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے"۔ (کنز)

تو کیا ﴿ مِّنْهُمْ ﴾ (یعنی انہی میں سے) کو بھی تواضع پر محمول کیا جائے گا؟

بھائی کے مسئلہ پر بریلویوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کو بھی بہت بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مایہ ناز کتاب تقویۃ الایمان میں یہ بھائی والی حدیث نبوی نقل کی ہے۔ اب بھائی تین ہی طرح کے ہو سکتے ہیں: چھوٹا، برابر کا، اور بڑا بھائی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بڑا بھائی فرمایا ہے۔ اب بریلوی بتلائیں اگر انھیں اس حدیث کی تشریح کرنی پڑے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس درجہ کا بھائی قرار دیں گے۔ تواضع کہہ دینا تو مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ یہ تو حدیث کا انکار ہے۔ مفتی صاحب کو برابر پر اعتراض ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے برابر نہیں بڑا بھائی فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے چلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((اشركنا يا اخي في دعائك))۔ (ترمذی حدیث ۳۵۶۲ ابواب الدعوات ابن ماجہ مناسک حدیث ۳۵۶۲) ❷

"میرے چھوٹے بھائی مجھے اپنی دعا میں شریک رکھنا"۔

ظاہر ہے کہ چھوٹا بھائی بڑے بھائی ہی کا چھوٹا بھائی ہوتا ہے۔ اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لینا چاہا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں۔

اصل اعتراض تو مفتی صاحب کو پکارنے پر ہے۔ تو کیا کسی بریلوی نے کبھی کسی اہل توحید کو اے بھائی محمدؐ لکھتے یا پکارتے سنا ہے۔ یہ شرف صرف بریلویوں یا شیعہ کو حاصل ہے کہ تقریباً ان کے ہر گھر اور ہر مسجد میں یا محمدؐ لکھنے کا رواج ہے۔ حالانکہ نام لے کر صرف چھوٹوں کو ہی پکارا جاتا ہے۔ ہمارے مسلک کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنا جائز ہی نہیں۔ شرک ہونے کے علاوہ اس میں بے ادبی کا پہلو بھی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ ﴾ (الحجرات:۴)

"بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں"۔

۱۸۰ اعتراض نقل کرتے ہیں، "قرآن کہتا ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ "مسلمان آپس میں بھائی ہیں" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مومن ہیں، لہٰذا آپ ﷺ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے"۔ جواب دیتے ہیں: پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے: ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾ (الحشر: ۲۳) مفتی صاحب جواب کیا دیتے ہیں علم کا جنازہ ہی نکال دیتے ہیں، کیا انہیں معلوم نہیں کہ بسا اوقات ایک لفظ متعدد معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ خود ان کے مولوی بریلوی صاحب نے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ کا ترجمہ مسلمان کیا ہے اور اللہ کے بارے میں ﴿اَلْمُؤْمِنُ﴾ کا ترجمہ "امان دینے والا" کیا ہے۔ مفتی صاحب کے اصول کے مطابق تو درج ذیل آیت:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵) "ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے"۔

کا بھی انکار کیا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی نفس کا لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

"تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا"۔

تو کیا اللہ تعالیٰ کو بھی موت آئے گی؟ کیونکہ نفس کا لفظ اللہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

اصل بات تو لفظ اخ کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس طرح المومنون اور المومن (امان دینے والا) کے معنی میں اختلاف ہے۔ کیا ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ اور ﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ وغیرہ اور اکرموا اخاکم کے مفہوم و معنی میں بھی کوئی اختلاف ہے۔ مولوی بریلوی صاحب نے لفظ بھائی سے بچنے کے لیے انبیاء کے بارے میں اَخَاهُمْ کا ترجمہ "ہم قوم" کیا ہے۔ لیکن کیا فائدہ؟ بھائی ہی تو ہم قوم ہوتا ہے۔ مگر ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ میں انہوں نے بھائی ترجمہ کیا ہے۔ یہاں بھی ہم قوم ہی کر دیتے کیا یہ صحیح نہیں تھا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: بھائی کی بیوی بھابھی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور نبی ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (المائدہ:۱۱۶)

مفتی صاحب فضول باتوں پر اُتر آئے ہیں۔ یہاں اخوت سے نسبی رشتہ دار نہیں اسلامی رشتہ دار ہے۔ سب مسلمان مرد عورتیں آپس میں بہن بھائی ہیں مگر اس کے باوجود ان کا نکاح جائز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا:

((انك اختي في الاسلام)). (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ، بخاری ص ۴۷۴ حدیث ۳۳۵۸، مسلم ج ۲ ص ۲۶۶ حدیث ۶۱۴۵، مشکوۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء ص ۵۰۶)

"بحیثیت مسلمان تو میری بہن ہے"۔

اسی طرح ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن یقیناً ہماری مائیں ہیں لیکن نسبی لحاظ سے نہیں۔ ورنہ اُمت کے کسی فرد کا ان کی بیٹیوں سے نکاح جائز نہ ہوتا اور نہ انھیں اُمت سے پردہ کا حکم ہوتا۔

اگر مفتی صاحب کی یہ مرضی ہے کہ نبی ﷺ کو بجائے بھائی کے باپ کی طرح سمجھا جائے صرف اس لیے کہ آپ ﷺ کی بیویوں سے نکاح ناجائز ہے۔ تو پھر گزارش ہے کہ بلحاظ احترام کے باپ اور بڑے بھائی میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک جنس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہوتے ہیں۔ بھائی بھی بشر، باپ بھی بشر، اور اولاد بھی بشر۔ جھگڑا ختم۔

۱۸۱ فرق قائم رکھنے کے لیے مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہم تو مؤمن ہیں اور حضور ﷺ عین ایمان"۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو کسی طرح ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ کے مصداق مؤمنوں کی برادری میں نہ سمجھ لیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بیان کیا گیا ہے کہ انھیں نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

((انت اخی فی الدنیا والآخرۃ)). (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، ترمذی مناقب علی رضی اللہ عنہ حدیث ۳۷۲۰، مشکوۃ مناقب علی رضی اللہ عنہ ص ۵٦٤) ❶

"تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو"۔

لہٰذا ہمارے لیے تو یہ صد اعزاز کی بات ہے کہ ہم حضور ﷺ کی برادری میں شامل ہیں۔ اگرچہ رتبہ ومقام کے لحاظ سے ہمیں آپ ﷺ سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرّہ کو زمین کے ساتھ یا قطرہ کو سمندر کے ساتھ، کرن کو آفتاب کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ بریلویوں کو اگر حضور ﷺ کی برادری سے الگ رہنا منظور ہے تو ان کی مرضی۔

دھی تیری شریکاں نالوں وکھری

فرماتے ہیں: "ہم تو مؤمن ہیں"۔ واقعی کام تو ان کے "مومنوں" والے ہی ہیں۔ شیعہ بھی اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں "اور حضور عین ایمان"۔ سوال یہ ہے کیا عین ایمان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت بھی ہوتی ہے؟ کیا عین ایمان زخمی بھی ہو جاتا ہے؟ کیا عین ایمان کے دانت بھی ٹوٹ جاتے ہیں؟ کیا عین ایمان بے ہوش بھی ہو جاتا ہے؟ کیا عین ایمان پر جادو بھی چل جاتا ہے؟ کیا عین ایمان کو نیند بھی آ جاتی ہے؟ کیا عین ایمان فوت بھی ہو جاتا ہے؟ کیا عین ایمان کبھی ماں کا کبھی لونڈی کا اور کبھی دایہ کا دودھ بھی پیتا ہے؟ کیا عین ایمان کو یہ بھی کہا جاتا ہے:

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (الزمر: ٦٥) "اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا"۔

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ ﴾ (الحاقه: ٤٤ تا ٤٦)

"اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا، تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی رگ دِل کاٹ لیتے"۔

کیا عین ایمان کی ولادت بھی ہوتی ہے؟ کیا عین ایمان کے بیوی بچے بھی ہوتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ﴿ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ﴾۔

مفتی صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتیں اکٹھی کر کے نبی ﷺ کو بشریت سے خارج کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اشعار سے بھی مدد لی ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ فضائل سے اصلیت نہیں بدلتی صرف شان بلند ہوتی ہے۔

آگے مفتی صاحب نے پھر تسلیم کیا ہے کہ عقیدہ کے بیان میں نبی ﷺ کو بھائی یا بشر کہا جا سکتا ہے لیکن اس طرح پکارنا حرام ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کون پکارتا ہے؟

بریلوی حضرات ہندوؤں کی طرح دیومالائی ذہن رکھتے ہیں کیونکہ شخصیات کی پوجا تب ہی کی جا سکتی ہے اگر انھیں اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور قرار دیا جائے۔ بظاہر بشر یا مظہر نورِ خدا کی جو اصطلاح ہے اوتار کا ترجمہ ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

تخریج: ❶ شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث نداء یارسُول اللہ یا نعرہ یارسُول اللہ

فرماتے ہیں: "حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی۔ خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یارسول اللہ! یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت لگائے یارسول اللہ۔ ہر طرح جائز ہے"۔

آگے دلیل یہ دیتے ہیں: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ سوال یہ ہے کیا ان دلائل کا دعویٰ سے کوئی تعلق ہے؟

﴿۱۸۲﴾ لکھتے ہیں، قرآن نے فرمایا:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ﴾ (الاحزاب: ۵)

"ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو"۔

اس آیت میں اجازت ہے کہ "زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو مگر ان کو ابن حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو"۔ تو پھر بریلوی اس اجازت پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ انہیں چاہیے کہ حضرت زید بن حارثہ کو پکارا کریں اور انھیں بھی اپنے خداؤں کی صف میں شامل کرلیں۔

﴿۱۸۳﴾ فرماتے ہیں، "اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کے لیے بلالیں:

﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (البقرہ: ۲۳)

"تمہیں اختیار ہے کہ اللہ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلالو"۔

اس آیت میں غائب یا مردوں کو پکارنے کا ذکر نہیں۔ مولوی بریلوی صاحب نے شُهَدَآءَكُمْ کا ترجمہ اپنے حمائیتیوں کو خوش کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر بریلویوں کو اس آیت میں مُردوں کو پکارنے کی اجازت نظر آتی ہے تو پھر اس میں اللہ کے سوا کو پکارنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا کفار اور بریلوی اللہ کو پکارنے کے مجاز نہیں"۔ اگر بریلویوں کو اسی طرح کی اجازت کام دے جاتی ہے تو میں انھیں اس طرح کی اور بھی بہت سی اجازتیں لے کر دے سکتا ہوں۔ فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝﴾ (الاعراف: ۱۹۵)

"تم فرماؤ کہ اپنے شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلاؤ اور مہلت نہ دو"۔ (کنز)

ثابت ہوا نہ صرف شریکوں کو پکارنے کی بلکہ حضور ﷺ کے خلاف مکر کرنے اور آپ ﷺ کو ذرا بھی رعایت نہ کردینے کی اجازت ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۱۹۴)

"واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔ سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہیے کہ تمہاری بات قبول کرلیں اگر تم سچے ہو"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۵۶)

"کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جنھیں تم معبود سمجھ رہے ہو انھیں پکارو لیکن نہ وہ تم سے کسی کو دور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں"۔

مفتی صاحب کا علم ماتم کے لائق ہے کہ یہ چیلنج کو بھی اجازت تصور کرتے ہیں۔

۱۸۴ فرماتے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

((یا محمد ﷺ! اخبرنی عن الاسلام)). (عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلم ج۱ ص ۲۷ حدیث ۹۳)

"اے محمد ﷺ! مجھے اسلام کے متعلق خبر دیجیے"۔

ندا پائی گئی۔ بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا:

((یا محمد ﷺ! ان اللہ ارسلنی الیك)). (عن امام زین العابدین دلائل النبوۃ، بیھقی باب مرض رسول اللہ ﷺ مشکوۃ باب وفات النبی ص ۵۴۹) ✿

"اے محمد ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے"۔

ندا پائی گئی۔ یہ روایتیں آمنے سامنے پکارنے سے متعلق ہیں۔ باب سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ نیز مؤخر الذکر روایت، نہایت ضعیف ہے۔

فرماتے ہیں: "حضرت عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوئے، ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی:

((اللّٰھم انی اسئلك و اتوجه الیك بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی قد توجهت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللّٰھم فشفعه فی)). (ابن ماجہ ص ۹۹ حدیث ۱۳۸۵) ✿

"اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف محمد نبی رحمت ﷺ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں نے آپ ﷺ کے ذریعے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! میرے لیے حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما"۔

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں ندا بھی ہے اور حضور ﷺ سے مدد بھی مانگی گئی ہے"۔

یہ روایت ترمذی میں یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک نابینا شخص نے نبی ﷺ سے بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی تو فرمایا اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو.... الخ۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب فی انتظار الفرج ج ۲ ص ۱۹۸) اس میں یا محمد ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب لا نعرفه الا من ھذا الوجه۔ ایک روایت کے آخر میں یوں ہے:

((اللّٰھم فشفعه فی و شفعنی فیه قال فقام و قد اَبْصَرَ)). (دلائل النبوۃ بیھقی) ✿

تخریج: ✿ سند کمزور ہے۔ ✿ حدیث صحیح ہے۔ ✿ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یا اللہ نبی ﷺ کی شفاعت میرے حق میں اور میری شفاعت ان کے حق میں قبول فرما۔ وہ کھڑا ہوا اور وہ دیکھ رہا تھا"۔

اس میں نہ تو حضور ﷺ سے غائبانہ دعا مانگی گئی ہے نہ بعد از وفات استمداد کا ثبوت ہے۔ اور یہ بھی حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ اگر حضور ﷺ کی مدد تا قیامت جاری ہے تو معذور اصحاب کو مشورہ دیں کہ وہ یا محمد ﷺ والی دُعا کو آزما کر دیکھیں آیا معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ کے دو صحابی (عتبان بن مالک، عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) آخر تک نابینے رہے۔ انھوں نے کیوں نہ آپ کی زندگی میں آپ کے سامنے اس دعا سے فائدہ اٹھایا اور نیز اس نابینے صحابی کا کہیں سے نام بھی ثابت کردیں جس کی بینائی واپس آئی تھی۔

مفتی صاحب نے فتاویٰ عالمگیری ج ۱ کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی ﷺ سے روضہ مبارک پر نبی ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما کو حرف ندا کے ساتھ الگ الگ سلام کرنے کے کچھ مخصوص الفاظ نقل کیے ہیں۔ صحیح حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیارتِ قبور کی جو دُعا تعلیم فرمائی تھی وہ یہ ہے:

((السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین و انا ان شاء الله بکم للاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة)). (عن بریدہ مسلم ج ۱ ص ۳۱٤ حدیث ۲۲۵۷، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور ص ۱۵٤)

"اے شہر خموشاں کے مسلمانو! السلام علیکم۔ ہم بھی انشاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی خیریت کے طالب ہیں"۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ سے یہ الفاظ پڑھنے مذکور ہیں:

((السلام علیکم یا اهل القبور و یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا و نحن بالاثر)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر حدیث ۱۰۵۳، مشکوٰۃ ایضا) ❶

"اے قبرستان والو! السلام علیکم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی معاف فرمائے۔ تم پہلے چلے گئے ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں"۔

مگر اس کی سند میں ایک راوی قابوس وغیرہ کو امام نسائی رحمہ اللہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

اس سلام کے بارے میں امام طحطاوی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں:

المقصود منه الدعاء لا الخطاب. (شرح مراقی الفلاح ص ۳۲۱)

"اس سے مقصود دعا ہے نہ کہ خطاب"۔

۱۸۵ نبی ﷺ کو پکارنے کے ثبوت میں مفتی صاحب نے کچھ اشعار نقل فرمائے ہیں۔ ان کا جواب تو کوئی شاعر ہی دے سکتا ہے۔

۱۸٦ مفتی صاحب لکھتے ہیں: "مسلمان نماز میں ((السلام علیك ایها النبی)) کہتے ہیں۔ یہاں حضور ﷺ کو پکارنا واجب ہے"۔ یہ الفاظ بے شک ثابت ہیں، مگر اس کا سننے سنانے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس تشہد کے راوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے وفات نبوی ﷺ کے بعد ((السلام علی النبی)) پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ (بخاری ص ۹۲٦) دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ((علی النبی)) پڑھتے تھے۔ (مؤطا امام مالک ص ۳۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ((علی النبی)) پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۳۱٤)

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سننے کا نہیں تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ((ایھا النبی)) اور ((علی النبی)) دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ صحیح بات یہ ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے خطاب کیا گیا۔ (مکاتیب ورسائل ص ۱۸۹) نیز عرض ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ((السلام علیك ایھا النبی)) کہتے تھے۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مسلم ج ۱ ص ۱۷۴ حدیث ۹۰۴، مشکوۃ باب التشہد ص ۸۵) اگر پکارنا مقصود ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کو پکارتے تھے؟

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یہ گفتگو تھی تنہا یارسول اللہ کہنے کی۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص کو یارسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ مل کر بھی کہنا جائز ہے۔ چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ "مباح" ہی ہوگا جیسے بریانی حلال ہے اس لیے کہ حلال چیزوں کا مجموعہ ہے"۔ اس سے مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک بچے نے ٹیلیفون پر دوکان دار سے پوچھا آپ کے پاس سوجی ہے؟ جواب ملا "ہے"۔ چینی بھی ہے؟ جواب ملا: "ہے"۔ گھی بھی ہے؟ جواب ملا: "ہے"۔ تو بولا آپ پھر حلوہ ہی کیوں نہیں پکا لیتے؟ بریلویوں کی بدعات اسی طرح کا معجون مرکب ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب دعویٰ کے مطابق بعد از وفات یارسول اللہ پکارنے کی ایک بھی دلیل نہیں دے سکے مگر بریانی کی خاطر مل کر نعرہ رسالت لگانے کو جائز کر لیا ہے۔ واہ سبحان اللہ۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں: جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں داخل ہوئے تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے۔

((ینادون یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ)). (عن براء بن عازب مسلم ج ۲ ص ۴۱۹ حدیث ۷۵۲۲)

"نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ"۔

مفتی صاحب نے ینادون کا معنی "نعرے لگاتے پھرتے تھے" کیا ہے۔ حالانکہ ندا کے معنی پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ یعنی استقبال کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آوازیں دیتے تھے، بلاتے تھے، اور اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ نعرہ بلند آواز کو کہتے ہیں۔ نعرے میں بلانے کا مفہوم نہیں ہوتا۔ جیسے اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد، قائداعظم زندہ باد، نعرہ تکبیر اللہ اکبر۔ ظاہر ہے کہ ان نعروں میں بُلانے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ لگاتے پھرتے تھے کے الفاظ بھی غلط ہیں اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ استقبال کرنے والے اِدھر اُدھر گھوم پھر کر نعرے لگا رہے تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر پکار رہے تھے۔ زیر بحث مسئلہ غائب کو یا بعد از وفات کسی کو پکارنے کا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ (الزخرف: ۷۷)

"اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے"۔

﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا﴾ (المائدہ: ۵۸)

"اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں"۔

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ (مریم: ۵۲)

"ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ يُنَادُونَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ (الحديد: ١٤)

"یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے"۔

﴿ وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ (القصص: ٦٢)

"اور جس دن اللہ انھیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں"۔

﴿ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ (الکہف: ۵۲) وغیرہ۔

"اور جس دِن فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو تمہارے شریک تھے، انہیں پکارو"۔

بتلایئے ان سب آیات میں ندا کا معنی بلانے کے ہیں یا نعرے لگاتے پھرنے کے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں پہلے یہ الفاظ ہیں:

((فتنازعوا ايهم ينزل عليه رسول الله ﷺ)).

"وہ جھگڑتے تھے کہ ان میں کون خوش قسمت ہوگا جس کے ہاں نبی ﷺ تشریف لاتے ہیں"۔

اس سے ثابت ہوا سب لوگ نبی ﷺ کو اس لیے آوازیں دیتے تھے کہ آپ ﷺ اس کے گھر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں۔ خالی نعرے بازی کا کوئی تصور نہیں تھا۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اس حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جلوس بھی نکالا"۔ میں اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہوں کہ یہ حضرت صاحب نے بالکل گپ ہانکی ہے۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جب بھی حضور ﷺ سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لائے تو اہل مدینہ حضور ﷺ کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے۔ جلسہ کے معنی ہیں بیٹھک یا نشست۔ جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلوہ کی جمع جلدۃ "یعنی کوڑہ"۔ مفتی صاحب کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے:

((كان النبی ﷺ لا يقدم من سفر الا نهارا فی الضحى فاذا قدم بدأ بالمسجد فصلى فيه ركعتين ثم جلس فيه للناس)). (عن كعب بن مالك بخاری ص ٦٣٤ حديث ٤٤١٨، مسلم ج ١ ص ٢٤٨ حديث ١٦٥٩، مشكوة باب آداب السفر ص ٣٣٩)

"نبی ﷺ سفر سے ہمیشہ دن چڑھے لوٹتے۔ جب آپ تشریف لاتے تو اوّلاً مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف رکھتے"۔

حضرت صاحب نے جلس سے جلسہ نکالا اور پھر جلسہ سے جلوس نکال کر اپنے علم شریف کا جلوس نکال دیا۔ "معلوم ہونا چاہیے کہ جلسہ کے معنی ایک دفعہ بیٹھنے کے ہیں۔ یہ جلس کا مصدر نہیں ہے۔ جلوس جلس کا مصدر بھی ہے اور جالس کی جمع بھی ہے۔

جیسے فرمایا:

((اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا)). (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ٩٦ حديث ٦٨٨ مشكوة باب ما جآء على الماموم من المتابعة ص ١٠١)

"جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو" (یہ منسوخ ہے)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح جلدۃ بمعنی کوڑہ کی جمع جلدات ہے۔ جلو نہیں ہے جیسے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا یُجْلَدُوْا اَحدًا فوق عشر جلدات اَلا فی حد من حدود الله)). (عن ابی بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ ابن ماجہ حدیث ۲۶۰۱ باب التعزیر ص ۱۸۶)❶

"اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے سوا کسی کو دس سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں"۔

جلو د جلد کی جمع ہے، جیسے قرآن پاک میں ہے:

﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا﴾ (النحل:۸۰)

"تمہارے لیے مویشیوں کے چمڑے سے گھر بنائے"۔

مفتی صاحب نے جلوس ثابت کرنے کے لیے جَلَسَ کو کیا سے کیا بنا دیا۔ بطورِ مثال وہ اس حدیث کا کیا کریں گے:

((اذا جَلَسَ احدکم بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل)). (عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۴۳ حدیث ۲۹۱، مسلم ج ۱ ص ۱۵۶ حدیث ۷۸۵، مشکوۃ باب الغسل ص ۴۷)

"جب وہ بیوی کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ کر دخول کرے تو غسل واجب ہو گیا"۔

کیا اس موقع پر بھی ہمیشہ بیوی کا جلوس ہی نکالا جائے گا؟ مفتی صاحب نے اہل مدینہ کے استقبال اور جلوس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو بھی صورت ہو سوال یہ ہے کیا یہ پروگرام حضور ﷺ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوتا تھا یا میلاد النبی ﷺ کے سلسلہ میں ہوتا تھا اور ہر سال ہوتا تھا اور بعد از وفات بھی ہوتا تھا۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس جلوس کے روٹ اور گزرگاہ سے آگاہی فرمائی جائے۔ یہ کہاں سے شروع ہوتا تھا اور کہاں پر ختم ہوتا تھا اور یہ بھی بتلایا جائے کہ کس کا گھوڑا آگے اور کس کا گھوڑا پیچھے ہوتا تھا۔

(ذ) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "نماز ذکر الٰہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج ذکر کا جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے"۔

جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے جلوس کے معنی بیٹھنے کے یا بیٹھنے والوں کے ہیں اس میں تو گھومنے پھرنے کا تصور ہی نہیں ہے۔ اگر بقول مفتی صاحب حج ذکر کا جلوس ہے تو کیا یہ جلوس عید میلاد النبی کے جلوس کے لیے دلیل بن سکتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے علاوہ بھی کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے؟ کیا فرماتے ہیں مشائخ اہل سنت والجماعت بیچ اس مسئلہ کے۔

(ر) مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملائکہ بشکل جلوس لائے"۔

قرآن پاک سے صرف اتنا ثابت ہے:

﴿تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (البقرہ:۲۴۸)

"اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے"۔ (کنز)

اس آیت کے تحت مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں: "انہوں (یعنی عمالقہ) نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا اور فرشتے ان کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے"۔ سوال یہ ہے کیا بیلوں کا ہانکنا بھی جلوس کہلاتا ہے؟ یہ ٹرک بسیں اور یہ

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاڑیاں جو آ جا رہی ہیں کیا جلوس کہلاتی ہیں؟

(ز) مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”ہم بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور ﷺ کا جلوس نکالا“۔ میرے بھائی ان افسانوں سے مسئلے ثابت نہیں ہوتے۔ بالفرض اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کا جلوس نکالا یا ملائکہ نے تابوت کا جلوس نکالا یا فرشتوں نے حضور ﷺ کا جلوس نکالا تو تابوت موجود تو تھا اور ان کے ہاتھوں میں تھا اسی طرح نبی ﷺ زندہ تھے اور سب کو دکھلائی دے رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ملائکہ بریلویوں کی طرح ہر سال فرضی اور ہوائی جلوس تو نہیں نکالا کرتے تھے۔ خود مفتی صاحب حاضر و ناظر کی بحث میں لکھا ہے حضور ﷺ نظر نہیں آتے۔ حضور ﷺ دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں“۔ (ص ۱۷۱)

(س) مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے لہٰذا یہ مروج جلوس اسی اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے“۔ کہتے ہیں نقل کے لیے بھی عقل چاہیے، میں ان سے پوچھتا ہوں کیا واقعی ان کے جلوس نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نقل ہیں۔ کچھ تو ہوش کے ناخن لیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نداء یا رسول اللہ پر اعتراضات

﴿۱۸۷﴾ اعتراض نقل کرتے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ (یونس:۱۰۶)

"اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکے"۔

ایک آیت یوں نقل فرمائی ہے:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ﴾ (الفرقان:۵۵)

"یہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں کوئی نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں"۔

حالانکہ لفظ يَدْعُوْنَ نہیں بلکہ يَعْبُدُوْنَ ہے۔

جواب دیتے ہیں: "ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دُعا ہے اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا ہے"۔ چنانچہ مولوی بریلوی صاحب نے بھی ایسی تمام آیات میں دُعا کا ترجمہ پوجنا ہی کیا ہے۔ مقصد اس تاویل کا یہ ہے کہ کسی طرح بریلوی مسلک کا تحفظ ہو سکے۔ میں کہتا ہوں، قرآن پاک میں ہے:

﴿سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۹۳)

"تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا خاموش رہو"۔

﴿... فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (اعراف:۱۹۴)

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ﴾ (رعد:۱۴)

"جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کے کسی کام پر نہیں پہنچ سکتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہیں"۔

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝﴾ (اسراء:۵۶) وغیرہ۔

"کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انھیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں"۔

یہ ایسی آیات ہیں جن میں دُعا کا ترجمہ پوجنا ہو ہی نہیں سکتا۔ تبھی جناب بریلوی صاحب بھی ان مقامات پر دُعا کا ترجمہ پکارنا کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ورنہ جہاں بھی ان کا داؤ لگا ہے انھوں نے دُعا کا ترجمہ پوجنا ہی کیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (الانعام:۵۶)

"تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انھیں پوجوں جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو"۔ (کنز)

غور فرمائیے! بریلوی صاحب نے اَعْبُدَ کا ترجمہ بھی پوجنا کیا ہے اور تَدْعُوْنَ کا ترجمہ بھی پوجنا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے لفظ تبدیل کر لیا ہے۔ مگر انھوں نے تبدیل نہیں کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی جو اس نے ﴿لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کی طرح یہاں بجائے تَعْبُدُوْنَ کے تَدْعُوْنَ فرما دیا ہے۔ (معاذ اللہ) اصل بات یہ ہے اگر کسی نے یہ بات کہی ہے کہ دُعا سے مراد عبادت ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دُعا کا معنی عبادت ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ دُعا بھی عبادت ہے اور پوجنا ہی ہے۔ جیسے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((الدعاء هو العبادة)). (عن نعمان رضی اللہ عنہ بن بشير ترمذی باب فضل الدعاء حديث ٣٣٧٢، مشكوة كتاب الدعوات ص ١٩٤) ❶

"دعا عین عبادت ہے"۔

((الدعاء مخ العبادة)). "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ (عن انس رضی اللہ عنہ ترمذی ایضا حدیث ۳۳۷۱، مشکوۃ ایضا) ❷

لہٰذا غیر اللہ کی پوجا پاٹ کو شرک سمجھنا اور دُعا و پکار کو شرک نہ سمجھنا بریلویوں کی انوکھی منطق ہے۔

﴿وَلَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ ... الخ﴾ کے حاشیہ میں آیت ہذا کی تردید کے لیے مفتی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللهِ سے بھی استدلال کیا ہے۔ بھلا کوئی انہیں پوچھے کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں سے مدد مانگی تھی۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے۔ ابھی فرمایا ہے کہ دُعا سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا ہے۔ اب خود ہی دُعا کا ترجمہ پکارنا کر دیا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے.... الخ۔ کم فہمی پر دال ہے۔ آیت کا یہ مطلب ہے کہ غیر کو پکارنا ہی اسے خدا بنانا ہے۔ خدا سمجھ کر تو مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ﴾ (الزمر: ٣)

"ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں"۔

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللهِ﴾ (یونس: ١٨)

"اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے لیے سفارشی ہیں"۔

ویسے میں بریلویوں سے پوچھتا ہوں کیا آپ لوگ نبی ﷺ کو خدا سے کم سمجھتے ہیں؟ ان کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں ؎

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں
رسولِ خدا خود خدا بن کے آیا

○

ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں ہے
خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں ہے
مقام اس نبی کا عرش بریں ہے
خدا نہ کہے جو وہ کافر لعین ہے

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا۔ کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کونسی صفت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیسے ہوا؟" اس دلیل سے صرف ان بریلویوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے جو عقل سے پیدل

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی غائب سے یا فوت شدہ سے کہے مجھے پانی پلا دو۔ میرا کپڑا سی دو۔ یا مجھے بازار سے سودا سلف لا دو۔ یا کسی زندہ اور حاضر سے بھی کہے مجھے بیٹا دے دو۔ مجھے شفا دے دو۔ مجھے زندگی عطا کر دو۔ تو سب کہیں گے پاگل ہے۔ اسے مینٹل ہسپتال میں داخل کروانا چاہیے۔ اسباب کے تحت آواز دینا اور مافوق الاسباب طریقے پر آواز دینے میں اتنا ہی فرق ہے جتنا فرق کہ دوا اور دُعا میں ہے۔ غیر اللہ کو صرف اسی صورت میں آواز دی جاتی ہے جب وہ ہماری آواز کی زد میں ہو اور بات اس کے اختیار میں ہو۔ اگر اس تک ہماری آواز نہیں پہنچتی یا مسئلہ مافوق الاسباب ہے تو اسے آواز دینا حماقت ہے اور عقل کا زیاں ہے۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو کہ اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے اور کوئی شے اس کے احاطۂ اختیار سے باہر نہیں ہے۔ یہ صفت اگر کسی غیر میں مانی جائے اور اس لحاظ سے اسے پکارا جائے تو اسے شرک کیوں نہیں کہا جائے گا۔ یہ آواز عام آواز نہیں۔ شرعی اصطلاح میں اسے دُعا کہتے ہیں جو فقط اللہ تعالیٰ سے مانگی جا سکتی ہے۔ مفتی صاحب کا دعویٰ بعد از وفات پکارنے کا ہے لیکن دلائل زندگی کے دیتے ہیں۔

مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ (النساء: ۱۰۳) "اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو"۔

اس سے معلوم ہوا کہ "اُٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر کرنا چاہیے"۔ جواب دیتے ہیں "ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں۔ بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے"۔ عرض ہے کہ قرآن پاک میں ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ﴾۔

اب بتلائیے کہ غیر کی عبادت اس کی نقیض ہے یا نہیں۔ چنانچہ متصل آگے فرمایا:

﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ (النساء: ۳۶) "اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو"۔

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (البقرہ: ۲۰۰)

"اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں عرب حج کے بعد کعبہ کے قریب اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کیا کرتے تھے۔ اسلام میں بتلایا گیا کہ یہ شہرت و خودنمائی کی بے کار باتیں ہیں۔ بجائے اس کے ذوق و شوق کے ساتھ ذکر الٰہی کرو"۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض ہے۔

(ج) پھر فرماتے ہیں: "ذکر اللہ کی نقیض ذکر غیر اللہ مان بھی لی جائے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک"۔ گزارش ہے کہ یہ ختم شریف کے حلوے کا مسئلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ جو صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو اسے غیر میں ذرا سا ماننا بھی صریحاً شرک ہے۔

(د) پھر فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے"۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

"جس نے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی"۔

اندازہ فرمائیے بات ذکر اللہ کی چھڑی ہے۔ دلیل اطاعت کی دے دی ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ حضور ﷺ کی اطاعت بے شک اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مگر حضور ﷺ کا ذکر تو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں ہے۔ ورنہ تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سجدہ کرنا بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ہے۔ اس تاویل سے بریلوی مذہب کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق ہی نہیں سمجھتے۔ یاد رہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

((من یطع الامیر فقد اطاعنی)). "جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی"۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۵۷ حدیث ۷۱۳۷، مسلم ج ۲ ص ۱۲٤ حدیث ٤۷٤۷، مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ص ۳۱۸)

تو کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے امیر کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا امیر کا ذکر بالواسطہ اللہ ہی کا ذکر ہے۔

(ذ) فرماتے ہیں: "کلمہ، نماز، درود، خطبہ، اذان وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے بلکہ قرآن پاک میں ابولہب، فرعون، منافقین، کفار اور بتوں کا ذکر ہے "محمد" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا تو مشرک ہو گیا، یہ کیا عقل ہے؟" (ملخص) حضرت صاحب بچوں والی بات کرتے ہیں۔ کون کہتا ہے "محمد" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا تو مشرک ہو گیا۔ جھگڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لیے پکارنے کا ہے۔ جن کافروں کا مفتی صاحب نے نام لیا ہے اگر اسلام نے مدد کے لیے انھیں پکارنا جائز رکھا ہے تو بے شک بریلوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پکار لیا کریں۔ ہم منع کرنے والے کون؟ لیکن انصاف اور عقل کی رو سے پھر انہیں یہ بھی کہنا پڑے گا یا ابلیس یا فرعون یا ابولہب وغیرہ۔ کیونکہ ان کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

﴿۱۸۸﴾ فرماتے ہیں: حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت آدم، حضرت حوا علیہما السلام کا اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بوجہ فراق ذکر کر کے روتے۔ اسی طرح اہل تجارت تجارت کا اور طالب علم اپنے سبق کا ذکر کرتے ہیں یہ کیوں مشرک نہیں۔ (ملخص) پتہ نہیں مفتی صاحب کو حکیم الامت کس نالائق نے بنا دیا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ بریلوی صاحبان جن عقائد کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں یعنی عالم الغیب ہونا، حاضر و ناظر ہونا، مشکل کشا ہونا، فریادرس ہونا وغیرہ وغیرہ کیا مذکورہ لوگ اسی لحاظ سے اپنے بچھڑے ہوؤں کو پکارتے رہے یا تاجر لوگ اسی لحاظ سے اپنی تجارت کا اور طلبہ اسی لحاظ سے اپنے سبق کا ذکر کرتے ہیں۔ نیز سوال یہ ہے کیا حضرت آدم، حضرت یعقوب علیہما السلام اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ حاضر و ناظر نہیں تھے کہ انہیں اپنے محبوبوں کے فراق میں رونا پڑا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مسئلہ یا رسول اللہ پر ہمارا مناظرہ مولوی ثناء اللہ امرتسری سے ہوا تھا۔ وہ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ سے متعلق میرے نفیض والے اعتراضات کا جواب نہیں دے سکے تھے"۔ (ملخص) اگر مفتی صاحب کی بات صحیح ہے تو ہو سکتا ہے انھوں نے ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ یعنی جواب جاہلاں خاموش باشد کے مصداق جواب دینے سے گریز فرمایا ہو گا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے جو حکیم الامت جلوس اور جلود کو جلسہ اور جلدۃ کی جمع بتلائے امام المناظرین ابوالوفاء حضرت مولوی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے نکوسلوں کا جواب نہ دے سکیں۔

مفتی صاحب نے تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ سے پھر استدلال فرمایا ہے جس کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔

﴿۱۸۹﴾ اعتراض نقل کرتے ہیں، بعض وہابی کہتے ہیں کہ کسی نبیؑ یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ دُور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے۔ غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یارسول اللہ یاغوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو ندا دیا کرتے ہیں سن اے بادِ صبا وغیرہ"۔ جواب دیتے ہیں دُور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دُور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے والے سے دُور ہو۔ ربّ تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:١٦) "ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں"۔

﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ (البقرہ:١٨٦)

"جب میرے بندے میرے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں میں بہت ہی قریب ہوں"۔

مفتی صاحب نے نبیوں اور ولیوں سے منسوب جھوٹی صفتوں کا انکار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ ہی کی صفتوں کا انکار کرنا شروع کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں: دُور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ اس سے پہلے یہ اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ حاضر ہونے کا بھی انکار کر چکے ہیں۔ (ص ١٦١) ہم کہتے ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ کہتے ہیں یہ تو اللہ کی صفتیں ہی نہیں۔ یہ تو صفتیں ہی نبیوں اور ولیوں کی ہیں۔ ان کی مثال قبضہ گروپ والوں کی سی ہے جو جعلی کاغذات تیار کر کے مالک کو اس کی ملکیت سے محروم اور بے دخل کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ شرک سے بھی بدترین جرم ہے۔ یعنی کجا اللہ تعالیٰ کی صفت میں کسی کو شریک ٹھہرانا اور کجا اللہ تعالیٰ کی صفت چھین کر غیر کو دے دینا۔ ان عقل کے دشمنوں کو اتنا پتہ نہیں کہ یہ دُور و نزدیک ہونا غیر اللہ کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝﴾ (الرعد:١٠)

"تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور باآواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو سب اللہ تعالیٰ کے لیے برابر و یکساں ہیں"۔

معلوم ہوا بات آہستہ بھی ہوتی ہے اور اونچی بھی، انسان رات کو چھپتا بھی ہے اور دن کو ظاہر بھی ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے سب یکساں ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک شے ہمارے لحاظ سے دور بھی ہوتی ہے اور نزدیک بھی مگر اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دور سے بھی سنتا ہے۔ اگر دُور سے سننے کی صفت کا انکار کر دیا جائے صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شے دور نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے لیے کوئی شے غیب ہی نہیں۔ پھر علم غیب کیسا؟ حالانکہ قرآن پاک میں بار بار اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں صادر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزات کا بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کا حاضر ناظر ہونا، دور سے سننا، عالم الغیب ہونا۔ معجزات ظاہر فرمانا، سب غیر اللہ کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

۱۹۰ مفتی صاحب نے آگے یہ حکمت چھانٹی ہے: "دُور کی آواز سننا اس (اللہ) کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہٰذا چاہیے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو ورنہ مشرک ہو جاؤ گے"۔ بات ہو رہی ہے ان صفتوں کی جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ قریب سے تو سب سنتے ہیں۔ کیا مفتی صاحب کو قریب اور بعید کا فرق بھی معلوم نہیں کہ قریب پر بعید کو قیاس کر لیا۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے نرسری کے طالب علم کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دے دی جائے۔

۱۹۱ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اسی طرح دور کی چیزیں دیکھنا دور کی خوشبو پا لینا بھی صفت الٰہی ہے اور ہم علم غیب اور حاضر و ناظر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آواز سن لیں تو کیوں شرک ہوا"۔ پھر فرماتے ہیں: حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کو سونگھ لینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساریہ کو آواز دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان حج کرنا اور ذبح شدہ پرندوں کو آواز دے کر بلا لینا اور سلیمان علیہ السلام کا تین میل سے چیونٹی کی آواز سن لینا کیسے یہ شرک ہوا یا نہیں۔ (ملخص)

گزارش ہے کہ معجزات و کرامات نہ تو انبیاء و اولیاء کے اپنے بس میں ہوتے ہیں نہ ہی یہ ان کی مستقل صفت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے سند کیسے پکڑی جا سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے تھے کیا کسی ولی میں ہمت ہے کہ بغیر باپ پیدا ہو کر دکھلائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں آسمان تک معراج فرمایا، کوئی ولی فیصل آباد کے گھنٹہ گھر تک ہی اُڑ کر دکھلا دے۔

مفتی صاحب نے ٹیلیفون سے بھی استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں: قوتِ نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرات انبیاء قوت خداداد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ حضرت صاحب کو قوتِ ولایت کا بھی ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ بقول ان کے اولیاء کے لیے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جہاں تک قوتِ نبوت کا تعلق ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲) "اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اُوپر نہ کرو"۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آہستہ آہستہ آواز میں بات کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہا ہے۔ (بخاری شریف ص ۱۷ حدیث ۴۸۲۴) ٹیلیفون دور سے بات کرنے اور سننے کا سائنسی ذریعہ ہے۔ مفتی صاحب نے قوتِ نبوت کا اس سے موازنہ کر کے نبوت کی توہین کی ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قوتِ نبوت کے ذریعہ کسی دُور والے انسان سے بات چیت کی ہے۔ خود مفتی صاحب نے لکھا ہے غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃً عقل میں آسکے۔ (ص ۳۹) ان الفاظ کی روشنی میں کیا قوتِ نبوت کو ٹیلیفون پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

﴿۱۹۲﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۷۸ حدیث ۱۳۳۸) حالانکہ علامہ آلوسی حنفی نے (روح المعانی) اور علامہ ابن الہمام حنفی نے اسے مستثنیٰ شکل قرار دیا ہے۔ (بحوالہ فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (فاطر:۲۲) "اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں"۔

افسوس کہ اس مسئلہ میں دیوبندی بھی بریلویوں کے ہمنوا ہیں اور انھیں اپنے ہی ائمہ کی یہ تطبیق پسند نہیں ہے۔ ایک دیوبندی "پیر" نے اہل حدیث سے پوچھا اگر تازہ مُردہ سنتا ہے تو باسی مُردہ کیوں نہیں سنتا؟ اب میں انھیں کیا جواب دوں جس قوم کو زندہ اور مُردہ میں فرق نظر نہ آئے اسے تازہ اور باسی میں کیا فرق سمجھایا جا سکتا ہے۔ بریلوی تو بے سمجھ ہیں اور دیوبندی سمجھ دار ہو کر بے سمجھی کی باتیں کرتے ہیں یعنی:

ان کنت لا تدری فقلت مصیبة   و ان کنت تدری فالمصیبة اعظم

ترجمہ: اگر تو نہیں جانتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ مصیبت ہے (تمہارا جاہل ہونا) اور اگر تو جانتا ہے (پھر مانتا نہیں) تو یہ اُس سے بھی بڑی مصیبت ہے۔

حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میت ہمیشہ سنتی ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جس وقت لوگ دفنا کر لوٹتے ہیں۔ نیز اس حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آپ ﷺ نے مسلمان اور کافر کا بھی امتیاز نہیں فرمایا۔ لہٰذا مفتی صاحب کو استدلال کی رُو سے کافروں کو بھی ولی ماننا پڑے گا۔ بلکہ چیونٹیوں کو بھی ولی ماننا پڑے گا کہ (بقول مفتی صاحب) تین میل دُور سے انھیں سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی آمد کا پتہ چل گیا۔

مفتی صاحب کا دعویٰ ہے کہ نبیوں اور ولیوں کو اللہ تعالیٰ نے دُور سے سننے کی صفت عطا فرمائی ہے۔ بقول مفتی صاحب بریلوی مسلک والوں کے ہاں چونکہ نبی ﷺ کا آنا جانا رہتا ہے۔ (ص ۱۵۴، ۱۵۵) اس لیے بجائے بحث کرنے کے انہی سے پوچھوا دیں کہ آپ کی قوتِ سماعت کا کیا عالم ہے۔ ولیوں کے متعلق عرض ہے کہ دُور سے سننے کی صفت اللہ تعالیٰ زندہ ولیوں کو بھی عطا کرتا ہے یا صرف مُردہ ولیوں کو ہی۔ اگر زندہ ولیوں کو بھی عطا کرتا ہے تو ایک زندہ مثال دے دیجیے۔ بحث ختم ہو جائے گی۔ اگر زندہ ولی کو یہ صفت عطا نہیں ہوتی تو اس کی موت کے بعد کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ اب وہ دور سے سننے لگ گیا ہے۔ اگر بعد از مرگ ہی یہ صفت عطا ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا مرنے کے بعد ولایت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر زندہ ولی اس صفت سے موصوف ہو تو سوال یہ ہے کہ جنھیں دُور سے سننے کی یہ صفت حاصل نہیں یا جنہوں نے ٹیلیفون لگوا رکھے ہیں بلکہ جو قریب سے بھی سننے کی اہلیت نہیں رکھتے کیا انہیں ولی مانا جائے گا یا نہیں؟

(الف) مفتی صاحب آگے فرماتے ہیں: "(میت) زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی ہے۔ اسی لیے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیے"۔ زائرین کو دیکھنے، پہچاننے کا کوئی صحیح ثبوت نہیں اور نہ اسی لیے قبرستان جانا مسنون ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((زوروا القبور فانها تذكر الموت)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج۱ ص ۳۱۴ حدیث ۲۲۵۹، مشکوۃ باب زیارۃ القبور ص ۱۵۴)

"قبروں کی زیارت کرو بے شک یہ موت یاد دلاتی ہیں"۔

((زُورُوهَا فانها تزهد فی الدنیا و تذكر الآخرة)). (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابن ماجہ باب زیارۃ القبور ص ۱۱۲ حدیث ۱۵۷۱ مشکوۃ ایضًا) ✿

"قبروں کی زیارت کیا کرو، بے شک یہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں"۔

بے شک اہل قبور کو سلام کرنا مسنون ہے لیکن نبی ﷺ نے قبرستان جانا اہل قبور کو سلام کرنے کے لیے نہیں بلکہ فکرِ آخرت پیدا کرنے کے لیے مسنون فرمایا ہے۔ بات بات میں فرق ہوتا ہے۔ اس فرق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جیسے آپ کسی کے ہاں جاتے ہیں تو کسی کام سے جاتے ہیں۔ اور سلام بھی کرتے ہیں۔ سلام تو آپ نے لازماً کرنا ہی ہے کیونکہ یہ اسلامی آداب میں شامل ہے ویسے جانے کا اصل مقصد سلام نہیں کام ہوتا ہے۔

(ب) مفتی صاحب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ چالیس روز کے تھے تو چاند آپ کو بہلاتا تھا۔ شکمِ مادر میں تھے تو لوحِ محفوظ پر قلم چلتا سنتے تھے اور عرش کے نیچے فرشتوں کی تسبیح سنتے تھے۔ (ملخص) حضرت صاحب نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا اس لیے اس گپ شریف پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور پکار کر اسے ملامت کرتی ہے۔ (عن معاذ رضی اللہ عنہ ابن ماجہ حدیث ۲۰۱۴ باب فی المرآۃ توذی زوجہا ص ۱۴۵ مشکوۃ باب عشرۃ النساء ص ۲۸۱) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ

تخریج: ✿ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو حور اتنی دُور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا"۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه.

"اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس مخلوق کے بارے میں ہمارا تجربہ نہیں ہے"۔

ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے جنت کی حوروں کو اپنے ہونے والے شوہروں کے گھروں کے مناظر دکھلا دیئے ہوں۔ لیکن ان پر بریلوی ولیوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کے بارے میں ہم جانتے ہیں یہ تو ہم جیسے عام انسانوں کی طرح نصف سوت موٹی چادر کے پیچھے سے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ان کی آنکھیں خراب ہو جائیں تو عینک کے بغیر انھیں ٹھیک طرح سے نظر بھی نہیں آتا۔ یہ نابینا بھی ہو جائیں بلکہ بہرے بھی ہو جائیں تو آلہ سماعت کے بغیر پاس بیٹھنے والے کی گفتگو بھی نہیں سن سکتے۔ اور فوت ہو جائیں تو بسا اوقات اعلان کردہ وقت سے قبل ہی دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ صرف اسی لیے ان کی میت بُو چھوڑ دیتی ہے اور اس کے پھٹ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ ایسے ولیوں کی طاقتوں کو نبیوں کے معجزات اور جنت کی حوروں پر قیاس کرنا عقل کا دیوالیہ پن نہیں تو کیا ہے۔ نیز عرض ہے حور جنتی لوگوں کے بارے میں پکارتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ولی ہی ہوتے ہیں۔ تو کیا وہ بھی سن لیتے ہیں کیونکہ بقول مفتی صاحب ولیوں کے لیے دور و نزدیک یکساں ہے۔ یعنی اگر حور ان کی بات سُن لیتی ہے تو انھیں بھی تو اس کی بات سننی چاہیے۔ استدلال تو تبھی درست ہوگا۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہم دُوربین سے دُور کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ ریڈیو ٹیلیفون سے دُور کی آواز سنتے ہیں تو کیا نبوت و ولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے؟" اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اگر ولیوں کی طاقت بجلی کی طاقت سے زیادہ ہے تو پھر ان کی خانقاہوں اور مزاروں کو بجلی گھروں میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ تاکہ واپڈا کا بوجھ کم ہو اور آئے دن کی لوڈ شیڈنگ سے نجات ملے۔ قوم بل دے دے کر بھی تنگ آ چکی ہے۔ میرے بھائی اگر ولیوں کی طاقت بجلی سے کم نہیں تو ولایت پاور ہاؤس سے ایک کوارٹر کی موٹر ہی چلا کے دکھا دیں، کسی زندہ یا مردہ ولی کی طاقت سے ایک عدد زیرو کا بلب ہی روشن کر کے دکھا دیں۔

﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۸) "گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں"۔

(ذ) فرماتے ہیں معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدم کی آہٹ سنی۔ حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی۔ اور اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی بجسم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا"۔

مفتی صاحب نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو مناظرہ میں لاجواب کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور علم کا یہ حال ہے کہ انھیں اتنا پتہ نہیں کہ یہ واقعہ معراج کا نہیں خواب کا ہے۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۲۹۲ حدیث ۶۳۲۴) اور پھر لطف یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جسم مثالی کے ساتھ جنت میں پہنچا کر حاضر و ناظر ہونے کی ایک اور دلیل کا اضافہ بھی فرما دیا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی حاضر و ناظر، مگر دونوں حاضر و ناظر ایک دوسرے کو جنت میں نہ دیکھ سکے۔

مفتی صاحب دُور سے سننے کے متعلق فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم ان حضرات کی حادث۔ اتنے فرق ہوتے شرک کیسا؟" بریلویوں کے نزدیک جو صفتیں اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں وہی صفتیں انبیاء، اولیاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ذاتی اور قدیم ہیں جب کہ انبیاء و اولیاء کی صفتیں عطائی اور حادث ہیں۔ بس اتنا فرق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے یہ خوش ہو جاتے ہیں کہ شرک سے بچ گئے۔ حالانکہ اصل چیز یہ نہیں کہ صفت قدیم ہے یا حادث ہے۔ ذاتی ہے یا عطائی ہے۔ اصل چیز خود صفت ہے۔ جو بریلویوں کے نزدیک خالق ومخلوق میں پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے، دو آدمیوں کے پاس ایک جیسا ایک کپڑا ہے ایک کا کپڑا قدیم اور ذاتی ہے، دوسرے کا نیا اور بطورِ عطیہ ملا ہے۔ بلحاظ کپڑا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ پرانا یا نیا ہونا ذاتی یا عطائی ہونا الگ بات ہے جس کا نفس کپڑا سے کوئی تعلق نہیں۔

بحث اولیاء اللہ وانبیاء سے مدد مانگنا

۱۹۳ مفتی صاحب نے اس بحث کے شروع میں چودہ آیات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ایک آیت بھی موضوع سے تعلق نہیں رکھتی۔ مطلقاً کسی سے مدد مانگنے کا تو کوئی انکار ہی نہیں کرتا۔ متنازعہ فیہ مسئلہ غائب یا فوت شدہ نبیوں اور ولیوں سے مدد مانگنے کا ہے۔ اس کو ثابت کرنا چاہیے تھا۔

۱۹۴ اس کے بعد حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی اور نبی علیہ السلام کے مابین ہونے والی گفتگو نقل فرماتے ہیں:

((سئل فقلت اسئلك مرافقتك فی الجنة قال او غیر ذٰلك فقلت هو ذٰلك قال فاعنی علی نفسك بكثرة السجود)). (مسلم ج۱ ص ۱۹۳ حدیث ۱۰۹۴، مشکوٰۃ باب السجود فضلہ ص ۸۴)

"کچھ مانگ لو۔ میں نے کہا: جنت میں آپ ﷺ کی ہمراہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگتا ہے؟ میں نے کہا: صرف یہی۔ فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو"۔

پھر لکھتے ہیں: اس سے ثابت ہوا تو حضرت ربیعہ نے حضور ﷺ سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا محمد ﷺ سے جنت مانگی۔ بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے۔ کچھ اور بھی مانگو۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ﷺ ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے ربّ کے حکم سے دے دیں"۔ یہ حدیث بھی موضوع سے بے تعلق ہے۔ مفتی صاحب نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: فرمایا وہ تو منظور ہے۔ نہ جانے یہ کس لفظ کا مفہوم ہے۔ اور غیر ذات کا مطلب تو یہ ہے کہ جنت کے علاوہ کسی چیز کا سوال کر لو لیکن حضرت ربیعہ نے اس سوال پر اصرار فرمایا اور ان کا مقصد یہ تھا کہ میرے لیے دُعا فرمائیں یا ایسا عمل بتلائیں کہ جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ نصیب ہو جائے، جیسے ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے عرض کیا:

((دُلّنی علی عمل اذا عملته دخلت الجنة)). "مجھے ایسا عمل بتلایئے جسے کر کے میں جنت میں چلا جاؤں"۔

تو فرمایا: ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو...الخ۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۸۷ حدیث ۱۳۹۷)

اسی طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا تھا:

((اخبرنی بعمل اعمله یدخلنی الله به الجنة فقال علیك بكثرة السجود فانك لا تسجد لله سجدة الا رفعك الله بها درجة وحط عنك بها خطیئة)). (مسلم ج۱ ص ۱۹۳ حدیث ۱۰۹۳، مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ ۸۴)

"مجھے ایسے عمل بتلایئے جس کی رو سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرما دے تو فرمایا بکثرت سجدے کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر سجدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بدلے تمہارا ایک درجہ بلند کرے گا اور ایک گناہ معاف کرے گا"۔

یا جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا:

((اخبرنی بعمل یدخلنی الجنة و یباعدنی من النار)).

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دُور کردے"۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت بڑا سوال کیا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ آسان کردے اس کے لیے آسان ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا حکم ارشاد فرمایا۔ (مروزی کتاب الایمان ص ۱۴) اگر جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہوتی تو آپ یہ فرماتے کہ میں نے تجھے جنت دے دی۔ یہ نہ فرماتے کہ کثرتِ نوافل سے میری مدد کرو۔ اگر جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہوتی تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوطالب کو جہنم میں جانے دیتے؟ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ج ا مسلم ۱۱۵ حدیث ۵۱۰، مشکوٰۃ باب صفة النار و اھلھا ص ۵۰۲)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ﴾ (القصص: ۵٦)

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے"۔

بلکہ فرمایا:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران: ۱۲۸) "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں"۔

﴿ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ﴾ (آل عمران: ۱۵٤) "آپ کہہ دیجیے کام سب اللہ کے اختیار میں ہیں"۔

﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ (الاعراف: ۵٤) "یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا"۔

حضرت ربیعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار صحابی تھے اور اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان سے وعدہ ہے:

﴿ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ﴾ (النساء: ٦٩)

"اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ"۔

۱۹۵ مفتی صاحب فرماتے ہیں: تفسیر کبیر میں ﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ ﴾ کے تحت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے:

((اعینونی عباد اللہ یرحمکم اللہ)). "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو ربّ تم پر رحم فرمائے"۔

اس روایت میں عتبہ بن غزوان راوی مجہول ہے اور اس میں انقطاع اور تفاوت پائی جاتی ہے۔ نیز اس میں مُردہ ولیوں کو پکارنے کا ثبوت پھر بھی نہیں ہے۔

۱۹٦ فرماتے ہیں: تفسیر روح البیان سورہ مائدہ زیر آیت ﴿ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ﴾ ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں مجھ کو ربّ نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں۔ اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کردوں۔ اللہ کی قدرت سے لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم اصلاح کی دُعا کرتے ہیں"۔ جی اوئے شیر دیا بچیا۔ جو آسمان کو زمین پر گرانے کی طاقت رکھتے ہیں ان کے لیے رب تعالیٰ کے عرش اور کرسی کو بھی گرانا کیا مشکل ہوگا۔ یہ ان کی بڑی مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اِن کا بہت احسان ہے کہ اصلاح چاہتے ہیں ورنہ اگر یہ اپنی کرنی پر آجائیں تو زمین و آسمان تباہ کردیں اور خدا کی خدائی کو خطرہ میں ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ان سے خوفزدہ ہی رہتا ہوگا اور یہ دُعا کرتا ہوگا: جل توں جلال توں آئی بلا ٹال توں۔

﴿۱۹۷﴾ مفتی صاحب نے شیخ صلاح الدین کی جس طاقت کا ذکر کیا ہے یہ کسی اللہ میں ہی پائی جاسکتی ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الانبیاء:۲۲)

"اگر آسمان اور زمین میں سوائے اللہ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے"۔

ایک اور بزرگ جناب ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اگر چاہوں تو ایک اشارے میں آسمان پکڑ کر کھینچ لوں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۹۱)

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے وہ اوصاف حاصل ہوئے کہ اگر ان میں ایک حبہ کے برابر بھی سایہ آئے تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ (ایضاً ص ۱۰۲) وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی باتیں بلیک اینڈ وائٹ پی کر ہی کہی جاسکتی ہیں۔ بقائمی ہوش وحواس کوئی بزرگ ایسی بہکی باتیں ارشاد نہیں فرما سکتا۔ نہ جانے یہ خرافات کس بے ہودہ نے ان کے ذمہ لگادی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر قبولیت دُعا کے لیے آزمودہ تریاق ہے"۔ یہ بالکل گپ اور لغو قصہ ہے۔ علوی حضرات عرصہ دراز تک اقتدار حاصل کرنے کے لیے خروج کرتے رہے مگر کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ مرنے کے بعد ان کی قبریں نہ جانے کس طرح قبولیت دُعا کا آزمودہ تریاق بن گئیں۔

﴿۱۹۸﴾ مفتی صاحب نے ایک بزرگ صاحب کا شعر نقل کیا ہے:

((و ان كنت فى ضيق و كرب و وحشة فناد بيا زروق ات بسرعة)).

"اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو۔ تو پکارے اے زروق میں فوراً آؤں گا"۔

مجھے اس شعر کی تردید کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ابھی آواز دیں۔ بھلا دیکھتے ہیں جناب زروق صاحب تشریف لاتے ہیں یا نہیں۔ حضرت بریلوی صاحب بھی ٹھیک ٹھاک بزرگ تھے، ذرا ایک آواز انہیں بھی دے دیں۔ اگر تشریف لے آئیں تو سر تسلیم خم۔ بلکہ چشم ما روشن دلِ ماشاد۔

﴿۱۹۹﴾ مفتی صاحب نے درمختار ج ۳ باب اللقطہ ص ۳۵۵ سے نقل کیا ہے کہ جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ رُو ہو کر کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے، پھر سیدی احمد بن علوان کو ہدیہ کرے، پھر یہ دُعا پڑھے:

((یا سیدی یا احمد بن علوان ان لم ترد علی ضالّتی و الا نزعتك من دیوان الاولیاء فان الله یُوَدِّ ضالّته ببركته)).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اے میرے آقا! اے احمد بن علوان! اگر آپ نے میری گمشدہ چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گئی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا"۔

پھر فرماتے ہیں: "اس دُعا میں احمد بن علوان کو پکارا بھی اور ان سے مدد مانگی۔ ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دُعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے"۔

مفتی صاحب اپنے دعویٰ کے حق میں قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں لائے البتہ فقہ حنفی سے انھیں دلیل مل گئی ہے۔ یہ عمل چونکہ واقعی درمختار میں لکھا ہے لہٰذا دیوبندیوں کو کوئی حق نہیں کہ اپنے آپ کو بریلویوں سے الگ سمجھیں۔ یہ حوالہ اس کتاب کا ہے جسے مولانا سرفراز احمد صاحب نے مفید فرمایا ہے۔ (سماع موتٰی ص ۱۴۰) ویسے دُعا کا یہ طریقہ خوب ہے بڑی شان دار "تڑی" (دھمکی) ہے سیدی احمد بن علوان تو بے چارے گھبرا جاتے ہوں گے۔ اور وہ اپنی ولایت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے گم شدہ چیز لا کر دینے پر مجبور ہو جاتے ہوں گے۔ ان دُعا مانگنے والوں سے تو انبیاء علیہم السلام کو اپنی نبوت کا بلکہ خدا کو اپنی خدائی کا بھی دھڑکا لگا رہتا ہوگا۔ جو ولیوں سے ولایت چھین سکتے ہیں، وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے۔

بانی مذہب بریلویت مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں حضرت سیدی موسیٰ سہاگ مشہور مجاذیب میں سے تھے زنانہ وضع رکھتے تھے۔ ایک بار قحط شدید پڑا۔ بادشاہ وقاضی واکابر جمع ہو کر حضرت کے پاس دُعا کے لیے گئے۔ انکار فرماتے رہے کہ میں کیا دُعا کے قابل ہوں۔ جب لوگوں کی آہ وزاری حد سے گزری۔ ایک پتھر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ کی چوڑیوں کی طرف لائے۔ اور آسمان کی جانب منہ اُٹھا کر فرمایا مینہ بھیجئے یا اپنا سہاگ لیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ گھٹائیں پہاڑ کی طرح اُمنڈیں اور جل تھل بھر دیئے۔ ایک دِن جمعہ کے وقت بازار میں جا رہے تھے۔ ادھر سے قاضی شہر کو جامع مسجد جاتے دیکھا انہیں دیکھ کر امر بالمعروف کیا کہ یہ وضع مردوں کو حرام ہے۔ مردانہ لباس پہنئے اور نماز کو چلیے۔ اس پر انکار ومقابلہ نہ کیا۔ چوڑیاں اور زیور اور زنانہ لباس اُتار کر مسجد کو ہو لیے۔ خطبہ سنا۔ جب جماعت قائم ہوئی اور امام نے تکبیر تحریمہ کہی۔ اللہ اکبر سنتے ہی ان کی حالت بدلی۔ فرمایا: اللہ اکبر "میرا خاوند حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہے۔ کہ کبھی نہ مرے گا اور یہ مجھے بیوہ کیے دیتے ہیں"۔ اتنا کہنا تھا کہ سر سے پاؤں تک وہی سرخ لباس تھا اور وہی چوڑیاں۔ اندھی تقلید کے طور پر بعض مجاوروں کو دیکھا ہے کہ اب تک بالیاں کڑے، جوشن پہنتے ہیں۔ یہ گمراہی ہے یہ صاحب صاحب تحقیق اور ان کا مقلد زندیق۔ (ملفوظات ص ۲۰۸) یہ دو لطیفے ہیں۔ ان دونوں لطیفوں میں اللہ تعالیٰ کو خاوند اور موسیٰ سہاگ کو اللہ تعالیٰ کی بیوی ظاہر کیا گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے لطیفے میں اللہ تعالیٰ کو رنڈوا کر دینے کی دھمکی دی ہے اور دوسرے لطیفے میں اللہ تعالیٰ کو مار دینے کی طرف اشارہ ہے۔ لطف یہ کہ احمد رضا خاں صاحب نے موسیٰ سہاگ کو صاحب تحقیق بھی قرار دیا ہے۔ یعنی مجذوب بھی اور صاحب تحقیق بھی۔ بریلویت "زندہ باد" میں حیران ہوں جب موسیٰ سہاگ کا یہ عمل تحقیقی ہے تو پھر ان کے مقلد زندیق کیوں ہو گئے؟ کیا بزرگوں کی اتباع گناہ کا کام ہے؟ ان الفاظ کی روشنی میں بریلویوں کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرنے پر بھی غور کر لینا چاہیے کہیں یہ تقلید بھی زندیقیت کے زمرہ میں نہ آتی ہو۔ اور سنیے!

اعلیٰ حضرت صاحب فرماتے ہیں سیدی محمد شمس الدین حنفی رضی اللہ عنہ اپنے حجرہ خلوت میں وضو فرما رہے تھے ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہو گئی۔ حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے جب تک وہ پہلی واپس آئے۔ ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع ہدایا لے کر حاضر ہوا۔ اور عرض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے۔ جب چور میرے سینے پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا میں نے اپنے دل میں کہا یا سید محمد حنفی۔ اسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آ کر اس کے سینے پر لگی کہ غش کھا کر اُلٹا ہو گیا۔ (مجموعہ رسائل رضویہ ج ۱ ص ۱۸۰)

ایک اور حکایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ماں کے پیٹ سے لڑکی پیدا ہوئے۔ تھے مگر غوث الثقلین (عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) نے انھیں لڑکا بنادیا۔ ان کے پستان مثل عورت کے تھے ؎

لوح محفوظ میں تثبیت کا حق ہے حاصل

مرد عورت سے بنا دیتے ہیں غوث الاغواث

(باغ خردبین از ایوب علی رضوی ص ۲۷)

اکبر بادشاہ کی قسمت میں اولاد نہیں تھی۔ شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی کا حمل بذریعہ کرامت اکبر کی بیوی کے پیٹ میں منتقل کر دیا تو جہانگیر پیدا ہوا۔ (تذکرہ اولیائے پاک وہند ص ۲۴۹)

ان کے ایک خضر وقت نے کئی تصرفات فرمائے پھر وہ بہار گڑھ کی ایک مسجد میں گدھی سے مصروف بھی ہوئے۔ (تذکرہ غوثیہ بحوالہ الانسان فی القرآن مصنفہ پیر نور الحسن کیلیانوالہ ص ۲۵۳)

﴿۲۰۰﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ مُلّا علی قاری (حنفی) ص ۶۱ میں حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمادیا ہے۔ جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج وغم دُور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے وہ شدت رفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں ربّ کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔ پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے سلام پھیر کر گیارہ بار صلوٰۃ وسلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) گیارہ قدم چلے۔ ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے:

اَیُدرِکُنِی ضیم و انت ذخیرتی　　و اظلم فی الدنیا و انت نصیری

و عار علی حامی الحمی وھو منجدی　　اذا ضاع فی البیداء عقال العبیری

ترجمہ: ”کیا آپ میرا ہاتھ پکڑیں گے اور آپ ہی میرے لیے ذخیرہ ہیں دُنیا کی اندھیر نگری میں آپ ہی میرے دستگیر ہیں۔ اور اگر صحرا لق ودق میں میری اونٹنی کی مہار نہ پکڑی تو میرے دشمن بڑے خوش ہوں گے میرے اعداء کو خوش نہ کیجئے“۔

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں: ”بارہا اس نمازِ غوثیہ کا تجربہ کیا گیا، درست نِکلا“۔

میرا تو ضمیر نہیں مانتا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی انہونی اور فضول باتیں کہی ہوں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴾ ”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں“۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اذا سألت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ)). (عن ابن عباس ترمذی باب القیامۃ حدیث ۲۵۱۶)

”جب مانگو اللہ تعالیٰ سے مانگو اور جب مدد چاہو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو“۔ [1]

تخریج: [1] حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کے متعلق خود ہی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ بنالے۔ (فتوح الغیب)
نیز فرماتے ہیں: تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ تمام حاجات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو۔ اسی پر بھروسہ رکھو سب کچھ اسی سے مانگو۔ اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو۔ توحید کو لازم پکڑو۔ توحید متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (فتوح الغیب ص ۲۶۹)
مُلّا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر یہ سب کچھ لکھا ہے اور اسے دُرست کہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احناف شروع ہی سے ضعیف العقیدہ چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا دیوبندیوں کو اپنی پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹ کر بریلویوں کا دل نہیں جلانا چاہیے۔

﴿۲۰۱﴾ مفتی صاحب نے لکھا ہے مولوی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندیوں کے شیخ الہند ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الٰہی سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے، استعانت ہے"۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے۔ کوئی مسلمان بھی کسی نبی، ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے"۔ میں کہتا ہوں: بس یہی دعویٰ مشرکین مکہ کا تھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے ﴿هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ "یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔ ثابت ہوا جو مذہب دیوبندیوں کا ہے وہی بریلویوں کا ہے۔ وہی مشرکین مکہ کا تھا۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اسی کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

﴿۲۰۲﴾ مفتی صاحب نے لکھا ہے دیوبندیوں کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں: اسی مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند ص ۲۹)

﴿۲۰۳﴾ لکھتے ہیں: یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدرِ پاکستان محمد ایوب خاں جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا۔ لکھتے ہیں: امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اس کے ضامن ہیں... الخ۔

لکھتے ہیں: امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب ج ۴ کتاب العقائد والکلام ص ۹۹ میں ہے: "جو استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت"۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یہی ہم بھی کہتے ہیں"۔

دیوبندیوں کو شکوہ ہے کہ شروع سے لے کر حاجی امداد اللہ صاحب تک ہم حنفی ایک ہی تھے احمد رضا خاں صاحب نے آ کر تفریق ڈالی۔ مگر حنفی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریق احمد رضا خاں صاحب نے پیدا نہیں کی بلکہ خود دیوبندیوں نے پیدا کی ہے۔ اس لیے کہ بریلوی حنفی مذہب پر قائم ہیں جب کہ دیوبندی اس سے منحرف ہو رہے ہیں۔ اب بات یہ ہے کہ کمبل انھیں چھوڑ رہا ہے وہ کمبل کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہ کالک ایسی نہیں جو آسانی سے اُتر جائے۔ اس کے لیے تو تقلید کو چھوڑنا پڑے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

۲۰۴ یہ عنوان تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے برف کے گرم ہونے کا یا آگ کے ٹھنڈا ہونے کا، یا زہر کے تریاق ہونے کا یا شرک کے توحید ہونے کا عقلی ثبوت۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمے بنا دیتے ہیں اور یہ ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں۔ کوئی افسر اور کوئی ماتحت"۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: "یہ ہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے کہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرمائے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا"۔ پھر لکھتے ہیں۔

(ب) اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیاراتِ خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں۔ پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں"۔ ان اقتباسات سے قبل مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے: "فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہماری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو"۔ مفتی صاحب کا اشارہ سورۂ نحل کی آیت ۷۸ اور سورہ روم کی آیت ۲۸ کی طرف ہے۔ بھلا کوئی پوچھے ان آیات کا مفتی صاحب کے دعویٰ اور سیاق و سباق سے کیا تعلق؟ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے چور کی داڑھی میں تنکا۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ آیات ان کے مسلک کے خلاف ہیں اسی لیے انھوں نے ان آیات کریمہ کو اپنے راستے کا روڑا سمجھ کر ہٹانے کی کوشش کی ہے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے تحریف کا بیلچہ استعمال فرمایا ہے۔ مذکورہ آیات میں بتوں کا کوئی ذکر نہیں اور مفتی صاحب نے اصل آیات بھی غالباً اسی لیے درج نہیں فرمائیں تاکہ قارئین کو یہ نہ پتہ چل جائے کہ ان میں تو بتوں کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ سورۂ روم کی آیت اس طرح ہے:

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ﴾

(الروم: ۲۸)

"تمہارے لیے ایک کہاوت بیان فرماتا ہے خود تمہارے اپنے حال سے۔ کیا تمہارے لیے تمہارے ہاتھ کے مال غلاموں میں سے کچھ شریک ہیں اس میں جو ہم نے تمہیں روزی دی تو تم سب اس میں برابر ہو"۔

آیت کا مفہوم واضح ہے۔ یعنی تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانے کے لیے تیار نہیں تو مجھ سے یہ توقع کیوں رکھتے ہو کہ میں اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنالوں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غلام انسان، جن اور فرشتے ہیں یا بُت۔ خود مفتی صاحب نے اس آیت کے حاشیہ میں لکھا ہے: بندگی اور شرکت جمع نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے مرشد مولوی نعیم الدین صاحب نے اس کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے: "اے مشرکین! تم اللہ کے سوا جنہیں معبود قرار دیتے ہو وہ اس کے بندے اور مملوک ہیں"۔ تو کیا بُت بھی بندے ہوتے ہیں؟ شرک والی ہر آیت کا رُخ بت پرستی کو موڑ دینا بریلویوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ کیونکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ جو سلوک مشرکین بتوں کے ساتھ کرتے ہیں وہی سلوک بریلوی قبروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی خیریت اسی میں ہے کہ شرک کا ترجمہ بت پرستی کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ یاد رہے کہ مشرکین بھی جو بت پوجتے تھے وہ انہیں اس حیثیت سے نہیں پوجتے تھے کہ یہ فقط پتھر ہی ہیں بلکہ بتوں کو اپنے بزرگوں کی یادگاریں خیال کرتے تھے جیسے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے مشہور بتوں کے بارے میں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((اسماء رجال صالحین من قوم نوح)). (بخاری ص ۷۳۲ حدیث ۴۹۲۰)

"یہ قوم نوح کے اولیاء کرام کے نام ہیں"۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آج کل بریلوی یادگار کے طور پر بزرگوں کے پختہ مزار بناتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے قبر اگر پوجی جائے تو وہ بت ہی کے حکم میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد)). (موطا امام مالک باب السفر حدیث ۵۹۳) ❶

"یا اللہ میری قبر کو بت نہ بنائیو کہ پوجی جائے"۔

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح بتوں کو توڑنے کا حکم دیا اسی طرح اونچی قبروں کو بھی ہموار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ (عن علی رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ حدیث ۲۲۴۲)

سورہ روم کی آیت میں ﴿فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ کا بھی مفتی صاحب نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اس لیے حاشیہ میں فرماتے ہیں: معلوم ہوا کہ شرک کا دارومدار اسی پر ہے کہ کسی بندے کو ربّ کے برابر مانا جائے۔ بغیر برابری کے عقیدے کے شرک ناممکن ہے۔ اسی طرح سورہ نحل کی آیت نمبر ۷۱ میں ﴿فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ کے تحت نکلنے پر ربّ اپنے بعض مقبول بندوں کو اپنے فضل سے خدائی کا مالک بنا دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ربّ کے برابر نہیں ہوئے بلکہ اس کے بندے ہی رہتے ہیں"۔ سوال یہ ہے کہ کیا کبھی کسی مشرک نے اپنے معبود کو ربّ کے برابر مانا بھی ہے؟ وہ تو کہتے ہیں:

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: ۱۸) "یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہی"۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ۳)

"ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں"۔

سورہ مؤمنون کی آیات ۸۴ تا ۸۹ کا مطالعہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے مشرکین کو بھی اس بات کا اعتراف تھا کہ زمین آسمان وما فیہا اور عرش عظیم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے ہر شئی اسی کے قبضہ وکنٹرول میں ہے اور وہی پناہ دیتا ہے اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح سورہ عنکبوت کی آیات ۶۱ تا ۶۳ کا مطالعہ فرمایئے۔ ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کا اس بات پر ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین وآسمان بنائے اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا وہی بارش برساتا ہے اور وہی مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے۔

حج کے موقع پر بھی مشرکین کا تلبیہ یہ ہوتا تھا:

((لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك الا شریکًا ھو لك تملکه وما ملك)). (عن ابن عباس مسلم ج ۱ ص ۳۷۶ حدیث ۲۸۱۵)

"میں حاضر ہوں یا اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرا ہی ہے تو مالک ہے اس کا بھی اور اس کی ملکیت کا بھی"۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہی خیال کرتے تھے۔ برابری کا تو تصور ان میں نہیں تھا۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مقرر کرتے تھے برابر وہ بھی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اولاد باپ کے برابر نہیں ہوتی۔

﴿فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ﴾ (نحل:۷۱) کے حاشیہ میں مفتی صاحب کا یہ فرمانا: "ربّ اپنے مقبول بندوں کو اپنے فضل سے خدائی کا مالک بنا دیتا ہے"۔ اپنے اندر بڑی جسارت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر وہ فوراً خدا ہی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ خدائی کے مالک کو خدا ہی ہونا چاہیے جیسے اللہ تعالیٰ کسی کو علم دے وہ عالم ہو جاتا ہے حکمت دے وہ حکیم ہو جاتا ہے خدائی دے تو وہ خدا ہی ہوگا۔ لیکن مفتی صاحب کا ساتھ ہی یہ فرمانا کہ اس کے باوجود وہ ربّ کے برابر نہیں ہوتے بلکہ بندے ہی رہتے ہیں۔ عجب طرزِ عمل ہے یعنی خدا بھی اور بندے بھی۔ اگر بریلوی مجھے اپنی ترجمانی کی اجازت دیں تو ان دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے اولیاء کرام ربّ کے بندے ہوتے ہیں مگر لوگوں کے خدا ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ربّ کی خدائی کا بھرم بھی قائم رہے اور بزرگوں کی خدائی بھی چلتی رہے اور اس آڑ میں بریلویوں کا اُلو بھی سیدھا ہوتا رہے۔ ﴿بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِۦٓ إِيمَٰنُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾۔

مفتی صاحب نے ملائکہ پر قیاس کر کے یہ لکھ دیا ہے کہ "اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے"۔ سوال یہ ہے کہ جس طرح یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذمہ کچھ کام سونپے ہیں کیا اولیاء کرام کے بارے میں بھی کوئی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حق تو صرف کہہ دیا ہے یا خدائی اختیارات کا مالک بنایا ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں"۔ یہی بات ان کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔ دین ہوا خدا اور اس کے رسول ﷺ کا، مگر بجائے قرآن وحدیث کے ثبوت صوفیوں کی کتابوں میں تلاش کیا جائے۔ دین کے ساتھ کتنا فضول مذاق ہے۔

میں پوچھتا ہوں فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے جو محکمے عطا کیے ہیں تو کیا اس سلسلہ میں ان سے مدد مانگی جا سکتی ہے مثلاً کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اے فلاں فرشتے رزق دے، اے فلاں فرشتے بارش برسا دے، اے فلاں فرشتے بیٹا دے، اے فلاں فرشتے ہماری حفاظت فرما۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر جواب اثبات میں ملے تو ان کے بھی نعرے لگنے چاہیں۔ انہیں بھی پکاریئے ان کا بھی وظیفہ پڑھیے اور یہ تو ہیں بھی سچ مچ زندہ۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر فرشتوں پر قیاس کر کے مُردہ ولیوں کو مدد کے لیے پکارنا کیسے جائز ہو جائے گا جو ہیں بھی بے بس اور بے اختیار۔

میں پوچھتا ہوں کیا اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ذریعے صحیح نظام نہیں چلتا تھا کہ مُردہ ولیوں کی بھی خدمات حاصل کرنی پڑیں اور انھیں بھی بھرتی کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا طرزِ حکومت بادشاہت ہے یا جمہوریت کہ اسے ان مردہ ممبران کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریہ کی زوردار الفاظ میں تردید فرمائی ہے اور اسے مشرکوں کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ (باب التوحید حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ مفوضہ کو شیعہ کے غالی فرقوں میں شمار کیا ہے اس فرقہ مُفوِّضہ کا انہوں نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تدابیر ائمہ کے سپرد کی ہیں اور نبی ﷺ کو پورے عالم کی تخلیق و تدبیر پر قدرت دے دی ہے۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۲۰۳)

مفتی صاحب کی دھونس دھاندلی ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۵ "یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا:

﴿اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ (مریم:۱۹)

"میں اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں"۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں"۔

یہ بات صرف مفتی صاحب کو معلوم ہوئی ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ اس آیت میں بغیر باپ کے بیٹا پیدا ہونے کے اعجاز کا ذکر۔ ہے اور یہ پوری انسانی تاریخ کا فقط ایک ہی واقعہ ہے۔

مفتی صاحب کا زمانہ حال کے صیغے کے ساتھ باقاعدہ معمول کے طور پر یہ فرمانا کہ جبرائیل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں کتنا بڑا دھوکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا ایک کنواری لڑکی یہ کہہ سکتی ہے اے جبرائیل! مجھے بیٹا دے۔ بلکہ آج کل جتنی بھی ناجائز اولاد پیدا ہورہی ہے مفتی صاحب کے الفاظ کی روشنی میں اسے جبرائیل علیہ السلام کی طرف ہی منسوب کیا جاسکتا ہے اور جب جبرائیل علیہ السلام بیٹا دے سکتے ہیں تو علیٰ ہٰذا القیاس ان کے ولی بھی دے سکتے ہیں۔ لہٰذا پیراں دتہ نام صحیح ہوا۔ معاذ اللہ۔

(الف) مفتی صاحب نے لکھا ہے، "حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:۴۹)

"میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے"۔

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے ہیں"۔

یہاں بھی مفتی صاحب نے حال کا صیغہ استعمال کر کے یہ تاثر دیا ہے گویا اب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کام کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف یہ بلکہ اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو چنگا اور مردوں کو زندہ بھی کر دیتے تھے۔ تو یہ کام بھی تو آج کل کر رہے ہوں گے۔ یہ باتیں ایمان بالغیب سے تعلق نہیں رکھتیں۔ یہ وہ معجزات ہیں جنہیں دنیا نے دیکھا۔ بریلوی حضرات اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس قسم کا معجزہ دکھلا دیں ہم تصرف کے قائل ہو جائیں گے۔ حالانکہ وہ زندہ بھی ہیں۔

(ب) مفتی صاحب نے یہ آیت نقل فرمائی:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ (السجدہ:۱۱)

"کہہ دیجیے کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے"۔

پھر لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ "حضرت عزرائیل علیہ السلام جاندار کو بے جان کرتے ہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے جان کو جاندار اور ملک الموت جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس پر قیاس کر کے کیا اب یہ اختیار ولیوں کو بھی حاصل ہو گیا ہے؟

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (التوبہ:۷۴)

"یہ صرف اس بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے دولت مند کر دیا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ﴾ (التوبہ: ۵۹)

"اگر یہ لوگ اللہ اور رسول (ﷺ) کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی"۔

۲۰۶ ان آیات کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دیتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ عزت دیتے ہیں، مال دیتے ہیں، تو صحیح ہے"۔ ان آیات میں نبی ﷺ کا ذکر ہے اور یہ لوگ نبی ﷺ کی آڑ لے کر دراصل اپنے بزرگوں کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ آیات منافقین کے بارے میں ہے جنہیں آپ ﷺ نے مال غنیمت میں بہت کچھ دیا مگر وہ پھر بھی راضی نہ ہوئے۔ وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد کے حالات سے ان آیات کا تعلق نہیں۔ مجھے مفتی صاحب کی عقل پر افسوس ہے کہ انہوں نے منافقین سے متعلقہ آیات کو اپنی برادری پر منطبق فرما دیا ہے۔ ایک لحاظ سے انہوں نے صحیح بھی لکھا ہے کیونکہ منافقین کو نبی ﷺ نے جو مال دیا تھا وہ اس پر راضی نہیں تھے اور اسے ناکافی سمجھتے تھے اسی طرح نبی ﷺ نے اُمت کو جو دِین دیا ہے بریلوی اس پر راضی نہیں ہیں اور اسے ناکافی خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "قبر میں ان (نبی ﷺ) کے نام کی امداد سے نجات ہوئی"۔ یہ غلط بات ہے، آپ ﷺ پر ایمان رکھنے سے نجات ہوتی ہے۔ اس سے قبل لکھتے ہیں: "(قبر میں) آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟" عرض ہے کہ سبز گنبد تو اب ۱۲۵۵ھ میں بنا ہے اس سے پہلے کس رنگ کے گنبد والے آقا کے متعلق سوال ہوتا تھا؟ جوشِ محبت اپنی جگہ۔ حدیث پاک کے ترجمہ میں ہیر پھیر نہیں کرنا چاہیے۔

(ب) مفتی صاحب نے قیامت والے دن حضور ﷺ کی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ اس کا بھی موضوع سے تعلق نہیں۔ اس روز آپ ﷺ واقعی زندہ ہوں گے۔ بات مُردوں سے استمداد کی ہو رہی ہے۔

۲۰۷ مفتی صاحب لکھتے ہیں، اسی لیے فرمایا:

﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ (مائدہ: ۳۵) "تم ربّ کی طرف وسیلہ تلاش کرو"۔

"یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کی ضرورت ہے"۔ حالانکہ اس آیت میں نبی ﷺ کا ذکر ہی نہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

(الف) "اگر یہاں وسیلہ سے نیک اعمال مراد ہیں تو جنہیں عمل کا موقع نہ ملا ہو وہ بے وسیلہ ہی رہ جائیں گے"۔ (ملخص) عرض ہے کوئی شخص مثلاً ایمان لاتے ہی فوت ہو جائے اور اسے یا رسول اللہ مدد کہنے کا موقع بھی نہ ملا ہو تو کیا وہ جہنم میں جائے گا؟

(ب) فرماتے ہیں: "نیک اعمال بھی تو حضور ﷺ ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے"۔ اب آئے ہیں مفتی صاحب راہِ راست پر، لہٰذا بریلویوں کو چاہیے کوئی ایسا عمل نہ کریں جو حضور علیہ السلام کی طفیل سے حاصل نہ ہوا ہو۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں نبی ﷺ کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے:

﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ﴾ (البقرہ: ۸۹)

"حالانکہ پہلے یہ خود اس کے ساتھ کفر پر فتح چاہتے تھے"۔

سوال یہ ہے کیا کافروں کا عمل ہمارے لیے حجت ہے؟ اگر حجت ہے تو ان کا کفر بھی حجت ہونا چاہیے۔ مفتی صاحب کی یہ دلیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے تم گندی چیزیں کیوں نہیں کھاتے یہ تو جانور بھی کھا لیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے یَسْتَفْتِحُوْنَ کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ سرے سے ہے ہی غلط۔ تفصیل کے لیے میری کتاب وسیلہ کا مطالعہ فرمائیں۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "خانہ کعبہ کا بتوں سے پاک ہونا، خانہ کعبہ کا قبلہ مقرر ہونا، قرآن پاک کا نازل ہونا، قرآنی آیات کا مکی و مدنی ہونا سب حضور ﷺ ہی کے وسیلہ سے ہے"۔ (ملخصاً) میں پوچھتا ہوں کیا یہ مُردوں سے استعانت ہے؟ قبل ازیں مفتی صاحب نے لکھا ہے خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رہے پھر حضور ﷺ کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا۔ (ص ۱۹۶) عرض یہ ہے کہ بریلوی عقیدہ کے مطابق نبی ﷺ اپنی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھے، بلکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عمر میں کچھ ہی کم تھے۔ ابوالحسن خرقانی کا قول ہے کہ میں اپنے ربّ سے دو سال چھوٹا ہوں۔ (فوائد فریدیہ ص ۸۷) ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا فرق اس سے بھی کم ہوگا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ بریلوی عقیدہ کے مطابق نبی ﷺ عمر میں اللہ تعالیٰ کے برابر ہی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی پہلے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (الحدید: ۳)

"وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے"۔

مفتی صاحب نے اپنے حاشیہ میں ان پانچوں صفتوں کو نبی ﷺ کے لیے بھی قرار دیا ہے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ تین سو سال تک خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کو کیونکر برداشت کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے اپنی پیدائش مبارک کے بعد بھی تقریباً ۶۰ برس تک انھیں برداشت کیا۔ بریلوی جھٹ جواب دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی تو برداشت کرتا رہا۔ میں کہتا ہوں: فتح مکہ کے موقع پر آپ کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی جو آپ ﷺ نے پہلی فرصت میں تمام بُت توڑ ڈالے۔ پھر آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حرمین شریفین میں یزید بن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہوگئی آپ ﷺ نے اس کا کبھی کوئی نوٹس نہ لیا۔ اب کئی سالوں سے وہاں "وہابیوں نجدیوں" کی حکومت چلی آ رہی ہے۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں پر بنے ہوئے قبے بھی گرا دیئے۔ کسی قبر والے نے اعتراض نہ کیا۔ یا تو کہیے وہ ان کاموں پر راضی ہیں یا مانیئے انہیں اس کی خبر ہی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے صرف اس وقت بُت توڑے جب آپ ﷺ حیات تھے اور مکہ مکرمہ پر آپ ﷺ کا قبضہ ہوگیا۔ اس سے ثابت ہوا قبل ز پیدائش یا بعد از وفات کسی سے مدد کی توقع عبث ہے۔

(ذ) معراج کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ کو نمازوں میں تخفیف کرانے کا جو مشورہ دیا تھا اس کے متعلق فرماتے ہیں: "اللہ کے مقبول بندے بعد وفات مدد فرماتے ہیں"۔ مفتی صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو ولیوں کے لیے دلیل بنا لیتے ہیں۔ گزارش یہ ہے کیا کسی ولی کو بھی معراج ہوا ہے۔ یا بغیر معراج کے نبی ﷺ نے کبھی کسی نبی سے مدد مانگی ہے یا اس مقصد کے لیے انہیں پکارا ہے۔

(ر) مفتی صاحب نے بتوں سے مدد مانگنے کو دو وجہ سے شرک قرار دیا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ مشرکین بتوں کو الٰہ مانتے تھے۔ دوسرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کو اختیارات نہیں دیئے۔ مشرکین اپنی طرف سے ان کو مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں۔ (ملخص)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب خود فرما چکے ہیں کہ دُعا کا مطلب پُوجا ہوتا ہے۔ (ص ۱۸۶) لہٰذا ما فوق الاسباب طریقے پر جسے پکارا جائے، گا وہ اس کی پوجا ہی تصور ہوگی یہی اسے الٰہ بنانا ہے۔ چاہے زبان سے اسے الٰہ کہا جائے یا نہیں۔ مشرکین مکہ میں یہ جرأت تھی کہ وہ اپنے دسیلوں کو الٰہ کہتے تھے۔

بریلوی مصلحتاً ایسا نہیں کہتے، جیسے حنفیوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو نبیوں والا مقام دے رکھا ہے مگر انہیں نبی نہیں کہتے۔ یہ طرزِ عمل منافقانہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دو چور ہوں ایک اپنا چور ہونا تسلیم کرلے دوسرا تسلیم نہ کرے۔ کئی بریلویوں نے جرأت کر کے اپنے معبودوں کو الٰہ کہہ بھی دیا ہے ؎

کیا فرق ہے عُزیر و حضرت میں اور خدا میں
وہ بھی اللہ ہے یارو یہ بھی اللہ ہے یارو

یہ انھوں نے اپنے مسلک سے تجاوز نہیں کیا نہ کسی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے بلکہ دلیری کے ساتھ اپنے مذہب کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا ہے ؎

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے اگر اللہ تعالیٰ نے بتوں کو اختیارات نہیں دیئے تو مُردوں کو کب دیئے ہیں۔ کوئی دستاویزی ثبوت؟ ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بُت اور پختہ مزار میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں کو بزرگوں کے نام پر ہی بنایا جاتا ہے۔ بت ہوں یا قبریں پتھروں ہی کی پوجا ہے۔ بلکہ شیطان کی پوجا ہے۔ اگر قبروں والے بزرگ ولی تھے تو کیا بتوں والے بزرگ بدمعاش تھے؟ یہ بھی تو نیک لوگ تھے۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۷۳۲ حدیث ۴۹۲۰)

(ز) لکھتے ہیں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ایک بُت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے۔ وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے۔ مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکمت الٰہی سے ہے"۔ نامعلوم مفتی صاحب نے یہ بات اپنے حق میں لکھی ہے یا اپنی مخالفت میں۔ میں پوچھتا ہوں قبر کے پتھر کو سجدہ کرنا یا اس سے مدد مانگنا اپنی ایجاد ہے یا حکم الٰہی سے ہے۔ اور کیا قبر کو سجدہ کرنا بھی کعبہ کی طرح کیا حقیقت میں خدا ہی کو سجدہ کرنا ہے۔ پھر اس سجدہ کو تعظیمی کہا جائے یا عبادت کا۔ نیز کیا ولی کی قبر اور خانہ کعبہ میں کوئی فرق بھی ہے یا نہیں؟

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

۲۰۸ اعتراض نقل کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((لا اغنی عنك من الله شیئا)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۸۵ حدیث ۲۸۵۳)

"میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا"۔

جواب دیتے ہیں: یہ اوّل تبلیغ کا واقعہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ "اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح"۔ نہ جانے مفتی صاحب کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ اوّل تبلیغ کا واقعہ ہے۔ کیا بعد میں قانون بدل گیا تھا؟ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابھی ایمان قبول نہیں کیا تھا؟ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۱٤) "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں"۔

تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مختلف رشتہ داروں کو بلایا جن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ تو آپ ﷺ نے سب سے، وہ بات کہی جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہی۔ یہ سورہ شوریٰ کی آیت ہے جو ترتیب نزول کے لحاظ سے ۴۷ ویں سورت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ پہلے سورہ طٰہٰ نازل ہوئی پھر واقعہ اور اس کے بعد الشعراء۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ٦۹) اور سورہ طٰہٰ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی"۔ (بحوالہ تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۷۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے برس میں ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو اوّل اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "واقعی دیوبندیوں کی حضور ﷺ مدد نہ فرمائیں گے ہم چونکہ بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے"۔ مفتی صاحب نے اپنا تعارف صحیح نہیں کرایا۔ انھیں کہنا چاہیے تھا ہم چونکہ حنفی بریلوی قادری چشتی سہروردی نقش بندی اور مرجیہ وغیرہ وغیرہ ہیں الخ ہمیں یہ تو علم نہیں کہ آپ دیوبندیوں کی مدد فرمائیں گے یا بریلویوں کی۔ البتہ اتنا علم ہے کہ آپ ﷺ ہر گنہگار مسلمان کی سفارش فرمائیں گے مگر مشرک اور بدعتی آپ ﷺ کی سفارش سے محروم رہیں گے۔

(ب) بطورِ اعتراض نقل کرتے ہیں:

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔

جواب دیتے ہیں "اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الٰہی سمجھ کر ہے"۔ بریلوی لوگ واسطوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ انھیں واسطوں کا اتنا خیال ہے کہ اصل کارساز حقیقی نظر انداز ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی حقیقت بس ایسے ہی ہے جیسے پارلیمانی نظام میں صدر کی ہوتی ہے جس کا کام صرف انگوٹھا لگانا ہوتا ہے۔ یا جیسے جب کوئی لیڈر مزاج بوڑھا ہو جاتا ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا تو چالاک لوگ بطورِ مذاق یا منہ رکھنے کے لیے اس خلیفہ جی کو اپنے ادارے یا جماعت کا سرپرست بنا لیتے ہیں۔ اور اسے خوش کرنے کے لیے کہتے رہتے ہیں جناب اصل شے تو بس آپ ہی ہیں۔ یہ سب آپ ہی کے دم قدم سے ہو رہا ہے۔ آپ کا سایہ سلامت رہے۔ بریلویوں نے کلی اختیارات اپنے بزرگوں میں بانٹ دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس انہوں نے چھوڑا ہی کیا ہے۔ سوائے ذات قدامت اور حقیقی کارسازی کے ؎

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ لینا ہے لے لیں گے محمد (ﷺ) سے

انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا شریر مذاق نہیں کرنا چاہیے۔

(ج) مفتی صاحب اپنی بات کی تائید میں فرماتے ہیں، "قرآن میں ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ٤٠) "نہیں ہے حکم مگر اللہ کا"۔

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ (البقرہ: ۲۵۵) "اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان اور زمین کی چیزیں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعوئ ملکیت بھی کرتے ہیں یعنی آیات سے مراد حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت مگر بندوں کے لیے بہ عطائے الٰہی"۔

مفتی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ بندوں کا حاکم ہونا بہ عطائے الٰہی ہے، جیسے کہ فرمایا:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۵۸)

"اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو"۔

اسی طرح ضروریاتِ زندگی کی ملکیتیں بھی بہ عطائے الٰہی ہیں، جیسے رَزَقْنٰھُمْ "ہم نے انہیں رزق دیا"۔ تو کیا مُردوں کو تصرف اور مدد کرنے کا اختیار بھی بہ عطائے الٰہی ثابت ہے؟

﴿۲۰۹﴾ مفتی صاحب نے اسباب کے تحت تعاون کرنے کرانے کی چند مثالیں دے کر وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاید یہ لوگ اپنی کھوپڑی میں بھیجہ نام کی کوئی شئ نہیں رکھتے۔ انھیں ہزار ہا دفعہ سمجھایا جا چکا ہے کہ مافوق الاسباب کو ماتحت الاسباب پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے چندہ دے اور مجھے بیٹا دے کیا اس میں انھیں فرق نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مُردوں کو زندوں پر قیاس کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے۔

اصل دلیل دینی چاہیے۔ اِدھر اُدھر کی مثالوں سے مسئلہ مدلل نہیں ہوتا۔

(الف) اعتراض نقل کرتے ہیں:

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ (البقرہ: ۱۰۷) "اور تمہارے لیے ربّ کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار"۔

جواب دیتے ہیں: "یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں بلکہ وَلی مِن دُوْنِ اللّٰہ کی نفی ہے جنہیں کفار نے اپنا ناصر مددگار مان رکھا تھا یعنی بُت و شیاطین۔ ولی اللہ وہ ہے جسے ربّ نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لیے منتخب ہو کر آتا ہے اگر کوئی شخص کسی کو خود ساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے"۔ مفتی صاحب نے بزعم خود نکتہ پیدا کیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے سوا ہر شے مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہے تو کیا ولی اللہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ نہیں۔ انھوں نے بُت و شیاطین کو مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قرار دیا ہے۔ تو کیا ان کے نزدیک بُت و شیاطین بھی ولی ہوتے ہیں۔ غالباً اسی لیے بریلویوں نے شیطان قسم کے بے نماز بھنگی چرسی گندے بلکہ ننگے بابوں (بابا نمبر ۱، بابا نمبر ۲، باب نمبر ۵، بابا نمبر ۷ وغیرہ) کو بھی پوجنا شروع کر دیا ہے۔ مشرکین بے شک بت پوجتے تھے لیکن وہ بریلویوں کی طرح اتنے بدذوق نہیں تھے وہ نبیوں اور ولیوں کے بت پوجتے تھے فرشتوں کو پوجتے تھے۔ حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کو پوجتے تھے۔ مفتی صاحب نے شیاطین کا لفظ بول کر غلط بیانی کی ہے اس لحاظ سے ٹھیک کہا ہے کہ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے خواہ وہ نبی ہو یا ولی، جن ہو یا شیطان، قبر ہو یا بُت، وہ درحقیقت شیطان ہی کی عبادت ہے۔ معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب کو مشرکوں کے شرک پر اعتراض نہیں اعتراض انھیں صرف اس بنا پر ہے کہ ان کے معبود اللہ کے مقرر کردہ نہیں تھے اور ان کے پاس تقرری کے کاغذات نہیں تھے جب کہ بریلویوں کے معبود باقاعدہ اللہ کے مقرر کردہ اور سند یافتہ ہیں۔ جیسے مثلاً ننگے شاہ، گھوڑے شاہ، سائیں کانواں والا، وغیرہ وغیرہ۔

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی آیت یا حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو مددگار بنایا ہے؟

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (یوسف: ۴۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اس کے سوا جن کی تم پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی"۔

(ب) مفتی صاحب کے دلائل ملاحظہ ہوں، رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اب تُو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی ہے:

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ ﴾ (طٰہٰ: ۲۹)

"عرض کیا مولا حضرت ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنا دے جس سے میرے بازو کو قدرت ہو"۔

معلوم ہوا کہ "اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء علیہم السلام ہے"۔

سوال یہ ہے کہ جس وقت کی یہ باتیں ہیں اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام زندہ تھے یا وفات پا چکے تھے؟ اتنی موٹی باتیں بھی بریلویوں کی سمجھ عقل میں نہیں آتیں۔ یہ حکیم الامت کا حال ہے ان کے عوام کا کیا حال ہوگا۔ بریلویوں کے اولیاء کرام تو "لوح محفوظ" بھی پڑھے ہوتے ہیں۔ ان کی اُمت نہ جانے اتنی جاہل واجہل کیوں ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہے اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء علیہم السلام ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ (سورہ محمد: ۷) "اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا"۔

لہٰذا بریلوی یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ خدا ہے۔ مگر قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (ابراھیم: ۱۱) "مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے"۔

۲۱۰ درمختار باب المرتدین بحث کرامات اولیاء سے ایک حوالہ بطور اعتراض نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنا کفر ہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں شیئاً للہ کے معنی ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لیے دو۔ رب تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لیے کچھ دو"۔ مفتی صاحب بہت "ذہین" واقع ہوئے ہیں۔ ایسی تاویلیں فرماتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ آسکیں۔ کیا دُنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کو شاہ عبدالقادر جیلانی کا محتاج سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے مُردوں سے بھیک مانگتا ہو جیسے یتیم کے لیے بھیک مانگی جاتی ہے۔ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ بریلوی ہی ہوسکتے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ساری صفتیں سارے خزانے سارے اختیارات اور سارے علم چھین کر ولیوں میں بانٹ دیئے ہیں اور اسے کوڑی کوڑی کا محتاج کر کے رکھ دیا ہے یعنی کہ ؎

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ لینا ہے لے لیں گے محمد (ﷺ) سے

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کو طالب خود کو مطلوب پایا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۹۱) ابوتراب بخشی فرماتے ہیں مجھے خدا سے بھی حاجت نہیں۔ (ایضاً ص ۱۷۰) واقعی انھیں خدا کی طلب اور ان کی حاجت کیوں ہو۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس کچھ رہنے دیا ہوتو تب ہے نا۔ اب تو اللہ تعالیٰ کو ان کی طلب اور حاجت ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۲۱۱ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ﴿ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہاں زندہ اور مردہ کا فرق نہیں۔ یعنی اگر مُردہ سے استعانت جائز نہیں تو زندہ سے بھی جائز نہیں ہونی چاہیے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت میں مافوق الاسباب استعانت مراد ہے۔ جو نہ کسی مُردہ سے جائز ہے نہ کسی زندہ سے۔ ماتحت الاسباب استعانت مراد ہی نہیں۔ ماتحت الاسباب استعانت کے بارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدہ:۲) "نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو"۔

ظاہر ہے کہ یہ استعانت زندوں ہی سے ممکن ہے۔ تو خیال ہے اللہ تعالیٰ کے کلام میں تعارض ہے۔ اور مفتی صاحب کو استعانت اور اعانت کا فرق معلوم ہی نہیں۔

قرآن پاک کی یہ آیت نقل فرمائی ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (بقرہ:١٥٤)

"جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے"۔

پھر فرماتے ہیں: "جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا"۔ قرآن پاک نے بے شک شہیدوں کو زندہ کہا ہے مگر یہ نہیں کہا کہ وہ بریلویوں کے پاس زندہ ہیں بلکہ فرمایا ہے:

﴿بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (آل عمران:١٦٩) "بلکہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں"۔

شہداء کی زندگی کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ وہ جنت میں ہیں۔ ایک حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

((انی قضیت الحکم الیھا لا یرجعون)). (عن جابر بن عبداللہ ﷺ مسند احمد ج ٣ ص ٣٦١ حدیث ١٤٩٢٤)[1]

"ربّ العزت فرماتے ہیں میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ انھیں دُنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا"۔

فوت ہونے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ (الانبیاء:٩٥)

"اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں"۔

نیز فرمایا:

﴿وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (المؤمنون:١٠٠، بحوالہ تفسیر ابن کثیر ص ٤٢٦)

"اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دِن تک جس میں اُٹھائے جائیں گے"۔ (کنز)

مولوی نعیم الدین صاحب حاشیہ میں آڑ کے متعلق فرماتے ہیں: "جو انھیں دنیا کی طرف واپس ہونے سے مانع ہے اور وہ موت ہے"۔ لہٰذا مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ "جب یہ زندہ ہیں تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا"۔ کس قانون کے تحت ہے۔ خود مفتی صاحب فرما چکے ہیں کرامات کے لیے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے۔ (ص ١٧١) تو کیا مددگار کے لیے ضروری نہیں کہ وہ موجود بھی ہو محسوس بھی ہو اور مدد بھی کرے۔

کم از کم میں نے کبھی نہیں دیکھا کبھی کسی بریلوی نے کسی زندہ حاضر یا غیر حاضر بزرگ کو مافوق الاسباب استعانت کے لیے پکارا ہو۔ جب بھی دیکھا مُردوں کو پکارتے سُنا۔ اس سے ثابت ہوا ان کے نزدیک زندہ ولی مُردے ہیں کہ انہیں نہیں پکارتے، مُردہ ولی زندہ ہیں کہ انہیں پکارتے ہیں۔ چہ خوب! جیسے کہتے ہیں ہاتھی زندہ لاکھ کا مُردہ سوا لاکھ کا۔

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں: جو حضرات عشق الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں (یعنی شہداء کی فہرست میں) داخل ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ بھی زندہ ہیں۔ عرض ہے کہ ہم نے آج تک کبھی کسی عاشق کو عشق الٰہی کی تلوار سے شہید ہوتے نہیں دیکھا۔ ہم نے تو انھیں دھنوں پر نعتیں گاتے، شیطانی آوازوں کی دُھن پر قوالیاں کرتے اور ختم شریف کے مرغے پھاڑتے اور حلوے انڈے کھا کھا کر کپے بنتے ہی دیکھا ہے اگر اسی چیز کا نام شہادت ہے تو پھر ٹھیک ہے بلکہ اس شہادت کا "ثبوت" میں انہیں ایک حدیث سے مہیا کر دیتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ان ھذا المال خضرۃ حلوۃ فمن اخذ بحقه و وضعه فی حقه فنعم المعونة ھو و من اخذہ بغیر حقه کان کالذی یاکل ولا یشبع و یکون شھیدا علیه یوم القیامة)). (عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۵۱ حدیث ٦٤٢٧، مسلم ج۱ ص ۳۳۲ حدیث ۲۳۸۷، مشکوٰۃ کتاب الرقاق ص ٤٤٠)

"یہ مال ہرا بھرا اور میٹھا ہے جو اسے حق کے ساتھ حاصل کرے اور صحیح جگہ پر خرچ کرے تو یہ بہترین مددگار ہے اور جو ناحق حاصل کرنے تو وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھائے جاتا ہے اور اس کا پیٹ نہیں بھرتا تو یہ مال روزِ قیامت اس پر شہید یعنی گواہ ہوگا"۔

میں پوچھتا ہوں کیا عشق الٰہی بھی کوئی کافرشے ہے کہ اس کے ہاتھوں مرنے والے بھی اسی طرح شہید ہیں جیسے کفار کے ہاتھوں مرنے والے۔

مفتی صاحب نے ایک حدیث نبوی ﷺ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۱۴۲ حدیث ۴۹۴۰، مشکوٰۃ کتاب الجہاد ص ۳۳۱) کے حوالے سے بیماریوں اور حادثوں کی وجہ سے مرنے والوں کی شہادت کو عشق الٰہی کی تعداد سے شہادت کے لیے بطورِ مثال پیش کیا ہے۔

بات یہ ہے کہ بیماری اچھی چیز نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے بیماریوں سے پناہ مانگی ہے:

((اللّٰھم انی اعوذبك من البرص والجنون والجزام و من سیئ الاسقام)). (عن انس رضی اللہ عنہ ابو داؤد باب الاستعاذہ حدیث ١٥٥٤، نسائی باب الاستعاذہ مشکوٰۃ باب الاستعاذہ ص ۲۱۷) ❶

"یا اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ پھلبہری سے دیوانگی سے کوڑھ سے اور بُری بیماریوں سے"۔

تو کیا پھر عشق الٰہی سے پناہ مانگنی چاہیے کہ یہ پھر ایک مہلک اور قاتل مرض ہے۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگر صرف تلوار سے مقتول زندہ ہوں باقی سب مُردے تو نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ مُردہ ماننا لازم آئے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں"۔ عرض ہے کیا یہ بھی شہیدانِ عشق ہے؟ یعنی یہ بھی عشق الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے تھے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دونوں حضرات اپنی طبعی عمر کو پہنچے تھے اور بیمار ہو کر فوت ہوئے تھے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی اور صدیق کا مقام شہیدوں سے بھی بڑھ کر ہے لہٰذا ان کی برزخی زندگی شہیدوں سے بھی بہتر ہے۔ مگر اس کا دنیوی حیات سے کوئی تعلق نہیں۔ مفتی صاحب نے متفقہ عقیدے کی بات کی ہے مگر اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا تھا:

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات)). (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۵۱۷ حدیث ۳۶۶۸)

"جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا پس وہ تو فوت ہو گئے"۔

مفتی صاحب نے اپنی مطلب براری کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شہید کے مرتبہ پر اتار کران کے مقام کو کم کیا ہے زیادہ نہیں کیا۔ یہ تو ایسے ہے جیسے کسی خاتون نے ڈپٹی کمشنر کو یہ دُعا دی تھی کہ خدا تمھیں پٹواری بنائے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مگر وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد اپنے وقت پر فوت ہوئے۔ باوجود شاید محبت کے حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ نے بھی اپنے وقت پر انتقال کیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسّی (۸۰) ہجری میں پیدا ہوئے۔ حنفیہ انھیں بھی تابعی ثابت کرنے کے لیے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات کراتے ہیں۔ اُنھوں نے ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ تو کیا وہ بھی عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم تھے۔ ہم نے آج تک کبھی کسی شہید کو عشق الٰہی کی تلوار سے پھڑک کر مرتے نہیں دیکھا۔ سوائے قصہ کہانیوں کے۔

(ب) اعتراض نقل کرتے ہیں بزرگانِ دین بوڑھے ہو کر نہایت کمزور ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اپنی قبروں سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ جیسے کہ فرمایا:

﴿وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ (الحج: ۷۳)

"اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو اس سے چھین نہیں سکتے"۔

جواب دیتے ہیں یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لیے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق رُوح سے کمزور ہو گیا۔ رُوح میں کمزوری نہیں۔ بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے"۔ عرض ہے کہ جب بزرگ عین عالم شباب میں ہوتے ہیں اور روح کے ساتھ ان کے جسم خاکی کا تعلق بہت قوی ہوتا ہے اس وقت وہ کونسا ہمالیہ سر پر اُٹھا لیتے ہیں جو کمزور ہونے کے بعد ان سے نہیں اُٹھایا جاتا۔

﴿اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۷)

"نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے"۔

اس کی دلیل خود بریلوی حضرات کا اپنا طرزِ عمل ہے انھوں نے کبھی کسی زندہ غائب جوان ولی کو استمداد کے لیے نہیں پکارا۔ نہ کبھی کوئی بزرگ ان کی امداد کے لیے آیا ہے نہ پاکستان میں نہ کشمیر میں نہ بوسنیا میں نہ چیچنیا میں نہ افغانستان میں۔ معلوم ہوتا ہے یہ خود انھیں کسی قابل نہیں سمجھتے۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ ایک ولی بیک وقت اور بذاتِ خود دس ہزار جگہ (مدد کے لیے) پہنچ سکتا ہے۔ (ملفوظات ص ۱۱۳) میں کہتا ہوں: آپ کسی زندہ ولی کا یہ کارنامہ دکھلا دیں مُردہ ولیوں کے کئی جگہ ہونے کا میں قائل ہو جاؤں گا۔ کہتے ہیں رُوح کی قوت بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے"۔ بات یہ ہے کہ روح کی قوت دنیا میں ثابت کرو گے تو بعد موت اس کا اور "قوی" ہونا ثابت ہو گا نا۔ مفتی صاحب نے "یہ اولیاء اپنی قبروں سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے" کا جواب نہیں دیا۔ بقول مفتی صاحب اگر جسم خاکی کا روح سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے تو کیا مکھی کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی رستم زمان ہونے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے بعد موت روح اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ اچھے قوی ہیں جو مکھی بھی نہیں اُڑا سکتے۔ مفتی صاحب نے قبروں سے مکھی دفع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں قبر تو کیا مُردہ ولی خود اپنے وجود سے بھی مکھی دفع کرنے پر قادر نہیں۔ آزمائش شرط ہے۔ بعد از موت رُوح کے قوی ہونے پر مفتی صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾ (الضحی: ٤) "یقیناً تیرے لیے انجام آغاز سے بہتر ہے"۔

یعنی مرنے کے بعد ان میں مرد کی زیادہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ زندگی میں مسلمانوں کی اتنی مدد نہیں فرما سکے جتنی کہ اب فرما رہے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر آج مسلمانوں کی حالت زمانہ نبوی ﷺ سے بہتر اور مضبوط ہونی چاہیے تھی یا دِن بہ دن ابتر ہونی چاہیے تھی۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے اس کے حاشیہ میں مراتب اور درجات کی بلندی مراد لی ہے نہ کہ قوتِ امداد کی۔ خود مفتی صاحب نے بھی اپنے حاشیہ میں قوت وامداد کا تذکرہ نہیں کیا۔ نیز ان کا یہ فرمانا کہ روح بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ خصوصاً ارواح انبیاء... الخ۔ تعجب انگیز ہے۔ کیا واقعی نبی ﷺ سمیت سب انبیاء کرام علیہم السلام کی موت انہوں نے تسلیم کر لی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں تو ان کا مذہب یہ ہے کہ ان پر صرف ایک آن کے لیے موت طاری ہوئی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ا ص ٦١٠) تو کیا صرف ایک آن کے لیے ان کی رُوح اور زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اور دوبارہ پھر کمزور ہو جاتی ہے۔ آخر کیا قصہ ہے؟

۲۱۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "استمداد ولی کی روح سے ہے نہ جسم عنصری سے"۔ قبل ازیں مفتی صاحب لکھ آئے ہیں قوت قدسیہ والا۔ صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ ہے۔ (ص ۱۳۹) اسی طرح کا تناقض مولوی احمد رضا خاں صاحب کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ٹھیک فرماتی ہیں: "جسم مُردہ ہے روح زندہ ہے"۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: "صرف ایک آن کے لیے نبیوں پر موت آتی ہے پھر انہیں ہمیشہ کے لیے حقیقی، دنیاوی، روحانی اور جسمانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے"۔ سچ ہے:

دروغ گورا حافظہ نہ باشد

(جھوٹے کے دماغ کے خانے خالی ہوتے ہیں)

بقول مفتی صاحب استمداد اگر ولی کی رُوح سے ہے نہ کہ جسم عنصری سے، تو جسم عنصری پر بریلویوں کو لاکھوں کروڑوں روپے کے قبے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ جا کر روحوں کا مقام تلاش کریں۔ خواہ مخواہ لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ استمداد اگر نبی ﷺ کی روح سے ہے تو روح جب اپنے نام سے منسوب قبے کی حفاظت نہیں کر سکتی اور اپنے جسم سے مکھی نہیں اُڑا سکتی تو اپنے مریدوں کا کیا سنوار لے گی۔ اوّل خویش بعد درویش۔

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۹۷)

"وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں"۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں "کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں۔ نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں ہے"۔ سوال یہ ہے کہ جن قبروں سے بریلوی مدد مانگتے ہیں اور انہیں چومتے چاٹتے اور سجدے کرتے ہیں کیا ان میں روح ہوتی ہے بلکہ قبروں کے بیچ میں جو مُردے لٹائے گئے ہوتے ہیں کیا ان میں روح ہوتی ہے، اگر بریلویوں کے نزدیک قبروں سے اور ان کے مدفون والے ہوتے ہیں تو مشرکین کے نزدیک بھی بتوں سے اور وہ بزرگ ہوتے ہیں جن کے وہ بت ہوتے ہیں روح نہ ان میں ہوتی ہے نہ اُن میں ہوتی ہے۔ بے شک قبروں اُکھاڑ کر دیکھ لیں، گناہ نہ ہو تو میں کہوں مذہب شرط لگی رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) نبی ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ان حضرات کو قبر کی مکھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں ہے"۔ سوال یہ ہے کہ ان کی توجہ کس جانب ہے۔ جس جانب ان کی توجہ ہے وہی کام ان سے لے کر دکھلا دیں۔ یعنی یہ لوگ زندگی میں جس طرح اپنی موجودگی کا ثبوت دیتے تھے اب انھیں کیا عذر ہے۔ جو لوگ عالم کو پلٹ دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ عالم کو سنوار بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ کم از کم یہ اپنے قبے ہی نہ گرنے دیتے۔ کوئی بزرگ جیتے جی اپنے مکان کی ایک اینٹ بھی نہیں دیتا۔

(ج) مفتی صاحب اپنی تائید میں آگے لکھتے ہیں: "خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رہے، ربّ نے دُور نہ کیے۔ تو کیا خدا کمزور ہے۔ اپنے گھر سے نجاست دور نہ کر سکتا"۔

اللہ تعالیٰ کی طاقت میں شبہ نہیں۔ جو ساٹھ ہزار ہاتھی والوں کو ننھی مُنّی چڑیوں سے مروا سکتا ہے، اس کے لیے خانہ کعبہ کے بت کیا حقیقت رکھتے تھے مگر کیا انھیں دور نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بزرگوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی اس جانب توجہ نہیں تھی۔ ایک بات بتلایئے بالفرض کوئی بچہ مسجد میں ٹٹی پیشاب کر دے تو کیا مسجد سے یہ نجاست دور نہیں کی جائے گی یا یہ سمجھ کر بات ٹال دی جائے گی کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور وہ کوئی کمزور تھوڑا ہی ہے۔ جب اس کی مرضی ہوگی یا اس جانب اس کی توجہ ہوگی خود ہی صاف کر لے گا۔ اصل میں جو کام انسانوں کے کرنے کا ہوتا ہے وہ انسانوں کو ہی کرنا چاہیے۔ اسے اللہ تعالیٰ پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ بوجہ شرک بُت ٹٹی پیشاب سے بھی زیادہ ناپاک اور نجس ہیں۔ مگر انہیں دُور مسلمانوں نے ہی کرنا تھا۔ چنانچہ جب انہیں موقع ملا انہوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا۔ اور اگر ان میں پہلے طاقت ہوتی تو کبھی تاخیر نہ کرتے۔ اللہ سمجھ دے۔

اعتراض نقل کرتے ہیں: "حضرت علی اور امام حسین رضی اللہ عنہما میں اگر کچھ طاقت ہوتی تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوئے۔ جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے تو تمہاری مصیبت کیا رفع کریں گے"۔

ربّ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ﴾ (الحج: ۷۳)

"اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے"۔

جواب دیتے ہیں "ان میں دفع مصیبت کی طاقت تو تھی مگر طاقت کا استعمال نہ کیا کیونکہ ربّ تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی"۔ مفتی صاحب نے یہ کتنا بڑا جھوٹ شریف بولا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو ابن ملجم نے طاقت استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس لعین نے انہیں رات کے اندھیرے میں چھپ کر قتل کر دیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعہ اور بریلوی جو داستان غم بیان کرتے ہیں اس کے مطابق تو اُنھوں نے بھرپور طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اور کئی ایک کو قتل کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ طاقت ہو مگر اُسے استعمال نہ کرنا اور دشمن کے ہاتھوں مر جانا شہادت نہیں خودکشی ہے۔

(د) فرماتے ہیں: "امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوضِ کوثر منگا لیتے۔ فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی بر رضا الٰہی تھے۔ دیکھو رمضان میں پانی ہمارے پاس ہوتا ہے مگر حکم الٰہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے"۔ ماہِ رمضان میں تو اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا کوئی حکم تھا کہ پانی نہیں پینا۔ بچے بلکتے ہیں تو بلکتے رہیں۔ کیا ان پر کوئی نئی شریعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نازل ہوئی تھی؟ مشہور مؤرخ اکبر شاہ نجیب آبادی رقمطراز ہیں امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ پانی لینے کو بھیجا کہ زبردستی پانی لائیں۔ مگران ظالموں نے پانی نہ لینے دیا۔ اب دم بدم پیاس کی شدت نے تکلیف پہنچانی شروع کردی۔ یہ ایسی اذیت تھی جو تیروسنان کی اذیت سے زیادہ سوہانِ روح تھی۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۷۵) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حوضِ کوثر منگا لیتے، فرات کی کیا حقیقت تھی۔ میں پوچھتا ہوں کیا بریلوی بھی روزہ رکھ کر زبردستی پانی پینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا اسی کا نام راضی برضاء الٰہی ہونا ہے۔ یہ راضی برضاء الٰہی ہونا نہیں بلکہ مجبوری کا نام شکریہ ہے۔ حیرانی کی بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو اس سے قبل شہید ہو چکے تھے اور بقول مفتی صاحب جن کی روح بعد موت اور زیادہ قوی ہو چکی تھی انہوں نے بھی کوئی مشکل کشائی نہ فرمائی نہ پانی پہنچایا نہ اور کوئی مدد کی۔ حتیٰ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نانا جان کو بھی ترس نہ آیا۔ امام اگر راضی برضا تھے تو کیا دوسروں کے لیے بھی راضی برضا کی مدد کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے لیے حوض کوثر بھیج دیتے۔ یا پانی کے چند قطرے ہی ان کے بچوں کے حلق میں ٹپکا دیتے۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں ہے"۔ میرے بھائی جب اللہ کا حکم آ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا کر لیا تھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیا کر لیا تھا؟ وہ نہ زندگی میں تقدیر کو ٹال سکے نہ بعد مرگ کسی کے کام آ سکے۔ مفتی صاحب ان کی شہادت کو راضی برضا الٰہی کا نام دیتے ہیں حالانکہ راضی برضا ہو کر تو ایک جاندار بھی قصاب کے ہاتھوں ذبح نہیں ہوتا وہ بھی بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو اس پر صبر کرنے کو راضی برضائے الٰہی کہتے ہیں جیسے اپنے ننھے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((لا نقول الا بما يرضى ربنا و انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون)). (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۷٤ حدیث ۱۳۰۳، مسلم ج ۲ ص ۲٥٤ حدیث ٦٠٢٥، مشکوۃ باب البکاء علی المیت ص ۱٥٠)

"ہم وہی کہتے ہیں جس پر ہمارا رب راضی ہے اور اے ابراہیم ہمیں تیری جدائی کا صدمہ ہے"۔

اور جیسے قرآن پاک میں بھی ہے:

﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱٥٦)

"انھیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"۔

بریلوی چیخ چیخ کر ولیوں کی طاقتوں کا دعویٰ تو بہت کرتے ہیں۔ مگر آج تک انھوں نے کبھی اس کا عملی ثبوت پیش نہیں کیا۔ ایران اور پاکستان کے تمام اولیائے کرام تادم تحریر گستاخ رسول سلمان رشدی کا کام تمام کرنے سے عاجز آ چکے ہیں۔ وہ خنزیر دندناتا پھر رہا ہے۔ یہ ابھی تک اس کا موئے ناف بھی ٹیڑا نہیں کر سکے۔ اب چاہیے تو ذرا اپنے مُردہ ولیوں کو آواز دیں کہ وہی آ کر اس کا گلا گھونٹیں۔ اپنے مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں کو پکاریں کہ اسرائیل کو لگام دیں۔ امریکہ کو اس کی فرعونیت کا مزہ چکھائیں۔ بھارتی فوجوں کو کشمیر سے نکالیں، ذرا سربوں کی خبر لیں آخر عالم کو پلٹ کر دینے والی ان کی طاقتیں کس روز کام آئیں گی؟ آخر ان کا مصرف کیا ہے؟ مسلمانوں کی حالتِ زار کی جانب ان کی توجہ کب ہوگی؟

﴿فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۹٤)

"سو تم ان کو پکارو پھر چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہر بات کا یہی جواب دینا ہے کہ ولیوں میں طاقت تو بہت ہے۔ مگر مصلحت اس کے استعمال سے مانع ہے تو یہ کوئی جواب نہ ہوا۔ اس طرح تو کوئی نحیف و ناتواں بندہ بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں زمین پھاڑ سکتا ہوں آسمان گرا سکتا ہوں ہمالیہ کو اُٹھا سکتا ہوں یہ کر سکتا ہوں وہ کر سکتا ہوں مگر اس جانب میری توجہ نہیں ہے۔ مصلحت اس چیز کی اجازت نہیں دیتی۔ حکم الٰہی مانع ہے۔ اور مقامِ رضا میں فرق آتا ہے یہ بات تو بتوں کے پجاری بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بت سب کچھ کر سکنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر حکم الٰہی نہیں ہے۔ وہ راضی برضا رہنا چاہتے ہیں۔

(ز) قرآن پاک میں جو آیا ہے:

﴿وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ﴾ (الحج: ۷۳)

"اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے"۔

مفتی صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں: "یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لیے پڑھنا بے دینی ہے۔ یہ بتوں کے لیے ہے"۔ اس سے متصل پہلے یہ الفاظ ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾

"جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ سب جمع ہو جائیں"۔

سوال یہ ہے کیا ساری دنیا کے اولیاء مل کر ایک مکھی بنا سکتے ہیں بلکہ کیا مکھی کی ایک ٹانگ یا آنکھ بنا سکتے ہیں یا سارے فوت شدہ اولیاء ایک مکھی اپنے سے دفع کر سکتے ہیں؟ پھر کس طرح مفتی صاحب نے یہ بات کہہ دی ہے کہ یہ آیت بتوں کے لیے ہے۔

سوال یہ ہے اگر بتوں میں طاقت نہیں یا بتوں میں روح نہیں تو کیا قبروں کے ملبے میں طاقت یا رُوح ہے یا مُردوں میں طاقت یا رُوح ہے۔ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ جسم مُردہ ہے۔ تو اگر قبر کے مُردے کی رُوح مدد کر سکتی ہے تو بُت کے بزرگ کی رُوح کیوں مدد نہیں کر سکتی بت بھی تو بزرگوں کے ہی مجسمے ہوتے ہیں اور مزاروں کی طرح انہی کے نام سے منسوب ہوتے ہیں لہٰذا پیچھا چھوڑانے کے لیے بار بار یہ کہنا کہ یہ آیتیں بتوں کے بارے میں ہیں بے کار بات ہے۔

(س) فرماتے ہیں: "حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نانا نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیے، یہ پانی جنت سے آتا تھا"۔

ابھی ابھی مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت حسین رضی اللہ عنہ حوضِ کوثر منگا لیتے۔ فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضا الٰہی ہے"۔

سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی برضا نہیں تھے جنت سے پانی منگوا لیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نواسہ اپنے نانے سے بڑھ کر راضی برضا تھا۔ مفتی صاحب پر حیرت ہوتی ہے کہ بار بار انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے ولیوں کی طاقت پر استدلال کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اب کوئی ولی بغیر باپ کے پیدا ہو کر دکھلائے۔ وہ مردوں کو زندہ بھی کر لیتے تھے۔ اب ہے کوئی مائی کا لال ولی جو ایک مُردہ چیونٹی میں جان ڈال کر دکھلا دے۔ بلکہ کوئی مُردہ ولی خود اپنے آپ کو زندہ کر کے دکھلا دے۔ ہم سننا نہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔

(ش) فرماتے ہیں یہ پانی جنت سے آیا تھا۔ اس سے قبل مفتی صاحب نماز کسوف کے سلسلہ میں لکھ آئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی۔ چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تا کہ لوگوں کا علم غیب قائم رہے۔ (ص ۱۴۸) سوال یہ ہے کہ اب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنت کا پانی پینے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم بالغیب قائم رہ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتلایا نہیں مفتی صاحب کو کیسے پتہ چل گیا کہ یہ پانی جنت سے آیا تھا۔ کیا ان حضرت پر وحی نازل ہوتی تھی۔

میں اس مضمون کو اس آیت پر ختم کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ﴾ (القصص: ٦٨)

"اور آپ کا ربّ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے جو چاہتا ہے، ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں بخشا۔ مفتی صاحب نے اپنے حاشیہ میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

"ولید بن مغیرہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی کیوں چُنا؟ یہ قرآن مکے یا طائف کے کسی بڑے مال دار آدمی پر اُترا ہوتا یعنی مجھ پر یا عروہ بن مسعود ثقفی پر۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"۔

مفتی صاحب کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیت کی جانب ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝﴾ (الزخرف: ٣١)

"اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا"۔

وہی مضمون مفتی صاحب نے اپنے حاشیہ میں اس آیت کے تحت بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے قصص کی آیت کو اس زخرف کی آیت کا جواب قرار دیا ہے۔ حالانکہ سورہ قصص پہلے نازل ہو چکی تھی جس کا نزول نمبر ۴۹ ہے اور زخرف بعد میں نازل ہوئی جس کا نزول نمبر ۶۳ ہے۔ انہوں نے یہ حرکت صرف اس لیے کی ہے تاکہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مختار کل نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے جو کچھ کہا ہے بے شک آیت کو اس مفہوم کے ساتھ خاص کر دینا مذموم مقاصد پر مبنی ہے۔

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام واحکام

۲۱۴ اس عنوان کے تحت مفتی صاحب نے بدعت کی اتنی قسمیں گنوائی ہیں کہ باقاعدہ ان سے بدعت کا شجرۂ نسب تیار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بدعت لغوی، بدعت شرعی، بدعت اعتقادی، بدعت عملی، بدعت حسنہ، بدعت سیئہ، بدعت جائز، بدعت مستحبہ، بدعت واجب، بدعت مکروہہ، بدعت حرام۔

یہ تقسیم دراصل مُلّا علی قاری حنفی کی کتاب مرقات ج ۱ ص ۲۱۶ سے منقول ہے جس پر دیو بندیوں کا بھی ایمان ہے۔ صاحب مرقات نے اسے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب القواعد سے نقل کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سیدھی سی بات ارشاد فرمائی تھی:

((من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد)). (عن عائشه رضی الله عنها بخاری حدیث ۲۶۹۷، و مسلم حدیث ۱۷۱۸، مشکوٰة باب الاعتصام بالکتاب والسُّنّة)

"جو شخص ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے"۔

یہ حدیث اہل بدعت کے لیے بہت مصیبت کا باعث ہے اس لیے وہ اس کا خوب تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔ مفتی صاحب نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کا یوں ترجمہ کیا ہے:

"جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے"۔

اس حدیث کو عقیدے کے ساتھ خاص کر کے مفتی صاحب اپنی بدعات کو بچانا چاہتے ہیں۔ ایک دلیل بھی دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے ایک شخص کا سلام پہنچایا تو فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اسے میرا سلام نہ کہنا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ میری اُمت میں خسف و مسخ یا قذف کا عذاب ہوگا قدریہ لوگوں میں۔ (عن نافع ترمذی حدیث ۲۱۵۲ باب القدر مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) ❶

ان کا مطلب یہ ہے تقدیر کا مسئلہ چونکہ عقیدے سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کے منکر کو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعتی فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عملی بدعت بدعت ہی نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یوں بھی ہے:

((من صنع امرا علی غیر امرنا فھو ردّ)). (عن عائشہ رضی اللہ عنہا ابوداؤد کتاب السنة حدیث ٤٦٠٦) ❷

"جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے"۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں بھی ہے:

((من عمل عملا لیس علیه امرنا فھو رد)). (بخاری ص ۱۰۹۲)

"جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے"۔

قبل ازیں خود مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے:

بدعت کے شرعی معنی وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی بدعت اعتقادی، بدعت عملی"۔ اگر بدعت کا تعلق فقط اعتقادات سے مانا جائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عالم الغیب، حاضر ناظر، مختار کل یا مشکل کشا جیسے نظریات اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں یا عمل سے۔ اگر عقائد سے ان کا تعلق ہے تو کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیاتِ ظاہری میں پائے جاتے تھے؟ نیز بات یہ ہے کہ عمل کسی عقیدے کے اظہار ہی کی شکل ہوتی ہے۔ یعنی یہ نظریہ رکھنا کہ عملی بدعت جائز ہے بذاتِ خود ایک عقیدہ ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب کا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدے کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

(الف) مفتی صاحب نے دیوبندیوں کے اس عقیدے کو کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے بدعت اور بارھویں صدی کے ناپاک عقیدوں میں شمار کیا ہے"۔ میں یہ پوچھتا ہوں مفتی صاحب نے ردّ بدعت والی حدیث کا جو ترجمہ کیا ہے اس کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم غیب نہ رکھنے کا عقیدہ کس آیت یا کس حدیث کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون تو بارہا بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔ کیا یہ صفت کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی بیان ہوئی ہے۔ تا کہ پتہ چلے کہ علمِ غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنا بدعت ہے یا کئی ایک کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا بدعت ہے۔

(ب) ایک اور بدعت کا مفتی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ "دیوبندی کہتے ہیں خدا جھوٹ پر قادر ہے"۔ کسی زمانہ میں دیوبندیوں اور

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریلویوں کے درمیان یہ بحث چلی تھی۔ دراصل دونوں ہی حق پر نہیں تھے۔ یہ کہنا خدا جھوٹ پر قادر ہے اللہ تعالیٰ کی توہین ہے اور یہ کہنا کہ خدا جھوٹ پر قادر نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات قدرت کا انکار ہے۔ جو شخص گناہ کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ گناہ پر قادر نہیں یہ کوئی کمال نہیں۔ گناہ کر سکتا ہو پھر نہ کرے یہ خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا، کیونکہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف ہی نہیں یہ جھگڑا کرنا کہ وہ جھوٹ پر قادر ہے یا قادر نہیں ہے۔ ایک فضول بحث ہے۔ اس کی قدرت کو تو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہیے۔ جیسے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا اس مسئلہ میں مت اُلجھو۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ترمذی ابواب القدر حدیث ۲۱۳۳، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) [1]

مفتی صاحب نے دیوبندیوں کی طرف یہ بدعت بھی منسوب کی ہے کہ وہ کہتے ہیں "حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے"۔

یہ الفاظ صراطِ مستقیم کے ہیں، جو شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ ان کی تصنیف ہرگز نہیں ہے۔ جس نے بھی یہ الفاظ لکھے ہیں صحیح نہیں لکھے غلط لکھے ہیں۔ نیز عرض ہے حنفیہ کی مشہور کتاب "الاشباہ والنظائر" مطبوعہ ہند میں لکھا ہے:

لو نظر المصلی الی مصحف و قرأ منه فسدت صلوٰة الا الی فرج امرأة بشهوة لان الاوّل تعليم و تعلم فيها لا الثانی.

"اگر نماز میں قرآن پاک دیکھ کر پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر کسی عورت کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلی صورت درس و تدریس کی ہے۔ جبکہ دوسری صورت میں شرمگاہ دیکھنے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا"۔

اب میں بریلویوں سے پوچھتا ہوں کیا عظمت کے لحاظ سے قرآن کا مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہے یا عورت کی شرمگاہ سے گائے بیل زیادہ حقیر ہے؟

قرآن پاک میں کافروں کا ذکر بھی ہے مشرکوں کا ذکر بھی ہے منافقوں کا ذکر بھی ہے، فرعون، قارون، ہامان، شیطان ابلیس اور ابولہب کا ذکر بھی ہے۔ تو کیا خیال ہے نماز میں انھیں حذف کر کے پڑھا جائے گا۔ ہاں! ایک بات یاد رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا اور کوئی مقدس ہستی اگر نماز کے بیچ میں یا نماز کے علاوہ بھی ان میں سے کسی کا خیال بطور شرک اور عبادت کے آجائے تو اس خیال سے بدتر کوئی شے نہیں ہے۔ کیونکہ شرک نہایت نجس اور ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم ہے۔ اور غالباً مذکورہ بالا عبارت لکھنے والے کا مطلب بھی یہی ہوگا۔ افسوس کہ اسے الفاظ اچھے نہ مل سکے۔ الفاظ کے انتخاب میں وہ غلطی کھا گیا۔

اپنے مذکورہ بالا ترجمہ میں مفتی صاحب نے ایک اور چالاکی یہ کی ہے، فرماتے ہیں "وہ عقیدے ایجاد کر لے جو دین کے خلاف ہوں"۔ آگے چل کر بھی لکھا ہے بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ (ص ۲۱۷) ایک جگہ لکھا ہے اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لیس منہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو خلاف سنت ہوں یا خلاف دین ہوں۔ (ص ۲۲۴) مقصد ان کا صرف یہ ہے کہ ان کی بدعات کسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زد سے محفوظ رہیں ان کے خیال میں ان کی بدعات کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہیں ہیں۔ لفظ عقیدہ کی طرح یہ تاویل بھی سراسر تحریف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جس

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہم نے منع کیا ہے وہ مردود ہے۔ بدعت اور چیز ہے نہی اور چیز ہے۔ اہل بدعت بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کرتے ہیں۔ اگر بدعت ممنوعہ شئے کا نام ہے تو ممنوعہ یعنی خلاف سنت اور خلاف دین شئے حسنہ کی طرف کیسے تقسیم ہو سکتی ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کفر دو قسم کا ہوتا ہے، ایک اچھا اور ایک بُرا۔

بریلویوں کا اپنی بدعات کو خلاف سنت سمجھنا خام خیالی ہے۔ کیونکہ جو عمل دین میں ثابت ہے وہ حضور ﷺ کی سنت فعلیہ ہے اور جو عمل ثابت نہیں وہ حضور ﷺ کی سنت ترکیہ ہے ان ہر دو میں اتباع ضروری ہے۔ جو کام حضور ﷺ نے نہیں کیا اس کو کرنا یہ سنت ترکیہ کی خلاف ورزی ہے۔

مُلّا علی قاری حنفی ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) کی شرح میں لکھتے ہیں:

والمتابعة كما تكون فى الفعل يكون فى الترك ايضًا، فمن واظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع. (مرقات ج۱ ص ۴۱)

"پیروی جس طرح فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترکِ فعل میں بھی ہوتی ہے۔ جو عمل نبی ﷺ نے نہیں کیا اس پر مواظبت کرنے والا بدعتی ہے"۔

یہی مضمون شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات ج۱ ص ۲۰ اور مظاہر حق ج۱ ص ۲۰ میں محدثین کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگو! دُعا میں سجع سے پرہیز کرو کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُعا میں سجع نہیں کرتے تھے۔ (بخاری ص ۹۳۸ حدیث ۶۳۳۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا ہاتھوں کو بلند کرنا بدعت ہے۔ نبی ﷺ (دُعا میں) سینہ سے اوپر ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۶۱)

عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں دونوں ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو فرمایا: "ان ہاتھوں کا ناس ہو، نبی ﷺ صرف سبابہ کی اُنگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ اس سے زیادہ نہیں"۔ (مسلم ج۱ ص ۲۸۷ حدیث ۸۷۴)

ایک شخص نماز عید سے قبل نفل پڑھنے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منع کیا۔ وہ بولا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ اس نماز پر عذاب تو نہیں کرے گا؟ فرمایا: میں اتنی بات جانتا ہوں جس عمل کا نبی ﷺ سے قولی یا فعلی ثبوت نہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ثواب نہیں دے گا۔ تمہاری یہ نماز عبث ہے۔ اور عبث حرام ہے۔ ہو سکتا ہے پیغمبر ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر عذاب کرے۔ (مجمع البحرین بحوالہ براہین قاطعہ ص ۱۰۹ منقول از الاصلاح ج ۲ از حافظ محمد صاحب گوندلوی)

ہدایہ میں بھی لکھا ہے:

ولا ينفل فى المصلى قبل صلوٰة العيد لان النبى ﷺ لم يفعل ذٰلك مع حرصه ﷺ. (مجمع البحرین ج۱ ص ۱۳۱)

"عیدگاہ میں نمازِ عید سے قبل نفل نہ پڑھے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے یہ کام نہیں کیا حالانکہ آپ ﷺ کو نماز سے بہت محبت تھی"۔

ہدایہ کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و یکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلاۃ. (ہدایہ ج۱ ص ۵۶)

"طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے دو سے زیادہ نہیں پڑھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو نماز سے بہت محبت تھی"۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یکرہ الدعاء عند ختم القرآن بجماعۃ لان ھذا لم ینقل عن النبی ﷺ. (کتاب الکاھیۃ ج ۵ ص ۳۱۸)

"ختم قرآن کے موقع پر اجتماعی دُعا مانگنا مکروہ ہے اس لیے کہ یہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں"۔

ان سب مثالوں میں دین یا سنت کی مخالفت نہیں ہے، اس کے باوجود یہ اعمال ناجائز اور بدعت ہیں، کیونکہ یہ حضور ﷺ کا طریقہ نہیں ہے"۔

۲۱۵ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی، خواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یا بعد میں"۔ نیز لکھتے ہیں: "بدعت عملی دو قسم کی ہے: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ"۔ مفتی صاحب حدیث نبوی ﷺ سے بچنے کے لیے بہت آئیں بائیں شائیں کر رہے ہیں۔ کبھی اس کو عقیدے کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں، کبھی خلافِ سنت ہونے کی اڑچن ڈال دیتے ہیں۔ اب دنیاوی کام کو بیچ میں گھسیڑ لیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے سیدھے سادے الفاظ میں ارشاد فرمایا جو ہمارے اس دین میں (فِیْ اَمْرِنَا) نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے۔ یہ حضرت پینترے بدل بدل کر اسے کبھی کچھ بنا دیتے ہیں اور کبھی کچھ بنا دیتے ہیں۔ لطف یہ کہ پہلے خود یہ ترجمہ فرما دیتے ہیں جو شخص ہمارے اس دین میں نئے عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ (ص ۲۱۵) اب نہ جانے یہ دنیاوی کام بیچ میں کہاں سے آ ٹپکے۔ اس دنیاوی گڑبڑ کا مقصد فقط یہ ہے کہ چونکہ دنیاوی کاموں میں احداث بالاتفاق جائز ہے۔ بشرطیکہ شریعت نے کسی کام سے منع نہ کر دیا ہو۔ لہٰذا اس پر قیاس کر کے دینی احداث کے لیے راہ ہموار کر لی اور پھر بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کر کے ایمان بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔

انصارِ مدینہ کا کھجوروں میں تنقیح کرنے کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا بہ و اذا امرتکم بشیء من رأی فانما انا بشر)).

(عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۲۶۴ حدیث ۶۱۲۷، مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۸)

"میں بشر ہی ہوں اور جب میں تمہیں دین کی بات کہوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں تمہیں رائے سے کوئی بات کہوں تو میں انسان ہوں"۔

اگلی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((انتم اعلم بامر دُنیاکم)). "تم دنیا کے کام بہتر جانتے ہو"۔ (عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۲۳۶۳)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((انتظام الدین یتوقف علی اتباع سنن النبی و انتظام السیاسۃ الکبریٰ یتوقف علی الانقیاد للخلفاء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیما یامرونھم.... مالم یکن ابداعا للشریعة او مخالفا للنص)). (حجة اللہ البالغہ بحوالہ الاصلاح ص ۲۴)

"دین کا انتظام نبی ﷺ کی پیروی پر موقوف ہے اور حکومت کا انتظام حکام کے احکام کی پیروی پر موقوف ہے... بشرطیکہ ان کا حکم شریعت میں بدعت نہ ہو یا نص کے خلاف نہ ہو"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ((بلغنی انه قد احدث)) اس کی شرح میں ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

((ای ابتدع فی الدین ما لیس منه)). (مرقات ج۱ص ۲۳)

"یعنی دین میں ایسی شئے ایجاد کی ہے جو دین میں نہیں ہے"۔

اور انہی الفاظ کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رسیدہ است میرا کردے احداث نمودے و پیدا کردہ است در دین چیزے را کہ نبودہ است. (اشعة اللمعات ج۱)

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے دین میں ایسی چیز پیدا کی ہے جو دین میں سے نہیں ہے"۔

ان اقتباسات سے ثابت ہوا کہ دینی اُمور میں اصل ممانعت ہے جب تک کہ شریعت کی طرف سے حکم یا اجازت نہ ہو اور دنیوی اُمور میں اصل جواز ہے جب تک شریعت منع نہ کردے۔ تو جب دینی امور میں اصل ممانعت ہے تو پھر اس کے حسنہ اور سیئہ کی طرف تقسیم ہونے کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ جو دینی مسئلہ شریعت سے ثابت ہے بس وہی حسنہ ہے۔ جو ثابت نہیں وہ یقیناً سیئہ ہے۔ جس طرح نبی ﷺ کی سنت سیئہ نہیں ہوسکتی، اسی طرح مولویوں کی بدعت حسنہ نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا بدعت کو حسنہ کہنا اتنا ہی غلط ہے جتنا کہ سنت نبوی ﷺ کو سیئہ کہنا۔ کیونکہ جب نبی ﷺ نے فرمادیا ہے کہ بدعت مردود ہے تو مردود شئے کو حسنہ کہنا حضور ﷺ کی سنت کو سیئہ اور مردود کہنے کے مترادف ہے۔

۲۱۶ مفتی صاحب نے ((من احدث فی امرنا ھذا)) سے بچنے کے لیے چوتھی شرارت یہ کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو بھی بدعت کہہ دیا ہے۔ آگے لکھتے ہیں: عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنت صحابہ کہتے ہیں، بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا: ((نعمت البدعة ھذہ)) "یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے"۔ یعنی جیسے بریلوی عرفِ عام میں اہلسنت مشہور ہوگئے ورنہ حقیقت میں اہل بدعت۔ مفتی صاحب نے ایجادات صحابہ رضی اللہ عنہم کا یوں نام لیا ہے جیسے وہ بھی بدعات کے موجد ہیں۔ استغفر اللہ من ذٰلك۔ نبی ﷺ کا مشہور فرمان ہے سب فرقے جہنم میں جائیں گے سوائے اس فرقہ کے جن کا عمل ((ما انا علیه و اصحابی)) یعنی میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق ہوگا۔ (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ترمذی ابواب الایمان حدیث ۲۶۴۱، مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰) [1] اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہی عمل تھا جو نبی ﷺ کا تھا۔ اسی اعتقاد کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے یوں بھی فرمایا:

((علیکم بسنتی و سُنة خلفاء الراشدین)). (عن عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ترمذی باب العلم حدیث ۲۶۷۶) [2]

"لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفائے راشدین کی سنت کو"۔

تخریج: [1] صحیح ہے۔ [2] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ اس حدیث سے اُلٹا اس مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی الگ سُنت ہوگی۔ مُلّا علی قاری حنفی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو کیونکہ وہ میری ہی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ ان کی طرف سنت کی نسبت اس پر ان کے عمل کرنے کی وجہ سے ہے یا اس سے ان کے استنباط پر اختیار کی وجہ سے ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۴۲) صاحب سبل السلام لکھتے ہیں یہ حدیث ہر خلیفہ راشد کے لیے عام ہے اور قواعد شریعت سے یہ بات معلوم ہے کہ کسی بھی خلیفہ راشد کو طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر کوئی شریعت بنانے کا اختیار نہیں۔ (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۶۹) دراصل یہ حدیث ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ (النساء: ۵۹)

"فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف"۔

آپ حیران رہ جائیں گے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ یوں ہے:

((باب الاخذ بالسُّنة و اجتناب البدعة)).

"سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے پرہیز کرنا"۔

تو محدث نے جو حدیث بدعت سے بچنے کے لیے بیان کی ہے یہ ستم ظریف اسی سے بدعت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔

آگے چل کر خود مفتی صاحب نے اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے لکھا ہے خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃ سنت نبوی ہے جو کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوگئی اور ان کی طرف منسوب ہوگئی۔ آگے لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں جو اصل میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنے والے خلفاء راشدین ہوں۔ (ص ۲۲۷) اس سے ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی الگ طریقہ نہیں ہے نہ ان کی کوئی ایجادات ہیں۔ ان کا وہی طریقہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ ہاں انسان ہونے کے ناطے سے اگر کسی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ (النساء: ۵۹)

"پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف"۔

نمازِ تراویح کی باقاعدہ جماعت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اچھی بدعت کہا تھا، مفتی صاحب کو اس میں اپنی بدعات کے لیے بڑا سہارا نظر آیا ہے۔ سوال یہ ہے کیا تراویح کی جماعت اسی طرح بدعت ہے جیسے گیارہویں "شریف"، محفل میلاد "شریف"، ختم "شریف" یا عرس "مبارک" وغیرہ بدعت ہیں۔ قیام اللیل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی کرتے تھے۔ رمضان میں بھی اور غیر رمضان میں بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ایک رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتیں جماعت بھی کرائی۔ چوتھی رات مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو تشریف لائے اور نماز پڑھا کر ارشاد فرمایا مجھ پر تمہارا یہاں موجود ہونا مخفی نہ تھا لیکن مجھے ڈر ہوا (زمانہ نزولِ وحی میں) کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اسے ادا کرنے سے عاجز آ جاؤ۔ (بخاری ص ۲۶۹ حدیث ۲۰۱۲) عبدالرحمٰن بن عبدالقاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں ماہِ رمضان کی ایک رات کا واقعہ ہے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے کوئی اکیلے اکیلے اور کوئی با جماعت۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا خیال ہے میں انہیں ایک قاری پر جمع کر دوں تو بہتر ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا۔ پھر مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک رات جانے کا اتفاق ہوا لوگ اپنے قاری صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ اچھی بدعت ہے۔ مگر پچھلی رات کا قیام تمہارے اس پہلی رات کے قیام سے بہتر ہے۔ (بخاری ص ۲۶۹ حدیث ۲۰۱۰) اب اس میں بدعت والی کونسی بات ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اسے بدعت کہا ہے وہ اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی میں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی شرعی بدعت شروع نہیں فرمائی۔ دین میں کسی قسم کا احداث نہیں فرمایا۔ با جماعت تراویح عہد نبوی میں ثابت ہے۔ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پڑھتے تھے۔ اکیلے اکیلے بھی اور با جماعت بھی۔ جب فرضیت کا خطرہ ٹل چکا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کیا کہ انہیں اکٹھا کر دیا۔ اور الگ الگ پڑھنے کی بہ نسبت اسے بہتر خیال کیا۔ نہ اس میں خود شامل ہوئے نہ اس کی حوصلہ افزائی فرمائی نہ یہ فرمایا کہ ہمیشہ جماعت کرایا کرو۔ بلکہ اُلٹا یہ فرمایا کہ پچھلی رات کا قیام تمہارے اس قیام سے افضل ہے۔ مطلب یہ ہے جو لوگ پہلی رات قیام کرنا چاہتے ہیں اور مسجد میں کرنا چاہتے ہیں تو الگ الگ یا چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرانے کی بجائے ان کے لیے بہتر ہے کہ ایک ہی بڑی جماعت کرالیا کریں۔ اسی چیز کو آپ رضی اللہ عنہ نے اچھی بدعت یعنی بہتر صورت قرار دیا۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ بنا دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا مسئلہ رائج نہیں کیا تھا جس کا پہلے ثبوت نہ ہو۔ کیا بریلویوں کی بدعات کا بھی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نام ونشان پایا جاتا ہے؟ مفتی صاحب کا تراویح پر اپنی بدعات کو قیاس کرنا ایسے ہی ہے جیسے نکاح پر زنا کو قیاس کیا جائے۔ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں: بدعت سے مراد وہ نیا عمل ہے جس کی اصل شریعت میں نہ ہو۔ اگر شریعت میں اصل ہو تو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے۔ اسے آپ لغتاً بدعت کہہ سکتے ہیں۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۳) خود مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے، مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۱۶ میں ہے:

قال النووی البدعة كل شیء عمل علی غير مثقال سبق. (ص ٢١٤)

"امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بدعت ہر وہ عمل ہے جس کی پہلے مثال نہ ہو"۔

ان الفاظ کی روشنی میں اب خود ہی سوچئے کہ تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو شرعی بدعت کا نام دیا جا سکتا ہے؟

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کہ سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا"۔

حضرت صاحب کو محفل میلاد اور دوسری باتوں میں فرق نظر نہیں آیا۔ ٹھیک جیسے کفار کو سود اور بیع (تجارت) میں فرق نظر نہیں آتا تھا۔ انھوں نے محفل میلاد کو ان باتوں میں یوں شامل کر دیا ہے جیسے ملاوٹ کرنے والا اس عیاری اور مہارت کے ساتھ ملاوٹ کرتا ہے کہ صارفین کو پتہ تک نہیں چلنے دیتا، وہ اصلی اور نقلی کو ایک ہی شے سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے محفل میلاد کو نئے نئے عمدہ کھانوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کیا محفل میلاد واقعی اسی طرح کی بدعت حسنہ ہے جیسے پلاؤ، متنجن، قورمہ، چرغہ، شامی کباب، برگر، سینڈوچز اور چائنہ ڈشز حسنہ ہیں۔ اگر بریلویوں کی بدعات اسی طرح کی حسنہ ہیں تب تو ان پر حسنہ کی بجائے ہنسا کا اطلاق زیادہ مناسب ہے۔ پتہ نہیں اس میں کیا رمز ہے کہ اہل بدعت کی تمام بدعات مریدوں کا مال کھانے سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ان موقعوں پر خود بریلوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولویوں اور پیروں کو مال کھلانا پڑ جائے تو مجھے سو فیصد یقین ہے یہی لوگ ان بدعات کے متعلق سیئہ ہونے کا فتویٰ لگا دیں گے اور پھر بجائے ہنسا کے رونا پڑ جائے گا۔ مفتی صاحب نے محفل میلاد کے ساتھ مدارس اور پریس میں دینی کتب کے چھپوانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ سوال یہ ہے کیا یہ بھی کوئی رسمیں ہیں؟ یہ تو وقتی ضرورت کے مطابق تعلیم اور تبلیغ کے ترقی یافتہ ذرائع ہیں۔ کیا عہد نبوی ﷺ میں اصحاب صفہ کا مدرسہ نہیں تھا۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا:

((انما بعثت معلما)). (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ابن ماجه حديث ۲۲۹، مشكوة ص ۳۶) ❶

"میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

کیا آپ ﷺ نے کاتب وحی مقرر نہیں فرما رکھے تھے؟ کیا آپ ﷺ کے حکم سے قرآن و حدیث کی کتابت نہیں ہوئی تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم نہیں کیا؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا:

((ليبلغ الشاهد الغائب)). (عن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ بخاری كتاب العلم ص ۱۶ حديث ۱۰۴، مسلم كتاب الحج ج ۱ ص ۴۳۸ حديث ۳۳۰۴)

"جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا دے"۔

((بلغوا عني ولو آية)). (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بخاری كتاب الانبياء ص ۴۹۱ حديث ۳۴۶۱، ترمذی كتاب العلم حديث ۲۶۶۹)

"میری طرف سے پہنچا دو، خواہ ایک آیت ہی ہو"۔

یہ مدرسے اور یہ پریس احداث فی الدین نہیں ہیں یہ کوئی مقررہ رسمیں ہیں اگر اہل بدعت کی نظر میں قرآن و حدیث کی اشاعت اور ان کی تعلیم و تبلیغ کے لیے ان سے بہتر صورت موجود ہے تو ہمیں اسے بھی اختیار کرنے پر کوئی عذر نہیں ہوگا۔ جیسے مثلاً ویڈیو کیسٹ۔ مفتی صاحب کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک محفل میلاد کی اتنی ہی حیثیت ہے جتنی کہ نئے نئے عمدہ کھانوں مثلاً تنجن اور قورمے وغیرہ کی ہے۔ یعنی کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ کیا واقعی محفل میلاد یا عید میلاد کی یہی حیثیت ہے؟ کوئی کرے یا نہ کرے اُس کی مرضی۔

(ب) مفتی صاحب بدعت سیئہ کی مثالیں دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "جیسے غیر عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین پڑھانا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا"۔ اس پڑھے لکھے دور میں ایسی اَن پڑھوں والی باتیں کرنا اہل بدعت ہی کو زیب دیتا ہے۔ شاید انھیں معلوم نہیں کہ جس امام کے یہ مقلد ہیں وہ تو نماز بھی دنیا کی ہر زبان میں جائز سمجھتے ہیں۔ (ھدایہ ج ۱ ص ۶۹، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۶۹) کیا یہ بدعت سیئہ نہیں ہے کیا آنحضرت ﷺ نے کبھی غیر عربی زبان میں نماز پڑھی؟ یا کیا نبی ﷺ نے کبھی خطبہ جمعہ یا نمازِ عید سے قبل وعظ ارشاد فرمایا۔ کیا یہ بدعت سیئہ نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے میری کتاب "حي على الصلوة" کا مطالعہ فرمائیں۔ جہاں تک لاؤڈ سپیکر کا معاملہ ہے اب اکثر بریلوی مولانا حضرات لاؤڈ اسپیکر پر خطبے بھی دیتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں تو کیا یہ سب بدعت سیئہ پر عمل کر رہے ہیں۔

۲۱۷ مفتی صاحب فرماتے ہیں، مشکوٰۃ باب العلم میں ہے:

((من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجره واجر من عمل بها من بعده ومن سن في الاسلام سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها ...الخ)). (عن جرير رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ حديث ۶۸۰۰)

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔ اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور اس کا بھی جو اس پر عمل کرے۔“

اس سے استدلال فرماتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بُری بدعت گناہ“۔ جس موقع پر آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی اگر اسے مدنظر رکھا گیا ہوتا تو ایسی بے تکی بڑ نہیں ہانکی جا سکتی تھی۔ اسی حدیث کے شروع میں یہ مضمون ہے کہ بنی مضر کا ایک فاقہ کش قافلہ خدمت نبوی ﷺ میں پہنچا۔ آپ ﷺ ان کی حالتِ زار دیکھ کر غمگین ہو گئے۔ آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور ان کے لیے مدد کی اپیل فرمائی۔ پہلے ایک صحابی نے تعمیل حکم کا آغاز کیا پھر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پے در پے شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ اناج اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے اور آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کِھل اُٹھا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

((من سن فی الاسلام سُنة حسنة الحدیث))۔ ”یعنی جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے ... الخ“۔

ثابت ہوا اس حدیث سے کسی بدعت کو ایجاد کرنا مراد نہیں۔ بلکہ نبی ﷺ ہی کے کسی حکم یا مسنون عمل کو شروع کرنا مراد ہے تاکہ پھر اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی عمل کریں اور اسے ان کا بھی ثواب ملے۔ چنانچہ ایک روایت میں من سن کی بجائے:

((من دعا الی هُدًی))۔ (عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ حدیث ۶۸۰۴، ابن ماجه ص ۱۹ حدیث ۲۰۶)

”جو ہدایت کی طرف دعوت دے“ کے الفاظ ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا:

((من احیاء سنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر))۔ (عن عرباض بن ساریه ترمذی کتاب العلم باب الاخذ بالسنة و اجتناب البدعة حدیث ۲۶۷۷) ❶

”جو میرے بعد میری مُردہ سنت کو زندہ کرے گا تو اسے ثواب ملے گا“۔

اور یہ جو نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے ... الخ۔ سو اس میں حسنہ اور سیئہ کا امتیاز کیے بغیر بریلویوں کی سب بدعات شریفہ شامل ہیں۔ بلکہ ہر بُرے کام کا آغاز اس میں داخل ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾ (المائدہ:۳۲)

”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا“۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اسلام میں بدعت جاری کرے اور اسے حسنہ خیال کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نبی ﷺ کو خائن تصور کیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا ہے۔ لہٰذا جو چیز اس وقت دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔ (الاعتصام للشاطبی ج ا ص ۴۷)

۲۱۸ مفتی صاحب نے یہ حدیث نقل کی ہے:

((ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسك لسنة خير من احداث بدعة))۔ (عن غضيف بن حارث ثمالی، مسند احمد ص ۱۹۲ حدیث ۱۶۹۷۰، مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۳۱) ❷

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔ ❷ ضعف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اتنی سنت اُٹھ جاتی ہے لہٰذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے"۔

پھر لکھا ہے: "معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ وہ ہے جس سے سنت مٹ جائے"۔

مفتی صاحب کو خواہ مخواہ بھی بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس سے قبل بھی انہوں نے لکھا ہے بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ (ص ۲۱۷) سنت پر عمل نہ کرنا یا سنت کی خلاف ورزی کرنا بدعت نہیں۔ یہ حضور ﷺ کی نافرمانی ہے۔ بدعت دین میں نئے کام کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں بدعتیں عام ہوتی جائیں گی سنتیں اُٹھتی چلی جائیں گی چنانچہ ایسا ہی دیکھنے میں آ رہا ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق بریلوی قوم میں جس قدر بدعات پھیل گئی ہیں اسی قدر انھیں سنتوں سے تعلق نہیں رہا۔ بلکہ ان کا سوادِ اعظم فرائض سے بھی کنارہ کش ہو گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، لوگوں نے کہا: "بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا اور وہ سنت کو دفع نہ کرے"۔ یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا"۔ (مکتوبات دفتر اوّل ص ۲۵)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں بریلویوں کا خیال ہے ؎

جہاں اولیاء نے کب بھلا یہ مرتبہ پایا
بتا دے کوئی کعبہ کس کی خاطر ہند میں آیا

۲۱۹ مفتی صاحب بدعت حسنہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بدعت مستحبہ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر کے کرے جیسے محفل میلاد اور فاتحہ بزرگان کو عام مسلمان اس کو کارِ ثواب جانتے ہیں اس کو کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا"۔

حیرانی کی بات ہے مسائل کے لیے تو بریلوی حضرات کو ائمہ اربعہ کے سوا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی تقلید کیے جانے کے قابل نظر نہیں آتا۔ لیکن بدعی مسائل میں یہ بہت فراخ دل واقع ہوئے ہیں کہ ہر جاہل و اجہل انسان کی تقلید ان کا جزو ایمان بن جاتی ہے۔ حالانکہ مفتی صاحب نے صرف عقائد اور صریح احکام کو تقلید سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ "اور وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں ان کے لیے تقلید کو واجب قرار دیا ہے"۔ (ص ۱۷) ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ بریلوی بدعات ان تینوں میں سے کونسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں تاکہ یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے کہ آیا ان کے لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے یا نہیں۔

فرماتے ہیں: ان بدعات پر عمل کرنے والا ثواب پائے گا۔ عرض ہے کہ کیوں ثواب پائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی ذمہ لیا ہے یا نبی ﷺ نے کوئی وعدہ فرمایا ہے، کیا اللہ تعالیٰ محض بریلویوں کے کہنے سے ثواب دینے کا پابند ہو جائے گا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے اسسٹنٹ لگے ہوئے ہیں۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ان بدعات پر عمل نہ کرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ امر واقع یہ ہے کہ ان بدعات پر عمل نہ کرنے والوں کو بریلوی مولوی شیطان سے کم درجہ دینے کو تیار ہی نہیں۔ شاید گالیاں بھی ان کے ہاں بدعت حسنہ کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ گالیوں کے سلسلہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی اُمت کو بہت مالا مال کر رکھا ہے۔ یہ عشاق ہمیں جس قدر بھی گالیاں دیتے ہیں ان سب کا ثواب مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح پُر فتوح کو پہنچتا ہوگا۔ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الف) مفتی صاحب نے اپنی بدعت مستحبہ کے لیے یہ دلیل دی ہے:

((روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما رأہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن))۔ (مسند احمد ج۱ ص ۳۷۹)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس چیز کو مومن اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے"۔

صاحب ہدایہ نے اس قول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ص ۲۵۲)

الحمدللہ! احناف نے تسلیم کرلیا ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور قول قول ہی ہوتا ہے۔ حدیث تو نہیں ہو جاتا۔ نیز یاد رہے اصل لفظ المؤمنون نہیں المسلمون ہے۔ اور اس سے قبر چٹ مجاور مراد نہیں بلکہ اسی قول کے مطابق اس کا مصداق خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ایک اور روایت کے مطابق بھی جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے صحابہ کرام مراد لیے ہیں۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷۸)

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((من کان مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا تومن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد ﷺ... الخ))۔

"جو فوت ہو گئے ہیں ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ زندہ لوگ فتنے سے محفوظ نہیں فوت ہونے والوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں"۔ (شرح السنة حدیث ۱۰۴، مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ ص ۳۲) ❶

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ﴾ (بقرہ: ۱۳) "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں کی طرح تم بھی ایمان لاؤ"۔

اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: "صحابہ کرام یا مومنین۔ کیونکہ خداشناسی فرماں برداری و عاقبت اندیشی کی بدولت وہی انسان کہلانے کے مستحق ہیں"۔ لہٰذا اہل بدعت بتلائیں کہ کیا ان کی مروجہ بدعات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یا تابعین رحمہم اللہ نے یا فقہاء نے یا دیگر ائمہ محدثین نے پسند فرمایا۔ جب اُمت کے بہترین انسانوں نے انہیں پسند نہیں فرمایا تو اور کسی کی پسند کا کیا اعتبار۔

(ب) بدعت مستحبہ کے لیے مفتی صاحب نے ایک دلیل یہ پیش کی ہے:

((لا تجتمع امتی علی الضلالة))۔ (عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابن ماجہ کتاب الفتن باب السواد الاعظم حدیث ۳۹۵۰) ❷

"میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی"۔

اس کی سند میں سلیمان بن سفیان مدنی ضعیف ہے۔ بصورتِ صحت اس روایت میں بھی لفظ اُمت کو اہل علم نے اہل حق پر محمول فرمایا ہے۔ پاک و ہند کے مجاوروں کو یہ مغالطہ لگا ہوا ہے کہ اُمت یا جماعت یا سوادِ اعظم جیسے الفاظ بس انہی کے لیے مختص ہیں۔ جیسے پی پی پی بس اپنے ہی جیالوں کو عوام خیال کرتی ہے۔ اوّل تو ہمارے ملک میں بریلوی مخلوق کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ الیکشنوں کے دوران میں بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے ہم نے اکثر ان کی ضمانتیں ضبط ہوتی اور قلعی کھلتے دیکھی ہے۔ بالفرض زیادہ ہوں بھی تو کثرت معیارِ حق نہیں۔ معیارِ حق فقط اہل حق ہیں۔ اور اہل حق فقط وہی ہیں جن کا مذہب ما انا علیه و اصحابی یعنی کتاب و سنت ہے۔ تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ جماعت حقہ کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے:

تخریج: ❶ سند منقطع ہے۔ ❷ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ (السبا: ۱۳) "میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں"۔

﴿ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (الانعام: ۱۱۶)

"اور دُنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں اگر آپ ﷺ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں"۔

(ج) مفتی صاحب نے ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) والی حدیث بھی نقل کی ہے۔ سوال یہ ہے کیا نیت خیر کے ارادے سے قبل از نماز عید اذان اور اقامت کہنا جائز ہے؟ نبی ﷺ نے ان سے منع تو نہیں فرمایا۔ ثابت ہوا صرف نیت کا نیک ہونا کافی نہیں دینی کاموں میں عمل کا مسنون ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ حدیث آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ ہجرت کا مسلمانوں کو حکم ہوا تھا۔ بدعات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۲۰ مفتی صاحب نے درمختار ج ۱ بحث مستحبات وضوء سے یہ حوالہ نقل کیا ہے:

((و مستحب وهو ما فعله النبي ﷺ مرة و تركه اخرى و ما احبه السلف)).

"مستحب وہ کام ہے جو حضور ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا، اور جسے سلف اچھا جانتے ہوں"۔

محترم نے یہ عبارت بظاہر اپنے حق میں نقل کی ہے مگر اس سے اُنھوں نے اپنے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر لیا ہے۔ کیا بریلویوں کی بدعات پر نبی ﷺ نے زندگی میں ایک بار بھی عمل کیا ہے۔ کبھی حضرت نوح علیہ السلام کا ختم دلوایا۔ کبھی اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرس منایا۔ کبھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی محفل میلاد رچائی، کبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گیارھویں دیں، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جن سے بہتر کوئی سلف نہیں اُنھوں نے کبھی اس قسم کی لغو حرکت کی۔ ثابت ہوا خود ان کی اپنی پیش کردہ ختم کی رو سے ان کی تمام بدعات غلط فضول اور سیئہ ہیں۔

مفتی صاحب نے مختلف علوم وفنون اور اصلاحات کو بھی بدعاتِ حسنہ میں شمار کیا ہے۔ مقصد ان سب باتوں کا صرف یہ ہے کہ کس طرح ان کا اپنا لچ بھی تل جائے۔

مثلاً لکھتے ہیں ایمان کو مجمل اور مفصل کہنا۔

چھ کلمے یاد کرنا، قرآن پاک کو تیس پاروں اور رکوعوں میں تقسیم کرنا بدعت ہے۔ (ملخص) بات یہ ہے اگر ایمان نیا بنالیا گیا ہو کلمے نئے گھڑ لیے گئے ہوں، قرآن پاک میں ردوبدل یا اضافہ کرلیا گیا ہو تب بات واقعی قابل اعتراض اور بریلویوں کے لیے قابل استدلال ہے۔ مگر یہ تو لفظ سمجھنے کے لیے اصطلاحات ہیں۔ لفظی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہمیں لفظ میلاد، لفظ عرس، لفظ ختم یا لفظ گیارھویں سے کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ ان رسموں سے اختلاف ہے جو ان ناموں سے منائی جاتی ہیں جو سراسر بدعت ہیں۔ جن کا شریعت میں دور دور تک ثبوت نہیں۔ مثلاً یہ ہم بھی کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کی تاریخ میلاد ۹ ربیع الاوّل ہے۔ کل فلاں کی دعوت عروسی ہے۔ ظلم کا دور ختم ہونے والا ہے یا مولوی صاحب نے سارا حلوا ختم کردیا ہے آج شعبان کی گیارھویں ہے۔ وغیرہ۔

۲۲۱ فرماتے ہیں: "قرآن پر اعراب لگانا اس کی سنہری روپہلی جلدیں تیار کرنا اور اسے بلاک بنا کر چھاپنا سب بدعت ہے"۔ اعراب یعنی زیر زبر پیش لگانے کو بھی بدعت کہنا مفتی صاحب کی بدعت ہے۔ کیا نبی ﷺ اعراب لگائے بغیر ہی قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ مثلاً آپ ﷺ جب الحمد پڑھتے تھے تو کیا الف پر زبر لام پر جزم حا پر زبر میم پر جزم اور دال پر پیش نہیں پڑھتے تھے؟ تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اعراب لگا کر پڑھنا بدعت نہیں تو لکھنا بدعت کیسے ہو گیا؟ تحریر تقریر ہی کا عکس ہوتا ہے۔ تحریری اعراب عربی نہ سمجھنے والوں کی سہولت کے لیے ہیں۔ بذاتِ خود کوئی مسئلہ یا رسم نہیں ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک کو مجلد اور خوبصورت بنا کر چھاپنا قرآن پاک کی حفاظت اور اشاعت کے لیے ہے اور یہ شریعت میں مطلوب ہے۔ بدعات سے اسے کیا تعلق؟

(الف) مفتی صاحب نے کتابتِ حدیث، فنِ حدیث، اقسام حدیث اور اصول حدیث کو بھی بدعت ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ عہدی نبوی میں کتابت حدیث کا ثبوت موجود ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا حکم بھی موجود ہے۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۲۹)

قرآن پاک میں ہے:

﴿ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ ﴾ (الحجرات:٦)

"اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو"۔

اہل علم کے نزدیک یہی آیت اصولِ حدیث کی بنیاد ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایک شخص اگر عادل ہو تو اس کی خبر معتبر ہے"۔ تو جو بات قرآن پاک سے ثابت ہو اسے بدعت کیسے کہا جا سکتا ہے۔

(ب) مفتی صاحب نے اس ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے: "فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہو گی"۔ عرض ہے کہ یہ محدثین کا مسلک نہیں ہے۔ یہ بعض غیر محتاط قسم کے لوگوں کا قول ہے وہ بھی فضائل کے بارے میں ہے۔ مسائل، احکام، عقائد یا مناقب کے بارے میں نہیں۔ جیسے مثلاً نماز، روزہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ کوئی ان کی فضیلت میں ضعیف روایت بیان کر دے۔ بدعات تو سرے سے ثابت ہی نہیں ان کی حقیقت بیان کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی اُس بازار کا قصیدہ لکھنا شروع کر دے۔

(ج) مفتی صاحب نے فقہ اور اصول فقہ کو بھی بدعت کہا ہے۔ فقہ اگر دین کی سمجھ کا نام ہے تب تو مفتی صاحب کی بات درست نہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ (التوبہ:١٢٢) "تا کہ دین کی سمجھ حاصل کریں"۔

﴿ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ (البقرہ:٢٦٩) "جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی"۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین)). (عن معاویہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ١٦ حدیث ٧١ مشکوۃ کتاب العلم ص ٣٢)

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر لے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے"۔

اور اگر ان جیسے مسائل کا نام فقہ ہے جو میں نے اپنی کتاب "فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر" میں درج کیے ہیں۔ یا اس بات کا نام اصولِ فقہ ہے کہ ہر آیت یا حدیث جو ائمہ احناف کے مذہب کے خلاف ہو اس کی تاویل کی جائے یا اسے منسوخ کر دیا جائے۔ (اصول کرخی ص ۱۱) یا جو شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو رد کرے اس پر ریت کے ذرّوں کے برابر لعنت ہو۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۶) یا یہ کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے مقابلہ میں مجتہد کے قیاس کو ترجیح دی جائے۔ (اصول الشاشی ص ۷۲ وغیرہ) یا اس مشرکانہ و مبتدعانہ ذہنیت کا نام اصولِ فقہ ہے جس کا ثبوت مفتی صاحب اپنی اس کتاب میں دے رہے ہیں۔ تب تو بے شک یہ سب بدعات ہیں۔ مگر بدعات حسنہ نہیں سیئہ ہیں، غداری ہیں، فحاشی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں نماز میں زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔ یہ اقرار واقعی بدعت ہے اور اصلی بدعت ہے کیونکہ یہ احداث فی الدین ہے اور اس کی ایجاد کا سہرا بھی حنفی مقلدین کے سر ہے۔ اور یہ بدعت ضلالت ہے۔ ایک ضلالت دوسری ضلالت کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔

(ر) اس ضمن میں مفتی صاحب نے تراویح کا ذکر بھی کیا ہے جس کا جواب ہو چکا۔

(ز) فرماتے ہیں: "روزہ افطار کرتے وقت زبان سے دُعا کرنا اللّٰھم لك صُمتُ ... الخ اور سحری کے وقت اللّٰھم بالصوم لك غدا نویت بدعت ہے"۔

مفتی صاحب کی معلومات کی داد دیجئے۔ لکھتے ہیں: زبان سے دُعا کرنا۔ دُعا تو ہوتی ہی زبان کے ساتھ ہے۔ یہ زبان والی بات دراصل انھیں اگلی نیت والی دُعا کے متعلق کہنی چاہیے تھی۔ کیونکہ نیت دِل کا عمل ہے زبان کا عمل نہیں۔ پھر شاید انھیں یہ بھی علم نہیں کہ اللّٰھم لك صمت والی دُعا کا پڑھنا نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ (عن معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ ابوداوٗد ما یقول عندالافطار حدیث ۲۳۵۸ مشکوٰۃ باب الصوم ص ۱۷۵)[1] اور نیت والی دُعا کا زبان سے پڑھنا یہ حنفیوں کی ایجاد ہے۔ یہ احداث فی الدین ہے اور یہ بھی اسی طرح بدعت ضلالت ہے جیسے نماز میں زبان سے نیت کرنا بدعت ضلالت ہے۔ اور یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایک ضلالت دوسری ضلالت کے لیے دلیل نہیں ہوتی۔

(س) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے قرون ثلاثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے"۔ اگر کوئی مولوی صاحب فتویٰ دے دیں کہ تصویر والے سکے کے ذریعے زکوٰۃ دینا مستحب ہے اور زیادہ ثواب ملتا ہے تب تو واقعی یہ بدعت ہے اور اگر ہر طرح جائز سمجھا جائے یعنی سونے کی زکوٰۃ میں چاندی غلے کی زکوٰۃ میں غلہ کپڑے کی زکوٰۃ میں کپڑا سکے کی زکوٰۃ میں سکہ یا اتنی مالیت کی کوئی شے دینے کو جائز سمجھا جائے اور اپنی طرف سے کوئی مخصوص مسئلہ نہ بنایا جائے تو پھر اس پر بدعت کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے۔

﴿۲۲۲﴾ فرماتے ہیں: "ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعے حج کرنا موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے"۔ اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعے حج ہوتا تھا"۔ اگر مفتی صاحب نے یہی اصول اپنا لیا ہے کہ ہر وہ شئے جو عہد نبوی ﷺ میں موجود نہیں تھی اسے بدعت کہہ دیا جائے تو گستاخی معاف پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابوجہل، ابولہب، عبداللہ بن ابی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی بدعت نہیں تھے کیونکہ یہ زمانہ نبوی ﷺ میں موجود تھے۔ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب، مولوی سردار احمد صاحب، مولوی نعیم الدین مفتی احمد یار خاں صاحب جیسے لوگ بدعت ہیں۔ کیونکہ یہ زمانہ نبوی ﷺ میں موجود نہیں تھے۔ مفتی صاحب من احدث والی حدیث کا ضرور ترجمہ کر چکے ہیں کہ سواری بھی جائز ہے۔ سواری خواہ کسی قسم کی ہو۔ اس میں بدعت کا کیا سوال۔ نبی ﷺ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ ہر وہ شے جو میرے زمانہ پاک میں موجود نہ ہو وہ بدعت ہے۔ بلکہ فرمایا جو ہمارے اس دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے یا ایسا عمل کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ مردود ہے۔

ہر وہ شے عہد نبوی ﷺ میں موجود نہیں تھی مفتی صاحب اسے بدعت فرمانے پر تُل گئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں بریلوی عقیدے کے مطابق کیا اب نبی ﷺ موجود اور حاضر ناظر نہیں ہیں۔ ثابت ہوا ہر شے عہد نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ لہٰذا کسی شے کو کیسے

تخریج: [1] روایت مرسل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدعت کہا جا سکتا ہے۔ مفت صاحب کی مثال ایسی ہے کوئی ڈوب رہا ہو تو وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے کر ڈوبنا چاہے۔ یعنی جن چیزوں کا تعلق بدعت کے ساتھ ہے ہی نہیں مفتی صاحب انھیں مثال بنا کر بدعت کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

(الف) فرماتے ہیں "ہم طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں۔ مراقبے، چلّے، پاس انفاس، تصور شیخ ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلاثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا"۔

اس بات میں مجھے مفتی صاحب سے سو فی صد اتفاق ہے۔ واقعی یہ بدترین بدعات ہیں۔ یہ احداث فی الدین ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے بیچ میں بہت گمراہیاں پھیلائی ہیں۔ ان فضول مشاغل نے مسلمانوں میں رہبانیت پیدا کی ہے۔ اس تصوف کی وجہ سے سادھو پیدا ہو گئے، مہنت پیدا ہو گئے، بریلویت پیدا ہو گئی، ان چلّوں نے مسلمانوں کو اتباع سنت سے دُور کر دیا اور قوم کو نکما کر کے رکھ دیا۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں، جیسے چشتی یا نقشبندی۔ کوئی صحابی تابعی حنفی، قادری نہ ہوئے"۔ بجا ارشاد فرمایا واقعی یہ سب خرافات ہیں۔ جنھوں نے اچھے بھلے مسلمانوں کو مقلد بنا کر رکھ دیا ہے۔ بالخصوص حنفی مقلدین کے نزدیک قرآن وحدیث کی وہ اہمیت نہیں جو تقلید امام کی ہے۔ ان کے نزدیک امام کو نظر انداز نہ کر کے قرآن وحدیث پر عمل کرنا گمراہی بلکہ کفر کی جڑ ہے۔ (ص ۲۶)

ان تقلیدی سلسلوں نے مسلمانوں میں فرقہ واریت پیدا بھی کی ہے۔ انھیں ٹکڑے ٹکڑے اور لیراں لیراں کر دیا ہے جو عذابِ الٰہی سے کم نہیں:

﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (الانعام: ۶۵)

"یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھائے"۔

(ج) فرماتے ہیں: "آج کل دُنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے، ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ بولو دیوبندی، وہابی بغیر بدعاتِ حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟" یہ پیرا لکھ کر مفتی صاحب نے اپنے مؤقف کو کمزور کر لیا ہے۔ جو بات ہمیں کہنی چاہیے تھی وہ انھوں نے خود کہہ دی ہے۔ بے شک ان ایجادات کے بغیر دنیاوی زندگی گزارنا مشکل ہے تو کیا عرس کے بغیر بھی زندگی گزارنا مشکل ہے؟ کیا محفل میلاد منانے پر بھی کوئی مجبوری ہے؟ کیا ختم خواجگان کے بغیر بھی زندگی نہیں گزاری جا سکتی؟ ہاں! یاد آیا یہ بدعات شریفہ ان کھاؤ پیو مولویوں کے لیے یقیناً معاش کا مسئلہ ہیں۔ ان کی زندگی واقعی ان کے بغیر نہیں گزاری جا سکتی۔ ہاں یاد آیا یہ بدعات شریفہ ان کی مجبوری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حالت پر رحم فرمائے۔ اگر کہا جائے کہ یہ بدعات دینی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ بھائی بات یہ ہے کہ پہلے نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کو منسوخ کر دو پھر اس مسئلہ پر غور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمیں بہر حال دینی حیثیت سے بھی تو زندہ رہنا ہے۔

(د) مفتی صاحب نے لطیفہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "ایک مولوی صاحب نے نکاح کے وقت دولہا کے سہرے کو بدعت کہہ کر اتروا دیا لیکن نکاح کے پیسے لے لیے جب کہ یہ بھی بدعت ہیں"۔ گزارش ہے کہ سہرا ہندوانہ رسم ہے جب کہ نکاح کے پیسے لینا بدعت نہیں لالچ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو کہ نہیں چاہیے۔ اہل بدعت نے شاید یہ ہندوانہ رسم کے دفاع کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ کسی کی کمزوری ڈھونڈ کر بھی یہ اپنا اُلو سیدھا کرنے سے باز نہیں آتے۔

بدعت کی تعریف و تقسیم پر اعتراضات و جوابات

۲۲۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں اگر مان بھی لیا جائے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔ دنیا کا کوئی کام بھی نیت خیر سے کیا جائے اس پر ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے"۔ حدیث نبوی: ((من احدث فی امرنا ھذا...الخ)) کے خلاف مفتی صاحب کی یہ پانچویں شرارت ہے۔ حالانکہ یہ حضرت خود فی امرنا ھذا کا یہ ترجمہ کر چکے "ہمارے اس دین میں"۔ (ص ۲۱۵) اب ثواب کا سہارا لے کر انھوں نے ہر دنیوی کام کو دینی بنا دیا ہے تاکہ ان کی ایجاد کردہ بدعات کو بھی دینی تصور کر لیا جائے کیونکہ آخر ان پر بھی تو ثواب کے لیے ہی عمل کیا جاتا ہے۔ مفتی صاحب کا اپنی بدعات کو دینی بنانا تو ایسے ہی ہے جیسے دھوکا باز لوگ پاکستانی مال پر میڈ ان جاپان یا انگلینڈ یا چین کی مہر لگا دیتے ہیں یا جیسے بعض لوگ جعلی ویزے بنوا کر کسی ملک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے نیت خیر سے ثواب اسی کام پر ملتا ہے جو بذات خود جائز بھی ہو۔ نیت خیر سے چوری بھی کی جاسکتی ہے، ڈاکہ بھی ڈالا جاسکتا ہے، شراب بھی پی جاسکتی ہے، زنا بھی کیا جاسکتا ہے۔ قبل از نماز عید اذان، اقامت اور نفل بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ تو کیا ثواب ملے گا؟ اور ان بدمعاشیوں کو دین سمجھ لیا جائے گا۔ محض اس لیے کہ نیت نیک ہے؟ جائز کام نیک نیتی سے کیا جائے تو بے شک ثواب ملتا ہے۔ اس ثواب کا تصور بے شک دینی ہے کیونکہ پیغمبر ﷺ نے یہ فرمایا ہے لیکن وہ کام دینی نہیں ہے۔ وہ بدستور دنیوی ہے۔ اس پر فی امرنا ھذا کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اہل سنت کہلانے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین فقط کتاب و سنت کا نام ہے۔ مثلاً ایک شخص اگر ٹیلیفون یا موٹر گاڑی نیت خیر سے رکھتا ہے تو اسے یقیناً ثواب ملے گا۔ لیکن یہ چیزیں دین کا حصہ نہیں بن جائیں گی۔ احداث فی الدین تو ہے ہی حرام۔ چوری اور زنا سے بھی بدتر شے۔ نہ جانے مفتی صاحب اسے کس طرح حسنہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں"۔

۲۲۴ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں جس پر کوئی اعتراض نہ ہو، جامع مانع ہو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں۔ شرک، بدعت، دین، عبادت۔ کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جائے۔ ایسی صحیح تعریف کرو کہ جس سے محفل میلاد حرام ہو اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس سے استمداد عین اسلام"۔ مفتی صاحب مولانا ثناء اللہ صاحب سے کافی مرعوب ہوتے ہیں۔ اہل توحید کے خلاف ان کا چیلنج بالکل اسی نوعیت کا ہے جیسے کوئی ڈاکو بڑک لگائے اے شہر والو! تم اپنی چار دیواری جتنی مرضی مضبوط بنالو، جتنی مرضی اپنی حفاظت کر لو پر مجھ سے بچ نہیں سکتے۔ مندرجہ بالا چار چیزوں کی تعریف مشکل بات نہیں ایک ادنیٰ طالب علم بلکہ ہر صحیح مسلمان ان کی تعریف کر سکتا ہے۔ مگر جسے مرد اور مُردہ میں فرق نظر نہ آئے اسے کوئی کیا سمجھائے۔ تاویل اور تحریف دو ایسے ہتھیار ہیں کہ اگر کوئی ملحد انھیں اپنے ہاتھوں میں پکڑ لے تو توحید و سنت تو کجا اُس سے تو خدا بھی نہیں منوایا جاسکتا۔

۲۲۵ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ﴾ (آل عمران: ۷)

"پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مُردہ ولیوں کی اللہ تعالیٰ سے برابری کرتے ہیں حالانکہ بلحاظ مدد کے مردہ ولی مفتی صاحب کے دو سالہ زندہ پڑپوتے کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔ جن کا ذہن اتنا ماؤف ہو چکا ہو کہ انہیں قبروں میں خدا نظر آتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو سمجھانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان کے چیلنج کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ نبی ﷺ بھی عاجز آ گئے تھے:

﴿اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ (یونس: ٤٤)

"پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو"۔

اصل میں یہ چیلنج انھیں اللہ و رسول ﷺ کو دینا چاہیے جو ان اہم دینی اصطلاحات کی ایسی صحیح تعریف نہیں کر سکے جو جامع مانع ہو اور جو بریلویوں کی سمجھ میں آ سکے۔

﴿۲۲۶﴾ مفتی صاحب ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب القنوت میں حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوتِ نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: "اے بُنَيَّ مُحْدَثٌ! بیٹے یہ بدعت ہے۔ دیکھیں زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں"۔ قنوت نازلہ نبی ﷺ کی سنت ہے یا بدعت اور اس روایت کا کیا مطلب ہے سرِ دست مجھے اس سے بحث نہیں۔ حنفیہ چونکہ اس کے قائل نہیں۔ اس لیے مفتی صاحب نے مشکوٰۃ سے پورے باب میں سے فقط ایک یہ روایت چن لی جس سے ان کا دوہرا مطلب ادا ہوتا تھا۔ مگر مفتی صاحب یہ روایت بیان کر کے بُری طرح پھنس گئے ہیں۔ انھیں یہ خیال نہ رہا کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کی یہ مذکورہ بات جو فقط ایک دُعا ہے بقول ان کے بدعت سیئہ ہو سکتی ہے۔ تو اس کے مقابلے میں بریلویوں کی بدعات کا کیا حال ہوگا۔ انھیں تو اسوء السیئات ہونا چاہیے۔ انھوں نے نادانستہ طور پر تسلیم کر لیا ہے، کہ ہر بدعت سیئہ ہی ہوتی ہے چاہے وہ دورِ صحابہ میں ہو اور بے شک نیکی کے رُوپ میں ہو۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ باقی گزارش ہے، کہ صبح کی نماز سمیت تمام نمازوں میں آنحضرت ﷺ سے قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے۔ اور یہ ایک وقتی امر ہے۔ ابو مالک اشجعی والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ اسے مستقل معمول نہیں بنا لینا چاہیے۔

﴿۲۲۷﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے عرض کیا:

((کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول الله ﷺ؟ قال: هو خیر)). (بخاری ص ٧٤٥ حدیث ٤٩٨٦)

"آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو حضور ﷺ نے نہ کیا۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے"۔

آگے لکھتے ہیں: "حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعتِ حسنہ ہے"۔ یاد رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمع قرآن کا کام بدعت حسنہ سمجھ کر نہیں کیا تھا، بدعت کے معاملہ میں نہایت محتاط ہونے کی وجہ سے اوّلاً ضرور ان کے دل میں خیال آیا تھا کہ کہیں یہ کام بدعت نہ ہو۔ مگر افہام و تفہیم سے ان کا یہ شبہ دُور ہو گیا اور ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے اور وقت کا اہم تقاضا ہے کیونکہ جنگوں میں قراء کرام کے شہید ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کے ضائع ہو جانے کا احتمال تھا۔ یہ تو عین اللہ تعالیٰ کے منشا کو پورا کرنا تھا۔ فرمایا:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾ (القیمۃ: ١٧) "اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (الحجر: ۹) "ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

ظاہر ہے جمع قرآن اور حفاظت قرآن کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ہی لینا تھا اور لے لیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس میں زیر بحث مسئلہ یہ نہیں تھا کہ جمع قرآن کا کام بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے۔ مطلقاً بدعت کی بات ہوئی تھی۔ استغفر اللہ معاذ اللہ قرآن پاک کوئی ناپاک کتاب تو نہیں جس کے جمع کرنے کو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بدعت سیئہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسنہ کہا تھا۔ اگر یہ کام کسی لحاظ سے بھی دین میں بدعت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم السلام کبھی اسے انجام نہ دیتے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فقط یہی تو کہا تھا کہ قرآن پاک جو متفرق مقامات پر تھوڑا تھوڑا جمع تھا اسے یکجا کر دیا اور یہ امر نہایت ضروری تھا۔ اس میں بدعت کا کیا سوال؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی نئی رسم تو ایجاد نہ کی تھی اہل بدعت کی جو بدعات ہیں کیا ان کی بھی کوئی اصلیت ہے اور جمعراتی ملاؤں کے سوا ان کی بھی کسی کو ضرورت ہے؟

۲۲۸ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((خير امتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم)). (عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۱۵ حدیث ۳۶۵۰، مسلم ج ۲ ص ۳۰۹ حدیث ۶۴۷۲، مشکوۃ باب مناقب الصحابہ ص ۵۵۳)

"میری بہترین اُمت میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جو ان کے بعد ہوں گے پھر جو ان کے بعد ہوں گے"۔

اس کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں معلوم ہوا ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوئی اور اس کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے۔ ورنہ مذہب قدریہ اور جبریہ زمانہ تابعین رحمہم اللہ ہی میں ایجاد ہوا تھا۔

مفتی صاحب ما انا علیه و اصحابی اور اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم کے متعلق لکھتے ہیں "اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو"۔

عرض ہے کہ جب خیر القرون کی بدعات کو سیئہ کہا جا سکتا ہے تو اس کے مقابلے میں آج کی بریلوی بدعات کی کیا حقیقت ہے جب کہ بقول مفتی صاحب آج خیر کم شر زیادہ ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں، مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے:

((اتبعوا السواد الاعظم)). (عن انس رضی اللہ عنہ ابن ماجہ باب السواد الاعظم حدیث ۳۹۵۰، مشکوۃ ص ۳۰ باب الاعتصام) [1]

"سوادِ اعظم کی پیروی کرو"۔

((ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن)). "جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے"۔

((من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه)). (عن ابی ذر رضی اللہ عنہ مسند احمد، ابوداؤد کتاب السنة حدیث ۴۷۵۸، مشکوۃ ص ۳۱) [2]

"جو مسلمانوں کی جماعت بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی"۔

تخریج: [1] ضعیف ہے۔ [2] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾ (النساء: ۱۱۵)

"جو اہل ایمان کے رستے کے علاوہ کسی راستے کی پیروی کرے گا ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو"۔

۲۲۹ پھر لکھتے ہیں: "جس طرح کہ ایجادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنت صحابہ کہتے ہیں اسی طرح سلف صالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں"۔

مفتی صاحب آیت پوری نقل فرمادیتے تو قارئین کو بات سمجھنے میں آسانی ہوجاتی مگر اس سے مفتی صاحب کی مشکل میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ شروع کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾

"اور جو شخص باوجود کہ راہ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے"۔

اس سے ثابت ہوا اصل اطاعت پیغمبر ہی کی ہے اور انہی مؤمنوں کی راہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہیں جن کا عمل ما انا علیه و اصحابی کے مطابق ہوتا ہے۔ یہی سوادِ اعظم ہیں یہی صحیح مسلمان ہیں، یہی الجماعت ہیں، یہی مؤمن ہیں۔ انہی کی راہ سبیل المومنین ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی ہو اس کی اطاعت خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ۵۹)

"پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ نہ سنت فعلیہ میں نہ سنت ترکیہ میں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمادیا ہے کہ دین میں ایجادات مردود ہیں تو اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے الفاظ میں اس جماعت مسلمین کی راہ پر چلنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ جو دنیا میں ایجادات کرنے والے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں مفتی صاحب کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہوا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ کرو اور بدعتیوں کے پیچھے چلو۔ کیا اللہ تعالیٰ کا کلام اتنا مہمل بلکہ مہلک بھی ہوسکتا ہے؟

مفتی صاحب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ما راہ المسلمون حسنا ... الخ کا بار بار حوالہ دیتے ہیں حالانکہ اس سے پیشتر آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ زندہ لوگ فتنے سے محفوظ نہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱) بلکہ ان کا یہ قول بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ وہ تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے جو صدرِ اوّل سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی اس کا مشروع ہونا ثابت ہو۔ اگر اس قسم کا تعامل نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوسکتا۔ (مکتوبات دفتر دوم ص ۹۵۴)

قبل ازیں آپ پڑھ آئے ہیں کہ مفتی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دعائے قنوت نازلہ پڑھنے کو بدعت سیئہ کہا ہے یہاں اپنی جماعت مسلمین کی ایجادات کو بدعت حسنہ فرمارہے ہیں۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک بریلوی مولوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ بقول ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایجادات سیئہ بھی ہوسکتی ہیں جب کہ ان کی ایجادات حسنہ ہی حسنہ ہیں۔ کیونکہ یہ جماعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمین ہیں۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جس طرح کہ ایجادات صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنت صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں اس طرح سلف صالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں"۔ نہ جانے یہ حضرت کس سلف کی بات کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بریلویوں کی بدعات خیر القرون میں تو نہ تھیں تو کیا اس سلف کی بات کرتے ہیں جو خیر القرون کے بعد پیدا ہوئے۔ بعد کے دور کے متعلق خود مفتی فرما چکے ہیں کہ خیر کم اور شر زیادہ ہوگی۔ (ص ۲۸۶) تو خیر کم اور شر زیادہ کے دور کے بدعتیوں کو مفتی صاحب سلف صالحین فرما رہے ہیں۔ یقین جانئے ہمارے دیکھتے دیکھتے ان کے سلف صالحین نے بارہ وفات کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بدلا ہے۔ ان لوگوں نے خدائی مذہب کو پنچائتی مذہب بنا کر رکھ دیا ہے۔

بریلویوں کو اپنے سواد اعظم کہلانے پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ خطیب پاکستان مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری مدظلہ العالی فرمایا کرتے ہیں: بریلویوں میں سَواد اعظم نہیں بلکہ سُواد اعظم ہے، یعنی ختم شریف کی بریانی کا سُواد، قورمے کا سُواد، حلوے کا سُواد، کھیر کا سُواد اور چٹخارے دار چٹنی کا سُواد یعنی مزا۔

(ب) مفتی صاحب اپنی بدعات کی تائید میں فرماتے ہیں:

((الاصل فی الاشیاء الاباحة))۔ "تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے"۔

یہ خالص دھوکہ ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ قول دنیوی امور کے بارے میں ہے دین کی ٹکسال کے بارے میں نہیں۔ شریعت سازی صرف اور صرف اللہ جل جلالہٗ کا حق ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (الشوری:۲۱)

"کیا ان لوگوں نے ایسے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں"۔

اگر ہر ایک کو یہ اختیار حاصل ہو جائے تو پھر پیغمبر اور غیر پیغمبر میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

(ج) لکھتے ہیں، قرآن پاک فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ ﴾ (المائدہ:۱۰۱)

"اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہوں اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں، سوالات گزشتہ اللہ نے معاف کر دیئے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے"۔

سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان بدعات سے معاف فرما دیا ہے اور ہمیں ان کا مکلف نہیں بنایا تو بریلوی کیوں نہیں معافی دیتے۔ ان ظالموں نے خواہ مخواہ بدعات حسنہ کے نام پر جگا ٹیکس لگا رکھے ہیں۔ معافی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بدعت کے ایجاد کی کھلی چھٹی مل گئی بلکہ یہ مطلب ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا ہے بس وہی دین ہے۔ ہاں دنیوی امور میں معافی ہے۔ بشرطیکہ ان سے منع نہ کیا گیا ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) لکھتے ہیں، قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ ﴾ (النساء: ۲۴) "ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں"۔

عرض ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے محرمات کو حرام کہا باقی سب کو حلال کہا۔ کیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے کہیں بدعات کو بھی حلال کیا ہے۔ نبی ﷺ نے جس عمل کو مردود قرار دیا ہے مفتی صاحب اس حرام کو حلال کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں جس کا نقد بھی حرام ہے۔

(ذ) لکھتے ہیں، نیز فرمایا:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (الانعام: ۱۱۹) "حالانکہ اللہ نے سب جانوروں کی تفصیل بتلادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے"۔

یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں۔ ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتادی۔ ان کے سوا سب حلال"۔ ان کا مطلب یہ ہے چونکہ چائے بھی حلال ہے چڑا بھی حلال ہے، پکوڑا بھی حلال ہے، حلوا بھی حلال ہے، کھیر بھی حلال ہے، لہٰذا ختم بھی حلال ہے۔ عرس بھی حلال ہے، گیارھویں بھی حلال ہے، عید میلاد بھی حلال ہے اور ہر قسم کی شریعت سازی بھی حلال ہے۔

گر ہمیں مکتب و ملا است کار طفلاں خواہد شد

(ر) لکھتے ہیں، مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام (ص ۳۶۷) میں ہے:

((الحلال ما احل الله فی كتابه و الحرام ما حرم الله فی كتابه و ما سكت عنه فهو مما عفى عنه)).

(عن سلمان رضی اللہ عنہ ابن ماجه كتاب الاطعمة حديث ۳۳۶۷ ترمذی ابواب اللباس حديث ۱۷۲۶)❶

"حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اپنی کتاب میں حرام کیا جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف"۔

اس حدیث سے بھی مفتی صاحب نے بدعات کے جواز پر استدلال فرمایا ہے کیونکہ بقول ان کے شریعت میں ان سے خاموشی ہے۔

﴿۲۳۰﴾ آگے فرماتے ہیں، "بعض لوگ اہلسنت سے پوچھتے ہیں بتاؤ کہاں لکھا ہے میلاد شریف کرنا جائز ہے۔ یہ محض دھوکا ہے اہلسنت کو چاہیے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف حرام ہے۔ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی دلیل ہے"۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو"۔

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ ﴾ (الاعراف: ۳۲)

"آپ فرمائیے کہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے لیے زینت بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی۔ یہ حضرات اس سے ثابت کرتے ہیں۔ عجیب اُلٹی منطق ہے"۔ اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر، مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا جیسے، وہ

تخریج: ❶ حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلال ویسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بریلویوں کو یہ بہت بڑی ٹھوکر لگی ہوئی ہے کہ چونکہ نبی ﷺ نے عید میلاد سے منع نہیں فرمایا عرس پاک سے منع نہیں فرمایا ختم شریف سے منع نہیں فرمایا گیارھویں سے منع نہیں فرمایا لہٰذا سب جائز اور حلال ہے۔ اگر یہی طرزِ استدلال ہے تو میں اگر بریلویوں کو یہ مشورہ دوں کہ ایک دیوار پر اولیاء کرام کے نام لکھ کر ہر روز صبح سویرے اس پر پھولوں کے ہار ڈالا کریں اور ایک دیوار پر مشرکوں اور بدعتیوں کے نام لکھ کر اس پر سو جوتے مارا کریں تو کیا بریلوی حضرات اسے اپنی شریعت کا حصہ بنالیں گے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا اور کہیں نہیں لکھا کہ یہ کام حرام ہے۔ اہل بدعت نے سینکڑوں بدعات نکال رکھی ہیں اور ابھی پتہ نہیں پردۂ غیب (جہالت) سے کیا کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ فرمان نبوی الا رفع مثلها من السنة (اتنی سنت اُٹھ جاتی ہے) کے مطابق ان لوگوں میں اصل دین کم اور نقلی دین زیادہ جلوہ آراء نظر آتا ہے۔ آخری نبی ﷺ کس کس کا نام لے کر منع فرماتے۔ پھر تو آپ ﷺ انہیں باتوں کے لیے وقف ہو کر رہ جاتے۔ آپ ﷺ نے بدعات کے ردّ میں یہ جامع مانع بات ارشاد فرمادی جس نے ہمارے اس دین میں ایسی بات پیدا کی جو اس میں سے نہیں ہے۔ وہ مردود ہے۔ بریلویوں کی مہربانی سے قیامت تک دین میں پیدا کی جانے والی بدعات کے ردّ میں یہ ایک کلمہ کافی ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مفتی صاحب کے نزدیک نبی ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی جامع مانع نہیں ہے۔ (ص ۲۴۴) معلوم ہونا چاہیے جس طرح جن دنیوی باتوں سے نبی ﷺ نے منع فرمادیا ہے اس کے سوا باقی سب مباح ہیں۔ اسی طرح دین کی جن باتوں کا آپ ﷺ نے حکم دے دیا ہے ان کے سوا باقی سب منع ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی بدعات کو ریلوے کے سفر، مدارس کے قیام سے تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں: جیسے وہ حلال ایسے ہی بھی جائز اور حلال۔ میں کہتا ہوں جو لوگ ریلوے کا سفر نہیں کرتے یا مدارس میں قیام نہیں کرتے آیا ریلوے کے مسافر یا مدارس کے مقیم ان سے لڑائی بھی کرتے ہیں ان پر فتویٰ بھی لگاتے ہیں ان کے خلاف کتابیں بھی لکھتے ہیں؟ یعنی اگر مدارس کا قیام اور محفل میلاد ایک جیسی ہے تو پھر قیام مدارس کرنا نہ کرنا برابر ہے نہ وہاں رہنے میں کوئی فضیلت ہے نہ ہی نہ رہنے پر ثواب سے محرومی ہے تو کیا ان بدعات کا بھی یہی حال ہے۔ پھر ایسے بے کار کام کرنے کا کیا فائدہ؟ کیا یہ وقت اور پیسے کا بدترین ضیاع نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾۔

میں حیران ہوں مفتی صاحب بنتے اہل سنت ہیں نمائندگی زور و شور سے بدعات کی کرتے ہیں، کیا انھیں علم نہیں کہ اباحت کا تعلق دنیوی امور سے ہے۔ دینی امور سے نہیں۔ جس دن انھیں اس نکتے کی سمجھ آ گئی تو ان شاء اللہ اہل بدعت کو اہل سنت بننے میں دیر نہیں لگے گی۔ خدا وہ وقت جلد لائے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محفل میلاد شریف کا ثبوت

مفتی صاحب فرماتے ہیں، "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی:

﴿رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾ (المائدہ: ۱۱۴)

"اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اوّل ہیں اور جو بعد میں ہیں سب کے لیے خوشی کی بات ہو جائے"۔

معلوم ہوا کہ مائدہ کے آنے سے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دِن بنایا۔ آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لیے عید مناتے ہیں کہ اس دِن دسترخوان اُترا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے۔ لہٰذا ان کی ولادت کا دِن بھی یوم العید ہے"۔

دسترخوان اُترا بھی تھا یا نہیں۔ اس بارے میں کوئی صحیح ثبوت نہیں۔ نہ قرآن پاک میں نہ حدیث شریف میں۔ نہ ہی عیسائی اس لیے اتوار کو عید مناتے ہیں۔ عیسائی جو اتوار کو چھٹی کرتے ہیں اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اتوار کو کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا تھا یا اس لیے کہ ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتوار کو دوبارہ جی اُٹھے تھے۔ بقول مفتی صاحب عیسیٰ علیہ السلام نے اگر مائدہ کے آنے کے دِن کو عید بنایا تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے یوم ولادت کو عید بنایا۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے۔ کیا یہ آیت ان کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مائدہ سے بڑھ کر نعمت کہنا تو ایسے ہی ہے جیسے کسی بزرگ کو کہا جائے آپ حلوے سے زیادہ لذیذ ہیں۔ کجا دسترخوان، کجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر مائدہ کے لیے عید کا لفظ بولا تھا تو یہ ان کے حسب حال تھا کیونکہ مائدہ دسترخوان کو کہتے ہیں۔ عید بھی کھانے پینے کا دِن ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو کھانے پینے سے کیا تعلق؟ تعلق ہو یا نہ ہو مگر بریلویوں نے تو تعلق پیدا کر ہی لینا ہے۔ ان کے نزدیک دو اور دو کو جمع کیا جائے تو جواب چار روٹیاں ہوتا ہے۔

﴿۲۳۱﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں، "میلاد شریف قرآن و حدیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ: ۷) "تم پر اللہ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انھیں یاد رکھو"۔

﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾﴾ (الضحیٰ: ۱۱) "اور اپنے ربّ کے احسان کو بیان کرتا رہ"۔

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ (التوبہ: ۱۲۸)

"تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں"۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

"بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں ایک رسول ان میں بھیجا"۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ (الفتح: ۲۸)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر فرماتے ہیں: "غرضیکہ بہت سی آیات میں جن میں حضور ﷺ کی ولادتِ پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الٰہیہ ہے"۔

محفل میلاد منانا تو ایک طرف رہا پورے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں:

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ﴾ (البقرہ:۴۰)

"اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی"۔

تو کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کی محفل میلاد مناؤ یا اپنے نبیوں کا سالانہ جشن میلاد مناؤ۔ مفتی صاحب کا قیاس تو تب ہی درست ہو سکتا ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہ ہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے پھر ولادتِ پاک کا ذکر بھی ہے"۔ ان الفاظ سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ معلوم ہوا بریلویوں کے نزدیک نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں بلکہ حضور ﷺ کی محفل میلاد ہے اور قیام بھی حضور ﷺ ہی کے لیے ہے۔ نہ جانے یہ آیات ان کے مطالعہ میں آئی ہو یا نہیں۔

﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ (البقرہ:۲۳۸) "اور اللہ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو"۔

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ﴾ (الزمر:۲)

"پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کے لیے عبادت کو خاص کرتے ہوئے"۔

امام اگر نماز میں یہ آیت پڑھے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾﴾ (الاحزاب:۴۱) "مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو"۔

تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی محفل میلاد ہے۔ امام اگر یہ آیت پڑھے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾﴾ (الحجر:۲۶)

"یقیناً ہم نے انسان کو خشک مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی تھی پیدا فرمایا ہے"۔

تو کیا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی محفل میلاد ہے۔ امام اگر یہ آیت پڑھے:

﴿فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآىِٕبِ ﴿۷﴾﴾ (الطارق:۵تا۷)

"انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے"۔

کیا یہ انسان کی محفل میلاد ہے؟ بقول مفتی صاحب قرآن میں سب کچھ ہے۔ (ص ۵۸) قرآن میں سارے لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے۔ (ص ۵۷) تو قرآن کا جو حصہ بھی نماز میں تلاوت کیا جائے گا آیا یہ اس کی محفل میلاد ہو جائے گی۔ قرآن پاک میں کفار کا ذکر بھی ہے۔ منافقین، مشرکین اور شیاطین کا ذکر بھی ہے۔ جہنم کا ذکر بھی ہے تو کیا بریلوی حضرات اپنی نمازوں میں اس کا میلاد شریف ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ذکر بھی ہے مجمع بھی ہے قیام بھی ہے۔

﴿۲۳۲﴾ سورہ توبہ کی آیت ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ کے متعلق مفتی صاحب نے لکھا ہے، حضور ﷺ کا نسب نامہ بیان ہوا۔ اسے بھی انہوں نے میلاد شریف کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن پاک میں ہے:

﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ (القصص: ۷٦) "قارون موسیٰ کی قوم سے تھا"۔

﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ (الکھف: ۵۰) "مگر ابلیس نے کہ یہ جنوں میں سے تھا"۔

تو کیا ان آیتوں میں قارون اور ابلیس کا میلاد شریف منایا گیا ہے۔

میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن پاک میں حضور ﷺ کی ولادت مبارک کا ذکر کہیں نہیں۔ مفتی صاحب نے جو آیات نقل فرمائی ہیں ان میں بھی ولادت کا نہیں رسالت کا ذکر ہے۔ بریلوی حضرات ولادت نبوی ﷺ کو ہر چیز سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل چیز تو حضور ﷺ کا پیدا ہونا ہے۔ اگر آپ پیدا نہ ہوئے تو رسول کیسے ہوئے؟ میں کہتا ہوں: بیشک آپ ﷺ کی ولادت ہر ولادت سے اعلیٰ ہے لیکن اصل چیز پیدا ہونا نہیں رسول ہونا ہے۔ اگر آپ ﷺ رسول نہ ہوتے تو خالی پیدا ہونے کا کیا فائدہ ہوتا۔ آپ ﷺ کی ولادت کو رسالت ہی کی وجہ سے شان عطا ہوئی ہے۔ لہٰذا اصل اہمیت رسول ہونے ہی کو ہے۔ پیدا تو ہر کوئی ہوتا ہے۔ رسول ہر کوئی نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ جیسا رسول تو کوئی بھی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ علیہ الف الف تحیۃ السلام۔ پیدا ہونا اعزاز نہیں رسول ہونا اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کے آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے کو نہیں بلکہ مومنوں کے بیچ میں رسول بن کر آنے کو اپنا احسان قرار دیا ہے۔ یقیناً یہی ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے تو جب جشن رسالت نہیں منایا جاتا تو جشن ولادت کا کیا تک ہے؟

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ عرض ہے کہ یہ دلیل قرآن کی کس آیت میں ہے یا پیغمبر ﷺ کی کس حدیث میں ہے۔ ہپی برتھ ڈے منانا عیسائیوں کی رسم ہے۔ اگر ایسی رسموں کو دلیل بنانا ہے تو ہمارے مسلمان نیوایئر نائٹ بھی مناتے ہیں بسنت بھی مناتے ہیں اپریل فول بھی مناتے ہیں۔ کیا اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو چھوڑ کر عیسائیوں اور ہندوؤں کی تقلید شروع کر دی جائے گی۔

(ب) فرماتے ہیں کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا۔ سالانہ جشن سلطنت کی حیثیت اگر دینی اور شرعی ہوتب تو ہم اسے بھی جائز نہیں سمجھیں گے اور اگر محض دنیوی اور سیاسی ہو تو پھر دینی رسم کو دنیوی رسم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ بھلا اس سے کس مسلمان کو انکار ہے مگر خوشی منانے کا یہ طریقہ نہیں کہ سال کے سال بچوں کی طرح آپ ﷺ کا ہپی برتھ ڈے منالیا جائے بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ آپ ﷺ کی اتباع میں گزارا جائے۔

(ج) قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ مفتی صاحب نے اس سے بھی میلاد شریف پر استدلال فرمایا ہے۔ گزارش ہے کہ یہ ذکر اس لیے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزاتی طور پر ہوئی تھی۔ نیز اگر ذکر ہے تو کیا نبی ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جشن میلاد کا اہتمام فرمایا کرتے تھے؟ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہے۔ مگر بریلوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات ان کا میلاد شریف نہیں مناتے نبی ﷺ کی ولادت کا ذکر نہیں مگر آپ ﷺ کا میلاد شریف مناتے ہیں۔کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر نہیں کیا ہمارا ان پر ایمان نہیں کیا ان کا مقام اولیاء کرام سے بھی کم ہے۔بریلویوں کو چاہیے ان کا کرسمس منایا کریں۔کیا نبی ﷺ نے اسے منسوخ کر دیا ہے؟ قرآن پاک میں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر بھی ہے۔حدیث شریف میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ناقص الخلقت بچے کی پیدائش کا ذکر بھی ہے۔(عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۴۸۷ حدیث ۳۴۲۴) بلکہ ابن جریج والے واقعہ میں ایک ولد الحرام کی پیدائش کا ذکر بھی ہے۔(عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۴۷) تو کیا اب بریلوی ان کا میلاد بھی منایا کریں گے؟

(د) مفتی صاحب نے نبی ﷺ کی ولادت کے بارے میں کچھ بے سند اور بے بنیاد قصے بھی اشارتاً بیان فرمائے ہیں۔میرے نزدیک نبی ﷺ کی عظمت ان لغو باتوں سے بے نیاز ہے۔

(ذ) قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو سوانح حیات بیان ہوئے ہیں مفتی صاحب نے ان سے بھی میلاد پاک پر استدلال فرمایا ہے۔عرض ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تو خیر اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے ویسے قرآن پاک میں تو بہتوں کی پیدائش کا ذکر ہے مکھی کی پیدائش کا ذکر ہے وغیرہ وغیرہ تو کیا اب ان کی بھی میلاد شریف شروع کر دی جائے گی۔مطلب یہ ہے قرآن پاک میں کسی کا ذکر آ جانا یا کسی کی پیدائش یا اس کے حالات کا بیان ہو جانا محفل میلاد کی دلیل نہیں مثلاً ہم کہتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو کیا یہ اللہ و رسول ﷺ کی محفل میلاد ہے؟ کچھ سوچ کر بات کرنی چاہیے۔

۲۳۳ مفتی صاحب لکھتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل کیا:

﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ﴾ (الصف:٦)

"اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے"۔

آگے لکھتے ہیں: "یہ بھی میلاد شریف ہے۔صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے۔ہم اپنے مجمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے۔فرق ماضی و مستقبل کا ہے۔بات ایک ہی ہے۔ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء علیہم السلام ہے"۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ﴾ (مریم:۷)

"اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے"۔

تو کیا یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلاد شریف منایا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو یہ بشارت سنائی:

﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ (ھود:۷۱)

"تو ہم نے اسے اسحٰق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی"۔

تو کیا یہ میلاد شریف ہو رہا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا:

((انها ستكون فتن ألا ثمّ تكون فتن ألا ثمّ تكون فتن)). (عن ابی بکرہ مسلم ج۲ ص ۳۸۹ حدیث ۷۲۵۰، مشکوۃ کتاب الفتن ص ۴۶۲)

"بے شک یکے بعد دیگرے فتنے پیدا ہوں گے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا یہ فتنوں کا میلاد شریف تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا تقوم الساعة ... حتى يبعث دجالون كذابون قريب من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله)).

(عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۵٤ حدیث ۷۱۲۱، مسلم ج۲ ص ۳۹۷ حدیث ۷۳٤۲)

"قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال پیدا ہوں گے، سب نبوت کا دعویٰ کریں گے"۔

تو کیا یہ مسیلمہ کذاب اور مرزا قادیان جیسے کذابوں کا میلاد شریف تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما من نبي الا وقد انذر امته الاعور الكذاب الا انه اعور)). (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۰۵٤ حدیث ۷۱۳۱، مسلم ج۲ ص ٤۰۰ حدیث ۷۳٦۳، مشکوۃ باب ذکر الدجال ص ٤۷۳)

"ہر نبی نے اپنی اُمت کو کانے کذاب (دجال) سے ڈرایا ہے، خبردار وہ کانا ہوگا"۔

تو کیا کانے دجال کا میلاد شریف بھی سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ سورہ مدثر میں کئی آیات ولید بن مغیرہ مخزومی کی پیدائش اور علامات کے بارے میں نازل ہوئیں تو کیا یہ اس کا میلاد شریف ہے؟ ماضی میں جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے احوال و واقعات بیان کرنا قرآن پاک کا خاص موضوع ہے تو کیا یہ ان کا میلاد شریف ہے؟ نبی ﷺ کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کو مفتی صاحب نے میلاد شریف بنا دیا ہے۔ قبل از مرگ واویلا کا محاورہ تو سن رکھا تھا قبل از پیدائش میلاد شریف کی اصطلاح مفتی صاحب سے سن لی ہے۔ میرے، بھائی پیشینگوئی کو میلاد شریف نہیں کہا کرتے، نہ بعد میں ان کا تذکرہ میلاد شریف کہلاتا ہے۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے: "ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔ قبل ازیں یہ بھی لکھ آئے ہیں میلاد شریف قرآن واحادیث اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے۔ (ص ۲۳۱) اور لطف یہ کہ پہلے خود تسلیم کر چکے ہیں کہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے۔ (ص ۲۳۰) اب اللہ جانے اتنے سارے ثبوت کس طرح نکلے آ رہے ہیں اور نہ جانے اب ثبوت ہونا جائز ہونے کی علامت ہے یا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے۔ ایک اور ثبوت سنیے۔ لکھتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ (یونس: ۵۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے"۔

پھر فرماتے ہیں: "ہر جائز خوشی اس میں داخل ہے لہٰذا محفل میلاد کرنا وہاں کی زیب و زینت سج دھج وغیرہ سب باعث ثواب ہیں"۔ سج دھج سے شاید ان کی یہ مراد ہے جھنڈیاں لگانا، چراغاں کرنا، روضہ نبوی کی شبیہیں بنانا، ٹریکٹر نکالنا، قوالیاں کرنا۔ فلمی گانوں کی طرز پر نعتیں گانا وغیرہ وغیرہ۔

مولوی نعیم الدین نے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس آیت کے تحت لکھا ہے: "معنی یہ ہیں کہ ایمان والوں کو اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہونا چاہیے کہ اس نے انھیں مواعظ اور شفاء صدور اور ایمان کے ساتھ دل کی راحت و سکون عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباس وحسن وقتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اللہ کے فضل سے اسلام اور اس کی رحمت سے قرآن مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فضل اللہ سے قرآن اور رحمت سے احادیث مراد ہیں"۔ اب آیت میں اصل جو چیزیں مراد ہیں بریلویوں نے ان پر تو کبھی اس قسم کی خوشیوں کا اظہار نہیں کیا۔ نہ کبھی اسلام کا جلوس نکالا ہے نہ کبھی قرآن کا جلوس نکالا ہے نہ کبھی احادیث کا جلوس نکالا ہے نہ شبیہیں بنائیں نہ محرابیں بنائیں نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹریکٹر نکالے تو اس پر قیاس کر کے نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ بے ہودہ کام کرنے کا مشورہ نہ جانے انھیں کس نالائق نے دے دیا ہے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا تبار کو بازار کا تماشہ بنا دیا ہے۔ ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ سے محفل میلاد یا غیر میلاد پر استدلال ایسا ہی ہے جیسے شیعہ حضرات قرآن پاک کی اس آیت سے اپنے ماتم پر استدلال کرتے ہیں:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (النساء: ۱۴۸)

"برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو اجازت ہے"۔

چنانچہ وہ اسی آیت کے غلط مفہوم پر عمل کرتے ہوئے رسوم ماتم بجالاتے ہیں۔

۲۲۴ مفتی صاحب نے میلاد جیسی لغویات میں شامل نہ ہونے والوں کو شیطان کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ یہ تبرا انھیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے یہ اس سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ بریلویوں کا ٹریڈ مارک ہے۔ قبل ازیں مفتی صاحب نے لکھا ہے، محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگاں کہ عام مسلمان (یعنی صرف بریلوی) اس کو کار ثواب جانتے ہیں اس کو کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ (ص ۲۱۹) تو جس عمل کے نہ کرنے سے انسان گنہگار ہی نہ ہو ایسے عمل نہ کرنے والے کو شیطان کہنا انسان کا کام نہیں ہے۔

مفتی صاحب نے باب فضائل سید المرسلین مشکوٰۃ شریف سے چند روایتیں نقل کر کے میلاد شریف پر استدلال فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس فضیلت کا بریلویوں کے مروجہ میلاد یا سالانہ جشن میلاد یا عید میلاد سے کیا تعلق ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں بلکہ دجال کی پیدائش کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ (عن ابی بکرہ ترمذی حدیث ۲۲۴۶ باب ذکر ابن صیاد مشکوٰۃ باب قصہ ابن صیاد ص ۴۷۱)[1] تو کیا یہ سب کچھ میلاد شریف کہلاتا ہے۔

۲۲۵ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے ایک رشتہ دار نے اسے خواب میں دیکھا تو اس سے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا:

((لم الق بعد کم خیرًا انی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثوبیة)).

(ترجمہ مفتی صاحب) "تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہیں ہوئی ہاں مجھے اس کلمے کی اُنگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا"۔

یہ مفتی صاحب کا استدلال ہے۔ گویا میلاد منانا ابولہب کی سنت ہے جس کی پیروی بریلوی حضرات کر رہے ہیں اگر ان کے پاس کوئی معقول دلیل ہوتی تو کیا ایسی کمزور باتیں کرنے کی ضرورت تھی۔ قارئین اس سے ان کے تہی دامن ہونے کا اندازہ فرمالیں۔

یہ واقعہ بے شک بخاری شریف (ص ۷۶۴) میں مذکور ہے لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت عروہ نے اپنے مروی عنہ کا نام نہیں دیا۔ بخاری شریف کی صحت کے بارے میں جو اہل علم کا اتفاق ہے وہ صرف مرفوع احادیث کے بارے میں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے کسی آیت کی تقلید یا تخصیص جائز نہیں۔ قرآن پاک میں ابولہب کے بارے میں صاف مذکور ہے:

﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝﴾ "نہ کام آیا اسے مال اس کا اور جو اس نے کمایا"۔

منقطع ہونے کے علاوہ یہ روایت نہ تو حدیث نبوی ہے نہ قول صحابی ہے۔ صرف ایک مشرک کا خواب ہے۔ خواب تو پیغمبر کے

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوا کسی کا حجت ہی نہیں ہوتا۔ پھر ایک مشرک کا خواب۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

پھر اتنا بے وقوف ابولہب بھی نہیں تھا۔ اگر اس نے ثوبیہ کو آزاد کیا تھا جب سچ مچ حضور ﷺ پیدا ہوئے تھے، وہ ہر سال یا ہر مہینے فرضی محفل میلاد کا ڈرامہ نہیں رچاتا تھا۔ نیز اس نے اگر ثوبیہ کو آزاد کیا تھا تو ایک اچھا اور مفید کام کیا تھا۔ جھنڈیاں نہیں لگائی تھیں، چراغاں نہیں کیا تھا، محرابیں نہیں سجائی تھیں، پہاڑیاں نہیں بنائی تھیں، قوالیاں نہیں کروائی تھیں، جگہ جگہ تماشے نہیں لگائے تھے۔ بریلوی حضرات ان بدعات میں شریک نہ ہونے والوں کو شیطان کہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۷) "بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"۔

بریلوی حضرات اگر عشق رسالت میں سچے ہیں تو ان فضول کاموں کی بجائے انھیں رفاہِ عامہ کے کام کرنے چاہئیں، جن میں قوم اور ملک کا بھلا ہو۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے"۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ خیر القرون میں اس کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ خود مفتی صاحب نے آگے چل کر اعتراف کیا ہے۔

"امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ایجاد ہوا۔ (ص ۲۳۶) لہٰذا جب یہ بہترین زمانوں میں نہیں تھا تو بعد کے زمانوں کا کیا اعتبار۔ یہ بدعت ساتویں صدی ہجری میں شروع ہوئی تھی۔ اس کا بانی اور موجد مظفر الدین کو کبوری شاہ اربل تھا جو ایک مسرف اور بے دین بادشاہ تھا۔ (ابن خلکان) اور اس نامعقول بدعت کا فتویٰ عمر بن دحیہ ابوالخطاب نے دیا تھا۔ (دول الاسلام ص ۱۰۴) اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں بہت گستاخی کیا کرتا تھا زبان کا خبیث، احمق، متکبر، دینی امور میں کم فہم اور سست تھا۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۲۹۶) نیز لکھا ہے علامہ ابن نجار فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو اس کے جھوٹ اور ضعف پر متفق پایا۔ (لسان المیزان ص ۲۹۵) خود مفتی صاحب نے بھی آگے چل کر ابن جوزی کا یہ قول نقل کیا ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہِ اربل ہے اور ابن دحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزاروں اشرفیاں نذر کیں۔ (ص ۲۳۶ بحوالہ تفسیر روح البیان سورہ فتح زیر آیت محمد رسول اللہ) جس بدعت کا آغاز ساتویں صدی میں ہوا ہو اس کے متعلق ہر زمانہ کا دعویٰ کرنا کذب بیانی کی انتہاء ہے۔ خود ان کے مولوی دیدار علی صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے۔ میلاد شریف کا سلف صالحین سے قرون اولیٰ میں کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بعد میں ایجاد ہوئی۔ (اصول الکلام فی بیان المولد والقیام ص ۱۵)

بریلوی عالم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں: "آپ (یعنی محمد نور بخش صاحب توکلی) ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندو پاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے تعطیل قرار پائی"۔ (میلاد النبی ﷺ ص ۵۸) انہی نور بخش صاحب کے بارے میں ان کے ساتھی علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں: "آپ کی دینی خدمات سے ایک نہایت اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں بارہ وفات غلط العومی اصطلاح کو عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے تبدیل کرانے کی جدوجہد کی اور اس میں نہایت کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیل منظور کرائی"۔ (مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم رحمہ اللہ)

یعنی موجودہ زمانے کی عید میلاد النبی ﷺ دراصل بریلویوں پر انگریزوں کا احسان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس قسم کے گستاخ لوگ اس بدعت کے بانی اور مفتی ہیں اسی قسم کے لوگوں نے اسے جاری بھی رکھا ہوا ہے۔ ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں بدتمیزی کرنے والوں کو علماء واولیاء کہنا علم وولایت کی توہین ہے۔ مفتی صاحب نے حرمین شریفین کا بھی ذکر کیا ہے اگر یہ حوالہ معتبر ہے تو پھر وہاں جو قبے گرائے گئے تھے بریلوی حضرات اِس کے خلاف کیوں سیخ پا ہوتے ہیں۔ انھیں انہدام قبور کی تعریف میں بھی رطب اللسان ہونا چاہیے۔

مفتی صاحب نے عامۃ المسلمین کے عمل کو قرآن وحدیث سے بڑھ کر درجہ دے دیا ہے۔ گویا یہ بھی ایک سند ہیں اور ان کا عمل بھی مستحب ہے۔ پھر تو پتنگ بازی، آتش بازی، بے پردگی، فحاشی اور رقص وسرود کو بھی مستحب ہونا چاہیے کہ یہ بھی عامۃ المسلمین کا عمل ہے۔

﴿۲۳۶﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ لہٰذا محفل میلاد پاک مستحب ہے"۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ حدیث نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بقول اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں شریعت کے چار دلائل تسلیم کیے گئے ہیں۔ قرآن وسنت، اجماع اور قیاس۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((السنة ما سنه رسول الله ﷺ و الجماعة ما اتفق علیه اصحاب رسول الله ﷺ)). (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۸۰)

"سنت وہ ہے جسے نبی ﷺ نے مسنون فرمایا اور جماعت وہ ہے جس پر اصحاب رسول متفق ہوئے"۔

اس سے ثابت ہوا اجماع صحابہ تیسرے نمبر پر ہے اور قیاس مجتہد چوتھے نمبر پر ہے۔ اگر اجماع سے عامۃ المسلمین یعنی عوام کالانعام کا اجماع مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عوام کا عمل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید سے مقدم ہے۔ کیا حنفیوں کو یہ بات منظور ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾ (البقرہ: ۱۳۷) "اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں"۔

مفتی صاحب نے علامہ سخاوی اور ابن جوزی کے اقوال نقل کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ اچھے ادوار ان بدعات سے مبرّا تھے۔

﴿۲۳۷﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ "میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن مراد پوری ہونا مقاصد بر آنا حاصل ہونا ہے"۔ سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عبادت کے جو طریقے بتلائے ہیں کہ ان سے بدامنی بے مرادی اور بدنصیبی پیدا ہوتی ہے۔ ان مولویوں نے اپنے مریدوں کو ان مقاصد کے حصول کا سبز باغ دکھلا دیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں خود ان کے ذاتی مقاصد ان بدعات سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں ہم لوگوں کے نماز روزہ وغیرہ کرنے سے انھیں کیا فائدہ؟ انھوں نے عوام کو ایسی بدعات پر لگا دیا ہے جن سے ان کی اپنی وہاڑی بنتی رہتی ہے اور مال ملتا رہتا ہے۔ خود مفتی صاحب نے بھی نیت خیر سے پلاؤ کھلانے کو بدعت حسنہ میں شمار کیا ہے۔ (ص ۲۲۳)

اسی کھاؤ پیو پارٹی کے ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں ماہ ربیع الاوّل میں میلاد کی محفلوں کا منعقد کرنا۔ میلاد کرنا، کھانے پکا کر دعوتیں کرنا قسم قسم کے صدقے وخیرات کرنا۔ ہمیشہ اہل اسلام کا طریقہ رہا ہے۔ (برکات میلاد شریف ص ۱۲) یعنی انھوں نے اپنے مریدوں سے کہہ رکھا ہے کہ پلاؤ کھلائیں اور کھانے پکا کر دعوتیں کریں۔ کیا ان مولویوں کو خود بھی کبھی توفیق ہوئی ہے کہ اپنے مریدوں کو پلاؤ اور قسم قسم کے کھانے کھلائیں۔ کیا میلاد شریف کے ثواب وبرکات کی انھیں ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ پیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کھانا مرید کے لیے حلال ہے اور مرید کا کھانا پیر کے لیے حرام ہے۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۳۱۴)

مفتی صاحب نے ایک عدد میلاد پاک کر دینے سے سال بھر تک کے لیے جو فائدہ بتلایا ہے کیا اللہ تعالیٰ یہ بات بتلانا بھول گیا تھا جو بریلویوں کو لقمہ دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اتنی بابرکت اور مفید محفلوں سے مسلمانوں کو محروم رکھا۔ حتیٰ کہ چھ صدیوں تک کسی کو ہوش نہ آیا۔ ارشاد نبوی ﷺ تو یہ ہے:

((من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأله فی اثره فلیصل رحمه)). (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۸۸۵ حدیث ۵۹۸۵، مسلم ج ۲ ص ۳۱۵ حدیث ۶۵۲۳، مشکوۃ باب البر والصلة ص ۴۱۹)

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں برکت کی جائے وہ صلہ رحمی کرے"۔

مفتی صاحب نے میلاد کے کچھ ایسے فائدے بھی بتلائے ہیں جن کا تعلق تبلیغ و تذکیر سے ہے۔ عرض ہے کہ یہ فائدے تو نماز پنجگانہ سے ذکر الٰہی سے، خطبات جمعہ سے، درس قرآن و حدیث سے اور دیگر تبلیغی پروگراموں سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کاموں کے لیے میلاد کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت ہے؟

﴿۲۳۸﴾ مفتی صاحب نے بحوالہ فیصلہ ہفت مسئلہ حاجی امداد اللہ صاحب کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔

مولانا سرفراز احمد صاحب گکھڑوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ رسالہ ہفت مسائل حضرت حاجی صاحب کے قلم کا لکھا ہوا نہیں ہے یہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا لکھا ہوا ہے۔ نفس مضمون حاجی صاحب کا ہے اور عبارت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زندگی کے ابتدائی دور میں اس کے جواز کے قائل تھے پھر رجوع کر لیا تھا"۔ (راہ سنت ص ۱۵۸)

گزارش ہے کہ اصل چیز تو نفس مضمون ہے جسے تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یقیناً غلط نقل نہیں کیا ہوگا۔ حضرت صاحب کو تھانوی صاحب کی بجائے حاجی صاحب کا رجوع ثابت کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا مفتی صاحب کا اعتراض بحال رہا۔ تھانوی صاحب کے رجوع کا اُنھوں نے ذکر کیا ہے انھیں اس کا ثبوت بھی دینا چاہیے تھا۔ پھر صرف حاجی امداد اللہ صاحب کی بات نہیں اس میں اور بھی حنفی اکابر شامل ہیں۔ مثلاً:

حضرت شاہ ولی اللہ کے والد محترم ایامِ میلاد میں کھانا وغیرہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ (اسرار الثمین ص ۴۰) گانا بجانا وغیرہ اگر نہ ہو تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایامِ میلاد میں محافل کی فضیلت بیان کی ہے۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۱۰۳) علامہ ابن حجر ہیثمی نے بھی برائیوں سے پاک محافل میلاد کو جائز قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۲۹) حاجی امداد اللہ صاحب والا حوالہ ارواح ثلاثہ میں بھی ہے۔ (ص ۲۲۰)

اصل صحیح جواب وہی ہے جو گکھڑوی صاحب نے آخر میں دیا ہے کہ "حاجی صاحب کسی شرعی دلیل کا نام نہیں ہے۔ لہذا حاجی صاحب کا ذکر سوالات شرعیہ میں بے جا ہے"۔

کاش اللہ و رسول کے بعد ان کا ہر شخصیت کے بارے میں یہی مذہب ہو جائے۔ آمین!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

۲۳۹ مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "میلاد سنت الٰہیہ سنت انبیاء علیہم السلام، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟"

قبل ازیں مفتی صاحب نے محفل میلاد کو بدعت مستحبہ کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ (ص ۲۱۹) اب اسے سنت ثابت کرنا شروع کر دیا ہے اور کیا بدعت اور سنت دو مترادف الفاظ ہیں؟ نیز ابھی مفتی صاحب نے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ قرون ثلاثہ کے بعد شروع ہوئی اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ صاحب اربل اور ابن دحیہ اس کے موجد تھے۔ (ص ۲۳۶) جو ساتویں صدی ہجری کے بدنام زمانہ لوگ تھے۔ اور اب مفتی صاحب فرما رہے ہیں کہ میلاد سنت الٰہیہ ہے، سنت انبیاء ہے، ... الخ۔ یہ ایک جگہ ٹکتے ہی نہیں۔ موقع و محل دیکھ کر بار بار پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ انھیں ایک مؤقف اختیار کرنا چاہیے۔

۲۴۰ قرآن پاک میں ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ﴾ (المجادلہ:۱۲)

"اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو۔"

اس کے تحت مفتی صاحب فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ مزاراتِ اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا، مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے اس طرح میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کارِ ثواب ہے۔ اہل اللہ تو فرماتے ہیں کسی اہل قرابت کے ہاں جاؤ تو خالی ہاتھ نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ"۔ مصیبت تو یہ ہے کہ اس قوم کو زندہ اور مُردہ میں فرق نظر نہیں آتا۔ مرشدین تو شیرینی کھا پی کر جان بنائیں گے۔ یہ مُردے کیا کریں گے؟ اگر مردوں کے چڑھاووں کو بھی مجوروں (مجاوروں) نے ہی ہڑپ کرنا ہے تو سیدھی طرح ان کے گھروں میں پہنچا دیجیے مزاروں پر لانے کا کیا تک ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے کہا تھا:

﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ (الصفت:۹۱) "تم کھاتے کیوں نہیں؟"

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ یہ چڑھاوے دراصل پجاریوں کے کھانے کے لیے ہیں۔ اگر بت نہیں کھاتے تھے۔ تو کیا قبریں یا قبروں کے مُردے کھاتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہے مرشدین کے پاس کچھ لے کر جانا مستحب ہے۔ اس فقرے سے لالچ ظاہر ہو رہا ہے۔ یعنی پیر صاحبان مریدوں کے ہاں جائیں تب بھی وہ انھیں حلوے اور مرغ کھلائیں اور اگر مریدان کے ہاں آئیں تب بھی ان کے نذرانے لے کر آئیں۔ جیسے کہا جاتا ہے تم ہمارے پاس آؤ گے تو کیا لاؤ گے ہم تمہارے پاس آئیں گے تو کیا دو گے؟ اگر مریدوں کا مرشدوں کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے تو کیا مرشدوں کا مریدوں کے پاس کچھ لے کر تشریف لانا غیر مستحب ہے۔

ہتھ چھنکاندے کھوسڑے بسنتے ہوری آئے

(کھوسڑ میاں بسنت منانے آ رہے ہیں اور ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے)۔

آخر مرشدوں کے لیے مسئلہ کیوں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیا اہل اللہ نے ایسا بھی فرمایا ہے مفتی صاحب نے مذکورہ بالا آیت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میلاد شریف کی شیرینی پر بھی استدلال فرمایا ہے۔ کجا مسئلہ پوچھنے سے پہلے صدقہ خیرات کرنا کجا محفل میلاد میں شیرینی کی تقسیم۔ آخر ان دونوں باتوں میں کیا مناسبت ہے؟ قبل ازیں مفتی صاحب نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری کو بھی محفل میلاد قرار دیا ہے کیا اس میں شیرینی بانٹی جاتی ہے۔

۲۴۲۰ مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے اور دِن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ ربّ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:

﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾ (ابراھیم:۵) ”اور انھیں اللہ کے دِن یاد دلاؤ“۔

یعنی بنی اسرائیل کو وہ دِن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں جیسے غرق فرعون، من و سلویٰ کا نزول وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ جن دنوں میں ربّ تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے ان کی یادگار منانے کا حکم ہے“۔

یہ ترجمہ اور یہ استدلال دونوں ہی غلط ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی احمد رضا صاحب کی تقلید میں کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”اور انھیں اللہ کے دِن یاد دلاؤ“۔ یہ ترجمہ تب صحیح ہوتا اگر آیت یوں ہوتی ﴿وَذَكِّرْهُمْ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ یہ لوگ بَا کا ترجمہ ہی کھا گئے کیونکہ پھر ان کی بات نہیں بنتی تھی۔ صحیح ترجمہ یہ ہے ”انھیں ایام اللہ کے ساتھ نصیحت کرو“۔ جیسے قرآن پاک میں ہے:

﴿وَذَكِّرْ بِهٖ﴾ (الانعام:۷۰) ”اور قرآن سے نصیحت دو“۔ (کنز)

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (السجدہ:۲۲)

”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے ربّ کی آیتوں سے نصیحت کی گئی۔ پھر اُس نے ان آیتوں سے منہ موڑا“۔

﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾﴾ (غاشیہ:۲۱) ”تو تم نصیحت سناؤ“۔ (کنز)

ان سب مقامات پر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ذکر کا معنی نصیحت کرنا ہی کیا ہے۔

بالفرض مفتی صاحب کے استدلال کو مان لیا جائے تو کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام عین ان مقررہ دنوں میں بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاد دلاتے تھے جن دنوں وہ کی گئی ہوتی تھیں آگے پیچھے نہیں یاد دلاتے تھے۔ کیا آیت کا یہی مفہوم ہے۔ ایام اللہ سے صرف نعمتیں مراد لینا بھی درست نہیں۔ ایام سے تاریخی واقعات مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی شامل ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ (حم السجدہ:۱۶)

”تو ہم نے ان (قوم عاد) پر ایک آندھی بھیجی سخت گرج کی ان کی شامت کے دنوں میں“۔ (کنز)

خود مفتی صاحب نے ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾ کے تحت اپنے حاشیہ میں لکھا ہے ایام اللہ سے مراد یا تو قوم عاد و ثمود پر عذاب آنے کی تاریخیں ہیں یا بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اترنے کی... الخ۔

لہٰذا اگر مفتی صاحب کے استدلال کو دُرست تصور کر لیا جائے تو پھر نہ صرف میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ محرم کے مہینہ میں شیعہ کی ماتمی رسموں کو بھی دین کا حصہ بنانا پڑے گا۔

۱۲ ربیع الاوّل حضور کا یوم وفات ہے۔ بریلوی حضرات اس روز جشن عید میلاد مناتے ہیں۔ ایک میلادی صاحب فرماتے ہیں شرعی ضابطہ ہے کہ موت کا سوگ و غم تین دن سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا جب تین دن بعد سوگ ختم ہو گیا تو اس کے بعد کسی جائز خوشی منانے پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی پابندی نہ رہی جو شخص تین دِن بلکہ چودہ صدیوں کے بعد بھی خوشی منانے کی بجائے غمی مناتا اور سوگ یاد دلاتا ہے وہ نہ صرف جاہل و احمق بلکہ شریعت کا مخالف ہے۔ اور درحقیقت ماتمی جلوس والے اہل ماتم مخالفین صحابہ کی ہمنوائی کر رہا ہے۔ جو صدیوں گزر جانے کے باوجود شہدائے کربلا کا ماتم وسوگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ (رضائے مصطفیٰ، ربیع الاوّل ۱۴۰۷ھ ص ۱۳) مگر اس کے برعکس مولوی نعیم الدین صاحب ﴿وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ﴾ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں بزرگوں پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوئیں یا جن ایام میں واقعاتِ عظیمہ پیش آئے جیسا کہ دسویں محرم کو کربلا کا واقعہ۔ کیونکہ ان کی یادگاریں قائم کرنا بھی تذکیر ﴿بِاَيّٰمِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہے۔ بعض لوگ میلاد شریف، معراج شریف اور ذکر شہادت کے ایام کی تخصیص میں کلام کرتے ہیں انہیں اس آیت سے نصیحت پذیر ہونا چاہیے۔" ایسے معلوم ہوتا ہے اس تحریر سے مولوی احمد رضا خاں کی رضا کا حصول مطلوب ہے جن کے نسب نامے سے شیعیت مترشح ہو رہی ہے یعنی احمد رضا خاں ولد نقی علی ولد رضا علی ولد کاظم علی۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۲)

خود جناب مفتی صاحب نے بھی آگے چل کر لکھا ہے اگر کوئی شخص کربلا معلی کا نقشہ گھر میں رکھ لے۔ تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ (ص ۳۲۹)

رضائے مصطفیٰ والے نے جاہل احمق اور مخالف شریعت کا جو فتویٰ لگایا ہے ان کے اپنے اکابر ہی اس کی زد میں آ گئے۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے یوم معراج کو بھی اس آیت کے حکم میں داخل فرمایا ہے۔ مگر خیر القرون میں یہ دن کبھی نہیں منایا گیا۔ صحابہ و تابعین کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کیا خیال ہے وہ قرآن فہمی سے عاری تھے۔ آپ حیران رہ جائیں گے کسی کو معراج مبارک کی صحیح تاریخ تک معلوم نہیں، سال میں بھی اختلاف ہے مہینے میں بھی اختلاف ہے تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ بلکہ تاریخ میلاد میں بھی بہت اختلاف کیا گیا۔ ہے بعض کے نزدیک تو آپ کی ولادت ماہِ رمضان میں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۶۰)

اگر ﴿وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ﴾ کا یہی مفہوم ہوتا تو کیا وہ ان واقعات کی صحیح تاریخیں بھی یاد نہ رکھتے۔ اہل بدعت کو ہوش کے ناخن لینے چاہیں۔

۲۱۳ مفتی صاحب بیان کرتے ہیں:

((سئل رسول الله ﷺ عن صوم يوم الاثنين فقال فيه ولدت و فيه انزل على)). (عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ، مسلم ج۱ ص ۳۶۸ حدیث ۲۷۵۰، مشکوۃ باب صیام التطوع ص ۱۷۹)

"آپ ﷺ نے سوموار کے روزے کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھ پر قرآن اتارا گیا"۔

ثابت ہوا کہ "دوشنبہ کا روزہ اس لیے سنت ہے کہ یہ دِن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں یادگار منانا سنت ہے اس کے لیے دِن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ"۔ اس حدیث شریف سے بے شک سوموار کے روزے کا استحباب ثابت ہوا مگر مفتی صاحب شیرینی کا ذکر کر کے اس سے عید میلاد ثابت کرتے ہیں۔ انھیں اتنا علم نہیں کہ روزہ کے دِن عید منانا یا عید کے دِن روزہ رکھنا شیطانی کام ہے ظلم کی انتہاء ہے کہ جو مسئلہ حدیث شریف سے ثابت ہے اس پر یہ لوگ عمل نہیں کرتے مگر کھینچ تان کر اس سے اپنی بدعت ثابت کرنے میں کتنے دلیر ہیں۔ سوموار کا روزہ ثابت ہے۔ ۱۲ ربیع الاوّل کی عید ثابت نہیں۔ اگر بریلوی لوگ حضرت آدم علیہ السلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اولاد اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت ہیں تو اعلان کریں کہ آئندہ سوموار کا روزہ رکھا جائے گا محفل میلاد یا عید میلاد نہیں منائی جائے گی تو ہمیں بھی اپنا ہمنوا پائیں گے۔

﴿۲۴۴﴾ مفتی صاحب نے عاشورہ کے روزہ سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ عرض ہے کہ یہ بھی روزہ ہے۔ عید نہیں ہے۔ نیز روزہ سوموار کا ہو یا عاشورہ کا ان پر حضور ﷺ کی مہر ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں مسنون فرمایا ہے۔ کیا آپ ﷺ نے محفل میلاد یا عید میلاد کو بھی مسنون فرمایا ہے۔ کیا نبی ﷺ کی طرح کسی اور کو بھی شریعت سازی کا حق ہے۔ میں ان کی یہ بھول دور کرنا چاہتا ہوں کہ سوموار کا روزہ صرف اس لیے مسنون نہیں کہ یہ حضور ﷺ کی ولادت کا دِن ہے۔ نیز عاشورہ کا روزہ بھی فقط اسی لیے مسنون نہیں ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا دِن ہے بلکہ اس لیے مسنون ہے کہ حضور ﷺ نے ان روزوں کو اپنے قول وعمل سے مسنون فرمایا ہے۔

مفتی صاحب نے پنجگانہ نماز کی رکعتوں کو بھی مختلف پیغمبروں کی یادگاریں بتلایا ہے یہ بات ان کی کسی مِسّی روٹی میں لکھی ہوگی۔ ہمارے علم ناقص میں نہیں آئی۔ ذرا اس کتاب میں دیکھ کر یہ بھی بتلائیں کہ بیس تراویح کس پیغمبر کی یادگار ہیں۔ حج اور قربانی کا بھی اُنھوں نے ذکر کیا ہے۔ یہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں۔ مگر ہم ان پر صرف اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کی یادگار ہیں بلکہ اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے کیا جشن میلاد کے لیے بھی کوئی حکم موجود ہے۔ کیا شرعی طور پر اللہ و رسول ﷺ کے حکم کے بغیر بھی کوئی مذہبی یادگار منائی جاسکتی ہے۔ اگر اس کے نزدیک جائز ہے تو پھر صرف محفل میلاد ہی کیوں حضور ﷺ کی پوری زندگی عظیم یادگار واقعات پر مشتمل ہے۔ بلکہ سابقہ پیغمبروں کی زندگیاں بھی بہترین یادگاریں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ان میں سے بھی کئی ایک نے اپنے دشمنوں سے نجات پائی تھی انہیں چاہیے کہ ہر وقت کسی نہ کسی یادگار کو مناتے رہا کریں۔ اور اس وقت تک مناتے رہیں جب تک کہ خود یادگار نہ بن جائیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

﴿۲۴۵﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ماہِ رمضان خصوصاً شب قدر نزولِ قرآن کی وجہ سے تا قیامت افضل ہو گئے۔ روز عید حضرت اسماعیل کی قربانی کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے افضل ہو گیا اور جمعہ پیدائش آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے سید الایام ہو گیا۔ تو نبی ﷺ کی وجہ سے ربیع الاوّل اور اس کی بارھویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہو"۔ (ملخص) سوال تو یہ ہے کہ جس طرح قرآن وحدیث نے ان ایام کی فضیلت اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں کیا ربیع الاوّل اور اس کی بارھویں تاریخ کے بارے میں بھی کچھ بیان فرمایا ہے۔ مؤرخین کو تو آنحضرت ﷺ کی تاریخ پیدائش تک کے بارے میں اختلاف ہے۔ میں ایک بار پوچھتا ہوں سید الانبیاء ﷺ سوموار کو پیدا ہوئے آدم علیہ السلام جمعہ کو پیدا ہوئے پھر کیا وجہ ہے بجائے سوموار کے جمعہ سید الایام قرار پایا جب کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ ثابت ہوا کسی دِن کو فضیلت بخشنا ہمارا کام نہیں ہے۔ لہٰذا اس میدان میں قیاسات کے گھوڑے نہیں دوڑانا چاہئیں۔

مزے کی بات ہے کہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بھی ۱۲ ربیع الاوّل کو یوم وفات النبی ﷺ مانتے ہیں جبکہ آپ کی پیدائش کا دن سوموار اور تاریخ ۸ ربیع الاوّل کو لکھتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

﴿۲۴۶﴾ فرماتے ہیں "اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دِن فصد نہ کھولو کہ یہ خون کا دِن ہے۔ اسی دِن ہابیل کا قتل ہوا۔ اسی دِن حضرت حوا علیہا السلام کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات بھی ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار ہو۔ چکے تکران واقعات کی وجہ سے دِن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لیے ہوگئی“۔ سب مقام اور سب دِن اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ نے کسی مقام اور دِن کو ہمیشہ کے لیے حقیر نہیں بنایا۔ نبی ﷺ تبوک جاتے ہوئے جب قوم ثمود کی بستیوں سے گزرے تو فرمایا ظالموں کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو۔ مبادا اس قسم کا عذاب تمہیں بھی آ جائے۔ (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۷۴ حدیث ۳۳۸۰) اس سے پہلی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ثمودی کنویں سے پانی بھی نہ بھرنے دیا۔ بلکہ فرمایا اس کنویں میں سے پانی بھرو جہاں سے اونٹنی پانی پیتی تھی یعنی آپ ﷺ نے باقاعدہ وہاں قیام فرمایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے یہ باتیں عبرت پذیری کے لیے اور مقام سے نہیں بلکہ قوم ثمود سے نفرت دلانے کے لیے ارشاد فرمائی تھیں۔ وادی محصب (جہاں اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا) میں بھی نبی ﷺ نے (۱۴ ذی الحج کو) قیام فرمایا تھا۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۳۷ حدیث ۱۷۶۴) یہ عذاب والی جگہ حرم شریف کی حدود کے اندر ہے۔ لہٰذا اس کے حقیر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ طوفانِ نوح عالمگیر تھا اس کو دیکھیں تو مقام عذاب ہمیشہ کے لیے حقیر ہو جاتے تو سارا جہان ہی ہمیشہ کے لیے حقیر ہو جانا چاہیے تھا۔ پھر تو کوئٹہ بھی حقیر ہو جانا چاہیے تھا جہاں ۴۰ء میں تاریخی زلزلہ آیا تھا اور پھر تو چناب کے کنارے آباد شہر بھی حقیر ہو جانے چاہئیں تھے جہاں آئے دِن سیلاب کا عذاب آتا رہتا ہے۔ پھر تو داتا کی نگری بھی حقیر ہو جانی چاہیے جہاں آئے دِن راوی تباہیاں لاتا رہتا ہے۔

اسی طرح مفتی صاحب کا منگل کے دِن کو حقیر سمجھنا بھی توہم پرستی پر مبنی ہے اور خالص ہندوانہ ذہنیت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب دِن اچھے ہیں کوئی دِن منحوس نہیں ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ منگل کا دِن یوم الدم ہے۔ (عن کبشہ بنت ابی بکرہ عن ابیھا ابوداؤد کتاب الطب حدیث ۳۸۶۲، مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی ص ۳۸۹) [1] اوّل تو یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب وہ نہیں جو مفتی صاحب نے اخذ کیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ طبی ہے۔ جسے قمری مہینے کے نصف اوّل میں اطبا فصد کو پسند نہیں کرتے کہ ان دنوں میں خون کا غلبہ ہوتا ہے۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۸۲) ان دنوں سمندر میں بھی جوش ہوتا ہے۔ بروز منگل ہابیل کا قتل یا حیض کی ابتداء فضول قصے ہیں۔ کئی اللہ کے ولی منگل کو پیدا ہوئے یا منگل کو فوت ہوئے تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کی پیدائش یا وفات کے لیے غلط دِن کا انتخاب کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک مہینے ہفتہ اتوار سوموار اور اگلے مہینے منگل بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔ (ترمذی باب صوم الاثنین والخمیس حدیث ۷۴۶، مشکوٰۃ باب صیام التطوع ص ۱۸۰) [2] اس سے ثابت ہوا نبی ﷺ منگل سمیت کسی دن کو حقیر اور منحوس نہیں جانتے تھے۔ اگر بقول مفتی صاحب قتل ہابیل کی وجہ سے منگل کا دِن ہمیشہ کے لیے حقیر ہو گیا تو گزارش ہے کہ غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ سمیت ستر صحابہ کرام ۱۵ شوال بروز ہفتہ شہید ہوئے۔ آنحضرت ﷺ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار اللہ کو پیارے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۲۷ ذی الحج بروز جمعہ شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ۱۶ رمضان بروز جمعہ زخمی ہو کر اگلے دِن بروز ہفتہ شہید ہوئے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بروز جمعہ شہید ہوئے تو بقول مفتی صاحب قتل ہابیل کی طرح ان واقعات کی وجہ سے کیا ان مہینوں اور تاریخوں کے ساتھ حقارت ہمیشہ کے لیے چپک گئی؟ کیونکہ ان سب کا مقام و مرتبہ ہابیل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا﴾ (الحاقة: ۶، ۷)

”اور عاد بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے جو ان پر برابر لگا تار سات راتیں اور آٹھ دِن تک بحکم الٰہی چلتی رہی“۔

تخریج: [1] ضعیف ہے۔ [2] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو کیا ہفتہ کے سارے دن ہمیشہ کے لیے حقیر ہو گئے۔ مفتی صاحب نے منگل کی جو بات کی ہے حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں اس سے اگلی روایت یہ ہے:

((من احتجم او اطلی یوم السبت او الاربعاء فلا یلومن الا نفسه فی الوضع)). ❶

"جو شخص ہفتہ کو یا بدھ کو فصد (خون نکلوانا) لگوائے یا طلاء (لیپ کرانا) کرائے اور پھر اسے پھلبہری کی شکایت ہو جائے تو اپنے آپ کو ہی ملامت کرے"۔

اب کیا خیال ہے یہ دن بھی ہمیشہ کے لیے حقیر ہو گئے۔ اس حدیث کے تحت مُلا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض ایام میں تاثیر کے لحاظ سے کچھ خاصیتیں رکھی ہیں۔ (مرقات ج ۸ ص ۳۵۸)

(الف) ٹائم ٹیبل کے مطابق زندگی گزارنے کو بھی مفتی صاحب نے میلاد کے لیے دن کے تعین کی دلیل قرار دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کے اوقات کار انفرادی ہوتے ہیں وقتی ہوتے ہیں اور ردّ و بدل کے قابل ہوتے ہیں۔ عید میلاد کی طرح اجتماعی دائمی اور شرعی نہیں ہوتے۔

(ب) پھر فرماتے ہیں: "یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ تاریخ میں محفل میلاد جائز نہیں۔ اسی لیے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن میت کے تیجہ، دسواں، چالیسواں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں پھر ماہ ربیع الاوّل میں ہر جگہ پورے ماہ میں میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں"۔

مفتی صاحب نے ثابت یہ کرنا چاہا ہے کہ میلاد کے لیے کوئی تاریخ مقرر نہیں۔ لیکن مثالیں جتنی دی ہیں وہ سب اوقات مقررہ اور خاص موقعوں کی ہیں۔ کبھی محرم الحرام میں بھی جشن میلاد منا کر دکھلائیں۔

مفتی صاحب نے قرآن پاک کی آیت:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ (یونس: ۵۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے"۔

سے میلاد کی خوشیوں پر استدلال فرمایا ہے۔ (ص ۲۳۳) جسے یہ اپنی زبان میں عید میلاد بھی کہتے ہیں۔ کسی کے مرنے پر میلاد شریف منا نے سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی مرے تو بریلوی مولویوں کی عید ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ میں نے خود دیکھا ہے کہ یہ رسم قل کے موقع پر عید والی تکبیریں بھی پڑھتے ہیں۔ شیعی اور بریلوی رسمیں اکاس بیل کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ شیعہ کے لیے محرم کا مہینہ مخصوص تھا، اب یہ سارا سال مختلف ناموں سے ماتمی پروگرام کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بریلویوں کے لیے ۱۲ ربیع الاوّل مخصوص تھا، اب اِلا ماشاء اللہ یہ بھی ہر مہینے میلاد شریف منعقد کرتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک اشتہار دیکھا جس میں شعبان کے مہینے میں باقاعدہ عید منانے کا اعلان تھا۔

بریلوی حضرات ۱۲ ربیع الاوّل کو عید میلاد مناتے ہیں باقی سارا سال محفل میلاد مناتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ مثلاً عید الفطر ہوتی ہے یا عید الاضحیٰ ہوتی ہے، یوم الجمعہ ہوتا ہے اب کیا آگے پیچھے دنوں میں کوئی محفل مساء یا محفل ضحیٰ یا محفل جمعہ بھی ہوتی ہے۔ یہ محفل میلاد کے بناوٹی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں "مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں میلاد سے مشابہت ہے یا اسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دِن ہے اسے روزے کا دِن نہ بناؤ"۔ مکمل حدیث یوں ہے:

((لا تختصنوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی و لا تختصنوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام۔ الا ان یکون فی صوم یَصُوْمُ اَحَدُ کُمْ))۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج۱ ص ۳۶۱ حدیث ۲۶۸٤)

"جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ اور جمعہ کے دِن کو روزے کے ساتھ مخصوص نہ کرو مگر یہ کہ جمعہ کا دِن تمہارے روزوں کے درمیان آ جائے"۔

اس حدیث میں چونکہ دن کی تخصیص کا ذکر ہے لہٰذا مفتی صاحب نے اسے اپنے خلاف سمجھ لیا اور جواب دینے کی کوشش فرمائی۔ حالانکہ یہ حدیث ان کے خلاف بھی نہیں ہے۔ انھیں خواہ مخواہ اس سے خطرہ لاحق ہو گیا۔ حدیث کا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ جمعہ کی رات کو قیام کے لیے اور جمعہ کے دِن کو روزہ کے لیے مخصوص نہیں کرنا چاہیے۔ قیام اور صیام کے لیے باقی دنوں کی تخصیص سے منع نہیں فرمایا۔ مفتی صاحب نے جو جوابات دیئے ہیں سارے ہی بے کار ہیں مثلاً یہ کہ اس میں میلاد سے مشابہت ہے۔ سوال یہ ہے کیا یہودی جمعہ کو روزہ کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں یا اسے واجب جاننا منع ہے۔ کیا خیال ہے جس چیز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں اسے واجب نہیں صرف جائز سمجھنا چاہیے۔ فرماتے ہیں یا جمعہ کا دن عید ہے اسے روزہ نہ بناؤ۔ یہ تو بالکل گیا گزرا جواب ہے جمعہ کا دِن اگر عید ہو تو پھر مخصوص کیے بغیر بھی جمعہ کے دِن روزہ ناجائز ہونا چاہیے۔ حالانکہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((لا یَصُمْ احد کم یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او یصوم بعدهٗ))۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۶۶ حدیث ۱۹۸۵، مسلم ج۱ ص ۳۶۰ حدیث ۲۶۸۳، مشکوۃ کتاب الصوم ص ۱۷۹)

"مت روزہ رکھو جمعہ کے دِن اِلّا یہ کہ اس سے پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((کان رسول اللہ ﷺ یصوم من غرة کل شهر ثلاثة ایام و قلما کان یفطر یوم الجمعة))۔ (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ترمذی باب صوم یوم الجمعة، حدیث ۷٤۲، مشکوۃ ایضًا) ❶

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے جمعہ کو کم ہی روزے کا ناغہ کرتے تھے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو جو عید قرار دیا ہے تو اس کی وضاحت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کردی۔ فرمایا:

((یا معشر المسلمین ان هذا یوم جعله الله عیدا فاغتسلوا و من کان عنده طیب فلا یضره ان لیس منه و علیکم بالسواك))۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مؤطا مالک حدیث ۱۱۳، مشکوۃ کتاب الجمعه ص ۱۲۳) ❷

"اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دِن کو عید بنایا ہے پس غسل کیا کرو، کسی کو خوشبو میسر آ سکے تو اسے استعمال کرنے میں حرج نہیں اور مسواک کو لازم پکڑو"۔

افسوس کہ بعض نالائق اس روایت پر بھی اپنی عید میلاد کو قیاس کر لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو عید فرمایا ہے یوم میلاد کو عید نہیں

تخریج: ❶ حسن ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا۔خود شارع بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں تو مفتی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ جمعہ کا دِن عید ہے اسے روزے کا دِن نہ بناؤ۔ قبل ازیں انھوں نے لکھا ہے دوشنبہ کا روزہ اس لیے سنت ہے کہ یہ دِن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے۔ (ص ۲۴۴) اب وضاحت طلب بات یہ ہے کہ بارہ ربیع الاوّل جو بریلویوں کے بقول حضور ﷺ کی ولادت کا دِن ہے اس روز روزہ رکھنا چاہیے۔ یا عید میلاد منانی چاہیے۔ان دونوں اقتباسات کی روشنی میں سوچ کر جواب دیں۔

تاریخ کے تعین کی بات ہو رہی تھی۔ مفتی صاحب نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شاید محفل میلاد میں بس یہی ایک قابل اعتراض بات ہے کہ اس میں تاریخ کا تعین ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بذاتِ خود بدعت ہے۔ دِن کا تعین تو بدعت در بدعت ہے۔ اسے روزے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ روزہ ایک مسنون عبادت ہے۔ عیدین اور جمعہ کی تخصیص کیے بغیر اسے کبھی بھی رکھا جاسکتا ہے۔

قیام میلاد کے بیان میں

﴿۲۴۷﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "زیادہ کُبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ قیام نہیں کرسکتا۔ ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے"۔

نبی ﷺ نے آخری عمر میں بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی۔ (بخاری ص ۹۶ حدیث ۶۸۷، مسلم ج ۱ ص ۱۷۸) بیٹھنے والا نہ صرف قیام نہیں کرتا بلکہ مسنون طریقے سے رکوع بھی نہیں کرتا۔ اور یہ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ (ہدایہ ص ۸۷) فتویٰ دینے سے قبل مفتی صاحب کو اپنے ہدایہ کا مطالعہ فرمالینا چاہیے تھا۔

﴿۲۴۸﴾ فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کے روضہ پاک پر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے"۔ عالمگیری ج ۱ آخر کتاب الحج آدابِ زیارت قبر النبی ﷺ میں ہے:

((ویقف کما یقف فی الصلوٰة و یمثل صورته الکریمة کانه قائم فی لحدہٖ عالم به یسمع کلامه)). (ص ۲۶۵)

"کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ آپ کی صورت مبارک کا تصور کرے۔ یوں سمجھے کہ آپ ﷺ اپنی لحد مبارک میں کھڑے ہیں، اسے جانتے ہیں اور اس کی بات سن رہے ہیں"۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((السنة ما سنه رسول الله ﷺ)). (غنیة الطالبین مترجم ص ۱۸۰)

"سنت وہ ہے جسے نبی ﷺ مسنون فرمائیں"۔

اب سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے روضہ پر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی کونسی سنت ہے؟ قولی، فعلی، تقریری؟ کیا شرک میں کوئی کسر رہ گئی ہے۔

﴿۲۴۹﴾ فرماتے ہیں: "اسی طرح مؤمنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونا سنت ہے"۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارۃ القبور میں ہے:

((یخلع نعلیه ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلا بوجه المیت)). (ج ۵ ص ۳۵۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو"۔
یہ سنت نبوی ﷺ ہے یا سنت عالمگیری ہے؟

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لیے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھنا بے ادبی ہے"۔ جب دینی پیشوا کھڑا ہو کر جلسے میں تقریر کر رہا ہوتا ہے یا جمعہ وعیدین کا خطبہ دے رہا ہوتا ہے تو جو بریلوی حضرات بیٹھے سن رہے ہوتے ہیں کیا سب بے ادب ہوتے ہیں؟

(الف) فرماتے ہیں: "جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے انصار کو حکم دیا قوموا الی سید کم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا"۔ مفتی صاحب لوگوں کا علم ناپتے اور ان پر طنز کرتے ہیں۔ اپنی معلومات کا یہ عالم ہے، فرماتے ہیں سعد بن معاذ مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حالانکہ حضرت سعد غزوہ خندق میں زخمی ہونے کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ کے اندر زیر علاج تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۵۹۱ حدیث ۴۱۲۲) بنو قریضہ نے انھیں حکم (فیصلہ کرنے والا) بنانا تسلیم کیا تو نبی ﷺ نے انھیں (مسجد نبوی ﷺ سے) بلا بھیجا تو آپ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو نبی ﷺ نے انصار سے، فرمایا: ((**قوموا الی سید کم**))۔ (عن انس رضی اللہ عنہ ایضا)

اس حدیث میں جس مسجد کا ذکر ہے اس سے مسجد نبوی مراد نہیں بلکہ یہ مسجد بنو قریظہ کے محلے میں محاصرہ کے دوران میں تیار کی گئی تھی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۱۲) دعویٰ ان کا یہ ہے دینی پیشوا کھڑا ہو تو اس کے سامنے کھڑا رہنا سنت ہے ثبوت دیتے ہیں سعد بن معاذ والی حدیث کا جس میں کھڑا ہونے کا ذکر ہے کھڑا رہنے کا ذکر نہیں۔ کھڑا ہونے اور کھڑا رہنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اگر کوئی اُٹھ کر آنے والے کا استقبال کرنا چاہتا ہے تو اس کی ممانعت ہی نہیں۔ جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کا یا نبی ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کھڑے ہو کر استقبال کیا کرتے تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا ابوداود حدیث ۵۲۱۷، ابواب السلام ترمذی حدیث ۳۸۷۲) ✿ عکرمہ بن ابی جہل نے جب یمن سے لوٹ کر اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ بے ساختہ اس کی طرف اُٹھے۔ (عن ابن شہاب مؤطا امام مالک ص ۱۹۸ بحوالہ فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲) ✿ فتح خیبر کے موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے آئے تو آپ ﷺ نے ان کا بھی کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ (بحوالہ ایضاً) حضرت زید بن حارثہ سفر سے مدینہ منورہ لوٹے تو آپ ﷺ نے ان کا بھی کھڑے ہو کر استقبال کیا بلکہ معانقہ بھی کیا اور بوسہ بھی دیا۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا ترمذی حدیث ۲۷۳۲، باب المعانقة والقبلة مشکوٰة باب المصافحة المعانقة) ✿ جب حضرت کعب بن مالک کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے دوڑ کر ان کا استقبال کیا ان سے مصافحہ بھی کیا اور انھیں مبارکباد پیش کی۔ (بخاری ص ۶۳۴، ۶۳۶ حدیث ۴۴۱۸) حضرت سعد بن معاذ والی روایت بھی اسی مضمون پر دال ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت سعد سخت زخمی تھے چند روز بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ عین ممکن ہے نبی ﷺ نے انھیں گدھے سے اُترنے میں مدد دینے کے لیے انصار سے فرمایا ہو ((**قوموا الی سید کم**))۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

((**فانزلوہ**))۔ "پس اُنھوں نے حضرت سعد کو اُتارا"۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسند احمد بحوالہ فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ "گھوڑے سے اُتارنے کے

تخریج: ✿ صحیح ہے۔ ✿ صحیح ہے۔ ✿ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ“۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھوڑے پر نہیں بلکہ گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۹۱ حدیث ۴۱۲۲) جس شخص کو گھوڑے اور گدھے میں بھی تمیز نہ ہو اس سے حق کے پہچان کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم سب کے سب اُٹھ کر جاؤ۔ نہ یہ کہیں ذکر ہے کہ سارے ہی اُٹھ کھڑے ہوں جیسے قرآن پاک میں ہے:

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ (الحجر:۳۰) ”چنانچہ تمام فرشتوں نے سب کے سب نے سجدہ کیا“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ بے شک جمع کا بولا تھا۔ جس کا اطلاق تین پر بھی ہو سکتا ہے۔ چند ایک نے بھی عمل کر لیا تو فرض کفایہ کی طرح سب کی طرف سے فرض ادا ہو گیا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں ”گھوڑے سے اُتارنے کے لیے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا خاص انصار کو کیوں حکم دیا، ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی تھا“۔ مفتی صاحب کو شاید خون کی کشش سے انکار ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اوروں کی بہ نسبت اپنے خاندان کو ہمدردی اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی انصار صحابہ میں سے تھے جب ان کی توبہ قبول ہوئی لوگ جوق در جوق انھیں مبارک باد دے رہے تھے۔ مسجد میں داخل ہوئے، مہاجرین میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ واحد آدمی تھے جنہوں نے ان کا کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ اس محبت کو حضرت کعب کبھی فراموش نہ کر سکے۔ اصل الفاظ یوں ہیں:

((واللہ ما قام إلیَّ رجل من المهاجرين غيره ولا انساها لطلحة)). (بخاری ص ۶۳۶ حدیث ۴۴۱۸)

”مہاجرین میں سے صرف حضرت طلحہ اُٹھ کر آئے جسے میں بھلا نہیں سکتا“۔

مفتی صاحب کو اصرار ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے انصار کا قیام تعظیمی تھا۔ تعظیم کے لیے بھی ہو تو اس سے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ بڑے آدمی کا احترام و اکرام تو ہمارا ایمان ہے اور ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبيرنا ... الخ)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی باب رحمة الصبيان حديث ۱۹۲۱، مشكوة باب الشفقة والرحمة على الخلق ج ۳ ص ۴۲۳) ❶

”جو ہمارے بچوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں“۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ آیا انصار صحابہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے بت بن کر کھڑے رہے تھے۔ جیسا کہ مفتی صاحب کا دعویٰ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ((قوموا الی سیدکم)) فرمایا تھا ((قوموا السیدکم)) نہیں فرمایا تھا۔ مفتی صاحب نے الی کا معنی لیا کیا ہے جو غلط ہے؟ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار)). (عن معاویہ رضی اللہ عنہ ترمذی باب كراهية قيام الرجل للرجل حديث ۲۷۵۵، مشكوة باب القيام ص ۴۰۳) ❷

”جسے یہ بات اچھی لگے کہ لوگ اس کے لیے بت بن کر کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے“۔

دیکھیے یہاں لہ کا حرف ہے اور اس قیام کے پسند کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید سنائی ہے۔ یاد رہے آنے والے کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا بھی صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کوئی واقعی اس کا استقبال کرنا چاہتا ہو یا مصافحہ وغیرہ کرنا چاہتا ہو یا اور کوئی خدمت بجا

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لانا چاہتا ہو پوری مجلس کا بے مقصد اُٹھ کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر محبوب نہیں تھا۔ تاہم وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مکروہ جانتے ہیں۔ (عن انس رضی اللہ عنہ ترمذی حدیث ۲۷۵۴ باب ایضاً مشکوٰۃ ایضاً) ❶ قبل ازیں ذکر آیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی تھے اس لیے ممکن ہے گدھے سے اُترنے میں مدد دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو ((قوموا الی سیدکم))۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں "جن لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لیے ہے وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ (المائدہ: ٦) "اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اُٹھو۔"

کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اسکی امداد کے لیے کھڑا ہونا ہے"۔ عرض ہے کہ لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر اس قیام کو بیماری کے لیے قرار نہیں دیا بلکہ الگ معلوم ہے کہ وہ سخت زخمی تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۵۹۱ حدیث ۴۱۲۲) حرف الی اگر بیماری کے لیے نہیں تو تعظیم کے لیے بھی نہیں وضع کیا گیا۔

﴿۲۵۰﴾ مفتی صاحب ایک حدیث کے ان الفاظ سے بھی استدلال فرمایا ہے:

((فاذا قام قمنا قیاما حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد حدیث ۴۷۷۵، مشکوٰۃ باب القیام ص ۴۰۳) ❷

"پس آپ جب کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہم دیکھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی صاحبہ کے گھر میں داخل ہو گئے ہیں"۔

یہ استدلال بلاوجہ ہے اس میں مجلس کی برخاستگی کا ذکر ہے۔ یعنی سب اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ اس لیے رُک جاتے ہوں گے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کوئی کام کہہ دیں۔ مفتی صاحب نے شروع کے یہ الفاظ نقل نہیں فرمائے:

((کان یجلس معنا فی المجلس یحدثنا)). "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مجلس میں بیٹھ کر گفتگو فرماتے"۔

تاکہ قارئین کو پتہ نہ چل جائے کہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے ہوتے تھے۔ اس سے پہلے مفتی صاحب فتاویٰ عالمگیری کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں:

و یقف کما یقف فی الصلوۃ. "روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑے ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہونا ہے"۔ (ص ۲۴۹)

سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مطہرہ میں کھڑے ہیں یا بیٹھے ہیں یا لیٹے ہوئے ہیں۔ جب زندگی میں بیٹھے ہونے کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے نہیں ہوتے تو وفات کے بعد لیٹے ہونے کی حالت میں روضہ مطہرہ کے سامنے یا کہیں بھی کھڑے ہونے کا مسئلہ کہاں سے نکل آیا۔ بلکہ مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے: جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لیے کھڑا ہونا سنت اور بیٹھنا بے ادبی ہے۔ میں قیام میلاد کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور سامنے کھڑے ہیں۔ تو تمہیں کیسے پتہ چلتا ہے کہ وہ اب

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ اس کی سند ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا چکے ہیں لہٰذا بیٹھ جاؤ۔ آپ ﷺ کو حاضر ناظر سمجھنے والو! تم صدا کھڑے رہا کرو کیونکہ آپ ﷺ تو ہر وقت یہاں موجود رہتے ہیں۔ یہ بھی عرض کردوں کہ اذا قام قمنا والی روایت میں محمد بن ہلال متفرد اور مجہول ہے۔ (میزان)

﴿۲۵۱﴾ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اُٹھ کر استقبال کیا تھا، مفتی صاحب نے اس سے بھی استدلال کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک خوشخبری سنائی:

((فقمت الیه وقلت بأبي انت احق بها)). (مسند احمد ج۱ ص ٦ مشکوۃ باب الایمان ص ١٦) ❶

”تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان، آپ ﷺ ہی اس لائق ہیں“۔

مفتی صاحب قیام کے بارے میں دلیلیں تو یوں دیتے ہیں جیسے ہمیں مطلق قیام پر اعتراض ہو۔ قیام تو نبی ﷺ نے ایک بار پیشاب کرتے وقت بھی کیا تھا۔ (عن حذیفہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۵ حدیث ۲۲۴) اور حالت پیشاب میں قیام حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔ (فتح الباری ج۱ ص ۳۳۰)

﴿۲۵۲﴾ فرماتے ہیں: معلوم ہوا کہ فضلاء کے لیے قیام تعظیمی جائز ہے۔ مفتی صاحب کو خواہ مخواہ ہی بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نبی ﷺ کا قیام تعظیمی تھا؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے تعظیمی تھا؟ عکرمہ بن ابی جہل کے لیے تعظیمی تھا؟ پیشاب کے لیے تعظیمی تھا؟ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک یہودی عورت کے جنازہ کے لیے قیام کیا اس میں با قاعدہ فقام لها کے الفاظ ہیں۔ (عن جابر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۷۵ حدیث ۱۳۱۱، مسلم ج۱ ص ۳۱۰ حدیث ۲۲۲۲، مشکوۃ کتاب الجنائز ص ۱۴۴) تو کیا آپ ﷺ کا یہ قیام تعظیمی تھا؟ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کا جنازہ دیکھ کر قیام کیا۔ عرض کیا گیا تو فرمایا:

((الیست نفسا)). ”کیا یہ انسان نہیں ہے“۔ (عن سهل رضی اللہ عنہ بن حنیف و قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۷۵ حدیث ۱۳۱۲، مسلم ج۱ ص ۳۱۰ حدیث ۲۲۲۵، مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ الخ ص ۱۴۵)

تو کیا یہ قیام بھی تعظیمی تھا؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((القیام علی سبیل الاعظام مکروہ و علی سبیل الاکرام لا یکرہ)).

”تعظیم کے لیے قیام مکروہ ہے عزت کے لیے مکروہ نہیں“۔

یہ حوالہ نقل کر کے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((هذا تفصیل حسن)). ”یہ اچھی تفصیل ہے“۔ (فتح الباری ج۱۱ ص ۵٤)

﴿۲۵۳﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں اس تحقیق سے پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت صالحین سے ثابت ہے۔ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے کونسی خوشی ہو سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے“۔

چودھویں صدی کے یہ محققین اگر ایک مثال بھی دے دیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی محفل میلاد منائی ہو یا ذکر ولادت سن کر

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیام َیا ہو تو بحث ختم ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان کے نزدیک ذکر ولادت سے بڑھ کر کوئی شے محبوب نہیں یا نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی شے محبوب نہیں تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کا کوئی محب ہے؟ مفتی صاحب نے گذشتہ صفحات میں متعدد آیات واحادیث پیش کی ہیں جوان کے خیال میں محفل میلاد یا ذکرِ میلاد ہیں تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں سُن کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ بینوا توجروا۔

﴿۲۶۴﴾ مفتی صاحب نے ہر بدعت کی طرح یہاں بھی ((ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن)) سے استدلال کیا ہے جس کا متعدد بار جواب ہو چکا ہے۔ لکھتے ہیں ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ﴾ (الفتح:۹) "اوراس کی مدد کرواوراس کا ادب کرو"۔

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہواس طرح کرو۔ یعنی زمانہ اور جگہ دیکھ کر بریلویوں کا مذہب گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ انھیں اس سے غرض نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی کس طرح عزت کرتے تھے اور حرمین شریفین میں کیا ہوتا تھا۔ انھیں بس اس سے دلچسپی ہے کہ فی زمانہ پاک و ہند میں کیا ہوتا ہے یا آج گجرات اور کاٹھیاواڑ کے بریلوی کیا کرتے ہیں؟ یہ اپنے آپ کو اہل سنت کہلاتے ہیں۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ﴿بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾۔

(الف) فرماتے ہیں "ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہٰذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے"۔ اب ہم نے تو ہر جج کو بیٹھ کر ہی حکم سناتے دیکھا ہے، لہٰذا ان کے اپنے قاعدے کی رو سے ہی اب بریلوی مذہب کو بھی بیٹھ جانا چاہیے ان کے دینی پیشوا ہر جمعہ کو خطبہ سے پہلے بیٹھ کر ذکر محبوب کرتے ہیں اور ایک سیکنڈ کے لیے بھی کھڑے نہیں ہوتے۔ سامعین بھی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا یہ بے ادبی نہیں ہے؟ دینی پیشوا کی بھی اور حضور ﷺ کی بھی۔ بلکہ ان کے ہاں جب خاص نعت خوانی کی محفل ہو رہی ہوتی ہے ذکر ولادت اور ذکر محبوب ہو رہا ہوتا ہے تب بھی ان کے سب سامعین مزے سے بیٹھے ہوتے ہیں حالانکہ مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت سلف صالحین ہے۔ (ص ۲۵۲)

(ب) فرماتے ہیں: "زردہ قورمہ سب ہی حلال ہیں خیر القرون میں ہو یا نہ ہوایسے ہی تُوَقِّرُوْهُ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو" عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے۔ مفتی صاحب نے نبی ﷺ کی تعظیم کو زردے اور قورمے سے تشبیہ دے کر شریعت اور غیر شریعت کا فرق مٹا دیا ہے۔ بلکہ اس سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کی مرضی ہے زردہ قورمہ کھائے یا نہ کھائے اسی طرح حضور ﷺ کی تعظیم بھی صرف جائز ہے کرے یا نہ کرے۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ "ہر قسم کی جائز تعظیم کرو" ایک لطیفہ سے کم نہیں ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے جائز کھانا جائز ہے۔ یعنی جس شے کو جائز کہہ دیا پھر اس کے متعلق یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی اجازت ہے۔ جائز شے تو جائز ہی ہوتی ہے۔ اس کے مزید جواز کے لیے تو کسی مفتی کے فتویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ گستاخی نہ ہو تو عرض کروں جس طرح زردہ قورمہ کھا کر انسان ٹٹی کر دیتا ہے اسی طرح ان کی بے ثبوت شرکیہ تعظیم بھی فضلے میں پھینک دی جائے گی۔ اور شرک کی نجاست کی وجہ سے تمام نیک اعمال بھی ضائع کر دیئے جائیں گے۔ مشرکین مکہ کے سرغنہ ابو جہل نے بھی ۵۲ حج کئے تھے، وہ بھی الحاج ابو جہل تھا۔ (البدایہ والنہایہ)

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾﴾ (الفرقان:۲۳)

"اورانھوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انھیں پراگندہ ذرّوں کی طرح کر دینگے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) مفتی صاحب لکھتے ہیں، ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج:۳۲)

"اور اللہ کی نشانیوں کی جو عزت کرے حرمت کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے"۔

پھر لکھتے ہیں: "ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہٰذا اس کی تعظیم بھی بہتر ہے۔ وہ قیام سے حاصل ہے۔ نبی ﷺ کی محبت ہمارا ایمان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسی ایمان کو معتبر قرار دیا ہے اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہو۔

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرہ:۱۳۷) "اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں"۔

نبی ﷺ نے بھی اسی جماعت کو ناجیہ قرار دیا ہے جن کا عمل ((ما انا علیه و اصحابی)) (عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ترمذی کتاب الایمان حدیث ۲۶۴۱، مشکوۃ باب الاعتصام ص ۳۰) [1] "میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوگا" کے مطابق ہو۔ تعظیم رسول کے مسئلہ میں جن لوگوں نے خیر القرون سے راہنمائی لینے کو ضروری نہیں سمجھا اس آیت اور حدیث کے آئینہ میں انھیں اپنا مکروہ چہرہ دیکھ لینا چاہیے۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی محفل میلاد منعقد کرتے تھے اور آپ کا ذکر ولادت پر یا آپ کی فرضی آمد پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اگر قیام سے تعظیم حاصل ہوتی ہے تو بریلویوں کو اپنی مجلسوں پر بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ ذکر حبیب کی مجلس میں بیٹھے ہوؤں کو اُٹھا دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب "بے ادب" ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب ((ومن یعظم شعائر اللّٰہ)) کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "شعائر اللّٰہ سے مراد ہدایا اور بُدنے (اونٹ) ہیں اور ان کی تعظیم یہ ہے کہ فربہ، خوبصورت اور قیمتی ہوں"۔ مگر اس کا کیا کیا جائے بریلوی مولویوں نے اپنے مریدوں سے میلادیں کروا کروا کر خود ہی فربہ ہونا شروع کر دیا ہوا ہے۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا ہے مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں"۔ مفتی صاحب محفل میلاد ثابت نہیں کر سکے۔ آٹھ دلائل سے قیام ثابت کر دیا ہے کہتے ہیں مخالفین محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ خود تو خیر القرون سے ثبوت لینا ضروری نہیں سمجھتے اور الزام مخالفین کو دیتے ہیں کہ جن کے پاس باقاعدہ یہ دلیل موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دین میں ہر نئی بات کو مردود فرمایا ہے۔ گویا ان کے نزدیک حضور ﷺ کی حدیث رائے ہوگئی اور ان کی رائے حدیث ہوئی اور تعظیم ہوگئی۔

سوال یہ ہے کیا حضور ﷺ کا فرمان شعائر اللّٰہ سے نہیں۔ کیا اس کی تعظیم ان پر فرض نہیں؟

یہ تو ایک محفل میلاد یا قیام میلاد کا معاملہ ہے بریلوی مذہب کے بانی مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنے مذہب کی تائید میں ایک بزرگ کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔ (ترجمہ) نبی علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا نہ کہہ باقی حضور ﷺ کی مدح میں جو کچھ تیرے جی میں آئے کہہ اور مضبوطی سے حکم لگا۔ تو ان کی ذات کی طرف جتنا چاہے شرف منسوب کرو۔ اگر عالم ناسوت میں کوئی صورت الوہیت فرض کی جاتی تو وہ نہ ہوتی مگر محمد رسول اللہ (ﷺ)۔ (ملفوظات ص ۱۸۴)

قیام میلاد پر اعتراض و جواب

﴿۲۵۵﴾ علماء کرام کی تشریف آوری پر جو استقبال کیا جاتا ہے اور جلسہ گاہ کو سجایا جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے اس سے بھی قیام میلاد پر

تخریج: [1] شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

استدلال فرمایا ہے۔ مفتی صاحب قیامِ میلاد پر بحث یوں فرما رہے ہیں جیسے محفل میلاد کو ثابت کر چکے ہوں۔ اب صرف قیام ثابت کرنا باقی رہ گیا ہو۔ جس شاندار استقبال کا انھوں نے ذکر کیا ہے وہ دین کا حصہ نہیں ہے نہ کوئی مذہبی رسم ہے جب کہ محفل میلاد یا عید میلاد دینی رسم کے طور پر منائی جاتی ہے۔ فافترقا۔ میں پوچھتا ہوں جن علماء کا انھوں نے ذکر کیا ہے وہ جلسہ گاہ میں بذاتِ خود تشریف لاتے ہیں یا ان کی روحیں آتی ہیں یا ان کا ذکر آتا ہے یا ان کا ذکر ولادت آتا ہے۔ بریلوی مولوی جسم وروح کے ساتھ نبی ﷺ کی آمد ثابت کر دیں اور آنکھوں سے دکھلا دیں تو خدا کی قسم اتنا زبردست استقبال کریں گے کہ مدینہ منورہ کے استقبال کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ اتنا عظیم الشان استقبال کہ یوم ایجاد سے لے کر آج تک منائی گئی تمام عید میلادوں کو مات دے دے گا اتنا بڑا جشن چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ مگر یہ کیسے ثابت کریں گے؟ یہ تو خود کربلائے معلیٰ کی طرح روضہ مبارک کی شبیہیں یعنی موت کے ثبوت اپنے ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں۔

فرماتے ہیں: "امام مالک رحمہ اللہ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ کہیے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے"۔ اگر امام مالک رحمہ اللہ اسی بات کو مسئلہ شریعت کا حصہ بنا دیتے اور مدینہ منورہ میں گھڑسواری کرنے والوں کو بے ادب اور گستاخ ٹھہراتے تو ہم ضرور ان کی مخالفت کرتے۔ خود بریلویوں نے بھی اس تعظیم کو نہیں مانا ہے۔ یہ مدینہ منورہ میں گاڑیوں پر سوار دوڑتے پھرتے ہیں۔ بلکہ خود پاکستان میں حضور ﷺ کی آمد والے دِن یہ گھوڑوں پر سوار دوڑے بھاگے پھرتے ہیں۔ شیعہ ایک گھوڑا نکالتے ہیں بریلوی گھوڑوں اور ٹریکٹروں کا پورا جلوس نکال دیتے ہیں۔ مفتی صاحب کو امام مالک رحمہ اللہ کی ادا اگر پسند آئی ہے تو کم از کم انہی سے رسم میلاد ثابت کر دیں۔ مفتی صاحب نے لکھا ہے "مدینہ پاک کی زمین پاک" بریلوی حضرات صرف لکھنے بولنے کی حد تک پاک پاک کی رٹ لگاتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حنفیوں کے نزدیک مدینہ منورہ سرے سے حرم ہی نہیں ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((المدینة حرم)). "مدینہ منورہ حرم ہے"۔ (عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ، بخاری ص ۲۵۱ حدیث ۱۸۷۰)

یعنی ان کے دِل میں نہ حضور ﷺ کے فرمان کا احترام ہے نہ حضور ﷺ کے شہر کا احترام ہے اور ہمیں سناتے ہیں وَتُوَقِّرُوْهُ. وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ۔ کیا ہی بات ہے۔

مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: "اگر ذکر رسول ﷺ کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور میلاد شریف میں اوّل ہی سے کھڑے رہا کرو یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے اور درمیان میں کھڑے ہو گئے"۔

۲۵۶ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "کیوں صاحب نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہیں اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ ہر ذکر کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا؟" گزارش ہے اگر ہم نے یہ دعویٰ کیا ہوتا کہ نماز فقط قیام کا نام ہے تب مفتی صاحب کہہ سکتے تھے کہ پھر رکوع کیوں کرتے ہو سجدہ کیوں کرتے ہو وغیرہ۔ ہمارا تو کوئی ایسا دعویٰ ہی نہیں ہے۔ برخلاف مفتی صاحب کے کہ یہ مسلسل ثابت کر رہے ہیں کہ ذکر ولادت کے وقت اور ذکر محبوب کے وقت قیام کرنا چاہیے اور یہ کہ تعظیم قیام سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا معترض کے مطابق انھیں میلاد کی محفلوں بلکہ نعت قوالی کی محفلوں میں بھی مسلسل کھڑے رہنا چاہیے۔ رکوع وسجود کی مثالیں دے کر اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر بریلویوں کا قیام نماز کے قیام جیسا ہے تو پھر میلاد کی تعظیم میں رکوع وسجود بھی کر لیا کریں۔ کس مائی کے لال میں جرأت ہے کہ انھیں روکے کیونکہ جب بارگاہِ نبوت میں نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا سنت ہے (ص ۲۴۸) تو رکوع وسجود بھی کر لینے میں کیا حرج ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۵۷ مفتی صاحب فرماتے ہیں "نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں اور رمل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے"۔ عرض ہے کہ طواف کا یہ طریقہ نبی ﷺ نے مسنون فرمایا ہے۔ میلاد کا قیام بریلویوں نے "مسنون" فرمایا ہے۔ میلاد کا قعود کس نے مسنون فرمایا ہے، دعویٰ قیام کے بعد اس قعود کے استثناء کا بھی تو کوئی ثبوت ہونا چاہیے نا۔

(الف) ایک اعتراض کے جواب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا۔ اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا"۔ بریلویوں کے مشہور مولوی عبدالسمیع صاحب محمد بن یحییٰ مفتی حنابلہ سے اپنی تائید میں نقل کرتے ہیں:

((یجب القیام عند ذکر ولادته ﷺ)). "نبی ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام واجب ہے"۔ (انوار ساطعہ ص ۲۵۰)

نیز بریلویوں کے مشہور و معتبر فتاویٰ غایۃ المرام میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں۔ تعظیم کے واسطے کھڑا ہونا فرض ہے۔ قیام نہ کرنے والا کافر ہے۔ (ص ۵۵، ۵۶، ۶۷، ۷۱)

قبل ازیں خود مفتی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ "دینی پیشوا کے سامنے کھڑا ہو تو اس کے لیے کھڑا ہونا سنت اور بیٹھے رہنا بے ادبی ہے"۔ (ص ۲۴۹) تو کیا بے ادبی گناہ اور ادب واجب نہیں ہے۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں "حدیث میں آیا ہے کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے"۔

مگر ان کی فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

((ویستحب حلق الراس فی کل جمعة)). "ہر جمعہ کو ٹنڈ کرانا مستحب ہے"۔ (ج ۵ باب ۱۶ ص ۳۵۷)

(ج) فرماتے ہیں "ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں۔ خاص گائے کی قربانی واجب نہیں مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا۔ اسی طرح محفل میلاد، قیام وغیرہ ہے"۔ گزارش ہے کہ گائے کے بارے میں تو قرآن پاک میں ہے کہ یہ حلال ہے۔ کیا محفل میلاد کے بارے میں بھی کوئی آیت ہے کہ یہ بھی حلال ہے۔ بے شک ہندو گائے کے ذبیحہ سے روکتے ہیں مگر محفل میلاد سے تو نہیں روکتے بلکہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ بڑوں کی سالگرہ منانا ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی رسم ہے۔ اور عید میلاد سمیت بریلویوں کا سارا مذہب ہندوؤں ہی سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا گائے کی مثال دے کر مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ اسی طرح محفل میلاد وغیرہ کتنی بے جوڑ بات ہے۔ مفتی صاحب نے قرآن پاک کو اور مردود بدعت کو ایک برابر کر دیا ہے۔

۲۵۸ مفتی صاحب نے بطور اعتراض تین حدیثیں نقل فرمائی ہیں:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حضور ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کو یہ ناپسند ہے۔ (عن انس رضی اللہ عنہ ترمذی حدیث ۲۷۵۴ باب کراھیۃ قیام الرجل للرجل مشکوٰۃ باب القیام ص ۴۰۳) ❶

② جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔ (عن معاویہ رضی اللہ عنہ ترمذی ایضا حدیث ۲۷۵۵، مشکوٰۃ ایضا) ❷

③ ((لا تقوموا کما یقوم الاعاجم)). (عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ باب یعظمہ الرجل یقول للرجل، مشکوٰۃ ایضا) ❸

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو"۔

جواب میں فرماتے ہیں: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام سے کراہت فرمانا تواضعاً وانکساراً تھا"۔ مفتی صاحب اس بارے میں ایک بھی دلیل نہیں دے سکے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر کھڑے ہو گئے ہوں۔ قیام سے کراہت فرمانے کی تواضع و انکسار پر محمول کرنا بریلویوں کا روایتی حربہ ہے۔ کیا صحابہ کرام کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطور انکسار کراہت فرما رہے ہیں ورنہ یہ نہایت مستحب امر ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب کے الفاظ میں وہ کبھی کیوں نہ کھڑے ہوتے تھے۔ دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لیے کھڑا نہ ہونے کو مفتی صاحب نے بے ادبی لکھا ہے۔ (ص ۲۴۹) تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے ادب تھے؟ یا کیا کبھی کبھی بے ادبی جائز ہے؟

۲۵۹ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "قیام اس کے لیے منع ہے جو خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں"۔ میں کہتا ہوں پہلے بریلویوں کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہی رہتے ہیں یا بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر کھڑے ہی رہتے ہیں تو آنے والے کو نہ بٹھانا بڑی بدتمیزی ہے اور اگر بیٹھ جاتے ہیں تو پھر بقول مفتی صاحب لوگوں کا کھڑا ہونا ممنوع ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس جگہ کھڑے یا کس جگہ بیٹھے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر بیٹھے ہوں اور عشاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے مائک کے گرد گھیرا ڈالے یہ پڑھ رہے ہوں ؎

دم بدم پڑھو درود
حضرت بھی ہیں یہاں موجود

۲۶۰ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں ہے"۔ ان کے تجاہل عارفانہ پر قربان ہو جایئے جب شریعت میں محفل میلاد کا سرے سے ثبوت ہی نہیں تو اس کے قیام کی ممانعت کا سوال کیسے پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے یہ بحث شروع کر دی جائے کہ محفل شراب میں شراب بیٹھ کر پینی چاہیے یا کھڑے ہو کر جب کہ اسلام میں محفل شراب جائز ہی نہیں۔

مفتی صاحب نے قبل ازیں لکھا ہے کہ دینی پیشوا کے سامنے کھڑا ہو تو اس کے لیے کھڑا ہونا سنت اور بیٹھنا بے ادبی ہے۔ (ص ۲۴۹) سوال یہ ہے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں سامنے کھڑے ہوتے ہیں؟

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگر تعظیم قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ کیوں جائز ہے؟" اگر یہ تمثل کی شکل ہوتی ہے تب تو واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ دیوبندیوں میں بھی بریلویوں کی طرح شخصیت پرستی کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ بہر حال ایک غلط عمل دوسرے غلط عمل کے لیے دلیل نہیں بن جاتا۔ مفتی صاحب کے لیے دیوبندیوں کی اس کمزوری سے خوش ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ کم از کم اتنا تو فرق ہے کہ زندوں کے لیے قیام کرتے ہیں، مُردوں کے لیے نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں

﴿۲۶۱﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں "حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوا کر فرمایا:

((فھذہ لام سعد)). (عن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد فصل سقی الماء حدیث ۱۶۸۱، مشکوۃ باب فصل الصدقہ ص ۱۶۹) ❶

"یہ اُم سعد کے لیے ہے"۔

"فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا"۔اس کی کوئی سند صحیح نہیں۔ بالفرض صحیح ہو تو اس سے کسی مخصوص قسم کے حلوے، مانڈے کا نہیں عام طور پر رفاہِ عامہ کے کاموں کا ثبوت ملتا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔

(الف) فرماتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا:

((من یضمن لی منکم ان یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین أو اربعًا و یقول ھذہ لابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)). (عن صالح بن درھم ابوداؤد حدیث ۴۳۰۸ و کتاب الملاحم مشکوۃ باب الملاحم ص ۴۶۸) ❷

"میرے لیے تم میں کون ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں دو رکعتیں یا چار رکعت پڑھے اور کہے یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہیں"۔

یہ بالکل ضعیف ہے۔

(ب) لکھا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (بقرہ: ۲۸۶) "جو نیکی کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے"۔

﴿لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (نجم: ۳۹) "ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی"۔

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لیے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ لام ملکیت کا ہے، یعنی انسان کے لیے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں۔ مطلب یہ کہ ان آیات میں غیر کے اعمال کا مالک ہونے کی نفی ہے اور ان سے فائدہ پہنچنے کی نفی نہیں ہے۔ گزارش ہے کہ اعمال کا ملک بھی تو فقط فائدہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اگر دوسروں کے اعمال سے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو یہ آیات بے معنی اور بے فائدہ ہو جاتی ہیں۔ مفتی صاحب نے اعتراف کر لیا ہے کہ اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں۔ لہٰذا اہل بدعت اپنے مولوی صاحب کی وساطت سے میت کو اتنے قرآن ملک کرنا باطل ہو گیا۔

(ج) دوسری تاویل یہ کی ہے کہ "یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا"۔ وجہ یہ ہے ﴿لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ اس سے ذرا پہلے یہ الفاظ ہیں:

﴿أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۝ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۝﴾ (نجم: ۳۶، ۳۷)

"کیا اسے بتلایا نہیں گیا جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کہ جنہوں نے وفا کی"۔

غور فرمایئے جس حقیقت کو اللہ تعالیٰ سابقہ صحیفوں کے حوالے سے مؤکد فرما رہا ہے، یہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ یعنی یہ اسلام کا حکم ہی نہیں تو پھر قرآن پاک میں حوالہ دینے کا مقصد؟ یہاں تو مفتی صاحب نے یہ بات کہہ دی ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔ ❷ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کیا تاویل کریں گے۔ وہاں تو سابقہ صحیفوں کا ذکر نہیں۔ اسی طرح:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ﴾ (البقرہ: ۱۴۱)

"یہ اُمت ہے جو گزر چکی جو انھوں نے کیا ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمہارے لیے"۔

اس میں بھی پچھلے صحیفوں کا ذکر نہیں۔ نیز یہ کوئی قانون نہیں جہاں پچھلے صحیفوں کا ذکر ہوا سے اسلام کا حکم نہ سمجھا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٧﴾﴾

"بلکہ تم دنیا کا جینا سامنے رکھتے ہو اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے"۔

﴿إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾﴾ (الاعلیٰ: ۱۶ تا ۱۹)

"یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں یعنی ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں"۔

تو کیا بریلویوں کے لیے دنیا آخرت سے بہتر ہے۔ خدا نہ کرے۔ ویسے معاملہ کچھ ایسے ہی نظر آتا ہے۔

نیز ﴿لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ سے متصل پہلے یہ آیت ہے:

﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ "کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا"۔

تو کیا یہ بھی سابقہ صحیفوں کا حکم ہے۔ کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ جرم کوئی کرے اور پکڑا دوسرا جائے گناہ کوئی کرے سزا دوسرا بھگتے۔ یعنی جب ایصال گناہ جائز نہیں ایصالِ ثواب کیسے جائز ہوگا۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے یا اللہ میں نے یہ گناہ کیا ہے اس کا وبال فلاں پر ڈال دے۔ تو کیا یہ بے ہودگی ماننے میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں اصول اکٹھے بیان فرمائے ہیں۔ جب ایک کے گناہ کا عذاب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا تو ثواب پہنچانے کے لیے کیا کوئی الگ پارسل آفس کھلا ہے۔

(د) فرماتے ہیں یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

﴿وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ﴾ (الطور: ۲۱) "اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی"۔

یہ ہی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اسی لیے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کے طفیل جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل درجات پائیں گے"۔ منسوخ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض علماء نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کی بھی ضرورت نہیں نسخ یا تطبیق کی ضرورت تو تب ہے اگر یہ آیتیں باہم متعارض ہوں۔ اس آیت میں ایصال ثواب یا ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کا تو کوئی ثبوت نہیں۔

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المرء مع من احب)). "آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی"۔ (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۱۱ حدیث ۶۰۴۱، مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ حدیث ۶۷۱۸، مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ص ۴۶۲)

یا جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۚ﴾ (النساء: ۶۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور جو اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ بہترین رفیق ہیں یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جائیں گے"۔سوال یہ ہے کہ کیا کافروں کے بچے جہنم میں جائیں گے؟ وہ اگر جنت میں جائیں گے تو کس کے عمل کی طفیل جنت میں جائیں گے۔ اللہ کا فضل ہی سب پر سایہ فگن ہوگا۔ آگے چل کر مفتی صاحب نے بھی ایک تاویل فضل سے کی ہے تو فضل من جانب اللہ ہوتا ہے۔ ایصال ثواب نہیں ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اعمال اپنے ہوں یا بیگانے ان کی بدولت جنت میں کوئی بھی نہیں جائے گا۔ نبیوں سمیت سب اللہ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۵۷)

(ذ) مفتی صاحب فرماتے ہیں "یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے اس لیے ان میں کسب وسعی کا ذکر ہے نہ کہ ہبۂ ثواب کا"۔ یہ آپ کی چوتھی تاویل ہے۔ عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ کسب وسعی کے بغیر تو کوئی بھی عمل نہیں نہ مالی بدنی نہ نیابت نہ ہبہ ثواب۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو کسب وسعی کے الفاظ کے بغیر بھی بیان فرمایا ہے:

﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ﴾ (یونس: ۱۰۸)

"جو شخص راہِ راست پر آ جائے سو وہ اپنے واسطے راہِ راست پر آئے گا اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا"۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۴۶)

"جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کے لیے اور جو بُرا کام کرے گا اس کا وبال بھی اس پر ہے"۔

﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النمل: ۹۰)

"صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو تم کرتے رہے"۔

مفتی صاحب نے اس بحث کے آغاز میں لکھا ہے بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں۔ یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز وقف پڑھ لے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ ہاں نماز کا ثواب بخشا جا سکتا ہے۔ (ص ۲۶۰) بدنی عبادت میں نماز کی نیابت تو واقعی ثابت نہیں لیکن میت کی طرف سے روزے کی نیابت ثابت ہے جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

((من مات و علیه صیام صام عنه ولیه)). (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسلم ج۱ ص ۳۶۲ حدیث ۲۶۹۲، بخاری ص ۲۶۲ حدیث ۱۹۵۲، مشکوۃ باب القضاء ص ۱۷۸)

"جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے"۔

ان کا یہ کہنا کہ نماز کا ثواب بخشا جائے گا اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔ یعنی جو بات ثابت ہے اسے یہ نہیں مانتے اور جو صحیح ثابت نہیں اس پر ان کا ایمان ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۴۱ حدیث ۴۲۲۳، مشکوۃ کتاب العلم ص ۳۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"انسان فوت ہو جائے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دُعا کرے"۔

اس سے ثابت ہوا انسان کو اپنے ہی اعمال کا فائدہ پہنچتا ہے۔ البتہ اس کے کچھ اعمال وقتی ہوتے ہیں اور کچھ جاری رہنے والے ہوتے ہیں۔ نیک اولاد بھی اس کی اپنی نیکی ہوتی ہے۔ وہ جس قسم کی نیکی بھی کریں گے اس کا انھیں فائدہ ہوگا جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا کنواں اسی طرح جو شخص کسی کو نیکی کی راہ بتلائے اس نیکی کا ثواب بھی اسے ملے گا۔ کیونکہ یہ درحقیقت اسی کی نیکی اور کوشش ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله)). (عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۱۳۷ حدیث ۴۸۹۹)

"جو شخص نیکی کی طرف راہنمائی کرے اسے عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا"۔

((من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شیء ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فعلیه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اوزارهم شیء)). (عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ حدیث ۶۸۰۰)

"جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اسے اس نیکی کا بھی اور اس کے بعد جو بھی اس پر عمل کرے گا بغیر کسی کمی کے اس نیکی کا ثواب بھی ملے گا۔ بُرا طریقہ جاری کرنے کا گناہ بھی علیٰ ہذا القیاس"۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں "فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شاخیں ہیں"۔ عرض ہے کہ جب ایصالِ ثواب کا درخت ہی ثابت نہیں تو شاخیں کہاں سے نکل آئیں۔ ہوا میں پھوٹ پڑیں۔

(ذ) فرماتے ہیں "فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچا دیا جاتا ہے"۔ سوال یہ ہے کیا عبادت کی مخصوص شکل وضع کرنے کے لیے ہمیں اللہ اور اس کے رسول سے راہنمائی لینے کی ضرورت نہیں۔ آخر اس آیت کا کیا مطلب ہے:

﴿وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۹۸) "اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمھیں ہدایت دی"۔

۲۶۲ مفتی صاحب فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دِن اور چھٹے ماہ اور سال بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ، ششماہی اور برسی کا اصل ہے"۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ توبہ توبہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے بخیل ہو سکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ (عن صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ موطا امام مالک ص ۳۸۸ حدیث ۱۹۳۰، مشکوٰۃ باب حفظ اللسان ص ۴۱۴ الخ) [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے فرشتے میل میل دور چلے جاتے ہیں۔ (عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ترمذی ابواب البر باب ما جاء فی الصدق والکذب حدیث ۱۹۷۲، مشکوٰۃ باب حفظ اللسان ص ۴۱۳) [2]

کتاب الاذکار للنووی سے کچھ اس قسم کے حوالے نقل کیے ہیں کہ "بزرگانِ دین ختم قرآن پاک کے وقت مل کر دُعا کرتے تھے۔ اس سے مفتی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے لہٰذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے"۔

تخریج: [1] صحیح ہے۔ [2] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① مگر فتاویٰ عالمگیری میں صاف لکھا ہے:

الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان مکروه. (ج ۵ ص ۳۱۸)

"ماہِ رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مکروہ ہے"۔

نیز لکھا ہے: ((یکره الدعاء عند ختم القرآن بجماعة لان هذا لم ینقل عن النبی ﷺ)). (ایضًا)

"ختم قرآن کے موقع پر اجتماعی دُعا کرنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ یہ نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے"۔

کیا حنفیہ کے لیے فتاویٰ عالمگیری سے غداری جائز ہے؟

② اگر یہ سنت سلف ہے تو ان سے مل کر ختم قرآن کرنا ثابت نہیں البتہ بقول ان کے ختم قرآن کے بعد مل کر دُعا کرنا ثابت ہے۔

③ وہ ختم قرآن کرتے تھے ختم شریف نہیں پڑھتے تھے یعنی وہ اصلی ختم کرتے تھے نقلی ختم نہیں کرتے، وہ ڈرامے باز نہیں تھے۔

④ نیز سلف نے اپنے ختم قرآن کے لیے کوئی دِن مقرر نہیں فرما رکھا تھا، نہ تیجے کا نہ دسویں کا نہ چہلم کا۔ ان کے ختم قرآن کا کسی کی موت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ نہ اس سے ایصالِ ثواب مقصد تھا۔

حنفیہ ایصالِ ثواب کے قائل ہیں بدنی عبادت میں بھی اور مالی عبادت میں بھی۔ اس سلسلہ میں مفتی صاحب نے حنفی کتابوں سے کچھ اقتباسات دیے ہیں جن سے ان رسموں کو تقویت پہنچتی ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں رشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور ج ۱ ص ۹۲۵ میں ہے: "میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں اس کی یہ اصل ہے۔ درمختار بحث قرأت للمیّت باب الدفن ج ۱ ص ۶۶۶ میں ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اس کو تمام مُردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ فتاویٰ عزیزیہ ص ۷۵ میں ہے جس کھانے پر حسنین کی نیاز کریں اس پر قُل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اور ص ۴۱ میں ہے کہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو جائز ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں"۔

یہ حوالے نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ اجماع صحابہ میں نہ قیاس مجتہد سے ان کا کوئی تعلق ہے نہ جانے یہ کیسے اہلسنت ہیں۔ کیا بے مہار ہونے کا نام اہلسنت والجماعت ہے۔ اہل دیوبند اگر توحید و سنت سے اپنا تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں یہ کوڑا کرکٹ اپنی کتابوں سے نکال کر پھینک دینا چاہیے۔ یاد رہے کہ درمختار والی حدیث بالکل جھوٹی ہے نیز فتاویٰ عزیزیہ بھی شاہ صاحب کا اپنا جمع کردہ نہیں ہے۔

نیز شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمع ہو کر میت کے لیے قرآن خوانی کرنا قبر پر یا قبر کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی عادت نہیں تھی یہ سب بدعت اور مکروہ ہے۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۷۳) اس سے کم از کم یہ ثابت ہوا کہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بریلویوں کی مروجہ محفلوں کے قائل نہیں تھے۔

 مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا بھی تیجہ ہوا چنانچہ اس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ملفوظات ص ۸۰ میں اس طرح فرمایا تیسرے دِن اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے۔ اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے“۔ مفتی صاحب کو یہ بھی بتلانا چاہیے تھا کہ شاہ ولی اللہ کے تیجہ میں کتنی دیگیں پکا کر نیاز کی گئیں۔ جو کہ بریلویوں کے تیجہ کا اصل مفہوم اور مقصد ہے۔ شاہ صاحب اتنے بڑے مصنف تھے انھوں نے اپنی کسی کتاب میں بھی تیجہ کا ذکر نہیں کیا۔ ہجوم نے تیسرے دن جمع ہو کر اگر بے شمار قرآن پاک ختم کیے ہیں تو اس سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد رحمہ اللہ فوت ہوئے تو ہجوم ان کی قبر پر چالیس روز تک نماز جنازہ پڑھتا رہا تو کیا حنفی مذہب کے مطابق یہ مسئلہ ثابت ہو جائے گا۔

۲۶۴ مفتی صاحب لکھتے ہیں: مولوی محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ بانی مدرسہ دیوبندی تحذیر الناس ص ۲۴ پر فرماتے ہیں: ”جنید رحمہ اللہ کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے۔ آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا۔ اور اس کی اطلاع نہ دی بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشنے سے مُردے کی بخشش کی اُمید ہے اور تیجہ میں چنوں پر یہی پڑھا جاتا ہے“۔

دیوبندیوں کی یہی کمزوریاں بریلویوں کو طاقت پہنچاتی ہیں۔ جس روز دیوبندی صحیح ہو گئے بریلویت اپنی موت آپ مر جائے گی۔

۲۶۵ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا کر جو دُعا فرماتے یا بطور معجزہ برکت کے لیے بھی دُعا فرمائی مفتی صاحب نے ان دُعاؤں سے بھی اپنی مخصوص فاتحہ پر استدلال فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: ”اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہو گئے“۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فاتحہ کے اجزاء سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝﴾ (الحجر: ۸۷)

”یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ دہرائی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے“۔

مگر اہل بدعت کے نزدیک فاتحہ کے اجزاء بقول مفتی صاحب مندرجہ ذیل میں لکھتے ہیں:

(الف) ”فاتحہ میں (۱) پانچ آیات پڑھنا پھر (۲) ایصال ثواب کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ (۳) تیجہ کے دِن (۴) قرآن خوانی (۵) کلمہ شریف کا ختم (۶) کھانا پکا کر نیاز کرنا (۷) کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا“۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کے علاوہ بھی مختلف اوقات کے لیے مختلف دُعائیں مسنون فرمائی ہیں۔ مثلاً سفر پر روانہ ہونے کے لیے سفر سے واپس آنے کے لیے حتیٰ کہ رفع حاجت کو جانے کے لیے اور اس سے فارغ ہونے کے لیے اور بیوی کے پاس جانے کے لیے بھی دعائیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اگر دُعائیں ہی فاتحہ کا ثبوت ہیں تو کیا ان موقعوں پر بھی فاتحہ کی محفلیں رچائی جائیں گی اور مُلاں جی کو بلا کر ختم شریف کر دیا جائے گا۔

(ب) عقلی دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے، تلاوتِ قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کا علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ اس لیے کہ بریانی چاول، گوشت، گھی وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے اور جب اس کے سارے اجزاء حلال تو بریانی بھی حلال“۔ مقصد یہ کہ چونکہ بریانی حلال ہے لہٰذا ختم شریف بھی حلال ہے کتنی شاندار عقلی دلیل ہے۔ دراصل ختم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریف کو حلال کرنے پر زور اس لیے دیا جا رہا ہے کہ وہاں بریانی کھانے کو ملتی ہے۔ اور یہ مسئلے بے چارے مریدوں کے لیے ہیں پیروں کے لیے نہیں ہیں۔ مریدوں کا کام فاتحہ دینا ہے اور پیروں اور حکیم الامتوں کا کام فاتحہ کھانا ہے۔ یہ مفتی صاحب نماز کی مثال بھی دے سکتے تھے جو کہ بدنی اور قولی عبادات کا مجموعہ ہے حج کی مثال بھی دے سکتے تھے جو کہ بدنی اور مالی عبادات کا مجموعہ ہے۔ لیکن ان عبادتوں سے ان کی بریانی والا مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا۔ ختم شریف کو دو عبادتوں کا مجموعہ ہونا حرام نہیں کرتا۔ اس کا خود ساختہ شرعی رسم ہونا حرام کرتا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کوئی شے بذاتِ خود حرام ہو تب ہی حرام ہوتی ہے کیا انھیں معلوم نہیں ایک چیز خارجی وجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہے جیسے چوری کی بکری، رشوت کا مال، سود کی کمائی، غیر اللہ کے نام کی نیاز وغیرہ۔ مفتی صاحب نے بریانی کو مجموعے کی مثال دی ہے۔ مجھے بھی حق پہنچتا ہے کہ ایک مثال عرض کروں۔ گندھک اور پوٹاشیم الگ الگ ہوں تو بے ضرر ہے انھیں ملا دیا جائے تو دھماکہ خیز بارود بن جاتا ہے۔ لہٰذا بریلویوں کو چاہیے کہ شریعت سازی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی رہنے دیں اپنی طرف سے مجموعے تیار نہ کریں۔

(ج) فرماتے ہیں: "دیکھو بکری مر رہی ہے۔ اگر ویسے ہی مر جائے تو مردار ہے۔ جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہو گئی۔ قرآن کریم تو مسلمانوں کے لیے رحمت اور شفا ہے۔ پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام ہو جائے تو قرآن رحمت کہاں رہا زحمت ہوا"۔ یہ بھی ان کی عقلی دلیل ہے۔ مگر حقیقت میں یہ ان کی بے عقلی کی دلیل ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر بکری کو ذبح کیا جائے گا تو حلال ہوگی ورنہ بسم اللہ کو چھوڑ کر ملاں جی سے سارا قرآن بھی پڑھا لیا جائے تو بکری مردار اور حرام ہی رہے گی۔ اس سے ثابت ہوا وہی کام صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: اپنی طرف سے شریعت سازی خطرناک ہے۔

نیز معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن پاک صرف مومنوں کے لیے رحمت ہے ظالموں اور مشرکوں کے لیے نہیں:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۲)

"ہم قرآن نازل فرماتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے سراسر خسارا ہے"۔

(د) مفتی صاحب نے بریانی کی طرح بکری کی مثال دے کر اپنی روایتی لالچ کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ فاتحہ میں پنج آیت ایصال ثواب کے لیے نہیں بلکہ اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ مریدوں کو چھری پھیر کر ان کے مال کو حلال کیا جا سکے۔ مرید بھی بے چارے معصوم ہوتے ہیں۔ سر تسلیم خم کر کے ان قصائی ملاؤں کے ہاتھوں بکریوں کی طرح چھری پھروا لیتے ہیں۔ ہم انھیں ان کے پنجے سے چھڑانا چاہتے ہیں لیکن یہ ہنوز ان کے بوچڑ خانے سے نکلنے کو تیار نہیں۔ ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ﴾۔

(ذ) مفتی صاحب کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر جنازہ پڑھتے ہیں"۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ یہ میت کے تیجہ پر دراصل میت کے مال کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ تاکہ جس طرح جنازہ پڑھنے کے بعد میت قبر میں چلی جاتی ہے اسی طرح ان کا مال ان کے پیٹ کی قبر میں چلا جائے۔ انھوں نے رسم تیجہ کا جو فاتحہ نام رکھا ہے یہ غالباً سورہ فاتحہ کی مناسبت سے نہیں بلکہ حلوے اور بریانی کو فتح کرنے کی مناسبت سے ہے۔ یہ حضرت ختم شریف کا مال کھا پی کر فاتحانہ شان سے لوٹتے ہیں۔

(ر) ایک اور دلیل دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی اُمت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا:

((اللهم هذا من أمة محمد ﷺ))۔ "اے اللہ! یہ قربانی میری اُمت کی طرف سے ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اب مریدوں کا مال بکریاں ذبح کرنا شروع کر دیا جائے۔ مفتی صاحب نے حدیث کے الفاظ صحیح نقل نہیں کیے۔ حدیث کے الفاظ یا تو یوں ہیں:

① ((بسم الله اللّهم تقبل من محمد ﷺ و آل محمد ﷺ و من اُمّة محمد ﷺ)). (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسلم ج ۲ ص ۱۵۶ حدیث ۵۰۹۱، مشکوٰۃ باب الاَضحِیَۃِ ص ۱۲۷)

"بسم اللہ یا اللہ قبول فرما محمدؐ سے آل محمدؐ سے اور اُمت محمدؐ سے"۔ (ﷺ)

② یا یوں ہیں:

((اللّهم منك ولك عن محمد و اُمّته بسم الله و الله اكبر)). (عن جابر رضی اللہ عنہ مسند احمد حدیث ۱۵۰۲۲ ج ۳ ص ۳۷۵ ما یستحب من الضحایا، مشکوٰۃ باب الاَضحِیَۃِ ص ۱۲۸) ❶

"یا اللہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لیے ہے اور محمد ﷺ اور ان کی اُمت کی جانب سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر"۔

③ یا یوں ہے:

((بسم الله اكبر اللّهم هذا عنى و عن من لم يضح من امتى)). (ایضاً مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۲) ❷

"بسم اللہ اللہ اکبر یا اللہ یہ میری طرف سے ہے اور میری اُمت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی"۔

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اپنی اُمت کی طرف سے الگ جانور قربانی کرنے کا صحیح ثبوت نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے ہی جانور میں اپنی آل و اُمت کو بھی شامل فرما لیا تھا۔

نیز مفتی صاحب نے یہ جو لکھا ہے "تو قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا"۔ یہ بھی سخت بددیانتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ((ثم ضحّٰى به))۔ پھر آپ ﷺ نے اس جانور کی قربانی دی۔ البتہ اس حدیث کے شروع میں یہ الفاظ ضرور ہیں:

((و اخذ الكبش فاضجعه ثم ذبح ثم قال بسم الله... الخ)). (مسلم ج ۲ حدیث ۵۰۹۱)

"آپ ﷺ نے مینڈھے کو پکڑا اسے لٹایا پھر اسے ذبح کیا پھر کہا بسم اللہ... الخ"۔

اس کے تحت علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اصل الفاظ یہ ہونے چاہیں:

((فاضجعه ثم اخذ فى ذبحه فقال بسم الله اللهم ... الخ))

"اسے لٹایا پھر اسے ذبح کیا یہ کہتے ہوئے بسم اللہ... الخ"۔

اس بات کی تائید اس حدیث کے آخری الفاظ ثم ضحّٰى به سے بھی ہو جاتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی آخر میں یہ الفاظ ہیں ثم ذبح (پھر ذبح فرمایا) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ نبی ﷺ بسم الله الله اكبر کے ساتھ ہی کہتے تھے ظاہر ہے کہ بسم اللہ تو ذبح سے پہلے ہی پڑھنے کا حکم ہے نہ کہ بعد میں چنانچہ خود مفتی صاحب نے بھی اپنے حاشیہ میں ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾ کے تحت بسم الله الله اكبر کہہ کر ذبح کیا گیا ہو۔ لہٰذا مفتی صاحب کا یہ دعویٰ کہ نبی ﷺ نے یہ کلمات مذبوحہ جانور

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔ ❷ صحیح لغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے رکھ کر پڑھے بوگس ثابت ہوگیا۔

(ز) فرماتے ہیں "بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیے"۔ عرض ہے کہ بسم اللہ تو بہت موقعوں پر پڑھی جاتی ہے مثلاً جانور ذبح کرنے کے لیے کھانا کھانے کے لیے خط لکھنے کے لیے بیوی کے پاس جانے کے لیے وغیرہ اگر ان موقعوں پر ملاں جی کی خدمات حاصل کرنے کا کوئی اسلامی دستور ہے یعنی ان سے ختم شریف دلوایا جاتا ہے اور یہ فاتحہ کے ساتوں اجزاء پورے کرائے جاتے ہیں تب تو تیجے کی فاتحہ پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

(س) مفتی صاحب نے شاہ ولی اللہ کی کتاب "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" اور زبدۃ الرضاع ص ۱۴۳ سے ختم خواجگان کے بارے میں فتویٰ نقل کیا ہے۔ "ممکن ہے پہلے ان کا یہی آبائی خیال ہو یا یہ فتویٰ ان کی طرف غلط منسوب ہو۔ اپنی کتاب الخیر الکثیر میں انھوں نے صاف لکھا ہے میت کے لیے صرف چار صورتوں پر عمل کیا جاسکتا ہے"۔ رشتہ داروں سے اچھا سلوک، قبر پر تلاوت قرآن پاک، صدقہ، دُعا، ان کے علاوہ میت کے لیے جو استمداد اور فاتحہ وغیرہ کی جاتی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ (ص ۱۱۱ بحوالہ الاصلاح از حافظ محمد گوندلوی ص ۸۸) قبر پر تلاوت شاہ صاحب کا ذاتی خیال ہے ورنہ احادیث سے اس کا ثبوت نہیں۔

(ش) اسی طرح مفتی صاحب نے حاجی امداد اللہ صاحب کی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ سے کچھ بریلویوں والے مسئلے نقل کیے یعنی "گیارھویں حضرت غوث پاک کی دسویں بیسواں چہلم ششماہی سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور بر سینی حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حلوا شب برات"۔ ہم اہل حدیث ہیں۔ ہمارے ذمہ صرف قرآن وحدیث کا دفاع ہے۔ اُمتی کوئی بھی ہو اس سے غلطیوں کا صدور ہو سکتا ہے چاہے شاہ ولی اللہ جیسے مضبوط عقیدہ کے لوگ ہوں یا حاجی امداد اللہ جیسے کمزور عقیدے والے۔

فاتحہ پر اعتراض وجواب

﴿۲۶۶﴾ مفتی صاحب ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا یعنی قوم کے طعنہ سے بچنے کے لیے جو میت کے تیجے دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے۔ اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلانا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی ج ۱ کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے:

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور (وھی بدعۃ مستقبحۃ).

"میت سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر (اور یہ بدعت سیئہ ہے)"۔

دعوت لینے کے لیے وہی معنی کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں:

وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا. "اگر اہل میت نے فقراء کے لیے کھانا پکایا تو اچھا ہے"۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں "یہ فاتحہ کا جواز ہے"۔

مفتی صاحب نے جس چیز کو ناجائز بتلایا ہے ان کے ماننے والے یہی کچھ تو کر رہے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کر رہے ہیں۔ اس ماتمی دعوت پر عین شادیوں والا اہتمام اور تکلف ہوتا ہے باقاعدہ دعوتی کارڈ تقسیم ہوتے ہیں۔ تیجے اور ولیمے کا فرق مٹ چکا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ برادری تو صدقے کے مرغے پھاڑتی ہی ہے۔ لحاظ ملاں جی بھی نہیں فرماتے ہیں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ سودے بازی کرتے ہیں کیا کھلاؤ گے اور کیا دو گے۔ اگر تر مال ملنے کی اُمید ہو تو ٹوپیاں پہن کر پوری فوج ظفر موج کے ساتھ دعوت پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ سب حرام خور ہیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں: "مردہ کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے۔ عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے"۔ (احکام شریعت ص ۱۵۳)

مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ فقراء کو کھلانا تو جائز ہے۔ اس تاویل کی گنجائش انھیں اس لیے مل گئی ہے کہ شامی کی عبارت میں ضیافت کا لفظ ہے۔ حالانکہ ضیافت جس طرح امراء کی ہوتی ہے فقراء کی بھی ہو سکتی ہے۔ لفظ ضیافت امراء سے مخصوص نہیں ہے۔ ضیافت کے معنی مہمانی کے ہیں۔ کیا غریب مہمان نہیں ہوتے؟ مفتی صاحب نے کچھ ترجمہ میں بھی ہیر پھیر کی ہے اتخاذ الضیافة کا ترجمہ دعوت لینا کیا ہے۔ حالانکہ اتخاذ کا معنی لینا نہیں بلکہ بنانا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا﴾ (البقرہ: ۱۶۵)

"اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں"۔ (کنز)

لہٰذا اتخاذ الضیافة کا معنی ضیافت تیار کرنا یعنی مہمانوں کے لیے کھانا پکانا ہے۔ شامی کی اگلی جو عبارت ہے یعنی و ان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا خود مفتی صاحب نے بھی اس کا ترجمہ یہ کیا ہے اگر اہل میت نے فقراء کے لیے کھانا پکایا تو اچھا ہے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اتخذ الضیافة کا معنی ضیافت تیار کرانا ہی کیا ہے۔ (احکام شریعت ص ۲۹۳) مفتی صاحب کو اس عبارت میں فاتحہ کا جواز نظر آیا ہے۔ حالانکہ اس میں نہ فاتحہ کا ذکر نہ تیجہ کا ذکر ہے۔

مفتی صاحب کی اس تحریر پر نظر ڈالیے کہ "اگر فقراء کو بغرض ایصالِ ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے"۔ عرض ہے کہ یہ سب کون ہیں؟ کیا اہل بدعت یعنی بریلوی اور شیعہ کے سوا اور بھی کوئی ہے۔ نیز دریافت طلب بات یہ ہے اگر فاتحہ کرائے بغیر فقراء کو کھانا کھلا دیا جائے تو کیا پھر ایصالِ ثواب نہیں ہوگا۔ کیا مولویوں سے اسٹیمپ لگوانا ضروری ہے۔ کیا اس کے بغیر ایصالِ ثواب بیرنگ ہو جاتا ہے۔ کیا مولویوں کا پیٹ ڈاکخانہ ہے۔ مفتی صاحب کو ضیافت پر اعتراض ہے حالانکہ فقہ حنفی کی بعض عبارتوں میں الفاظ یوں ہیں:

((و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث و بعد الاسبوع و نقل الطعام الى القبر في كذا في التتارخانيه)). (فتاوی بزازیہ ج ٤ ص ٨١ شامی ج١ ص ٦٦٤)

"پہلے دِن یا تیسرے دِن یا ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح مختلف موقعوں پر قبر پر کھانا لے جانا (چڑھاوا) مکروہ ہے"۔

مُلّاں علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرا اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ لطعام في اليوم الاوّل والثالث و بعد الاسبوع. (مرقات ج ٥)

"ہمارے فقہاء احناف نے ثابت کیا ہے کہ میت کے پہلے دن یا تیسرے دِن یا ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان عبارتوں میں سرے سے لفظ ضیافت موجود ہی نہیں۔ مطلقاً طعام کا ذکر ہے۔ ثابت ہوا پہلے تیجے ساتویں وغیرہ کی دعوت نہ امراء کے لیے جائز ہے نہ فقراء کے لیے بلکہ ایک حدیث میں بھی آتا ہے، جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں:

((كنا نرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة)). (عن جرير بن عبدالله رضی اللہ عنہ ابن ماجه حديث ١٦١٢، باب ما جاء في النهي عن الاجتماع الى الميت وصنعة الطعام ص ١١٦ مسند احمد حديث ٦٩٠٥) ❶

"اہل میت کے ہاں جمع ہونے کو اور کھانا تیار کرنے کو ہم نوحہ میں سے شمار کرتے تھے"۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے رسم تیجہ کے اجتماع اور تکلفات کو بدعت اور حرام قرار دیا ہے۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۷۳)

﴿۲۶۷﴾ مفتی صاحب نے اعتراض نقل کیا ہے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی کہ "بعد مردن من رسوم دنیاوی دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ"۔

جواب دیتے ہیں کہ قاضی صاحب کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے ہیں "رسوم دنیوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر رونا پیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اس جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں"۔

مفتی صاحب کی تشریح تو توجیہ القول بما لا یرضی قائلہ کے مصداق ہے۔ اگر ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں تو کیا رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے کا ذکر ہے۔ قاضی صاحب نے تو رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے کا نام ہی نہیں لیا ان کی حرمت تو نصوص صریحہ سے واضح ہے۔ ان کے متعلق تو وصیت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ رسوم دُنیا سے مراد دسواں بیسواں چالیسواں اور ششماہی وغیرہ ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں اس جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں۔ میں کہتا ہوں قاضی صاحب کی وصیت کے مطابق جب تیجہ دسواں بیسواں ہوگا ہی نہیں تو ملاں جی فاتحہ درخت پر چڑھ کر پڑھیں گے۔

﴿۲۶۸﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصایا شریف میں موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا فقراء کو کھلایا جائے"۔

اعلیٰ حضرت اپنے اسی وصایا شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: اعزا سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو یا تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ دیا کریں دودھ کا برف خانہ ساز اگر بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرنی، اردکی دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا کرو جیسے مناسب جانو مگر بطیب خاطر۔ میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔ (وصایا شریف ص ۸)

سوال یہ ہے کہ یہ فاتحہ فقراء کو کھلانے کے لیے ہے یا امراء کو۔ یہ تو نوابوں والی دعوت ہے۔ یہ تو کسی فائیو سٹار ہوٹل کا میز معلوم ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے فاتحہ کے کچھ اور اجزاء بتلائے تھے۔ (ص ۲۶۴) پتہ چلا اصل اجزا تو یہ ہیں۔ اہل بدعت نے اعلیٰ حضرت سے گالیاں تو بہت سب کو دلوائی ہیں۔ ہمیں گالیاں دے دے کر وہ انھیں ایصالِ ثواب کرتے رہتے ہیں مگر انھیں وصایا شریف پر عمل کر کے انہیں ایصالِ ثواب کی توفیق نہیں ہوئی۔ عمل بھی ہر ہفتہ میں دو تین بار۔

﴿۲۶۹﴾ مفتی صاحب از راہ تقویٰ ارشاد فرماتے ہیں: "خیال ہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جائے یعنی اول مال

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میت تقسیم ہو جائے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا"۔

کیا تیجہ کے موقع پر کبھی کسی مولوی صاحب نے اہل میت سے یہ پوچھنے کی زحمت کی ہے کہ آیا ترکہ تقسیم ہو چکا ہے؟ بلکہ کیا اتنی جلدی ترکہ کی تقسیم ممکن بھی ہوتی ہے؟ مگر جہاں بریانی اور مرغ پلاؤ کی خوشبوئیں اُٹھ رہی ہوں وہاں ایسی باتوں کا ہوش کس کو رہتا ہے۔ اگر مفتی صاحب کی اس ہدایت پر عمل شروع ہو جائے تو پچانوے فیصد فاتحہ جات معطل ہو جائیں۔ تقسیم میراث تو بعد کی بات ہے کبھی کسی نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میت کے ذمہ جو قرضہ ہے وہ اتارا ہے یا نہیں؟ جس کے بغیر جنت میں داخلہ ہی ممنوع ہے۔

گیارھویں کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی صاحب فرماتے ہیں "گیارھویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو لہٰذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نمازِ مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارھویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارھویں شریف ہو گیا۔ اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ ان کے نام پر خرچ کریں اس کا نام گیارھویں ہی ہوتا ہے۔ یوپی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الاوّل میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارھویں ہی ہوتا تھا"۔

"اب دفتروں میں انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو اور فیکٹریوں میں سات تاریخ کو تنخواہیں ملتی ہیں۔ لہٰذا پہلا پیسہ غوث پاک کے نام پر خرچ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلی شریف اور ساتویں شریف کو تقدس کا درجہ دے کر مذاہب کا حصہ بنا لیا جائے۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں، اس کا نام گیارھویں ہی ہوتا ہے"۔ یہ کافرانہ اصول ہے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ (التوبہ: ۳۷) "مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے"۔

۲۷۰ مفتی صاحب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک نو واقعات گنوا کر لکھا ہے کہ سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے اس کے بعد جو پہلی رات آتی وہ گیارھویں تھی۔ لہٰذا یہ رات متبرک ہے"۔

عرض ہے کہ یہ سب اہم واقعات اللہ تعالیٰ نے برپا کیے تھے یا غوث پاک نے؟ بھلا غوث پاک سے اس گیارھویں کا کیا تعلق۔ نیز اگر ان سب واقعات کے لیے دِن دسواں اور رات گیارھویں تھی۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گیارھویں کی اہمیت کیوں محسوس نہ ہو سکی۔ وہ کیوں اس متبرک رات سے محروم رہ گئے۔ پھر وہ کونسا دِن اور کونسی رات اور کون سی گھڑی ہے جس میں کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا۔ تب تو مسلمانوں کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انہی کاموں کے لیے وقف ہو جانا چاہیے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں عقل سے بداہۃً پتہ چلتا ہے کہ زمانہ ساکن نہیں ہے بلکہ ایک جاری چیز ہے جو لحظہ بہ لحظہ گذر رہی ہے۔ اس کی ہر جزء گذر کر فنا اور معدوم ہو جاتی ہے اور فانی چیز پھر واپس نہیں آتی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ جس روز شہید ہوئے اس روز اور آج کے روز میں بارہ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اس دِن کی آج کے دِن سے کیا مشابہت ہے۔ (فتاویٰ اثنا عشریہ)

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں خود میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارھویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی سے کی جائے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں بحمدہ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں"۔ آخر برکت کیوں نہ ہوتی۔ حضرت صاحب ایک گیارھویں دیتے ہوں گے اور گھر میں مریدوں کی گیارھویں کا ڈھیر لگ جاتا ہوگا۔ خواہ بعد میں چھان ٹکر والوں کو دینا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑیں۔اس سے قبل مفتی صاحب نے لکھا ہے اب جس تاریخ کو بھی حضور پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ ان کے نام پر خرچ کریں اس کا نام گیارھویں ہی ہوتا ہے۔" مگر اب کہتے ہیں خود میرا تجربہ ہے کہ اگر گیارھویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی کی جائے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔۔۔ الخ۔تو سوال یہ ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی قوم کو بتلایا کیوں نہیں کہ فقط گیارھویں تاریخ کو مقررہ پیسوں پر فاتحہ دینے سے برکت ہوتی ہے۔ایک اور بات نوٹ فرمائیں، مفتی صاحب نے واقعات سب دسویں تاریخ کے بیان فرمائے ہیں پھر اس کے ساتھ گیارھویں رات کو جوڑ لیا اب ہوتے ہوتے معاملہ گیارھویں تاریخ تک پہنچ گیا۔سوال یہ ہے اگر برکت گیارھویں تاریخ کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے دسویں تاریخ کو سارے واقعات رُونما کر کے کیوں بے برکتا کام کیا۔اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر نہ غوث پاک سے مشورہ کیا نہ مفتی صاحب سے صلاح کی۔

(ب) گیارھویں کی ایک اور دلیل ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں: "کتاب یازدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارھویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ایک بار خواب میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارھویں سے ہم کو یاد کیا ہم تم کو گیارھویں دیتے ہیں۔چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا اس لیے تمام دنیا میں پھیل گیا"۔نہ جانے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سرکاری عطیہ سے کیوں محروم رکھا۔شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارھویں سے یاد نہیں کیا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں گیارھویں کے قابل نہ سمجھا۔قصور تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہی ہوا۔نام رکھنا اہل سنت، حوالہ دینا یازدہ مجلس کی خواب کا۔ کوئی انھیں پوچھنے والا ہی نہیں۔ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے کئی جھوٹ بولے جا رہے ہیں۔ان لوگوں نے شاہ صاحب کا مقام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھا دیا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارھویں سال بعد آتی ہے شاہ جی کی گیارھویں ہر مہینے بھاگی آتی ہے۔

یہ کہانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افتراء ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی افتراء ہے۔اصل چکر کھانے پینے کا ہے:

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ (المائدہ:۴۲)

"یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں"۔

کچھ عرصہ ہوا ایک شخص مولوی محمد شریف نوری صاحب نے مسئلہ گیارھویں کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں لکھتے ہیں کہ علامہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (بزبان فارسی) قرۃ الناظرہ کے ص ۱۱ پر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) گیارھویں شریف کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت غوث صمدانی رضی اللہ عنہ حضور پر نور پیغمبر خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چالیسویں کا ختم شریف گیارہ ماہ ربیع الآخر کو کیا کرتے تھے۔وہ نیاز اتنی مقبول و مرغوب ہوئی کہ ازاں بعد آپ ہر ماہ کو گیارھویں تاریخ کو بھی نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم شریف اور نیاز دلانے لگے۔آخر رفتہ رفتہ یہی نیاز حضور غوث پاک کی گیارھویں مشہور ہوگئی۔آج کل لوگ آپ کا عرس شریف بھی گیارہ تاریخ کو ہی کرتے ہیں۔حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وصال پندرہ ربیع الآخر ہے"۔معلوم ہوا کہ گیارھویں شریف اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک ہے جو غوث پاک کی طرف منسوب ہو گیا"۔یہ مولوی صاحب شریف بھی ہیں اور نوری بھی۔مگر جو بات انھوں نے لکھی ہے، وہ سراسر شرارت بھی اور ناری بھی۔انھیں اتنا بھی علم نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی ہجری کے اور حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی کے آدمی ہیں۔لہٰذا امام شافعی کی کتاب میں چار سو سال بعد میں پیدا ہونے والے بزرگ کا تذکرہ مع ان کی تاریخ وصال اور گیارھویں کے کیسے آ سکتا ہے۔پھر امام شافعی نے تو فارسی زبان میں کتاب ہی کوئی نہیں لکھی۔نوری صاحب نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجہ نکالتے ہوئے گیارھویں کو اصل میں حضور ﷺ کا عرس بنا دیا ہے۔ حالانکہ گیارھویں ہر ماہ ہوتی ہے اور عرس سال بعد ہوتا ہے مفتی صاحب نے یازدہ مجلس کے حوالے سے لکھا ہے کہ غوث پاک حضور ﷺ کی بارھویں دیتے تھے تو حضور ﷺ نے انھیں گیارھویں دے دی۔ یہ نوری صاحب قرۃ الناظرہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ غوث صمدانی حضور ﷺ کا ختم شریف گیارھویں تاریخ کو دیتے تھے اب نہ جانے صحیح مسئلہ کیا ہے کس کی بات کا اعتبار کیا جائے۔ اگر غوث صمدانی حضور ﷺ کی گیارھویں دیتے تھے تو حضور ﷺ نے انھیں بخش دی تب پھر حضور ﷺ کی بارھویں کہاں سے آ گئی۔ یہ بریلوی علماء کا حال ہے۔ نہ جانے ان کے عوام نے انھیں کیوں اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے۔ اصل میں ان کے مولویوں نے ان کی بالکل مت ماری ہوئی ہے۔ ایک ظریف الطبع بریلوی مولوی صاحب نے اپنے مقتدیوں کی اندھی عقیدت کو آزمانے کے لیے دورانِ خطبہ جمعہ میں پوچھا آج منگل ہے نا؟ سب نے جواب دیا ہاں جی آج منگل ہے۔

(ج) مفتی صاحب نے گیارھویں ثابت کرنے کے لیے اوّلاً یہ لکھا کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اس لیے ملازمین اپنی تنخواہ کا پہلا پیسہ گیارھویں شب کو غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ کرتے تھے۔

پھر لکھا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک نو اہم واقعات دسویں تاریخ کو وقوع پذیر ہوئے۔ لہٰذا یہ رات متبرک ہے۔

پھر لکھا کہ غوث پاک حضور ﷺ کی بارھویں دیتے تو حضور ﷺ نے انھیں خواب میں گیارھویں دے دی۔ اور یہ سرکاری عطیہ تھا۔

اب نوری صاحب فرماتے ہیں کہ غوث صمدانی رحمہ اللہ حضور ﷺ کی گیارھویں دیتے تھے جو رفتہ رفتہ غوث پاک کی گیارھویں سے مشہور ہو گئی۔ سکھوں کے صرف بارہ بجتے ہیں۔ ان لوگوں نے قوم کے گیارہ بھی بجا دیئے اور بارہ بھی بجا دیئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی عرس اور گیارھویں کے متعلق فرماتے ہیں:

لم یکن فی زمن السلف شیء من ذلك و انما هو من مستحسنات المتاخرین (ما ثبت بالسنة).

"زمانہ سلف میں ان چیزوں کا نام و نشان نہ تھا۔ پچھلے لوگوں نے انہیں اچھا سمجھ لیا ہے"۔

۲۷۱ مفتی صاحب فرماتے ہیں "چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشا یہ ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں۔ کیونکہ بعد مرنے کے اوّل اوّل مردے کا دِل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں۔ تو اوّلاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے"۔

بھلا ان باتوں کا چہلم اور برسی سے کیا تعلق ہے، انہوں نے آخرت کو دنیا پر قیاس کر لیا ہے۔ ہمارے ایک دوست ٹھیک کہا کرتے ہیں کہ بریلوی مذہب شریعتی نہیں بلکہ پنچائتی ہے۔ اس استدلال سے مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ کچھ عرصہ پہلے راشن ڈپو کا زمانہ تھا، جمعرات کو ناغہ ہوتا تھا۔ ایک صاحب نے دوسرے سے پوچھا تم میت کو چالیس روز کھانا کیوں بھیجتے ہو پھر وہ کہاں سے کھاتی ہے۔ بولا پھر ان کا راشن کارڈ بن جاتا ہے۔ اس نے کہا پھر جمعرات کو کیوں بھیجتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ جمعرات کو ڈپو بند ہوتے ہیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں "ہم بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنی چاہیے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی:

((ثم اقیموا حول قبری حتی استانس بکم و اعلم ماذا اراجع به رسل ربی)). (مسلم ج۱ ص ۷۶ حدیث ۳۲۱ مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"پھر میری قبر کے گرد کھڑے رہنا تاکہ میں تم سے مانوس ہوں اور جان لوں کہ میں اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں"۔

اس لیے جلد از جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے"۔

دفنانے کے بعد میت کے لیے دُعا تو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((استغفروا لاخیکم ثم سلوا له بالتثبیت فانه الان یسئل)). (عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ابوداؤد حدیث ۳۲۲۱ باب الاستغفار عند القبر للمیت) [1]

"اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو پھر اس کے لیے ثابت قدمی کی دُعا مانگو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا"۔

ایصالِ ثواب یا تلقین ثابت نہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لقنوا موتاکم لا اله الا الله)). (عن ابی سعید رضی اللہ عنہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج۱ ص ۳۰۰ حدیث ۲۱۲۳، مشکوٰۃ ما یقال عند من حضرۃ الموت ص ۱۴۰)

"اپنے مرنے والوں کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرو"۔

ہدایہ میں لکھا ہے:

((المراد الذی قرب من الموت)). (باب الجنائز ص ۱۳۶) "مراد قریب المرگ ہے"۔

اور ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

((دفع توهم من یتوهم ان المراد به قراءة التلقین علی القبر)).

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والی روایت سے یہ باتیں ثابت نہیں ہوتیں۔ صرف اپنے خیال کے تحت انھوں نے کھڑے ہونے والوں سے مانوس ہونے کا ذکر کیا تھا جس کی قرآن و حدیث سے تائید نہیں ملتی۔

﴿۲۷۲﴾ مفتی صاحب چہلم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: "حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال میں خشک ہوا۔ بچہ ماں کے پیٹ میں چالیس روز بعد حالت بدلتا ہے۔ نفاس کی مدت چالیس روز ہے۔ چالیس سال کی عمر میں عقل پختہ ہوتی ہے۔ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیاء کے چلّے چالیس روز ہوتے ہیں کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتکاف چالیس روز تھا، فوت ہونے کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کا تعلق اپنے جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے، عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دِن تک میت کی روح گھر سے علاقہ رکھتی ہے۔ ممکن ہے اس کی اصل کچھ ہو"۔

قبل ازیں یہ بھی لکھا ہے "منشا یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن پر فاتحہ ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لیے چہلم مقرر کیا گیا پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں"۔

جن حقائق و معارف سے بریلوی اپنی قوم کو متعارف فرما رہے ہیں، اللہ جانے نبی ﷺ نے اپنی اُمت کو اس سے آگاہ کیوں نہ فرمایا۔ کیا آپ ﷺ کو علم نہیں تھا کہ چالیس کے ہندسے میں بہت حکمت ہے اور اس میں جسمانی روحانی ترقی کا راز مضمر ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ نے مرنے والوں کے لیے دسویں بیسویں اور چالیسویں کا حکم ارشاد نہیں فرمایا اور ہمیں ایک خیر کثیر سے محروم کر دیا۔ اس

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو مرنے والوں سے ذرا ہمدردی نہیں تھی آپ نہیں چاہتے تھے کہ ان خاص دنوں میں ایصالِ ثواب کر کے ان کی بخشش اور بلندی درجات کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ اگر چالیس کے عدد میں اتنی ہی حکمت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہماری نمازیں پانچ کیوں ہیں اور ان کی مجموعی رکعتوں کی تعداد سترہ کیوں ہے روزے تیس یا انتیس کیوں ہیں۔ احناف کی تراویح بیس کیوں ہیں، نماز کے بعد تسبیحات کی تعداد تینتیس تینتیس کیوں ہے؟ پھر سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کرنے میں کیا حکمت ہے پھر آدھا آدھا کرتے کرتے مفتی صاحب کا اچانک ۴۵ کو چالیس میں بدل دینا بھی خوب ہے۔ انہوں نے اس کی وجہ چالیس کے عدد کی حکمت بتلاتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے اس کی وجہ حساب کی درستی ہے کیونکہ ۴۵ کا آدھا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر چالیس کا آدھا کرتے ہوئے انھوں نے دسویں پر بریک لگا دی۔ آگے بھی تو چلنا چاہیے تھا کیا آگے ہندسے ختم ہو گئے تھے مثلاً پانچواں ہوتا ڈھائی واں ہوتا مگر یہ ان کی بجائے ساتواں اور تیجہ کرتے ہیں جو ان کے کسی متبرک ہندسے کے آدھے نہیں ہیں۔ یہ کیسی لاقانونیت ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ”آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال میں خشک ہوا“۔ کیا مفتی صاحب آدم جی کی فیکٹری یا لیبارٹری میں انجینئر لگے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ دن میں بنایا اور آدم علیہ السلام کا خمیر خشک کرنے میں اللہ تعالیٰ کو چالیس سال لگ گئے۔

مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کوہِ طور پر آ کر چالیس روز اعتکاف کرو۔ یہ تھوڑی سی غلط بیانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیس روز کا وعدہ لیا تھا پھر بعد میں دس کا اضافہ کیا گیا تھا:

﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ (الاعراف:۱۴۲)

”اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب مزید کو ان تیس شب کا تتمہ بنایا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورا چالیس شب کا ہو گیا“۔

خود مفتی صاحب اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں ”موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ طور پر آ کر ایک ماہ روزے رکھو تب تم کو تورات دی جائے گی۔ آپ نے ذیقعدہ کا سارا مہینہ روزے رکھے پھر مسواک کر کے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے۔ حکم ہوا تمہارے منہ سے روزے کی خوشبو نہیں آتی اچھا اب دس روزے اور رکھو“۔ اس سے ثابت ہوا اگر موسیٰ علیہ السلام مسواک نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کے وعدے اور حکم کے مطابق تیس روزے کافی تھے جیسے کہ ہمارے روزے ہیں۔ لہٰذا مفتی صاحب کا اس سے چالیس پر استدلال کمزور ہو گیا۔ مفتی صاحب نے کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کے اعتکاف کا ذکر کیا ہے۔ حاشیہ میں ہی آگے چل کر اس سے صوفیاء کے چلے کا ثبوت نکال لیا ہے۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں آپس میں مختلف ہیں۔ اعتاف اور چیز ہے اور دونوں مسنون ہیں چلہ تو بدعت ہے“۔ قبل از نبوت غارِ حرا کی تنہائی میں نبی ﷺ کے عبادت کرنے کو بھی مفتی صاحب نے چلے کا نام دے دیا ہے۔ حاشیہ میں فرماتے ہیں: ہمارے حضور ﷺ نے بھی اولاً چھ ماہ غارِ حرا میں چلے کیے۔ اگر یہ چلے تھے تو کیسی عجیب بات ہے، موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک چلہ کافی ہو گیا۔ حضور ﷺ کو چھ ماہ چلوں کی ضرورت پڑی۔ ثابت ہوا موسیٰ علیہ السلام نے چلے کا کورس جلدی پورا کر لیا۔ کیا ان میں صلاحیت زیادہ تھی۔ چالیس دِن کو تو چلہ کہہ لیا چھ ماہ کو چلے کہنا تو جاہلوں والا حساب لگتا ہے۔ ان کی لغات کے مطابق چھ ماہ کو چھ مہینے کہنا چاہیے۔ پھر اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کو چلوں کی ضرورت تھی۔ مفتی صاحب کے الفاظ میں حضور ﷺ قبل از ولادت پاک کروڑوں برس ربّ تعالیٰ کی بارگاہِ خاص میں حاضر رہ چکے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔(ص ۸۳)

مفتی صاحب نے فرمایا ہے"انبیاء کرام علیہم السلام کا تعلق اپنے جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے"۔

سوال یہ ہے کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ قرآن یا حدیث یا اجماع صحابہ یا قیاس مجتہد یا خود مفتی صاحب پر وحی نازل ہوتی تھی؟

آخر میں فرمایا:"عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح گھر سے علاقہ رکھتی ہے۔ممکن ہے اس کی کچھ اصل ہو"۔

اب آئے ہیں مفتی صاحب راہِ راست پر۔انھوں نے اعتراف کرلیا ہے کہ ان کا مذہب عوامی ہے اور عوام ہی ان کی سند ہیں۔قرآن و سنت کو تو یہ خواہ مخواہ بدنام کرتے ہیں۔میرے بھائی اگر عوام میں یہ مشہور ہے تو عوام میں یہ بھی مشہور ہے کہ چاند میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹھی چرخہ کات رہی ہیں۔کیا ممکن ہے اس کی بھی کچھ اصل ہو۔عوام میں تو اور بھی بہت کچھ مشہور ہے جس کی اصل بھی نہیں ہے۔

۲۷۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں:"مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوئی ہے۔اس میں مختلف روایتیں آتی ہیں۔تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لیے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کیے گئے۔کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں"۔

مولوی محمد قاسم صاحب کا حوالہ یوں دیا ہے جیسے بریلوی دیوبندیوں کے مقلد ہو گئے ہوں،اور مختلف روایتوں کا یوں نام لیا ہے جیسے یہ بھی کوئی حدیثیں ہیں۔ان اہلسنت کے نزدیک عوامی باتیں اور بڑوں کے اقوال قرآن وحدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں کی بھی ایک روایت سماعت فرمایئے،لکھتے ہیں:

"مسئلہ: میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیے اگر چھوہاروں پر فاتحہ دلائی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو؟

الجواب: کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں۔اتنے ہوں جس میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت حصہ اوّل ص ۳)

یہ چھوہارے تو کئی بوریاں بن جائیں گے اور ہزاروں روپے ان کی قیمت بن جائے گی۔یہ سوم تو بہت مہنگا پڑے گا۔مفتی صاحب نے ساڑھے بارہ سیر چنوں پر ٹرخا دیا ہے۔حالانکہ آگے چل کر عرس بزرگاں کی بحث میں مفتی صاحب نے بزرگوں کے یوم وفات کو یوم عروس (شادی کا دن) قرار دیا ہے۔(ص ۳۲۱) تو شادی والے دن چنے نہیں چھوہارے کھلائے جاتے ہیں۔مولوی احمد رضا خاں صاحب ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں پھر فرماتے ہیں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے تو یہ ستر ہزار کا عدد مقرر فرمانا شریعت ہے یا شرارت ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ستر ہزار کا عدد مقرر فرمایا ہے مفتی صاحب نے دیوبندیوں کی تقلید میں ایک لاکھ مقرر فرمایا ہے۔یہ تو گھر میں لڑائی ہو گئی۔اب نہ جانے کس کی بات صحیح ہے۔میت کی مغفرت ستر ہزار میں ہو گی یا ایک لاکھ میں۔کیونکہ اصل چیز تو صدقے کا عدد ہے نہ کہ وزن اور مالیت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میت کو جن چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے وہ یا تو دعا ہے خواہ کوئی بھی کرے یا پھر تین چیزیں یعنی خود مرنے والے کا صدقہ جاریہ یا اس کی کوئی علمی خدمت یا اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔علمائے بدعت کو ان سے غرض نہیں ان کے نزدیک تو بس ایسے کام ہونے چاہئیں جن سے میت کو فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے۔ان کی ذات کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔بھلا کوئی ان مولویوں سے پوچھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسم تیجہ کے موقع پر ستر ہزار چھوہاروں یا ایک لاکھ چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر میت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کو ایصالِ ثواب کیا کرتے تھے خواہ مخواہ لوگوں کو اُلو بنایا ہوا ہے۔

(الف) مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں فاتحہ وغیرہ میں ہندو سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم)). (عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ابو داؤد باب لبس الشهرة حديث ٤٠٣١، مشكوة كتاب اللباس ص ٣٧٥)

"جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے"۔

لہٰذا یہ فاتحہ منع ہے۔ جواب دیتے ہیں کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر بھی یہ ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہو جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی چوٹی زنار، ہیٹ وغیرہ"۔

جن رسموں کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا اور جن پر صحابہ و تابعین نے عمل نہیں کیا اور جو صرف کافروں کا ورثہ ہیں انہیں بُرا نہ سمجھنا اور انھیں کافروں کی پہچان قرار نہ دینا کتنا ظلم ہے اور یہ ظلم صرف اس لیے منظور ہے کہ ان رسموں میں کھانے کو حلوا اور بریانی ملتی ہے۔ کیا یہ تیجے دسویں اور چہلم اس لیے ہندوؤں کی علامت نہیں کہ ان پر بریلوی بھی عمل پیرا ہیں اسلام کا معیار بریلوی ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم؟ اس طرح تو کافروں کی تمام وہ رسمیں جو نام نہاد مسلمانوں میں رواج پا گئی ہیں ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کافروں کی علامت نہیں ہیں۔ کیونکہ علامت تو تب ہوں اگر انھیں انہی سے مخصوص رہنے دیا گیا ہو۔ جب مسلمان بھی ان پر عمل کرنے لگ جائیں تو پھر نہ وہ بُری لگتی ہیں نہ کافروں کی علامت معلوم ہوتی ہیں۔ ذرا سوچ کر بتلایئے کہ یہ تیجے، دسویں اور چہلم اگر ہندوؤں کی علامت نہیں تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علامت ہیں۔ دراصل یہ سب ہندوانہ رسوم ہیں اور امپورٹڈ ہیں جنہیں بریلویوں نے قومیا کر اپنے مذہب کا حصہ بنا لیا ہے اور ان پر اسلام کا لیبل چسپاں کر دیا ہے اب یہ رسمیں بریلویوں کو اپنی ہی لگتی ہیں کھانا کھلانا اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے۔ اسی طرح اختتام سال پر کھانا کھلانا ضروری ہے، نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ و کوزہ رکھیں ورنہ میت ناراض ہوگی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے اردگرد پھرتی رہے گی۔ پھر عین دسویں دِن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب خنک دیا جائے اور اسی طرح گیارھویں تاریخ کو بھی۔ (ملخص کتاب الہند ص ۲۷۰، ۲۸۲ بحوالہ راہِ سنت ص ۲۴۱)

مولانا عبید اللہ صاحب نو مسلم مالیر کوٹی متوفی ۱۳۱۰ھ لکھتے ہیں ثواب پہنچانا ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ ہر روز درست ہے پر بعضے دِن بھی مقرر کرنے ضروری جانتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن واسطے کر پا کرم کے مقرر ہے۔ کہتے ہیں کہ مُردے کے مرنے سے دس دِن تک اس مُردہ کا ایک بدن عالم برزخ میں تیار ہوتا ہے اور قابل جزا و سزا کے ہوتا ہے۔ اس واسطے اس دِن کا نام کر پا کرم رکھا۔ یعنی بدن کا عمل۔ اس مردے کے نام پر۔ اسباب عمدہ بموجب اپنے مقدور مہا برہمن کو دیتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ سب کچھ اس کو پہنچتا ہے۔ برہمن کے مرنے کے گیارھویں دِن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرھواں دِن اور ویش کے مرنے کے بعد پندرھواں سولہواں دن اور شودر کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دِن مقرر ہے۔ ازاں جملہ ایک چھ ماہی کا دِن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے ازاں جملہ برسی کا دِن ہے۔ جس تاریخ کو کوئی مرا اسی تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور

تخریج: صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اوّل اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں اَبھشرمَن کہلاتا ہے اور اسی طرح اور بھی دِن مقرر ہیں۔ (تحفۃ الہند ص ۱۷۵) ثابت ہوا کہ بریلویوں کی رسمیں درحقیقت کافروں کی رسمیں ہی ہیں جنہیں انھوں نے اپنا مخصوص رنگ دے دیا ہے۔

(ب) مفتی صاحب کی ہندوؤں سے مشابہت پسندی ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں: "ہم بھی آبِ زمزم مکہ سے لاتے ہیں۔ ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے ہیں اور پاؤں سے چلتے ہیں، کفار بھی"۔

ان کا مقصد یہ ہے اگر ہندو تیجے دسویں کرتے ہیں اور ہم بھی کرلیں تو کونسی قیامت آگئی۔

عرض ہے نہ تو آبِ زمزم کو متبرک سمجھنا گنگا جل سے ریس کی وجہ ہے نہ ہمارا منہ سے کھانا یا پاؤں سے چلنا کافروں کی مشابہت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا ہی اس طرح کیا ہے۔ برخلاف ان رسموں کے کہ یہ صریحاً ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ یہ سراسر ان کی مشابہت ہیں، اسلام میں ان کا ہرگز تصور نہیں ہے۔ مفتی صاحب اس دلیل سے بہت خوش ہیں کہ وہ کفار کی طرح کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں۔ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ اُلٹے کام کرنے والوں کو قیامت والے دِن سر کے بل بھی چلا دے گا اور منہ بند کر کے منہ کا کام ہاتھ پاؤں سے لے لے گا۔

(ج) فرماتے ہیں: "حضور ﷺ نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا"۔ عاشورہ کے روزہ کا حکم نبی ﷺ نے یہود کی مشابہت کی وجہ سے نہیں دیا تھا بلکہ اس لیے دیا تھا کہ یہ روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رکھا تھا۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۶۸ حدیث ۲۰۰۴ مسلم ج ۱ ص ۳۵۹ حدیث ۲۶۵۸، مشکوٰۃ کتاب الصوم ص ۱۸۰)

نویں کے روزے کا اعلان کر کے تو آپ ﷺ نے یہود کی مشابہت کو توڑا تھا بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے:

((ان عائشه رضی الله عنها قالت کان یوم عاشوراء تصومه قریش فی الجاهلیة و کان رسول الله ﷺ یصومه فی الجاهلیة فلما قدم المدینة صامه و امر بصیامه ...الخ)). (بخاری ص ۲۶۸ حدیث ۲۰۰۲)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یوم عاشورہ کا روزہ زمانہ جاہلیت میں قریش بھی رکھتے تھے۔ نبی ﷺ بھی رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں آکر عاشورہ کا روزہ آپ ﷺ نے بھی رکھا اور رکھنے کا حکم بھی دیا"۔

ہندو یہود سے مشابہت کا کیا سوال۔

اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزوں کے بارے میں بھی فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

"تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے"۔

تو کیا ماہِ رمضان کے روزے اہل کتاب کی مشابہت کی وجہ سے۔ حج ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ حج مشرکین بھی کرتے رہے تو کیا اس میں مشرکین سے مشابہت ہے۔ نبی ﷺ یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اور پیغمبروں کی سنت ہونے کی وجہ سے فرماتے تھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (الانعام: ۹۰) "سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفار کی مشابہت سے حضور ﷺ کو اس قدر نفرت تھی کہ جب آپ ﷺ کی توجہ اس طرف دلائی گئی کہ عاشورہ کی تعظیم یہود بھی کرتے ہیں تو فرمایا اگر میں آئندہ سال باقی رہا تو میں نویں محرم کا روزہ رکھوں گا۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مسلم ج ا ص ۳۵۹ مشکوۃ باب صیام التطوع ص ۱۷۸) مگر پھر یہ وقت نہیں آیا۔ اسی طرح حج کے موقع پر کفارِ مکہ مزدلفہ میں ہی قیام کرتے تھے، مگر نبی ﷺ نے اس کے برعکس حکم ربانی پر عمل کرتے ہوئے عرفات میں قیام فرمایا:

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (البقرہ: ۱۹۹) ”پھر لوٹو جہاں سے لوٹے لوگ“۔

کیا اہل بدعت کی بدعات کا بھی کوئی پس منظر ہے سوائے مشابہت کفار کے۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کیسی؟ ان کا مطلب یہ ہے ماتمی رسموں کے کھانے پر ملاں جی کلمہ پڑھتے ہیں جب کہ پنڈت وید پڑھتے ہیں لہٰذا مشابہت نہ رہی۔ میں کہتا ہوں کلمہ پڑھ کر دھوتی چوٹی زنار وغیرہ کے استعمال سے کیا مشابہت ختم ہو جائے گی۔ عرض ہے کہ کلمہ پڑھنے سے حرام شئے حلال نہیں ہو جاتی۔ کیا کلمہ پڑھنے سے بدعت سنت میں بدل جائے گی یا شرکیہ کام توحید میں تبدیل ہو جائے گا۔ کیا بسم اللہ پڑھنے سے خنزیر حلال ہو جائے گا۔

(ذ) اعتراض نقل کرتے ہیں: ”نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہٰذا اُپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو۔ جب چوہڑا پاخانہ اُٹھائے تو فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو“۔

جواب دیتے ہیں: ”نجس چیز اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہٰذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے“۔

اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب ساری عمر حقہ شوق سے نوش فرماتے رہے تمبا کو نوش حضرات کے نزدیک حقہ کی چلم کے لیے بہترین آگ اُپلوں کی آگ ہے۔ کش لگانے سے جن کا دھواں حلق سے ہوتا ہوا ان کے پھیپھڑوں تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ گوبر اور اُپلے نجس ہیں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی حقہ نوشی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا ساری عمر اُن کا سینہ پلید ہی رہا۔ جس چیز کو بریلویوں کے امام اہلسنت پسند فرماتے ہیں اسے تو پلید نہیں کہنا چاہیے۔ اسے تو واقعی ختم شریف پڑھ کر خیرات کرنا چاہیے۔ جہاں تک پاخانے کی بات ہے یہ بالاتفاق گندی بات ہے۔ لیکن اُمتِ رضویہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ معنوی لحاظ سے شرک و بدعت پاخانے سے بھی زیادہ گندا مذہب ہے۔ پاخانہ جانے اور اس سے فارغ ہونے کی دُعائیں نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ بلکہ بیوی کے پاس جانے کی دُعا بھی مروی ہے لہٰذا ان موقعوں پر بھی ملاں جی کو بلا کر ختم شریف پڑھنا ملّت بریلویہ کے نزدیک مستحب ہونا چاہیے۔

بحث دُعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

【۲۷۴】 مفتی صاحب فرماتے ہیں مشکوۃ باب صلوۃ الجنازہ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد حدیث ۳۱۹۹، مشکوۃ ص ۱۴۶) میں ہے:

((اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء)).❶

”جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خالص دعا مانگو“۔

فا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فوراً بعد دُعا کی جائے بلا تاخیر۔ صليتم شرط ہے اور فاخلصوا اس کی جزا ہے۔ شرط اور

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزا ہے۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور فاخلصوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دُعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ میں نماز کے لیے اُٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا۔"

یہ حضرت خیر سے مفتی بھی ہیں اور محقق بھی۔ نہ جانے اس طرح کی تحقیق کر کے اور اس طرح کے فتوے دے کر انھوں نے کتنوں کو گمراہ کیا ہوگا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اذا اكل احدكم فلياكل بيمينه و اذا شرب فليشرب بيمينه)). (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۱۷۲ حدیث ۵۲۶۵، مشکوۃ باب الاطعمة ص ۳۶۳)

"جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو اپنے دائیں ہاتھ سے پیئے"۔

اس مثال میں شرط ماضی اور جزا امر ہے اور فا کے ساتھ استعمال ہے اور شرط اور جزاء میں تغایر نہیں ہے۔ کیا خیال ہے کھا چکنے اور پی چکنے کے بعد دائیں ہاتھ سے کھایا پیا جائے گا۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (النساء: ۹۴)

"جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دیا کرو تو ایمان والا نہیں"۔

یہاں بھی شرط ماضی اور جزاء امر ہے اور دونوں میں تغایر نہیں ہے۔ ورنہ کیا جہاد سے فارغ ہو کر ان احکام پر عمل کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں فرمایا: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ (النساء: ۱۰۱)

"اور جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں"۔

یہاں بھی شرط اور جزا میں تغایر نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ سفر جہاد سے واپس آ کر تو نماز قصر نہیں کی جائے گی۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ﴾ (النساء: ۱۰۲)

"اور جب تو ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی ہو"۔

اس میں بھی شرط ماضی اور جزا امر ہے اور دونوں میں تغایر نہیں ہے ورنہ کیا امامت کر چکنے کے بعد پھر جماعت آ کر کھڑی ہوگی۔ فرمایا:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ (النحل: ۱۲۶)

"اور اگر بدلہ بھی لو تو بالکل اتنا ہی جتنا تمہیں پہنچایا گیا ہو"۔

یہاں بھی شرط ماضی اور جزا امر ہے اور تغایر نہیں ہے۔ ورنہ انتقام لے چکنے کے بعد تو برابر کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

یہ بھی اسی قسم کی مثال ہے اور ان سب میں فا بھی موجود ہے۔ مفتی صاحب کو شاید صرف تغایر زمانی کا ہی پتہ تھا۔ حالانکہ تغایر کسی مفہوم کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں تغایر زمانی نہیں ہے صرف تغایر مفہوم ہے۔ مزید وضاحت کے لیے عرض ہے مثلاً بریلوی مولویوں سے کوئی کہے جب تم ختم شریف کا حلوا کھاؤ تو ڈٹ کر کھاؤ۔ جب تم درود و سلام پڑھو تو لاؤڈ سپیکر پر پڑھو یا جب تم وہابیوں کو برا کہو تو حضور ﷺ کا اسم گرامی استعمال کرو۔ جیسے مجدیوں پر دبدبہ۔ یا محمد مصطفیٰ (ﷺ)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ان مثالوں میں تغایر زمانی پایا جاتا ہے ضد کی ضرورت نہیں۔ یہ بات دراصل قرینے سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جزا شرط سے پہلے یا بعد میں ہے یا بیچ میں ہے ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ میں جزا شرط سے پہلے ہے اس لیے کہ ہمیں احادیث سے معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ اسی طرح ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ میں بھی جزاء شرط سے پہلے کیونکہ سنت طریقہ یہی ہے۔ ﴿فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا﴾ بلکہ ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ میں بھی قرینے موجود ہیں کہ جزاء شرط کے بعد ہے۔ کیونکہ کھانے یا نماز کے دوران میں منتشر ہونا ممکن نہیں ہے۔ برخلاف نماز جنازہ کے کہ اس کے بیچ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں مانگنا ثابت ہیں۔ بعد میں ثابت نہیں۔ خود حنفی بھی نمازِ جنازہ کی نیت میں یہ پڑھتے ہیں دعا واسطے حاضر میت کے۔ لہٰذا اذا صلیتم علی المیت کو ﴿فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا﴾ پر قیاس کر کے بعد میں دُعائیں مانگنے لگ جانا سراسر غلط مبحث اور دھوکا ہے۔

مفتی صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے:

((قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی باب القراءة علی الجنازة بفاتحة الکتاب حدیث ۱۰۲۶، ابوداؤد ما یقرء علی الجنازة حدیث ۳۱۹۸، مشکوة کتاب الجنائز ص ۱۴۶) ❶

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی"۔

پھر اشعۃ اللمعات سے نقل کرتے ہیں: (ترجمہ) "ممکن (احتمال) ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے"۔

یہ استدلال احتمال سے ہے رواج سے ہے اور نہایت ضعیف روایت ہے۔ میں اس کے مقابلے میں ایسی روایت پیش کرتا ہوں جس میں نہ احتمال ہے نہ رواج ہے نہ ضعف ہے۔ طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((صلیت خلف ابن عباس علی جنازة فقرء فاتحة الکتاب فقال لتعلموا انها سُنّة)). (بخاری ص ۱۷۸ حدیث ۱۳۳۵)

"مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: تمہیں معلوم ہو کہ یہ سنت ہے"۔

۲۷۵ مفتی صاحب نے فتح القدیر کتاب الجنائز کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر بن ابی طالب کی شہادت کی خبر دی۔

((فصلی علیه رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم و دعا له وقال استغفروا له)).

"پس ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دُعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کرو"۔

"اسی طرح عبداللہ بن رواحہ پر بعد نماز (جنازہ) دُعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نمازِ جنازہ دُعائے مغفرت جائز ہے"۔

یہ حوالے بالکل بے ثبوت ہیں۔ ایک طرف احناف کا دعویٰ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اصحمہ نجاشی کے سوا کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا۔ یہاں مفتی صاحب خود شہدائے غزوہ موتہ کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت فرما رہے ہیں۔ تو کیا بریلوی غائبانہ نماز جنازہ کے قائل

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے ہیں؟ فرماتے ہیں: دُعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا نماز کے علاوہ تھی۔ مفتی صاحب نے قبل ازیں جو فائدہ فا سے اُٹھانا چاہا تھا وہی فائدہ اب واؤ سے اُٹھانا چاہا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ﴾ (البقرہ: ۲۰۵)

"اور جب وہ لوٹ جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے"۔

تو کیا یہ حرث و نسل کی ہلاکت فساد فی الارض کے علاوہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی واؤ ہے۔ وغیرہ۔

(الف) حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بیٹی کی نماز جنازہ پڑھائی:

((ثم کبر علیها اربعا ثم قام بعد ذٰلك قدر ما بین التکبیرتین وقال رأیت رسول الله ﷺ کان یصنع هٰکذا)). (عن ابراهیم هجری بحواله منتخب کنز العمال کتاب الجنائز) ❶

"پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دُعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے"۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ روایت میں دُعا کا لفظ ہی نہیں۔ صرف قیام کا لفظ ہے۔ مفتی صاحب نے ترجمہ میں خواہ مخواہ دُعا کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ دُعا یا قیام جو کچھ بھی تھا چوتھی تکبیر کے بعد تھا۔ سلام کے بعد نہیں تھا۔ لہٰذا اس سے مفتی صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے جو کہ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دُعا کے قائل ہیں جیسا کہ ابن ابی اوفی ہی کے بارے میں صاف وضاحت ہے:

((انه کبر اربعا فمکث ساعة حتی ظننا انه سیکبر خمسا ثم سلم عن یمینه و عن شماله)).

"کہ انھوں نے چار تکبیریں کہیں پھر کچھ دیر ٹھہرے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچویں تکبیر کہیں گے۔ پھر انھوں نے دائیں بائیں سلام پھیر دیا"۔ (سنن کبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۴۲ حدیث ۶۹۸۸) ❷

(ب) فرماتے ہیں بیہقی میں مستظل بن حصین سے روایت ہے:

((ان علیا صلی علی جنازة بعد ما صلی علیه)). "کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دُعا مانگی"۔

مفتی صاحب نے ترجمہ میں زبردست خیانت فرمائی ہے۔ اس میں دو جگہ صلی استعمال ہوا ہے اگر صلی کا معنی دُعا کیا جائے تو ترجمہ یہ بنتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ پر دُعا کے بعد دُعا کی۔ ظاہر ہے کہ یہ مہمل بات ہے اور اگر نماز جنازہ معنی کیا جائے تو ترجمہ یوں بنتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد (دوبارہ) نمازِ جنازہ پڑھی۔ یہی صحیح ترجمہ ہے۔ یہ سہل بن حنیف کا جنازہ تھا جس کے متعلق بیہقی ہی میں ہے:

((فقالوا یا امیر المؤمنین لم نشهد الصلوٰة علیه فقال صلّوا علیه فصلّی بهم فکان امامهم قرظة بن کعب)).

"انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہم نماز جنازہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ قرظہ بن کعب نے امامت کرائی"۔ (بیہقی ج ۴ ص ۴۵ حدیث ۶۹۹۴) ❸

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت میں یوں ہے:

((فجاء قرظة بن کعب و اصحابه بعد الدفن امر هم ان یصلوا علیه)). (ایضًا)

"قرظہ بن کعب اور ان کے ساتھی دفن کے بعد پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا"۔

مفتی صاحب نے اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لیے ایک صلی کا معنی نماز کر لیا اور ایک صلی کا معنی دُعا کر لیا۔ فقہ حنفی میں دوبارہ نماز جنازہ جائز نہیں نہ دفن سے پہلے نہ دفن کے بعد نہ غائبانہ ان حضرات نے اپنی بدعات کو آباد کرنے کے شوق میں اپنی تقلید کو برباد کر لیا ہے۔

۲۷۶ فرماتے ہیں: ((مبسوط شمس الائمه سرخسی)). (ج ۲ ص ٦٧)

باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا:

((ان سبقتمونی بالصلوٰة علیه فلا تسبقونی بالدعاء)).

"اگر تم نے مجھ سے پہل نماز پڑھ لی تو دُعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو (یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دُعا کرو)"۔

اوّل تو یہ حوالہ مستند نہیں ہے۔ نیز ترجمہ اور تشریح میں بھی گڑ بڑ کی گئی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ تم نے مجھے نماز جنازہ سے محروم کر دیا ہے۔ دُعا سے محروم نہیں کر سکو گے۔ یہ تو میں مانگ ہی لوں گا اس روایت میں نمازِ جنازہ کے بعد مفصل دُعا کا ذکر نہیں ہے۔ اگر نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی تم دُعا میں مجھ سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دُعا کرو۔ مفتی صاحب کا ترجمہ صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے بعد از دفن دُعا مراد ہو سکتی ہے جو کہ مسنون ہے۔

فرماتے ہیں مفتاح الصلوٰة ص ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد برہان پوری میں ہے:

(ترجمہ:) "جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورہ بقرہ کا شروع رکوع مُفْلِحُوْنَ تک جنازے کے سرہانے اور سورہ بقرہ کی آخری آیات امن الرسول میت کے پاؤں کی طرف پڑھو کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقع ہوا۔ میسر ہو تو دونوں طرف پڑھے"۔

یہ سراسر غلط بیانی ہے جنازہ پر پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں۔ قبر پر پڑھنے کا ذکر ہے۔ (شعب الایمان بیهقی باب فی الایمان بالملئکة مشکوٰة باب دفن المیت ص ۱٤۹) [1]

روایت بھی ضعیف ہے۔ اور ہے بھی موقوف۔ یعنی یہ حدیث نہیں بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا انفرادی قول ہے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل ثابت نہیں۔ نیز اس کا بریلویوں کی مروجہ دُعا سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۷۷ فرماتے ہیں: "نماز سے پہلے یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز ہے بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسماندگان کے لیے دُعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے"۔

سوال یہ ہے کیا تعزیت کا یہی طریقہ ہے کہ باقاعدہ پابندی کے ساتھ مل کر اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی جائے۔ اگر مفتی صاحب کا

تخریج: [1] اس کی سند سخت کمزور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدلال درست ہے تو پھر انہیں نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کا الگ پاکھنڈر چانے کی کیا ضرورت ہے۔

فرماتے ہیں: "ہر نماز کے بعد دُعا مسنون ہے"۔

((قیل یا رسول الله ﷺ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر و دبر الصلوٰت المکتوبات)). (عن ابی امامہ ترمذی باب جامع الدعوات حدیث ۳۴۹۹، مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)❶

"نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کونسی دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے تو فرمایا جو رات پچھلے پہر اور فرض نمازوں کے بعد"۔

اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں نہ دُعا کی جائے؟

ہر نماز کے بعد دعا کو مسنون کہنے سے پہلے مفتی صاحب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی معلوم کر لینا چاہیے تھا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

((قال ابو حنیفة کل صلوٰة یتنفل بعدها یقوم وما لا یتنفل بعدها کالعصر والصحیح فهو مخیر)).

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا جس نماز کے بعد نفل ہوتے ہیں اُٹھ کھڑا ہو اور جس نماز کے بعد نفل نہیں ہوتے جیسے نماز عصر اور فجر تو اسے اختیار ہے"۔ (عمدۃ القاری، فتاویٰ عالمگیری بحوالہ تحفۃ ج ۱ ص ۲۴۷)

معلوم ہوا ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد دُعا مانگنا تو کجا بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں۔ اور یہ بیٹھنے کی اجازت کا نہ ہونا نفلوں کی مصروفیت کی وجہ ہے۔ نماز جنازہ کے بعد بھی تدفین کی مصروفیت ہوتی ہے۔ لہٰذا مذہب حنفی کی رو سے نماز جنازہ کے بعد دُعا کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔ رہا معاملہ حدیث شریف کا تو گزارش ہے کیا نماز جنازہ بھی الصلوٰت المکتوبات میں شامل ہے۔ یعنی صلوٰت مکتوبات سے فرض عین نمازیں مراد ہیں یا فرض کفایہ۔ اگر نماز جنازہ صلوٰۃ مکتوبات میں شامل ہے تو نبی ﷺ جس طرح پنج وقتہ نمازوں کے بعد دُعائیں مانگا کرتے تھے کیا نماز جنازہ کے بعد بھی آپ ﷺ سے کوئی دُعا مانگنا ثابت ہے۔ اکیلے یا ہاتھ اُٹھا کر؟ انفرادی یا اجتماعی؟ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ صلوٰۃ مکتوبات میں کیسے شامل ہوسکتی ہے جبکہ ان کے نزدیک صلوٰۃ مکتوبات میں سورہ فاتحہ واجب ہے اور نماز جنازہ میں منع ہے۔

امام ابوبکر بن حامد الحنفی متوفی ۲۶۴ھ فرماتے ہیں:

((ان الدعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروه)). (محیط باب الجنائز) "نماز جنازہ کے بعد دُعا مکروہ ہے"۔

شمس الائمہ حلوائی حنفی متوفی ۴۵۴ھ نے قنیہ ج ۱ ص ۵۶ میں امام طاہر بن احمد بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ نے خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵ میں۔

علامہ سراج الدین حنفی متوفی ۷۰۰ھ نے فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳ میں۔ ملاں علی قاری حنفی نے مرقات ج ۲ ص ۲۱۹ میں۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی حنفی نے نفع المغنی والسائل ص ۶۱ میں اور بہت سے علماء احناف نے دعا بعد نماز جنازہ کو ناجائز اور مکروہ فرمایا ہے۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "دُعا مانگنے کے لیے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دُعاء جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام ہے"۔

عرض ہے کہ اس وجہ کا جواب دینا ہمارے ذمے نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کا عمل ہے جس طرح انھوں نے کہا: آمنّا و صدقنا۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ما اہل حدیثیم دغارا نشاسیم   باقولِ نبی چوں و چرا نشاسیم

ترجمہ: ہم اہل حدیث ہیں حدیث سے دغا نہیں کرسکتے

اپنے نبی ﷺ کے قول وعمل سے چوں چرا نہیں کرسکتے

نمازِ جنازہ کے بعد یہ حضرات جس قسم کی دُعا کے قائل ہیں میرے علم میں نہیں کہ بریلویوں سمیت کسی نے اس قسم کی دُعا کو قبل ازنماز جنازہ بھی جائز رکھا ہو۔ بعدازدفن نبی ﷺ سے میت کے لیے ثابت قدمی کی دُعا مانگنا ثابت ہے۔اس پر بعدازنماز جنازہ یعنی قبل ازدفن کی دُعا کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اِلا یہ کہ شریعت اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔دُعا بے شک ہروقت مانگی جاسکتی ہے مگر جب خود مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ دُعا مانگنے کے لیے وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو پھر یہ نمازیوں کو کیوں بعد نماز جنازہ دُعا مانگنے کا پابند بناتے ہیں۔ وہ جب جی چاہے مانگ لیں گے۔کیا آنحضرت ﷺ کے علاوہ بھی کسی کو دُعا کے لیے وقت مخصوص کرنے کا حق ہے؟ جب یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ کے بیچ میں دُعا مانگی ہے یا پھر دفن کے بعد قبر پر مانگی ہے تو پھر بعدازجنازہ کے بارے میں وجہ پوچھنا اسلام پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں "نمازِ جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دُعا کرنا ایصالِ ثواب کرنا حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا"۔

نبی علیہ السلام کے عمل مبارک کو جادو کہنا اسے کفر کہنے کے برابر ہے۔ضرورت تو نہیں کہ اس لچر سوال کا جواب دیا جائے تاہم تفہیم کے لیے عرض ہے کہ جب نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو دُعا ہو گئی۔اب دُعا کے بعد معاً دعا کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو منکر نکیر آکر سوال جواب کرتے ہیں۔ یہ موقع ہوتا ہے ثابت قدمی کے لیے دُعا کا اس وقت بھی دُعا مسنون ہے۔ اسلام کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔کیا حکمت کے خلاف عمل کرنا ہی حکیم الامتوں کا کام ہے۔

دُعا پر اعتراضات وجوابات

۲۷۸ اس سوال کے جواب میں کہ نماز جنازہ خود ایک دُعا ہے تو پھر دُعا کے بعد دُعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے مفتی صاحب نے کچھ دوسری نمازوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کے بعد دُعا مانگی جاتی ہے۔گزارش ہے کہ اگر قیاس سے کام لینا ہے تو پھر دوسری نمازوں میں سورہ فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے رکوع سجود وغیرہ بھی ہوتے ہیں تو پھر نماز جنازہ میں بھی یہ کام کیے جانے چاہیں اگر جواب دیا جائے کہ یہ کام نبی ﷺ نے نہیں کیے تو کیا نماز جنازہ کے بعد آپ ﷺ نے دعا مانگی ہے؟ مفتی صاحب کا قیاس سے کام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس قرآن وحدیث یا اجماع سے ثبوت نہیں ہے۔

(الف) فرماتے ہیں حدیث پاک میں ہے:

((اکثروا الدعاء)). "دعا زیادہ مانگو"۔(عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج۱ ص ۱۹۱ حدیث ۱۰۸۳، مشکوۃ باب السجود و فضلہ ص ۸٤)

دعا کے بعد زیادہ مانگنا زیادہ دُعا ہے۔

یہ الفاظ نبی ﷺ نے سجدہ میں دُعا مانگنے کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثار کا مطلب یہ نہیں کہ دُعا کے بعد دُعا مانگو بلکہ یہ مطلب ہے کہ زیادہ یعنی خوب دُعا مانگو۔ تو کیا نماز جنازہ کے بیچ میں زیادہ دُعا مانگنا بدعت سیئہ ہے جو بعد میں بدعت حسنہ کے ذریعے اس کی تلافی کی جاتی ہے۔ یا گناہ ہے کہ اب اس کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ نمازِ جنازہ میں جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جو خاص دُعاؤں کے لیے ہی مشروع کی گئی ہے اس کے بیچ میں ڈھنگ سے دُعا نہ کرنا اور اس کا جھٹکا کر کے رکھ دینا اور بعد میں ورثاء کو خوش کرنے کے لیے دُعا کا مجمع لگا لینا کیسی احمقانہ حرکت ہے۔ نبی ﷺ جنہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی کیا انھیں علم نہیں تھا کہ اکثار کا مطلب دُعا کے بعد دُعا مانگنا ہے اور کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی یہ بات معلوم نہ تھی۔ کیا امام صاحب رحمہ اللہ مفتی صاحب سے کم درجہ کے مجتہد تھے۔ خود مفتی صاحب نے شروع میں لکھا ہے جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع اُمت سے اجتہاد و انبساط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید واجب ہے۔ (ص ۱۸)

اس مسئلہ میں مفتی صاحب نے کس مجتہد کی تقلید کی ہے۔ ان الفاظ کی روشنی میں بریلوی حضرات یا تو اپنے یہ نظرو ٹو مسائل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت کریں یا پھر اپنا غیر مقلد ہونا تسلیم کریں۔

(ب) فرماتے ہیں: ”اگر میت کے ولی نے نماز (جنازہ) نہ پڑھی اوروں نے پڑھ لی تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور ﷺ کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلاۃ باب الامامت) ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی پھر جب آخر دن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھے۔ اب کہو کہ یہ نماز تو دُعا تھی وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں“۔

اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر صرف ایک آن کے لیے موت طاری ہوئی ہے۔ پھر ایک آن کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے حقیقی و دنیاوی روحانی اور جسمانی طور پر زندہ ہو جاتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱)

نبی ﷺ سوموار کو فوت ہو کر بدھ کو مدفون ہوئے۔ تو موت کی ایک آن کے بعد کیا آپ زندہ نہیں ہو گئے تھے؟ کیا بحالت زندگی بھی آپ کا جنازہ پڑھایا جاتا رہا۔ جنازہ پڑھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا نیت کرتے تھے دُعائیں واسطے حاضر میت کے یا حاضر زندہ کے۔

ولی کے نمازِ جنازہ پڑھ لینے کے بعد کسی کو نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت کا نہ ہونا حدیث کا مسئلہ نہیں فقہ حنفی کا مسئلہ ہے۔ اگر بریلویوں کا فقہ حنفی پر ایمان ہے تو اس فقہ سے دُعا بعد نمازِ جنازہ کا ثبوت فراہم کر کے دکھلائیں۔

کیا احناف کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب سے آخر میں جنازہ پڑھا تھا اور پھر اسی لیے بعد میں جنازہ پڑھنا ممنوع ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ جزء ۵ ص ۲۴۷ میں متعدد حوالہ جات سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نمازِ جنازہ سب سے پہلے مردوں نے پڑھی جس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے پھر عورتوں نے پڑھی پھر بچوں نے پڑھی۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی اگر ولی تھے تو اگر بالفرض وہ کسی وجہ سے حضور ﷺ کا جنازہ نہ پڑھ سکتے تو کیا پھر قیامت تک آپ کا جنازہ پڑھنا جائز رہتا یا اگر وہ شروع میں پڑھ لیتے تو کیا بعد والوں کے لیے جنازہ پڑھنا ممنوع ہو جاتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((فان صلی غیر الولی او سلطان اعاد الولی یعنی ان شاء)). (باب الجنائز ص ۱۳۸)

"ولی یا حاکم کے علاوہ کوئی نماز جنازہ پڑھے تو پھر ولی اگر چاہے تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے"۔

اس سے ثابت ہوا اگر نماز جنازہ ایک دفعہ ہو جائے تو پھر ولی کے سوا اور کسی کو بھی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے:

((و ان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ)). (ج ۱ ص ۱۶۴)

"اگر ولی جنازہ پڑھ لے تو اس کے بعد اور کسی کو جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں"۔

مگر مفتی صاحب نے لکھا ہے دو روز تک لوگ نمازِ جنازہ ادا کرتے رہے۔ فقہی حوالوں کے مطابق تو ولی کے سوا کسی کو اجازت ہی نہیں حتیٰ کہ سلطان کو بھی نہیں۔ آخر یہ کیا چکر ہے؟

﴿۲۷۹﴾ مفتی صاحب نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ولی قرار دیا ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں میں کوئی آپ کے ولی نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ تھے اور وہ پہلے ہی نمازِ جنازہ بھی پڑھ چکے تھے تو پھر کس وجہ سے بعد میں جنازوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھنا از روئے فقہ حنفی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی جائز نہ تھا۔ کیونکہ ان کی حیثیت ولی کی نہیں بلکہ سلطان اور حاکم کی تھی۔ اگر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ولی تھے اور ان سے پہلے جنازوں کا سلسلہ جائز تھا۔ تو پھر مفتی صاحب کے اصول کے مطابق آج بھی جب تک صدر مملکت کسی کا جنازہ نہ پڑھیں بار بار جنازہ پڑھنا جائز ہونا چاہیے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت سہل بن حنیف کا جنازہ تھا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ پڑھ چکے تھے کہ قرظہ بن کعب تشریف لائے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے دوبارہ باجماعت نمازِ جنازہ پڑھی۔ (بیہقی ج ۴ ص ۴۵ حدیث ۶۹۹۴)

یہ حوالہ مفتی صاحب نے اپنی کتاب میں توڑ موڑ کر پیش کیا ہے۔ (ص ۲۷۵) اگر حاکم ولی ہوتا ہے تو اس سے مفتی صاحب کا یہ اصول ٹوٹ گیا کہ ولی کے بعد نماز جنازہ جائز نہیں۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے کی مثال سے مفتی صاحب نے ثبوت تو دیا ہے بار بار نمازِ جنازہ کا اور استدلال فرمایا ہے دُعا بعد نمازِ جنازہ کا۔ حالانکہ یہ ہماری دلیل ہے جو سراسر ان کے خلاف ہے۔

﴿۲۸۰﴾ مفتی صاحب نے جامع الرموز، ذخیرہ کبریٰ، محیط، مرقات، کشف الخطاء اور عالمگیری سے کچھ فقہی حوالے بطور اعتراض نقل کیے کہ "بعد نمازِ جنازہ دُعا جائز نہیں"۔ پھر ان کی مختلف تاویلیں فرمائی ہیں، لکھتے ہیں:

① "یہ کہ (دُعا) چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو"۔ حالانکہ ان حوالہ جات میں صاف بعد صلوۃ الجنازۃ کے الفاظ ہیں۔ تو بعد نماز جنازہ کو سلام سے پہلے کیسے کہا جا سکتا ہے۔ علامہ ابو حنیفہ ثانی ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

ولا یدعوا بعد التسلیم. "سلام کے بعد دُعا نہ مانگے"۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳)

ذرا ان حضرت کی عیاری ملاحظہ ہو۔ ان اقوال فقہاء میں صاف وضاحت ہے کہ نماز جنازہ کے بعد یا سلام کے بعد دُعا جائز نہیں تو انھوں نے اسے چوتھی تکبیر کے بعد قبل از سلام پر محمول فرما لیا۔ قبل ازیں اُنھوں نے ابن ابی اوفیٰ والی روایت نقل کی ہے جس میں چوتھی تکبیر کے بعد قبل از سلام قیام (یا دُعا) کا ذکر ہے۔ (ص ۲۷۵) اسے اُنھوں نے بعد از سلام پر محمول فرما لیا۔

② دوسری تاویل یہ فرمائی ہے کہ "دُعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں"۔ لمبی دُعا سے روکنے کے لیے فقہائے احناف کا یہ کہنا کہ نمازِ جنازہ کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا سلام کے بعد دُعا نہ مانگے کیا یہ درست ہے؟ کیا یہ سب فقہاء اظہار مافی الضمیر سے قاصر تھے۔ مثلاً اگر کہا جائے روزہ دار دن کو نہ کھائے پیئے تو کیا ان کا یہ مطلب ہے زیادہ نہ کھائے پیئے۔ یا اگر کہا جائے صبح اور عصر کو نماز کے بعد نماز نہ پڑھو۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ بریلویوں کی دُعا بعد نماز جنازہ خود نماز جنازہ سے لمبی ہوتی ہے۔

③ تیسری تاویل یہ فرماتے ہیں کہ "صف بستہ کھڑے کھڑے دُعا نہ کریں۔ اگر صف توڑ دی بیٹھ گئے تو حرج نہیں"۔ اس تاویل کی گنجائش مفتی صاحب کو اس لیے نظر آ گئی ہے کہ بعض فقہی روایتوں میں لا یقوم بالدعاء کے الفاظ ہیں۔ انھوں نے اس کا معنی کھڑے ہونا کر لیا ہے۔ حالانکہ اس جگہ اس کا معنی ٹھہرنا ہے۔ چاہے وہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جیسا کہ محیط باب الجنائز میں ابن حامد سے مروی ہے: ((ان الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مکروہ)) "نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مکروہ ہے"۔

مفتی صاحب بال کی کھال نکالنے میں بہت ماہر معلوم ہوتے ہیں میں ان کے مذہبی وارثوں سے پوچھتا ہوں۔ مسافر کے مقابلہ میں جو لفظ مقیم بولا جاتا ہے اس کا معنی کھڑا ہونے والا ہے یا ٹھہرنے والا۔ حدیث شریف میں ہے:

((اِذَا تَزَوَّجَ الثَّیب)) "جب ثیبہ سے نکاح کرے"۔

((علی البکر اقام عندھا ثلاثا)). (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۷۸۵ حدیث ۵۲۱۴، مسلم ج ۱ ص ۴۷۲ حدیث ۳۶۲۶، مشکوۃ کتاب النکاح باب القسم ص ۲۷۹)

"باکرہ کی موجودگی میں تو اس کے ہاں تین روز قیام کرے"۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ یَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ (النحل: ۸۰)

"گھر بنا دیئے ہیں جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دِن اور اپنے قیام کے دِن"۔

ان دونوں مثالوں میں قیام کا معنی کھڑا ہونا نہیں ٹھہرنا۔ المنجد میں قام کے معنی انتصب بھی کیے گئے ہیں یعنی کھڑا ہوا اور وقف بھی کیے گئے ہیں یعنی ٹھہرا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں صف توڑ دی۔ تو کیا صرف توڑنا کھڑے ہونے کے منافی ہے۔

۲۸۱ حکمت بیان فرماتے ہیں: "جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تا کہ کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے"۔

عرض ہے کہ نماز جنازہ میں انسان ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ دُعا میں مخصوص انداز کے ساتھ ہاتھ اُٹھائے ہوتے ہیں۔ اس لیے دھوکہ کیسے لگے گا۔

عالمگیری میں ہے: ((لیس بعد التکبیر الرابعۃ)) "چوتھی تکبیر کے بعد نہیں"۔

((قبل السلام دعاء)). (ج ۱ ص ۱۶۴) "سلام سے پہلے دُعا نہیں ہے"۔

عرض ہے کہ اس حوالہ کا ان حوالہ جات سے کیا تعلق ہے جن میں صریحاً سلام کے بعد دُعا سے منع کیا گیا ہے۔

مفتی صاحب آخر میں پھر لکھتے ہیں: "نماز جنازہ کے بعد دُعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دُعا نا جائز ہونی چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو نماز کے بعد ہی ہے"۔ یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ براہِ راست نبی ﷺ پر ہے جنہوں نے نمازِ جنازہ کے بعد دُعا نہیں مانگی اور دفن کے بعد مانگی ہے۔

مزاراتِ اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

۲۸۲ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے کی طرف پتھر نصب فرمایا"۔ اور فرمایا:

((اتعلم بها قبر اخی و ادفن الیه من مات من اهلی))۔ (عن مطلب بن ابی وداعه ابوداؤد حدیث ۳۲۰۶ باب جمع الموتٰی فی قبر واحد والقبر یعلم، مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۹) ❶

"ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگا دیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مُردوں کو دفن کریں گے"۔

بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں ہم زمانہ عثمان رضی اللہ عنہ میں تھے:

((ان اشدنا وثبة الذی یثب قبر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حتی یجاوزہ))۔ (ص ۱۸۲ حدیث ۱۳۶۱)

"ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو پھلانگ جاتا"۔

بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ قبر عثمان رضی اللہ عنہ کا تعویذ اس پتھر کا تھا، قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں سر کی طرف اس کو لگا دیا۔ یا مطلب یہ کہ قبر ساری اسی پتھر کی تھی۔ ثابت ہوا اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لیے قبر کچھ اونچی کر دی جائے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔

مفتی صاحب نے غلط سلط صغرے کبرے قائم کر کے ایک خطرناک نتیجہ نکال لیا ہے۔ ان کا یہ فرمانا کہ ایک پتھر نصب فرمایا بالکل جھوٹ ہے۔ نصب کے معنی گاڑنے کے ہوتے ہیں جب کہ مذکورہ حدیث میں **وضعها** کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اسے رکھا جیسے حضور ﷺ کے سجدہ کے بارے میں آتا ہے:

((ووضع کفیه حذو منکبیه))۔ "آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر رکھے"۔ (عن ابی حمید ساعدی ترمذی حدیث ۲۷۱، ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ حدیث ۸۹۴، باب ما جاء فی السجود علی الجبهة الخ) ❷

تو سجدہ میں زمین پر ہاتھ رکھے جاتے ہیں یا نصب کیے جاتے ہیں (یعنی گاڑے) جاتے ہیں۔ مفتی صاحب نے وضع کا معنی نصب کر کے ساری قبر پتھر کی بنا دی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ یاد رہے کہ اس حدیث کی سند میں کثیر بن زید مدنی متکلم فیہ ہے۔ اور یہ مرسل بھی ہے کیونکہ مطلب صحابی نہیں ہے۔ کہتے ہیں بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا۔ حالانکہ اس روایت میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ایک کچی قبر کو نہیں پھلانگا جا سکتا۔ مفتی صاحب کو اگر یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ کسی بزرگ کی قبر کو پختہ کیا جا سکتا ہے تو ساتھ ہی انھیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بزرگ کی قبر پر پھلانگنے کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تو

تخریج: ❶ حسن ہے۔ ❷ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلیل القدر صحابی تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں اپنا بھائی بھی قرار دیا۔ اس کے مقابلے میں کسی بڑے بزرگ کی حقیقت ہی کیا ہے۔ کیا بریلوی مولوی صاحبان حضرت خارجہ بن زید رحمہ اللہ کی طرح اپنے نوجوان کھلاڑیوں کو اصلی بات کی اجازت دیں گے کہ وہ بزرگوں کے مزاروں پر ہائی جمپ یا لانگ جمپ کی پریکٹس کیا کریں۔

بخاری شریف کے اس باب میں آگے حضرت عثمان بن حکیم سے مروی ہے کہ انہی حضرت خارجہ بن زید نے (جو فقہائے مدینہ میں سے ہیں) میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک قبر پر بٹھا دیا اور اپنے چچا حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ قبر پر بیٹھنا اس شخص کے لیے مکروہ ہے جو اس پر ٹٹی پیشاب کرے۔ اور حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبروں پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ (بخاری ص ۱۸۲) کیا بریلوی حضرات کو یہ طریقہ منظور ہے۔ کیا یہ اپنے مزاروں کو بطور بنچ استعمال کرنا پسند فرمائیں گے۔ انھیں اس کی اجازت دے دینی چاہیے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رخص بعض علماء نا المشی علی القبور و قالوا یمشی علی سقف القبر. (ج ۵ ص ۳۵۱)

"ہمارے بعض علماء نے قبر کے عین اُوپر چلنے کو جائز رکھا ہے"۔

امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا یہی قول ہے کہ قبروں کے اوپر بیٹھنا جائز ہے۔ البتہ ٹٹی پیشاب کے لیے بیٹھنا منع ہے۔ (ص ۸۱)

موطا امام مالک رحمہ اللہ میں ہے:

((انما نھی عن القعود علی القبور فیما نری للمذاھب)). (فتویٰ نمبر ۷۹۹)

"ہمارے خیال میں قبروں پر صرف ٹٹی پیشاب کے لیے بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے"۔

امام مالک رحمہ اللہ ان ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں جن کی تقلید حنفیہ کے نزدیک جائز ہے"۔

ہمارے عقیدہ کے مطابق قبروں پر بیٹھنا بے ادبی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لا تجلسوا علی القبور)). "قبروں پر مت بیٹھو"۔ (عن ابی مرثد مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ حدیث ۲۲۵۰)

((لان یجلس احد کم علی جمرۃ فتحرق ثیابه فتخلص الی خیر له من ان یجلس علی قبر)).

"قبر پر بیٹھنے سے آگ پر بیٹھنا بہتر ہے"۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ایضا حدیث ۲۲۴۸، مشکوٰۃ ایضا باب دفن المیت)

۲۸۳ قرآن پاک نے اصحابِ کہف کے بارے میں ذکر کیا ہے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ (الکہف: ۲۱)

"جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنالیں گے"۔

مفتی صاحب نے اس سے بھی استدلال فرمایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا قول اللہ تعالیٰ نے یہاں نقل کیا ہے کیا وہ پیغمبر تھے؟ ان کا تو اسلام بھی ثابت نہیں۔ اصحابِ کہف ۴۴۵ء یا ۴۴۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جس کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: "پانچویں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے عام عیسائیوں میں اور خصوصاً رومن کیتھولک کلیسا میں شرک اور اولیاء پرستی اور قبر پرستی کا پورا زور ہو چکا تھا۔ بزرگوں کے آستانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوجے جارہے تھے اور مسیح علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور حواریوں کے مجسمے گرجوں میں رکھے جارہے تھے۔ اصحاب کہف کے بعث سے چند ہی سال پہلے ۴۳۱ء میں پوری عیسائی دنیا کے مذہبی پیشواؤں کی ایک کونسل اِسی آفس کے مقام پر منعقد ہو چکی تھی۔ جس میں مسیح علیہ السلام کی اُلوہیت اور حضرت مریم علیہا السلام کے مادرِ خدا ہونے کا عقیدہ چرچ کا سرکاری عقیدہ قرار پایا تھا۔ اس تاریخ کو نگاہ میں رکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچے پیروان مسیح کے مقابلے میں اُس وقت عیسائی عوام کے راہنما اور سربراہ بنے ہوئے تھے اور مذہبی و سیاسی اُمور کی باگیں جن کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہی لوگ دراصل شرک کے علم بردار تھے اور اُنھوں نے ہی فیصلہ کیا کہ اصحابِ کہف کا مقبرہ بنا کر اس کو عبادت گاہ بنایا جائے"۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۷)

﴿۲۸۴﴾ مفتی صاحب نے لکھا ہے" قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا۔ دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اب بھی جائز ہیں"۔ مفتی صاحب نے بالکل بجا ارشاد فرمایا، یہ دونوں فعل شرک کے مذہب میں جب بھی جائز تھے۔ اب بھی جائز ہیں۔ اسلام میں نہ تب جائز تھے نہ اب جائز ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا۔ کیا حضور ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کے فرمان سے جدا ہے آپ ﷺ نے اپنی مرض وفات میں ارشاد فرمایا:

((لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور انبياءهم مساجد)). (عن عائشه رضى الله عنها بخارى ص ۱۷۷ حديث ۱۳۳۰، مسلم ج ۱ ص ۲۰۱ حديث ۱۱۸٤، مشكوة باب المساجد ص ٦٩)

"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا"۔

کیا بریلویوں کا نبی ﷺ پر ایمان نہیں ہے۔ یہ تو خیر یہود و نصاریٰ کا عمل تھا۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ سابقہ پیغمبروں کا کوئی عمل بھی قرآن کریم میں کیوں نہ مذکور ہوا ہو اور قرآن نے اس سے منع بھی نہ فرمایا ہو مگر نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہو تو وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ جیسے مثلاً تعظیمی سجدہ۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں کتب اصول سے ثابت ہے:

شرائع قبلنا يلزمنا. "یعنی پہلوں کی شریعت ہم پر لازم ہے"۔

عرض ہے کہ اس سے پیغمبروں کی شریعت مراد ہے یا یہود و نصاریٰ کی۔

(ب) مفتی صاحب نے نبی ﷺ کے روضہ اقدس سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ اور گنبد خضرا کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ انبیاء کرام جہاں فوت ہوتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔ (ابن ماجہ حدیث ۱۶۲۸) [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر قبر نبوی ﷺ کے سجدہ گاہ بننے کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کھلی رکھی جاتی۔ (بخاری ص ۱۷۷ حدیث ۱۳۳۰) تیسری حکمت خود مفتی صاحب نے بیان کردی ہے کہ ۵۵۷ھ میں عیسائیوں نے حضور ﷺ کی نعش مبارک کو نکال کر لے جانے کی سازش کی تھی"۔ (واللہ اعلم بالصواب) اگر بزرگوں کے بارے میں بھی کوئی ایسا حکم یا ایسے خدشات ہوں تو کچھ غور ہو سکتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بارے میں کوئی ایسا حکم بھی نہیں کہ جہاں فوت ہوں وہیں دفن ہوں۔ نہ یہ ڈر ہے کہ اگر ان کی قبریں

تخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھلی اور کچی رکھی گئیں تو پوجا شروع ہو جائے گی کیونکہ ہم نے دیکھا ہے صرف پکی قبریں پوجی جاتی ہیں۔ کچی قبروں کو کون پوجتا ہے۔ نہ ہی یہ خطرہ ہے کہ ان کی لاش کو کوئی نکال کرلے جائے گا۔ اس لیے بریلویوں کو روضہ نبوی ﷺ کی ریس نہیں کرنی چاہیے۔

۲۸۵ مفتی صاحب فرماتے ہیں "اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور ﷺ کی خصوصیت ہے تو کہا جائے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے۔ لہٰذا یہ خصوصیت نہ رہی"۔

عرض ہے کہ حضرت شیخین نبی ﷺ کے وزیر تھے۔ (عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ ترمذی باب مناقب ابی بکر حدیث ۳۶۸۰، مشکوٰۃ مناقب ابی بکر و عمر ص ۵۶۰) ❶ انھیں اس خصوصی تعلق اور صحبت کی وجہ سے وہاں دفن ہونے کا موقع مل گیا۔ اگر ان کی قبریں جنت البقیع وغیرہ میں ہوتیں تو پھر ان پر کوئی عمارت تعمیر نہ ہوتی جیسے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبروں پر گنبد تعمیر نہیں کیے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کا تو کسی کو پتہ ہی نہیں۔ (تاریخ اسلام ص ۵۶۱) روضہ نبوی ﷺ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دفن ہونے کی روایت صحیح نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ اور شیخین کی قبریں پکی نہیں کچی ہیں۔

(الف) حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا انتقال ہوا تو:

((ضربت امرأته القبة على قبره سنة ثم رفعت فسمعت صائحا يقول الا هل وجدا ما فقدوا فاجابه آخر بل يئسوا فانقلبوا)).

"تو ان کی بیوی صاحبہ نے ان کی قبر پر سال بھر تک خیمہ لگائے رکھا پھر اُٹھالیا تو ایک آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا گم شدہ شئی مل گئی؟ کسی دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس لوٹ گئے"۔

صرف سنة تک الفاظ نقل کر کے مفتی صاحب لکھتے ہیں: "اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا"۔

یہ روایت بخاری شریف (ص ۱۷۷ حدیث ۱۳۳۰) میں تعلیقاً یعنی بلا سند بیان ہوئی ہے۔ بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ مفتی صاحب اگر اسے مکمل بیان کر دیتے تو اس سے قبروں پر مجاوری کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ قبروں سے ٹنڈ پھوڑی اُٹھانے کا ثبوت ملتا ہے اور اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ایک سال تک اصلی بزرگ کی قبر پر ڈیرہ لگانے کے باوجود اس خاتون کو کچھ حاصل نہ ہوا اور وہ مایوس لوٹ گئیں۔ یہ پاکباز خاتون جُدائی کے صدمے کی وجہ سے قبر پر بیٹھی تھیں۔ مروجہ مجاوری کے لیے نہیں بیٹھی تھیں نہ ہی انھوں نے اس کا کوئی عرس وغیرہ کروایا تھا اگر وہ مجاوری کے لیے بیٹھی ہوتیں تو پھر سال بعد واپس خیمہ کیوں اکھاڑ ڈالا؟ کیا مجاوری اب منسوخ ہو گئی تھی؟ اگر اس خاتون نے کسی بزرگ کی قبر کا مجاور ہی بننا تھا تو کیا اس سے افضل قبر کوئی نہیں تھی کیا مجاوری کے لیے صرف شوہر کی قبر ہی رہ گئی تھی۔ مولوی احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا ناجائز بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے رسول ﷺ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضہ انور ﷺ کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ (ملفوظات ص ۲۳۷) اور یہ مفتی صاحب اس روایت سے (عورتوں کی) مجاوری ثابت فرما رہے ہیں۔ ان حضرت صاحب نے اس روایت سے استدلال کے لیے مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ صاحب مشکوٰۃ اور امام بخاری دونوں نے اسے تردید کے لیے بیان کیا ہے

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحبِ مشکوٰۃ نے اسے باب البکاء علی المیت کے تحت اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے باب ما یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور کے تحت بیان کیا ہے۔ یعنی میت پر رونا بھی جائز نہیں اور قبر پر مسجد بنانا بھی جائز نہیں۔ اس خاتون کا عمل ان دونوں باتوں کے خلاف تھا۔ اصل بیان کرنے والی بات یہ نہیں تھی جو مفتی صاحب نے بیان کی ہے یعنی قبر پر سال بھر ڈیرہ لگانا بلکہ وہ تھی جو انھوں نے بیان نہیں کی یعنی مایوس ہو کر ڈیرہ اُٹھالینا اور غائبانہ آواز۔

(ب) مفتی صاحب نے بزرگانِ دین کی قبروں پر قبے بنانے کے جواز میں مندرجہ ذیل کتابوں سے حوالے دیئے ہیں۔ روح البیان ج ۳ زیر آیت ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَـٰجِدَ ٱللَّهِ﴾ ملاں علی قاری حنفی کی مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح سفر السعادت۔ شامی ج ۱ باب الدفن۔ درمختار باب الدفن۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۵۔ آخر میں میزان کبریٰ ج ۱ کتاب الجنائز سے امام شعرانی کے الفاظ نقل کیے ہیں:

((و من ذٰلك قول الائمة ان القبر لا يبنى ولا يجصص مع قول ابى حنيفة يجوز ذٰلك قال الاوّل مشدد و الثاني مخفف)).

"اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر عمارت بنائی جائے اور نہ اس کو گچ کیا جائے باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے۔ پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی"۔

﴿۲۸۶﴾ پھر لکھتے ہیں "اب تو رجسٹری ہوگئی کہ خود امام مذہب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے"۔

مولانا سرفراز احمد گکھڑوی صاحب نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر قبے بنانے کے خلاف درج ذیل کتابوں سے حوالے دیئے ہیں کتاب الآثار لامام محمد ص ۶۹ و ۹۷، کبیر لامام حلبی حنفی ص ۲۴، قاضی خان ج ۱ ص ۹۲، عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶، شامی ج ۱ ص ۱۰۱، ما لا بد منہ لقاضی ثناء اللہ پانی پتی، مرقات ج ۱ ص ۲۴۶۔ (راہِ سنت ص ۱۷۲ تا ۱۷۴)

مفتی صاحب نے قبوں کے حق میں جن فقہاء کے حوالے دیئے ہیں ان کے متعلق گکھڑوی صاحب آگے فرماتے ہیں یہ حضرات نہ تو معصوم ہیں اور نہ مجتہد۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور امام مجتہد کے صریح ارشاد کے مقابلہ میں ان کی بات کون سنتا ہے۔

آگے چل کر مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی اور محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبروں پر قبے بنائے۔ (بحوالہ منتقی شرح موطا امام مالک ص ۲۹۲) اس کے متعلق گکھڑوی صاحب آگے فرماتے ہیں یہ بے اصل اور بے سند روایتیں ہیں۔ ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اگر یہ سنداً صحیح بھی ہوں تب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں ان کی کوئی پوزیشن ہی نہیں ہے"۔

گکھڑوی صاحب کی بات درست ہے لیکن ایک لحاظ سے تکلیف دہ بھی ہے۔ اُنھوں نے امام مجتہد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ جس طرح اُنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں ان کی کوئی پوزیشن نہیں ہے اسی طرح وہ امام مجتہد کے متعلق بھی لکھ سکتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ امام صاحب کے مقام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے برتر اور نبی معصوم کے برابر تصور کرتے ہیں۔

مفتی صاحب اور گکھڑوی صاحب دونوں کے حوالہ جات کا موازنہ کیا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت فقہاء کے اقوال میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بظاہر تضاد نظر آتا ہے۔ مثلاً گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں:

((وعن ابی حنیفة رحمه الله انه یکره ان یبنی علیه بناء من بیت او قبة او نحو ذٰلك)). (بحوالہ کبیری ص ۵۹۹)

"ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ قبر پر عمارت بنانا گھر کی شکل میں یا خیمہ کی شکل میں یا اس کے علاوہ (زیارت گاہ وغیرہ) کی شکل میں مکروہ جانتے تھے"۔

287 امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس مضمون کا حوالہ فتاویٰ قاضی خان میں بھی ہے۔ اور پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مفتی صاحب نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر عمارت بنانے کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ (بحوالہ میزان کبریٰ) اسی طرح گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے حضرت ملاں علی قاری حدیث ((من ابتدع بدعة ضلالة)) کی شرح میں رقم فرماتے ہیں:

((وھی ما انکرہ ائمة المسلمین کالبناء علی القبور و تجصیصھا)). (مرقات ج۱ ص ۲۴۶)

"بدعت ضلالت وہ راہ ہے جس کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا ہو جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا"۔

یہاں بدعت ضلالت کے تحت ضمناً بات ہوئی ہے۔ ملاں علی قاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر جہاں اصل بحث کی ہے وہاں رنگ کچھ اور ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((نھی رسول الله ﷺ ان یجصص القبر و ان یبنی علیه و ان یقعد علیه)). (مسلم ج۱ ص ۳۱۲ حدیث ۲۲۴۵، مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۷)

"نبی ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا"۔

اس حدیث کے تحت ملاں علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قلت اذا کانت الخیمة لفائدة مثل ان یقعد القراء تحتھا فلا تکون منھیة قال ابن الھمام رحمه الله و اختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکراھة ....

"میں کہتا ہوں جب خیمہ کسی فائدے کے لیے ہو مثلاً یہ کہ قراء حضرات اس کے نیچے بیٹھیں تو پھر منع نہیں ہے۔ ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں قبر پر قاریوں کو بٹھا کر قرآن پڑھانے میں اختلاف ہے ترجیح اس بات کو ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے"۔

آگے ملاں علی قاری لکھتے ہیں:

قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشھورین لیزورھم الناس و یستریحوا بالجلوس.

"سلف نے مشائخ اور مشہور علماء کی قبروں پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام کریں"۔ (مرقات ج۴ ص ۶۹)

ثابت ہوا حنفیہ کا اصل مسلک یہ ہے کہ قبر پر صاحب قبر کے لیے عمارت بنانا جائز نہیں۔ البتہ زیارت کرنے والوں کے لیے قبر پر قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لیے ان کے آرام و آسائش کے لیے اور دیگر فائدوں کے لیے عمارت بنانا جائز ہے۔ تقریباً بریلوی بھی تو یہی کہتے ہیں۔ پھر بریلویوں اور دیوبندیوں میں کیا فرق باقی رہ گیا۔ ان کی آپس کی لڑائی تو نورا کشتی لگتی ہے۔

مفتی صاحب نے تفسیر روح البیان سے قبے بنانے کی یہ مصلحتیں بیان کی ہیں "لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں"۔

عرض ہے کہ جن انبیاء صلحاء کی قبریں قبوں کے بوجھ سے محفوظ ہیں کیا لوگ انھیں حقیر جانتے ہیں۔عظمت اینٹ روڑے سے بنے ہوئے بلند و بالا قبوں سے نہیں نیک نامی سے حاصل ہوتی ہے۔

۲۸۸ مفتی صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ ہو:

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور در مختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا ہے اس لیے یہ قول ضعیف ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں۔فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں"۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: "لوگوں نے کہا (قَالُوْا) کہ نبی ﷺ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر ہے"۔

اس کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"قاضی خاں کی عبارت میں ہے قَالُوْا لوگوں نے کہا اور قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ قَالُوْا اس جگہ بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو"۔ (ص ۱۳۳)

ذرا خیال فرمائیے کہ قَالُوْا جو جمع کا صیغہ ہے اور ماضی معروف ہے یعنی جس کا قائل معلوم ہے وہ ان کے نزدیک ناپسندیدہ قول کی علامت ہے اور قِیْلَ جو ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور جس کا قائل معلوم نہیں اس کا قول ان کے نزدیک صحیح اور پسندیدہ ہے۔یہ انہی کا کرشمہ ہے کہ قَالُوْا سے قِیْلَ بہتر ہو گیا۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مشکوۃ باب الدفن میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دُور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام سے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے لہٰذا بعد موت بھی۔اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہٰذا کم از کم مستحب ہے"۔

ابھی مفتی صاحب نے خود حدیث بیان فرمائی ہے کہ حضرت خارجہ بن زید وغیرہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو پھلانگا کرتے تھے۔ (بحوالہ بخاری ص ۱۸۲، ص ۲۸۳) تو کیا زندگی میں بزرگوں کو پھلانگنا جائز ہے؟ مفتی صاحب نے صرف اولیاء اللہ کو واجب التعظیم قرار دیا ہے تو کیا سب مسلمان واجب التعظیم نہیں ہیں؟ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی باب رحمۃ الصبیان حدیث ۱۹۲۰، مشکوۃ باب الشفقۃ ص ۴۲۳)

"جو ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بچوں کی عزت نہ کرے وہ ہم سے نہیں"۔

لہٰذا قبر کی عمارت ہی اگر تعظیم کا ذریعہ ہے تو پھر ہر مسلمان کی قبر پر عمارت بنی چاہیے کیونکہ ہر مسلمان ہی اللہ کا ولی ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ "یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں"۔

﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴾ (سورہ یونس: ۶۲، ۶۳) "ولی وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار ہیں"۔

وہ بھی کوئی مسلمان ہے جو اللہ کا ولی نہیں ہے جو اللہ کا ولی نہیں ہے وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔پس ہر مسلمان کی قبر پر قابل رشک عمارتیں بنی چاہئیں۔زندوں کو مکان ملے یا نہ ملے مردوں پر لازماً پرشکوہ بلند نگیں تعمیر ہونی چاہئیں۔اسلام میں اگر کوئی واجب التعظیم نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو وہ اہل بدعت ہیں۔فرمایا:

((من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام)).(عن ابراھیم بن میسرہ شعب الایمان بیھقی حدیث ۹۰۱۸، مشکوۃ باب الاعتصام الخ ص ۳۱) ❶

”جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد دی“۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے: ”میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے“۔

میں پوچھتا ہوں اولیاء کرام زندگی میں جن مکانوں میں رہتے تھے کیا ان کی قیمت کروڑوں روپے تھے؟ کیا علی ہجویری جلابی رحمۃ اللہ علیہ کی کٹیا اتنی ہی پرشکوہ تھی جتنا کہ ”داتا گنج بخش“ کا مزار ہے؟

مفتی صاحب نے جس روایت کا ذکر کیا ہے، اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

((کسر عظم المیت ککسرہ حیا)).(عن عائشہ ابوداؤد، کتاب الجنائز حدیث ۳۲۰۷ مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۹) ❷

”میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کے برابر ہے“۔

اس کا مقصد فقط یہ ہے کہ نعش کی بے حرمتی نہ ہو۔مفتی صاحب نے اتنی سی بات کا افسانہ بنا دیا ہے۔اگر اس روایت کا تقاضا یہی تھا کہ بزرگوں کی قبروں پر عمارتیں بنیں تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی کسی قبر پر عمارت بنائی؟

(ب) فرماتے ہیں: ”چاہیے کہ علماء و مشائخ کی قبور عام قبور سے ممتاز رہیں، تا کہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان جانے کے دو فائدے بتلائے ہیں:

((فانھا تزھد فی الدنیا و تذکر الآخرۃ)).(عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابن ماجہ ص ۱۱۲ حدیث ۱۵۷۱، مشکوۃ باب زیارۃ القبور ص ۱۵۴)

”یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا فکر پیدا کرتی ہے“۔ ❸

یہ فیض حاصل کرنے والا نسخہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا۔اگر فیض سے مراد بھنڈارہ اور نیاز کی دیگیں ہیں تب تو واقعی مجاوروں کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔اور اگر یہ مطلب ہے کہ مردے زندوں کو کوئی روحانی فائدہ پہنچاتے ہیں تو اولاً یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے کہ ایصال ثواب زندوں کی طرف سے مُردوں کو ہوتا ہے یا مُردوں کی طرف سے زندوں کو ہوتا ہے۔

﴿وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: ۱۸)

”اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ہی نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں“۔

جن اولیاء اللہ کی قبریں پکی نہیں یا ان پر گنبد نہیں یا سرے سے دستیاب ہی نہیں کیا خیال ہے وہ بے فیض ہی ہیں۔علماء و مشائخ کا فیض بشرطیکہ وہ اہل توحید و اہل علم و تقویٰ میں سے ہوں ان کی کتابیں پڑھنے سے اور ان کے نقش قدم پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(ج) فرماتے ہیں: ”مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے“۔عرض ہے کہ انھیں شعائر اللہ ہونے کا فتویٰ کس نے دیا ہے۔شعائر شعیرہ کی جمع ہے بمعنی علامت۔یہ بلند و بالا قبے مسلمانوں کی علامت نہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس سے منع فرمایا ہے یہ

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہود و نصاریٰ کی علامت ہیں، جیسا کہ فرمایا:

((لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نسائی اتخاذ القبور مساجد حدیث ۲۰۴۹)

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا"۔ ❶

(د) فرماتے ہیں: "قبروں کا ادب چاہیے، ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے"۔

مثلاً اگر پاکستان میں قبر کے ادب کا یہ رواج ہو جائے کہ کان پکڑ کر مرغا بن جاؤ یا درختوں پر چمگادڑوں کی طرح اُلٹے لٹک جاؤ تو کیا یہ جائز ہوگا کیونکہ اسلام نے ان سے منع نہیں فرمایا۔ سوال یہ ہے کیا نبی ﷺ نے زیارتِ قبور کا کوئی طریقہ مسنون نہیں فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا قبرستان جاؤ تو یہ پڑھا کرو:

((السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین و انا انشاء اللہ بکم للاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ)). (عن بریدہ مسلم ج۱ ص ۳۱٤ حدیث ۲۲۵۷، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور ص ۱۵٤)

"قبرستان کے مسلمانو! السلام علیکم ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی عافیت چاہتے ہیں"۔

نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و یکرہ عند القبر ما لم یعھد من السُّنّۃ والمعھود منھا لیس الا زیارۃ والدعاء عندہ قائما. (ج۱ ص ۱٦٦)

"قبر پر غیر مسنون کام کرنا مکروہ ہے سنت صرف زیارت کرنا اور کھڑے کھڑے دُعا کرنا ہے"۔

معلوم ہوتا ہے ان اہل سنت کا مسلک صرف رسم و رواج ہے جو موقع و محل اور وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ان کا مذہب عالمگیر نہیں علاقائی ہے۔

(ذ) فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور ﷺ ناراض ہوئے یہاں تک کہ اُن کے سلام کا جواب نہ دیا۔ جب گرا دیا تب جواب سلام دیا دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی ص ۴۴۱۔ ❷ اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اذا لم یبارك للعبد فی مالہ جعلہ فی الماء والطین)). (عن علی رضی اللہ عنہ شعب الایمان بیہقی حدیث ۱۰۲۳٤، مشکوٰۃ ص ٤٤٤) ❸

"جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ اور گارے میں خرچ کرتا ہے"۔

لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی"۔

یہ ساری بات غلط ترجمانی اور غلط استدلال پر مبنی ہے۔ یقیناً کوئی ایسی روایت نہیں جس کے مطابق نبی ﷺ نے پختہ مکان بنانے سے منع فرمایا ہو۔ اُس صحابی نے پختہ مکان نہیں اُونچا گنبد بنایا تھا۔ حدیث میں قبة مشرفة کے الفاظ ہیں جس کا ترجمہ "اونچا گنبد" ہے۔ جسے دیکھ کر حضور ﷺ ناراض ہوئے اور اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ صحیح ترجمہ چونکہ قبوری مسلک کے خلاف پڑتا تھا اس لیے

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ ضعیف ہے۔ ❸ سخت ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب اسے گول کر گئے۔ اور ترجمہ کر دیا "پختہ مکان"۔ انھوں نے مذہب کو جادو کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ یہ گنبد چونکہ بے کار تھا اور کسی استعمال میں نہ تھا اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور بعد میں ارشاد فرمایا:

((اما ان کل بناء وبال علی صاحبه الا ما لا یعنی الا ما لا بد منه)). [1]

"ہر عمارت صاحب عمارت کے لیے وبال ہے سوائے اس کے جس کی ضرورت ہو"۔

ویسے یہ روایت ضعیف ہے۔ مفتی صاحب نے اذا لم یبارك والی حدیث جو نقل کی ہے اس میں بھی پختہ مکان بنانے کی ممانعت نہیں۔ اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گارے مٹی کا مکان بھی نہیں بنانا چاہیے۔ اصل میں نبی ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ بے کار عمارت نہیں بنانا چاہیے۔ پختہ اور ناپختہ کا سوال نہیں ہے۔ زندوں کو مکانوں کی ضرورت ہوتی ہے مُردوں کو نہیں۔ مُردوں کے لیے عمارتیں بنانا بے کار ہے۔ بالخصوص گنبد تو مفتی صاحب کی پیش کردہ روایت کے مطابق تو آنحضرت ﷺ نے زندوں کے لیے بھی پسند نہیں فرمایا۔

(د) فرماتے ہیں: "اولیاء اللہ کے مقابر کا پختہ ہونا، ان پر عمارات قائم ہونا تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں۔ بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے"۔

یہ بریلویوں کے لیے عبرت کا مقام ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہندو مسجدوں میں نہیں جاتے بلکہ انھیں گراتے ہیں۔ انھوں نے تاریخی بابری مسجد کو بھی شہید کر دیا اور مزاروں میں بڑے شوق سے جاتے ہیں۔ سوائے اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ انھیں مندروں اور مزاروں میں خاص فرق نظر نہیں آتا۔ صرف اتنی بات ہے کہ مندروں میں بظاہر بُت پُوجے جاتے ہیں اور مزاروں میں اکابر کی قبریں پوجی جاتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں بریلویت فقط معبودوں کی تبدیلی کا نام ہے۔ یہ ہندو اگر مورتی پُوجا چھوڑ کر قبر پُوجا والا مذہب اختیار کر بھی لیں تو کیا فائدہ؟ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ تعجب ہے کہ ہندو خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے لیکن مسجدوں میں خدا کی شان اور اس کا جلال دیکھ کر مسلمان نہ ہوئے۔ بتلائیے پھر ان دونوں میں عظیم کون ہے؟ مفتی صاحب نے رافضیوں کا نام بھی لیا ہے حالانکہ شرک و بدعت کے لحاظ سے وہ پہلے ہی ان کے ہم مذہب ہیں۔ یہ ان دونوں کا مشترکہ نعرہ ہے:

سوا لکھ نعرہ حیدری — یا علی (رضی اللہ عنہ)۔
شیعہ سُنی بھائی بھائی — تیسری قوم کہاں سے آئی؟

(ذ) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔ میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمان فقیروں نے دو قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے۔ کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لیے مینار"۔

یہ مفتی صاحب کا نہیں نبی پاک ﷺ کا فرض تھا کہ وہ قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کا حکم دے جاتے تاکہ قبروں کو فنا ہونے اور مُردوں کو مر جانے سے بچایا جا سکتا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گزرے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا سب قبروں میں مدفون ہوئے۔ اگر ان کی قبریں شعائر اللہ ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کا محفوظ و معلوم رکھنا منظور ہوتا تو کیا وہ بے نام و نشان رہ سکتی تھیں۔

تخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب وہ نہیں رہیں تو ان کے مقابلے میں ان اولیاء کرام کے روضوں کی کیا حقیقت ہے۔ شاید مفتی صاحب کے علم میں یہ بات نہیں آئی۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

و لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیه. (ج۱ ص ۱۶۷)

"اگر میت پرانی ہو کر مٹی میں تحلیل ہو جائے تو اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا وہاں کھیتی باڑی کرنا اور مکان بنانا سب جائز ہے"۔

اب جو زمینیں بے کار پڑی ہوں اور از قسم شاملات (شام لاٹ) ہوں نہ زندوں کے کام کی نہ مردوں کے کام کی۔ انہیں اگر کسی صحیح مصرف میں نہیں لایا جائے گا تو ظاہر ہے کہ پھر انھیں چور ہی لے جائیں گے۔

انھوں نے چور فقیروں کی بات کی ہے۔ عرض ہے کہ چور چور ہی ہوتے ہیں۔ انھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ قبرستان کچا ہے یا پکا۔ کیا خیال ہے پکی قبروں کے مجاور سب ایمان دار ہی ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے قبروں کو پختہ بنانا ان پر گنبد بنانا اور ان پر مجاوری کرنا یہ سب سازش کے تحت ہوتا ہے اور اس کا مقصد بھی وسیع و عریض زمین پر ناجائز قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ کئی مجاور اسی طرح کی زمینیں بیچ بیچ کر لاکھوں پتی بن گئے۔ یہ بظاہر محافظ و مجاور ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ نذر و نیاز چور اور زمین چور ہوتے ہیں۔ ان کی عیاشیوں کی داستانیں بھی آئے دِن اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ جنت البقیع اور جنت المعلّٰی کی سب قبریں کچی ہیں۔ کیا انھیں چور لے گئے ہیں۔

مفتی صاحب کو قبرستان کی حدود کا بڑا فکر ہے کاش اتنا ہی فکر انھیں اسلام کی حدود کا بھی ہوتا۔ ان کا تو سارا مذہب ہی اسلام کی حدود سے باہر ہے الا ما شاء اللہ۔ یہ اغواء ہو چکے ہوئے ہیں ان کے فقیر (یعنی علماء و مشائخ) انھیں بیچ کر کھا گئے ہوئے ہیں۔ بریلوی حضرات قبرستانوں کا نہیں خود اپنا فکر کریں۔

مفتی صاحب نے پکّی قبروں کو مسجد کے میناروں سے تشبیہ دی ہے۔ گو مینارے بھی شعائر اللہ میں سے نہیں ہیں تاہم مسجد زندوں کی عبادت گاہ ہیں اور قبریں مردوں کا ٹھکانا ہیں۔ مفتی صاحب کی تشبیہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے چونکہ زندوں کو مکان کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا مُردوں کے لیے بھی چاہیے۔

۲۸۹ مفتی صاحب نے ۱۹۶۰ء کے اخبارات کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ "سید احمد صاحب (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے، اس کی مرمت کی جائے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جائے گا"۔

پھر لکھتے ہیں: "سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا"۔

میرے بھائی اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اصحابِ کہف پر اہل کتاب نے عمارت بنانے کا اعلان کیا تھا۔ یا جیسے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہے گا کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہم ماں بیٹے کو معبود بنا لو؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: ﴿سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ۭ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

"یا اللہ تو پاک ہے مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں"۔

بریلویوں نے بھی جن اولیاء کرام کی قبروں پر مہیب قبے بنا رکھے ہیں سب ان کی مرضی کے خلاف ہیں۔ کب ان کا یہ مذہب تھا؟ ویسے الحمد للہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر گنبد کی بدعت سے محفوظ ہی رہی ہے۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے: "سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں"۔ سوال یہ ہے، تو کیا وہ ہندوؤں اور سکھوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی قبریں ڈھاتے؟

(الف) مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق تھانوی نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء کے جنگ راولپنڈی میں شائع ہوئی جس میں انھوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور مبارکباد پیش کی"۔ (ملخص)

بات یہ ہے کہ جو کام غلط ہو وہ بہر حال غلط ہوتا ہے۔ کسی کی غلطی کسی کے مذہب کی دلیل نہیں بن سکتی۔ نیز گزارش ہے کہ سیاسی خصیتوں کی قبروں پر بنی ہوئی عمارتیں ہیں تو یقیناً ناجائز لیکن شرک کے لحاظ سے زیادہ خطرناک نہیں کیونکہ ان کی پوجا نہیں کی جاتی۔ برخلاف اولیاء کرام کی قبروں پر بنی ہوئی عمارتوں کے کہ یہ پرستش گاہ عام و خاص بن جاتی ہیں۔

(ب) فرماتے ہیں: "دیوبندیوں کا کتابی مذہب اور ہے زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور ہے"۔

عرض ہے کہ اصل مذہب تو کتابی ہی ہوتا ہے اور وہی معتبر ہوتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کا کتابی مذہب قرآن پاک ہے اور عمل اس سے مختلف ہو تو عمل کو قرآن پاک مطابق کرنے کی کوشش کی جائے گی یا قرآن پاک کو عمل کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ بریلویوں کا طریقۂ واردات ہے۔

مفتی صاحب نے دیوبندیوں پر طنز کی ہے "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کو"۔ تو کیا بریلویوں کا رویہ اس سے مختلف ہے۔ خود مفتی صاحب نے لکھا ہے: "ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں جو طریقہ بھی ادب کا خلافِ اسلام نہ ہو وہ جائز ہے"۔ (ص ۲۸۷) یعنی ان کا مذہب کتاب و سنت نہیں ملک اور زمانہ ہے۔ یہ مذہب ہے یا مرغ بادِ نما۔ باقی ان کا یہ کہنا کہ خلافِ اسلام نہ ہو تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے حلال گدھے کھایا کرو حرام نہ کھایا کرو۔ کیونکہ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

عمارت قبور پر اعتراضات وجوابات

۲۹۰ مفتی صاحب نے بطورِ اعتراض یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبور و ان يبنى عليه و ان يقعد عليه)). (عن جابر رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ حدیث ۲۲۴۵، مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۸)

"نبی ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا"۔

مفتی صاحب نے قبر کو پختہ کرنے کے بارے میں تین جواب دیئے ہیں:

① "منع یہ ہے کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جائے۔ بھرتی پختہ نہ ڈالی جائے"۔ یہ جواب اتنالا جواب ہے کہ اسے کسی قبر کی بھرتی ہی میں ڈال دینا چاہیے۔ قبر پختہ ہو یا پختہ مکان بھرتی تو کوئی احمق بھی پکی نہیں ڈالتا۔

② "یہ نہی عامۃ المسلمین کی قبور کے لیے ہے"۔

یہ عام خاص کا فرق کون کرے گا؟ کیا نبی ﷺ سے اس سلسلے میں کچھ مروی ہے یا اس کا یہ آسان حل ہے کہ بریلویوں اور رافضیوں کے مولوی خاص ہیں اور باقی سب مسلمان عام ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبل ازیں مفتی صاحب نے لکھا ہے "کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں"۔ (ص۲۸۹)

عرض ہے کہ اس سے عامۃ المسلمین کی قبریں مراد ہیں یا اولیاء کرام کی۔ بقول مفتی صاحب عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانے سے تو حضور ﷺ نے منع فرمادیا۔ اور اگر اولیاء کرام کی قبریں مراد ہیں تو کیا ان کی پختگی کا مقصد وقف کی بقا ہے؟

④ "سجاوٹ، تکلف اور فخر کے لیے پختہ کرنا مراد ہے"۔ مزاروں میں اس کے سوا اور ہوتا ہی کیا ہے؟ اگر سادگی بے تکلفی اور عاجزی مقصود ہوتی تو انہیں پختہ کیا ہی نہ جاتا۔

﴿۲۹۱﴾ فرماتے ہیں: "حضور ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پختہ پتھر کی بنائی"۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ سراسر افتراء ہے۔ نشان قبر کے لیے قبر کے سرہانے ایک پتھر رکھ دینے اور قبر کو پتھر سے پختہ بنانے میں جو فرق ہے مفتی صاحب کو شاید اس کا علم نہیں ہے۔

نبی ﷺ نے قبر کے اُوپر عمارت بنانے سے جو منع فرمایا ہے مفتی صاحب نے اس کے پانچ حوالے دیئے ہیں:

① "خود قبر پر عمارت بنائی جائے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جائے"۔ کیا اس وقت قبروں کے اُوپر دیواریں بنانے کا رواج تھا، جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا۔ عقل سے بالکل پیدل نہیں ہونا چاہیے۔

فرماتے ہیں: "گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے اردگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں"۔ کسی شئے کے اوپر عمارت بنائی ہو یا چھت ڈالنی ہو ظاہر ہے کہ دیواریں اردگرد ہی ہوں گی۔ مفتی صاحب کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

② "یہ حکم عامۃ المسلمین کے لیے ہے"۔ معاف رکھنا کیا دلیوں کو زیادہ سردی یا گرمی لگتی ہے جو عامۃ المسلمین کو نہیں لگتی۔

③ تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ "قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے"۔ دلیل میں یہ حدیث نقل کی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبياءهم مساجد)).

"یا اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پُوجا ہونے لگے۔ سخت ہوا غضب اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"۔ (موطا امام مالک رحمہ اللہ)

نہ اُس حدیث میں سجدہ کا ذکر ہے نہ اس حدیث میں قبے کا ذکر ہے۔ مفتی صاحب خواہ مخواہ گڑبڑ کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ احادیث میں ہر دو کاموں کی نفی ہے۔ بریلویوں کو ان دونوں باتوں سے پرہیز نہیں۔ اولیائے کرام رحمہم اللہ کے قبے بھی دھڑا دھڑ بن رہے ہیں اور سجدے بھی بلا روک ٹوک ہو رہے ہیں۔

④ چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ "یہ ممانعت حکم شرعی نہیں بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے"۔ یعنی نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ البتہ مفتی صاحب نے جو فرمایا ہے وہ شریعت ہے۔

⑤ پانچواں جواب یہ دیا ہے کہ "جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ یہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لیے عمارت بنائی جائے تو جائز ہے"۔ یہاں مفتی صاحب نے قبوں کو لوگوں کی آسائش کے لیے لکھ دیا ہے جس کی حیثیت سرائے سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ مگر قبل ازیں یہ قبور کو شعائر اللہ قرار دے چکے ہیں۔ (ص۲۸۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۹۲ آگے مفتی صاحب نے اپنی تائید میں حضرت عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کچھ آثار بیان کیے ہیں جو بالکل جعلی ہیں اور جن کا جواب پہلے آ چکا ہے۔

۲۹۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "قبر پر بیٹھنے کے معنی میں قبر پر چڑھ کر بیٹھنا یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے، کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے"۔ سوال یہ ہے کیا وہ خانہ کعبہ ہوتی ہے؟ میرے بھائی قبر کو کمرے میں بند کیوں کرنا ہوتا ہے۔ کیا مُردے نے اُٹھ کر بھاگ جانا ہوتا ہے۔ یا مردے کو کسی نے چُرا کر لے جانا ہوتا ہے۔ یا کسی نے اس کا کفن اُتار لینا ہوتا ہے۔ آخر وہ کوئی مجرم تو نہیں جسے حوالات کی طرح بند کر دیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوت بھی ہوئے شہید بھی ہوئے۔ کیا ان کے قبے بنائے گئے۔ کیا ان پر لوگ مجاور بن کر بیٹھے تھے؟ کیا ان کے پاس کھولنے اور بند کرنے کی چابیاں ہوتی تھیں؟

فرماتے ہیں: قبر پر چڑھ کر بیٹھنا منع ہے نہ کہ مجاوری کرنا۔ حالانکہ پہلے آپ پڑھ آئے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک قبر کے اُوپر بیٹھنا منع نہیں ہے۔

(الف) فرماتے ہیں: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی منتظم اور چابی والی تھی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے دروازہ کھلوا کر زیارت کرتے"۔

مفتی صاحب حدیث کا ایک ٹکڑا لے اُڑتے ہیں اور پھر اپنے پاس سے جھوٹ سچ ملا کر اسے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صفت شیاطین سے تعلق رکھنے والے کاہنوں کی بتلائی ہے کہ ان کے پاس ایک سچ ہوتا ہے اور باقی سو (۱۰۰) سے زیادہ جھوٹ اس میں خود شامل کر لیتے ہیں۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۸۵۷، حدیث ۵۷۶۲، مسلم ج ۲ ص ۲۳۳ حدیث ۵۸۱۶، مشکوۃ باب الکہانۃ ص ۳۹۳)

اصولاً مفتی صاحب کو یہ پوری حدیث بیان کرنی چاہیے تھی تاکہ قارئین کو سمجھ آ جاتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین یعنی کائنات کے سب سے عظیم ولیوں کی قبریں کیسی تھیں۔ چنانچہ اس روایت کے راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ قبریں نہ اُونچی تھیں نہ زمین کے برابر تھیں۔ ان پر سرخ کنکریاں بچھی ہوتی تھیں۔ (ابوداود باب تسویۃ القبر حدیث ۳۲۲۰، مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۹) 1 یعنی وہ کچی قبریں تھیں نہ اندر سے پکی تھیں نہ باہر سے پکی تھیں نہ ان پر سبز رنگ کا ریشمی غلاف تھا نہ پھولوں کی چادریں چڑھائی گئی تھیں۔ نہ کتبہ تھا نہ چراغ تھا نہ ارد گرد قالین بچھے تھے نہ کوئی ان کے گرد بیٹھا تلاوت کلام پاک میں مصروف تھا۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا جو پہلے بھی ان کا تھا بعد میں بھی ان کی تحویل میں رہا۔ روایت میں تالے چابی کا ذکر نہیں ہے۔ بھتیجے نے اپنی پھوپھی سے صرف اتنا کہا تھا کہ اماں جان ذرا مجھے قبر تو دکھلا دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں کبھی مجاور بن کر نہیں بیٹھیں۔ مفتی صاحب نے مجاوری کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثال دے کر پوری اُمت کی توہین کی ہے۔ ایک کام جو ان کی ملنگنیوں والا ہے اس میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی ہے۔ مفتی صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسلمانوں کی والدہ لکھا ہے۔ یہ بھی درست نہیں وہ والدہ نہیں ماں تھیں یعنی اُم المومنین رضی اللہ عنہا۔ (والدہ جننے والی کو کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی کی بھی والدہ نہیں کیونکہ اُن کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی)۔

تخریج: 1 ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) فرماتے ہیں: "آج تک روضہ مصطفیٰ ﷺ پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا"۔

مفتی صاحب کی سطر سطر سے شرارت ٹپکتی ہے۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے۔ روضہ مبارک کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔ مجاوری کے لیے بیٹھنا تو کجا کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ یہ اہتمام اور یہ حفاظتی اقدامات مجاوری کے لیے نہیں بلکہ دشمنوں کی شرارت اور مشرکوں کی خباثت سے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں۔

مفتی صاحب بطور اعتراض نقل کرتے ہیں:

((عن الهياج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثك علی ما بعثنی علیه رسول الله ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمستهٔ ولا قبرا مشرفا الا سویتهٔ)). (مسلم ج۱ ص ۳۱۲ حدیث ۲۲۴۳)

"ابوہیاج اسدی سے روایت ہے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تمہیں اس کام پر بھیجوں جس پر مجھے نبی ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو"۔

مفتی صاحب جواب دیتے ہیں اس سے مراد کفار کی قبریں ہیں۔ کیونکہ بخاری شریف ص ۶۱ حدیث ۴۲۸ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے:

((امر النبی علیه السلام بقبور المشرکین فنبشت)).

"نبی ﷺ کے حکم سے مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں"۔

عرض ہے کہ نبش کے معنی اکھاڑ دینا ہے تسویہ کے معنی برابر کرنا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے لیے آپ ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو اکھاڑنے کا حکم دیا تھا برابر کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ نبش بھی صرف مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کی خاطر تھا ہر جگہ ہر مشرک کی قبر کو اکھاڑنے کا حکم نہیں ہے جب کہ برابر کرنے کا حکم ہر قسم کی قبر کے لیے عام ہے۔ چاہے وہ قبر کسی مشرک کی ہو یا مسلمان کی گنہگار کی ہو یا ولی اللہ کی۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ وہاں مشرکین کی قبریں تھیں۔ اگر مسلمانوں کی بھی ہوتیں تو آپ انھیں بھی اکھڑوا کر نعشیں یا ہڈیاں کہیں اور منتقل کرا دیتے کیونکہ آپ ﷺ نے قبروں پر مسجد تعمیر نہیں کرنی تھی۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت کو مشرکین کی قبروں کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو پھر تصویروں کو بھی ان کے ساتھ خاص کرنا پڑے گا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین کی تصویریں تو مٹا دی جائیں مسلمانوں کی تصویریں رہنے دی جائیں۔

۲۹۴ مذکورہ روایت کو مشرکین کی قبروں کے ساتھ خاص کرنے کی مفتی صاحب نے ایک دلیل یہ دی ہے فرماتے ہیں: "اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں کیونکہ ان کی قبروں پر ہی میت کا فوٹو ہوتا ہے"۔

حضرت صاحب نے فوٹو کا ذکر یوں کیا ہے جیسے اُس زمانہ میں کیمرے ایجاد ہو چکے تھے تصویر کہنا چاہیے تھا۔ انھوں نے کفار کی قبروں پر میت کا فوٹو دیکھا ہوگا ہم نے تو کبھی دیکھا نہ سنا نہ پڑھا۔ علم کے ساتھ اگر خدا واسطے کا بیر نہ ہو تو عرض کروں حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ فوٹو والی قبر چونکہ کفار کی ہوتی ہے اس لیے اسے برابر کر دو۔ قبر کا حکم الگ ہے تصویر کا حکم الگ ہے۔ یعنی جہاں بھی اونچی قبر بنی ہو اسے برابر کر دو اور جہاں بھی تصویر لگی ہو اسے مٹا دو۔ نبی ﷺ تو خود اپنے گھر میں بھی تصویر نہیں رہنے دیتے تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ص ۸۸۰ حدیث ۵۹۵۴، مشکوٰۃ باب التصاویر ص ۳۸۵) عیسائی لوگ قبروں پر فوٹو نہیں لگاتے تھے جیسا کہ مفتی صاحب کا خیال ہے بلکہ اپنی عبادت گاہوں میں لگاتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اولئك اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجد اثم صَوَّرُوْا فيه تلك الصور اولئك شرار الخلق عند الله)). (عن عائشہ رضی اللہ عنہا بخاری ص ۱۷۹ حدیث ۱۳۴۱، مسلم ج ۱ ص ۲۰۱ حدیث ۱۱۸۱، مشکوٰۃ باب التصاور ص ۳۸۶)

"جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر اس مسجد میں یہ تصویریں بنا دیتے یہ بدترین مخلوق ہیں"۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کتاب بھی بریلویوں کی طرح عام لوگوں کی قبروں پر نہیں بلکہ ولیوں کی قبروں پر عمارتیں بناتے تھے۔ اور یہ نگاہ مصطفیٰ میں بدترین مخلوق تھے۔

(الف) اس حدیث شریف کو رد کرنے کے لیے مفتی صاحب نے تیسری دلیل یہ دی ہے کہ "اس میں ہے کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمانوں کی قبر کے لیے سنت ہے۔ کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں"۔

گزارش ہے کہ حدیث میں برابر کرنے کا ذکر ہے۔ زمین کے برابر کرنے یا پیوند زمین کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ مفتی صاحب خواہ مخواہ بات بڑھا دیتے ہیں۔ برابر کرنے سے کیا مراد ہے علامہ علاء الدین ماردینی حنفی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

((ای سویته بالقبور المعتاده)). "یعنی عام قبروں کے برابر کر دو"۔ (الجوهر النقی علی البیهقی ج ٤ ص ٣)

مفتی صاحب کی یہ غلط فہمی کی تسویہ یعنی برابر کرنے کا حکم مشرکین کے لیے ہے اس حدیث سے دور ہو جانی چاہیے۔ ثمامہ بن مشفی سے روایت ہے کہ ہم فضالہ بن عبید کے ساتھ ارض روم میں دوس کے مقام پر تھے۔ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا۔

((فامر فضالة بقبره فسوى ثم قال سمعت رسول الله ﷺ يامر بتسويتها)). (مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ حدیث ۲۲۴۲، نسائی تسویۃ القبور حدیث ۲۰۳۰، ابوداؤد تسویۃ القبور حدیث ۳۲۱۹)

"فضالہ کے حکم سے اس کی قبر کو برابر کیا گیا۔ پھر فضالہ نے کہا میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے تھے"۔

فرماتے ہیں: "ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں"۔ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ یہ موضوع قصے ہیں۔

یہاں پھر مفتی صاحب نے زیادتی کی ہے۔ بات اکھڑوانے کی نہیں برابر کرنے کی ہو رہی ہے۔ نیز گزارش ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو نبی ﷺ کے حکم سے قبروں کو برابر کروایا حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے کس کے حکم سے قبہ بنوایا۔ اگر ایک طرف نبی ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم ہو دوسری طرف حضرت محمد بن حنفیہ کا عمل ہو اہل سنت کے نزدیک کس کو ترجیح ہوگی۔

فرماتے ہیں: "اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن گئی تب بھی اس کو نہیں اکھیڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے اوّلاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے تو نہ مٹاؤ"۔

یعنی نبی ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "کہ اونچی قبر برابر کر دو"۔ یہ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو۔ اب یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریلویوں کے سوچنے کا مسئلہ ہے کہ سرور دو عالم ﷺ اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی بات مانی ہے یا ان برخود غلط مفتی صاحب کی۔ مفتی صاحب خود اس حدیث کا حوالہ دے چکے ہیں جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صحابی کے قبے کو ناپسند فرمایا جسے ان صحابی نے گرا دیا۔ (ص ۲۸۸) یعنی ایک بنے ہوئے قبے کو گرا دیا گیا تو کیا ہمارے ان مُردوں کا احترام ان زندہ صحابی سے بھی زیادہ ہے۔ جب قبہ گرا دینے سے ان صحابی کی توہین نہیں ہوئی بلکہ اس فرمانبرداری کی وجہ سے ان کی عظمت میں اضافہ ہوا ہے تو عام مسلمان کی ناجائز قبریں اور بے کار قبے گرا دینے کو کیونکر توہین کا مسئلہ بنا لیا جائے۔ یہ کتنا عجیب و غریب نظریہ اور کتنی خطرناک سوچ ہے کہ ایک برائی اگر ہو جائے تو پھر اسے ختم نہ کیا جائے۔ اور شاید ان کے ہاں شرک و بدعت اسی لیے عام ہیں کہ چونکہ یہ کام اب ہوا ہے اس لیے ہونے دو۔ انھیں ختم کرنا ادب اور مصلحت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ میرے بھائی کوئی نہ کوئی مصلحت تو ہر برائی کے حق میں گھڑی ہی جا سکتی ہے۔ نقشہ کے خلاف بنی ہوئی عمارت کو تو کارپوریشن ہی گرا دیتی ہے تو کیا پیغمبر کے حکم کا درجہ اتنا بھی نہیں ہے۔

(ب) مفتی صاحب اپنے اس نظریہ کی تائید میں فرماتے ہیں: "قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیۃ۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو نہ پھینکو نہ جلاؤ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے"۔

عرض ہے کہ جس حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ اونچی قبروں کو برابر کر دو۔ کیا کسی حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ قرآن پاک کا چھوٹا سائز نہ چھاپو اور اگر چھپ جائے تو اسے ضائع کر دو۔ اگر نبی ﷺ نے چھوٹے سائز سے منع فرمایا ہوتا تو ہم اس حکم کی تعمیل بھی کر گزرتے اور اسے اسی طرح جلا دیتے جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کے وہ نسخے جلا دیئے تھے جو لغت قریش کے مطابق نہیں تھے۔ (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۷۴۶ حدیث ۴۹۸۷)

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں انگریز عیسائیوں کی اُونچی اُونچی قبریں برابر بن رہی ہیں۔ ((صدق رسول اللہ ﷺ یقتلون اھل الاسلام و یترکون اھل الاصنام)) ہر ایک کو اپنی ہی جنس سے محبت ہوتی ہے"۔

واقعی اپنی جنس ہی سے محبت ہوتی ہے تبھی انھیں شکوہ ہے کہ جب عیسائیوں کو اُونچی قبریں بنانے کی اجازت ہے تو بریلویوں کو کیوں نہیں ہے۔ اگر عیسائیوں ہی کی ریس کرنی ہے تو اسلامی ملکوں میں گرجے بھی بنائے جاتے ہیں۔ فقہ حنفی بھی پہلے سے بنے ہوئے گرجوں کو برداشت کرتی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۶۳)

ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے:

((ومن امتنع من الجزیۃ او قتل مسلما او سب النبی ﷺ اوزنی بمسلمۃ لم ینتقض عھدہ)). (ایضا ص ٥٦٤)

"جو کافر جزیہ دینے سے انکار کر دے یا نبی ﷺ کو گالی دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹتا"۔

مفتی صاحب نے خارجیوں کے متعلق حدیث نجدیوں پر منطبق فرمائی ہے۔ حالانکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ جو کام عیسائی کرتے ہیں مسلمانوں کو نہیں کرنا چاہیے۔ اگر عیسائیوں کے مذہب میں شرک کی اجازت ہے تو کیا خیال ہے مسلمانوں کو بالاحریٰ اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ حاشا وکلا۔ اگر اسی بات کا نام مسلمان دشمنی ہے تو یہ دشمنی مبارک ہے۔ اگر بریلویوں کو شرکیہ اڈے بنانے کا انتہائی شوق ہے تو برائے مہربانی اسلام کو بدنام نہ کریں کوئی ایسا مذہب اختیار کر لیں جس میں شرک کی ممانعت نہ ہو بریلوی علمائے کرام آئے دن روضہ پاک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی زیارت کے لیے جاتے رہتے ہیں اگر کبھی قبریں اور قبے بنانے کے جواز میں ان کے پاس قرآن وسنت سے کوئی دلیل ہے تو وہاں کے علمائے کرام کو قائل کریں۔ یہاں بیٹھ کر تبرا بولنے کا کیا فائدہ۔ مسلمانوں کو بُرا سمجھنا اوران کے مقابلے میں کافروں کو اچھا سمجھنا اعلیٰ مولوی احمد رضا خان صاحب کی تعلیم ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہودی کا ذبیحہ حلال ہے۔ رافضی تبراتی، وہابی و دیو بندی وہابی غیر مقلد کا ذبیحہ حلال نہیں۔ فرماتے ہیں وہابی قادیانی دیو بندی۔ جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولا دولد الزنا۔ (ملفوظات ص ۲۷۲)

مفتی صاحب نے اعتراض نقل کیا ہے لکھتے ہیں بخاری ج ۱ کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ص ۱۸۱ حدیث ۱۳۶۱ میں ہے:

((ورآی ابن عمر رضی اللہ عنہما فسطاطا علی قبر عبدالرحمٰن فقال انزعه یا غلام فانما یظله عمله)).

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن کی قبر پر خیمہ لگا دیکھا تو فرمایا اے لڑکے اسے اتار دو اس کا عمل اسے سایہ دے گا"۔

۲۹۵ مفتی صاحب اس کا جواب دیتے ہیں: "میت پر سایہ کرنے کے لیے قبہ بنایا تو منع ہے زائرین کے آرام کے لیے بنایا تو جائز ہے۔ عینی (حنفی) شرح بخاری میں اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تحت فرماتے ہیں:

((وھی اشارۃ الی ان ضرب الفسطاط لغرض صحیح کالتستر من الشمس مثلا للاحیاء لا لاضلال المیت جاز)).

"ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لیے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لیے جائز ہے"۔

بحیثیت حنفی ہونے کے یہ مسئلہ مستند ہو گیا لیکن بحیثیت مسلمان کے مستند نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ خیمہ میت کو سایہ دینے کے لیے ہے یا زائرین کے آرام کے لیے ہے۔ آپ نے اسے ہر صورت اتروا دیا۔ یا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبروں پر آ کر آرام کیا کرو۔ کیا گھروں میں ان کے آرام کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یا کیا ناکارہ سمجھ کر انھیں ان کی بیویوں نے گھر سے نکال دیا ہے۔

۲۹۶ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "تیز دھوپ کی وجہ سے میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی قبر پر زیادہ آیات نہ پڑھ سکا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں"۔

عرض ہے کیا قبروں پر قرآن پاک پڑھنا سنت صحیحہ سے ثابت ہے؟ انھوں نے ایک بدعت کو دوسری بدعت کے لیے مجبوری بنا دیا ہے۔

فرماتے ہیں: "مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ عظیم"۔

ولیوں کی قبروں کو خانہ کعبہ کی طرح قابل تعظیم فرما رہے۔ پھر کہتے ہیں ہم شرک نہیں کرتے۔ کیا وجہ ہے کہ قرون اولیٰ میں بریلویوں والی اس محبوبیت کا رواج نہیں تھا۔

فرماتے ہیں: "ابن مسعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کوہ صفا پر"۔

مفتی صاحب نفرت پھیلانے کے فن میں طاق ہیں۔ اگر اس بات میں کوئی حقیقت ہے تو اس مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا تھا کہ ابن مسعود (سعودی عرب کے پہلے شاہ سعود) نے مسجد بلال رضی اللہ عنہ کو حرم شریف میں شامل کر لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث مزارات پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا

۲۹۷ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "ترپھول میں چونکہ زندگی ہوتی ہے اس لیے وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہٰذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ ان دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک ترشاخ لی اس کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں قبروں پر ایک ایک گاڑ دی۔ لوگوں نے عرض کیا آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا:

((لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا)). "ان کے خشک ہونے تک شاید ان کے عذاب میں تخفیف رہے"۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

بخاری ص ۱۳۶۱، مسلم ج ۱ ص ۱۴۱ حدیث ۶۷۷، مشکوۃ آداب الخلاء ص ۴۲)

۲۹۸ پھر فرماتے ہیں: "عذابِ قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور ﷺ کی دُعا سے۔ اگر محض دُعا سے کمی ہوتی تو حدیث میں خشک ہونے کی قید کیوں لگائی جاتی۔ لہٰذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی ان شاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا"۔

نباتات میں بے شک ایک طرح کی زندگی ہے اسی لیے وہ نشوونما پاتے ہیں بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ جب درخت سے شاخ کاٹ لی جائے اور پودے سے پھول توڑ لیا جائے تو اس شاخ اور پھول میں زندگی نہیں رہتی اس لیے ان کا بڑھنا اور پھلنا پھولنا رک جاتا ہے۔ جب تک انکی تری قائم رہے انھیں زندہ تصور کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے تازہ گوشت کو زندہ سمجھنا۔ جہاں تک تسبیح کا تعلق ہے۔ اس میں تر اور خشک کا کوئی امتیاز نہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴) "ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو"۔

بقول مفتی صاحب اگر پھول یا ٹہنی کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے تو قرآن پاک کی رُو سے جس طرح تر ٹہنی تسبیح پڑھتی ہے خشک ٹہنی بھی تسبیح پڑھتی ہے بلکہ قبر کی مٹی بھی تسبیح پڑھتی ہے میت کا کفن بھی تسبیح پڑھتا ہے اندر رکھے جانے والے تختے بھی تسبیح پڑھتے ہیں لہٰذا نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں ایک بے فائدہ بات ہو جائے گی۔ اس آیت کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

"مفسرین نے کہا دروازہ کھولنے کی آواز اور چھت کا چٹخنا بھی تسبیح پڑھتا ہے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ کھانا بھی تسبیح پڑھتا ہے۔ (بخاری شریف ص ۵۰۵ حدیث ۳۵۷۹، مشکوۃ ص ۵۳۸) ایک پتھر حضور ﷺ کو سلام کرتا تھا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۵) ستون کے رونے کا ذکر کیا ہے۔ (مشکوۃ ص ۵۳۶ بخاری ص ۵۰۶ حدیث ۳۵۸۵) پھر لکھا ہے ان تمام احادیث سے جمادات کا کلام اور تسبیح کرنا ثابت ہوا۔ اسی آیت کے حاشیہ میں اس حقیقت کو ان مفتی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی چالاکی بھی دکھلا گئے ہیں"۔ فرماتے ہیں: "اگرچہ ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے لیکن ان تسبیحوں کی تاثیروں میں فرق ہے"۔

اب اس بیماری کا کیا علاج؟ اللہ تعالیٰ تو آگے فرماتا ہے:

﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴) "اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تسبیح سمجھنا تو کجا مفتی صاحب کو تو ان تسبیحوں کی تاثیروں کا فرق تک معلوم ہو گیا۔ کیا ہی کہنے۔

اصل بات یہ ہے عذاب میں تخفیف حضور ﷺ کی دعا سے ہوئی تھی نہ کہ ٹہنیوں کی تسبیح سے۔ ٹہنیوں کا خشک ہونا فقط ایک حد تھی جو آپ ﷺ نے متعین فرمائی۔ جیسے ایک روایت میں یوں ہے:

((فاحببت بشفاعتی علی ان یرفه ذاك عنهما ما دام الغصان رطبین)). (عن جابر رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۴۱۸ حدیث ۷۵۱۸)

"میں نے ان کی شفاعت کے ذریعے پسند کیا کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں"۔

اس سے بداہۃً ثابت ہوا کہ عذاب کی تخفیف حضور ﷺ کی شفاعت سے ہوئی تھی بعض نے اس روایت کو الگ واقعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ واقعہ اس واقعہ کی تفسیر ہو جائے گا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ایک حنفی فقیہ نور بشتی کے حوالے سے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ (لمعات ج ۲ ص ۴۴)

مفتی صاحب نے حضرت بریدہ بن خصیب کا حوالہ دیا ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں گاڑی جائیں۔ (بخاری ص ۱۸۱) ممکن ہے اُنھوں اسے عام سمجھ لیا ہو۔ کیونکہ یہ صرف نبی کا معجزہ تھا۔ ہمارے لیے کسی ایک صحابی کا انفرادی عمل حجت نہیں۔ اجماع صحابہ حجت ہوتا ہے۔ مذکورہ واقعہ کے علاوہ نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دفن کے وقت یا بعد میں کسی وقت کبھی کسی قبر پر ٹہنیاں گاڑی ہوں اور نہ ہی بریدہ بن حصیب کے علاوہ کسی صحابی سے یہ عمل ثابت ہے۔ اگر صحابہ کرام کو معلوم ہوتا کہ ٹہنیوں کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اور یہ سنت مصطفیٰ بھی ہے تو کیا وہ اس پر عام عمل نہ کرتے۔ میں نے جو عرض کیا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۲۳)

مفتی صاحب نے شاخوں پر پھولوں کو قیاس کر لیا ہے۔ حالانکہ شاخیں گاڑی گئی تھیں اور پھول اوپر رکھے جاتے ہیں اور یاد رکھیں کہ قبروں پر شاخوں کا گاڑنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ قبریں کچی ہوتی تھیں۔

﴿۲۹۹﴾ مفتی صاحب حنفی فقہ کی کتابوں سے چند حوالے درج فرماتے ہیں لکھتے ہیں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے:

((و من ثم افتی بعض الائمة من متاخری اصحابنا بان ما اعتیه من وضع الریحان والجرید سنة لهذا الحدیث)). (مرقات ج ۱ ص ۳۵۱)

"اسی وجہ سے ہمارے بعض متاخر علمائے احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قبروں پر پھول ڈالنے اور شاخیں گاڑنے کا جو رواج ہے اس حدیث کی وجہ سے سنت ہے"۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۶۴ میں ہے:

((قد افتی بعض الائمة من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنة لهذا الحدیث)).

"اسی وجہ سے ہمارے بعض متاخر علمائے احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قبروں پر پھول ڈالنے اور شاخوں کے گاڑنے کا جو رواج ہے اس حدیث کی وجہ سے سنت ہے"۔

عالمگیری کتاب الکراہۃ ج ۵ باب زیارت القبور میں ہے۔ (ص ۳۵۱)

((وضع الورود والریاحین علی القبور حسن)). "قبروں پر پھول ڈالنا اور خوشبو لگانا اچھی بات ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامی ج ۱ بحث زیارۃ القبور ص ۶۶۸ میں ہے کمی عذاب کی علامت ہے ان کا خشک نہ ہونا۔ بعض ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک کی زندگی ہے۔

مولانا سرفراز احمد صاحب دیوبندی ان حوالہ جات کا ذکر کیے بغیر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں: "کسی غیر معصوم اور غیر مجتہد کی بات حجت نہیں ہے"۔ (راہِ سنت ۱۸۹)

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ معصوم یعنی نبی اور مجتہد کی بات حجت ہے کیونکہ مجتہد کی بات تبھی حجت ہے کہ پیغمبر کی طرح اس سے بھی غلطی کا صدور محال ہے کیونکہ اگر مجتہد سے غلطی ہوسکتی ہو تو پھر اس کی بات کیسے حجت ہوسکتی ہے اور نبی معصوم کے ساتھ بھی غلطی کا صدور محال ہے کیونکہ اگر مجتہد سے غلطی ہوسکتی ہو تو پھر اس کی بات کیسے حجت ہوسکتی ہے اور نبی معصوم کے ساتھ اس کا ذکر کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یہ خطرناک اصول کلمہ طیبہ میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ احناف چاروں ائمہ کو مجتہد مانتے ہیں۔ مگر ایمان ان کا صرف ایک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ہے۔ اگر باقی ائمہ ثلاثہ غلط ہیں تو پھر وہ نبی معصوم کی طرح حجت کیوں ہیں اور اگر صحیح ہیں تو پھر ان سے اختلاف کیونکر۔ حنفی کتابوں میں بے شمار مسائل میں تو خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا گیا ہے۔ صاحبین کا ان سے دو تہائی مسائل میں اختلاف ایک مسلمہ حقیقت ہے (دُرِّ مختار) تو کیا امام معصوم سے اختلاف جائز ہے۔ انہی کتابوں پر امام صاحب کی فقہ کا انحصار ہے ورنہ امام صاحب کی اپنی تو کوئی کتاب ہی نہیں۔ جو اقوال ان کی طرف منسوب ہیں ان کی کوئی سند بھی ثابت نہیں۔ تو بقول مولانا سرفراز احمد صاحب دیوبندی ان حنفی کتابوں کے مسائل حجت نہیں تو سوال یہ ہے کہ پھر حجت کیا ہے؟

یہ مُلاں علی قاری یہ طحطاوی یہ شامی اور فتاویٰ عالمگیری کے "پانچ سو علماء" اگر مجتہد نہیں تھے تو کیا صحیح مقلد بھی نہیں تھے یا یہ کسی ایسے امام کے مقلد تھے جو اس قابل نہ تھا کہ اس کی تقلید کی جاتی یا غیر مقلد تھے۔ پوزیشن تبھی صاف ہوگی اگر دوٹوک انداز میں کہہ دیا جائے کہ کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی کی بات بھی حجت نہیں۔ چاہے وہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد۔ مجتہد ہی کے بارے میں تو یہ اصول ہے: قد یخطئ و قد یصیب (کبھی خطا کرتا ہے کبھی صحیح)۔ ضرورت اس امر کی ہے توحید وسنت پر اثر انداز ہونے والی جتنی باتیں بھی فقہ حنفی میں پائی جاتی ہیں ان سب کو نذرِ آتش کر دیا جائے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بریلوی حضرات کو اپنے غلط عقائد و اعمال کی تائید میں فقہ حنفی کی کتابوں سے بہت کچھ مل جاتا ہے۔ دیوبندی بے چارے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں انھیں اپنی صفائیاں پیش کرنا پڑتی ہے۔ یا پھر مجبوراً انھیں بھی غیر مقلد بننا پڑتا ہے۔

۳۰۰ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ شامی ج ۵ کتاب الکراھیۃ باب اللبس ص ۲۵۶ میں ہے فتاویٰ حجہ میں ہے کہ قبروں پر غلاف مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصد ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہے"۔ یہ بھی حنفیوں کی مستند کتاب کا حوالہ ہے جس کے متعلق مولانا سرفراز صاحب دیوبندی فرماتے ہیں: "شامی جیسی مفید کتاب (سعودیہ میں) ممنوع الدخول ہے"۔ (سماع موتیٰ ص ۱۴۰)

مگر سوال یہ ہے کہ جن انبیاءِ کرام، صحابہ عظام اور اولیاء اللہ کی قبروں پر غلاف نہ چڑھائے گئے بلکہ سرے سے جن کی قبریں ہی نامعلوم ہیں تو کیا ان کی عظمت گھنا گئی ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں واقعی کوئی کام کیا ہے وہ لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں ؎

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ان کی شخصیت اور ان کی عظمت غلافوں، قبوں اور چراغوں کی مرہون منت نہیں ہے یہ لوگ اس قسم کی نمائش کر کے درحقیقت ناقص اور نامکمل شخصیتوں کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ شامی کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر یہ کام نہ کیے جائیں تو لوگ صاحب قبر کو حقیر جاننے لگیں۔ مگر یاد رہے غلافوں، چراغوں اور اینٹ روڑے سے نہ تو کسی شخصیت کو مکمل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی عظمت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

گکھڑوی صاحب نے شامی کی اس عبارت کا بھی یہی جواب دیا ہے کہ یہ غیر مجتہد کا قول ہے۔ (راہِ سنت ص ۱۹۰) یہ جواب غیر مقلدانہ بھی ہے اور مشرکانہ بھی ہے۔ غیر مقلدانہ اس لیے کہ فقہ حنفی کا انکار کیا گیا ہے اور مشرکانہ اس لیے کہ انھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ "یہ پیغمبر کا قول نہیں ہے"۔

مفتی صاحب خانہ کعبہ، مقام ابراہیم اور روضۂ نبوی ﷺ کے غلافوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: "اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟" دوسرے لفظوں میں گویا مفتی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ نجدی وہابیوں کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ کا پورا پورا احترام پایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ روضہ مبارک پر غلاف کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مقامِ ابراہیم پر بھی غلاف نہیں ہے۔ اسے شیشے کے چوکٹے میں محفوظ ضرور کیا گیا ہے۔ رہا معاملہ خانہ کعبہ کا تو اس کا خلاف بدعت نہیں ہے یہ زمانہ نبویؐ میں موجود تھا۔ اگر بریلوی حضرات ولیوں کی قبروں کو خانہ کعبہ کی مثل سمجھتے ہیں تو بصد شوق غلاف چڑھائیں بلکہ سجدے بھی کریں ان کا طواف بھی کریں حجر اسود کی طرح انھیں بوسے بھی دیں اور یہ بیہودگیاں فی الواقع ہو رہی ہیں۔

زندہ لوگوں کی محفلوں میں جو روشنی اور انتظامات ہوتے ہیں مفتی صاحب اسی قسم کے انتظامات مزاراتِ اولیاء پر بھی چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تفسیر رُوح البیان وغیرہ سے حوالے بھی دیے ہیں۔ کاش یہ لوگ زندہ اور مُردہ کا فرق کر سکتے۔

اعتراضات و جوابات

۳۰۱ مفتی صاحب نے اعتراض نقل کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((ان اللہ لم یامرنا ان نکسو الحجارۃ والطین))۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسلم ج ۲ ص ۲۰۰ حدیث ۵۵۲۰، مشکوٰۃ باب التصاویر ص ۳۸۵)

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا"۔

جواب دیتے ہیں: "اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہیں۔ غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا بتاؤ وہ جائز ہے تو قبور کی چادر بھی جائز ہے"۔

مفتی صاحب کھل کر سامنے آ گئے ہیں ان کے نزدیک قبور اولیاء کی حیثیت خانہ کعبہ جیسی ہی ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے انھوں نے نبی ﷺ کے حکم کو قبروں پر محمول نہیں کیا اس سے صرف مکانات مراد لیے ہیں اور قبروں کو خانہ کعبہ پر قیاس کر لیا ہے جو قبلہ شریف ہے، اس جرأت و طرز فکر پر میں تو صرف اِنَّا لِلّٰہِ ہی پڑھ سکتا ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿۳۰۲﴾ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو داؤد باب زیارۃ النساء القبور حدیث ۳۲۳۶، مشکوۃ باب المساجد ص ۷۱) ❶

"حضور ﷺ نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں پر اور چراغ جلانے والوں پر"۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

((اخراج الشموع الی المقابر بدعة لا اصل له)). (ج ۵ ص ۳۵۱)

"قبروں پر شمعیں لے کر جانا بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں"۔

علاوہ ازیں شامی ج ۲ کتاب الصوم قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ارشاد الطالبین اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص ۱۴ سے بھی قبر پر چراغ جلانے کے خلاف فتوے نقل کیے ہیں"۔

﴿۳۰۳﴾ جواب دیتے ہیں: "کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اگر کسی فائدہ سے ہو تو جائز ہے"۔

عرض ہے کیا مردوں کو اندھیرے میں ڈر لگتا ہے یا انھوں نے "جاء الحق" جیسی واہیات کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ کیا نبی ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ قبروں پر چراغ جلانے کے بہت فائدے ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں کیوں ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ فقہاء احناف جو بہت دُور کی کوڑی لانے والے ہوتے ہیں اُنھوں نے بھی فائدہ اور بے فائدہ میں امتیاز نہ برتا اور اسے بہر صورت تضیع مال اور عبث قرار دیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاهلية. "قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی رسموں میں سے ہے"۔ (ج ۱ ص ۱۶۷)

علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

وتجب ازالة كل قنديل او سراج علی قبر. "قبر پر سے ہر قندیل اور چراغ کو ہٹانا واجب ہے"۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۱۹)

شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی قبروں پر چراغ روشن کرنے کو اور غلاف چڑھانے کو محرمات میں شمار فرمایا ہے۔ (فتاویٰ شاہ رفیع الدین ص ۱۴)

اگر جائز و ناجائز کی کسوٹی مفید اور غیر مفید ہونا ہی ہے تو عیسائی اپنے گرجوں میں یا ہندو اپنے مندروں میں جو تکلفات قائم کرتے ہیں ان سے بھی تو بہتوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ بریلوی مجاوروں کی طرح کئی ایک کی روزی ان سے وابستہ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ (الصفت: ۹۱) "تم کھاتے کیوں نہیں"۔

کیا انھیں معلوم نہیں تھا کہ یہ کھانا دراصل بتوں کے کھانے کے لیے نہیں بلکہ بریلوی مجاوروں کی طرح پجاریوں کے کھانے کے لیے ہے اور فائدہ مند ہے۔

فائدوں کا کیا اعتبار ہے۔ قرآن پاک کی رُو سے فائدے تو شراب اور جوئے میں بھی ہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے گناہ کتنا ہے: ﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾۔

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاد رہے کہ جن فقہاء نے قبروں پر چراغ جلانے کو تضیع مال اور عبث کہہ کر ناجائز ٹھہرایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فائدہ ہو تو جائز ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے سمجھا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ سرے سے ہے ہی تضیع مال اور عبث۔

﴿۳۰۴﴾ مفتی صاحب نے چراغ جلانے کا فائدہ ثابت کرنے کے لیے ایک یہ دلیل دی ہے، فرماتے ہیں مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے:

((ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج له سراج)). (عن ابن عباس ترمذی کتاب الجنائز باب فی الدفن باللیل حدیث ۱۰۵۷، مشکوٰۃ ص ۱۴۸) ❶

"نبی ﷺ ایک شب دفن میت کے لیے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لیے چراغ جلایا گیا"۔

مفتی صاحب نے ترجمہ نہایت غلط فرمایا ہے صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ ایک شب قبر میں داخل ہوئے۔ اگر پورے الفاظ نقل فرما دیتے تو ان کے ترجمہ کا پول کھل جاتا۔ آگے الفاظ یہ ہیں:

((فاخذ من قبل القبلة)). "پس اسے قبلہ کی جانب سے لیا"۔

((و قال رحمك الله ان كنت لاواها تلاء للقرآن و كبّر عليه اربعًا)).

"اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تحقیق تو بہت رجوع کرنے والا اور بہت قرآن پاک تلاوت کرنے والا تھا۔ آپ نے اس پر چار تکبیریں کہیں"۔

رات کے وقت اگر جنازہ ہو یا میت کو دفن کرنا ہو تو اس ضرورت کے تحت روشنی کرنے میں کوئی اختلاف ہی نہیں بلکہ قبرستان کی سٹریٹ لائٹ پر بھی کوئی اعتراض نہیں مگر اس روشنی کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قبر پر چراغ جلانے کا مفہوم اس سے بالکل الگ ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے اور ایک راوی منہال بن خلیفہ کو ابن معین نے ضعیف اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فیہ نظر کہا ہے۔

﴿۳۰۵﴾ والمتخذین علیها المساجد و السرج کی ایک تاویل مفتی صاحب نے یہ کی ہے کہ "خود تعویز قبر کے اُوپر چراغ جلانا منع ہے لیکن اگر قبر کے اردگرد ہو تو وہ قبر نہیں لہٰذا یہ جائز ہے"۔

یہ تاویل اسی طرز کی ہے جیسے آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ قبر میت کی طرف سے پکی نہیں ہونی چاہیے۔ مفتی صاحب نے علیٰ کا نہایت غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر یہ فائدہ اُنھوں نے اپنی بے علمی کی وجہ سے اُٹھایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ﴾ (البقرہ: ۲۵۸) "یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا"۔

﴿لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ (التوبہ: ۸۴) "نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں"۔

﴿وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ (الدھر: ۱۹)

"اور ان کے اردگرد پھرتے ہوں گے وہ کمسن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں"۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ﴾ (التحریم: ۶)

"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جن پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں"۔

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ﴾ (البقرہ:۵۷) "اور ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا"۔

﴿ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْہَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ ﴾ (آل عمران:۳۷) "جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے"۔

﴿ وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ ﴾ (یوسف:۶۹) "یہ سب جب یوسف کے پاس پہنچ گئے"۔

((خلصتُ فاذا مُوسٰی... فسلمتُ علیه)). (عن مالک بن صعصعه بخاری ص ۵۴۹ حدیث ۳۸۸۷، مشکوۃ باب المعراج ص ۵۲۸)

"موسیٰ علیہ السلام پر سے گزر ہوا"۔

((فقام علیها للصلوٰة وسطها)). (عن سمرہ بن جندب ابوداؤد باب این یقوم الامام من المیت اذا صلی علیه حدیث ۳۱۹۵) ❶

"آپ ﷺ اس عورت کی نماز جنازہ کے لیے وسط میں کھڑے ہوئے"۔

کیا خیال ہے ان مثالوں میں علیٰ کا وہی معنی ہے جو مفتی صاحب نے تجویز فرمایا ہے۔ اصل میں قبر پر چراغ جلانے سے قبر پر روشنی کرنا مراد ہے۔

لہٰذا قبر کے اُوپر چراغ رکھے جائیں اور اس کے اردگرد رکھے جائیں۔ بزبان نبوی ﷺ لعنتیوں والا کام ہے۔ تاویلوں کا کیا ہے، تاویل تو آپ بھی کر سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چراغ جلانے سے منع فرمایا ہے۔ موم بتی یا بلب یا ٹیوب جلانے سے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔ کیوں کیا خیال ہے؟

قبل ازیں مفتی صاحب ﴿ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْہِمْ مَّسْجِدًا ﴾ سے قبروں کے قریب مسجد بنانے پر استدلال فرما چکے ہیں۔ (ص ۲۸۴) میں پوچھتا ہوں یہاں علیٰ کا کیا معنی ہے قبر کے اوپر یا قریب۔ اگر اوپر معنی کریں تو اس کے یہ قائل نہیں۔ اگر قریب معنی کریں تو پھر چراغوں والی مذکورہ تاویل سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

فقام علیها للصلوٰة والا حوالہ مولانا سرفراز صاحب نے بھی دیا ہے۔ (راہِ سنت ص ۱۸۳) مگر وسطها کے بغیر۔ کیونکہ یہ حنفی مسلک کے خلاف ہے۔

۳۰۶ مفتی صاحب فرماتے ہیں بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے۔ (شعب الایمان بیہقی حدیث ۷۰۰۹، مشکوۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ ص ۳۲۴) ❷

مفتی صاحب نے برذون کا ترجمہ خچر کیا ہے حالانکہ اس کا معنیٰ ترکی گھوڑا ہے۔ نیز لکھتے ہیں کوئی مسلمان حاکم۔ یہ بھی غلط ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ صرف اپنے عاملوں کو روانہ کرتے وقت ان سے یہ شرطیہ عہد لیتے تھے اور اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ نازک مزاج اور مغرور نہ ہو جائیں نیز مفتی صاحب کا اب ان باتوں کا مستحب کہنا بھی غلط ہے۔ بالخصوص حاکم کا اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند کرنا بہت بری بات ہے۔ اور یاد رہے کہ اس کی سند بھی نامعلوم ہے۔ دوسری مثال یہ دی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((ما امرت بتشييد المساجد)). (ابوداؤد باب بناء المساجد حدیث ۴۴۸، مشکوۃ باب المساجد ص ۶۹) ❸

"مجھے مسجدوں کو بلند کرنے کا حکم نہیں دیا گیا"۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں: "اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اُونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی ہوں، کچی اور معمولی تو اس میں اسلام کی توہین ہے"۔

گزارش ہے اگر کفار کی ریس میں مسجدوں کو عظیم الشان بنانا ہے تو یہ اب بھی منع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ آگے خود اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

((لتزخرفنها کما زخرفت الیهود والنصاری)). "تم مسجدوں کو آراستہ کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے آراستہ کیا"۔

فخر و غرور کے لیے بھی یہ کام جائز نہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((ان من اشراط الساعة ان یتباهی الناس فی المساجد)). (عن انس ابوداؤد بناء المساجد حدیث ۴۴۹، نسائی المباهاة فی المسجد حدیث ۶۹۰، مشکوۃ باب المساجد ص ۶۹) ❶

"یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگ مساجد کے بنانے میں فخر کریں گے"۔

((لا تمنعوا اِمآء اللہ مساجدَ اللہِ)). "اللہ کی بندیوں کو اللہ کے گھروں میں آنے سے مت روکو"۔ (ابوداؤد، حدیث ۵۶۵)

اس کے متعلق فرماتے ہیں: "عورتیں مسجد میں جائیں تو صدہا خطرات ہیں"۔

سوال یہ ہے کیا نبی ﷺ صرف اپنے زمانہ کے لیے تشریف لائے تھے۔ جس عالم الغیب نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا کیا اسے علم نہیں تھا کہ بعد کے حالات کیا ہوں گے۔ بریلویوں کے نزدیک تو آنحضرت ﷺ بھی عالم الغیب تھے۔ آپ ﷺ نے بھی نہ بتلایا کہ یہ حکم صرف میرے عہد تک کے لیے ہے۔ مفتی صاحب نے خطرات کی بات کی ہے۔ عرض ہے کہ جب یہ عورتیں شاپنگ کے لیے نکلتی ہیں یا محفل میلاد میں پہنچتی ہیں یا مزاروں پر حاضری دیتی ہیں یا عرسوں میں شرکت کرتی ہیں یا شادیوں میں شمولیت کرتی ہیں کیا اس وقت انھیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ صدہا خطرات مسجد میں آنے کی وجہ سے ہیں اس ناروا اور غیر شرعی پابندی کی وجہ سے چونکہ سب عورتوں نے اہلحدیث کی مساجد میں آنا شروع کر دیا تو لطف کی بات ہے کہ بریلویوں نے بھی عورتوں کے لیے مسجدوں کے دروازے کھول دیے۔ اب نہ جانے ان کے نزدیک عورتوں کا مسجدوں میں آنا مستحب ہے یا نہ آنا مستحب ہے۔ یعنی اب صدہا خطرات ان کے آنے میں ہیں یا نہ آنے میں ہیں۔ دیکھیے، مصلحتوں کے تحت آئے دِن کس طرح ان کی شریعت بدلتی رہتی ہے ؎

جنابِ شیخ کا قدم یوں بھی ہے اور وُوں بھی ہے

﴿۳۰۷﴾ مفتی صاحب نے چوتھی مثال یہ دی ہے، فرماتے ہیں: "قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مؤلفۃ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا۔ (دیکھو ہدایہ وغیرہ) کیا اب بھی ان پر عمل ہے"۔

گزارش ہے کہ یہ واقعہ عہد فاروقی کا نہیں عہد صدیقی کا ہے اس عہد میں اگر مؤلفۃ القلوب کا مصرف نہیں رہا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ یہ قرآنی مصرف ہمیشہ کے لیے ساقط ہو گیا۔ اگر دوبارہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں اور مسلمان ضرورت محسوس کریں تو اس مصرف پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ کسی فقہ کو قرآنی حکم منسوخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اگر ہوا تھا تو صرف اس بات پر کہ اس وقت اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ہمیشہ کے لیے اس قرآنی حکم کو منسوخ کرنے پر اجماع نہیں ہوا تھا۔ ورنہ تو پھر اس سے

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگلے مصرف وفی الرقاب یعنی غلام آزاد کرنے کو بھی ساقط ماننا پڑے گا کیونکہ غلامی کا رواج ختم ہو جانے کی وجہ سے یہ مصرف بھی ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کی پیشینگوئی کے مطابق ایک وقت آنے والا جب کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہیں رہے گا۔ (عن حارثہ بن وہب بخاری حدیث ۱۴۱۱، مسلم حدیث ۱۰۱۱، مشکوٰۃ باب الانفاق ص ۱۶۴)

تو کیا خیال ہے فقراء و مساکین کا مصرف بھی منسوخ ہو جائے گا۔ اصل بات یہ ہے جب اور جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ کرنا چاہیے۔ نسخ والی بات غلط ہے۔ (دیکھو مثلاً تفسیر قرطبی)

فرماتے ہیں: "پہلے حکم ہوا تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرے۔ اب جائز قرار پایا"۔

عرض ہے کہ مزارات پر روشنی نہ کرنے کا حکم دینے والے تو نبی ﷺ تھے۔ جائز کرنے والی کونسی قوت شریف ہے مسیلمہ کذاب یا مرزا قادیان؟ ان الفاظ میں مفتی صاحب نے تسلیم کرلیا ہے کہ پہلے حکم منع کا تھا۔ قبل ازیں خواہ مخواہ اس کی تاویلیں کر کے اپنا بھی وقت ضائع کیا ہے اور ساتھ اس خاکسار کا بھی۔

(الف) مفتی صاحب لکھتے ہیں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی اصل عبارت یہ ہے:

اخراج الشموع الی رأس القبور فی اللیالی الاول بدعة.

"شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے"۔

"اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مُردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلا آتے تھے یہ سمجھ کر اس سے مُردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مُردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مُردے کی رُوح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہٰذا روشنی کر دو۔ یہ حرام ہے۔ اور بدعقیدگی بھی ہے۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟"

فتاویٰ عالمگیری کے یہ دونوں حوالے میری نظر سے نہیں گزرے۔ میری نظر اس عبارت پر پڑی ہے:

و ایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاهلية. (ج۱ ص ٦٧)

"قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی رسموں میں سے ہے"۔

اس میں شروع اور بعد کا کوئی تذکرہ نہیں۔ مفتی صاحب کا حوالہ اگر کہیں ہو تو اس میں شروع راتوں کی قید اتفاقی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس زمانہ میں بریلوی ذہن رکھنے والا سوادِ اعظم ایسا کرتا تھا۔ یہ مقصد نہیں کہ اپنے فائدے کا بہانہ بنا کر بعد میں قبروں پر چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے:

﴿فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور: ۳۳)

"تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں بدکاری پر مت مجبور کرو"۔

اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ لونڈیاں اگر بچنا نہ چاہیں تو ان سے حرام کاری کروائی جائے۔

(ب) مفتی صاحب نے اس مقام پر حرام اور بدعقیدگی کے الفاظ یوں استعمال فرمائے ہیں جیسے یہ حضرت صاحب خود بہت صحیح العقیدہ مسلمان ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے پیچھے کیا لکھ آئے ہیں: "چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشا یہ ہے کہ سال بھر تک میت کو وقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بوقت ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اوّل اوّل مردے کا دِل اپنے دوست احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل اِدھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں تو اوّلاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے... الخ۔

(ص ۲۷۱) آگے لکھتے ہیں: "عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دِن تک میت کی رُوح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے۔ ممکن ہے اس کی اصل کچھ ہو"۔ (ص ۲۷۲)

اب سوال یہ ہے کہ کیا مُردے کو اندھیرے میں رکھنا ہوتا ہے۔ اس مقام پر مفتی صاحب نے جس خیال کی تردید فرمائی ہے اسی خیال کو پہلے زور شور سے ثابت فرما چکے ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے مفتی صاحب نے بدعت مستحبہ کی یہ تعریف فرمائی ہے وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں۔ اس کو کرنے والا ثواب پائے گا۔ (ص ۲۱۹) میں پوچھتا ہوں یہ شروع راتوں میں چراغ جلانا شریعت میں منسوخ ہے یا وہ مسلمان اس کام کو گناہ سمجھ کر کرتے تھے۔

مفتی صاحب نے یہ جو لکھا ہے "آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مُردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں... الخ"۔

یہ عبارت میرے لیے ناقابل فہم ہے۔

قبل ازیں مفتی صاحب بطور اعتراض شامی سے یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ اگر شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لیے تیل کی نذر مانی۔ تو یہ باطل ہے۔ (ص ۳۰۳)

۳۰۸ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "شامی نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا۔ بغیر قبر کے کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس سے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں"۔

مفتی صاحب دوبارہ عرس کو بیچ میں لے آئے ہیں۔ بات عرس کے چراغوں کی نہیں قبروں کے چراغوں کی ہو رہی ہے۔ عرس تو سال بعد ہوتا ہے اور قبر پر چراغ سارا سال جلتے ہیں۔ بعض مزاروں پر تو بارہ مہینے باباجی کے حقے بھی جلتے ہیں جیسے مثلاً امام بری میں۔ انھیں ایک لمحہ کے لیے بھی بجھنے نہیں دیا جاتا۔ پتہ نہیں باباجی نے یہاں سے اپنے حقے کی چلم بھرنی ہوتی ہے۔

شامی کی عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ قبر پر چراغ جلانا جائز ہے نہ کسی کے نام پر بغیر قبر کے جائز ہے تو پھر جائز کہاں ہے۔

(الف) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے"۔

عرض ہے اگر قبر سے زیادہ فاصلے پر منع ہے تو چند فٹ کے فاصلے پر کیوں منع نہیں۔ کیا غوث پاک کے لیے بھی قریب اور بعید کا کوئی فرق ہے جن کا یہ شعر مفتی صاحب نے بیان کیا ہے:

ترجمہ: ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہوں۔ (ص ۸۶)

نیز عبدالحق محدث دہلوی کی زبدۃ الاسرار سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارا گوشہ چشم لوحِ محفوظ میں رہتا ہے۔ (ص ۸۷)

مولانا جامی کی نفحات الانس سے خواجہ بہاء الدین نقشبندی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ گروہِ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے"۔ ان الفاظ کی روشنی میں مفتی صاحب سے پوچھتا ہوں کیا مینارہ شام کے چراغ غوث پاک کو نظر نہیں آتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ یہ سمجھ کر زیارت کرتے ہیں اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں تو ان بزرگوں کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں۔ یہ محض باطل ہے"۔

سوال یہ ہے کہ وہ جہلاء کون ہیں۔ بے چارے بریلوی ہی تو ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے مسلک کے عین مطابق کرتے ہیں۔ خود مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دُور و قریب کی آوازیں سُنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے یہ رفتار خواہ صرف رُوحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے جو قبر میں مدفون ہے یا کسی جگہ موجود ہے"۔ (ص ۱۳۸) اسی طرح امام ملت بریلویہ فرماتے ہیں اگر (اولیاء) چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں۔ (ملفوظات ص ۱۱۳) تو کیا مقام چلہ تک بزرگوں کی رسائی باطل ہے۔ بریلوی حضرات تو جس جگہ چاہیں محفل میلاد منعقد کر کے نبی ﷺ کو بلا لیتے ہیں اور اسی لیے آپ ﷺ کی تشریف آوری پر سروقد کھڑے بھی ہو جاتے ہیں تو کیا دوسرے بزرگ مقام چلہ تک آنے میں کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

(ج) لکھتے ہیں: "ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انھوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ بیٹھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری (ص ۷۰ حدیث ۴۸۴) میں بیان فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے جہاں کہ حضور ﷺ نے کبھی نماز پڑھی تھی"۔

"لہٰذا خواجہ اجمیری رحمہ اللہ وغیرہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی ان کی زیارت کرنی اور ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے"۔ نبی ﷺ کی اتباع کرنا بھی سنت صحابہ ہے کیا اجمیری خواجہ رحمہ اللہ کی اتباع کرنا بھی سنت صحابہ ہے؟ مفتی صاحب نے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے یہ بات مسئلہ کے عنوان کے تحت لکھی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل محبت کی وجہ سے تھا اگر مسئلہ کی رُو سے ہوتا تو پھر یہ سنت جاریہ ہوتا۔ اس پر تو خود بریلویوں کا عمل بھی نہیں ہے۔ کیا خواجہ اجمیری کی بیٹھکیں نبی ﷺ کی بیٹھکوں سے زیادہ متبرک ہیں۔ یہاں گفتگو ہو رہی ہے پھول ڈالنے چادریں چڑھانے اور چراغاں کرنے کی۔ تو کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان مقامات پر کوئی ایسا کام بھی کیا تھا۔ کیا بریلویوں کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا۔ جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی، صرف اس لیے کہ لوگ اس جگہ کو متبرک سمجھ کر عبادت گاہ نہ بنائیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۸) دنیا میں ہزارہا بزرگ گزرے ہیں اور ہر بزرگ نے اپنی زندگی میں ہزارہا نمازیں پڑھی ہیں اور سینکڑوں جگہ ہی آرام فرمایا ہے۔ اگر ہر بزرگ کی ہر عبادت گاہ اور بیٹھک کو متبرک قرار دے دیا جائے تو پھر مفتی صاحب کے مسئلہ کی رُو سے دنیا میں کوئی جگہ خالی نہیں رہنی چاہیے جہاں پھول نہ ڈالے جائیں یا چادریں نہ چڑھائی جائیں یا چراغاں نہ کیا جائے۔

(د) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں نذر لغوی ہے۔ جس کے معنٰی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے۔ یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے"۔ جو شئے واجب نہ ہو اسے اپنے اوپر واجب کر لینا نذر کہلاتا ہے۔ مسلمان کا ہر کام اللہ ہی کے لیے اور اللہ ہی کے نام پر ہوتا ہے۔ نذر کو شرعی اور لغوی معنوں میں تقسیم کر کے بزرگوں کے نام کی نذر کو جائز کر لینا سراسر دھوکہ ہے۔ لغوی والی تاویل کر کے تو غیر اللہ کے لیے ہر عبادت کو جائز کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قبروں کا طواف بھی کیا جا سکتا ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ بہانہ کیا جا سکتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ طواف یا یہ سجدہ شرعی نہیں لغوی ہے۔

استاد سے یہ کہنا کہ یہ آپ کی نذر ہے بڑا خطرناک قسم کا استدلال ہے۔ یہ لغوی نہیں بلکہ مجازی معنی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے لوگ ایک دوسرے کو احتراماً قبلہ و کعبہ کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ شرعاً کعبہ ہوتا ہے نہ نصاً کعبہ ہوتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں نذر شرعی اللہ کے نام پر ہو اور مصرف اس کا فقراء و مساکین ہوں تو اولیاء اللہ کے نام کا بیچ میں کیا مطلب ہے؟ صرف ایصالِ ثواب؟

(ذ) پلاؤ کے عاشق مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کروں گا اللہ کے لیے، اس پر جو ثواب ملے گا آپ کو بخشوں گا"۔ میرے بھائی ایصالِ ثواب کی محفلیں تو مرنے والوں کے لیے روزانہ برپا ہوتی رہتی ہیں اس تیجے ساتویں دسویں چالیسویں وغیرہ میں تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ اس کے ماں باپ کی نذر ہے یا یہ اس کے دادا بوٹا ولد گھسیٹا کی نذر ہے۔ ہمیشہ اپنے کچھ مخصوص بزرگوں کے نام پر ہی نذر مانی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس نذر سے ایصالِ ثواب مقصود نہیں ہوتا بلکہ اللہ جل جلالہٗ سے برابری مقصود ہوتی ہے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے نذر اللہ نیاز حسین۔ اگر صرف ایصالِ ثواب مقصود ہو تو اس کے زیادہ حق دار گنہگار لوگ ہیں نہ کہ اولیاء کرام۔

(ر) مفتی صاحب اپنی تائید میں فرماتے ہیں جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لیے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ۔ اس میں غیر اللہ کے نام کی نذر کا کوئی ثبوت نہیں مصرف کا غیر اللہ ہونا تو کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔

(ز) فرماتے ہیں: "غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں ﴿وَ التِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ ۝ وَ طُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝﴾ وغیرہ اور حضور ﷺ نے فرمایا **افلح و ابیه** اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکامِ قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جائے مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لیے ہو وہ جائز۔ یہ ہی نذر کا حال ہے"۔

جہاں تک قرآنی قسموں کا تعلق ہے تو گزارش ہے کہ شریعت کے مکلف ہم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ حضور ﷺ کا **افلح و ابیه** (عن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ا ص ۳۰ حدیث ۱۰۱) فرمانا یقیناً قابل غور ہے۔ اس کے تحت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سرے سے قسم ہی نہیں ہے۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ یہ لفظ غیر ارادی طور پر اپنے کلام میں داخل کر دیتے ہیں قسم کے ارادے سے غیر کا نام لینا منع ہے۔ بعض کا خیال ہے آپ کا **و ابیه** فرمانا اس وقت کی بات ہے جب ابھی غیر اللہ کی قسم حرام نہیں ہوئی تھی"۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عمل کو سنت نبوی ﷺ سمجھ کر نہیں اپنایا بلکہ چھوڑ دیا کہ اس کے خلاف ڈھیر سارے دلائل ملتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم اور غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز حرام ہے۔ مفتی صاحب نے قسم کو دو قسموں پر تقسیم فرمایا ہے شرعی اور لغوی۔ اللہ تعالیٰ نے یوں تقسیم فرمائی ہے دِل کے ارادے کے ساتھ اور لغو۔ لغو سے مراد وہ قسم جو بلا ارادہ ہو یعنی قسم کی تقسیم شرعی اور لغوی لحاظ سے نہیں ہے بلکہ ارادی اور غیر ارادی کے لحاظ سے ہے اللہ تعالیٰ نے غیر ارادی قسم کو لغو قرار دیا ہے۔ ان علامہ صاحب نے لغو کو لُغوی بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لیے ہو وہ جائز ہے عرض ہے کہ تاکید اس کلام میں ہوتی ہے جو دِل کے ارادہ کے ساتھ ہو۔ لغو قسم تو زبان پر چڑھی ہوتی ہے اور بلا ارادہ ہوتی ہے اور بے ساختہ زبان سے نکل جاتی ہے۔ اور اسی لیے اس کی معافی بھی ہے۔ لہٰذا تاکید کلام کے لیے غیر اللہ کے نام کی لغوی قسم کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائز کہنا بالکل لغو بات ہے۔

(س) فرماتے ہیں: "ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لیے تیل بھیجوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو"۔ اس کا حوالہ نہیں دیا۔ مسجد اقصیٰ خانہ خدا ہے اس کے لیے نذر مان کر بے شک تیل کے ٹینکر بھیج دیئے جائیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ زیر بحث مسئلہ نذر غیر اللہ کا یا قبروں پر چراغ جلانے کا ہے وہ اس سے ثابت نہیں ہے۔

(ش) فرماتے ہیں: "مشکوٰۃ باب النذور (ص ۲۹۸) میں ہے کسی نے نذر مانی تھی کہ میں جعرانہ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کرو"۔ (عن ثابت بن الضحاک ابوداؤد باب ما یؤمر به من وفاالنذر حدیث ۳۳۱۲) ❶ یہ حدیث مفتی صاحب کے خلاف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے وثن کا لفظ بولا تھا۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

اصل من وثن الشیء ای اقامه فی مقامه وسمی الصنم وثناء لانه ینصب و یر کز فی مکان فلا یبرح عنه.

(ج ۱۲ ص ٥٤)

"وثن کے معنی کسی چیز کو اس کی جگہ کھڑا کرنا ہے صنم یعنی بت کو بھی اسی لیے وثن کہتے ہیں کہ اسے ہمیشہ ایک جگہ کھڑا کیا جاتا ہے"۔
لہٰذا بت کی طرح اگر کسی قبر کی پوجا شروع ہو جائے تو وہ بھی وثن ہی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

((اللّٰهم لا تجعل قبری وثنا یعبد)). (عن عطآء بن یسار مؤطا حدیث ۵۹۳) ❷

"یا اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنائیو کہ پوجا ہونے لگے"۔

مفتی صاحب نے حدیث پوری نقل نہیں فرمائی وغیرہ کہہ کر بات گول کر دی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی پوچھا تھا:

((هل کان فیه عید من اعیاد الجاهلیة قالوا لا)).

"کیا وہاں جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ بھی لگتا تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں"۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: نذر پوری کرو۔ اس سے ثابت ہوا ایسی نذر ہرگز نہیں پوری کرنی چاہیے جس میں غیر کا ذرا بھی تعلق ہو وہ تعلق چاہے بت کے ساتھ ہو یا قبر کے ساتھ ہو۔ خود نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم)). (عن ابی هریره رضی اللہ عنہ ابوداؤد کتاب المناسک حدیث ۲۰۴۲، باب زیارة القبور مشکوٰۃ باب الصلاة علی النبی ص ۸٦) ❸

"میری قبر پر عید یعنی میلہ نہ لگانا۔ مجھ پر درود بھیجو تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا"۔

(ص) فرماتے ہیں: "کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا مسجد الحرام میں نماز پڑھ لو"۔ (عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس حدیث ۳۳۰۵، مشکوٰۃ باب فی النذور ص ۲۹۸) ❹

مسجد اقصیٰ قبلہ اوّل ہے۔ مقام معراج ہے اور ان تین مقامات مقدسہ میں سے ایک ہے جن کی طرف نبی ﷺ نے شد رحال (سواری تیار کرنے) کی اجازت دی ہے۔ ان کی طرف عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے۔ تاہم نذر ماننے کے باوجود نبی ﷺ نے اسے ضروری خیال نہ کیا اور فرمایا مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ اس کے مقابلے میں قبروں پر نذریں پوری کرنے کی کیا حقیقت ہے کجا خانہ خدا

تخریج: ❶ صحیح ہے۔ ❷ حسن ہے۔ ❸ صحیح ہے۔ ❹ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کجا مُردے کی قبر۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

۳۰۹ فرماتے ہیں: "ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔"

بریلویوں کا جو اصل مذہب ہے یعنی اولیاء کرام کی نذر ماننا یا ان کی قبروں پر دیگوں وغیرہ کا چڑھاوا چڑھانا یہ باتیں ان احادیث سے ثابت نہیں ہوتیں۔ کہتے ہیں: اسی طرح یہ بھی ہے۔ خواہ مخواہ ہی۔

(الف) فرماتے ہیں: "مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور ﷺ جنگ اُحد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ (عن بریدہ ترمذی حدیث ۳۶۹۰، مشکوۃ ص ۵۵۸) ❶ یعنی حضور ﷺ کی خدمت میں فرشی کا نذرانہ"۔ بعض بیویوں کا لفظ بول کر مفتی صاحب نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شاید معاذ اللہ یہ حضور ﷺ کی کوئی زوجہ محترمہ ہوں گی۔ حالانکہ اصل الفاظ یہ ہیں ان جاریۃ سوداء یعنی وہ کوئی کالے رنگ کی (غالباً حبشن) عورت تھی اور بعض نے اس کو کالے رنگ کی چھوٹی لڑکی بھی کہا ہے۔ بیوی زوجہ کو کہتے ہیں مفتی صاحب نے جاریہ کا معنی "بعض بیویوں" نہایت غلط کیا ہے۔ خود مفتی صاحب نے آگے چل کر اس عورت کو لونڈی لکھا ہے۔ (ص ۴۳۷) اس عورت کا نبی ﷺ کے سامنے دف بجانے کی نذر ماننا نبی ﷺ کے نام پر نذر ماننا نہیں تھا۔

(ب) فرماتے ہیں: "غرضیکہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لیے جائز ہے یعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (الحج: ۲۹) "پرانے گھر کا طواف کریں"۔

یہاں طواف شرعی معنی میں ہے۔ اور رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ﴾ (الرحمن: ٤٤) "اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے"۔

یہاں طواف بمعنی لغوی ہے "آنا جانا گھومنا"۔

مفتی صاحب کا یہ استدلال تب درست ہو سکتا ہے اگر اوّلاً وہ یہ ثابت کر دیں کہ زندہ یا مُردہ اولیاء کرام کی قبروں کا طواف لغوی معنوں میں جائز ہے۔ یا لغوی معنوں میں انہیں سجدہ جائز ہے۔ مفتی صاحب نے لغوی لغوی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ بریلویوں کو چاہیے کہ اپنے عوام کو بتلا دیں کہ ان کے مذہب کا سارا تانا بانا لغوی ہے شرعی نہیں ہے۔ عبادات اور شرعی اصطلاحات کو لغوی معنی پہنا کر غیر اللہ کے لیے جائز کر دینے کو مذہبی تخریب کاری کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ دین کی خدمت نہیں ہندوانہ سازش ہے۔

قبل ازیں مفتی صاحب بطور اعتراض قبروں پر چراغاں کے خلاف قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے فتاویٰ نقل فرما چکے ہیں وہاں یہ تاویل فرمائی کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے... الخ۔ (ص ۳۰۳)

اب کھل کر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ بے شک بزرگ ہستیاں ہیں لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تھے تا کہ کراہت تحریمی و حرمت فقط

تخریج: ❶ حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے قول سے ثابت ہو اس کے لیے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر کراہت وحرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے"۔ کیا عجیب وغریب مسلک ہے یعنی ان کے نزدیک استحباب کے لیے عالم کا قول معتبر ہے۔ کراہت وحرمت کے لیے معتبر نہیں۔ اس کے لیے خاص دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ میں کہتا ہوں خاص دلیل شرعی بھی بریلویوں کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ ان کی ورکشاپ میں ایک سے ایک بڑھ کر تاویلوں کے ہتھیار موجود ہیں۔ قاضی صاحب نے حدیث نبوی کے حوالے سے قبروں پر چراغاں کرنے کو بدعت اور لعنتیوں والا عمل کہا ہے۔ کیا دلیل شرعی کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ ان حضرات نے قبوری بدعتوں کے خلاف فتوے دیئے ہیں۔ اگر یہ مجتہد نہیں تھے تو کیا "بدمذہب" تھے۔

(ج) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ.... وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے"۔

مجھے بریلوی عوام پر ترس آتا ہے۔ ان بے چاروں کو گمراہ کرنے کے لیے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ خانہ کعبہ کسی بزرگ کی قبر نہیں ہے۔ اس کا غلاف عہد نبوی ﷺ میں تھا لہٰذا سنت ہوا۔ روضۂ نبوی کا غلاف ثابت نہیں۔ چراغاں اس لیے ہے کہ حرمین شریفین دونوں مسجدیں ہیں۔ قبروں کے چراغاں کو ان پر قیاس کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر مردوں کو قیاس کیا جائے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے جو قبرستان ہیں یعنی جنت المعلّٰی اور جنت البقیع وہاں نہ غلاف چڑھے ہیں نہ چراغاں ہوتا ہے اور نہ روضہ مطہرہ سمیت وہاں نذریں اور نیازیں لائی جاتی ہیں اور نہ پھول چڑھائے جاتے ہیں۔

﴿۳۱۰﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں: "حرمین شریفین کے علماء کا کسی شے کو اچھا سمجھنا بے شک اس کے استحباب کی دلیل ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری حدیث ۱۸۷۱، مسلم ج ۱ ص ۴۴۴ حدیث ۳۳۵۲، مشکوٰۃ باب حرم المدینہ ص ۲۳۹) جذب القلوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شریر ومفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے"۔

ان الفاظ کی روشنی میں میں پوچھتا ہوں کہ بریلویوں کا نجدی وہابیوں کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ جو صدیوں سے حرمین شریفین کی تاریخ ساز خدمت کر رہے ہیں۔ خانہ خراب تو اُن کا ہے جن کی سعودی عرب میں "مشرک" ہونے کی بنا پر تاحیات پابندی لگی ہوئی ہے۔ یہی بُرے لوگ ہیں جن کو مدینہ پاک کی پاک سرزمین میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ خوش نصیب تو وہ ہیں جو فوت کہیں اور ہوتے ہیں اور دفن جنت البقیع میں ہوتے ہیں۔

قبر پر اذان دینے کی تحقیق

﴿۳۱۱﴾ فرماتے ہیں: "مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے"۔

ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے:

((لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ)). (عن ابی سعید وابی ہریرہ رضی اللہ عنہما مسلم ج ۱ ص ۳۰۰ حدیث ۲۱۲۳)

"اپنے مردوں کو سکھاؤ لا الٰہ الا اللہ"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں: "یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے شامی ج ا باب الدفن بحث تلقین بعد الموت ص ۶۲۸ میں ہے:

((اما عند اهل السنة فالحديث لقنوا موتاكم محمول على حقيقته و قد روى عنه عليه السلام انه آمر بالتلقين بعد الدفن فيقول يا فلان ابن فلان اذكر دينك الذى كنت عليها)).

"اہلسنت کے نزدیک یہ حدیث اپنے حقیقی معنوں پر محمول ہے اور حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا"۔

فرماتے ہیں: "چونکہ اذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے"۔

مفتی صاحب نے تلقین میت والی حدیث بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۴۱ بیان کی ہے صاحب مشکوٰۃ اسے اس عنوان کے تحت لائے ہیں:

((ما يقال عنه من حضر الموت)). "قریب المرگ کے پاس کیا کہنا چاہیے"۔

مشکوٰۃ میں یہ حدیث بحوالہ علم بیان ہوئی ہے جس میں عنوان یہ ہے:

((فى تلقين المحتضر بلا اله الا الله)). (ج۱ ص ۳۰۰) "قریب المرگ کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرنی چاہیے"۔

اس حدیث کے تحت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((معناه من حضرة الموت والمراد ذكروه لا اله الا الله لتكون آخر كلامه كما فى الحديث من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة)). (عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ابو داؤد باب فی التلقین حدیث ۳۱۱۶) ✿

"یعنی قریب المرگ کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرو تا کہ یہی اس کا آخری کلام ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا"۔

یہ حدیث ترمذی ہی میں ہے جس پر یہ باب ہے:

((ما جاء فى تلقين المريض عند الموت والدعاء له)). (کتاب الجنائز حدیث ۹۷۶) ✿

"موت کے نزدیک مریض کو تلقین کرنا اور اس کے لیے دعا کرنا"۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے تلقین اور من كان آخر كلامه والی دونوں احادیث کو باب فی التلقین کے تحت بیان کیا ہے۔ (کتاب الجنائز)

تلقین والی روایت کے متعلق علامہ سندھی حنفی فرماتے ہیں:

((المراد من حضرة الموت لا من مات)). "مراد قریب المرگ ہے نہ کہ جو فوت ہو گیا"۔ (بحوالہ عون المعبود ایضًا)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

((المراد الذى قرب من الموت)). "قریب المرگ مراد ہے"۔ (کتاب الجنائز ص ۱۳۶)

محشی ہدایہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

((دفع توهم من يتوهم ان المراد به قراءة التلقين على القبر)).

تخریج: ✿ صحیح ہے۔ ✿ صحیح ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اس سے اس شخص کے وہم کا ازالہ مقصود ہے جو یہ سمجھ لے کہ قبر پر تلقین پڑھنی مراد ہے"۔

سوال یہ ہے کہ یہ سب لوگ جنہوں نے تلقین والی حدیث کو قریب المرگ پر محمول کیا ہے کیا اہل سنت نہیں ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ میت کے معنی مرا ہوا بھی ہے اور مرنے والا بھی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝﴾ (الزمر: ۳۰) "تحقیق آپ بھی مرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں"۔

دفن کے بعد تلقین کی روایت جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہے ابوامامہ سے طبرانی میں مروی ہے جس کی طرف اشارہ بلوغ المرام میں بھی ہے (کتاب الجنائز) یہ اہل علم کے نزدیک موضوع ہے۔ (سبل السلام ج ۲ ص ۱۱۴)

مفتی صاحب چونکہ قبر پر تلقین کے قائل ہیں اور وہ اذان کو بھی تلقین سمجھتے ہیں اس لیے اُنھوں نے تلقین پر قیاس کر کے قبر پر اذان کو بھی مستحب "ثابت" کر دیا ہے۔ دیوبندی حضرات قبر پر تلقین کے تو قائل ہیں مگر اذان کے قائل نہیں۔ مولانا سرفراز احمد صاحب صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: "البتہ دفن کے بعد تلقین کرنا عند القبر ہے مگر وہ تو والدعاء عندھا قائما کی مد میں ہے جو سنت سے ثابت ہے"۔ (راہ سنت ص ۱۱۴) یعنی دیوبندیوں نے تلقین کو دُعا پر قیاس کر لیا اور بریلویوں نے آگے بڑھ کر تلقین پر قیاس کر لیا۔ حالانکہ نہ تلقین دعا ہے اور نہ اذان تلقین ہے۔ اور اگر بقول اہل دیوبند تلقین دُعا ہو سکتی ہے تو بقول بریلویہ اذان بالاولی تلقین ہو سکتی ہے۔ نبی ﷺ سے بعد از دفن نہ اذان ثابت ہے اور نہ تلقین ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دو کو ہدایت دے۔ میں ان دونوں کی مجبوری سمجھتا ہوں کیونکہ درمختار میں ہے:

((ولا يلقن بعد تدفينه وان فعل لا ينهى عنه))۔ (درمختار ج ۱ ص ۶۲۸)

"دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے اگر کوئی کرے تو منع نہ کیا جائے"۔

قبر پر اذان کے بارے میں مولانا صفدر صاحب نے مولانا احمد رضا خان صاحب کا اعتراض نقل کیا ہے۔

اذان خود دُعا بلکہ بہترین دُعا ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دُعا تو وہ بھی سنت ثابتہ کی ایک فرد ہے۔ (ایذان الاجر ص ۸)

جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اگرچہ بعض اعتبارات سے ذکر اور دُعا ایک ہی ہے لیکن عرف میں یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دُعا میں طلب او سوال پیدا ہوتا ہے اور ذکر اس سے خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

((هو في العرف غير الدعاء))۔ "ذکر عرف میں دعا کے علاوہ ہے"۔ (الاعتصام ج ص ۲۸۸) (راہ سنت ص ۲۱۹)

لہٰذا عرض ہے کہ اگر اذان دعا کا فرد نہیں تو تلقین کیسے دُعا کے مد میں شامل ہو گی۔

﴿۳۱۲﴾ مفتی صاحب نے درمختار ج ا باب الاذان ص ۲۸۳ اور اس کے تحت شامی کے حوالے سے مندرجہ ذیل موقعوں پر اذان کے مسنون ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (۱) نماز پنجگانہ کے لیے۔ (۲) بچے کے کان میں۔ (۳) آگ لگ جانے کے وقت۔ (۴) جنگ کے موقع پر۔ (۵) مسافر کے پیچھے۔ (۶) جنات ظاہر ہونے کے وقت غمگین کے کان میں۔ (۷) غصہ والے کے کان میں۔ (۸) مرگی والے کے کان میں۔ (۸) جو مسافر راستہ بھول جائے۔ (۹) بدخلق کے سامنے۔ (۱۰) میت کو قبر میں اُتارتے وقت۔

یہ کتابیں بریلویوں اور دیوبندیوں کی مشترکہ میراث ہیں دیوبندیوں کو اذان قبر پر اعتراض ہے مولانا سرفراز صاحب فرماتے ہیں۔

دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کا شریعت مطہرہ میں سرے سے کوئی ثبوت ہی نہیں۔ یہ خلاف سنت بھی ہے اور بدعت بھی۔ (راہِ سنت ص ۲۱۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو سوال یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز اور نومولود بچے کے علاوہ جو اذانیں فقہ حنفیہ میں مذکور ہوتی ہیں کیا شریعت مطہرہ میں ان کا صحیح ثبوت ہے؟ اگر یہ بے شمار اذانیں درمختار وغیرہ کے مطابق مسنون ہوسکتی ہیں تو قبر کی اذان کیا کہتی ہے۔ایک یہ بھی سہی۔ میں نہیں سمجھ سکا راہِ سنت کے مصنف ان اذانوں کا معاملہ کیوں گول کر گئے۔ یہ تو اونٹ کے بوجھ سے چھلنی اُتارنے والی بات ہے۔

یاد رہے کہ جنات کے بارے میں ایک حدیث آتی ہے:

((اذا تغولت لکم الغیلان فبادروا بالاذان)). (عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵ حدیث ۱۵۰۹۱) ❶

"جب تمہارے لیے جنات ظاہر ہوں تو اذان پکارو"۔

مگر اس کی سند میں پے در پے دو راویوں ہشام بن حسان اور حسن پر ارسال کا الزام ہے۔(تقریب ابن حجر)

اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو یہاں اذان سے مراد اطلاع ہوسکتی ہے۔جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان بالمدینة جنا قد اسلموا فاذا رأیتم منھم شیأ فاذنوه ثلاثه ایام فان بدالکم بعد ذلك فاقتلوه فانما ھو شیطان)). (عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ مسلم ج ۲ ص ۲۳۵ حدیث ۵۸۳۹، مشکوۃ باب ما کل اکله و ما محرم)

"مدینہ منورہ میں کچھ جنات اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جب تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو انھیں تین دِن کا نوٹس دو۔ پھر بھی اگر ظاہر ہو تو اسے مار ڈالو۔ بے شک وہ شیطان ہے"۔

قرآن پاک میں بھی اذان بمعنی اطلاع استعمال ہوا ہے:

﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ﴾ (التوبہ: ۳) "اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو اعلان ہے"۔

جذری رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کا مقصد یہ لکھا ہے:

((ای اوقعوا شرھا بذکر اللہ)). (بحوالہ تحفة الاحوذی ج ٤ ص ٤٣)

"یعنی اللہ کے ذکر سے اس کے شر کو دُور کرو"۔

یہی تشریح علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔(شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱) یعنی اس اذان سے نماز والی اصطلاحی اذان مراد نہیں بلکہ ذکر اللہ مراد ہے۔اور وہ صحیح حدیث شریف کے مطابق آیۃ الکرسی ہے۔(عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۱۰ حدیث ۲۳۱۱، مشکوۃ کتاب فضائل القرآن ص ۱۸۵)

﴿۳۱۳﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں: "مشکوۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کرو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی۔لہٰذا سوتے کو جگانے کے لیے اذان دینا سنت سے ثابت ہے"۔

مفتی صاحب نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کے الفاظ یوں ہیں:

((ان بلالا ینادی بلیل فکلوا و اشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم)). (عن ابن عمر رضی اللہ عنہما بخاری ص ۸۷ حدیث ٦۱۷)

"بلال رات کی اذان دیتے ہیں پس تم کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں"۔

ایک دوسری حدیث کے مطابق اس طرح فرمایا:

تخریج: ❶ مرسل روایت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((لا یمنعنکم من سحورکم اذان بلال ولا الفجر المستطیل ولکن الفجر المستطیر فی الافق)).

(عن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ مسلم ج۱ ص ۳۵۰ حدیث ۲۵۴۵، مشکوٰۃ ص ۶۶)

"بلال کی اذان یا صبح کاذب تمہیں سحریاں کھانے سے نہ روک دے بلکہ وہ فجر جو اُفق میں پھیلی ہوتی ہے"۔

غور فرمایئے ان احادیث میں نہ رمضان کا ذکر ہے نہ سوتوں کو جگانے کا ذکر ہے۔ غالباً مفتی صاحب نے اصل الفاظ اسی لیے نقل نہیں فرمائے کہ پھر یہ اضافی باتیں نہیں کی جاسکتی تھیں۔ اگر بقول مفتی صاحب سوتے کو جگانے کے لیے اذان دینا سنت سے ثابت ہے تو انھیں اپنی فہرست میں اس اذان کا بھی اضافہ کرلینا چاہیے۔ بہرحال غیر شعوری طور پر مفتی صاحب نے سحری کی اذان کا مسنون ہونا تسلیم کرلیا ہے۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یاد رہے ان احادیث میں رمضان اور غیر رمضان کی بھی کوئی قید نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ دُرّ مختار وغیرہ میں جو درجن بھر اذانوں کی لسٹ پیش کی گئی ہے اس میں یہ اذان کیوں شامل نہیں۔ کیا یہ مسئلہ انھیں معلوم نہیں تھا۔ بلکہ اب بھی تمام احناف اس کے سخت خلاف ہیں جیسے یہ سنت نبوی نہ ہو بلکہ بدعت سیئہ ہو۔ نہ جانے مسنون کو غیر مسنون اور غیر مسنون کو مسنون کرنے کا ٹھیکہ انھیں کس نے دے رکھا ہے۔

۳۱۴ مفتی صاحب نے اپنا جو مذہب بیان کیا ہے وہ ہے "قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے"۔

اور شامی سے دلیل جوڑی ہے وہ یہ ہے: ((عند انزال المیت القبر)) "میت کو قبر میں اتارتے وقت"۔

اب ان کی کونسی بات کو درست مانا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کو قبر میں اُتارتے وقت یہ پڑھتے تھے:

((بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ)). (عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ترمذی باب ما یقول اذا دخل المیت قبرہ حدیث ۱۰۴۶، مشکوٰۃ باب دفن المیت ج۱ ص ۱۴۸) ❶

"اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر"۔

ہدایہ میں بھی یہی دُعا مذکور ہوئی ہے۔ (ص ۱۴۱)

مفتی صاحب نے تلقین کے علاوہ اذان قبر کا ایک فائدہ یہ بتلایا ہے کہ "اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے"۔

گزارش ہے کہ مرنے کے بعد شیطان انسان کا پیچھا چھوڑ جاتا ہے۔ البتہ بریلوی مولوی اور مجاور مُردوں کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ انھیں بھگانے کے لیے اذانوں کی نہیں کیڑے مار دواؤں کی ضرورت ہے۔ شیطان زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کس کس موقع پر اذانیں دلوائیں گے۔ بعض موقعوں پر تو اس کی خصوصی حاضری ہوتی ہے۔ مثلاً صحبت کے وقت یہ اسی لیے حکم ہے کہ ان موقعوں پر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے وہ تو دورانِ نماز بھی آ کر کہتا ہے:

((اذکر کذا اذکر کذا)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۸۵ حدیث ۶۰۸، مسلم ج۱ ص ۱۶۸ حدیث ۸۵۹، مشکوٰۃ باب فضل الاذان ص ۶۴)

"فلاں بات یاد کرو فلاں بات یاد کرو"۔

تو کیا ہر وقت اذانیں ہی دی جاتی رہیں گی۔ کسی ضرورت یا فائدے کے لیے مسائل بنانا ہمارا کام نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا کام ہے۔ اذان کی ضرورت نماز عید۔ نماز استسقاء نمازِ جنازہ اور نماز کسوف وغیرہ کے لیے بھی ہوسکتی ہے مگر ظاہر ہے کہ ایسا کرنا

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باجماع اہلسنت ناجائز ہے۔

۳۱۵ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اذان دل کی وحشت دُور کرتی ہے"۔ ابونعیم اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی:

((نزل آدم بالهند و استوحش فنزل جبريل فنادى بالاذان)).

"حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اُترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی"۔

فرماتے ہیں: "اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے"۔ مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رنجیدہ دیکھ کر پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہے کیونکہ اذان غم کو دور کرنے والی ہے"۔ بزرگانِ دین حتیٰ کہ ابن الحجر رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ جربته فوجدته كذلك في المرقات مرقات شروع باب الاذان میں ہے یعنی "میں نے اس کو آزمایا اور مفید پایا"۔ (ج ۲ ص ۱۴۹)

۳۱۶ فرماتے ہیں: "اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے"۔ ابو یعلی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا "لگی ہوئی آگ تکبیر سے بجھاؤ اور جب کہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ بجھاتی ہے"۔

یہ سب موضوع قصے ہیں۔ نیز ان کا اذانِ قبر سے کوئی تعلق نہیں سوائے قیاس مع الفارق اذان اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ مُردہ دوسرے جہاں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں اذان نہیں دُعا کی جاتی ہے۔

(الف) فرماتے ہیں: "اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دُور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی کہ بعد دفن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ فرمایا پھر اللہ اکبر فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا یا حبیب اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی؟ ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا"۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۷)

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيلًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۴۱، ۴۲)

"مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو"۔

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے ہر وقت اذانیں کہا کرو؟ تم سے کوئی دارچینی مانگے تو کیا اس کا مطلب مُرغ پلاؤ ہوگا۔ اگر اس حدیث سے اذان قبر پر استدلال ہوسکتا ہے تو بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح سن کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تسبیح پڑھی تھی؟ تو کیا خیال ہے اب جنازہ میں شامل تمام افراد اپنی اذانوں سے قبرستان کو گونجا دیں۔

(ب) فرماتے ہیں: "اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے"۔

عرض ہے کہ جب سنت کے مطابق نماز جنازہ ادا کی گئی اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا گیا، اور جب سنت کے مطابق بعد از دفن دُعا کی گئی اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا گیا تو کیا یہ بات قابل اطمینان نہیں؟ کیا بدعت کا فائدہ سنت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ان کا فرمانا کہ صالحین کے ذکر کے وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے کیا اس کے لیے کوئی دلیل ہے۔

(ج) فرماتے ہیں: "غرضیکہ ہماری تھوڑی سی جنبشِ زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے سات فائدے پہنچ جائیں تو کیا حرج ہے"۔

ماشاء اللہ مفتی صاحب کو مُردوں سے بہت ہمدردی ہے بلکہ نبی علیہ السلام سے بڑھ کر ہمدردی ہے کیونکہ اتنے قیمتی فائدوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود آپ ﷺ نے اپنی رحمت سے اس کو محروم رکھا مگر معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب کو صرف مُردوں سے ہمدردی ہے زندوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے کبھی زندوں سے شیطان کو بھگانے کے لیے ان کی وحشت دور کرنے کے لیے ان کا غم دور کرنے کے لیے آگ بجھانے کے یا نزولِ رحمت کے لیے اذان نہیں دی۔ یعنی مقیس علیہ پر عمل ہی نہیں سارا زور قیاس پر ہے۔

۳۱۷ ((ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن)) والا ہتھیار مفتی صاحب نے یہاں بھی استعمال کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں دیوبندی بھی ایسا کرتے ہیں۔

لکھتے ہیں: "خود دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ کتاب العقائد ص ۱۴۰ میں فرماتے ہیں کسی نے سوال کیا کہ تلقین بعد دفن ثابت ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہے۔ اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کرلے درست ہے۔ رشید احمد"۔

عرض ہے کہ بعد از دفن تلقین نبی ﷺ سے ثابت نہیں نہ عہد صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے نہ کسی صحابی سے یہ ثابت ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتابیں بھی اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ یہی دیوبندیوں کی کمزوریاں ہیں جو بریلویوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اگر مُردوں کو تلقین فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہے تو انھیں اذان کا بھی یقیناً فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ دیوبندی حضرات سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں تو اذان کے کلمات میت کے لیے مدد و معاون کیوں نہ ہوں گے۔

اذانِ قبر پر اعتراضات و جوابات

۳۱۸ ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: "بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور ﷺ سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے۔ اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ ص ۱۹۸ وغیرہ)

پہلے ذکر آچکا ہے کہ نبی ﷺ نے دو قبروں پر شاخیں گاڑی تھیں۔ تو اپنے اصول کے مطابق اہل بدعت کو چاہیے تھا کہ بزرگوں کی قبروں پر پیپل اور بوہڑ کے درخت لگاتے۔ مگر انہوں نے کمی کرتے ہوئے پھولوں پر قناعت کر لی۔ وجہ ظاہر ہے شجرکاری کی صورت میں گنبد ابیض تعمیر نہیں ہو سکتے تھے۔ مجبوری کا نام شکریہ۔ میں پوچھتا ہوں اگر زیادتی جائز ہے تو پنج وقتہ نمازوں میں ایک رکعت کا یا ہر رکعت میں ایک ایک رکوع و سجود کا اضافہ کر لیا جائے یا وضو میں کوئی زیادتی کر لی جائے اذان کے کلمات بڑھا دیئے جائیں یا طواف و سعی کے پھیرے ڈیوڑھے یا دوگنے کر دیئے جائیں تو کیا خیال ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل ثابت ہے۔ حنفیہ اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دوبارہ دہرانے کے قائل نہیں جو کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ (عن ابی محذورہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۱۶۵ حدیث ۸۴۲) یعنی ان کے نزدیک مسنون اضافہ بھی جائز نہیں۔ کجا غیر مسنون اضافہ کی بات کرتے ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں تشہد اوّل میں اگر کوئی درود شریف پڑھ لے یا تشہد ہی دوبارہ پڑھ لے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۷) صاحب ہدایہ نے تلبیہ کے کلمات بڑھانے کی جو بات کی ہے تو اس کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے:

((ان اجلاء الصحابۃ کابن مسعود و ابن عمر و ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہم زادوا علی الماثور)). (ج ۱ ص ۱۹۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کہ بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً ابن مسعود، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے منقول پر اضافہ کیا ہے"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((والناس یزیدون لبیك ذا المعارج ونحوہ من الکلام والنبی ﷺ یسمع))۔

"لوگ لبیک کے بعد ذوالمعارج وغیرہ کا اضافہ بھی کر لیتے تھے اور نبی ﷺ سن رہے ہوتے تھے"۔

((فلا یقول لھم شیئا))۔ "اور انہیں کچھ نہیں کہتے تھے"۔ (ابوداؤد کیف التلبیه حدیث ۱۸۱۳) ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((کان من تلبیه النبی ﷺ لبیك اله الحق لبیك))۔ (نسائی کیف التلبیه حدیث ۲۷۵۳، ابن ماجه کیف التلبیه حدیث ۲۹۲۰) ❷

"کہ نبی ﷺ کا تلبیہ لبیک اله الحق تھا"۔

((و کان عبداللہ بن عمر یزید فی تلبیة لبیك لبیك و سعدیك والخیر بیدیه والرغبا الیك والعمل))۔ (ابن ماجه ایضاً حدیث ۲۹۱۸) ❸

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تلبیہ میں یہ کلمات بھی کہتے تھے ... الخ"۔

کیا اس قسم کے اضافے کا ثبوت نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اذان کے بارے میں بھی ہے؟

مفتی صاحب بطور اعتراض نقل کرتے ہیں۔ بحر الرائق میں ہے:

((و یکرہ عند القبر کل ما لم یعھد من السنة والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائما))۔

"قبر کے پاس غیر مسنون کام کرنا مکروہ ہے۔ مسنون کام صرف زیارت اور کھڑے کھڑے دُعا کرنا ہے"۔

۳۱۹ جواب دیتے ہیں: "بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دُعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے۔ وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہ زیارت کی نیت سے جائے تو قبر کو چومنا یا سجدہ وغیرہ ناجائز نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت"۔

اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوا کہ بریلویوں کے نزدیک نہ صرف قبر کو سجدہ کرنا بلکہ اسے چومنا بھی ناجائز ہے۔

فرماتے ہیں: "اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اُتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا۔ جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے۔ سب منع ہے بس مُردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیے"۔ مفتی صاحب کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بحر الرائق کی عبارت وقت زیارت سے متعلق ہے۔ وقت دفن سے متعلق نہیں۔ لیکن کیا یہ معلوم نہ ہوا کہ میت کو قبر میں اُتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا یہ قبل از دفن سے متعلق ہے یا بعد از دفن سے۔ جب کہ گفتگو اذان بعد از دفن کے بارے میں ہو رہی تھی۔ ہاں تلقین بعد از دفن کے متعلق ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ بحر الرائق کی عبارت کے خلاف ہے۔ دیوبندیوں کا اسے دُعا پر محمول کر کے جائز سمجھنا ایسا ہی غلط ہے جیسے بریلویوں کا اذان کو جائز سمجھنا۔ دفن کے بعد کا وقت ہو یا وقت زیارت ان میں فرق کرنا مفتی صاحب کی اپنی منطق ہے۔ بحر الرائق کی عبارت کے مطابق کسی وقت بھی کوئی ایسا کام جائز نہیں جو سنت سے ثابت نہ ہو۔ جو ثابت ہے وہ صرف دُعا ہے۔

حکم: ❶ صحیح ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۲۰ مفتی صاحب بحر الرائق کی ایسی تیسی پھیرتے ہوئے فرماتے ہیں: "زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کا کام کرنا منع ہے۔ یہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے ورنہ مُردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے"۔

عرض ہے کیا بریلویوں کے نزدیک کوئی کام منع ہے بھی؟ جہاں تک سلام کا تعلق ہے وہ تو دُعا بھی ہے۔ سبزہ یا پھول ڈالنے پر کس کا اتفاق ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یا تابعین رحمہم اللہ کا یا خلفاء راشدین کا یا ائمہ اربعہ کا؟ خاکسار نے تو سوائے جہلائے حنفیہ اور عیسائیوں کے کسی کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں: "مولوی اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں"۔ اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے"۔ "تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟" حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے۔ (عن جابر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۹۰ حدیث ۱۷۸۱) پر جواب دیتے ہیں: "طواف اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ لغوی ہے، واسطے پیدا کرنے مناسبت وحی کے صاحب قبر کے ساتھ اور لینے فیوض کے۔ اس کی نظیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصے میں وارد ہوئی ہے جب کہ ان کے والد مقروض فوت ہوگئے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو تنگ کیا، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ میں چھوہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے طاف حول اعظمها بيدرًا ثلاث مرات۔ (عن جابر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۹۰ حدیث ۱۷۸۱، ۲۷۸۱، مشکوۃ باب المعجزات ص ۵۳۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پھرنا کوئی طواف نہ تھا بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لیے اس کے چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف قبور کا عمل ہے"۔

یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب پوچھتے ہیں: "کہیے اگر اذان قبر اس لیے منع ہے کہ قبر پر بجز زیارت و دُعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟"

مفتی صاحب کا یہ سوال بالکل بجا ہے مگر جو سچی بات ہے وہ یہ ہے کہ نہ تو شاہ ولی اللہ پیغمبر ہیں نہ اشرف علی تھانوی صحابی ہیں۔ اگر لغت کی آڑ لے کر غیر کے لیے طواف جائز ہوسکتا ہے تو پھر غیر کے لیے سجدہ بھی جائز ہوسکتا ہے نماز بھی جائز ہوسکتی ہے روزہ بھی جائز ہوسکتا ہے۔ الغرض پورا شرک جائز ہوسکتا ہے۔ کھجوروں کے گرد پھیرے لگانے کو قبر کے طواف سے کیا نسبت؟ قبروں کے ساتھ تو شرک کیا گیا ہے، کیا کبھی کسی نے کھجوروں کو بھی شریک بنایا ہے۔ اندازہ فرمایئے بالکل خانہ کعبہ کی طرح قبر کے طواف کو ترکیب بتلائی گئی ہے یعنی سات چکر، تکبیر، داہنی طرف سے شروع کرنا (سجدہ کی مانند) پائنتی پر رخسار رکھنا۔ مگر چونکہ یہ سب کچھ "لغوی" ہے اس لیے "جائز" ہے۔ استغفر اللہ۔

۳۲۱ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لیے وہاں جانا اور طواف کرنا قبر پر رخسار رکھنا جائز ہے"۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل بدعت کو اپنی تائید کے لیے فقہ حنفی سے اور دیوبندی لٹریچر سے بہت کچھ مل جاتا ہے۔

مفتی صاحب نے اُوپر تو یہ لکھا ہے کہ بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دُعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے۔ (ص ۳۱۸) مگر آہستہ آہستہ سب کچھ جائز ہوتا جا رہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے اعتراض نقل کیا ہے، شامی کتاب الجنائز میں ہے:

لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر بانه بدعة و قال من ظن انه سنة فلم یصب.

"میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں جیسا کہ آج کل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا"۔

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "اس میں سنت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا"۔ قبل ازیں لکھا ہے ابن حجر رحمہ اللہ نے تردید کی، تو کس چیز کی تردید ہوئی سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لیے عقل اور ایمان کی ضرورت ہے۔ (ص ۳۱۷)

مفتی صاحب کو خود بھی چاہیے تھا کہ شامی سمجھنے کے لیے عقل و ایمان کو ملحوظ رکھتے۔ شامی نے صرف سنت ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے اسے بدعت بھی کہا ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ جناب شامی صاحب بھی عقل سے پیدل تھے۔ انہیں اتنی سمجھ ہی نہیں تھی کہ سنت اور بدعت کے درمیان ایک درجہ جواز کا بھی ہوتا ہے۔ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ان اہلسنت کے نزدیک کسی مذہبی عمل کے جائز ہونے کے لیے اس کا مسنون ہونا ضروری نہیں۔ تو پھر انھیں اہلسنت کا ٹائٹل اتار دینا چاہیے۔ اذان قبر کوئی کھیل مرونڈا تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اسے جائز سمجھ لیا جائے۔

(الف) اعتراض نقل کیا ہے، درالبحار میں ہے:

من البدع التی شاعت فی البلاد الهند الاذان علی القبر بعد الدفن.

"جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہوگئیں ان میں دفن کے بعد قبر پر اذان دیا ہے"۔

توشیح شرح تنقیح میں محمود بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الاذان علی القبر لیس بشیء. "قبر پر اذان کچھ نہیں"۔

جواب دیتے ہیں: "لیس بشیء اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے۔ اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے۔ فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائز یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی"۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ (البقرہ: ۱۱۳)

"یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہود نہیں"۔

تو کیا ان ہر دو کا نظریہ ایک دوسرے کے مذہب کے بارے میں جواز اور استحباب کا تھا؟ فرمایا:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ﴾ (المائدہ: ۶۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک تورات پر قائم نہ ہو جاؤ"۔

تو کیا اہل کتاب جائز اور مستحب مذہب پر تھے۔ یہ کیسا عجیب و غریب نظریہ ہے ان کے نزدیک بدعت کو مستحب کہنے کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل کی ضرورت نہیں۔ مکروہ کہنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ نہ جانے دلیل سے ان کی کیا مراد ہے۔ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول منع فرمادے اسے بدعت نہیں منکر کہتے ہیں۔ مثلاً شراب، زنا اور چوری وغیرہ بدعات نہیں منکرات ہیں۔ بدعت تو کہتے ہی اسے ہیں جو شریعت میں نیا کام کیا جائے۔ بھلا اس کے خلاف اور دلیل کیا ہوگی۔ افسوس کہ نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اس سے ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ یہ حضرت مذکورہ بدعت کو کبھی جائز اور کبھی مستحب کہتے ہیں۔ حالانکہ انہی کے بقول دو مختلف چیزیں ہیں۔ انہوں نے بدعت جائز کے بارے میں لکھا ہے جو بغیر کسی نیت خیر کے کیا جائے اور بدعت مستحبہ کے بارے میں لکھا ہے کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے۔ (ص ۲۱۹) اب نہ جانے اذان قبر کس کھاتے میں ہے۔

قبل ازیں مفتی صاحب نے لکھا ہے: "درالبحار میں ہے کہ جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہوگئیں ان میں دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے"۔

بقول مفتی صاحب اگر وہ بدعتیں مستحب ہوتیں تو کیا انھیں بیان کرنے کا یہی طریقہ تھا۔ ان پر تو خوشی کا اظہار ہونا چاہیے تھا اور ترغیب و تحریص پائی جانی چاہیے تھی۔ اگر یہ مستحب ہوتیں تو اس کے لیے صرف بلادِ ہند کیوں مخصوص ہوئے۔ کیا علماء کرام کا فرض نہیں تھا کہ تبلیغ کے ذریعے انھیں دوسرے ملکوں میں بھی رائج کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بریلوی مذہب کا مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خالص ہندوستانی مذہب ہے البتہ اب سننے میں آرہا ہے کہ بعض مبلغ یورپ قسم کے لوگ اپنی بدعات کو ایکسپورٹ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اسی لیے آئے دِن ان کی تبلیغی خدمات سے مسجدیں سیل ہوتی رہتی ہیں اور کفار کے لیے مضحکہ خیزی کا سامان بنتا رہتا ہے۔ یہ لوگ وہاں اسلام پھیلانے کے لیے نہیں جاتے بلکہ اس لیے جاتے ہیں کہ کہیں لوگ صحیح مسلمان نہ بن جائیں۔

مفتی صاحب ایک اعتراض کے جواب میں پھر فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کے زمانہ میں رمضان کی شب میں دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لیے، دوسری نمازِ فجر کے لیے"۔

سوال یہ ہے کہ اب حنفیوں کو سحری کی مسنون اذان پر کیا اعتراض ہے۔ کیا اب اس کے لیے فضا سازگار نہیں رہی۔ کیا انھیں بدعتیں سنت سے زیادہ پیاری ہوگئی تھی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ محبوب ﷺ کی سنتوں پر غیر محبوبوں کی بدعتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

مفتی صاحب نے کاٹھیاواڑ کے رواج کا ذکر کر کے بڑے "محققانہ انداز میں" ثابت کیا ہے کہ مصافحہ نماز سے پہلے بھی جائز ہے اور بعد میں بھی جائز ہے۔

۳۲۲ آخر میں فرماتے ہیں: "اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے"۔ تعجب ہے بلکہ بعداز دفن اذان کا مصافحہ سے کیا تعلق؟ اور اگر واقعی اسی طرح مسئلہ اذان ہے تو پھر جس طرح نماز سے پہلے اذان ہوتی ہے نماز کے بعد بھی شروع کردیں کیونکہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے اور اس کے بے شمار فائدے ہیں لہٰذا بریلوی نقطہ نظر سے بعداز دفن بھی بدعت مکروہہ نہیں ہونی چاہیے، مگر میرے بھائی بے وقت کی راگنی اچھی نہیں لگتی۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ مفتی صاحب نے اذانِ قبر کے مسئلہ پر حافظ عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ میں بری طرح شکست بھی کھائی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرس بزرگان

(ثبوت عُرس میں)

﴿۳۲۳﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "عرس کے لغوی معنی ہیں شادی، اسی لیے دُولہا اور دُلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی تاریخ وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثباتِ عذاب القبر ص ۲۵ میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں:

((نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا احب اهله الیه)). (عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر حدیث ۱۰۷۱) ❶

"سو جا اس دُلہن کی طرح جسے صرف اس کا محبوب ہی جگاتا ہے"۔

"تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا"۔

عرض ہے کہ نکیرین میت کی نیند کو عروس کی نیند سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خود میت کو عروس کہنا تو کجا میت کو عروس سے تشبیہ بھی نہیں دیتے۔ اگر عروس کے ساتھ تشبیہ مان بھی لی جائے تو یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی ورنہ پھر عرس یعنی بزرگان کی شادی میں شرکت کے شائقین کو مرنے والے دُولہا کی دُلہن یا دُلہن کے لیے دُولہا بھی ثابت کرنا پڑے گا۔ پھر جب وہ شب زفاف منائیں گے تو غسل جنابت کے لیے ان کی قبر میں پانی کا پائپ بھی لگانا پڑے گا پھر دعوتِ ولیمہ بھی ہوگی پھر بچے بھی ہوں گے اور ان کے ختنے اور عقیقے کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ بات صرف بزرگوں اور سجادہ نشینوں تک محدود نہیں رہے گی۔ نکیرین تو ہر موحد اور متبع سنت مسلمان کو یہ خوشخبری سناتے ہیں۔ لہٰذا اپنے مسلک کے مطابق انہیں چاہیے کہ ہر مسلمان کی قبر پر ہر سال اس کے روزِ وفات پر عرس منایا کریں۔ کیونکہ وہ اس کی شادی کا دِن ہوتا ہے۔ صرف بزرگوں کا عرس منانا "کانی ونڈ" ہے۔ عجیب بات ہے زندگی میں تو یہ لوگ بزرگوں کی شادی والے دِن کا سالانہ عرس نہیں مناتے۔ مرنے کے دن کا عرس مناتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے انھیں بزرگوں کے جینے کی نہیں مرنے کی خوشی زیادہ ہوتی ہے۔ شاید اس لیے کہ ان استخواں فروشوں کے نزدیک مرنے والے کی ہڈیاں زیادہ نفع کا سودا ہوتی ہیں۔

پھر ان کا مخصوص قسم کے بزرگوں کو بزرگ سمجھ لینا بھی تو محل نظر ہے۔ ہوسکتا ہے جنہیں یہ بزرگ سمجھتے ہوں وہ محض ان کا حسن ظن ہی ہو اور جن کو اُنھوں نے معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا وہ درحقیقت اولیاء اللہ ہوں۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۳۱ میں ہے:

واما غیرہ من الاولیاء والعلماء والاصفیاء بالاعیان فلا نجزم بموتهم علی الایمان وان ظهر منهم خوارق العادات و کمال الحالات و جمال انواع الطاعات فان مبنی امرہ علی العیان وهو مستور افراد الانسان.

"پیغمبر کے علاوہ علماء اور صلحاء کی بابت متعین طور پر بالجزم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی موت ایمان پر ہوئی ہے۔ اگرچہ ان سے

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوارق عادات کمال حالات اور جمال انواع طاعات ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ کیونکہ یقینی خبر کی بنیاد مشاہدہ پر ہے اور یہ مشاہدہ انسانی افراد سے مستور (چھپا ہوا) ہے"۔

نکیرین کسی کو عروس کی نیند سلاتے ہیں اور کسی کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے ہیں یہ برزخی معاملہ ہے اسے جاننا شائقین عرس کے بس کی بات نہیں ہے۔ عین ممکن ہے "بزرگوں" نے کان پکڑے ہوئے ہوں اور یہ براتی ان پر شہنائیاں بجا کر انھیں ذہنی طور پر دوہری اذیت میں مبتلا کر رہے ہیں۔

﴿۳۲۴﴾ فرماتے ہیں: "یا اس لیے کہ وہ جمال مصطفیٰ ﷺ دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں۔ اور وصال محبوب کا دِن عرس کا دِن ہے۔ لہٰذا یہ دِن عرس کہلایا"۔

گویا ان کے نزدیک نبی ﷺ اور میت کا ایک دوسرے کو دیکھنا ایسے ہی ہے جیسے دولہا دُلہن کا ایک دوسرے کو دیکھنا۔ یہ اتنا گھٹیا تصور ہے کہ اس پر شرم آنی چاہیے ایسے لوگوں پر توہین رسالت کا مقدمہ چلنا چاہئے اور ان کو قرار واقعی سزا دینی چاہئے۔ حلال کا بچہ ہو تو اس کے متعلق علم ہوتا ہے کہ اس کا باپ فلاں ہے، ولد الحرام کے متعلق صحیح علم نہیں ہوتا کہ اس کا باپ کون ہے۔ بریلویوں کی بدعات بھی بس ایسی ہی ہیں۔ انہیں علم ہی نہیں کہ عرس کو عرس کیوں کہتے ہیں۔ کبھی کوئی وجہ بیان کرتے ہیں کبھی کوئی وجہ۔ صحیح باپ کی طرح کتاب و سنت سے ان کے پاس کوئی حلال کی دلیل ہو تو بتلائیں۔ عرس کی اصل وجہ تسمیہ مفتی صاحب نے نہیں بتلائی۔ محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اپنی کتاب قبر پرستی ص ۱۱۰ پر عرس کی اصل حقیقت کے تحت لکھتے ہیں: "ایک تیسرا تصور یہ رہا کہ اللہ اور انسانوں کے درمیان اس طرح کا رشتہ محبت ہے جس طرح دولہا دولہن یا میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے اس تصور کے تحت کنواری عورتوں کو عبادت گاہوں میں وقف کیا جانے لگا۔ یہ ساری عمر شادی نہیں کرتیں۔ جس طرح ہندوؤں کے مندروں میں دیوداسیاں اور گرجوں میں عیسائی ننیتیں ہوتی ہیں۔ اس تجرد (کنوار پنے) نے انھیں بتدریج خدا کی محبوبائیں یا بیویاں بنا دیا۔ اور یوں انہیں بھی خدائی تقدس اور الوہی صفات کا حامل سمجھا جانے لگا۔

یہی تیسرا تصور جاہل مسلمانوں میں آیا اور ملنگوں کا ایک طبقہ معرضِ وجود میں آ گیا۔ جو عورتوں کی طرح رنگ برنگ کے کپڑے پہنتا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں میں کڑے اور چوڑیاں پہنے رہتا ہے۔ عورتوں کی طرح ناچ گا کر اپنے میاں یعنی اللہ تعالیٰ کو مناتا ہے اسی تصور نے مزید پھلتے پھلتے بزرگوں کے یوم وفات کو یوم عرس (شادی کا دِن) یا وصالِ یار بنا دیا۔ یعنی وفات پا کر یہ بزرگ اپنے خواجہ (اللہ میاں) کی حرم سرا میں پہنچ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ان کی شادی کا دِن ہے یا وصالِ یار (محبوب کی ملاقات) کا دِن ہے۔ اسی لیے بزرگوں کے لیے اس حلقے میں وفات کا لفظ نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اور وفات کو وصال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ان کی وفات کے دِن عرس (شادی) کے نام سے وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو شادی کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ قبر کو غسل دیا جاتا ہے۔ ریشمی چادریں اس پر ڈالی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ رسم مہندی بھی ادا کی جاتی ہے۔ پھر تبرک کے نام پر شیرینی تقسیم ہوتی ہے اور لنگر بانٹا جاتا ہے۔ سلامی کے طور پر نذرانے چڑھائے جاتے ہیں۔ مزاروں کے بوسے لیے جاتے ہیں اور ہار پھولوں کا اہتمام ہوتا ہے۔

یہ ہے عرس کی وہ حقیقت جس کا اسلام سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ فاعاذنا اللہ منہ۔

﴿۳۲۵﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدقات کا ثواب پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوالِ فقہاء سے ہے"۔

شامی ج ا باب زیارۃ القبور میں ہے:

((روی ابن ابی شیبة ان النبی ﷺ كان يأتي قبور الشهداء باحد على رأس كل حول)).

"ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے"۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ ان کتابوں میں سے ہے جن کی روایات اہل علم کے نزدیک معتبر نہیں سمجھی جاتیں۔ ان میں ہر طرح کا رطب و یابس موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کا عرس سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ عرس بقول مفتی صاحب تاریخ وفات پر ہوتا ہے۔ جب کہ غزوہ اُحد تین ہجری پندرہ شوال کو ہوا تھا۔ مگر اس روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ سال کے آغاز میں تشریف لاتے تھے۔ غالباً اسی تعارض کی وجہ سے مفتی صاحب رأس کا ترجمہ ہی کھا گئے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف دُعا فرماتے تھے۔ عرسوں پر جو" جائز و ناجائز" حماقتیں ہوتی ہیں ان سے آپ ﷺ کو دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اگر اس روایت سے عرس پر استدلال ہوسکتا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ائمہ اربعہ تک کسی نے کسی کا عرس نہ منایا کیا معاذ اللہ سارے بے سمجھ ہی تھے۔ اگر ائمہ اربعہ کو بھی اس بات کی سمجھ نہ آئی تو پھر ان کی تقلید کا کیا فائدہ۔ میری رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہٹا کر اجتہاد کے منصب پر اب مفتی صاحب کو بٹھا دینا چاہیے۔

خود مفتی صاحب نے لکھا ہے: "شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزیہ ص ۴۵ میں فرماتے ہیں یہ قسم (یعنی عرس) حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں"۔

نیز لکھا ہے: "زبدۃ النصائح فی مسائل الذبح میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصالِ ثواب اور تلاوتِ قرآن اور تقسیم شیرینی وطعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے اچھا ہے۔ عرس کا دِن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دِن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دِن بھی یہ کام کیا جائے اچھا ہے"۔

عرض ہے کہ کسی دینی مسئلہ کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں حرج نہیں یا یہ کہ یہ اچھا ہے اس کا حق اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو ہے یا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو۔ کیا خیر القرون کے خلاف بھی کوئی اجماع معتبر ہے۔ اور اجماع بھی فرضی۔

مفتی صاحب نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے (بحوالہ مکتوب ص ۱۸۲) اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (بحوالہ ہفت مسئلہ) سے بھی عرس کے حق میں ان کی آراء نقل کی ہیں۔

نیز لکھا ہے: "مولوی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رشیدیہ ج ا کتاب البدعات ص ۹۲ میں فرماتے ہیں بہت اشیاء ہیں کہ اوّل مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہوگئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔ اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس اُحد پہاڑ پر ہے۔ غرضیکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے"۔

ان حوالہ جات پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ اگر درست ہیں تو نہایت افسوس ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرس کے مسئلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بریلویوں اور اکابر دیو بند میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ نہ جانے پھر آپس میں لڑتے کیوں ہیں؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے فرمانروائے شاہ سعود رحمۃ اللہ علیہ کو جنہوں نے پورے سعودی عرب میں شرک و کفر اور بدعات و رسومات کو جڑ سے اکھاڑ کر بحیرۂ عرب میں پھینک دے دیا ہے۔ الحمد للہ۔

یاد رہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۵ اور ارشاد الطالبین ص ۲۲ میں شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل اربعین ص ۳۸ میں اور شیخ علی متقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ بدعات میں عرس اور قبروں پر جمع ہو کر قرآن خوانی وغیرہ کرنے کو سخت ناجائز قرار دیا ہے۔ (راہِ راست از مولانا محمد سرفراز احمد صفدر صاحب دیو بندی ص ۱۶۴)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جو شخص اجمیر میں خواجہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر یا سالار مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر یا ان کی مانند اور کی قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں دُعا کرے گا اور اس کی وہاں دُعا قبول ہوگی تو اس نے ایسا گناہ کیا جو قتل اور زنا سے بھی بدترین گناہ ہے“۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۴۵)

نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد والی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ”حق میرے نزدیک یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی اللہ کی عبادت کا محل اور طور پہاڑ کی طرف سفر ثواب کی نیت سے سب کے سب اس نہی میں برابر ہیں“۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹۲)

مگر مولانا سرفراز احمد صاحب دیو بندی فرماتے ہیں: ”لا تشد الرحال والی حدیث میں مستثنیٰ منہ عام نہیں بلکہ صرف مسجد ہے۔ (سماع موتیٰ ص ۱۴۰) یعنی زیارت قبور کے لیے سفر کیا جا سکتا ہے“۔ نیز فرماتے ہیں: ”غائبانہ طور پر کسی کو سفارشی بنانا یا بعد وفات قبر کے پاس کسی سے دُعا کی درخواست کرنا اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے طلب شفاعت کرنا اس مد میں نہیں آتا“۔ (ایضاً ص ۱۱۴)

بریلویت اس کے سوا اور کیا ہے۔ یہ اسی مشرکانہ ذہنیت کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ میری یہ جچی تلی رائے ہے جب دیو بندی صحیح ہو جائیں گے تو بریلوی صحیح ہو جائیں گے اور جب بریلوی صحیح ہو جائیں گے تو شیعہ صحیح ہو جائیں گے اور جب شیعہ صحیح ہو جائیں گے تو سارے مسلمان صحیح ہو جائیں گے۔ یعنی درحقیقت دیو بندیوں کے صحیح ہونے پر ہی مسلمانوں کی صحت کا انحصار ہے۔ کیونکہ بگاڑ کا آغاز انہی سے ہے۔ انہی کی تحریروں سے شرک و بدعت کو ہوا ملتی ہے۔ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں یہ بدعتوں کو مدلل کرنے کے فن سے آشنا ہیں۔

۳۲۶ مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم نے تم کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا الا فزوروھا ”اب ضرور زیارت کیا کرو“۔ اس سے ہر طرح زیارتِ قبور کا جواز معلوم ہوا۔ خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جائے یا کہ جمع ہو کر۔ اب اپنی طرف سے اس میں قید لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے۔ سال کے بعد مقرر کر کے زیارت کرنا منع ہے محض لغو ہے۔ معین کر کے ہو یا بغیر معین کیے ہر طرح جائز ہے“۔

حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:

((كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها)). (عن بريده مسلم ج ١ ص ٣١٤ حديث ٢٢٦٠، مشكوة باب زيارة القبور ص ١٥٤)

یعنی اس میں الا نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے تاکید پیدا کرنے کے لیے الا خود بڑھایا ہے اسی لیے ترجمہ بھی یہ کیا ہے ”اب ضرور زیارت کیا کرو“۔ حالانکہ مسئلہ جواز کا ہے ضرور کا نہیں ہے۔ خود مفتی صاحب نے بھی یہی لکھا ہے ”زیارتِ قبور کا جواز معلوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا... الخ"۔ اگر "ضرور" ترجمہ کیا جائے تو زیارت یا عرس کا جواز معلوم ہوا یا ان کی فرضیت ظاہر ہوئی۔ اور یہ جواز ایسے ہی ہے جیسے احرام کھولنے کے بعد شکار کی اجازت ہے:

﴿وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (المائدہ:۲) "جب تم احرام اُتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو"۔

یا نماز جمعہ کے بعد کاروبار کی اجازت ہے:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (سورہ جمعہ:۱۰)

"پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو"۔

زیارت کی اجازت سے عرس پر استدلال تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کسی کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے تو وہ تاریخ مقرر کر کے پوری جنج لے کر پہنچ جائے اور ہر سال پہنچ جائے۔ وہ حیران ہو کر کہے بھئی یہ کیا؟ وہ جواب دے کہ آپ ہی نے تو آنے کو کہا تھا، سو ہم آ گئے۔

اہل بدعت کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی ﷺ نے اولاً جو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا تو اس کی وجہ انہیں کا عرس سے روکنا تھا جو اُنھوں نے شروع کر دیے ہیں۔

عرس پر جو اجتماع ہوتا ہے مفتی صاحب نے اس کے کچھ فائدے بتلائے ہیں۔ عرض ہے کہ مسلمانوں کے جو مسنون اجتماعات ہیں یعنی پنجوقتہ نمازوں کا اجتماع، جمعہ کا اجتماع، عیدین کا اجتماع، حج و عمرے کا اجتماع کیا یہ سب بے فائدہ ہی ہیں۔ یہ جلسے کا نعرہ نہیں اور دیگر جائز قسم کی تقریبات کیا ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ گدھوں، چیلوں اور کوّوں کی طرح مُردوں پر منڈلانا ہی بریلویت کا حاصل رہ گیا ہے؟

عرس کا ایک فائدہ یہ بتلایا ہے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کیا ان طالبان کے لیے مسجد اور مدرسوں کے دروازے بند ہیں؟ کیا ان پر نماز فرض نہیں؟ کیا ان کے لیے قرآن و حدیث کا علم شجر ممنوعہ ہے؟

﴿۳۲۷﴾ فرماتے ہیں: "کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگانِ دین جمع ہوتے ہیں۔ علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے۔ سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کر لے"۔

میرے بھائی یہ علماء و صوفیاء کوئی منڈی کا مال نہیں یا قربانی کے بکرے نہیں جو ٹرکوں میں بھر کر مختلف مقامات سے لائے جاتے ہیں کہ جو بڑھیا نظر آئے اس کا شاندار استقبال کرو اور اس کی بیعت کر لو۔ پھر ساری زندگی جو جی میں آئے کرو صرف اس اُمید پر کہ پیر صاحب بخشوا لیں گے۔ اس کا اتنا توہین آمیز نقشہ نہیں کھینچنا چاہیے۔

فرماتے ہیں: "آخر حج اور زیارتِ مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں"۔

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کتا حلال ہے کیونکہ آخر اللہ تعالیٰ نے بھی گائے اور بکرے کو حلال فرمایا ہے۔

جیسے فرمایا: ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ (البقرہ:۲۷۵)

"کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام"۔

انھوں نے مُردوں کی قبروں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔

نبی ﷺ نے زیارتِ قبور کے دو فائدے بتلائے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((تزهد فی الدنیا و تذکر الاخرة)). "دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا ذکر پیدا کرتی ہے"۔ (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابن ماجہ باب زیارة القبور حدیث ۱۵۷۱، مشکوۃ باب زیارة القبور ص ۱۵٤) ❶

ان فائدوں کا مفتی صاحب نے نام ہی نہیں لیا۔ کیونکہ ان سے انہیں غرض نہیں۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ زیارتِ مدینہ منورہ کے لیے کوئی تاریخ اور وقت مخصوص نہیں ہے۔

۳۲۸ مفتی صاحب نے بطور اعتراض یہ حدیث نقل کی ہے:

((لا تتخذوا قبری عیدا)). "میری قبر پر عید یعنی میلہ نہ لگاؤ"۔ (مسند ابی یعلی حدیث ٤٦٩) ❷

اور پھر اس کی تاویلیں کی ہیں۔ "یعنی ہماری قبر پر حاضر ہو تو باادب آؤ یہاں آ کر شور نہ مچاؤ، کھیل کود نہ کرو، یا یہ مطلب کہ ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو۔ مثل عید سال بھر کے بعد نہ آیا کرو"۔

یہ تاویلیں اپنی جگہ درست ہیں یا نادرست۔ یہ الگ مسئلہ ہے۔ مفتی صاحب نے جن باتوں کی تردید فرمائی ہے عرس انہی خرافات کا نام ہے۔ عرس سال کے بعد ہوتا ہے اور نرا شور ہی شور ہوتا ہے۔ شرکیہ نعرے، بھنگڑے، دھمالیں، قوالیاں، کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی موسیقی، ڈھول تماشے، سرکسیں، پنگھوڑے بازار وغیرہ وغیرہ ان چیزوں کے بغیر عرس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بریلویوں کے عرس اور سکھوں کی بیساکھی میں سرِ مو فرق نظر نہیں آتا۔ مفتی صاحب نے عید کا جو پہلا مطلب بیان کیا ہے اس کی روشنی میں مَیں پوچھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو مسنون فرمایا۔ بریلویوں نے ان کے مقابلے میں عید میلاد النبی ایجاد کی تو کیا ان اعیاد ثلاثہ کا مطلب بے ادب ہونا، شور مچانا، اور کھیل کود کرنا ہے۔ مفتی صاحب کا دوسرا مطلب بھی بالکل مصنوعی ہے یعنی کہ ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو۔ مثل عید سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔ کیونکہ عید تو ہے ہی عود سے جس کے معنی بار بار لوٹ کر آنے کے ہیں اور مراد اس سے میلہ لگانا اور جمع ہونا ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((لا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علیّ فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم)). (عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد کتاب المناسک حدیث ۲۰٤۲، باب زیارة القبور مشکوۃ ص ۸٦) ❸

"میری قبر پر عید یعنی میلہ نہ لگاؤ اور مجھ پر درود بھیجو، تم جہاں کہیں ہو گے تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا"۔

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر پر میلہ لگانا پسند نہیں تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مفتی صاحب کے اخذ کردہ مطلب کی نہایت واضح تردید ہو گئی۔ شاہ ولی اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

((هذا اشارة الی سد مدخل التحریف کما فعل الیهود والنصاریٰ بقبور انبیاءهم اجعلوها عیدا و موسما بمنزلة الحج)). (حجة اللہ البالغہ ج ۲ ص ۷۷)

"دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریف سے روکا ہے جس کا ارتکاب یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں

تخریج: ❶ ضعیف ہے۔ ❷ صحیح ہے۔ ❸ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرچ کی طرح عیدیں اور میلے لگانے شروع کر دیئے تھے"۔

نیز فرماتے ہیں:

((ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور و اتخذوها عیدا))۔ (تفهيمات الٰهيه ج۲ ص ٦٤)

"بدترین بدعت یہ ہے جو انھوں نے قبروں کے معاملے میں ایجاد کی ہے۔ یعنی کہ ان پر میلہ (عید) لگانا شروع کر دیا ہے"۔

۳۲۹ عرس بزرگان جو صدہا محرمات کا مجموعہ ہوتا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں: "کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا۔ فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہِ صفا و مروہ پر بھی بت تھے۔ مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے طواف نہ چھوڑا اور نہ عمرہ۔ ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹایا"۔

عرض ہے کہ خانہ کعبہ وغیرہ میں بت تو مشرکوں نے رکھے اور مسلمانوں نے آ کر مٹا دیئے۔ عرسوں کے محرمات تو صوفیاء و مشائخ کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور ان کی زیر سرپرستی ہوتے ہیں۔ یہ باقاعدہ ان کا ٹھیکہ وصول کرتے ہیں۔ انھیں کون مٹائے گا۔ کیا انہیں وہابی آ کر مٹائیں گے۔ اگر یہ محرمات آپ سے نہیں مٹتے تو ہمیں اجازت دیجئے ان شاء اللہ اہل حدیث نوجوان ایک دن میں ان لغویات کا ختم پڑھ ڈالیں گے۔

(الف) فرماتے ہیں: "جد بن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمایئے کہ روم و شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے"۔ مگر قرآن کریم نے اس عذر کی یوں تردید فرمائی:

﴿ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ ﴾ (التوبہ:۴۹)

"آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے"۔

عرض ہے کہ جہاد کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیا تھا اور خوبصورت عورتوں کا فتنہ کافروں نے پیدا کیا تھا جب کہ عرسوں کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔ پیرانِ عظام نے دیا ہے اور محرمات کا بندوبست کرنے والے بھی وہ خود ہی ہیں۔ لہٰذا

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(ب) فرماتے ہیں: "بڑے بڑے صوفیاء کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لیے جائز فرمایا اور نا اہل کو حرام"۔

سوال یہ ہے کیا اسلامی شریعت کسی شے کے حلال و حرام ہونے میں اہل و نا اہل کا فرق کرتی ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مردار خون۔ خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر پکاری گئی اشیاء کو مضطر کے لیے جائز فرمایا ہے یعنی اسے اس کا اہل قرار دیا ہے اسی طرح بریلوی مضطرین بھی قوالی کے اہل ہیں۔

(ج) فرماتے ہیں: "اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لونڈی دف بجا رہی تھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بجاتی رہی عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آئے تو وہ دف کو نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تم سے شیطان خوف کرتا ہے۔ (عن بریدہ ترمذی حدیث ۳۶۹۰، مشکوٰۃ ص ۵۵۸) [1] معلوم ہوا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ کام شیطانی نہ تھا، ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آتے ہی شیطانی بن گیا۔ بند ہو گیا"۔

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے ترمذی مناقب عمر رضی اللہ عنہ میں مروی ہے جس میں حضرات ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان علی رضی اللہ عنہ کے آنے کا ذکر بھی ہے۔

مفتی صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نااہل ثابت کرنے کے لیے بڑا غلط ریمارکس دیا ہے اور برعکس اندازہ لگایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنھیں دیکھ کر شیطان خوف کھاتے تھے ایک روایت کے مطابق جنہیں دیکھ کر شیطان بھاگ جاتے تھے۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا ترمذی مناقب عمر رضی اللہ عنہ حدیث ۳۶۹۱، مشکوٰۃ باب مناقب عمر ص ۵۵۸) ❶ اور ایک روایت کے مطابق جنہیں آتا دیکھ کر شیطان راستہ بدل لیتے تھے۔ (عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بخاری ص ۵۲۰ حدیث ۳۶۸۳، مسلم ج ۲ ص ۲۷۶ حدیث ۶۲۰۲، مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

انہی کے متعلق یہ کہنا کہ ان کے آنے سے کام شیطانی بن گیا۔ معاذ اللہ۔ اس سے ثابت ہوا جس سے شیطان ڈرے وہ نااہل ہے اور جس سے نہ ڈرے وہ اہل ہے۔ کیا عجیب فلسفہ ہے۔ یہ دلیل ہے کہ رضویوں اور رافضیوں کا قارورہ آپس میں ملتا ہے۔ اصل میں یہاں شیطانی کام کوئی بھی نہیں تھا۔ نہ پہلے تھا نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر تھا۔ اور شیطان بھی ان سب سے خوف کھاتا تھا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نسبتاً زیادہ ڈرتا تھا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آرام فرما رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اُسی طرح بیٹھے رہے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر اپنے کپڑے کو درست فرمالیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں اس آدمی سے کیوں حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسلم ج ۲ ص ۲۷۷ حدیث ۶۲۰۹، مشکوٰۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ ص ۵۶۱) اب یہاں بھی مسئلہ بے حیائی کا نہیں ہے۔ پہلے بھی حیا ہے بعد میں بھی حیا ہے البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مقابلتاً حیا زیادہ تھی جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لحاظ فرمایا۔ مگر یاد رہے یہ جزوی فضیلتیں کلی فضیلت کو مستلزم نہیں ہوتیں۔ میں پوچھتا ہوں اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آنے سے دف بجانے کا کام شیطانی بن گیا تھا اور بند بھی ہوگیا تھا اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نااہل تھے۔ تو کیا بریلوی سامعین کا ایمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیا یہ سارے ہی اہل ہوتے ہیں۔ کیا ان کے آنے سے قوالیاں شیطانی نہیں بنتیں اور بند نہیں ہوسکتیں۔ یا انھوں نے شیطان سے دوستی لگالی ہے۔

۳۳۰ مفتی صاحب لکھتے ہیں شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے:

آلۃ اللھو لیست محرمۃ بعینھا بل بقصد اللھو منھا الا تری ان ضرب تلك الالۃ بعینھا احل تارۃ و حرم اخری و فیہ دلیل لساداتنا الصوفیۃ الذین یقصدون بسماعھا اُمورًا ھُم اعلم بھا فلا یبادر المعترض بالانکار کی لا یحرم برکتھم فانھم السادۃ الاخیار. (ج ۵ ص ۲۴۷)

"آلات موسیقی بذاتِ خود حرام نہیں ہیں۔ بلکہ مقصد کی وجہ سے یہ کبھی حلال اور کبھی حرام ہوتے ہیں۔ اس میں ہمارے مشائخ صوفیاء کے لیے دلیل ہے جن کے نزدیک موسیقی سننے کے ان کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جن کو وہی جانتے ہیں۔ معترض کو اعتراض میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو وہ مشائخ کرام کی برکت سے محروم رہ جائے"۔

آگے تغیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ویستکثرون السماع للغناء و کانوا یحسبون ذلك عبادة اعظم و جهادا اکبر فیحل لهم خاصیة.

"وہ (عارفین) بکثرت گانا سنتے تھے اور اسے سب سے بڑی عبادت اور جہادِ اکبر سمجھتے تھے پس اس کے لیے یہ خاص طور پر حلال ہے"۔

فوائد فریدیہ ص ۴۹ میں لکھا ہے ہمارے زمانہ میں بہت سے مشائخ جو کہ غوث روزگار کا قطب مدار اور اپنے وقت کے یکتا و بے مثل ہیں انھوں نے مزامیر او تار اور مردوں کی آوازیں سنی ہیں اور وجد کیا ہے۔ اور عورتوں کی آواز بھی تھوڑی سنی ہے۔ الخ۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ احناف کے نزدیک حصولِ معرفت کے لیے گانا سننا بھی جائز ہے اور موسیقی بھی جائز ہے۔

حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ قسم اٹھا کر فرمایا کہ قرآن پاک کے الفاظ لھو الحدیث سے مراد گانا ہے۔ حضرت ابن عباس، جابر، عکرمہ رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن خذیمہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گانا اور مزامیر یعنی آلاتِ موسیقی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۲)

(الف) مفتی صاحب آگے شامی کتاب الکراہیۃ سے قوالی کی شرائط نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مجلس میں کوئی امرد بے داڑھی کا لڑکا نہ ہو ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ ہو قوالی کی نیت خالص ہو اُجرت لینے کی نہ ہو۔ لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں۔ بغیر غلبہ کے وجد میں کھڑے نہ ہوں اشعار خلافِ شرع نہ ہوں اور قوالی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز تک اس کو کھانا نہ دیا جائے پھر ایک طرف کھانا ہو اور دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے"۔

عرض ہے قوالی کی اس پوری محفل میں قوالوں سمیت کوئی ایک بھی اس معیار پر پورا اترتا ہے؟ یہ مجلس نامعقولوں کی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا﴾ (الفرقان: ۷۳)

"اور جب انھیں ان کے ربّ کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے"۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

((و ما یفعله الذین یدعون الوجد و المحبة لا اصل له)). (ج ۵ ص ۳۱۹)

"یہ لوگ وجد اور محبت کے نام سے جو کچھ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں"۔

(ب) فرماتے ہیں: "خود تو قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے ان کو بُرا نہ کہو"۔

سوال یہ ہے کیا اولیاء اللہ کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہیے؟

(ج) فرماتے ہیں: "قوالی ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو پیئے، جس کو نہ ہو وہ بچے"۔

میرے بھائی کیا یہ سانپ ہے یا بچھو ہے کہ اس سے بچنا چاہیے۔ جب ولیوں کو اس سے ڈر نہیں لگتا تو عاشق کیوں ڈریں۔ آخر وہ کونسا درد ہے جس کا علاج قوالی ہے اگر جسمانی درد ہے تو کس طبیب نے یہ نسخہ تجویز کیا ہے؟ اگر تجویز کیا بھی ہے تو کیا حرام دوا سے علاج کرنا جائز ہے؟ اور اگر رُوحانی درد ہے تو کیا قرآن پاک اس کا علاج نہیں؟

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۲)

"اور یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مؤمنوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) فرماتے ہیں: "میں نے لوگوں کو کہتے سنا کہ حدیث میں چونکہ گانوں کی برائیاں آگئیں لہٰذا اس کے مقابل خواجہ اجمیری اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے"۔

ٹھیک ہے انھیں فاسق نہیں کہنا چاہیے لیکن اس جیسے غلط مسائل میں ان کی تائید اور وکالت بھی تو نہیں کرنی چاہیے یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ معصوم نہیں تھے لہٰذا ان سے یہ خطا ہوئی ہے۔ محض ان کی صفائی پیش کرنے کے لیے یہ کہنا کہ قوالی کی شرائط یہ ہیں۔ یا فلاں قوالی کا اہل ہے اور فلاں اہل نہیں ہے۔ فضول باتیں ہیں۔ فحاشی پھیلانے والوں کی ان باتوں سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں موسیقی روح کی غذا ہے۔

(ذ) مفتی صاحب بسلسلہ محرمات عرس ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: "جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حرام کام حلال کو حرام نہیں کرتا۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں نکاح سفر بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہوجاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا۔ بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہیں"۔

گزارش ہے کہ بے شک حرام کام حلال کو حرام نہیں کرتا۔ لیکن اس "حلال" کے حلال ہونے کے لیے بھی دلیل چاہیے۔ حرام سے محرمات خارج کر دیے جائیں تو کیا حرام حلال ہوجاتا ہے؟ خنزیر خنزیر ہی ہے چاہے اس کا جھٹکا کیا جائے یا بسم اللہ پڑھی جائے۔ فقط بریلویوں کے کہنے سے تو عرس حلال نہیں ہوجائے گا۔ اسے تو اللہ تعالیٰ ہی حلال کرے تو کرے۔

مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں۔ جس ولیمہ میں ناچ رنگ خاص دسترخوان پر ہو اس کو قبول کرنا منع ہے"۔

یہاں بھی مفتی صاحب ڈنڈی مار گئے ہیں۔ بھلا کوئی خاص دسترخوان پر بھی ناچتا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے خاص دسترخوان سے ہٹ کر رقص وسرود کا پروگرام ہو تو ایسے ولیمے میں شرکت کی جاسکتی ہے۔ مفتی صاحب کی یہ بات ان کی اس تحریر کی طرح ہے "خود تعویز قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ قبر پر نہیں لہٰذا جائز ہے"۔ (ص ۳۰۴)

ہدایہ میں لکھا ہے: "کسی کے ولیمہ کی دعوت ملی وہاں لہو ولعب اور گانے کا پروگرام ہو تو بیٹھ کر کھالینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے ساتھ ایسا عارضہ پیش آ گیا تھا تو میں نے صبر کیا تھا اس لیے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے"۔ (کتاب الکراہیۃ ص ۳۸۶)

﴿۳۳۱﴾ فرماتے ہیں: "بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ ہر حال سنت ہے لہٰذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہی نہ بنی اور زیارتِ قبور چونکہ مطلقاً سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی"۔

کیسی اُوٹ پٹانگ عبارت ہے۔ زیارت قبور اگر مطلقاً سنت ہے تو کیا دعوتِ ولیمہ مطلقاً سنت نہیں ہے؟ پھر اگر سنت ہے تو زیارت قبور سنت ہے۔ مروجہ عرس "مبارک" تو سنت نہیں ہے۔ نیز دعوتِ ولیمہ بھی مفتی صاحب کے نزدیک فقط اس وقت سنت نہیں رہتی جب رقص وسرود خاص دسترخوان کے اوپر کیا جائے۔ ہٹ کر ہو تو کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا محرمات سے بھرپور عرس ہو یا ولیمہ بریلویوں کے نزدیک حرام کونسی شے ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیارت قبور کے لیے سفر کرنا

سفر عرس کے ثبوت میں

۳۳۲ مفتی صاحب نے مختلف قسم کے سفروں کے بارے میں آیات واحادیث اور اشعار نقل کیے ہیں لیکن عنوان کے متعلق ایک بات بھی بیان نہیں کی اور یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ" جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزاراتِ اولیاء کی زیارت کے لیے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا"۔ یعنی خواہ مخواہ ہی۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی نے مختلف لوگوں سے قرضہ وصول کرنا ہو اور کہے میں نے فلاں سے بھی لینا ہے فلاں سے بھی لینا ہے اور ایک شخص جس سے نہیں لینا اسے بھی کہہ دے لہٰذا تم سے بھی لینا ہے اور بدرجہ اولیٰ لینا ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک زندگی اور موت میں وجود اور عدم میں اور ہونے اور نہ ہونے میں فرق نہ ہو ان کا کیا علاج؟

(الف) فرماتے ہیں: " یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے مختلف فیوض، ان کے مزارات پر پہنچنے سے شانِ الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں"۔ یعنی بریلویوں پر مُردوں کا راج ہے۔ حقیقت یہ ہے اس قسم کے بودے اور مُردہ نظریات رکھ کر دنیا میں ان کا وجود وعدم یعنی ہونا اور نہ ہونا برابر ہو گیا ہے۔ یہ لوگ چلتے پھرتے مزار ہیں مقبرے ہیں، خانقاہیں ہیں۔ اگر مُردے زندہ ہیں تو یہ یقیناً مُردے ہیں۔

(ب) لکھتے ہیں: " مقدمہ شامی ج ا ص ۴۱ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں۔ اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر دُعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے"۔

یہ محض گپ ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقابلے میں نیچا دکھلانے کے لیے گھڑی گئی ہے۔ اگر امام صاحب کی قبر اتنی ہی متبرک اور قاضی الحاجات تھی تو امام شافعی رحمہ اللہ کو ان کی فقہ کیوں نہ متبرک نظر آئی؟ جتنا اختلاف امام شافعی رحمہ اللہ کو ان سے ہے شاید ہی اتنا کسی اور کو ہو گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ کی قبر کی قدر سب سے زیادہ امام ابویوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کو ہونی چاہیے تھی۔ اس قسم کا مشرکانہ قول تو ان سے بھی مروی نہیں ہے۔ قبر نہ ہوئی خانہ کعبہ ہو گیا۔ بریلویوں کے راہنما آئے دِن بغداد شریف کی زیارت کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے تو اپنے ملک کا کچھ نہ سنوارا۔

سفر عُرس پر اعتراضات و جوابات

۳۳۳ مفتی صاحب نے بطورِ اعتراض مشکوٰۃ باب المساجد ص ۶۸ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجد الحرام و المسجد الاقصیٰ و مسجدی ھٰذا)). (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

بخاری ص ۱۵۸ حدیث ۱۱۸۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تین مسجدوں یعنی مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے سوا کہیں کجاوے نہ کسے جائیں"۔

اور اس کی یہ تاویل ہے کہ "سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیح نہ کی جائے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہوں گے"۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں سفر ضرورت کی نفی نہیں سفر زیارت کی نفی ہے اور عام ہے۔ بقول مفتی صاحب اگر صرف مسجدوں کی نفی ہو تو مسجدیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک احب البلاد ہیں۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلم ج ۱ ص ۲۳۶ حدیث ۱۵۲۸، مشکوٰۃ باب المساجد ص ۶۸) ان کی طرف سفر زیارت ممنوع ہو گیا تو اور کسی مقام کی طرف سفر زیارت کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر اللہ کے گھروں کی طرف سفر جائز نہیں تو مُردوں کے گھروں کی طرف سفر کیونکر منع نہ ہو گا۔

مسند احمد میں ایک روایت یوں آتی ہے:

((لا ینبغی للمصلی ان یشد رحاله الی مسجد تنبغی فی الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و مسجدی)). (عن ابی سعید رضی اللہ عنہ ج ۳ ص ٦٤ حدیث ١١٠٤٧) ❶

"مذکورہ مساجد ثلاثہ کے سوا کسی نمازی کو لائق نہیں کہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے ارادہ سے شد رحال کرے"۔

مگر اس میں ایک راوی شہر بن حوشب صدوق کثیر الارسال والاوہام ہے۔ (تقریب التہذیب) لہٰذا مسند احمد کی مرسل روایت صحیحین کی روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ اگر صحیح بھی ہو تو یہ مسجدوں کے بارے میں خاص ہے۔ صحیحین کی روایت عام ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مسئلہ میں دیوبندی بھی بریلویوں کے ہمنوا ہیں چنانچہ سماع الموتیٰ کے مصنف مولانا سرفراز احمد صفدر صاحب فرماتے ہیں: "مستثنیٰ منہ عام نہیں بلکہ صرف مسجد ہے"۔ (سماع الموتیٰ ص ۱۴۰)

یعنی دیوبندیوں کے نزدیک بھی دُور دراز کی قبروں کی طرف سفر کرنا شد رحال کی نفی میں شامل نہیں کیونکہ وہ مسجدیں نہیں قبریں ہیں۔ نفی مسجدوں کی ہے قبروں کی نہیں ہے۔ مولانا سرفراز صاحب نے مولانا انور شاہ صاب کا طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: "اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل تو وہ ہے کہ تواتر کے ساتھ حضرات السلف صالحین رحمہم اللہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی طرف ان سے سفر ثابت ہے اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے"۔ (ایضاً)

عرض ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا عمل قرآن ہے یا حدیث ہے یا اجماع صحابہ ہے۔ آخر اس کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ اگر کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں تو دیگر کئی مسائل کی طرح یہ بھی صریحاً حدیث شریف کی خلاف ورزی ہے۔

(الف) فرماتے ہیں: "باقی ان کا یہ جواب کہ حضرات سلف صالحین مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سفر کیا کرتے تھے اور روضہ مطہرہ کی طرف ان کا سفر نہ ہوتا تھا ایک بناوٹی بات ہے"۔

عرض ہے کیا اس جواب کو بناوٹی بات کہنا شرعی بات ہے۔ تعجب ہے کہ سلف صالحین کے عمل کو سنت پر محمول کرنا ان کے نزدیک بناوٹی بات ہے۔

(ب) فرماتے ہیں: "حضرات سلف صالحین سے سفر کی غرض صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتی تو وہ حضرات مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفر بھی اسی اہتمام سے کرتے۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے"۔ مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو محبت ہے ان حضرت صاحب کو شاید اس کا اندازہ نہیں۔ مسلمان آنحضرت ﷺ کو کائنات کی ہر شے سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ انھیں نہ صرف مسجد نبوی ﷺ سے بلکہ مدینہ منورہ کے ذرّہ ذرّہ سے پیار ہے۔ یہی محبت انھیں کھینچتی ہے۔ باوجود اس بات کے کہ انھیں معلوم ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کی نماز کا ثواب مسجد حرام کے مقابلہ میں صرف ایک فی صد ہے تاہم وہ وہاں جائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس طرح لوگ حج یا عمرہ کے لیے جاتے ہیں اور پھر مدینہ منورہ سے بھی ہو آتے ہیں۔ ایسا شاذ و نادر ہی کبھی ہوا ہوگا کہ کسی نے دُور دراز ملک سے صرف مدینہ منورہ کا رُخ کیا ہو اور پھر حج یا عمرہ کیے بغیر واپس چلا گیا ہو۔ اسی طرح لوگ مسجد نبوی ﷺ کے لیے جاتے ہیں اور پھر روضہ مبارک کی زیارت سے بھی مشرف ہو جاتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا ہوگا کہ کوئی شخص صرف روضہ مبارک کی زیارت کر کے واپس آ گیا ہو۔ مسجد اقصیٰ کی بے شک فضیلت ہے، مسجد نبوی ﷺ کے بعد اس کا مقام مسلّم ہے۔ لیکن وہاں جانے میں چونکہ مسلمان طبعاً کشش محسوس نہیں کرتے اس لیے ادھر رجحان کم ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی طرح مسجد اقصیٰ بھی اگر مسجد حرام سے زیادہ فاصلے پر نہ ہوتی تو لوگ وہاں جانے سے بھی دریغ نہ کرتے جیسے لوگ بغیر کسی کشش قبر کے مسجد قبا کو جاتے ہیں۔ نیز نبی ﷺ نے مسجد اقصیٰ کی طرف شدِ رحال کی اجازت تو دی ہے۔ بلکہ وہاں کی نماز کا ثواب بھی بتلایا ہے لیکن خاص ترغیب نہیں دلائی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر کسی نے عرض کیا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو نبی ﷺ نے اسے فرمایا یہیں پڑھ لو۔ (عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد من نذر ان یصلی فی بیت المقدس حدیث ۳۳۰۵، مشکوۃ باب النذور ص ۲۹۸) ❶

مولانا سرفراز صفدر صاحب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے حوالے سے لکھتے ہیں: "حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے نئے سرے سے اس مُردہ مسئلہ کو قبر سے اُٹھا کر باہر لا کھڑا کیا اور اس کی وجہ سے اُمت میں فتنے کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور اسی لیے یہ مسئلہ بھی ان کے دیگر شاذ مسئلوں کی طرح شاذ اور ان کا تفرد ہی سمجھا جاتا ہے"۔

(ج) آگے لکھتے ہیں: "اس مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی وجہ سے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ طرح طرح کے مصائب اور شدائد میں مبتلا ہوئے"۔ (ایضاً ص ۱۴۴)

ذرا غور فرمایئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے خلاف دیوبندیوں کے دِل میں کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔ اپنے مسلک پر دلیل کوئی نہیں دی نہ کوئی قرآن کی آیت نہ کوئی صحیح حدیث سوائے جمہور کے اور سوائے اس بات کے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مصائب و شدائد میں مبتلا ہوئے۔ عرض ہے اگر یہی دلائل ہیں تو عرض ہے کہ جب امام احمد بن حنبل، امام مالک بن انس، امام ابوحنیفہ، امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہم کو آزمائشوں سے گزرنا پڑا تو اس وقت جمہور حق پر تھے یا یہ ائمہ کرام رضی اللہ عنہم جو بھی اصلاح کی بات کرتا ہے اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

جہاں تک مُردہ مسئلہ کا قبر سے اُٹھا کر باہر کھڑا کرنے کا تعلق ہے میں پوچھتا ہوں کیا واقعی حیاتی دیوبندیوں کے نزدیک زندہ اور مُردہ میں فرق ہوتا ہے۔ اس محاورے کا استعمال تو تب ہی دُرست ہو سکتا ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ کبھی زندہ تھا جیسے حنفیوں

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بزعم خود مارڈالا لیکن ان سے اچھی طرح مر نہ سکا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس زندہ درگور کو پھر نکال لیا۔ سوال یہ ہے کہ اسے پہلی زندگی کس نے بخشی تھی؟

مولانا سرفراز صفدر صاحب نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ردّ میں حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۱۲۰ سے یہ حوالہ نقل کیا ہے: "ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اتفاق الائمہ میں تصریح فرمائی ہے کہ: ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سب سے بہتر کاموں میں سے ہے"۔ (سماع موتی ص ۱۴۵)

عرض ہے کیا قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے بھی بہتر ہے؟ نیز گفتگو زیارت کے بارے میں نہیں شدِ رحال یعنی دُور دراز سے سفر کر کے آنے کے بارے میں ہے۔

چنانچہ یہی مولانا سرفراز صفدر صاحب مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

مسئلہ: حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ علیہم کی قبور کی زیارت کے لیے دُور دراز سے سفر کرنے کے لیے جیسا کہ ہمارے زمانے میں معمول بن چکا ہے۔ صاحب شریعت یا صاحب مذہب یا مشائخ سے نقل اور حوالہ کی ضرورت ہے اور دُور دراز کی قبروں کی زیارت کا گاؤں اور شہر کے قریب قبروں کی زیارت پر قیاس کرنا جائز اور درست نہیں ہے کیونکہ قریب کی قبروں کے لیے سفر ہی نہیں ہوتا"۔ (العرف الشذی ص ۱۶۳، ایضاً ص ۴۱)

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ دُور دراز سے قبروں کے لیے سفر کرنا سلف صالحین کا معمول نہیں آج کے زمانے کا معمول ہے۔ دوسرے یہ کہ قریبی قبروں کی زیارت کے جواز پر دُور دراز کی قبروں کے لیے شدِ رحال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

لا تشد الرحال والی حدیث حضرت بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سفر طور سے واپس آئے تو انھوں نے کہا اگر میری آپ سے پہلے ملاقات ہو جاتی تو آپ کو وہاں نہ جانے دیتا... الخ۔ (نسائی کتاب الجمعۃ حدیث ۱۴۳۰ و موطا امام مالک کتاب الجمعۃ ص ۳۸ حدیث ۲۶۳) ❶

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حق میرے نزدیک یہ ہے کہ قبر یا کسی ولی اللہ کی عبادت کا محل اور طور سب اس نہی میں برابر ہیں"۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹۲)

نیز فرماتے ہیں: "جو شخص اجمیر میں خواجہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر یا سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر یا ان کی مانند کسی اور قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں دُعا کرے گا اور اس کی دُعا وہاں قبول ہوگی تو اس نے ایسا گناہ کیا جو گناہ قتل اور زنا سے بھی بدترین گناہ ہے"۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۴۱۵)

مگر بریلوی اور دیوبندی کا امتیاز کیے بغیر حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ قبروں کی طرف شدِ رحال جائز ہے انبیاء کی قبروں کی طرف بھی اور اولیاء کی قبروں کی طرف بھی۔

﴿۳۳۴﴾ چنانچہ مفتی صاحب لکھتے ہیں: "مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔ کیا یہ مانع انبیاء کی قبر کے سفر سے بھی منع کرے گا جیسے حضرات ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام۔ اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں"۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اعتراض کے جواب میں سفر قبور ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں: ”ریل کو حاصل کرنے کے لیے اسٹیشن جانا پڑتا ہے۔ دنیاوی مقاصد کے لیے سفر کیوں کرتے ہو۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں؟“

عرض ہے کہ یہ سفر اسباب کے مطابق ہیں مافوق الاسباب نہیں ہیں ان مقاصد کے حصول کے لیے کبھی کوئی کھنڈروں یا مُردوں کے پاس نہیں گیا۔

فرماتے ہیں: ”کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو۔ وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی کو مفید ہو لیکن اولیاء اللہ کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ یہ تو اسی طرح کی بات ہے دو پیسے کی گولی قبض کشا ہو سکتی ہے تو علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا کیوں نہیں ہو سکتے“۔

میرے بھائی کشمیر خوبصورت مقام ہے، وہاں پہاڑ ہیں جنگلات ہیں باغات ہیں دریا ہیں وغیرہ۔ قبروں کا کیا ہے۔ حدیث شریف کے مطابق یہ تو صرف موت یاد دلاتی ہیں اور موت کو یاد کرنے کے لیے سفر کرنے کی ضرورت نہیں۔ قبرستان ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

۳۳۵ فرماتے ہیں: ”ربّ نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ قرآن کریم میں ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾ (آل عمران:۳۸) ”اسی جگہ زکریا نے اپنے ربّ سے دُعا کی“۔

معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لیے دُعا کی۔ یعنی ولیہ کے پاس دُعا کرنا باعث قبولیت ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے“۔

سوال یہ ہے کیا خضر علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام مزاروں کے نام ہیں۔ کہتے ہیں کیوں بھیجا۔ ظاہر ہے تعلیم کے لیے بھیجا۔ یہ ان کا مطالعاتی دورہ تھا۔ اس لیے ان کے تجربات میں اضافہ ہوا۔ کیا یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکھف:٦٦)

”میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے“۔

یہ کسی قبر کی جانب سفر زیارت تو نہیں تھا؟

هُنَالِكَ سے بھی انہوں نے غلط استدلال فرمایا ہے۔ یہ ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں ظرف زمان مراد ہے جیسے درج ذیل آیت میں بھی ظرف زماں مراد ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (المؤمن:۷۸)

”پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا حقانیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے“۔

اس کے تحت مفتی صاحب لکھتے ہیں: ”یعنی اب یہ لوگ عذاب یا موت دیکھ کر ہی ایمان لائیں گے جب کہ ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے جب دیکھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (بے موسم کے) پھل آتے ہیں تب انھوں نے بھی بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کی“۔

حضرت مریم علیہا السلام سالہا سال سے وہاں مقیم تھیں۔ اگر محض کسی ولیہ کے پاس کھڑا ہو کر دُعا کرنا باعث قبولیت ہوتا تو پھر انتظار کس بات کا تھا؟ کیا وجہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دُعا اس وقت کی جب ان کے پاس بے موسم کا پھل دیکھا۔ ظاہر ہے اسی وجہ سے کہ شاید انہیں بھی بے موسم کے اولاد مل جائے۔ آیا حضرت زکریا علیہ السلام پیغمبر کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام ولیہ ہیں۔ هُنَالِكَ ظرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکان کے لیے بھی ہو تب بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کھڑے ہو کر دُعا مانگی ہو اس آیت کے حاشیہ میں انہی کے مرشد مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں "یعنی محراب بیت المقدس میں دروازے بند کر کے دُعا کی"۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام اندر نہیں ہو سکتی تھیں۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام پاس ہوں بھی (جس کا کوئی ثبوت نہیں) تو پھر انھوں نے خاموشی تو نہیں اختیار کی ہو گی انھوں نے یقیناً آمین کہی ہو گی جس کا بے شک فائدہ ہے۔ اگر صرف پاس ہونا ہی دُعا کی قبولیت کے لیے فائدہ مند ہو اور پھر اس پر قبورِ اولیاء کو بھی قیاس کر لیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ انبیاء کرام بھی اپنی دُعاؤں کی قبولیت کے لیے ولیوں کے محتاج ہیں بلکہ اس بات کے بھی محتاج ہیں کہ قبور اولیاء پر دھکے کھائیں۔

مفتی صاحب اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ ولی کے پاس دُعا مانگنا سنت نبی ہے اور وہاں دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے خواہ زندہ ولی کے پاس دُعا کرے یا قبروں کے پاس"۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ (البقرہ: ۵۸)

"اور دروازے میں سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے حِطَّةٌ کہو"۔

مفتی صاحب کا ہر استدلال بالجبر اور خواہ مخواہ ہی ہوتا ہے۔ اس آیت میں تو قبروں کا ذکر ہی نہیں بلکہ کسی مفسر کو یہ تک صحیح معلوم نہیں کہ کونسی بستی کا دروازہ تھا۔ خود یہی حضرت اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "تیہ سے آزاد ہونے کے بعد انہیں بیت المقدس یا اریحا جانے کا حکم ہوا جس میں قوم عمالقہ آباد تھی اور اسے خالی کر گئی تھی"۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں: "یہ ابھی تک تحقیق نہیں ہو سکی کہ اس بستی سے مراد کونسی بستی ہے جس سلسلہ واقعات میں یہ ذکر ہو رہا ہے وہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب کہ بنی اسرائیل ابھی جزیرہ نمائے سینا ہی میں تھے۔ لہٰذا اغلب ہے کہ یہ اسی جزیرہ نما کا کوئی شہر ہو گا۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد شِیطّیم ہو جو یریحو کے بالمقابل دریائے اُردن کے مشرقی کنارے پر آباد تھا"۔

﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ کے حاشیہ میں مفتی صاحب مزید فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ متبرک مقامات کی تعظیم کرنی چاہیے"۔

ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾﴾ (الحج: ۳۲)

"اور اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے اس کے دِل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے"۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے شہر متبرک ہوتے ہیں کیونکہ بیت المقدس انبیاء کا مقام ہے۔ ربّ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ﴾ (البقرہ: ۱۵۸) "صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے"۔

گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں شعائر اللہ فرمایا ہے شعائر الاولیاء نہیں فرمایا۔ بیت المقدس اور صفا مروہ کے ساتھ اگرچہ بزرگوں کا تعلق رہا ہے لیکن یہ قابل تعظیم فقط اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قابل تعظیم قرار دیا ہے۔ اگر حکم الٰہی پر قیاس کر کے ہر بزرگ کے شہر کو متبرک سمجھنا ہے تو پھر ساری دنیا کو متبرک سمجھنا شروع کر دینا چاہیے۔ کیونکہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (النحل: ۳۶) "ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (فاطر: ۲۴) "اور کوئی اُمت ایسی نہیں ہوئی جس میں ڈرسنانے والا نہ گزرا ہو"۔
اس آیت کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: "خواہ وہ نبی ہو یا عالم"۔
بلکہ پھر تو صفا ومروہ کی طرح دوسرے بزرگوں کے نام پر بھی صفا ومروہ بنائے جاسکتے ہیں۔ منیٰ، عرفات، مزدلفہ بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ حج اور عمرہ بھی کیے جاسکتے ہیں۔ بلکہ پھر تو قوم عاد قوم ثمود قوم لوط اور اہل مدین وغیرہ کی تباہ شدہ بستوں کو بھی متبرک قرار دے دینا چاہیے۔ کیونکہ ان بستیوں میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام چلتے پھرتے رہے ہیں اور عبادتیں کرتے رہے ہیں۔

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾ سے پہلے مفتی صاحب نے حاشیہ میں ایک نہایت خطرناک بات لکھی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم کا پھل دیکھ کر جب حضرت نے پوچھا یہ کہاں سے ہے تو جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ بعض بندے مادر زاد ولی ہوتے ہیں۔ ولایت عمل پر موقوف نہیں۔ دیکھو حضرت مریم علیہا السلام لڑکپن میں ولیہ تھیں"۔
یہ کہیں ذکر نہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کی اس وقت عمر کیا تھی۔ اگر واقعی ان کا بچپنا تھا تو ابھی ان پر عمل فرض نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا حضرت مریم علیہا السلام پر قیاس کر کے بڑی عمر کے بے عمل لوگوں کی ولایت ثابت کرنا اور یہ کہہ دینا کہ ولایت عمل پر موقوف نہیں بڑا خطرناک قسم کا استدلال ہے اگر ولایت عمل پر موقوف نہیں تو کیا بھنگ چرس پینے پر موقوف ہے۔ سکھوں کی طرح جائز وناجائز بال بڑھانے پر موقوف ہے۔ گلے میں ٹل باندھ کر علی کا ملنگ کہلانے پر موقوف ہے؟ یا اپنے مریدوں کی بیٹیاں اغوا کر کے لے جانے پر موقوف ہے؟ یہ فقرہ لکھنے سے مفتی صاحب کو شرم آنی چاہیے تھی۔ اگر انہیں شرم نہیں آتی تو کاش ان کے ماننے والوں کی ہی آجائے۔ سورۃ البینہ میں فرمانِ ربِ جلیل ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ (البینہ: ۷)
"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں"۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۳۳۶ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: "جس درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنالیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوادیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے"۔
جواب دیتے ہیں: "یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ وہ دراصل درخت لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوگیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کردی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوتی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا"۔
مفتی صاحب کا جواب خود ان کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ وہ درخت زیارت گاہ بنے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نہ چاہنا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ مخفی ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہ چاہنا اس سے معلوم ہوا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس درخت کو لوگوں نے غلطی سے اصل درخت سمجھ کر زیارت گاہ بنا لیا تھا اسے کٹوا دیا۔ اگر ولیوں کی قیام گاہ کو زیارت گاہ بنانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ تبرکات کی بات دوسری ہے ان سے صرف حسین یادیں وابستہ ہوتی ہیں۔ زیارت گاہ تو مرور ایام سے خانقاہیں بن جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ غیر اللہ کو ماتھا ٹیکنا شروع ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی اس بارے میں بہت محتاط تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک سفر میں عرض کیا:

((اجعل لنا ذات انواط کما لهم ذات انواط)).

"ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے جیسے ان کے لیے ذات انواط (پوجا جانے والا درخت) ہے"۔

تو فرمایا یہ تو ایسے ہی ہے جیسے قوم موسیٰ نے کہا تھا:

((اجعل لنا الها کما لهم الهة)). (عن ابی واقد اللیثی مسند احمد ج ۳۶ ص ۲۲۵، حدیث ۲۱۸۹۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۲) [1]

"ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیجئے جیسے ان کے لیے معبود ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو حجر اسود سے بھی کہہ دیا تھا:

((لو لا انی رأیت رسول الله ﷺ قبلك ما قبلتك)). (بخاری ص ۲۱۸ حدیث ۱۶۱۰)

"اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا"۔

یاد رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو درخت کٹوایا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ لوگوں نے غلط درخت کی زیارت شروع کر دی تھی اور ان کے خیال میں صحیح درخت کی زیارت ہونی چاہیے تھی۔ بلکہ وہ سرے سے کسی درخت کو زیارت گاہ بنانے کے خلاف تھے ورنہ اگر وہ چاہتے تو اصل درخت تلاش کر سکتے تھے یا کم از کم کوشش ضرور کرتے۔ باقی جہاں تک قبر نبوی ﷺ کا معاملہ ہے تو قبروں کی زیارت تو مسنون ہے۔ ہاں ان پر میلہ لگانا اور اُن کے لیے دور دراز کا سفر کرنا منع ہے۔

کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

۳۳۷ مفتی صاحب لکھتے ہیں، یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا:

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا﴾ (یوسف: ۹۳)

"میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی"۔ (کنز)

"معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی"۔

مفتی صاحب نے یہ کیسی گپ ہانکی ہے۔ جو قمیص بچپن میں یوسف علیہ السلام گھر سے پہن کر نکلے تھے وہ تو گھر میں واپس آ گئی تھی:

﴿وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ (یوسف: ۱۸)

"اور یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے آلود بھی کر لائے تھے"۔

اب یہ اپنے پردادا کی قمیص ان کے پاس کہاں سے آ گئی یوسف علیہ السلام تو فرماتے ہیں میرا یہ کرتا نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

تخریج: [1] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کُرتا۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص اس خاندان کے پاس محفوظ تھی۔ تو ظاہر ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ہو گی۔ اور اگر بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص کو پہلے بھی کیوں نہ منہ پر ڈال لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا کیوں انتظار کیا۔ کیا حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ بڑے بزرگ تھے؟ اور ان کی قمیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص سے زیادہ شفا بخش تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ تھا اور معجزہ اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوتا ہے اور اس معجزے کا حنفیوں کی کفنی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند مبارک اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کفن میں شامل فرما دیا تھا"۔ (مسلم شریف حدیث ۹۳۹)

مفتی صاحب نے اس سے بھی کفنی پر استدلال فرمایا ہے جو موضوع سے قطعی بے تعلق ہے۔

لکھا ہے: "شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہٗ کے احوال میں فرماتے ہیں جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ بعضے وہ اشعار اور کلمات جو کہ عفو و بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن پر ساتھ رکھ دینا"۔ شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: "قبر میں شجرہ رکھنا بزرگانِ دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مُردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں۔ اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مُردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا غذ اس میں رکھیں"۔

عرض ہے کہ فقہاء اس سے کیوں منع کرتے ہیں کیا اس لیے کہ وہ سنت نہیں ہے اور یہ طاقچے والا طریقہ مسنون ہے؟

۳۳۸ مفتی صاحب نے آگے پھر کچھ غیر متعلق باتیں بیان کی ہیں۔ آگے لکھتے ہیں: "میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ تو انگلی سے لکھا جائے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حکیم بن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس دُعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذابِ قبر نہ ہو گا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا"۔

آگے لکھتے ہیں: "الحرف الحسن میں حکیم ترمذی سے نقل کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لیے رکھ دے گا۔ جب بندے قبر سے اُٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر ندا کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں۔ ان کو یہ عہد نامہ دیا جائے گا"۔

اہل علم کے نزدیک ان کتابوں کی کوئی حیثیت نہیں یہ سب کذب بیانی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کسی روایت کا حکیم ترمذی وغیرہ کی طرف منسوب کر دینا ہی اس کے ضعف اور کمزور ہونے کے لیے کافی ہے"۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں درمختار ج ا باب الشہید سے کچھ قبل ہے:

((كتب على جبهة الميت او عمامة او كفنه عهد نامه يرجى ان يغفر الله للميت)). (ص ٦٦٨)

"میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو اُمید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرما دے اور عذاب قبر سے امن دے"۔

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ "کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دی جائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری۔ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انھوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الٰہی سے بچ گیا"۔

۳۳۹ عہد نامہ لکھنے کے بارے میں یہی الفاظ مفتی صاحب بحوالہ فتاویٰ بزاریہ کتاب الجنایات سے کچھ قبل امام صفار رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل فرماتے ہیں: "آگے یہ الفاظ ہیں امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے"۔ اور مروی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا:

((حبس فی سبیل اللہ تعالی))۔ "اللہ کی راہ میں روکا گیا"۔

یہ الفاظ دراصل مفتی صاحب نے ردالمحتار شامی شرح درمختار ہی سے نقل فرمائے ہیں۔ (ایضاً)

یہ فقہ حنفی کے حوالے ہیں جو بریلویوں اور دیوبندیوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ کچھ دیوبندی اس احمقانہ عمل سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ مگر وہ اس سے کس طرح چھٹکارا پا سکتے ہیں جب کہ یہ سب کچھ ان کی کتابوں میں لکھا ہے۔ الا یہ کہ وہ ان سے اظہار بیزاری فرمادیں اور صاف کہہ دیں کہ ہم حنفی ہیں اور صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مانتے ہیں۔ مگر اس صورت میں ان کا مذہب سکڑ کر نہایت مختصر رہ جائے گا۔ بلکہ نابود و ناپید ہو جائے گا کیونکہ امام صاحب کی دنیا میں کتاب ہی کوئی نہیں اور نہ کسی کتاب میں ان کا کوئی باسند قول موجود ہے۔ جو کچھ ہے بس یہی ہے۔ بریلویوں کو بھی ہوش کرنا چاہیے ان کے امام مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی یا شیبانی۔ (ملفوظات ص ۱۴۴) تو جو فقہاء امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے براہِ راست شاگرد تھے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کا مذہب بھی قبول کرنا پسند نہیں فرمایا تو ان کے مقابلے میں صاحب درمختار اور امام صفار وغیرہ کیا چیز ہیں۔

اس موقع پر مولانا سرفراز صاحب دیوبندی نے اپنے آپ کو کچھ کچھ اہلسنت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں، خود شیخ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں: "مشرب پیر محبت نیست دلیل از کتاب و سنت مے باید"۔ (اخبار الاخیار ص ۹۳، راہِ سنت ص ۲۳۰) مگر چونکہ وہ آخر حنفی ہیں اس لیے انہیں اپنی اس حیثیت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں: "ہاں! اگر قبر کے سرہانہ میں کوئی طاقچہ ہو اور اس میں (شجرہ یا عہد نامہ وغیرہ) رکھا جائے تو شاہ (عبدالعزیز) صاحب کہتے ہیں یہ درست ہے۔ لیکن اس سے محل نزاع حل نہیں ہوتا کیونکہ جھگڑا کفنی یا الفی لکھنے کا ہے"۔ (ایضاً)

عرض ہے اگر کفنی یا الفی لکھنے کا ثبوت نہیں تو کیا طاقچہ میں شجرہ رکھنے کا کتاب و سنت سے ثبوت ہے۔ یعنی طاقچہ میں شجرہ رکھنے کے بارے میں مشرب پیر یا فعلی مشائخ کیوں حجت ہو گیا۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے کا ثبوت تو درمختار ردالمحتار شامی اور فتاویٰ بزاریہ وغیرہ میں بھی موجود ہیں جو پیروں کی نہیں فقیہوں کی کتابیں ہیں ان حوالہ جات سے دیوبندی کیسے پیچھا چھوڑ دیں گے۔ شامی وہ کتاب ہے جس کے متعلق مولانا سرفراز احمد صاحب دیوبندی نے نہایت افسوس کے ساتھ لکھا ہے: "شامی جیسی مفید کتاب (حجاز میں) ممنوع الدخول ہے"۔ (سماع الموتیٰ ص ۱۴۰)

یہی مولانا اپنے فقہاء کی صفائی میں مزید فرماتے ہیں: "پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو حضرات پیشانی اور کفن پر لکھنے کی اجازت دیتے ہیں ان میں بعض تصریح کرتے ہیں کہ یہ روشنائی سے نہ لکھا جائے بلکہ محض اُنگلی سے لکھا جائے"۔ (راہ سنت ص ۲۳۰)

عرض ہے کہ اس صفائی کا کیا فائدہ۔ اگر روشنائی کے ساتھ لکھنا ثابت نہیں تو کیا بغیر روشنائی کے ثابت ہے پھر اسے پڑھے گا کون۔ میت یا فرشتے؟ کیا یہی راہِ سنت ہے بریلوی ہوں یا دیوبندی اللہ تعالیٰ نے ان سے حق گوئی کی صلاحیت چھین لی ہے۔ یہ اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کی غلط بات کو غلط کہنے سے محروم کردیئے گئے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے مفتی صاحب نے اس سے بھی استدلال فرمایا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا حبس فی سبیل اللہ (یعنی اللہ کی راہ میں روکے گئے) مفتی صاحب کی ذہنی پرواز پر حیران ہونے کو جی چاہتا ہے۔ اگر یہ روایت درست ہے تو گزارش ہے کہ یہ تحریر یا یہ نشان اس بات کی علامت ہوتا تھا کہ یہ گھوڑے جہاد کے لیے وقف ہیں۔ اسی بات کا حنفیوں کی الفی سے کیا تعلق؟ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حجاج قربانی کے جانوروں کو تقلید کراتے تھے یعنی بطور نشان انھیں جوتوں کا ہار پہناتے تھے۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری باب تقلید النعل ص ۲۳۰ حدیث ۱۷۰۶) تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی یعنی قربانی کے جانور ہیں۔ اگر جہاد کے گھوڑوں پر حبس فی سبیل اللہ کا نشان کفنی یا الفی کے لیے دلیل بن سکتا ہے تو حاجیوں کے اونٹوں کی طرح میت کے گلے میں جوتوں کا ہار بھی پہنا دیا کیجئے۔

﴿۳۴۰﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "لقنوا موتاکم میں تلقین مطلق ہے۔ ہر طرح دُرست ہے لکھ کر یا کہہ کر"۔

تلقین کے بارے میں پہلے گفتگو ہوچکی ہے کہ شریعت میں مردوں کو تلقین کرنا ثابت نہیں موتاکم سے قریب المرگ لوگ مراد ہیں۔ لہٰذا کفنی یا الفی کو تلقین پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔ نیز عرض ہے اگر دنیا کی تحریریں قبر کے بیچ میں مردوں کے کام آسکتی ہیں تو پھر انھیں پڑھنے کے لیے دنیوی لوازم بھی تو چاہئیں۔ مثلاً مرنے والا اگر نابینا تھا تو پھر اس کی آنکھوں کا علاج ہونا چاہیے۔ اگر اس کی بینائی کمزور تھی تو اس کے لیے عینک کا بندوبست ہونا چاہیے۔ روشنی کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ میت اور تختوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ وہ بیٹھ کر بآسانی پڑھ سکے کیونکہ لیٹے لیٹے تو کفنی یا الفی کی تحریریں نہیں پڑھی جاسکتیں۔

﴿۳۴۱﴾ مفتی صاحب نے اصحابِ کہف اور اصحابِ بدر کے ناموں کے تعویزوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ استدلال واقعی وزن دار ہے۔ مگر ان کے لیے جو تعویزوں کو مانتے ہیں یعنی اگر کفنی الفی کا مقصد فقط تعویز ہے اور اسے پڑھنا مطلوب نہیں تو پھر اس استدلال میں جان ہے۔ واقعی جو تعویزوں کے قائل ہیں انھیں کفنی الفی کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔ چاہے وہ اہل حدیث ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اگر کفنی الفی کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے تو تعویذ کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کب ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس سے صاف منع فرمایا ہے آپ نے اللہ والے اور غیر اللہ والے تعویزوں میں کوئی امتیاز بھی نہیں کیا۔

کفنی لکھنے پر اعتراضات

﴿۳۴۲﴾ مفتی صاحب ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہٰذا یہ تحریر اس کے لیے مفید ہے"۔

عرض ہے اگر مرنے کے بعد جاہل بھی عالم ہوجاتا ہے ان پڑھ بھی پڑھنے لگتا ہے عجمی بھی عربی سمجھنے لگتا ہے تو کیا مرنے کے بعد اس کا حافظہ اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ وہ ساری عمر جس کلمہ کو پڑھتا رہتا ہے وہ اسے یک لخت بھول جاتا ہے اور نالائق لڑکوں کی طرح کمرہ امتحان میں نقل مار کر جواب دینے کے لیے تحریریں ساتھ لے جانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلند آواز سے ذکر کرنا

۳۴۳ لکھتے ہیں: "پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نمازِ فجر وعشاء بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں۔ مخالفین کہتے ہیں ذکر بالجہر بدعت ہے اصولِ حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی نماز میں بھول جاتے ہیں"۔

جہاں کہیں کوئی بدعت رائج ہو جائے مفتی صاحب نے اسے سند جواز عطا کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ان عاشقوں کو سنت رسول سے اتنا عشق نہیں جتنا عشق کہ بدعت جہلاء سے ہے اس کے بدعت ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ بقول ان کے اس کا رواج صرف پنجاب وغیرہ میں ہے اگر یہ مسئلہ سنت ہوتا تو ہر علاقے اور ہر ملک کے اہلسنت میں اس کا رواج ہوتا۔ مگر اس کا رواج صرف اہل بدعت میں ہے اور وہ بھی صرف پنجاب وغیرہ میں۔ یہاں مفتی صاحب نے اپنے کاٹھیاواڑ کا نام بھی نہیں لیا۔ بعد نماز فجر وعشاء جو انھوں نے فرمایا ہے یہ بھی حقیقت کے خلاف ہے پنجاب کے بدعتی ہر نماز کے بعد کورس کے انداز میں ذکر کی قوالی کرتے ہیں۔

ذکر بالجہر کے ثبوت میں

۳۴۴ فرماتے ہیں: "ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن وحدیث واقوال علماء سے ثابت ہے...الخ"۔

اس سلسلہ میں مفتی صاحب نے جو دلائل دیے ہیں ان کا دعویٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں سوائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے کہ اسے کھینچ تان کر دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

((کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ بالتکبیر)). (بخاری ص ۱۱۶ حدیث ۸۴۲، مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ حدیث ۱۳۱۶)

"مجھے نبی ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کا علم اللہ اکبر سے ہوتا تھا"۔

نیز فرماتے ہیں:

((ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی ﷺ)). (ایضًا)

"فرضی نماز سے فارغ ہونے کے بعد باآواز بلند ذکر کرنے کا معمول عہد نبوی میں تھا"۔

بحمد اللہ اہلحدیث کا یہی مسلک ہے البتہ حنفی مسلک اس کے برخلاف ہے:

((قال ابن بطال المذاھب الاربعۃ علی عدم استحبابہ)). (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۷۰ بحوالہ راہِ سنت ص ۱۶۷)

"ابن بطال کہتے ہیں مذاہب اربعہ اسے غیر مستحب جانتے ہیں"۔

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

((و قد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد و لو بالذکر حرام)). (مرقات ج ۲ ص ۴۷۰)

"ہمارے بعض علمائے احناف نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا خواہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو حرام ہے"۔

علامہ حلبی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں:

((و لابی حنیفۃ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ: ادعوا ربکم تضرعا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و خفیه)). (کبیری ص ٥٦٦)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ باآواز بلند ذکر کرنا بدعت ہے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے یعنی کہ پکارو اپنے ربّ کو عاجزی سے اور پوشیدہ"۔

اب نہ جانے ان کی تقلید کیا کہتی ہے۔ مفتی صاحب پر حیرانی ہے یہ اپنے مخالف مسلک احادیث سے بھی استدلال کرنے سے گریز نہیں فرماتے جیسے اس سے قبل یہ اذان قبر کے لیے اذان سحری سے بھی استدلال فرما چکے ہیں۔ (ص ۳۱۲) حالانکہ یہ ان کا مسلک نہیں ہے یعنی دعویٰ پر عمل کرتے ہیں مگر اس کی اصل دلیل پر عمل نہیں کرتے۔ عمل ان کا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پر بھی نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے بعد بالجہر اللہ اکبر کہنا چاہیے اور اذکار مسنونہ کرنے چاہئیں۔ بریلویوں والی قوالی ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ نہ ہی اس میں فجر و عشاء کی خصوصیت کا ذکر ہے۔

﴿۳۴۵﴾ فرماتے ہیں، جامع صغیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اکثروا فی الجنازة قول لا اله الا الله)) "جنازہ میں بکثرت لا الہ الا اللہ پڑھا کرو"۔ [1]

"اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ"۔

مگر ان کی فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

((و علی متبعی الجنازة الصمت و یکره لهم رفع الصوت بالذکر و قراءة القرآن)). (ج۱ ص ۱٦٢)

"جنازہ میں جانے والوں پر خاموشی لازم ہے۔ بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا مکروہ ہے"۔

جامع صغیر والی روایت موضوع بھی ہے غیر متعلق بھی ہے اور اگر وہی مطلب ہے جو مفتی صاحب نے بیان کیا ہے تو فقہ حنفی کے خلاف بھی ہے۔

﴿۳۴٦﴾ فرماتے ہیں: "رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث ص ۷۹ میں لکھتے ہیں:

((ان النبی ﷺ کان یجهر مع الصحابة بالاذکار و التهلیل و التسبیح بعد الصلوٰة)).

"بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز کے بعد باآواز بلند ذکر و اذکار تہلیل اور تسبیح پڑھا کرتے تھے"۔

کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے کسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ دینا ہی اس کے عزم ثبوت کی بیّن دلیل ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب وہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب ہے۔ اس سے آواز کے ساتھ آواز ملا کر بریلویوں والی قوالی مراد نہیں مفتی صاحب اپنی بدعات کو ثابت کرنے کے لیے فقہ حنفی کی جڑوں کو پانی دے رہے ہیں۔

فرماتے ہیں: "تفسیر خازن و روح البیان پارہ ٦ میں زیر آیت ﴿وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ ایک روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرأت سنی تم کو داؤدی آواز دی گئی ہے۔ ابوموسیٰ اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فقلت اما و الله لو علمت انك تسمع لحبرته تحبیرا)). (عن انس رضی اللہ عنہ مسند احمد شعب الایمان حدیث ٢٣٦٦، فتح الباری ج ۹ ص ۹۳) [2]

"میں نے عرض کیا کہ ربّ کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا"۔

تخریج: [1] موضوع روایت ہے۔ [2] صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں اوّلاً یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادتِ الٰہی ہے اور عین عبادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمنا تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت کا بریلوی مجالس ذکر سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ آخر میں انھوں نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بہت زہریلا ہے۔ یہ تو ہر قاری کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ باجماعت نماز میں یا سامعین کی موجودگی میں نسبتاً زیادہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ چنانچہ آئے دن حسن قراءت کے مظاہرے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اب عین عبادت میں اس خواہش کو یا اس تمنا کو کیا نام دیا جائے گا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ روایت بریلوی عقیدے کے سخت خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عالم الغیب نہیں تھے۔ جلیل القدر صحابی ہونے کے باوجود انھیں خبر نہ ہوسکی کہ دیوار کی اوٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قراءت سُن رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ولیوں کی کیا حقیقت ہے جن کے متعلق مفتی صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ لوحِ محفوظ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ (ص ۵۶) بلکہ ثابت ہوتا ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں اور یہ بھی عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قراءت نہیں سن رہے ہیں ورنہ وہ زیادہ حسن صوت کے ساتھ ضرور تلاوت فرماتے۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تھے اور بقولِ مفتی صاحب ان کی آواز باہر آتی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ اب بریلویوں کے قومی ترانے کے اس بول کے بارے میں کیا خیال ہے:

ہم یہاں سے پڑھیں وہ وہاں سے سنیں
مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سماعت پہ لاکھوں سلام

۳۴۷ مفتی صاحب فرماتے ہیں شامی ج ا مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔ (ص ۴۸۸)

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المسجد الا ان تشویش جهرهم علی نائم او مصل او قاری.

"متقدمین اور متاخرین نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہاں کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔"

افسوس کہ بریلوی حضرات اپنے اس مسلک کی ذرّہ برابر پرواہ نہیں کرتے۔ انھیں اپنے قرب و جوار کا مطلق لحاظ نہیں ہوتا۔ انہوں نے حق ہمسائیگی کو یکسر نظرانداز کر دیا ہے۔ یہ صرف جہر نہیں کرتے بلکہ نہایت طاقتور لاؤڈ اسپیکر لگا کر حلوہ خور گلہ کے ساتھ جہرالجہر کرتے ہیں۔ ہر جگہ کے مکین ان سے نالاں ہیں۔ وہ ان کی آوازوں کو عذاب تصور کرتے ہیں۔ وہ ان کی جان کو روتے ہیں وہ اس دن کو یاد کر کے بھی روتے ہیں جس دن شامت اعمال سے انھوں نے ان کے قریب مکان بنالیا تھا یا یہ مسجد ان کے علاقے میں بن گئی تھی۔ پراپرٹی ڈیلروں کا تجربہ ہے کہ جس محلے میں بریلویوں کی مسجد بن جائے وہاں جائیدادیں سستی ہوجاتی ہیں۔

مفتی صاحب نے یہ حوالہ اپنے حق میں نقل کیا ہے۔ حقیقت میں یہ سراسر ان کے خلاف ہے۔ اور یہ درمختار کے جن الفاظ کی شرح میں ہے ان میں بھی جہری ذکر کو مکروہ کہا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

((ویکره..... رفع الصوت بذکر الا للمتفقهة للمتفقه)). "جہری ذکر مکروہ ہے سوائے طالب علم کے۔"

مفتی صاحب نے جماعت کا ترجمہ جماعتوں کیا ہے۔ نہ جانے یہ ترجمہ ان کے علمیت پر دال ہے یا یہ بھی ان کی جہالتوں کا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید ثبوت ہے۔ خیر مقصد یہ ہے کہ ضرورت کے تحت فقہاء احناف نے جہر کو جائز رکھا ہے۔ بلا ضرورت نہیں باقی شامی کا یہ کہنا کہ باجماعت ذکر کرنے کے استحباب پر سلف وخلف کا اجماع ہے اس سے یقیناً بریلویت کو تائید ملتی ہے۔

(الف) مفتی صاحب لکھتے ہیں، شامی میں اسی جگہ ہے:

فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اكثر عملا ولتعدى فائدته الى السامعين ويوقظ الغافلين فيجمع همه الى الذكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم ويزيد انشاطًا.

"بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دِل کو بیدار کرتا ہے ان کے خیالات اور ان کے کانوں کو ذکر الٰہی کی طرف کھینچتا نیند بھگاتا اور خوشی بڑھاتا ہے"۔

مفتی صاحب نے عبارت پوری نقل نہیں فرمائی، اس سے متصل پہلے یہ الفاظ ہیں:

...لانه حيث خيف الرياء او تأذى المصلين او النيام فان خلا مما ذكر فقال بعض اهل العلم...

"اس لیے کہ جہری ذکر سے ریا کاری کا اندیشہ ہوتا ہے یا اس سے نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو بعض اہل علم نے فرمایا ہے..."۔

مفتی صاحب کی نقل کردہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ذکر سامعین کے فائدے کے لیے ہے لہٰذا نہ تو نمازی سامعین ہوتے ہیں نہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے سامعین ہوتے ہیں نہ سونے والے سامعین ہوتے ہیں نہ گلی محلے والے سامعین ہوتے ہیں، بلکہ سب پریشان ہونے والے ہوتے ہیں۔

مفتی صاحب نے اپنا مسلک اُجاگر کرنے کے لیے شامی کی عبارت میں گڑبڑ بھی کی ہے، اصل عبارت یوں ہے:

يوقظ قلب الذاكر فيجمع همه الى الفكر.

"یعنی جہری ذکر ذاکر کے دِل کو بیدار کرتا ہے اور اس کے خیال کو بیدار کرتا ہے اور اس کے خیال کو فکر کی طرف لگاتا ہے"۔

ان حضرت صاحب نے یہ تحریف صرف اس لیے کی ہے تاکہ جو شریف آدمی ان کا میوزک نہیں سننا چاہتا انھیں بالجبر سنانے کے لیے فقہی جواز مہیا کیا جا سکے۔

(ب) فرماتے ہیں، درمختار باب صلوٰۃ العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے (ص ۶۲۱):

ولا يمنع العامة من التكبير فى الاسواق فى الايام العشر وبه ناخذ.

"بقر عید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکو اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں"۔

غالباً اس زمانے میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی کے تحت شامی میں ہے:

قيل لابى حنيفة ينبغى لاهل الكوفة وغيرها ان يكبروا ايام العشر فى الاسواق والمسجد قال نعم.

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحج میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے جہر میں زور پیدا کرنے کے لیے ترجمہ میں تکبیر کے ساتھ نعرہ کا لفظ بڑھا دیا ہے۔ اگر یہ ترجمہ صحیح ہے تو پھر جہاں انھوں نے تسبیح و تہلیل کا ذکر کیا ہے (مثلاً ص ۳۴۷ پر) وہاں بھی یہی کہتے نعرہ تسبیح نعرہ تہلیل کیونکہ یہ سب ذکر ہی تو ہے۔ نبی ﷺ نماز میں اُٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہتے تھے تو کیا آپ نعرے لگاتے تھے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگرچہ بدعت ہے"۔

بخاری شریف میں ہے:

((و کان ابن عمر و ابوھریرۃ رضی اللہ عنھم یخرجان الی السوق فی ایام العشر یکبر ان و یکبر الناس بتکبیرھما))۔ (ص ۱۳۲ حدیث ۹۶۸)

"حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ذی الحج میں بازاروں میں نکل کر تکبیریں کہتے تھے اور پھر ان کے ساتھ لوگ بھی تکبیریں کہنے لگتے"۔

تو کیا بریلویوں کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بدعت ہے۔ مفتی صاحب پیچھے لکھ آئے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی باعث نجات ہے۔ لہٰذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔ (ص ۲۲۶)

مفتی صاحب نے اپنا مخصوص جہری ذکر ثابت کرنے کے لیے عشرہ ذی الحج میں بازاروں میں نکل کر تکبیرات تشریق کہنے بلکہ نعرہ تکبیر لگانے کا ذکر کیا ہے مگر اس پر ان کا عمل نہیں ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں یہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے دلیل دیتے ہیں حالانکہ وہ دلیل ان کے مسلک کے برخلاف ہوتی ہے پھر نہ جانے اس سے ان کا مدلول کیسے ثابت ہو جاتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں جمعہ و جماعت کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں آنے سے مت روکو۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ابوداؤد خروج النساء الی المسجد حدیث ۵۶۵) [1] مگر حنفیہ از روئے مسلک اس سے منع کرتے ہیں۔ اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یہ اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو"۔

اس کا مطلب یہ ہوا سنت سے منع کرو بدعت سے منع نہ کرو۔ کیا خوبصورت مسلک ہے۔

مفتی صاحب نے جہری ذکر کے کچھ عقلی دلائل دے کر بھی اپنے آپ کو حکیم الامت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان دلائل کا نہ تو عقل سے تعلق ہے نہ دعویٰ سے تعلق ہے ان کا جواب فقط یہی ہے: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ قَالُوا سَلٰمًا﴾۔

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

۳۴۸ مفتی صاحب نے بطور اعتراض یہ آیات نقل کی ہیں:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ (الاعراف: ۲۰۵)

"اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکلے صبح و شام"۔

﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾ (الاعراف: ۵۵)

"اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دُعا کرو۔ بے شک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں کرتے"۔

تخریج: [1] حسن صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرہ: ۱۸۶)

"اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دُعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے"۔

اور ارشادِ نبوی ﷺ بھی نقل کیا ہے:

((یا ایھا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبًا انکم تدعونہ سمیعا قریبًا)).

"اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو، تم تو سمیع وبصیر کو پکارتے ہو"۔ (مسلم ج ۲ حدیث ۶۸۶۲)

((وھو معکم والذی تدعونہ اقرب الی احد کم من عنق راحلتہ)). (عن ابی موسیٰ اشعری مسلم ج۲ ص ۳۴۶ حدیث ۶۸۶۷)

"وہ تمہارے ساتھ ہے، وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے"۔

جواب میں مفتی صاحب نے ان سب کی تاویلیں کر ڈالی ہیں اور بے کار تکلیف اُٹھائی ہے۔ اصل بات یہ ہے ذکر ہو یا دُعا اللہ تعالیٰ کو اخفا ہی پسند ہے سوائے ان مقامات کے جہاں نبی ﷺ نے جہر فرمایا۔ بریلویوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان پر قیاس کر کے جہر کی جعلی صورتیں پیدا کریں۔ ہدایہ میں لکھا ہے:

و یبداء بتکبیر التشریق بعد صلوۃ الفجر من یوم عرفۃ و یختم عقیب صلوۃ العصر من یوم النحر عند ابی حنیفۃ وقالا یختم عقیب صلوۃ العصر من آخر ایام التشریق... و اخذ بقول ابن مسعود اخذا بالاقل لان الجھر بالتکبیر بدعۃٌ. (اولین ۱۳۳)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ۹ ذی الحج کی صبح سے لے کر ۱۰ ذی الحج کی عصر کے بعد تک تکبیرات تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو کہتے ہیں) کہے۔ صاحبین تیرھویں تاریخ کی عصر تک قائل ہیں امام صاحب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول لیا ہے جو کہ کم ہے۔ اس لیے کہ جہری تکبیر کہنا بدعت ہے"۔

﴿۳۴۹﴾ مفتی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ "امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں۔ یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دِن امام صاحب اس کو بدعت یا خلافِ سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی۔ کہیے اس بدعت کی اجازت کیوں دی"۔

معلوم ہوتا ہے مفتی صاحب نے فقہ کسی صحیح استاد سے نہیں پڑھی۔ امام صاحب کا صاحبین رحمہما اللہ سے یہ اختلاف صرف نمازوں کے بعد تکبیرات کہنے کے بارے میں ہے۔ بازاروں میں کہنے کے بارے میں نہیں ہے۔ حاشا وکلا امام صاحب بریلوی ذہنیت کے مالک نہیں تھے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک بات کو بدعت بھی کہیں خلافِ سنت بھی کہیں اور پھر اس کی اجازت بھی دیں۔ کیا بدعت اور خلافِ سنت ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اسے واجب اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

﴿۳۵۰﴾ مفتی صاحب فتاویٰ بزاریہ (ص ۳۷۸) اور شامی (ج ۵ ص ۳۵۰) سے بطورِ اعتراض نقل کرتے ہیں:

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ اخرج جماعۃ عن المسجد یھللون و یصلون علی النبی ﷺ جھرا و قال لھم ما اراکم الا مبتدعین.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"قاضی خاں کے فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہو چکا کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتے تھے اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں"۔

مفتی صاحب نے اس کا ایک الزامی جواب دیا ہے کہ تم بھی تو مسجدوں میں جلسے کرتے ہو اور نعرہ تکبیر لگاتے ہو۔ (ملخص)

وقتی طور پر کبھی جلسہ کرنا اور مخصوص ہیئت کے ساتھ ذکر کی قوالی کرنا اگر بریلویوں کے نزدیک دونوں ایک جیسی باتیں ہیں تو پھر انہیں سمجھانا بے سود ہے۔

تحقیقی جواب یہ دیا ہے فرماتے ہیں سند اسی جگہ شامی میں ہے:

و اما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبۃ والجمعۃ والحج و قد حررت المسئلۃ فی الخیریۃ و حمل ما فی فتاوی القاضی علی جھر المضر.

"بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج میں ہوتا ہے۔ اور یہ مسئلہ فتاویٰ خیریہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاویٰ قاضی خان میں ہے اس سے مراد نقصان دہ جہر ہے"۔

یہ جواب تو اسی نوعیت کا ہے جیسے کوئی کہے گرمیوں میں اے۔سی چلتے ہیں دوسرا کہے کہ تم کہتے ہو سردیوں میں ہیٹر استعمال ہوتے ہیں یعنی بات ہو رہی ہے نمازوں کے بعد اجتماعی ذکر بالجہر کی۔ یہ حضرت اذان خطبہ اور جلسے لے بیٹھے ہیں۔ جن کے انعقاد کا مقصد ہی لوگوں کو سنانا ہوتا ہے۔ غلط بحث کا فن کوئی ان سے سیکھ لے۔ قاضی خاں کے فتویٰ کو نقصان دہ جہر پر محمول کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ بدعت گمراہی ہے نقصان دہ ہے اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بریلویوں کی ذکری نمائش اور اسپیکری قوالیوں سے ساری قوم نالاں ہے۔ سوائے معدودے چند افراد کے کہ جن بے چاروں کی برین واشنگ ہو چکی ہے۔

۳۵۱ مفتی صاحب نے اعتراض نقل کیا ہے: "بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز میں بھولتے ہیں لہٰذا ناجائز ہے"۔

جواب دیتے ہیں: "نماز با جماعت کے بعد مسجدوں میں بچے قرآن یاد کرتے ہیں۔ جلسے ہوتے ہیں ایام تشریق میں تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ حرم شریف میں طواف کرنے والوں کا شور ہوتا ہے۔ ان حالات میں بعد میں آنے والے نمازی نماز بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں"۔ (ملخص) ایک دیہاتی نے حلوائی سے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: لُچیاں تل رہا ہوں۔ دیہاتی نے اپنی پوٹلی سے تنور کی روٹی نکال کر کڑاہی میں ڈال دی اور بولا میرا یہ لچ بھی تل دو۔ مفتی صاحب بھی اسی طرح اپنا لچ تلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں سنت پر بدعت کو قیاس کرتے ہوئے خدا کا خوف نہیں آتا۔ اُنھوں نے جائز باتوں کو اپنے ناجائز مقاصد کے لیے دلیل بنا لیا ہے۔ ویسے عرض ہے کہ مدرسہ عموماً مسجد سے الگ ہوتا ہے۔ جگہ کی دقت کے پیش نظر اگر کہیں مسجد کے نیچے عین مسجد میں یعنی نماز والی جگہ میں واقع ہو تو مفتی صاحب کو اس مجبوری کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ جلسے کبھی کبھار ہوتے ہیں۔ تکبیرات تشریق سال بھر کے بعد ہوتی ہیں اور طواف خود نماز کی طرح ایک عبادت ہے اس سے کسی کو ریس نہیں۔ برخلاف بریلوی ذکر کے کہ ہر نماز کے بعد معاً زوردار آواز میں اس کی گونج سنائی دینے لگتی ہے۔ یہ ذاکرین نمازیوں کی نماز کا ستیاناس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اصل میں نماز کا خراب ہو جانا ان کے ہاں کوئی مسئلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ان کی بدعت سلامت رہنی چاہیے۔

اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

﴿۳۵۲﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "گیارھویں کا بکرا یا غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے جیسے کہ ولیمہ کا جانور"۔

مفتی صاحب چاہتے تو اور بھی مثالیں دے سکتے تھے، جیسے پولٹری فارم کی مرغی ڈیری فارم کا دودھ مکھن یا ساہیوال کی گائے وغیرہ۔غور فرمایئے کجا عورتوں کی طرف نسبت اور کجا دوسری نسبتیں۔

﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا مراد ہے۔

﴿۳۵۳﴾ فرماتے ہیں: "تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے":

معناه ما ذبح به لاسم غير الله مثل اللات والعزى و اسماء الانبياء.

"آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ وہ ہے جو بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا تھا"۔

مفتی صاحب نے ترجمہ شریف صحیح نہیں فرمایا۔تفسیر میں بتوں کا ذکر نہیں ہے لات وعزیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں کا ذکر ہے۔مقصد یہ ہے غیر خدا کوئی بھی ہو لات وعزیٰ ہوں یا انبیاء کرام ان کے نام کا ذبیحہ حرام ہے۔

﴿۳۵۴﴾ فرماتے ہیں: "تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے":

من ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فى زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانوا ينذرونها.

"اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لیے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں"۔

اس میں تو گیارھویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرما دیا نام لے کر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ جو کہ عرب وعجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں۔شامی باب الذبح میں ہے:

اعلم ان المدار على القصد عند ابتداء الذبح.

"جاننا چاہیے کہ حلت وحرمت کا دارومدار ذبح کے وقت نیت کا ہے"۔

عالمگیری باب الذبح میں ہے (ج ۵ ص ۲۸۶):

مسلم ذبح شاة المجوسى لبيت نارهم او بكافر لالهتهم توكل لانه سمى الله تعالىٰ.

"مسلمان نے مجوسی کی بکری جو ان کے آتشکدہ کے لیے یا کافر کی ان کے بتوں (صحیح ترجمہ معبودوں) کے لیے تھی ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے۔مگر یہ کام مسلمان کے لیے مکروہ ہے"۔

....الحمدللہ بخوبی ثابت ہوا کہ "گیارھویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعث ثواب ہے"۔

گیارھویں کا جانور حلال ہے یا حرام یہ بحث الگ رہی یہ جو مفتی صاحب نے آخر میں فرمایا ہے: "یہ باعثِ ثواب ہے" اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے متعلق گزارش ہے ابھی اُنھوں نے خود عالمگیری کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے کہ "کافر کی بکری جوان کے معبودوں کے لیے تھی مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو حلال ہے مگر یہ کام مسلمان کے لیے مکروہ ہے"۔

سوال یہ ہے کہ جب غیر اللہ کے نام پر پکاری ہوئی کافر کی بکری اگر مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے تو باوجود حلال ہونے کے یہ کام مکروہ ہو تو غیر اللہ کے نام پر پکاری ہوئی مسلمان کی بکری اللہ کے نام پر ذبح کی جائے تو یہ فعل کیوں باعث ثواب ہو؟ کیا بلحاظ شرک کے اللہ تعالیٰ نے معبودوں میں کوئی فرق روا رکھا ہے۔ یعنی کافروں کے معبودوں کو بکری میں شریک کرنا مکروہ ہو اور مسلمانوں کے معبودوں کو شریک کرنا باعثِ ثواب ہو۔ ابھی خود مفتی صاحب نے تفسیرات احمدیہ سے حوالہ دیا ہے جس میں ملاں جیون نے لات وعزیٰ کے ساتھ ہی انبیاء کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک گیارھویں کے حلال ہونے کا تعلق ہے تو گزارش ہے کہ تفسیرات احمدیہ ہو یا شامی ہو یا عالمگیری ہو یہ بریلویوں اور دیوبندیوں کی متفق علیہ کتابیں ہوں تو کسی مسئلہ میں بریلویوں اور دیوبندیوں کا اتفاق ہی اگر اس کے صحیح ہونے کی سند ہے تب تو واقعی "الحمدللہ" گیارھویں وغیرہ کے جانور کا حلال وطیب ہونا ثابت ہوگیا۔ لیکن اگر کسی مسئلہ کی حلت وحرمت میں قرآن و حدیث کو بھی دخل ہو اور اس دخل کو مداخلت بے جا تصور نہ کیا جاتا ہو تو فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

"اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام فسق ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ہے۔ نیز فرمایا:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۷۳)

"سوائے اس کے نہیں کہ حرام کیا اوپر تمہارے مردار اور لہو اور گوشت سور کا اور جو کچھ پکارا جائے اوپر اسکے واسطے غیر اللہ کے"۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

معلوم ہوا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے یا ذبح سے پہلے پکارا جائے جانور پر پکارا جائے یا غیر جانور پر پکارا جائے بہرصورت وہ شئی حرام ہو جاتی ہے۔ نیز فرمایا:

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدہ: ۳) "اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو"۔

اس سے معلوم ہوا جانور خواہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی کیوں نہ ذبح کیا جائے۔ مگر ذبح ایسے مقام پر کیا جائے جہاں غیر اللہ کی تعظیم و پرستش کی جاتی ہو جیسے مندر اور مزار وغیرہ جس کو تھان یا استھان کہتے ہیں وہ بھی حرام ہے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ایک صحابی نے بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا اگر وہاں کسی بت کی پرستش نہیں ہوتی تھی یا مشرکوں کا کوئی میلہ نہیں لگتا تھا تو اپنی نذر پوری کرلو۔ (عن ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ ابوداؤد حدیث ۳۳۱۳، مشکوٰۃ باب النذور ص ۲۹۸) ❶

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ﴿مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے "اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"۔ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اُہِلَّ کے معنی بلند آواز سے پکارنے کے ہیں، ذبح کرنے کے نہیں ہیں۔

تخریج: ❶ صحیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات و جوابات

۳۵۵ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: "اھلال کے معنی مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہٰذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا یا شیخ کی گائے اگر چہ خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے"۔

پھر نوٹ لکھتے ہیں: "یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کا ہے۔ وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے"۔

پھر جواب دیتے ہیں: "اھلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا مگر عرفی معنی میں بوقت ذبح پکارنا اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں"۔

بے شک اہلال کے لغوی معنی مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ بوقت ذبح پکارنا بھی اس کا ایک موقع و محل ہے اور بوقت ذبح پکارنے کی تخصیص یہ بریلویوں کا عرف تو ہوسکتا ہے اہلسنت کا عرف نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا کہ غیر اللہ کے نام کا اہلال زندگی میں ہو یا بوقت ذبح وہ مردار ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں: "اگر یہ نیت ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو۔ تو اگر چہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں تب بھی وہ ذبیحہ حرام ہوگا"۔ (فتاویٰ عزیزیہ ج۱ ص ۴۷)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "بزرگوں کے لیے جو نذریں حیوانات کی مانتے ہیں اور ان کی قبروں پر لے جا کر ذبح کرتے ہیں، فقہی روایات نے اس عمل کو شرک میں داخل کیا ہے۔ (مکتوب نمبر ۴۱ دفتر ۳ ص ۷۳)

اصل میں یہ مسئلہ نذر لغیر اللہ کا ہی ہے۔ قبل ازیں مفتی صاحب لکھ آئے ہیں: اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے، یہ نذر شرعی نہیں نذر لغوی ہے۔ (ص ۳۰۷) یہاں انہوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ گیارہویں کا بکرا غوث پاک کی گائے شرعاً حلال ہے۔ (ص ۲۵۸)

اس جگہ مفتی صاحب نے لغات کا سہارا لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی بلکہ دوسرا چکر چلایا ہے یعنی مَآ اُهِلَّ کو عُرفی پر محمول کر کے گیارھویں کو شرعاً حلال کر دیا ہے۔ اور یہ فرمادیا ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لینا چاہیے زندگی میں جائز ہے۔

۳۵۶ مفتی صاحب نے دوسرا جواب یہ دیا ہے، قرآن فرماتا ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰـكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ﴾

"اللہ تعالیٰ نے بحیرہ کو مشروع کیا اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں"۔

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے جن کو کفار عرب بتوں وغیرہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمائی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا:

﴿كُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ﴾

"کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو"۔

مفتی صاحب اِدھر اُدھر سے مواد اکٹھا کر کے کام چلا لیتے ہیں۔ پہلی آیت سورہ مائدہ (۱۰۳) کی ہے جو مدنی ہے اور دوسری آیت سورہ الانعام (۱۴۲) میں ہے جو مکی ہے۔ اسے اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ مفتی صاحب نے ان دونوں آیتوں کے آخری حصوں پر عمل کیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ کھاؤ، تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتوں کے نام کے چھوڑے گئے۔ بحیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائبہ وغیرہ جانوروں کو پکڑ پکڑ کر کھانا شروع کر دیا تھا۔

آگے شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۳۸۵ کا حوالہ دیا ہے:

المراد انکار ما حرموا علی انفسھم من السائبة الوصیلة والبحیرة والحام وغیر ذلک وانها لم تصر حرامًا بتحریمهم.

"یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے، بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانوران کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے"۔

فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لے تو حلال ہے۔ ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے"۔

سوال یہ ہے کہ ہندو لوگ جو سانڈ بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں کیا پھر وہ اس پر اپنی ملکیت قائم رکھتے ہیں۔ اگر ان کی ملکیت بحال رہتی ہے تو چھوڑنے کا کیا مطلب اور اگر چھوڑ دیا تو ملکیت کیسی اور اسے ذبح کر کے کھالینا مفتی صاحب کے نزدیک منع کیوں؟ مفتی صاحب نے امام نووی رحمہ اللہ کی پوری بات نقل نہیں کی اگر متصل اگلے الفاظ بھی بیان کر دیتے تو یہ اپنا مطلوبہ نتیجہ نہیں نکال سکتے تھے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

((و کل مال ملکه العبد فهو حلال)). "انسان جس مال کا مالک ہو وہ اس کے لیے حلال ہے"۔

یعنی مالک کے لیے حلال ہے دوسروں کے لیے حلال نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے مال کو تب ہی حلال جانے گا اگر وہ بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دینے کے نظریہ سے تائب ہو جائے گا۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے گائے جو درحقیقت حلال ہے لیکن اگر چوری کی ہو تو حرام ہے اور حلال ہونے کے باوجود اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ وہ چوری کی ہے۔ چوری والی حیثیت ختم کر دی جائے تو اسے کھانا حلال ہو جائے گا۔ اسی طرح غوث پاک کا بکرا اور شیخ سدو کی گائے درحقیقت حلال ہیں لیکن ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اگر ان کی یہ حقیقت ختم کر دی جائے الفاظ واپس لے لیے جائیں اور عقیدہ درحقیقت درست کر لیا جائے تو حرمت حلت میں بدل جائے گی کیونکہ یہ جانور بذاتِ خود حرام نہیں ہیں۔ خارجی وجہ سے حرمت پیدا کی گئی وہ وجہ ختم ہو گئی تو ان کا کھانا حلال ہو گیا۔

﴿۳۵۷﴾ جیسے خود مفتی صاحب نے لکھا ہے: "غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے۔ تو منع وہی شئے ہوئی ہے جو حرام ہو۔ تو جس طرح ایک شئے ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے حرام ہوئی ہے چوری کی وجہ سے بھی حرام ہوئی ہے اسی طرح ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ہونے کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہے حالانکہ وہ بذاتِ خود حلال ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی غیر اللہ کے چڑھاوے کو حلال قرار نہیں دیا۔ چاہے یہ کسب ہندو کریں یا نام نہاد مسلمان کریں بلکہ ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ فرما کر مردار اور خنزیر کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اِلا یہ کہ اس کی یہ حیثیت ختم کر دی جائے۔

تھوڑی سی وضاحت اور کر دوں ہمارے یہ نام نہاد مسلمان بھائی اپنے جانوروں پر غوث پاک یا شیخ سدو کا نام پکارتے ہیں اور پھر انہیں حلال سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرکین اپنے معبودوں کے نام پر پکارے ہوئے جانوروں یعنی بحیرہ سائبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہارے لیے یہ حلال ہیں تم انھیں بسم اللہ پڑھ کر کھالو بلکہ اس کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے انھیں حرام کرنے والی علّت اس میں ترک کر دیں امام نووی کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((کل مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ)). (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۸۵ حدیث ۱۳۸۵)

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں“۔

اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ ہر بچہ پیدائشی طور پر مسلمان ہوتا ہے لہٰذا یہود و نصاریٰ وغیرہ بھی مسلمان ہی ہیں۔ جب کہ یہ مطلب ہے کہ اصل میں وہ مسلمان تھے ان کے والدین نے انھیں یہود و نصاریٰ بنا دیا۔ ہاں اگر وہ اپنی یہ حیثیت ختم کر دیں یعنی اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں اور دوبارہ اسلام قبول کریں تو وہ مسلمان ہی سمجھے جائیں گے۔ جیسے بریلوی عوام پیدا موحد ہوتے ہیں لیکن بڑے ہو کر ماں باپ یا پیروں فقیروں یا جاہل مولویوں کے کہنے پر شرک و بدعات کرنے لگ جاتے ہیں، اگر وہ شرک و بدعات سے توبہ کر کے اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں تو توحید پرست سمجھے جائیں گے۔ فافہم۔

﴿۳۵۸﴾ مفتی صاحب خیر سے اپنی کھوپڑی میں بھیجے کا بھی کچھ اسٹاک رکھتے تھے، فرماتے ہیں: مَآ اُهِلَّ بِهٖ کے مَآ میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا جائے یا کسی اور نیت سے بہرحال حرمت آنی چاہیے تو زید کا بکرا عمر کی بھینس زید کے آم بکر کے باغ کے پھل فلاں کی بیوی ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام“۔

افسوس کہ یہ لوگ گدھے اور گھوڑے میں بھی تمیز کی صلاحیت نہیں رکھتے نہ انھیں سنت اور بدعت میں فرق نظر آتا ہے نہ بدعت اور ایجاد میں فرق نظر آتا ہے نہ مردوں سے استمداد اور زندوں سے تعاون لینے میں فرق نظر آتا ہے نہ غوث پاک کی گائے اور ماجے ساجے کی بھینس میں فرق نظر آتا ہے۔ اللہ جانے یہ جہالت ہے یا تجاہل عارفانہ ہے۔

مفتی صاحب نے یہ جتنی مثالیں دی ہیں ان میں کوئی ملکیت کی نسبت ہے کوئی ایصالِ ثواب کی نیت ہے اور کوئی تصنیف کی نیت ہے۔ بھلا کوئی پوچھے زندگی میں ہی ذبح کیے بغیر غوث پاک کے بکرے یا شیخ سدو کی گائے میں کونسی نسبت ہے۔ سوائے نذر شرعی کے جس کے متعلق خود مفتی صاحب فرما چکے ہیں: ”فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے۔ اسی لیے فرماتے ہیں تقربًا اللّٰھم نذر شرعی عبادت ہے، وہ غیر اللہ کے لیے ماننا یقیناً کفر ہے“۔ (ص ۳۰۷)

﴿۳۵۹﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پالا۔ بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اُهِلَّ میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا مَآ اُهِلَّ کی حد میں آ گیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا“۔

یہ استدلال تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے جس نے ایک بار بھی شرک کا کلمہ منہ سے پھوٹ دیا وہ ہمیشہ کے لیے مشرک ہو گیا اور اس کے لیے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے بند ہو گیا۔ اب وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کوئی شخص سو سال تک بھی مشرک رہا ہو۔ نزع کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے پہلے اسے کلمہ طیب نصیب ہو جائے تو وہ مسلمان ہے اور جنتی ہے۔ اسی طرح میرے بھائی جب تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانور ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾ کی نیت سے تھا وہ حرام تھا۔ اور جب اللہ کے لیے ہو گیا تو وہ حلال ہو گیا ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾ کو ذبح کے ساتھ خاص کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ذبح کے وقت شرک جائز نہیں پہلے جائز ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس لحاظ سے جانور کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا یا اس پر غیر اللہ کا نام پکارنا عند الذبح جائز نہیں قبل از ذبح کیوں جائز ہے۔ کیا کسی فعل کے شرک ہونے یا نہ ہونے کے لیے کوئی وقت بھی مخصوص ہوتا ہے۔ جو بات آج شرک ہے وہ کل بھی شرک تھی اور تا قیامت شرک رہے گی۔

۳۶۰ مفتی صاحب نے ذبح کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں: ① رب کی رضا کے لیے خون بہانا جیسے قربانی، عقیقہ، نذر۔ ② چھری کی دھار دیکھنے کے لیے۔ ③ گوشت کھانے کے لیے جیسے ولیمہ یا فاتحہ بزرگاں۔ ④ غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے خون بہانا مقصود ہو جیسے ہندو لوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ (ملخص)

مفتی صاحب نے نہایت عیاری کے ساتھ فاتحہ بزرگاں کو ولیمہ کے ساتھ نتھی کر دیا ہے۔ حالانکہ ولیمہ میں غیر اللہ کا کسی بھی لحاظ سے تصور تک نہیں ہوتا۔ نیز ولیمہ کے لیے عموماً قصائیوں سے بھاؤ مقرر کر کے گوشت خریدا جاتا ہے جب کہ مسئلہ زیر بحث میں بزرگوں کے نام پر باقاعدہ جانور پالے جاتے ہیں یا قربانی کی طرح سالم جانور خرید کر قبروں کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے، گوشت نہیں خریدا جاتا۔ یہ اصل میں چوتھی قسم ہی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے ہندو یہ کام اپنے بزرگوں کے بتوں کو راضی کرنے کے لیے کرتے ہیں اور بریلوی اپنے بزرگوں کی قبروں کو راضی کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ وہ اسے بھینٹ کہتے ہیں، یہ اسے فاتحہ یا نیاز کا نام دیتے ہیں۔ گویا یہ ہندوانہ رسم ہی ہے جسے برائل کر کے بریلوی بنا لیا گیا ہے۔

۳۶۱ مفتی صاحب بطور اعتراض نقل کرتے ہیں، شامی ج ۲ کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے:

والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق.

"مخلوق کے لیے نذر جائز نہیں اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی"۔

جواب دیتے ہیں کہ "یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ۔ استاد سے کہتے ہیں کہ یہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ"۔

مفتی صاحب پہلے فرما چکے ہیں: "اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں نذر لغوی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ۔ جیسے کہ میں استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے"۔ (ص ۳۰۷)

یہاں انھوں نے لغوی کی بجائے عرفی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نذر بمعنی نذرانہ نذر کا لغوی معنی ہے یا عرفی معنی ہے۔ کیونکہ لغت اور عرف میں فرق ہوتا ہے مفتی صاحب الفاظ کے ہیر پھیر کے ماسٹر ہیں یہ اپنی صلاحیت سے بہت ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیا واقعی ایک معتقد کے دل میں غوث پاک کے بکرے یا شیخ سدو کی گائے کے متعلق وہی تصور ہوتا ہے جو ٹیوشن فیس کا ہوتا ہے۔ اگر ان مولویوں کو یہ فرق نظر نہیں آتا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کافروں کو بیع اور سود میں فرق نظر نہیں آتا تھا یا آج کل بھی کئی لوگوں کو ہدیہ اور رشوت میں فرق نظر نہیں آتا۔

نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا
اس خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

۳۶۲ لکھتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے: ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ (البقرہ: ۵۸)

''یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں''۔

''اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس میں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی آرام گاہ ہے۔ اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ قبول ہوتی ہے''۔

مفتی صاحب نے ترجمہ میں غلط بیانی کی ہے قرآن پاک میں بیت المقدس کے الفاظ نہیں ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس آیت میں کس بستی کا دروازہ مراد ہے۔ اگر بیت المقدس ہی مراد ہو تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ سجدہ قبور انبیاء کی وجہ سے تھا۔ وہاں مسجد اقصیٰ ہے جو ان کا قبلہ تھی۔ ظاہر ہے سجدہ اسی کی طرف تھا۔ اور تعظیم اسی کی مقصود تھی جس کو سجدہ کیا جانا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ جو لوگ مکہ مکرمہ میں جاتے ہیں اور وہاں جا کر نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ تو کیا خیال ہے یہ سب کچھ خدا اور خانہ خدا کی وجہ سے ہوتا ہے یا جنۃ المعلّٰی کی وجہ سے ہے جو نیک لوگوں کا قبرستان ہے۔ اصل میں جیسا کہ اس آیت کے تحت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''یہ فتح کی خوشی میں شکرانے کا سجدہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو سواری پر بیٹھے بیٹھے جھک گئے''۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۹۸) پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت نماز بھی ادا فرمائی۔ (عن ام ہانی بخاری ص ۱۵۷ حدیث ۱۱۷۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتحانہ ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے تو اس سنت کے مطابق آٹھ رکعت نماز فتح پڑھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۹۹)

اب ایران میں کن قبور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم مقصود تھی۔ مفتی صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کی آرام گاہ کا ذکر کرکے خواہ مخواہ بے آرام ہوئے۔

۳۶۳ فرماتے ہیں، مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ میں ہے:

عن زارع و كان فی وفد عبدالقيس قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله ﷺ و رجله. (ابوداؤد باب الادب حديث ۵۲۲۵، مشكوة باب المصافحة والمعانقة ص ۴۰۲)[1]

''حضرت زارع جو وفد عبدالقیس میں شامل تھے فرماتے ہیں جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اُترنے میں جلدی کرنے لگے۔ پس ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے''۔

اس کی سند میں مطر الاعنق متفرد ہے۔ (میزان للذہبی) یہ مقطوع روایتیں بیان کرتا تھا۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۱۴۹) اسی طرح ایک اعرابی کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا:

ائذن لی ان اقبل رأسك و رجليك فاذن له. (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵۸ تعلیقات سلفیه ج ۲ ص ۱۶۴)

''مجھے اپنے سر اور پاؤں مبارک کو چومنے کی اجازت دیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی''۔

اس کی سند میں صالح بن حیان کوفی ضعیف ہے۔

۳۶۴ مفتی صاحب لکھتے ہیں: مشکوٰۃ باب الکبائر و علامات النفاق میں حضرت صفوان بن عسال سے روایت ہے (دو یہودیوں

تخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے نبی ﷺ سے ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ﴾ (بنی اسرائیل) کے متعلق معلومات حاصل کیں)۔

فقبلوا يديه و رجليه. (عن صفوان بن عسال نسائی کتاب المحاربه باب السحر حديث ۴۰۸۳) ❶

"پس انھوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ پاؤں کو بوسے دیئے"۔

اس کی سند میں عبداللہ بن سلمہ کوفی کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔ بعض نے اسے ضعیف بھی کہا ہے۔ (تقریب التہذیب)

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال الترمذی حسن صحیح وهو حدیث مشکل و عبدالله بن سلمة فی حفظه شیء وقد تکلموا فیه ولعله اشتبه علیه التسع الایات بالعشر الکلمات فانها وصایای التوراة لا تعلق لها بقیام الحجة علی فرعون... ای مناسبة بین هذا و بیان اقامة البراهین علی فرعون و ما جاء هذا الوهم الا من قبل عبدالله بن سلمة فان له بعض ما ینکر. (ج ۳ ص ۶۷)

"امام ترمذی رحمہ اللہ اسے صحیح بتلاتے ہیں لیکن یہ ذرا مشکل حدیث ہے اس لیے کہ اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کے حافظے میں قدرے قصور ہے اور ان پر جرح بھی ہے ممکن نو کلمات کا شبہ انھیں نو آیات سے ہو گیا اس لیے کہ یہ تورات کے احکام میں فرعون پر حجت قائم کرنے والی یہ چیزیں نہیں... ان پر حجت ہونے اور ان پر احکام کے بیان ہونے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں۔ یہ وہم صرف عبداللہ بن سلمہ راوی حدیث کی وجہ سے لوگوں کو پیدا ہوا۔ اس کی بعض باتیں واقعی قابل انکار ہیں"۔

۳۶۵ لکھتے ہیں، مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت بروایت ترمذی حدیث ۹۸۹ (باب تقبيل الميت) ابوداؤد میں ہے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضور ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا"۔ (حدیث ۳۱۶۳) ❷

گو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح فرمایا ہے مگر اس میں ایک راوی عاصم بن عبیداللہ بن عاصم کو یحییٰ بن معین اور امام بخاری رحمہما اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ ہاتھ پاؤں چومنے کے بارے میں کچھ اور روایتیں بھی آتی ہیں۔ اگر ان کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کی دو ہی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں یا تو کبھی کبھار آنے والے اور اسلامی آداب سے نا آشنا بعض لوگوں کی طرف سے یہ محبت کا بے ساختہ اظہار تھا۔ یا کسی نے کوئی اہم دینی کام انجام دیا تو اس کے ہاتھ وغیرہ چوم کر اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ یہ کوئی باقاعدہ رسم نہیں تھی نہ یہ نبی ﷺ کی تعلیم تھی نہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔ خلفائے راشدین کا طریقہ اگر ہمارے لیے حجت ہے تو انھوں نے کبھی حضور ﷺ کے ہاتھ پاؤں کو بوسے نہیں دیئے۔ نہ ہی نبی ﷺ نے یا خلفائے راشدین نے کبھی حنفی مشائخ کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں آگے بڑھائے کہ لو انھیں بوسے دیتے چلے جاؤ۔ کیا یہ مشائخ ان سے زیادہ متبرک ہیں۔

۳۶۶ فرماتے ہیں: "شفا شریف میں ہے جس منبر پر حضور ﷺ خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے"۔

یہ حوالہ معتبر نہیں ہے۔

تخریج: ❶ حسن ہے۔ ❷ حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے فتح الباری ج ۳ ص ۴۷۵ باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانین سے تین ٹکڑے نقل کیے ہیں۔

① استنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الاركان جواز تقبيل كل من يستحق العظمة من آدمي وغيره.

"ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگانِ دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے"۔

عرض ہے کہ عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ صرف حجر اسود اور رکن یمانی کو مس کرتے ہیں تو فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف انہی دونوں کو مس کرتے دیکھا ہے"۔ (بخاری ص ۲۱۸ حدیث ۱۶۰۹)

اندازہ فرمایئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو یمانی ارکان پر قیاس کر کے خود خانہ کعبہ کے شامی ارکان کا استلام کرنے کو تیار نہ تھے۔ کجا دوسری چیزوں کو ان پر قیاس کرنا کہاں کی عقلمندی ہے اور پھر یہ بعض علماء نہ جانے کون ہیں۔ بخاری شریف کے حاشیہ پر امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مسلک بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطابق لکھا ہے۔ (حاشیہ بخاری ص ۲۱۸)

② نقل عن الامام احمد انه سئل عن تقبيل قبره قال فلم يربه بأسا.

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر یا قبر چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں"۔

یہ محض افواہ ہے۔ کاش مفتی صاحب اگلے الفاظ بھی درج فرما دیتے ہیں جو یہ ہیں:

و استبعد بعض اتباعه صحة ذلك. "بعض حنابلہ نے اس کی صحت کو تسلیم نہیں کیا"۔

③ نقل عن ابن ابي اليماني احد علماء مكة من الشافعي جواز تقبيل المصحف و اجزاء الحديث و قبور الصالحين.

"ابن ابی یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے قرآن کریم اور حدیث کے اوراق اور بزرگانِ دین کی قبریں چومنا جائز ہیں"۔

مفتی صاحب نے کسی شافعی عالم کا یہ مجہول قول تو نقل کر دیا ہے لیکن قبل ازیں فتح الباری ہی میں موجود خود امام شافعی رحمہ اللہ کا شامی ارکان کو استلام نہ کرنے کے بارے میں یہ قول نقل نہیں کیا وہ فرماتے ہیں: "ہم تو سنت کی پیروی کریں گے چاہے وہ سنت فعلیہ ہو یا ترکیہ"۔

﴿۳۶۷﴾ مفتی صاحب نے حجر اسود پر قیاس کر کے قبور صالحین اور بزرگانِ دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس و نعلین کو چومنا جائز رکھا ہے۔

سوال یہ ہے کیا یہ بھی کعبے کی طرح ہے۔ معلوم ہوتا ہے بریلویوں کے نزدیک خانہ کعبہ اور حجر اسود کی عزت بزرگوں کی جوتی برابر ہے معاذ اللہ اگر حجر اسود کو بوسے دینے سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہو سکتا ہے تو پھر خانہ کعبہ کی طرح ان کا طواف بھی کیا جا سکتا ہے۔ انھیں قبلہ بھی بنایا جا سکتا ہے ان کا حج بھی کیا جا سکتا ہے۔ صرف چومنے تک بات کیوں رکھی جائے۔ حالانکہ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۱ میں لکھا ہے:

و لا يمسح القبر و لا يقبله فان ذلك من عادة النصارى.

"اور نہ قبر کو ہاتھ لگائے اور نہ اسے بوسہ دے، یہ عیسائیوں کی رسم ہے"۔

﴿۳۶۸﴾ فرماتے ہیں: "بزرگانِ دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾ (البقرہ: ۲۴۸)

"ان کے نبی نے انھیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آلِ موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ فرشتے اسے اُٹھا کر لائیں گے"۔

"..... بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لیے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دُعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دُعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگانِ دین کے تبرکات سے فیض لینا ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے"۔

مفتی صاحب نے اس تابوت کے بارے جو کچھ ارقام فرمایا ہے سب از قبیل اسرائیلیات ہے۔ قرآن وسنت سے ان پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی ﷺ کے تبرکات کو سامنے رکھ کر جنگ نہیں لڑی نہ کبھی اس طرح دُعا مانگی ہے لہٰذا یہ استدلال لغو ہے۔

﴿۳۶۹﴾ فرماتے ہیں: جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویز بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں۔ (بحوالہ تفسیر خازن ومدارک وغیرہ)

یہ صریح کذب بیانی اور نبیوں کے ساتھ مذاق ہے معصوم بچے نے پرداداجان کی قمیص پہن رکھی تھی یا اسے گلے میں مفلر کی طرح لپٹا ہوا تھا۔ نہایت لغوبات ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام تو وہ ہیں جن کا یہ مذہب تھا:

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ (یوسف: ۶۷)

"میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

﴿۳۷۰﴾ فرماتے ہیں: "آبِ زمزم کی تعظیم اس لیے ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا"۔

یہ بھی غلط ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

فاذا هي بالملك عند موضع زمزم فبحث بعقبه او قال بجناحه حتى ظهر الماء. (بخاری ص ۴۷۵ حدیث ۳۳۶۴)

"حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اچانک دیکھا کہ زمزم والی جگہ میں جبریل علیہ السلام کھڑے ہیں انہوں نے اپنی ایڑھی یا بازو سے زمین کو کھودا یہاں تک کہ پانی نکل آیا"۔

اس انکشاف کے بعد آبِ زمزم کی تعظیم کے بارے میں کیا خیال ہے؟

﴿۳۷۱﴾ فرماتے ہیں: مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ ربّ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ "سب کے سر اُدھر جھکا دیئے"۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مطابق آیت کا ترجمہ یہ ہے: "اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ"۔

اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں: "اس کو نماز کا مقام بنانے کا امر استحباب کے لیے ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نماز سے طواف کی دو رکعتیں مراد ہیں"۔

مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ سب کے سر اُدھر جھکا دیئے، نہایت خطرناک جملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کا حکم دیا ہے قبلہ بنانے کا حکم نہیں دیا۔ اللہ کے حکم سے مسلمانوں کے سر صرف خانہ کعبہ کی طرف جھکتے ہیں۔ کسی مقام پر نماز پڑھنے سے مراد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُدھر سر جھکانا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے تو کیا ان کی طرف سر جھکانا تو تب مانا جائے اگر خانہ کعبہ کی طرف سے اُدھر سر جھکانا جائز ہوتا۔ حقیقت یہ ہے اصل چیز مقام ابراہیم نہیں بلکہ اصل چیز خانہ کعبہ بھی نہیں اصل چیز اللہ ربّ العزت کا حکم ہے۔ خانہ کعبہ پہلے بھی تھا، مقامِ ابراہیم پہلے بھی تھا۔ مگر جب تک اللہ جل جلالہٗ نے کعبہ کو قبلہ یا مقام ابراہیم کو مصلّی بنانے کا حکم نہیں دیا، مسلمانوں نے از خود کعبہ کو قبلہ یا مقام ابراہیم کو مصلّی نہیں بنایا۔ یہ لوگ بہت عاشق رسول بنتے ہیں۔ میرے جذبات یہ ہیں اگر اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے نعلین شریفین کو قبلہ بنانے کا حکم دے دیتا تو خدا کی قسم ہم کو اس پر بھی عمل کرنے سے دریغ نہ ہوگا۔ اگر محض نسبت ہی کی وجہ سے کسی شے کا مقام بلند ہوجاتا ہو تو نسبت کے لحاظ سے منبر نبوی کا مقام مقام ابراہیم سے بلند تر ہونا چاہیے تھا اور ادھر بھی سر جھکانے کا حکم ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم علیہ السلام کو مصلّی بنانے کا حکم دیا ہے کہ کیا بزرگوں کے تبرکات کے بارے میں بھی کوئی ایسا حکم پایا جاتا ہے۔

مفتی صاحب اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ عین نماز کے حالت میں غیر اللہ کی تعظیم جائز ہے کہ مقام ابراہیم کا احترام نماز میں ہوتا ہے لہٰذا عین نماز میں حضور ﷺ کی تعظیم نماز کو ناقص نہ کرے گی بلکہ کامل بنائے گی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب پتھر نبی ﷺ کے قدم لگنے سے عظمت والا ہوگیا تو حضور ﷺ کے ازواج و اصحاب کی عظمت کا کیا پوچھنا، اس سے تبرکات کی تعظیم کا ثبوت ملتا ہے“۔

میں پوچھتا ہوں پھر کیا خیال ہے کہ نماز کے بیچ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ نبی ﷺ، صحابہ کرام یعنی ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضی رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات یعنی حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب رضی اللہ عنہن وغیرہ کی تعظیم کا خیال بھی دل میں لانا چاہیے؟ یاد رہے کہ خانہ کعبہ کی حیثیت قبلہ کی ہے۔ مقام ابراہیم کی حیثیت مصلّی کی ہے، نماز میں تعظیم تو صرف ربّ کی ہے۔ نماز کے بیچ میں غیر اللہ کی تعظیم کا عقیدہ ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ کے منافی ہے اور کھلم کھلا شرک ہے۔ عبادت جو کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہی کے پیش نظر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اما الركوع فعظموا فيه الرب)). ”رکوع میں رب کی تعظیم کرو“۔ (عن ابن عباس مسلم ج۱ ص ۱۹۱ حدیث ۱۰۷٤)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک رات تہجد میں نبی ﷺ سے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے سنا۔ (مسلم ج۱ ص ۲۶۴ حدیث ۱۸۱۴)

﴿۳۷۲﴾ مفتی صاحب فرماتے ہیں، ”مکہ معظمہ کو حضور ﷺ سے نسبت ہوئی تو ربّ تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی:

﴿ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ ﴾ ”مجھے اس شہر کی قسم“۔

﴿ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ ﴾ ”کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو“۔ (کنز الاعمال)

نیز فرمایا: ﴿ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ ﴾ ”اور اس امن والے شہر کی قسم“۔

عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ بھی قرآن پاک میں بے شمار چیزوں کی قسمیں اُٹھائی ہیں مثلاً سورج کی، چاند کی، تارے کی، دن رات کی، زمین و آسمان کی، نفس کی، قیامت کی، فجر کی۔ دس راتوں کی جفت کی، طاق کی باپ کی اولاد کی، انجیر کی، زیتون کی، طور سینین کی۔ تو کیا ان سب میں اللہ کے محبوب ہی تشریف فرما ہیں؟ تشریف فرما ہونے کا ترجمہ صرف اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب حل کو حلول سے لیا جائے۔ اکثر مفسرین نے حلال کو اس کا ماخذ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا اے نبی اس حرمت والے شہر میں تمہیں ستانا اور تمہارے قتل کی تدبیریں کرنا حلال کرلیا گیا ہے۔ یا یہ فتح مکہ کی پیشین گوئی ہے جو آٹھ ہجری میں پوری ہوئی۔ مکہ معظمہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، اس میں لڑنا مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے بھی صرف ایک گھڑی (یعنی عصر سے مغرب تک) کے لیے حلال کیا گیا۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۸۰ حدیث ۱۳۴۹)

اپنے حاشیہ میں مفتی صاحب نے بھی اس مفہوم سے اتفاق کیا ہے۔ نیز عرض ہے مکہ معظمہ حضور ﷺ کے تشریف فرما ہونے سے قبل ہی مبارک ومحترم چلا آرہا ہے:

﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ (عنکبوت: ۶۷)

"کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو با امن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں"۔

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ (آل عمران: ۹۶)

"اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے جو تمام دُنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے"۔

اس کے حاشیہ میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "سب سے پہلی عبادت گاہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس کی طرف نماز پڑھی"۔

البتہ نبی ﷺ کی وجہ سے اس کی قسمت مزید جاگ اُٹھی۔ مگر یاد رہے یہ مقام یہ عظمت اور یہ شان وشوکت فقط ان نسبتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ شان بخشی ہے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہاں سکونت اختیار فرمائی تو آپ کی طرف منسوب ہو کر اس کا نام مدینۃ الرسول یا المدینہ پڑ گیا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کا شہر۔ باوجودیکہ یہ نبی ﷺ کا شہر ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا بھی ہے:

اللهم ان ابراهيم حرم مكة و انى احرم ما بين لا بتيها. (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۴۷۷ حدیث ۳۳۶۷)

"یا اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں، ان دونوں پتھریلی وادیوں کے درمیان"۔

المدينة حرم من كذا الى كذا لا يقطع شجرها و لا يحدث فيها حدث من احدث فيها محدثا فعليه لعنة الله و الملائكة والناس اجمعين. (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۵۱ حدیث ۱۸۶۷)

"مدینہ حرم ہے یہاں سے لے کر وہاں تک اس کا درخت نہ کاٹا جائے نہ یہاں کوئی بدعت پیدا کی جائے۔ جس نے یہاں بدعت پیدا کی اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت"۔

چنانچہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ وغیرہم کا یہی مسلک ہے مگر حنفیوں کی کتاب درمختار میں لکھا ہے:

لا حرم للمدينة عندنا. "مدینہ ہمارے نزدیک حرم نہیں ہے"۔

علامہ عینی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں: "سفیان ثوری ابن مبارک، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے صاحبین کا یہ مسلک ہے کہ مدینہ حرم نہیں ہے"۔ (بحوالہ حاشیہ بخاری ص ۲۵۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان حوالہ جات سے حنفیوں کی عاشقی کا سارا پول کھل جاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا حضور ﷺ کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے کمزور تھی؟ ذرا مفتی صاحب کی قبر پرست ذہنیت ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝﴾ (الواقعہ)

"تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں۔ اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے"۔

مفتی صاحب اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور اس میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم سو رہے ہیں جو اُمت کی ہدایت کے ستارے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اصحابی کالنجوم۔ چونکہ صحابہ عظمت والے ہیں تو ان کی قبریں بھی عظمت والی ہیں۔ چونکہ یہ قسم بڑی اعلیٰ چیز کی ہے لہٰذا قسم بھی عظیم ہے"۔

میں پوچھتا ہوں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج چاند اور تارے کو ڈوبتے دیکھ کر فرمایا تھا:

﴿لَآ أُحِبُّ الْأٓفِلِينَ﴾ (الانعام) "میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا"۔

تو کیا ان سے مراد بھی ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ہی تھے۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔

﴿۳۷۳﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں، ایوب علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝﴾ (ص) "زمین پر اپنا پاؤں مار۔ یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کا"۔

"ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفا ہے"۔

مفتی صاحب نے یہ سراسر جھوٹ بولا ہے اور یہ محض اپنے پیروں کے دھوون کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے ہے اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے کی خاطر تھا۔ قرآن پاک میں اس مقام پر جس چیز کو شفا قرار دیا ہے وہ نبی کے پاؤں کا دھوون نہیں چشمہ ہے جو بحکم الٰہی نبی کے پاؤں مارنے سے معجزانہ ظاہر ہوا۔ ورنہ پھر زمزم کے بارے میں کیا خیال ہے کیا یہ بھی کسی کے پاؤں کا دھوون ہے؟

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر سورہ انبیاء (۸۳ و ۸۴) میں بھی ہے اس کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں:

"ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ زمین پر پاؤں ماریئے انھوں نے پاؤں مارا کہ ایک چشمہ ظاہر ہوا حکم دیا گیا اس سے غسل کیا تو ظاہر بدن کی تمام بیماریاں دُور ہوگئیں پھر آپ چالیس قدم چلے پھر دوبارہ زمین میں پاؤں مارنے کا حکم ہوا پھر آپ نے پاؤں مارا اس سے بھی ایک چشمہ ظاہر ہوا جس کا پانی نہایت سرد تھا آپ نے بحکم الٰہی پیا اس سے باطن کی تمام بیماریاں دُور ہوگئیں"۔

یہ جھوٹ ہے اور محض اس لیے بولا گیا ہے تاکہ چالیس قدموں کی فرضی اہمیت کو مدلل کیا جاسکے۔ قرآن پاک میں صرف ایک چشمہ کا ذکر ہے جیسا کہ ﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌۢ ... الخ﴾ سے واضح ہوا۔ چنانچہ یہی نعیمی صاحب اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ آپ نے زمین میں پاؤں مارا اور اس سے آبِ شیریں کا ایک چشمہ ظاہر ہوا۔ آپ نے اس سے پیا اور غسل کیا اور تمام ظاہری و باطنی مرض اور تکلیفیں دفع ہوگئیں"۔

﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ کے متعلق مفتی صاحب نے یہاں تو یہ لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفا ہے۔ مگر اس آیت کے تحت اپنے حاشیہ میں یہ فرمایا ہے اطبا کہتے ہیں کہ اب بھی خارش میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا مفید ہے جو اس آیت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہے۔

﴿۳۷۴﴾ مفتی صاحب نے نبی ﷺ کے چند تبرکات کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ "ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگانِ دین کی استعمالی چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے"۔ ہمیں اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ یہ قیاس تب صحیح ہوسکتا ہے اگر بزرگانِ دین کو حضور ﷺ سے بڑھ کر یا کم از کم آپ ﷺ کے ہم پلہ قرار دیا جائے۔ نعوذ باللہ

مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں: "حضورِ اقدس ﷺ کا نظیر محال بالذات ہے۔ تحت قدرت ہی نہیں۔ ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ اوّلین میں نہ آخرین میں نہ انبیاء میں نہ مرسلین میں"۔ (ملفوظات ص ۳۰۷) تو جب قادرِ مطلق نبی ﷺ کی نظیر پیدا کرنے پر قادر نہیں تو بریلوی حضرات اپنے بزرگوں میں نبی ﷺ سے تبرکات کی نظیر پیدا کرنے پر کیونکر قادر ہو گئے۔ نیز ان کے نزدیک تو نبی ﷺ کے فضلات یعنی ٹٹی پیشاب بھی پاک ہیں۔ (جاء الحق ص ۱۷۷ بحوالہ شامی باب الانجاس و مرقات باب احکام المیاہ)

اگر قیاس سے ہی کام لینا ہے تو کیا بریلویوں کے نزدیک ولیوں کے بول و براز بھی تبرکات کا درجہ رکھتے ہیں۔

مفتی صاحب نے سنت صحابہ کا لفظ یوں بولا ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بجائے نبی ﷺ کے ان کے بزرگوں کی استعمالی چیزوں سے برکت حاصل کرتے رہے ہوں۔ حقیقت یہ ہے ان کا تبرکات نبوی ﷺ کو ذکر کرنا شانِ نبوت بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کے تبرکات کو راہ ہموار کرنے کے لیے ہے۔ بلکہ ان کا حضور ﷺ کی ہر منقبت بیان کرنا دراصل اپنے بزرگوں ہی کی منقبت ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے فضائل و مناقب سے تو صرف مثال کا کام لیا جاتا ہے ورنہ اصل مقصد تو اپنے بزرگوں کے فضائل و مناقب ہی کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔

﴿۳۷۵﴾ مفتی صاحب فقہی حوالے دیتے ہوئے فرماتے ہیں، عالمگیری کتاب الکراہیہ باب زیارت القبور (ج ۵ ص ۳۵۱) میں ہے:

لا باس بتقبیل قبر والدیه. "والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں"۔

درمختار ج ۵ کتاب الکراہیہ آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ:

تقبیل المصحف قیل بدعة لکن روی عن عمر انه کان یاخذ المصحف کل غداة و یقبله و اما تقبیل الخبز فجوز الشافعیة انه بدعة مباحة و قیل حسنة.

"قرآن پاک چومنے کو بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح قرآن پاک ہاتھ میں لے کر چومتے تھے۔ اور روٹی کا چومنا اس کو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے"۔

پھر لکھتے ہیں مولانا رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۵۴ پر فرماتے ہیں: "تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے اور حدیث سے ثابت ہے"۔

دیوبندی حضرات مانیں یا نہ مانیں کم از کم آدھے بریلوی تو ضرور ہیں۔ اسی قسم کے پروٹوکول نے افسر شاہی کی طرح ان مشائخ کا مزاج بھی بگاڑ کر رکھ دیا ہوا ہے۔ ان میں جو چار حرف پڑھ جائے وہ حضرت صاحب بن جاتا ہے۔ اس سے اپنی بزرگی ہی نہیں سنبھالی جاتی۔ میں دیوبندیوں اور بریلویوں دونوں سے پوچھتا ہوں کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ کیا یہ بات آپ ﷺ کو پسند تھی۔ کیا نبی ﷺ کے کسی تربیت یافتہ صحابی نے کبھی آپ ﷺ کے پاؤں چومے یا آپ کے بزرگ پیشہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات کی طرح کسی سے اپنے پاؤں چھوانے کو معمول بنایا۔ نبی ﷺ نے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی قبروں کو چوما؟ مفتی صاحب نے عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔ ظاہر ہے اس سے ان کا مقصد بزرگوں کی قبریں چومنے کے لیے جواز پیدا کرنا ہے۔ نبی ﷺ اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر تشریف لے گئے تھے کیا آپ نے اسے بوسہ دیا تھا؟ عالمگیری میں اس سے متصل پہلے یہ عبارت ہے:

و لا یمسح القبر و لا یقبله فان ذلك من عادة النصاری.

"اور نہ قبر کو ہاتھ لگائے اور نہ اسے بوسہ دے، کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادت ہے"۔

مفتی صاحب اگر یہ عبارت بھی نقل فرما دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ کم از کم انھیں اپنی فقہ کے ساتھ تو فراڈ نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہر صبح مصحف کو چومنا صحیح سند کے ساتھ بیان ہونا چاہیے فقہ حنفی کی کتابیں علم کی دنیا میں سند کے لحاظ سے معتبر مقام نہیں رکھتیں۔ جہاں تک روٹی چومنے کی بات ہے اپنے ہزار اختلاف کے باوجود حنفیہ کے لیے شافعیہ کی بات حجت ہوگئی۔ یعنی روٹی کے مسئلہ پر دونوں کا اتفاق ہوگیا ہے۔ ہاں اصل مسئلہ بھی تو روٹی کا ہی ہے۔

اس پر اعتراضات و جوابات

﴿۳۷۶﴾ اعتراض نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، درمختار ایضاً میں ہے:

و تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام لانه یشبه عبادة الوثن.

"علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے"۔

اسی کے ماتحت شامی میں ہے:

الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود، و فی المحیط.

"سلام میں رکوع کے قریب جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے"۔

انه یکره الانحناء للسلطان وغیره و ظاهر کلامهم علی اطلاق السجود علی هذا التقبیل.

"کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے۔ اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں"۔

مفتی صاحب جواب دیتے ہیں: "شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ سجدہ دو طرح کا ہے: سجدہ تحیہ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے۔ سجدہ تحیہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک تک جائز رہا، پھر اسلام نے اس سجدہ تحیہ کو حرام فرمایا"۔

دراصل مفتی صاحب ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ بریلوی لوگ اپنے پیروں یا قبروں کو جو ماتھا ٹیکتے اور سجدہ کرتے ہیں یہ نہ سجدہ عبادت ہے نہ سجدہ تحیہ۔ اس لیے اس میں ایک تو عبادت کی نیت نہیں ہوتی دوسرے اس میں ساتوں اعضاء زمین پر نہیں لگائے جاتے مگر یہ اُن کی بھول ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۰) میں صاف لکھا ہے:

و لو ترك رفع الیدین و الرکبتین جازت صلوٰة بالاجماع.

"اگر دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگائے تو نماز بالاجماع جائز ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی صرف دونوں پنجے (پاؤں) اور پیشانی زمین پر رکھ دے تو سجدہ بالاجماع جائز ہے۔ بجائے پیشانی کے صرف ناک بھی زمین پر لگا دے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تب بھی درست ہے۔ (حوالہ ایضاً) مفتی صاحب کے الفاظ کی روشنی میں بریلوی حضرات ہی یہ بات بتلا سکتے ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری والا یہ سجدہ شرعی ہے یا غیر شرعی؟ باقی جہاں تک تحیہ اور عبادت میں فرق کا تعلق ہے تو گزارش ہے کہ تحیہ ماں باپ یا بادشاہ وغیرہ کے لیے تو متصور ہو سکتا ہے ممکن ہے جن کو روحانی طاقتیں تصور کیا جاتا ہو غیبی مشکل کشاء اور کرنی والا خیال کیا جاتا ہے ان کے لیے سجدہ تحیہ نہیں ہوتا عبادت ہی ہوتا ہے لہٰذا جو شخص "صالحین" یا قبور صالحین کو سجدہ کر کے کہتا ہے کہ اس نے عبادت کی نیت نہیں کی یا اس نے شرعی سجدہ نہیں کیا تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس طرح تو بتوں کے پجاری بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ تعظیمی سجدہ بجالاتے ہیں یا یہ کہ وہ سجدہ کرتے وقت زمین پر ساتوں اعضاء نہیں لگاتے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر جو سات اعضاء لگانے کا ذکر کیا یہ سجدہ عبادت کے سلسلے میں ہے۔ سجدہ تحیہ کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اعضاء لگانے کا ذکر نہیں کیا لہٰذا بریلویوں کا تھوڑے اعضاء لگا کر اپنے سجدہ کو سجدہ عبادت قرار نہ دینا سراسر غلط فہمی ہے۔

بریلویوں نے عبادت کی ہر قسم کو غیر اللہ کے لیے جائز کر رکھا ہے صرف تھوڑی سی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے جس میں ان کے مولویوں کو اچھی خاصی مہارت حاصل ہے۔

مفتی صاحب نے تفسیر روح البیان سورہ ہود زیر آیت ﴿قِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّلِمِينَ﴾ سے یہ حکایت نقل کی ہے: "زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو ہی سجدہ کر لے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا"۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں: "ایک پری مشرف بہ اسلام ہوئی اور اکثر خدمت اقدس (نہ جانے کس کی خدمت اقدس) میں رہا کرتی تھی۔ ایک بار عرصہ تک حاضر نہ ہوئی۔ سبب دریافت فرمایا۔ عرض کی حضور میرے عزیز کا ہندوستان میں انتقال ہو گیا تھا، میں وہاں گئی تھی۔ راہ میں مَیں نے دیکھا ایک پہاڑ پر ابلیس نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس کی یہ نئی بات دیکھ کر کہا تیرا کام تو نماز سے غافل کر دینا ہے، تو خود کیسے نماز پڑھتا ہے؟ اس نے کہا: شاید ربّ العزت میری نماز قبول فرمائے اور مجھے بخش دے"۔ (ملفوظات ص ۱۵)

شیخ فرید الدین عطار حضرت ابوبکر واسطی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "طریقت شیطان ہی سے سیکھنی چاہیے جس نے نہ تو خدا کے علاوہ کسی کے سامنے سر جھکایا اور نہ عالم کی ملامت قبول کر کے اس راہ پر گامزن ہوا اس سے معلوم ہوا کہ صحیح معنوں میں جواں مرد ہی نکلا"۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۶۳)

مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں: "وہابی گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہو گا کہ اس کی گمراہی ان سے ہلکی ہے"۔ (احکام شریعت ص ۱۱۷)

معلوم ہوتا ہے بریلویوں کی ابلیس سے گاڑھی چھنتی ہے اور ان کا اس سے خوب یارانہ ہے۔ آخر کیوں نہ ہو وہ توبہ پر بھی آمادہ ہے۔ نمازی بھی ہے صاحب طریقت بھی ہے اور پیر طریقت بھی ہے اور اس کی گمراہی بھی ہم سے ہلکی ہے اور یقینی بھی نہیں بلکہ مشروط ہے یعنی ہم گمراہ ہوں گے تو وہ گمراہ ہو گا ورنہ نہیں۔ بریلویوں کو ابلیس کی دوستی مبارک ہو۔ جس شخص میں شریعت اور طریقت دونوں جمع ہو جائیں اس کے ولی کامل ہونے میں کیا شک ہے۔ میں بھی کہوں بریلوی مولوی ہمیں کیوں درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ اصل بات یہ ہے جن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پیر طریقت حضرت ابلیس لعنۃ اللہ علیہ ہوں وہ ہم گنہگاروں کو کب خاطر میں لائیں گے۔

ایک بات پر تعجب ہے ابوبکر واسطی تو شیطان کی جوانمردی کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے خدا کے علاوہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا اس کے برعکس بریلویوں کا مولوی خدا کے سامنے کم غیروں کے سامنے زیادہ جھکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں موحد کون ہے؟

۴۷۷ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "غیر کے سامنے جھکنا اس کی دو نوعیت ہیں۔ ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا۔ یہ اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اس کو فقہاء منع فرمار ہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا، اس کے پاؤں چومنا، جھکنا اگرچہ اس میں بھی ہے مگر جوتا سیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لیے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لیے ہے یہ حلال ہے"۔

یہ کیسی بے تکی بات ہے یعنی کان کو ادھر سے ہاتھ لگاؤ تو غلط اور ادھر سے گھما کر لگاؤ تو صحیح۔ جب بقول مفتی صاحب ایک کام ہے ہی بزرگ کی تعظیم کے لیے تو جھکنا بھی تو اسی کام کے لیے ہے لہٰذا یہ جھکنا بھی بزرگ ہی کی تعظیم کے لیے ہے بلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ سہی۔ یہ کتنی الٹی منطق ہے کہ سلام کے لیے حدِ رکوع تک جھکنا حرام اور پاؤں چومنے کے لیے مکمل جھک جانا بھی حلال۔ مفتی صاحب نے پاؤں چومنے کو جوتا سیدھا کرنے پر قیاس کیا ہے، یہ سراسر نوسر بازی ہے۔ حالانکہ جوتا الگ شے ہوتی ہے اور پاؤں بزرگ کا حصہ ہوتے ہیں۔ پھر نہ جانے مفتی صاحب نے کس طرح پاؤں چومنے کے لیے جھکنے کو تعظیم بزرگ سے الگ قرار دیا ہے۔ دھوکا دہی مفتی صاحب کی سرشت میں داخل ہے۔ حقیقت یہ ہے ضرورت انسانی کے سوا غیر اللہ کے آگے ادنیٰ سا جھکنا بھی حرام ہے۔ حد رکوع سے کم کے جواز کا کوئی مسئلہ نہیں۔ جھکنا تو ایک طرف رہا تعظیم کے لیے قیام بھی حرام ہے۔ مفتی صاحب کو قرآن وحدیث کا نہیں تو اپنی فقہ کا ہی کچھ خیال کرنا چاہیے تھا اس میں تو صاف لکھا ہے کہ یہ چومنا سجدہ ہی ہے اور بت پرستی کے مشابہ ہے۔ مفتی صاحب تاویلیں کر کر کے اپنی فقہ کا بھی بیڑا غرق کر رہے ہیں۔

۴۷۸ مفتی صاحب نے ایک اعتراض کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر بھی کیا ہے اور تاویل بیان کی ہے کہ "وہ دربارِ اکبری میں کیوں نہ جھکتے تھے"۔ حالانکہ یہ دربار اکبری کا نہیں دربارِ جہانگیر کا واقعہ ہے۔ (رودِ کوثر ص ۲۶۹)

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دے کر فرمایا:

انی اعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا انی رأیت رسول اللہ ﷺ یقبلك ما قبلتك. (بخاری ص ۲۱۷ حدیث ۱۵۹۷)

"تحقیق میں جانتا ہوں تو فقط ایک پتھر ہے جو نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا"۔

چونکہ یہ روایت بریلویوں کے تبرکاتی بوسوں کے خلاف ہے۔

۴۷۹ اس لیے مفتی صاحب لکھتے ہیں: "مولوی عبدالحئی صاحب نے مزیلۃ الدرایۃ لمقدمۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المومنین! حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ میثاق کے دِن ربّ تعالیٰ نے عہد لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دِن آئے گا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے علی! جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے"۔

یہ روایت نقل کر کے مفتی صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تاریخی الفاظ کو بے اثر بنانے کی کوشش کی ہے۔ مگر شاید انھیں معلوم نہیں کہ اس کی سند میں ابوہارون عبدی سخت ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت کے مقابلے میں حاکم (کہ جن کا کسی روایت کا صحیح کہنا بھی محدثین کے نزدیک محل نظر ہے) کی سخت ضعیف روایت کو پیش کرنا بریلویت کی مجبوری ہی ہوسکتی ہے۔ فاروق اعظم کے عقیدہ توحید کا ساتھ دینا بریلویوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُن جیسا عقیدہ رکھنے کے لیے اہل حدیث بننا پڑتا ہے اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ ان پر بھی وہابی ہونے کا فتویٰ لگا دیتے۔ بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو اس کا صرف اتنا مطلب ہے کہ روز قیامت یہ اہل توحید کے حق میں گواہی دے گا اور ان کی سفارش کرے گا۔ اگر پتھر کو زبان مل جائے اور اس کے شہادت دینے کا نام ہی نافع وضار ہونا ہے تو پھر بہت سی چیزوں کو نافع وضار ماننا پڑے گا۔ مثلاً روز قیامت کفار کے اعضاء کو زبان عطا ہوگی اور وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ قرآن کو بھی زبان عطا ہوگی اور وہ اپنے پڑھنے والے کے حق میں سفارش کرے گا۔ روزہ کو بھی زبان عطا ہوگی یہ روزہ دار کے حق میں سفارش کرے گا۔ جہاں کسی نے نماز پڑھی ہوگی وہ جگہ اس کے حق میں گواہی دے گی۔ جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچے گی وہ زمین اس کے حق میں گواہی دے گی بلکہ ہر نیک عمل نافع ہے اور ہر بُرا عمل ضار ہے بلکہ اچھی چیزیں بھی نافع ہیں اور بُری چیزیں ضار ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان باتوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توحیدی کلمات کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

۳۸۰ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: "آج کل جو تبرکات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں"۔

جواب دیتے ہیں کہ "تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں مشہور ہونا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات ہیں کافی ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار ہے۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لیے دو کی گواہی کافی اور رمضان کے چاند کے لیے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر"۔

عرض ہے کہ یہ سب عینی شاہد ہوتے ہیں۔ کیا کوئی ایک شیر خوار بچہ بھی عینی شاہد ہے کہ یہ تبرکات واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ بالوں کا مسئلہ تو تجربہ سے بھی حل ہوسکتا ہے بریلویوں کا مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ لہٰذا ان بالوں کو دیکھنا چاہیے اگر فی الواقع ان کا سایہ نہیں ہے تو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور اگر سایہ ہے تو پھر میرے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ خود سیانے ہیں۔ مفتی صاحب کے نزدیک تبرکات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو جانا یا مشہور ہو جانا ہی کافی ہے۔ چاہے یہ نسبت غلط ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ اس سے قبل شجرۃ الرضوان کے بارے میں لکھ آئے ہیں۔

اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوگیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ (ص ۳۳۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب سوال یہ ہے اصل تبرکات کے دھوکے میں یہ جو جعلی تبرکات کی زیارت شروع کر دی گئی ہے ان کو کاٹنے کے لیے سنت فاروقی پر کون عمل کرے گا اور کون انہیں اس غلطی سے بچائے گا۔

۳۸۱ فرماتے ہیں: ”نکاح، نسب، یادگاروں اور اوقاف کے ثبوت کے لیے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثل زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اُن کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں“۔

عرض ہے کہ یہ شہرت صرف اس لیے کافی سمجھی جاتی ہے کہ کوئی ان کا پیچھا نہیں کر رہا ہوتا۔ اگر عورت اغوا کر کے لائی گئی ہو تو اس کے وارثوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ تھانے اطلاع دیتے ہیں دوڑے بھاگے پھرتے ہیں۔ گولیاں چلتی ہیں۔ اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں۔ غلط معاملہ دیر تک چھپا نہیں رہ سکتا۔ یہی حال وقف جائیداد کا بھی ہے۔ یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ کسی نے وقف کی۔ اگر یہ وقف نہ ہوتی تو اصل مالکان یا ان کے وارثان اتنی دیر تک خاموش نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ لازماً دعویٰ کر کے قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ جیسے حنفیہ کے نزدیک حق شفعہ کا دعویٰ تب ہی ہو سکتا ہے اگر مدعی فوراً چھلانگ لگا دے تاہم میں پوچھتا ہوں اگر شہرت ہی کافی ہوتی تو پھر رجسٹریوں اور نکاح ناموں کی کیا ضرورت تھی۔ یہ دستاویزی ثبوت جعلسازی کا راستہ بند کرنے کے لیے ہی تو ہیں۔

۳۸۲ فرماتے ہیں: ”ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے نہ حدیث سے، نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا کافی ہے“۔

عرض ہے اگر آپ کی والدہ کا نکاح مشکوک ہوتا تو کیا آپ کے ننھال والے شور نہ مچاتے گو اس وقت گواہ موجود نہیں لیکن وہ لوگ تو موجود ہیں جنہوں نے گواہوں کو دیکھا ہے۔ مفتی صاحب نے نکاح کی یہ بات اپنے مذہب کو ملحوظ رکھ کر فرمائی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے نشہ کیے ہوئے گواہوں کی موجودگی میں عورت سے نکاح کیا اور وہ نکاح کے معاملے کو سمجھتے ہوں نشہ دُور ہونے کے بعد وہ اسے بھول بھی جائیں تو نکاح صحیح ہے۔ (ج ا ص ۲۶۸)

یہ جو مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے، اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گوہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے۔ اتنا ہی کافی ہے۔ میں پوچھتا ہوں آج کل کوئی راجپوت بن رہا ہے کوئی مغل بن رہا ہے کوئی قریشی بن رہا ہے شیعہ اور مراثی دھڑا دھڑ شاہ جی سید بن رہے ہیں تو کیا بریلویوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳۸۳ فرماتے ہیں: ”اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف شہرت معتبر ہے۔ قرآن پاک میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گزشتہ کفار کی یادگاروں ان کی اُجڑی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی۔ قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لیے محض شہرت معتبر مانی“۔

عرض ہے کہ عبرت پذیری کے لیے ہمیں یہ جاننے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ کونسی قوم کہاں آباد تھی۔ ایک بستی کا کھنڈر ہونا اور اس کا اُجڑا ہوا ہونا ہی عبرت پذیری کے لیے کافی ہے۔ جیسے ہم قبرستان جاتے ہیں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ان میں کون کون مدفون ہے۔ مطلق قبروں کا ہونا ہی یہ یاد دلانے کے لیے کافی ہے کہ دنیا فانی ہے۔

۳۸۴ فرماتے ہیں: ”مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے“۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب ہو تو کیا اس کی بھی تعظیم کرے کیونکہ جھوٹ بھی تو ایک چیز ہے مگر ارشادِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبوی ﷺ ہے جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (عن زبیر رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۱ حدیث ۱۰۸)

۳۸۵ مفتی صاحب نے لطیفہ کے عنوان سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے جس نے کاٹھیاواڑ میں ان سے نمائش کیے جانے والے بال کے بارے میں سوال کیا تھا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ بال حضور ﷺ کا ہے۔ بقول ان کے اس نے اپنے باپ کا نام عبدالرحیم بتلایا۔ بجائے مستند اور معقول جواب دینے کے مفتی صاحب نے اسے کہا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف انہی کے قطرے سے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ "جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمان کی گواہی معتبر ہے۔ مفتی صاحب نے کہا: جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بال ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے"۔

عرض ہے اگر اس کی ماں آوارہ ہوتی پیروں فقیروں سے تنہائیوں میں ملنے والی ہوتی کسی دربار کی ملنگنی ہوتی، باپ شک کا اظہار کرتا لعان تک نوبت پہنچتی تب تو شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ اجنبی نطفے سے ہے ورنہ قرائن بتلاتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کا ہے۔ پاک دامن عورتوں پر شک کرنا دونوں جہانوں میں قابل سزا جرم ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں: "سیدی احمد سلجماسی رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات کو تم نے ایک بیوی کے جاگتے دوسری سے ہمبستری کی۔ یہ نہیں چاہیے۔ عرض کیا حضور اس وقت وہ سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی، سوتے میں جان ڈال دی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا۔ فرمایا: جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا؟ عرض کیا: ہاں! ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت شیخ مُرید سے جدا نہیں۔ ہر آن ساتھ ہے"۔ (ملفوظات ص ۱۶۹) تو جب جماع کے وقت بھی شیخ صاحب پاس موجود ہوتے ہیں اور غالباً گننے پر مامور ہوتے ہیں یعنی آن ڈیوٹی ہوتے ہیں تو قطرے میں کیسے شک پڑ سکتا ہے۔ گواہی تو معتبر موجود ہے اندازہ فرمایئے کہتے ہیں دوسری بیوی کے سامنے نہیں چاہیے اور خود چسکا لینے پہنچ جاتے ہیں۔ کیا ان سے کوئی پردہ نہیں؟

مولوی احمد رضا خان صاحب سے سوال ہوا کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی منکوحہ عورت خالد کے ساتھ بھاگ گئی اور آٹھ دس برس کے بعد چند لڑکے اور لڑکیاں لے کر آئی۔ زید کا انتقال ہو گیا، وہ اولاد زید کی متصور ہو کر زید کی وارث ہو گی یا ولد الزنا ہو کر ترکہ سے محروم رہے گی۔

جواب: جائز وارث قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ممکن ہے وہ (زید) طے ارضی پر قدرت رکھتا ہو ایک قدم میں دس کوس جائے اور آ جائے۔ ممکن ہے جن اس کے تابع ہوں ممکن ہے صاحب کرامت ہو۔ وغیرہ"۔ (احکام شریعت ص ۱۸۷)

جب آٹھ دس برس سے بھاگی ہوئی عورت کے بچے بریلویوں کے نزدیک قانونی شوہر کے ہی ہیں تو جو شریف عورت رہتی ہی اپنے خاوند کے پاس ہے تو اس کی اولاد پر کیسے شک کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا میں نہیں سمجھ سکا کاٹھیاواڑی بال کے بارے میں شخص مذکور کا شک کرنا لطیفہ ہے یا مفتی صاحب کا اس کے نسب پر طعنہ زنی کرنا لطیفہ ہے۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں حضور ﷺ کی طرف منسوب شدہ بالوں کو روشنی میں رکھ کر دیکھ لینا چاہیے آیا ان کا سایہ ہے یا نہیں۔ یہ آسان ترین حل ہے۔ جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ان تمام منسوب بالوں کو اکٹھا کر کے لیبارٹری سے ان کا تجزیہ بھی کرانا چاہیے کہ آیا یہ ایک شخص کے ہیں یا مختلف مہربانوں کے ہیں۔

۳۸۶ اعتراض نقل کرتے ہیں: "نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں۔ یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنا ہوا فوٹو ہے پھر اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعظیم کیوں کرتے ہو"۔

جواب دیتے ہیں: "یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے۔ حکایت کی بھی تعظیم چاہیے۔ لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف، واجب التعظیم ہے کہ اصل کی نقل ہے"۔

مجھے حسرت ہی رہی کہ مفتی صاحب اپنی کتاب میں کبھی کوئی کام کی بات بھی لکھ دیں۔ لاہور کا چھپا ہوا قرآن مجید اصل کے عین مطابق ہے اس میں سرِ مو فرق نہیں۔ بلکہ یہ اصل ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر:۹)

"ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

نعلین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لیا نہ ہی نعلین شریف کسی کے پاس ہیں تو یہ نقشہ نعلین کہاں سے آ گیا۔ لہٰذا بریلویوں کا یہ نقشہ نعلین نقل مطابق اصل نہیں بلکہ بالوں کی طرح فراڈ ہے۔

۳۸۷ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے"۔

عرض ہے کہ ہر ربیع الاول اصلی ربیع الاول ہے اور ہر دوشنبہ اصلی دوشنبہ ہے۔ ایام فوٹو کاپی کی طرح اصل کی نقل نہیں ہوتے۔ جہاں تک معظم ہونے کا تعلق ہے ممکن ہے بریلویوں کے نزدیک صرف ربیع الاول اور دوشنبہ ہی معظم ہوں مگر ہمارے نزدیک ہر مہینہ ہر دن ہر رات بلکہ ہر وہ لمحہ معظم ہے جس میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی جس میں آپ کو نبوت ملی جس میں آپ نے ہجرت فرمائی جس میں آپ ﷺ نے جہاد کیے جس میں آپ ﷺ نے نمازیں پڑھیں روزے رکھے حج کیا عمرے کیے جس میں آپ ﷺ نے صدقات وخیرات کیے بلکہ جس میں آپ نے مبارک سانس لیے۔ ہمارے دل و دماغ میں آپ ﷺ ہی کی خوشبو رچ بسی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں آپ ﷺ ہی کی لائی ہوئی ہدایت کا نور پھیلا ہوا ہے۔ یہ سعادت مقلدوں کو کہاں نصیب۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

عبدالنبی، عبدالرسول نام رکھنا

۳۸۸ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ، عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے اسی طرح اپنے کو حضور ﷺ کا بندہ کہنا جائز ہے"۔

۳۸۹ قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ﴾ (النور:۳۲)

"اور نکاح کرواپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا"۔

مفتی صاحب نے مولوی احمد رضا صاحب کی تقلید میں عباد کا ترجمہ بندے کیا ہے۔ حالانکہ یہ اماء کے بالمقابل استعمال ہوا ہے جس کا معنی انھوں نے کنیزیں کیا ہے۔ کنیز لونڈی کو کہتے ہیں۔ تو لونڈی کے مقابلہ میں مذکر کا صیغہ بندہ ہے یا غلام۔ اگر عِبَادِكُمْ سے استدلال کر کے غیر اللہ کی طرف بندہ ہونے کا انتساب درست ہے تو پھر صرف عبدالنبی یا عبدالعلی ہی کیوں؟ عبد بوٹا، عبد گھسیٹا، عبدابوجہل، عبدابولہب وغیرہ کیوں نہیں؟ جو شخص جس کا غلام ہے اس کی طرف اس کے عبد ہونے کو منسوب کیا جا سکتا ہے۔ منسوب الیہ چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۹۰ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر: ۵۳)

"اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو"۔

"اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ربّ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو۔ دوسرے یہ کہ حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور ﷺ کے غلام اور اُمتی"۔ اس کی تائید میں اُنھوں نے مثنوی کا ایک شعر پیش کیا ہے اور عباد الرسول کہنے کے جواز میں حاجی امداد اللہ کا قول بھی درج کیا ہے۔ (بحوالہ نفحۂ کیہ ترجمہ شمائم امدادیہ ص ۱۳۵)

شعر کا جواب تو یہ ہے:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ (الشعراء: ۲۲۴) "شاعروں کی پیروی وہی کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں"۔

حاجی امداد اللہ صاحب دیوبندی اور بریلویوں دونوں کے دادا پیر ہیں۔ اس لیے ان سب پر یہ حجت قائم ہوجاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے جنہیں توحید کی دولت سے مالا مال کیا ہے ان کے لیے اس حوالہ کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔

احناف کے نزدیک عبدالرسول کہلانا تو کجا کسی کا رسول اللہ کہلانا بھی جائز ہے ایک شخص خواجہ معین الدین چشتی کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنا مرید بنالیں۔ فرمایا کہو لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ۔ (فوائد فریدیہ ص ۸۴) ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے بیعت ہونے والے شخص سے یہی کہتے تھے کہ کہو لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ۔ (تذکرہ غوثیہ ص ۳۲۰ از حضرت مولانا شاہ گل حسن)

رسول اللہ کہلانا تو کجا ان کے نزدیک کسی کو خدا کہلوانا بھی جائز ہے۔ کسی نے کہا: اے حسین بن منصور تو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر تُو نے میری قدر کم کردی، "میں تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں"۔ (فوائد فریدیہ ص ۷۶)

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "سبحانی ما اعظم شانی"۔ (ایضاً ص ۷۶)

مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں: بزرگ کا "سبحانی ما اعظم شانی" یعنی میں پاک ہوں میری شان بلند ہے کہنا کفر نہیں۔ (المعین ص ۱۴۶)

ان احناف کے کیا ہی کہنے ہیں۔ کاش مفتی صاحب قرآن پاک کا یہ صریح حوالہ بھی دے دیتے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ (آل عمران: ۷۹)

"کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے یہ لائق نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب ربّ کے ہو جاؤ"۔

۳۹۱ مفتی صاحب لکھتے ہیں: ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر خطبہ میں فرمایا:

قد كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكنت عبده و خادمه.

"میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا، پس میں آپ ﷺ کا بندہ اور خادم تھا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حوالہ مستند نہیں ہے۔ اگر صحیح ہو تو اُن کا لفظ خادم بولنا بتلاتا ہے کہ عبد سے ان کی مراد بندہ ہونا نہیں تھا بلکہ خادم اور غلام ہونا تھا۔ نیز اگر بندہ ہونا مراد ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ماضی کے صیغے کے ساتھ یہ نہ فرماتے کہ میں ان کا عبد (یعنی بندہ) تھا۔ بلکہ حال کے صیغے کے ساتھ فرماتے میں ان کا عبد (یعنی بندہ) ہوں۔ اگر یہاں عبد کا معنی بندہ کیا جائے تو جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی تو کیا اس وقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے نہیں تھے؟

اس پر اعتراضات و جوابات

۳۹۲ اعتراض نقل کرتے ہیں: "عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنے والا، اور یہ معنی صریح شرکیہ ہیں"۔

جواب دیتے ہیں: "عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی، جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جائے گا تو اس کے معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم، غلام لہٰذا عبدالنبی کے معنی ہوئے نبی کا غلام"۔

ابھی مفتی صاحب نے عِبَادِکُمْ کا ترجمہ بندے کیا ہے کنت عبدہ کا ترجمہ بھی بندہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ کہنا جائز ہے۔ اب اعتراض سے بچنے کے لیے فرماتے ہیں جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہٰذا عبدالنبی کے معنی ہوئے نبی کا غلام۔

عرض ہے جب آپ کے پاس غلام اور خادم جیسے الفاظ موجود ہیں اور بقول آپ کے یہ عبد ہی کے معنی میں ہو تو پھر آپ نے ضرور عبد کا لفظ بول کر اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ شاہراہ عام چھوڑ کر ایسے راستے پر چلنا جہاں پھسلنے کا خطرہ ہو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ ایک شخص نے آواز دی اے ابوالقاسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف التفات فرمایا تو اس نے کہا میں نے فلاں کو بلایا ہے تو آپ نے فرمایا تم میرا نام رکھ سکتے ہو میری کنیت نہ استعمال کرو۔ (عن انس مسلم ج ۲ ص ۲۰۶ حدیث ۵۵۸۶، مشکوۃ باب الاسامی ص ۴۰۷) تو جب ایسی کنیت استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی جس سے یہ واضح نہ ہو کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا کوئی اور تو عبدالنبی یا عبدالرسول کیسے نام رکھا جا سکتا ہے کہ پھر وضاحت کرنی پڑی کہ یہاں عبد سے عابد نہیں خادم یا غلام مراد ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عبد بمعنی خادم یا غلام کہلانا بھی درست نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا کسی شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور غلام تو برائے فروخت ہوتے ہیں یعنی منڈی کا بکاؤ مال۔ لہٰذا یہ مفہوم بھی اچھا نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنی اُمت فرمایا ہے۔ نہ جانے بریلویوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا ہوا نام کیوں پسند نہیں؟

۳۹۳ مفتی صاحب نے عبد کو علی اور رشید وغیرہ پر بھی قیاس کرنے کی کوشش کی ہے۔ عرض ہے کہ علی اور رشید اللہ تعالیٰ کے نام ہوں یا انسان کے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں۔ صرف مفہوم کی کمی بیشی کا فرق ہے۔ برخلاف عبد کے کہ اس کے معنوں میں فرق ہے۔ کجا کسی زید، بکر، عمرو کا غلام یا خادم ہونا کجا عبادت کرنے والا ہونا۔ عبادت تو خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ کوئی اس کے کھرب ویں حصے میں بھی اس کا شریک نہیں۔ یاد رہے کہ عبادت عبد سے ہے۔ اگر بقول مفتی صاحب عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو سکتی ہے تو ظاہر ہے کہ پھر عبادت کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز ہونی چاہیے تو اس وقت بھی یہ کہا جائے گا کہ یہ عبادت بمعنی خدمت ہے مثلاً کوئی کہے کہ میں فلاں شخص کی عبادت کرتا ہوں۔ مراد اس سے خدمت ہو۔ کیا یہ جائز ہے؟ بلکہ انسان جس غیر اللہ کا عبد ہو اصولاً اُسے معبود بھی تو کہا جا سکتا ہے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ معبود بمعنی مخدوم اور آقا کے ہے۔ بلکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے تو صاف لکھ بھی دیا ہے یہ کہنا کہ ہمارے معبود محمد ﷺ ہیں کفر نہیں۔ (المبین ص ۱۱۴) یا لفظ بندہ کو لیجیے۔ بندگی کرنے والے کو بندہ کہتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کا بندہ ہونا جائز ہے تو کیا حضور ﷺ کی بندگی کرنا بھی جائز ہے۔ جو اصطلاحات اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں بریلویوں کو نہیں چاہیے کہ انھیں غیر اللہ کے لیے استعمال کریں۔ کیا لغت ختم ہوگئی ہے کہ اور الفاظ ڈھونڈ لیجیے۔

﴿۳۹۴﴾ اعتراض نقل کرتے ہیں: مشکوۃ باب الادب والاسامی ص ۴۰۷ اور مسلم ج ۲ حدیث ۵۸۷۴ کتاب الالفاظ من الادب ص ۲۳۸ وغیرہ میں ہے:

لا یقولن احد کم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ و کل نساء کم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی و جاریتی.

"تم میں کوئی نہ کہے میرا بندہ اور میری بندی۔ تم سب اللہ کے بندے اور بندیاں ہو بلکہ کہو میرا غلام اور میری لونڈی"۔

جواب دیتے ہیں: "یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے"۔

عرض ہے کہ یہ کراہت تنزیہی اسی لیے ہے کہ کوئی نامعقول عبد کا معنی بندہ اور امۃ کا معنی بندی نہ سمجھ لے۔ اس سے ثابت ہوا خود مفتی صاحب کے نزدیک عبدالنبی یا عبدالرسول نام رکھنا تنزیہا مکروہ و ممنوع ہے۔

﴿۳۹۵﴾ مفتی صاحب مثال دیتے ہیں: "ربّ خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو ربّ فرماتا ہے":

﴿كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ٢٤) "جیسا انھوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی"۔

﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ (یوسف: ٥٠) "اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا"۔

(اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا ربّ کہے تو مشرک نہ ہوگا)۔ تو یہ واستغفر اللہ معلوم ہوا فرعون جو اپنے بارے میں کہتا تھا:

﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (النازعات: ٢٤) "تم سب کا ربّ میں ہی ہوں"۔ تو غلط نہیں کہتا تھا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا تھا:

﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ (طٰہٰ: ٥٠)

"ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت شکل عنایت فرمائی پھر راہ سمجھا دی"۔

یہ ایک غیر ضروری بات تھی۔ یاد رہے حضرت یوسف علیہ السلام کا ﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ فرمانا اس لحاظ سے تھا کہ مخاطب کا یہ مذہب تھا۔ وہ اپنے بادشاہ کو ربّ کہتے تھے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھی کے متعلق بھی کہا تھا:

﴿فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا﴾ (یوسف: ٤١) "اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا"۔

اور اسے یہ بھی کہا تھا:

﴿اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ﴾ (یوسف: ٤٢) "اپنے بادشاہ سے میرا ذکر ہی کر دینا"۔

جہاں تک حضرت یوسف علیہ السلام کا تعلق ہے وہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کو ربّ مانتے تھے جیسے عزیز مصر کی بیوی سے فرمایا:

﴿مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ (یوسف: ٢٣) "اللہ کی پناہ وہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا"۔

﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ والی آیت کے بھی آخری الفاظ یہ ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ (یوسف:۵۰) "ان کے حیلے کو صحیح طور پر جاننے والا میرا ربّ ہی ہے"۔

اپنے قیدی ساتھیوں سے یہ وعظ بھی فرمایا:

﴿ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (یوسف:۳۹)

"کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقتور"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا ﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ کہنا ایسے ہی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا تھا:

﴿وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ (طٰہٰ:۹۷)

"اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا تم اعتکاف کیے ہوئے تھے"۔

مفتی صاحب کے اصول کے مطابق غیر اللہ کو الٰہ کہنا بھی جائز ہونا چاہیے مگر ان لوگوں کی صحت پر کیا اثر ہے۔ یہ اشعار انہی کے بھائی بندوں کے ہیں:

ـ کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں ۔ وہ بھی اللہ ہے یارو یہ بھی اللہ ہے یارو

ـ چاچڑ وانگ مدینہ دِسے کوٹ مٹھن بیت اللہ ۔ ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

ـ مقام اس نبی کا عرش بریں ہے ۔ خدا نہ کہے جو وہ کافر لعیں ہے

وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ کوئی قرینہ موجود ہو اور کوئی خاص شے کی ملکیت ظاہر کرنی مقصود ہو تو ربّ کا لفظ بولنے کی گنجائش ہے۔ جیسے "ربّ البیت" گھر کا مالک۔ علی الاطلاق غیر اللہ کے لیے ربّ کا لفظ بولنا صریحاً شرک ہے۔

مفتی صاحب نے ﴿كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ سے بھی ربّ کہنے پر استدلال کیا ہے عرض ہے کہ تربیت کرنا اور بات ہے ربّ ہونا اور بات ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا تھا جب کہ اس نے کہا:

﴿أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا﴾ (الشعراء:۱۸) "کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا"۔

اگر تربیت کرنے والے کو علی الاطلاق ربّ کہہ سکتے ہیں تو فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کا ربّ ماننا پڑے گا۔ لہٰذا جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا:

﴿فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ﴾ (طٰہٰ:۴۹) "اے موسیٰ تمہارا ربّ کون ہے؟"

تو کیا موسیٰ علیہ السلام کا فرض نہیں تھا کہ جواب دیتے کہ "بے شک تو میرا ربّ ہے"۔ بلکہ فرمایا: ﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ لہٰذا مفتی صاحب کا لفظ ربّ سے لفظ عبد پر استدلال غلط ثابت ہو گیا۔ یعنی نہ تو علی الاطلاق کسی غیر اللہ کو ربّ کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی علی الاطلاق کسی غیر اللہ کی طرف عبد ہونے کو منسوب کر سکتے ہیں جیسے عبد النبی یا عبد الرسول وغیرہ۔

۳۹۶ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں اور وہابیوں کو چڑانے کے لیے یہ نام رکھے تو بہت باعثِ ثواب ہے جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی"۔

قبل ازیں مفتی صاحب نے ایسے ناموں کو کراہت تنزیہی پر محمول فرمایا ہے۔ اب فرماتے ہیں: ہمیں چڑانے کے لیے باعث ثواب ہے۔ اس سے ثابت ہوا ان کا سارا دن رات مکروہ کاموں پر ہی مشتمل ہے اور ان میں ثواب کا پہلو صرف اس لحاظ سے ہے کہ ہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چڑتے ہیں۔ میرے بھائی ہمارا چڑنا تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ①﴾

"تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے"۔

اگر آپ اس کو چڑنا کہتے ہیں تو یہ چڑنا ہمیں رحمۃ اللعالمین ﷺ سے ورثہ میں ملا ہے۔

مفتی صاحب نے گائے کی مثال دی ہے۔ میں پوچھتا ہوں اگر ہندو نہ چڑیں تو کیا عام حالات میں گائے کی قربانی کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ یعنی کیا گائے کی قربانی کا ثواب صرف اسی لحاظ سے ہے کہ اس سے ہندو چڑتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا انھیں مفتی اور حکیم الامت کس نے بنا دیا تھا۔

۳۹۷ فرماتے ہیں: "جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیے۔ عجب بات ہے ابھی ان ناموں کو مکروہ تنزیہی فرما رہے ہیں اور اب یہ مستحب بھی ہو گئے یہ حضرت ایک موقف پر قائم ہی نہیں رہتے۔ سوال یہ ہے اگر یہ نام ضرور رکھنے چاہئیں تو پہلے خود انھیں بسم اللہ کرنی چاہیے تھی ہمیں نہ تو ان کے آباؤ اجداد میں کوئی اس نام کا نظر آتا ہے نہ ان کی آل و اولاد میں نہ ان کے اساتذہ میں۔ کیا مفتی صاحب سمیت ان میں سے کسی کو ثواب کی ضرورت نہیں تھی"۔ (احمد یار خان، مختار یار خان، سردار یار خان وغیرہ)

اسقاط کا بیان

۳۹۸ فرماتے ہیں: "اسقاط کے لغوی معنی ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دُور کرنا"۔

عرض ہے کہ یہ کس فن کے اصطلاحی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن اور رسول ﷺ کے فرمان سے تو دُور دُور تک اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسقاط کے جو معروف معنی ہیں وہ مفتی صاحب نے بتلائے ہی نہیں۔ یعنی کچا حمل گرا دینا۔ یقین جانیے حنفیوں کا اسقاط اس سے زیادہ شرمناک ہے۔

۳۹۹ فرماتے ہیں: "شریعت مطہرہ نے اس بے کسی کی حالت میں اس میّت کی دستگیری کرنے کے کچھ طریقے تجویز فرما دیئے"۔ نہ جانے اس سے کونسی شریعت مراد ہے شریعت اسلامی یا شریعت یہودی۔

۴۰۰ فرماتے ہیں: "وہابی، دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مُردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے"۔

مفتی صاحب نے بریلوی لوگوں کو ملنے والی گالیوں کا رُخ وہابیوں کی طرف موڑنے کی کوشش کی ہے۔ شیطان کی آنت کی طرح نہ ختم ہونے والی رسموں کے نام پر میت کا مال یہ "ہمدرد" خود کھا جاتے ہیں اور طعنہ وہابیوں کو دیتے ہیں کہ یہ میت کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اپنی کالک دوسرے کے منہ پر ملنا اسی کو کہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے دیوبندیوں کا خواہ مخواہ ہی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس مسئلہ میں ان سے متفق ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ذرا "بااصول" واقع ہوئے ہیں۔

۴۰۱ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "نابالغی کی عمر نکال کر زندگی بھر میں جتنی بھی نمازیں اور روزے قضا ہو گئے ہوں فی نماز ۵۷ اروپے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھنی بھر گیہوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرہ (فطرانہ) کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی۔ وہ ہی ایک روزے کی، تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب۔ ان کا فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئے۔ اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دین دار مال دار تو یہ کر سکے گا، مگر غرباء سے ناممکن۔ ان کے لیے یہ طریقہ ہے کہ ولی میّت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے۔ مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے۔ اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے۔ وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوۃ کا فدیہ ادا کریں۔ رحمت الٰہی سے اُمید ہے کہ میت کی مغفرت فرما دے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے"۔

مولانا سرفراز صاحب دیوبندی حیلہ اسقاط کے تحت رقمطراز ہیں کہ اندازاً پانچ نمازوں کا بمع وتر ساڑھے دس سیر گندم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص مال دار ہے اور اس کے ترکہ سے وارثوں کی حق تلفی کیے بغیر ثلث سے فدیہ دیا جا سکتا ہے تو دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص فقیر اور غریب ہے، تو فقہائے کرام نے اس کے لیے یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ جتنی مقدار میں گندم یا اس کی رقم کا اس کا ترکہ متحمل ہے تو وہ گندم یا رقم میت کا وارث کسی فقیر کو دے دے پھر فقیر وارث میت کو ہبہ کرے پھر وارث فقیر کو دے دے حتیٰ کہ اتنی بار یہ معاملہ ہوتا رہے جتنی میں نمازوں اور روزوں کا اندازہ پورا ہو جائے۔ یہی صورت فقہ حنفی کی متعدد کتابوں میں لکھی ہے۔ (مثلاً دیکھئے کبریٰ ص ۵۲۵ شامی ج ۱ ص ۴۹۲ اور نور الایضاح ص ۱۰۴) (راہِ سنت ص ۳۵۸)

(الف) مفتی صاحب کو دیوبندیوں سے بلاوجہ شکوہ ہے۔ حیلہ اسقاط تو تمام احناف کا سرکاری مذہب ہے۔

مولانا سرفراز احمد صاحب گکھڑوی دیوبندی قبل ازیں لکھتے ہیں: "فقہاء کرام رحمہم اللہ نے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اس (نماز) کے لیے فدیہ تجویز کیا ہے مگر اس میں صرف قیاس ہی نہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتیں بھی موجود ہیں گو بظاہر موقوف ہیں مگر حکماً مرفوع ہیں:

((عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولكن يطعم عنه)).

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے نہ کسی کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے"۔ (سنن الکبری ج ٤ ص ۲۵۷ وغیرہ)

((عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال لا یصلین احد عن احد ولا یصومن احد عن احد ولكن ان كنت فاعلا تصدقت عنه او اهديت عنه)). (ایضًا)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے نہ روزہ رکھے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ وغیرہ کر دو"۔

گکھڑوی صاحب نے ان دونوں روایتوں میں اپنی روایتی گڑبڑ فرمائی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت سنن کبریٰ بیہقی میں صرف اتنی ہے ((لا یصوم احد عن احد و یطعم عنه))۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ کا تعلق صرف روزہ سے ہے جو البتہ

www.KitaboSunnat.com

گکھڑوی صاحب سے نقل کردہ الفاظ موجود ہیں مگر اس کے آخری الفاظ انہوں نے نقل نہیں فرمائے۔ آخر میں یہ الفاظ ہیں:

((ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مد من حنطة)).

"بلکہ اس کی طرف سے ہر دِن کے بدلے ایک ٹوپہ گندم کا دے دیا جائے"۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف روزہ کے فدیہ کی بات ہے تبھی وہ پورے ایک دِن کا فدیہ ایک مد (تقریباً آدھا کلو) بیان فرما رہے ہیں۔ ورنہ نصف نصف صاع کے حساب سے گکھڑوی صاحب نے ایک دِن کی پانچ نمازوں اور وتر کا فدیہ ساڑھے دس سیر اور مفتی صاحب نے بارہ سیر لکھا ہے۔ اور یہاں پورے دِن کا فدیہ ایک مد بیان ہوا ہے۔

اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں لا يحج احد عن احد کے الفاظ بھی ہیں۔ جو ان کے مسلک کے خلاف تھے۔ اسے بیچ میں ہضم فرما گئے۔ ہضم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے برعکس غیر کی طرف سے حج ہو سکتا ہے تو پھر روزہ بھی غیر کی طرف سے ہو جانا چاہیے۔ اور یہ دونوں چیزیں سنت سے ثابت ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ روزہ کا فدیہ یہ ہے۔ فدية طعام مسكين۔ مگر روزہ پر قیاس کر کے نماز کے لیے بھی فدیہ تجویز کر دینا سراسر غلط ہے۔ ورنہ تو پھر جس طرح و على الذين يطيقونه کے لیے زندگی میں فدیہ دینا جائز ہو جانا چاہیے۔ مگر اس کا کوئی بھی قائل نہیں سوائے بعض شیعہ کے۔

یاد رہے کہ میت کی طرف سے روزے بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

من مات وعليه صيام صام عنه وليه. (عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسلم ج۱ ص ۳۶۳ حدیث ۲۶۹۲)

"جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے"۔

لیکن چونکہ حنفیہ بدنی عبادت میں نیابت کے قائل نہیں اس لیے انھیں اللہ کے رسول کی یہ حدیث پسند نہیں۔

مولانا سرفراز صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے حالانکہ ان سے بھی صحیح مسلم ص ۳۶۲ میں صاف حدیث مروی ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جس نے کہا میری والدہ فوت ہو گئی ہیں جن کے ذمہ ایک ماہ کے روزے تھے تو کیا میں ان کی قضا دوں؟ آپ نے اسے قضا کی اجازت دے دی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا:

﴿صومي عنه﴾۔ (حوالہ ایضاً)

(ب) اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں بھی ہے جس میں دو مہینوں کے روزوں کی قضا کا ذکر ہے۔ آگے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: و في الباب عن بريدة و ابن عمر و عائشه (باب ما جاء في الصوم عن الميت)۔

نیز صحیح سند کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی منقول ہے:

سئل ابن عباس عن رجل مات وعليه نذر فقال يصام النذر. (بحوالہ تحفة الاحوذی ۲ ص ۴۳)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آدمی فوت ہو جائے اور اس کے ذمے نذر کے روزے ہوں تو؟ فرمایا: اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو یہ بھی آتا ہے:

((امر ابن عمر امرأة جعلت امها على نفسها صلوٰة بقباء فقال صلى عنها)). (بخاری تعلیقاً ص ۹۹۱ حدیث ۶۶۹۸)

"ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ قباء میں نماز پڑھے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بیٹی۔ سے کہا کہ اس کی طرف سے نماز پڑھو"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فثبت ان الصواب المتعين تجويز الإطعام و الولى مخير بينهما. (شرح مسلم ج۱ ص ۳۶۲)

"میت کی طرف سے روزے رکھے جائیں یا کھانا کھلا دیا جائے درست بات یہ ہے کہ ولی کو دونوں طرح اختیار ہے"۔

نیز گزارش ہے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے اگر روزے کے فدیہ کا ذکر کیا ہے تو انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ مصنوعی لین دین والا ڈرامہ رچایا جائے۔ گکھڑوی صاحب نے حیلہ اسقاط کے تحت ان اقوال کا یوں ذکر فرمایا ہے جیسے یہ ان کے فقہاء کے تیار کردہ حیلہ کے لیے دلیلیں ہوں نہ صرف روزوں کے لیے بلکہ قضاشدہ نمازوں کے لیے بھی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مفتی صاحب خواہ مخواہ دیوبندیوں سے ناراض ہیں۔ بریلویوں کو تو دیوبندیوں کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے ان کے اسقاط کو "مدلل" فرما دیا ہے۔

(ج) مفتی صاحب نے فدیہ کا جو حساب لگایا ہے اس کے مطابق اگر کسی نے بالفرض پچاس سال نماز روزہ نہ کیا ہو تو اس کے ذمے اتنے ٹن گندم بن جاتی ہے کہ آج کے نرخ سے اس کی قیمت تقریباً تیرہ لاکھ روپے بن جاتی ہے لہٰذا اسقاط کے علمبرداروں کا فرض ہے کہ ہر بے نماز سرمایہ دار میت کے ترکہ سے لاکھوں روپے کی گندم لے کر مسکینوں میں تقسیم کیا کریں۔ تب ہی اس کا جنازہ اور "قُلّاں" کا ختم شریف پڑھا کریں اور اگر مرنے والا غریب ہو اور اس کے ذمے سالہا سال کی نمازیں اور روزے ہوں جیسا کہ آج کل عموماً مسلمانوں کی حالت ہے تو پھر بات یہ ہے کہ ہم تو ٹھہرے مُردوں کے دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ بریلوی مولوی کا فرض ہے کہ جھوٹ موٹ ٹرخانے کی بجائے سچ مچ کے ہدیہ کا بندوبست کیا کریں۔ جب بھی کوئی بے نماز غریب مرے کیلکولیٹر پر اس کی نمازوں اور روزوں کا حساب لگائیں، جتنے لاکھ کی گندم بنے اتنے لاکھ روپے رسم قل کے ہمدرد شرکاء سے چندہ اکٹھا کر کے غریبوں میں تقسیم کریں۔ بریلوی مولویوں کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی "حلال" کمائی میں سے اس میں حصہ ڈالیں۔ تاکہ مردوں کے ساتھ ان کی ہمدردی کا پتہ چلے۔ یونہی تو ند پر ہاتھ پھیر کر مفت میں نمبر بنا لینا تو کوئی کمال نہیں ہے۔ اگر یہ مسئلہ شروع ہو جائے تو مولویوں سمیت لوگ رسم قل میں آنا ہی ترک کر دیں بلکہ "وہابی" بننے میں خیریت محسوس کریں۔ چالیس روز تک میت کی روٹیاں توڑنے والے بریلوی مولویوں کو تو کبھی اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ورثا سے پوچھیں کہ انھوں نے میت کا قرضہ ادا کر دیا ہے یا نہیں یا مرنے والے نے جو لوگوں کے حقوق غصب کر رکھے تھے انھیں لوٹایا ہے یا نہیں۔ یہ حضرت ماتم کی محفل میں بڑے چوڑے ہو کر یوں پہنچتے ہیں جیسے یہ ماتم کی محفل نہ ہو بلکہ شادی کی تقریب ہو۔ اب خیر سے رسم قل کی محفلیں بھی انھوں نے مسجدوں میں لگوانا شروع کر دی ہیں تاکہ آیا ہوا مال واپس نہ جائے۔

حنفیہ نے ہبہ لوٹانے کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((الذى يعود فى هبته كالكلب يرجع فى قيئه)). (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۳۵۷ حدیث ۲۶۲۲)

"ہبہ واپس لینے والا اُس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کھاتا ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندازہ فرمایئے ایک دفعہ دے کر لوٹانا کتے کی طرح قے چاٹنے کے برابر ہے تو پچاس دفعہ لوٹانا کس قدر مکروہ ہوگا۔ اس حدیث کا حوالہ مولانا گکھڑوی صاحب نے بھی دیا ہے مگر اصول پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا مطلب صرف یہ لیا ہے کہ آخری دفعہ وہ گندم اور رقم اسی فقیر کو دے دی جائے۔ جس کے ساتھ بار بار دینے اور واپس لینے کا تماشا کیا گیا ہے۔ (راہِ سنت ص ۲۵۹)

سوال یہ ہے کہ جب بیسیوں دفعہ اس ہبہ کو لوٹانے میں کتے کی قے والی صورت پیدا نہیں تو ایک آخری دفعہ نہ لوٹانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور پھر حنفیوں کا تو ماشاء اللہ سرکاری مسلک ہی یہ ہے:

اذا وهب هبة لا جنبي فله الرجوع فيها. (ھدایہ ج۲ ص ۲۳۹)

"اجنبی کو ہبہ کرے تو اسے رجوع کا حق ہے"۔

نیز علامہ سرخسی رحمہ اللہ حنفی متوفی ۴۸۴ھ فرماتے ہیں: "کتے کی قے قبیح ہے حرام نہیں ہے"۔

لہٰذا دیوبندیوں کو بریلویوں پر اپنے اصلی حنفی ہونے کا جعلی رُعب نہیں ڈالنا چاہیے۔

حیلہ شرعی کے جواز میں

۴۰۲ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا تو رب تعالیٰ نے ان کو تعلیم فرمائی کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی قصہ کو نقل فرمایا:

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ (سورہ ص: ۴۴)

"اور اپنے ہاتھ میں تیلیوں کی ایک جھاڑو لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر"۔

گزارش ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی وفا شعار بیوی صاحبہ نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا تھا کہ شرعاً جس کی سزا سو کوڑے تھی۔ یہ تو حضرت ایوب علیہ السلام کسی وجہ سے ناراض ہو کر از خود قسم کھا بیٹھے تھے جسے پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے یہ آسان طریقہ بتلایا۔ اب اس کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ ہماری شریعت میں باقاعدہ کفارے کا مسئلہ ہے ممکن ہے ان کی شریعت میں نہیں ہوگا۔ بہرحال اس واقعہ میں کسی دینی فریضہ کو ساقط نہیں کیا گیا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لیے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا"۔

یہ حیلہ نہیں تدبیر تھی اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کید کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ کسی اچھے مقصد کے لیے تدابیر اختیار کرنا جرم نہیں۔ فرائض کو ساقط کرنے کا ثبوت چاہیے۔

۴۰۳ فرماتے ہیں: "حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے کان چھید دیں"۔

اس اسرائیلی روایت کا جواب دینے کے ہم مکلف نہیں۔ تاہم اس میں بھی کسی دینی فریضہ کے اسقاط کا ثبوت نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ہماری شریعت میں قسم کا حل کفارے کی شکل میں موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۰۴ فرماتے ہیں: "مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الربوٰ میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ خرمے (کھجوریں) لائے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے؟ عرض کیا میرے پاس کچھ ردی خرمے تھے، میں نے دو صاع ردّی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لیے۔ فرمایا کہ یہ سود ہے۔ آئندہ ایسا کرو کہ ردّی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں سے اچھے خرمے لے لو۔ (عن ابی سعید مسلم ج ۲ ص ۲۶ حدیث ۴۰۸۴) دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے"۔

نبی ﷺ نے جو طریقہ ارشاد فرمایا وہ تو حیلہ نہیں ہے۔ البتہ حیلہ شماری کے شوق میں مفتی صاحب کا اسے حیلہ قرار دینا ضرور ایک حیلہ ہے۔ میں حیران ہوں کیا خرید و فروخت کو بھی حیلہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بھلا جس چیز کی ضرورت نہیں اسے پیسوں کے عوض بیچ دینا اور جس چیز کی ضرورت ہو اسے پیسوں کے عوض خرید لینا کیا اسے حیلہ کہتے ہیں۔ صورت مذکورہ میں حیلہ تو تب ہوتا اگر حیلے کے ذریعے سود کو جائز کیا ہوتا۔ نبی ﷺ نے تو سود کی جڑ اکھاڑی ہے۔ ایک صاع کے ساتھ دو صاع کا تبادلہ سراسر سود تھا۔ کیونکہ ایک ہی جنس کے تبادلے میں کمی بیشی جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے تبادلے کی بات ہی نہیں کی۔ آپ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ جس کے آگے تم نے دو صاع ردی خرمے پیسوں کے عوض بیچنے ہیں اسی کے پیسوں کے عوض ایک صاع عمدہ خرموں کو تم نے لینا ہے۔ اگر فریقین کے درمیان اس قسم کی پابندی ہو تب کہا جا سکتا ہے کہ حیلے کے ذریعے سود کو جائز کیا گیا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے ردی خرمے فروخت کرو۔ یعنی خواہ کسی کے آگے فروخت کرو اور جس بھاؤ بھی فروخت کرو اور پھر ان پیسوں سے عمدہ خرمے خریدو۔ جتنے بھی ملیں لے لو۔ اس میں حیلے والی کونسی بات ہے۔ کیا آپ ﷺ نے حیلہ کے ذریعے حرام کو حلال کیا ہے جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

۴۰۵ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے "کتاب الحیل"۔ اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لیے کیا جائے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لیے کیا جائے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے"۔

عرض ہے کہ اسی عالمگیری میں لکھا ہے اطلاع ملی کہ مقروض فوت ہو گیا ہے۔ تو کہہ دے میں نے اسے قرضہ معاف کیا یا بخش دیا۔ پھر معلوم ہو کہ وہ تو زندہ ہے اب اسے طلب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ اس نے غیر مشروط طور پر معاف کیا تھا۔ (ج ۵ کتاب الغصب ص ۱۵۷)

نیز لکھا ہے آدمی کے پاس پورا نصاب یعنی دو سو درہم ہیں وہ زکوٰۃ سے بچنا چاہتا ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ سال گزرنے سے ایک دن پہلے ایک درہم صدقہ کر دے تا کہ سال پورا ہونے پر اس کا نصاب ناقص رہ جائے۔ یا سال ختم ہونے سے ایک روز پہلے ایک درہم اپنے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کر دے، تا کہ وہ وجوب زکوٰۃ سے محفوظ رہے۔ یا قابل اعتماد شخص کو نصاب بخشدے پھر سال گزرنے کے بعد اپنا ہبہ واپس لوٹا لے۔ (ج ۶ کتاب الحیل ص ۳۹۱)

اب سوال یہ ہے کہ اپنے آپ کو مُردہ ظاہر کر کے قرضہ معاف کروا لینا حق تلفی اور باطل سے فریب دینے کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں اور کیا زکوٰۃ سے بچنے کے لیے یہ فقہی ہیرا پھیریاں اور مصنوعی ہے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہیں یا نہیں اور کیا اس سے غریبوں کی حق تلفی نہیں ہو گی۔ ان حیلوں سے تو اسلام کا ایک اہم رکن ساقط ہو جاتا ہے۔ ان حیلوں سے اصحابِ سبت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔ ثابت ہوا احناف نہ صرف مُردوں کے بلکہ زندوں کے بھی بہت ہمدرد ہیں۔ یہ نہ صرف مفت میں نماز روزہ بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ بھی ساقط کر دینے کے شرعی گر بتلاتے ہیں۔

مفتی صاحب نے تفسیرات احمدیہ شرح وقایہ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "روزہ کی طرح نماز کا بھی فدیہ ہے"۔

یہ بالکل غلط بات ہے قرآن وحدیث میں روزہ کے فدیہ کا ذکر ہے نماز کے فدیہ کا ذکر ہرگز نہیں اور اصلی فدیہ کا ذکر ہے اسقاط کا ذکر نہیں۔

۴۰۶ فرماتے ہیں: "نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے۔ بلکہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں"۔

چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ وغیرہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد و لکن یطعم عنه مکان کل یوم مدین من حنطة.

"کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن کے عوض دو مد گندم (آدھا صاع) خیرات کر دے"۔

آگے لکھتے ہیں: "غرضیکہ نماز و روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے"۔

عرض ہے کہ یہ حدیث نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور صرف روزے کے فدیہ کے بارے میں ہے۔ اگر نمازوں کے فدیہ کے بارے میں بھی ہوتا تو بقول مفتی صاحب ایک دن کی نمازوں کا فدیہ بارہ سیر گندم بنتا ہے۔ روزہ ملا کر چودہ سیر گندم بن گیا۔ اب اللہ جانے جہالت کس کو کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ نسائی شریف میں یہ حوالہ مجھے نہیں ملا۔

مفتی صاحب اسقاط کا ثبوت نور الایضاح درمختار شامی وغیرہ بے شمار کتابوں سے دیا ہے۔ یعنی یہ فراڈ حنفیہ کا پکا اور رجسٹرڈ مسئلہ ہے:

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (البقرہ:۹)

"وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں"۔

۴۰۷ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جائے گا۔ ورثا کو کیا بچے گا اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں"۔

معلوم ہوا مفتی صاحب کو مردوں سے کم اور زندوں سے زیادہ ہمدردی ہے۔ زندوں کے لیے مال بچنا چاہیے۔ مُردے بے شک جائیں جہنم میں۔ عرض ہے اگر مردوں کی طرح واجب الادا لاکھوں روپے کا فدیہ حیلہ اسقاط کی نذر کیا جاسکتا ہے تو کیا یہی حیلہ اسقاط ورثہ پر بھی نہیں آزمایا جاسکتا۔

مفتی صاحب نے فدیہ کو وصیت کے کھاتے میں ڈال دیا ہے جو تہائی مال سے زیادہ جائز نہیں۔ قبل ازیں روایت بیان ہو چکی ہے کہ نبی ﷺ سے ایک عورت نے کہا میری والدہ کے ذمے ایک ماہ کے روزے ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے قضا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری والدہ کے ذمے قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتیں۔ عرض کیا: ہاں۔ تو فرمایا:

((فدین الله احق ان یقطی)). (عن ابن عباس مسلم ج۱ ص ۳٦۲ حدیث ۲٦۹٤)

"اللہ تعالیٰ کا قرضہ زیادہ ادا ہونے کے لائق ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حنفیہ چونکہ نماز کو روزے پر قیاس کر کے فدیہ کا حکم لگاتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نماز روزے کا فدیہ میت کے ذمے اللہ تعالیٰ کا قرض ہے قرض مکمل طور پر واجب الادا ہوتا ہے۔ یہ وصیت نہیں جو تہائی مال سے زیادہ جائز نہ ہو۔ تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے قرض ادا ہونا چاہیے۔ وصیت کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ مفتی صاحب کو نہ قرض کا فکر ہے نہ وصیت کا فکر ہے۔ صرف یہ فکر ہے کہ ورثا کو کیا بچے گا۔ کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ ورثا کو کچھ ملے گا تو ان کے حصے میں بھی کچھ آئے گا۔ حنفی مولویوں کو چاہیے جس طرح اُنھوں نے حیلہ اسقاط کے ذریعہ مُردوں کو ٹرخایا ہے اسی طرح حیلہ اسقاط کے ذریعے ورثاء کو بھی ٹرخادیا کریں اور ختم شریف کی شیرینی کی طرح مریدوں کا سارا مال خود ہی سمیٹ کر نو دو گیارہ ہوجایا کریں۔ قیاس ہی کرنا ہے نا۔

حیلہ اسقاط پر اعتراضات وجوابات

﴿۴۰۸﴾ مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: ”حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے“۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۹)

”وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں“۔

”یہ کیونکر ناممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہوجائیں“۔

جواب میں مفتی صاحب نے صدقہ وخیرات کی فضیلت والی چند حدیثیں بیان فرمادی ہیں۔ عجیب مخلوق سے پالا پڑا ہے۔ زیرِ بحث مسئلہ صدقہ وخیرات کا نہیں اسقاط کا ہے۔ مذکورہ فضائل اصلی صدقہ کے بارے میں ہیں نقلی صدقہ کے بارے میں نہیں۔ افسوس کہ ان کی نمازیں جعلی، روزے جعلی، زکوٰۃ جعلی، صدقہ وخیرات جعلی، ختم جعلی، درود جعلی حتیٰ کہ خود بھی جعلی ہیں۔ اگر ان میں کوئی سیانا ہو تو اس سے پوچھا جائے۔ مثلاً کسی نے کسی کا ایک لاکھ روپیہ قرضہ دینا ہو تو وہ اس کے ساتھ ایک ہزار روپے کا سو بار لین دین تبادلہ کرے۔ تو کیا ایک لاکھ روپے ادا ہوجائیں گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو کیا یہ مذاق اللہ کے ساتھ جائز ہے؟

﴿۴۰۹﴾ فرماتے ہیں: ”يُخٰدِعُوْنَ منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لیے آڑ بناتے تھے اور دِل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جُرم ہے“۔

اس کا مطلب یہ ہوا منافقوں کے لیے جائز نہیں کہ کسی کو دھوکا دیں مسلمانوں کو جائز ہے۔ مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور خیانت کرنا۔ کیا یہ بھی مسلمانوں کو جائز ہیں صرف اس لیے کہ آپ ﷺ نے یہ حدیث منافقوں کے بارے میں ارشاد فرمائی۔

فرماتے ہیں: ”مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر... الخ“۔

میرے بھائی یہ فدیہ کے لین دین کا ڈرامہ کرنا شرعی اعمال میں سے ہے۔

﴿۴۱۰﴾ فرماتے ہیں: ”اسقاط قصور معاف کرانے کا حیلہ ہے۔ کیونکہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے“۔

عرض ہے اگر اللہ تعالیٰ سے قصور معاف کروانا ہے تو کیا اس کا بہترین حیلہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا استغفار کرنا اور معافی مانگنا نہیں ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ (الحشر:۱۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا پھر صحیح طریقہ سے صدقہ کرنا چاہیے۔ فراڈ بازی سے تو اللہ تعالیٰ اور زیادہ ناراض ہو سکتا ہے۔ یعنی عذر گناہ بدتر از گناہ۔
فرماتے ہیں: "خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں"۔
عرض ہے کہ اس حیلہ سے مراد تدبیر اور کوشش ہے یا مکر و فریب؟
﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم: ۳۹) "ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی"۔

۴۱۱ فرماتے ہیں: "اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں"۔

ابھی آپ عالمگیری کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں کہ ان کے فقہاء نے زندگی میں ہی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کیسے کیسے شاندار حیلے تجویز فرمائے ہیں اور نماز بھی تو زکوٰۃ ہی کی طرح ہے اور اسی پر قیاس ہے۔ چنانچہ گوجرانوالہ سے نکلنے والے ایک بریلوی رسالہ (بابت ماہ شوال ۱۴۰۹ھ) میں بحوالہ انیس الارواح لکھا ہے کہ "جن کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اسے چاہیے کہ پیر کی رات کو پچاس رکعت نفل پڑھے اور فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ پر ایک سو بار درود شریف پڑھے۔ اس سے خدا تعالیٰ ان سب نمازوں (کی قضا کے گناہ) کا کفارہ کر دے گا۔ اگرچہ سو برس کی کیوں نہ ہوں"۔

ثابت ہوا ان کے نزدیک حیلوں کے ذریعے زندگی میں ہی نماز اور زکوٰۃ کو ساقط کیا جا سکتا ہے۔ چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق مفتی صاحب فرماتے ہیں "آئندہ نمازوں کا فدیہ" الخ۔ گویا انھوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ گذشتہ نمازوں کے کفارے کا ان کے پاس بندوبست ہے۔ گو وہ بھی جعلی ہے۔

نیز عرض ہے آئندہ نمازیں بھی فرض ہی نہیں ہوئیں تو ان کے فدیہ کا کیا سوال۔ کیا دنیا میں جرم سے پہلے بھی سزا کا کوئی تصوّر ہے؟

قبل ازیں مفتی صاحب نے شرعی ضرورت پورا کرنے کی خاطر لکھا ہے: "کسی جگہ مسجد بن رہی ہے روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی۔ اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا"۔

میں کہتا ہوں اگر وہ فقیر زکوٰۃ لے کر بھاگ جائے تو کیا آپ اس کا پیچھا تو نہیں کریں گے۔ اگر پیچھا کریں گے تو پھر وہ مالک کیسا؟ کیا فراڈ مذہب ہے یہ۔ معلوم ہوتا ہے احناف بیویوں کی طرح مال کا بھی حلالہ کرواتے ہیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے پوچھا گیا طوائف کی آمدنی صرف حرام پر ہے اس کے یہاں میلاد شریف پڑھنا اور اس کی اسی حرام آمدنی کی منگوائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب دیتے ہیں: "اس مال کی شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے مگر جب کہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو اور یہ لوگ جب کوئی کارِ خیر کرنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے کوئی شہادت کی حاجت نہیں۔ اگر وہ کہے کہ میں نے قرض لے کر یہ مجلس کی ہے اور وہ قرض اپنے مالِ حرام سے ادا کیا ہے تو اس کا قول مقبول ہوگا"۔ (احکام شریعت ص ۴۴)

۴۱۲ مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "حکم الٰہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے"۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "احناف نے نو اصول ایسے وضع کیے جن کا مقصد احادیث کا ردّ ہے"۔ (فتاوی عزیزیہ ج ۱ ص ۶۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حنفیہ کی اصول کرخی میں لکھا ہے: "ہر وہ آیت یا ہر وہ حدیث جو قولِ امام کے خلاف ہو اس کی تاویل کی جائے یا اسے منسوخ قرار دیا جائے۔ وغیرہ"۔

مفتی صاحب نے چند کفاروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ عرض ہے کہ کفاروں کے ساتھ اسقاط کا کیا تعلق؟ غلط بحث نہیں چاہیے۔

﴿۴۱۳﴾ اعتراض نقل فرماتے ہیں: "حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جائیں گے کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں"۔

جواب دیتے ہیں: "اعتراض تو ایسا ہی ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوۃ سے مسلمانوں میں بے کاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے"۔

بریلوی مولوی شاید اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے برابر ہی سمجھتے ہیں۔ زکوۃ اور توبہ کے مسائل تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ کیا اسقاط کا مسئلہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس پر اعتراض کرنا اسلام پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے؟

﴿۴۱۴﴾ فرماتے ہیں: "یہ مسئلہ صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے۔ لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو"۔

ذرا توجہ فرمایئے گویا اس مسئلہ کی دلیل یہی ہے کہ یہ صدہا سال سے مشہور ہے۔ قرآن و سنت کا کوئی ذکر نہیں۔ صدہا سال سے تو چوریاں اور ڈاکے بھی پڑ رہے ہیں جو لوگ نماز جاری رکھے ہوئے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ انھیں معلوم ہے کہ یہ مسئلہ بالکل فراڈ اور بے ایمانی ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اسقاط کا عقیدہ رکھنے والوں کی زیادہ تعداد بے نماز ہے شاید اس لیے کہ انھیں یہ بھول ہے کہ ان کے مولوی حیلہ اسقاط سے انھیں چھڑا لیں گے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں: کسی نے حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے حضرت سیدی قصیب البان موصلی قدس سرہٗ کی شکایت کی کہ ان کو کبھی نماز پڑھتے نہ دیکھا۔ ارشاد فرمایا اس سے کچھ نہ کہو اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ میں سجود میں ہے۔ (ملفوظات ص ۲۱۰)

لہٰذا خانہ کعبہ میں سجود کے بہانے جب ان کے بزرگوں کو نماز معاف ہے تو ان کے عاشقوں کو کیوں نہ معاف ہو گی۔ ان کا سر بسجود خانہ کعبہ کے اندر نہ سہی باہر ہی سہی۔

نمازِ زاہداں سجدہ سجود است   نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است

﴿۴۱۵﴾ اعتراض نقل کرتے ہیں: "کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا جس سے ان پر عذاب الٰہی آ گیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے... الخ"۔

جواب دیتے ہیں: "حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے۔ ایسے ہی یہ بھی اس اُمت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے"۔

مشہور ہے کہ دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ مفتی صاحب اہل حیلہ شرعی کے جواز میں حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی مثال دے چکے ہیں۔ (ص ۳۸۴) یعنی جب مثال ان کے مطلب کی ہو تو حیلہ حلال اور رب کی رحمت ہو جاتا ہے اور جب خلافِ مطلب ہو تو حیلہ حرام اور عذاب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حیلہ یہودیوں والا ہو یا حنفیوں والا یہ ہر صورت حرام ہے۔ کیونکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکاری کسی بھی دور میں حلال نہیں ہوتی۔

۴۱۶ آگے لکھتے ہیں: "نیز انھوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا، ایسے حیلے اب بھی منع ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ کیا حنفی حلال کو حلال کرنے کا حیلہ کرتے ہیں۔ یعنی جو چیز پہلے ہی حلال ہے اسے حلال کرنے کے لیے حیلہ کی کیا ضرورت ہے۔ میں پوچھتا ہوں ہبہ کو بار بار لوٹانا جسے نبی ﷺ نے کتے کی قے چاٹنے کے برابر قرار دیا ہے کیا یہ عمل حلال ہے؟ حیلہ کر کے زکوٰۃ نہ دینا کیا یہ حلال ہے؟ ایک رات کے لیے نکاح پڑھا کر حلالہ کرنا کیا یہ حلال ہے؟ یہ سب حیلے حرام کو حلال کرنے والے ہی تو ہیں جو حنفیہ کے نزدیک کارِ ثواب ہیں۔ ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کا حیلہ تو ان حنفی حیلوں کے مقابلے میں کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا۔ یہودیوں کی بدقسمتی کہ وہ حنفیوں کی کتاب الحیل نہیں پڑھے ہوئے تھے ورنہ کم از کم وہ بندر اور خنزیر تو نہ بنائے جاتے۔

۴۱۷ قرآن پاک میں ہے:

﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ (النجم: ۳۹) "ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی"۔

مفتی صاحب نے بطور اعتراض اس آیت کو نقل کر کے یہ جواب دیا ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے۔ غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے"۔

عرض ہے کہ مقصد ملکیت نہیں فائدہ ہے ورنہ آگے اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے:

﴿وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ۝﴾ "اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی"۔

انہوں نے لکھا ہے: "انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے"۔

اس سے معلوم ہوا بریلوی حضرات جو اتنے اتنے قرآن پڑھ کر ایک دوسرے کی مِلک (پارسل) کرتے ہیں سب فراڈ ہے۔ کہتے ہیں غیر کی سخاوت پر۔ سوال یہ ہے کیا اسقاط سخاوت ہے؟ اگر اس "سخاوت" پر انحصار کرنا خلاف عقل ہے تو حنفیوں کا حیلہ اسقاط کو زور وشور سے بیان کرنا کیا مطابق عقل ہے؟

۴۱۸ لکھتے ہیں: "یا یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ اس کے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے"۔

یہ کتنے باغیانہ الفاظ ہیں۔ نماز کے متعلق تو ذکر نہیں البتہ روزے کے بارے میں صاف ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((من مات و علیه صیام صام عنهٗ ولیه)). (عن عائشه مسلم ص ۳۶۲ حدیث ۲۶۹۲)

"جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے"۔

علاوہ ازیں نبی ﷺ نے ایک خاتون کو اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے ایک ماہ کے قضا شدہ روزے رکھنے کی اجازت دی تھی۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ایضاً) کیا نبی ﷺ نے یہ سب کچھ خلاف عقل ارشاد فرمایا۔ اصل بات یہ ہے جن چیزوں کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے ان کا فائدہ میت کو پہنچے گا جن چیزوں کا ثبوت نہیں ان کا فائدہ نہیں پہنچے گا۔ بعض اعمال میں نیابت ثابت ہے، دُعائیں ثابت ہیں، نمازِ جنازہ ثابت ہے، صدقہ وخیرات ثابت ہے، شفاعت انبیاء علیہم السلام ثابت ہے، اسقاطِ احناف ثابت نہیں ہے۔ البتہ اسقاطِ حمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرور ثابت ہے۔

﴿۴۱۹﴾ مفتی صاحب نے ضروری ہدایت کے تحت ایک دلچسپ حیلہ بیان فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

((ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنه اصحابه وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ نعالهم اتاه ملكان ... الخ)). (عن انس رضی اللہ عنہ بخاری ص ۱۸۳ حدیث ۱۳۷٤، مسلم ج ۲ ص ۳۸٦ حدیث ۷۲۱٦، مشکوۃ اثبات عذاب القبر ص ۲٤)

"جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس جانے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں"۔

اس سے انھوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ "دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوالِ قبر نہیں ہوتا"۔

ایک حدیث میں ہے:

((ما من مسلم یموت یوم الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر)). (عن عبداللہ بن عمرو ترمذی باب ما جاء فی یموت یوم الجمعة حدیث ۱۰۷٤، مشکوۃ باب الجمعة ص ۱۲۱) ❶

"جو مسلمان بھی جمعہ کے دن فوت ہو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے امتحان سے محفوظ رکھتے ہیں"۔

بجائے اس حدیث کے شامی کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال نہیں ہوتے۔ تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آ گیا سوالِ قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا"۔

گویا یہ عذابِ الٰہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ مگر چاہیے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے۔ اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

یہ حیلہ پے در پے کئی بدحواسیوں کا مجموعہ ہے۔ حدیث شریف میں ساتھیوں کے جانے کے بعد نکیرین کی آمد کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک ساتھی موجود رہیں نکیرین کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔ یہ بتلانا مقصود ہے کہ دفن ہونے کے تھوڑی دیر بعد آ جاتے ہیں حقیقت تو یہ ہے نکیرین کے آنے کے لیے دفن ہونا بھی شرط نہیں۔ جو لوگ اپنی لاش نہیں دفناتے یا کسی عذر کی وجہ سے جن کا دفن ہونا ناممکن ہوتا ہے کیا خیال ہے وہ نکیرین کے سوالات سے بچ جاتے ہیں"۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ "کچھ دیر تک میری قبر کے گرد کھڑے رہنا تاکہ میں تم سے مانوس رہوں اور دیکھوں کہ اپنے ربّ کے فرشتوں کو میں کیا جواب دیتا ہوں"۔ (مسلم ج ۱ ص ۷٦ حدیث ۳۲۱)

اس کا حوالہ مفتی صاحب نے بھی اپنی اس کتاب میں دیا ہے۔ (ص ۲۷۱) اس سے ثابت ہوا یہ خیال صحیح نہیں کہ ساتھیوں کی موجودگی میں نکیرین نہیں آتے۔ نیز سوال یہ ہے کیا کسی قبر پر مسلسل بیٹھنا ممکن بھی ہے؟ مثلاً باری باری بیٹھنے والوں میں سے جس کی باری ہے اپنی شفٹ کے دوران میں اسے ٹٹی پیشاب آ جائے تو پھر وہ کیا کرے؟ وہ ذرا سی دیر کے لیے بھی وہاں سے ہلتا ہے تو نکیرین آ جاتے ہیں۔ اُدھر حاجت مار رہی ہے اِدھر مفتی صاحب کا فتویٰ یاد آ رہا ہے۔ عجب کشمکش کا عالم ہے تو کیا خیال ہے قبر پر ہی اسقاط کر دے۔ اور اگر

تخریج: ❶ منقطع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالفرض وہ نمازی ہے اتنے میں نماز کا وقت ہو جائے تو کیا نماز ترک کر دے، کیونکہ جن مولویوں نے اسے یہاں بٹھایا ہے وہ اس کی نمازوں کا اسقاط تو کرہی دیں گے۔ مفتی صاحب نے اس چوکیدار اور نکیرین کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ یوں لگتا ہے جیسے نکیرین کوئی پرندے ہوں اور یہ چوکیدار کوئی چڑی مار ہو اور ہاتھ میں غلیل لیے بیٹھا ہو جو انھیں قبر کے نزدیک نہ آنے دیتا ہو اور طوطے اس چڑی مار سے بہت خائف ہوں اور اس داؤ میں ہوں کہ جونہی یہ ذرا پرے ہٹے وہ جھٹ قبر میں داخل ہو کر میت سے سوال جواب کر ڈالیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ میرے بھائی یہ خدائی معاملہ ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ مٹھو گول گرم نہیں ہے۔

جمعہ کے دِن مرنے سے متعلق حدیث سے بھی ان کا استدلال مضحکہ خیز ہے۔ اوّل تو یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں جمعہ کے دِن مرنے کا ذکر ہے دفن ہونے کا ذکر نہیں۔ مفتی صاحب نے خواہ مخواہ بروزِ اتوار مرنے والے کو بھی جمعہ کی فہرست میں شامل فرما لیا ہے۔ اگر جمعہ کے دِن دفن ہونا بھی معتبر ہے تو جو اتوار کر مرے تو بجائے اس کے کہ اسے اتوار کو دفن کر کے کسی چوکیدار کی خدمات کا رسک لیا جائے کیوں نہ اس کی لاش کو کولڈ سٹوریج میں رکھوا کر محفوظ کر دیا جائے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی داؤ لگانے سے باز نہیں آتے۔

۴۲۰ فرماتے ہیں: ”بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دِن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں اور لوگوں کو روکتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ ﴾ (علق: ۹، ۱۰)

”بھلا اسے بھی تو نے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے جب کہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے“۔

”معلوم ہوا کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے۔ قضا بھی نماز ہے اس لیے اس سے روکنا ہرگز جائز نہیں“۔

حضرت صاحب نے آیت کا صحیح استعمال نہیں فرمایا۔ جو نماز سنت کے مطابق ہو اس سے روکنا واقعی جرم ہے۔ لیکن جو نماز سنت کے مطابق نہ ہو اس سے نہ روکنا جرم ہے۔ مثلاً نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا ہے تو نماز ہی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے روکا۔ (شرح مجمع البحرین) مفتی صاحب کی قضاء عمری والی نماز بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا اہل بدعت ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے۔

۴۲۱ فرماتے ہیں: ”قضاء عمری کی اصل یہ ہے تفسیر روح البیان زیر آیت ﴿ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ (الانعام: ۵۵) ایک حدیث نقل کی جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہو اس کے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دِن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی اور قل ھو اللہ اور فلق و سورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دِن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضا پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضا نہ پڑھو صرف یہ نماز پڑھ کر سب ادا ہو گئیں“۔

یہ حدیث نہیں بلکہ سولہ آنے گپ ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عجالہ نافعہ ص ۳۰ میں اور ملا علی قاری کے موضوعاتِ کبیر باب حرف میم میں اسے موضوع اور باطل فرمایا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے رمضان کے جمۃ الوداع کا ذکر کیا مگر اس مبینہ روایت میں کسی بھی جمعہ کا ذکر ہے اور مطلب جو بیان کیا ہے وہ اس حدیث کی صحیح ترجمانی نہیں۔ جس شخص نے یہ حدیث وضع کی ہے اس نے تمام قضا شدہ نمازوں کو پڑھنے کا ذکر نہیں کیا ویسے بھی جب ان بارہ رکعتوں کا نام ہی قضا عمری ہے تو دو دفعہ قضا کا کیا مطلب ہے؟ قضا عمری کا مسئلہ حیلہ کے زمرہ میں آ ہی تب سکتا ہے جب نمازیں نہ پڑھنی پڑیں۔ اگر نمازیں بھی سب پڑھ لیں اور قضا کرنے کی معافی بھی مانگ لی تو حلیہ کونسا رہ گیا اصل میں یہ بھی بریلویوں کے حیلہ اسقاط کی ایک قسم ہے جو یہ زندگی میں لیتے ہیں۔

۴۲۲ آگے مفتی صاحب نے بطور مثال لکھا ہے: "جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے عرفہ میں حاجیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی بارگاہِ الٰہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے۔ حضور ﷺ نے پھر مزدلفہ میں دُعا فرمائی تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادیئے گئے۔ [1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مار دو کسی کو قتل کر دو کسی کی چوری کرلو اور حج کر آؤ سب معاف ہو جائے گا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہوگئی وہ معاف کردی گئی"۔

یہ روایت عن عباس بن مرداس ابن ماجہ کتاب المناسک باب الدعاء بعرفۃ حدیث ۳۰۱۳ میں ہے اور بالکل ضعیف ہے ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔

نیز گزارش ہے کہ مظالم کا تعلق حقوق العباد سے اور نمازوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اگر دونوں کی قضا ہی دینی لازی تھی تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم کے۔ آخر ان کے حکم میں فرق ہے تب ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا الگ ذکر فرمایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے یہ دُعا صرف حاجیوں کے لیے نہیں مانگی تھی پوری اُمت کے لیے مانگی تھی۔ دعا لامۃ کے الفاظ ہیں۔

اذان میں انگوٹھے چُومنے کا بیان

۴۲۳ مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہِ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرمارہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جائے"۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے جس نے مجھے خواب میں دیکھا تحقیق اس نے مجھ ہی کو دیکھا بے شک شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۲۱ حدیث ۱۱۰، مسلم ج ۲ ص ۲۴۲ حدیث ۵۹۲۰، مشکوٰۃ کتاب الرؤیا ص ۳۹۴) لہٰذا اور کسی بزرگ کے بارے میں یہ گارنٹی نہیں دی جاسکتی لہٰذا دیکھو کہیں وہ شیطان ہی نہ ہو۔

مفتی صاحب نے چونکہ ہر لغو کام کو بریلوی مذہب بنانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ایسے ہی خواب میں ملنے والے "بزرگ" نے محسوس کیا ہوگا کہ مفتی صاحب چونکہ اس کے لیے بہت کارآمد ہیں اس لیے ان سے تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھوا لینا چاہیے تاکہ دین کو مذاق بنانے میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے:

تخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۲۱)

"بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دِل میں وسوسہ ڈالتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑا کریں اگر تم نے ان کی بات مانی تو تم مشرک ہو"۔

اس مسئلہ کے لغو ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ خود مفتی صاحب کا اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ نہ تھا۔ اگر یہ مسئلہ اہم ہوتا تو کیا وہ اس کو نظر انداز کرنے کا سوچ سکتے تھے۔

﴿۴۲۴﴾ مفتی صاحب نے صلوٰۃ مسعودی ج ۲ کے حوالے سے "اذان میں نبی ﷺ کا نام سُن کر انگوٹھوں کو آنکھوں کے ساتھ لگانے کی فضیلت میں حدیث بیان فرمائی ہے"۔ مگر مصنف کا یہ بیان نہیں لکھا کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے نیز اس کے حاشیہ کا یہ نوٹ بھی درج نہیں فرمایا کہ اس روایت کو بعض نے موضوع اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔

﴿۴۲۵﴾ مفتی صاحب نے تفسیر روح البیان زیر آیت ﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ سے نقل کیا ہے۔ شامی ج ا باب الاذان ص ۲۹۳ میں ہے اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے صلی الله علیك یا رسول الله دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بك یا رسول الله پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر تو حضور ﷺ اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چُوے اذان میں اشھد ان محمد رسول الله سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق میں ہے"۔ یہ کتابیں بریلویوں اور دیوبندیوں کے درمیان مشترکہ ہیں۔ لہٰذا باوجود چاہنے کے دیوبندی ان سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکتے اِلا یہ کہ وہ اہل حدیث والا رویہ اختیار کریں اور قرآن و حدیث سے اس کا صحیح ثبوت مانگیں مگر مصیبت یہ ہے کہ پھر انھیں تقلید سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ اگر فقہ حنفی کو ماننے کا نام حنفیت ہے تو پھر بریلوی ہی صحیح اور اصلی حنفی ہیں۔ دیوبندی بے چارے کچھ بھی نہیں ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وِصالِ صنم

شامی کی عبارت کا بعض دیوبندیوں نے یہ جواب دیا ہے کہ شامی نے آگے چل کر یہ لکھا ہے:

وذکر ذلك الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شیء.

"جراحی نے یہ طویل بحث نقل کرنے کے بعد فرمایا اس میں کوئی مرفوع روایت صحیح ثابت نہیں"۔

گزارش ہے کہ شامی نے یہ جراحی کا قول نقل کیا ہے ورنہ اپنی طرف سے انھوں نے یہی لکھا ہے کہ انگوٹھے چومنے وغیرہ مستحب ہیں۔ یعنی باوجود صحیح حدیث نہ ہونے کے یہی ان کے نزدیک مستحب ہے۔

﴿۴۲۶﴾ مفتی صاحب نے علامہ سخاوی کی مقاصد حسنہ سے مسند فردوس دیلمی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب مؤذن نے اشھد ان محمدًا رسول الله کہا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔ یہ حدیث پایہ صحت کو نہیں پہنچی"۔

علامہ طاہر حنفی نے تذکرۃ الموضوعات ص ۳۶ میں اور ملاں علی قاری نے بحوالہ علامہ سخاوی موضوعات کبیر ص ۷۵ میں اسے لا یصح لکھا ہے۔ سخاوی کے الفاظ و لم یصح مفتی صاحب نے بھی نقل کیے ہیں جس کا ترجمہ بڑے مہذب انداز میں یہ فرمایا ہے یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی۔ افسوس کہ مفتی صاحب کا یہ ترجمہ بھی پایہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ یہ ترجمہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی نے امتحان میں فیل ہو جانے والے طالب علم سے پوچھا سنا نتیجہ کیسا رہا تو اس نے جواب دیا حسب منشا نہیں ہے۔ مفتی صاحب کا ترجمہ تب صحیح ہوتا اگر الفاظ یوں ہوتے لم یبلغ درجة صحة۔ مگر الفاظ ولم یصح ہیں۔ جس کا معنی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ یعنی ضعیف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع ہے۔

﴿۴۲۷﴾ مفتی صاحب نے مقاصد حسنہ سے ہی بحوالہ موجبات رحمت مصنفہ ابوالعباس ایک روایت حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے سنے اشهد ان محمدًا رسول الله تو کہے مرحبا بحبیبی و قرة عینی محمد ابن عبدالله پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی کبھی آنکھیں نہ دکھیں گی“۔

علامہ محمد طاہر حنفی لکھتے ہیں: ”اس کی سند میں مجہول راوی ہیں اور یہ منقطع ہے۔ یہی بات ملاں علی قاری رحمہ اللہ حنفی نے بھی لکھی ہے۔

نیز سوال یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کرنے والا کون ہے۔ پہلے ملاقات تو ثابت کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں ہے ورنہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے محمد بن عبداللہ نہ کہتا۔ خود مفتی صاحب پیچھے لکھ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہنا حرام ہے۔ (ص ۱۷۳) نیز یہ کہنا کہ ایسا عمل کرنے والے کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی بالکل ہی غلط بات ہے۔ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ جس طرح تقبیل ابہامین پر نہ عمل کرنے والوں کی آنکھیں دکھتی ہیں اس طرح انگوٹھے چومنے والوں کی کبھی آنکھیں دکھتی ہیں، بلا امتیاز ہر دو کو عینکیں بھی لگ جاتی ہیں اور خدانخواستہ ہر دو میں سے بعض نابینا بھی ہو جاتے ہیں کسی بھی آنکھوں کے ہسپتال میں جا کر بچشم خود دیکھ لیں کہ مریض صرف اہلحدیث ہیں یا انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگانے والے بھی ہیں۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے کیا انھیں تقبیل ابہامین والا نسخہ معلوم نہیں تھا۔

ایک اور تعارض ملاحظہ فرمائیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی روایت میں کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصے چومنے کا ذکر ہے۔ اور خضر علیہ السلام والی روایت میں انگوٹھوں کو چومنے کا ذکر ہے شامی میں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومنے کا ذکر ہے اب اللہ جانے صحیح مسئلہ کیا ہے کلمے کی انگلیوں کو چومنا ہے یا انگوٹھے چومنے ہیں یا ناخن چومنے ہیں یا اندرونی حصے چومنے ہیں۔

﴿۴۲۸﴾ مفتی صاحب نے انجیل برناباس کے کسی نسخہ کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ ”حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انھوں نے فرطِ محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا“۔

عرض ہے کہ یہ واقعہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھا اسے انجیل میں ہونا چاہیے تھا یا قرآن پاک میں اگر انجیل میں یہ واقعہ مذکور ہے تو قرآن پاک میں بالاولی اس کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔

نیز اس واقعہ کے مطابق آدم علیہ السلام نے انگوٹھوں کو اس وقت چوما جب نورِ مصطفیٰ ان کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا۔ نہ اس سے پہلے چوما نہ بعد میں چومنا ثابت ہے لہٰذا اگر کسی کو اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں میں نور مصطفیٰ کی چمک نظر آئے تو بے شک چوم لے۔ ہے کوئی اس کا مدعی؟ اصل سوال تو یہ ہے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ نہیں بتلایا کہ جب مؤذن اشهد ان محمدًا رسول الله کہے تو تم بھی یہی کلمہ دہراؤ اور جب آپ کا اسم گرامی لیا جائے تو میلاد شریف پڑھو؟ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر انجیل کا حوالہ دینا (جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ تحریف شدہ ہے) مسئلہ کے بے بنیاد ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یہ بھی مفتی صاحب کا خیال ہے کہ روح القدس سے ان کی مراد نبی ﷺ تھی یہ خیال ان کے باقی خیالات کی طرح غلط بھی ہوسکتا ہے۔

﴿۴۲۹﴾ فرماتے ہیں: "انگوٹھے چومنے کو حرام کہنا محض جہالت ہے۔ جب تک ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے"۔

عرض ہے کہ اس زمانہ میں بریلوی تھے ہی کب؟ نہ یہ لغو حرکت کسی نے کی تھی نہ منع تک نوبت آئی۔ باقی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مسائل دینیہ کے لیے مثبت دلیل پائی جانی چاہیے۔ دینی مسئلہ کے خلاف صریح دلیل کا نہ ہونا اس کے جواز یا استحباب کی دلیل نہیں۔ ورنہ تو بے شمار مسائل گھڑے جاسکتے ہیں اور ان کے دفاع میں دلیل دی جاسکتی ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے منع نہیں فرمایا۔ اگر کسی مسئلہ میں نبی ﷺ سے سند لینے کی ضرورت نہیں تو آپ کی تشریف آوری کا کیا فائدہ ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو مؤذن کہے سو تم بھی کہو کیا یہ ان کی خودساختہ بدعت کی ممانعت صریح دلیل نہیں۔ اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

لا دليل على النافي في احكام الشرع و انما الدليل على المثبت.

"یعنی احکام شرع میں ممانعت کا نہ ہونا دلیل نہیں۔ مثبت دلیل کی ضرورت ہوتی ہے"۔

﴿۴۳۰﴾ فرماتے ہیں: "استحباب کے لیے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے"۔

سوال یہ ہے کیا ان کے نزدیک صرف وہی لوگ مسلمان ہیں جو انگوٹھے چومنے والے ہیں۔ یا اور کسی کو بھی مسلمان ہونے کی اجازت ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کئی معقول قسم کے بریلوی بھی یہ نامعقول حرکت نہیں کرتے۔ تو کیا یہ مسلمان نہیں ہیں یا ان کا استحباب معتبر نہیں ہے۔ اگر مفتی صاحب کے قاعدہ کے مطابق مسلمانوں کا استحباب معتبر ہے تو خود مفتی صاحب اسقاط کے باب میں لکھ آئے ہیں کہ پنجاب میں عام طور پر مروج ہے کہ قرآن پاک پر ایک روپیہ رکھ کر نمازوں کا اسقاط کرتے ہیں جو غلط طریقہ ہے۔ (ملخص ص ۳۸۳)

سوال یہ ہے کیا یہ لوگ مسلمان نہیں ہے۔ ان کا استحباب کیوں نامعتبر ہے۔

مفتی صاحب شروع کتاب میں لکھ آئے ہیں عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ (ص ۱۷) صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں، جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع اُمت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ (ص ۱۸)

دریافت طلب یہ امر ہے کہ انگوٹھے چومنا عقائد سے تعلق رکھتا ہے یا صریح احکام سے تعلق رکھتا ہے یا مسائل اجتہادیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا تعلق مؤخر الذکر سے ہے تو اس میں تقلید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کی جائے گی یا انجیل برنباس کی یا انگوٹھے چومنے والے جہلاء کی۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھے چومنے کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے؟

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

﴿۴۳۱﴾ انگوٹھے چومنے کے بارے میں چونکہ کوئی روایت صحیح نہیں لہٰذا اس اعتراض کے پرخچے" اُڑانے کے لیے مفتی صاحب نے لمبا چوڑا بیان دیا ہے۔

فرماتے ہیں: "تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرمار ہے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی ایک روایت ہے جو اگر موقوف بھی صحیح ہوتی تو اس میں کچھ وزن ہوتا۔ مگر وہ تو مرفوع ہے اور ہے بھی موضوع۔ یعنی نہ اس کا مرفوع ہونا صحیح ہے نہ موقوف ہونا صحیح۔ اس کے علاوہ تو مفتی صاحب نے کسی صحابی سے کوئی روایت ہی پیش نہیں کی جس کا موقوف ہونا صحیح ہو سکے۔

۴۳۲ مفتی صاحب نے موضوعاتِ کبیر (ص ۷۵) سے ملا علی قاری کا قول نقل کیا ہے کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت"۔

عرض ہے اگر اس کی کوئی سند مرفوع ہوتی اور کوئی موقوف۔ مرفوع صحیح نہ ہوتی موقوف صحیح ہوتی تو کہا جاسکتا تھا کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح نہیں موقوف ہونا صحیح ہے۔ یہ تو صرف مرفوع ہی مروی ہے جو سب اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں تو اس کا موقوف صحیح ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا ملا علی قاری حنفی کے اس وہم کو دلیل نہیں بنا لینا چاہیے۔

۴۳۳ مفتی صاحب نے دوسرا جواب یہ دیا ہے: "تمام علماء نے فرمایا لم یصح یعنی یہ تمام احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں۔ صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے۔ لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے"۔

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے عبداللہ بن ابی ایمان نہیں لایا تھا تو کوئی کہے یہ اس کے ایمان کی نفی ہے۔ اسلام کی نفی نہیں۔ معلوم ہونا چاہیے اس جگہ لفظ صحیح کا استعمال حسن کے مقابلے میں نہیں ضعیف کے مقابلے میں ہے۔

پھر مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ تمام احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں یہ تاثر دیتی ہیں جیسی بہت ساری احادیث ہیں۔ حالانکہ ایک ہی صحابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی جاتی ہے جسے ملا علی قاری سمیت سب نے لایصح کہا ہے اور تو کسی صحابی سے کوئی حدیث ہی مروی نہیں۔ لہٰذا یہ تمام احادیث کہاں سے آگئیں۔

۴۳۴ ردالمختار شامی ج ا باب الاذان کے حوالے سے فرماتے ہیں فضائل اعمال میں "ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے"۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے ہی کب؟ یہ تو موضوع ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یجوز و یستحب العمل فی الفضائل والتراغیب والتراھیب بالحدیث ما لم موضوعا. (القول البدیع ص ۱۹۵)

"فضائل اور ترغیب و ترہیب والی حدیث پر عمل صرف اس صورت میں جائز اور مستحب ہے جب کہ وہ موضوع نہ ہو"۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الا نامل عند سماع اسمه صلی الله علیه و سلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات. (تیسر المقال)

"مؤذن سے اشھد ان محمد رسول اللہ سن کر انگلیوں کو بوسہ دینے والی تمام احادیث موضوع ہیں"۔

نیز فضائل اعمال میں ہر ضعیف روایت بھی معتبر نہیں اس کی بھی کچھ شرائط ہیں۔ جن پر یہ روایت پوری نہیں اُترتی۔

۴۳۵ مفتی صاحب الزامی طور پر تعویز گنڈے کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: "بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں"۔

یہ تو اسی طرح کی بات ہے جیسے کسی ڈاکو سے کہا جائے تم ڈاکے کیوں مارتے ہو؟ وہ جواب دے لوگ چوریاں بھی تو کرتے ہیں۔ میرے بھائی ایک ناجائز عمل دوسرے ناجائز عمل کے لیے دلیل نہیں بن جاتا۔ نیز بات یہ ہے کہ تعویز گنڈا کرنے والے اپنے فن کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبی عمل قرار دیتے ہیں جب کہ انگوٹھے چومنا شرعی عمل ہے۔ ویسے اس خاکسار کے نزدیک تعویز اور تقبیل دونوں شرعی عمل ہیں لہٰذا دونوں بدعت ہیں۔

﴿۴۳۶﴾ فرماتے ہیں: "شامی شرح وقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں"۔

جن کے نزدیک کسی مسئلہ کا استحباب صحیح حدیث پر موقوف نہ ہو، ان کا تو پھر اللہ تعالیٰ ہی حافظ ہے۔ ان سے تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔ یہ اہلسنت کا حال ہے۔

﴿۴۳۷﴾ اعتراض نقل کرتے ہیں: "حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نورِ مصطفیٰ انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا تو تم کونسا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی وجہ جو وہاں تھی وہ یہاں نہیں"۔

مفتی صاحب کا جواب نقل کرنے سے قبل میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اعتراض ہی فضول ہے۔ اس لیے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں کہ جن انگوٹھوں سے وٹوانی پکائی جاتی ہے اور استنجاء کیا جاتا ہے وہاں نورِ مصطفیٰ کو چمکایا گیا ہو۔ نورِ مصطفیٰ اگر چمکایا جاتا تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی پر چمکایا جاتا۔

مفتی صاحب جواب دیتے ہیں: "حضرت ہاجرہ علیہا السلام تو تلاش پانی کے لیے صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں آج تم وہاں کیوں دوڑتے ہو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تین جگہ شیطان کو کنکر مارے آج تم کیوں مارتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو دکھانے کے لیے طواف میں رمل کرا کر اپنی طاقت دکھائی اب طواف قدوم میں تم رمل کیوں کرتے ہو؟ جناب انبیاء کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے"۔

مفتی صاحب کہلاتے تو حکیم الامت تھے لیکن حکمت ان سے کوسوں دور معلوم ہوتی ہے۔ حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا نے جہاں دوڑ لگائی تھی حضرت اسماعیل علیہ السلام نے (بقول مفتی صاحب) جہاں کنکر مارے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں رمل کروایا تھا، حجاج کرام انہی مقامات پر یہ اعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کاموں کے لیے کوئی اور مقامات نہیں چُن لیے۔ لہٰذا بریلویوں نے اگر اپنی انگوٹھوں والی یادگار کو باقی رکھنا ہے تو انھیں چاہیے کہ آدم علیہ السلام کی قبر تلاش کریں اسے کھودیں اور ان کے انگوٹھوں کو چومنا شروع کردیں۔ نورِ مصطفیٰ علیہ السلام ان کے انگوٹھوں پر چمکایا گیا چومنے شروع کر دیئے گئے اپنے انگوٹھے۔ یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے؟ یہ تو ایسے ہے جیسے پاکستان میں ارکانِ حج ادا کرنے شروع کر دیئے جائیں۔ نیز مفتی صاحب نے جن تین یادگار اعمال کا نام لیا ہے حاجی لوگ اگر ان پر عمل کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ کسی مولوی صاحب نے ایسا کہا ہے یا یہ کسی فقیہ کا فتویٰ ہے یا کسی انجیل برنباس میں ایسا لکھا ہے بلکہ اس لیے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مسنون فرمایا ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے چومنے کی سنت کو بھی جاری فرمایا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو درود بھیجنے کے فضائل بھی بیان فرمائے۔ لیکن انگوٹھے چومنے کی نہ کوئی آیت ہے نہ کوئی حدیث۔ کیا اس مسئلہ کی کوئی اہمیت نہ تھی یا یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے بریلویوں کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

ذرا مفتی صاحب کے علم کا حدود اربعہ بھی ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں: "حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تین جگہ شیطان کو کنکر مارے" حالانکہ کنکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مارے تھے"۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مسند احمد، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿۴۳۸﴾ مفتی صاحب اعتراض بیان کرتے ہیں: "کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہیں کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ، پاؤں، کپڑے وغیرہ چومنا چاہیے"۔

جواب دیتے ہیں: "چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے اس لیے اسی کو چومتے ہیں۔ منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں"۔

عرض ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والی روایت میں (بالفاظ مفتی صاحب) کلمہ کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چومنے کا ذکر ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام والی روایت میں انگوٹھوں کو چومنے کا ذکر ہے بقول مفتی صاحب صرف انجیل برنباس میں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومنے کا ذکر ہے تو کیا انجیل برنباس کا حوالہ زیادہ معتبر ہے اور اس کی روایت بھی ان منصوصات میں سے ہے جس کی وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔

﴿۴۳۹﴾ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن اور روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت ﴿بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا۔ یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا۔ جب ان پر عتاب الٰہی ہوا وہ کپڑا اُتار لیا گیا۔ مگر اُنگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور ﷺ کے طفیل سے ملے گی۔ لہٰذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں۔ جیسے کہ کعبہ معظّمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں۔ باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر آیا تھا۔ اور طوفان نوح علیہ السلام میں اٹھا لیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے"۔

مفتی صاحب نے اپنی کتابوں کے حوالے سے جس آدم کا نقشہ کھینچا ہے ممکن ہے ان حضرتوں کا باوا آدم ایسا ہی ہو جو انسان کم اور کچھ اور زیادہ نظر آتا ہو۔ ہم جس آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق فرمایا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی تھے ہم اُن کے متعلق ناخن کے خول والا گھٹیا تصور قبول کرنے کو تیار نہیں اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی پیدائش کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (المؤمنون: ١٤) "برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھی پیدائش کرنے والا ہے"۔

مگر جس کے متعلق فرمایا:

﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (ص: ٧٥) "میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا"۔

وہ کتنا خوبصورت ہوگا۔

﴿۴۴۰﴾ فرماتے ہیں: "ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں، تو کیا باقی وجود جہنمی ہے۔ یا کیا باقی وجود کسی اور فیکٹری میں تیار ہوا تھا اور ناخن والا لباس کسی اور ٹیکسٹائل میں تیار کروایا گیا۔ ناخن اگر جنتی لباس ہیں تو کیا کافر مشرک اس جنتی لباس سمیت جہنم میں ڈالے جائیں گے"۔

﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝﴾ (القيمه: ٤) "ہاں کریں گے ہم تو قادر ہیں اس کی پور پور تک درست کر دیں"۔

جن جانوروں کے ناخن ہوتے ہیں کیا وہ ان کے جنتی ہونے کی یادگار ہیں۔ ناخن اگر جنتی لباس ہے تو کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے آدم و حوا علیہما السلام کی انگلیاں ناخنوں کے بغیر ہی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے حجرِ اسود کی مثال دی ہے کہ "جیسے صرف حجر اسود جنت سے آیا تھا اس لیے فقط اسی کو چومتے ہیں"۔

مفتی صاحب نے پچھلے باب میں بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے پر بڑا زور دیا ہے اور "دلائل" کے انبار لگا دیئے ہیں کیا یہ بھی جنت ہی سے آئے ہیں۔ مفتی صاحب نے قبریں چومنے کا بھی ذکر کیا ہے کیا یہ موت کی نشانیاں بھی جنت ہی سے آئی ہیں۔

مفتی صاحب نے لکھا ہے: "دونوں انگوٹھے یا کلمہ کی اُنگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے"۔ (ص ۳۹۴)

سوال یہ ہے کہ جنت سے ناخن آئے ہیں یا انگوٹھے آئے ہیں یا کلمہ کی انگلی آئی ہے۔ آخر جنتی لباس کونسا ہے؟ دراصل مفتی صاحب کی یہ تحقیق حقیقت سے نہیں بلکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے حُقّہ کی چلم سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

حجر اسود کے متعلق گزارش ہے کہ ہم اس لیے نہیں چومتے کہ جنت سے آیا ہے بلکہ اس لیے چومتے ہیں کہ اسے حضور ﷺ نے چوما ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اگر تجھے حضور ﷺ نے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔

جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

﴿۴۴۱﴾ فرماتے ہیں: "بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے باآواز بلند کلمہ طیب سب مل کر پڑھتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے جاتے ہیں"۔

﴿۴۴۲﴾ لکھتے ہیں: "یہ جائز ہے اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات و احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء شاہد ہیں"۔

عجیب بات ہے جس مسئلہ کا اتنا پکا ثبوت ہو وہ صرف بعض جگہ بطور رسم جاری ہو، کیا باقی دنیائے اہل سنت قرآن پاک احادیث صحیحہ اور فقہ سے ناآشنا ہی ہے۔

مفتی صاحب نے قرآن پاک سے یہ دلیل دی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ (آل عمران:۱۹۱)

"جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں"۔

عرض ہے کہ اگر یہ دلیل جنازہ کے لیے بن سکتی ہے تو پھر اس میں نہ تو چلتے چلتے کا ذکر ہے نہ جنازہ کے آگے کا ذکر ہے بلکہ کھڑے بیٹھے اور کروٹ کے بل لیٹے کا ذکر ہے۔ لہٰذا بریلویوں کو چاہیے کہ میت کے پاس کھڑے بیٹھے اور میت کی چارپائی کے ساتھ چارپائیاں ڈال کر کروٹ کے بل لیٹے بھی کلمہ طیبہ اور نعت شریف پڑھا کریں اس لیے کہ نبی ﷺ نے ان صورتوں سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس طرز کا ذکر بریلویوں کی براتوں اور عام جلسوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ آگے چل کر مفتی صاحب نے فرمایا ہے کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لیے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ (ص ۴۰۵)

﴿۴۴۳﴾ مفتی صاحب نے حدیث سے یہ دلیل دی ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال لم يكن يسمع من رسول الله صلی الله عليه وسلم وهو يمشی خلف الجنازة الا قول لا اله الا الله. (بحوالہ کامل ابن عدی و نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۹۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جنازہ کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف یہی سنا جاتا تھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

اس حدیث کی سند اور اصل حوالہ معلوم ہونا چاہیے۔ خود مفتی صاحب کو اس کی صحت پر اعتماد نہیں۔

﴿۴۴۴﴾ فرماتے ہیں: "یہ حدیث ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے"۔

عرض ہے کہ یہ حدیث فضائل اعمال کے بارے میں ہے یعنی اصل عمل اگر ثابت ہو تو پھر اس کی فضیلت کے بارے میں ضعیف روایت کو بعض لوگ قبول کر لیتے ہیں۔ جب یہ عمل ثابت ہی نہیں تو اس کی فضیلت کے بارے میں ضعیف روایت قبول کر لی جائے گی۔ نیز اس روایت میں جنازہ کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکیلے پڑھنے کا ثبوت ہے جب کہ دعویٰ جنازہ کے آگے مل کر بآواز بلند بہت کچھ پڑھنے کا ہے۔

مفتی صاحب نے ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ سے بھی استدلال کیا ہے اس کے تحت لکھتے ہیں: "میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے۔ یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہوا۔ محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے"۔

عرض ہے کہ جب دلہن سسرال کو روانہ ہوتی ہے تو اس وقت بھی ڈولی کے آگے یہ پڑھنا چاہیے کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ... الخ کیونکہ دلہن کو بھی اپنا میکہ چھوڑنے کا بہت غم ہوتا ہے ؎

بابل دا ویہڑا چھڈ کے سجناں توں دور چلی
گڈیاں پٹولے چھڈ کے ویراں تو دور چلی

کیونکہ بقول مفتی صاحب اس آیت میں ذکر مطلق ہے ... الخ۔

﴿۴۴۵﴾ مفتی صاحب لکھتے ہیں: "منتخب کنز الاعمال ج ۸ ص ۹۹ میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے اَكْثِرُوا فی الجنازۃ قول لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

اس کا جواب زیر عنوان "بلند آواز سے ذکر کرنا" آ چکا ہے۔

مفتی صاحب نے فضائل ذکر کے بارے میں چند احادیث بیان فرمائی ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ ان سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

میں پھر یہی کہوں گا کہ زندوں کو ان فائدوں سے کیوں محروم رکھا جائے۔ مثلاً جب بریلوی مولوی صاحب گھر سے نکلیں یا سفر پر روانہ ہوں تو یہ آواز آنی چاہیے: کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ... الخ وغیرہ وغیرہ۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کے یہ فضائل مردوں کی روانگی کے لیے ہی بیان فرمائے زندوں کو ان کی ضرورت نہیں ہے؟

مفتی صاحب نے اس ذکر کے جواز میں امام شعرانی کی کتابوں سے کچھ اقتباسات نقل کیے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا بریلویوں نے اپنا امام تبدیل کر لیا ہے۔ کیا اب یہ بجائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے امام شعرانی کے مقلد ہو گئے ہیں۔

﴿۴۴۶﴾ فرماتے ہیں: "اس زمانہ میں جب کہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے جاتے ہیں اس سے تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جائے"۔

عرض ہے کہ یہ کسی مجتہد کا اجتہاد ہے یا مقلد کا۔ کیا مقلد کو اجتہاد کا حق ہے؟ بجائے ذکر کرنے کے اور بجائے ہنسنے کے لوگوں کو خاموشی کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات ہیں

۴۴۷ مفتی صاحب نے فتاویٰ عالمگیری ج ا کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنازہ سے بطورِ اعتراض یہ عبادت نقل کی ہے:

و علی متبعی الجنازة الصمت و یکرہ لهم فی رفع الصوت بالذکر و قراءة القرآن فاذا ارادان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسه کذا فی قاضیخان.

"جنازہ میں شامل ہونے والوں پر خاموشی لازم ہے۔ باواز بلند ذکر کرنا یا قرآن پاک پڑھنا مکروہ ہے۔ اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے دل میں کرے اسی طرح قاضی خاں میں ہے"۔

یہی مضمون انھوں نے فتاویٰ سراجیہ باب حمل الجنازہ درمختار ج ا کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت اور شامی وغیرہ سے بھی نقل کیا ہے"۔

جواب میں چند تاویلیں فرمائی ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں: "جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ہے ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے"۔

کاش مفتی صاحب اس پر قائم رہتے۔

(الف) مگر پھر فرماتے ہیں کہ "یہ ممانعت اس زمانہ کے لیے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا"۔

اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں"۔

مفتی صاحب نے "وہ زمانہ اور تھا یہ زمانہ اور ہے" کہہ کر فقہ کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو۔ چنانچہ احناف امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے نہ جہری میں نہ سری میں بلکہ بالکل خاموش رہتے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہوں وہ زمانہ اور تھا یہ زمانہ اور ہے۔ اُس زمانہ میں لوگوں کی خاموشی میں خشوع ہوتا تھا توجہ ہوتی تھی اب خاموشی میں سو طرح کے خیالات، تفکرات اور وسوسے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اب مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کے ساتھ مشغول کر دینا چاہیے تو کیا خیال ہے۔ پھر یہ نبی ﷺ کا مطلق حکم بھی ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

مفتی صاحب نے اُس زمانہ اور اس زمانہ کا تقابل کیا ہے میں پوچھتا ہوں جس زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری لکھی گئی تھی کیا وہ خیر القرون کا دور تھا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے نیز کیا فتاویٰ عالمگیری کا دور پہلے ہے کہ جس میں خاموشی کا حکم دیا گیا ہے یا امام شعرانی کا کہ جنہوں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔

مفتی صاحب شور و غل کے مداح ہیں اور خاموشی پر انھیں اعتراض ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ شریف (ص ۴۱۴) میں حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مقام الرجل بالصمت افضل من عبادة ستين سنة. (بحوالہ شعب الایمان بیھقی حدیث ٤٦٠٢) [1]

"انسان کا خاموشی اختیار کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔

تخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) مفتی صاحب فرماتے ہیں: "احکام کسی عِلّت کے بدلنے سے بدل جائیں گے جیسے کہ اوّل زمانہ میں نماز پڑھانے تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اُجرت لینا حرام تھی اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورتاً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہے۔ اسی طرح ماہِ رمضان میں ختم قرآن پر دُعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا سلف میں نہیں تھا لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا"۔

مفتی صاحب کی یہ باتیں غلط ہیں تعلیم قرآن وغیرہ پر اُجرت نہ پہلے حرام تھی نہ اب حرام ہے:

((ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله)). (عن ابن عباس بخاری ۸۵۴ حدیث ۵۷۳۷)

"بہترین معاوضہ وہ ہے جو تم کتاب اللہ پر لو"۔

مقابر اولیاء اللہ پر چادریں چڑھانا پہلے بھی حرام تھا اب بھی حرام ہے۔ ختم قرآن کے موقع پر دُعا مانگنے کی حیثیت جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔ رکوعوں اور سورتوں وغیرہ کے نشان نہ پہلے منع تھے نہ اب منع ہیں۔ بریلویوں کی فقہ اگر گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہتی ہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور؟

﴿۴۴۸﴾ فرماتے ہیں: "کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے وہ بھی نماز جنازہ کے لیے نکل آتے ہیں تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا"۔

ایک تو کاٹھیاواڑی دین ان کے گھٹنوں گوڈوں میں بیٹھ گیا ہے۔ ہم کسی کاٹھیاواڑی دین کو نہیں جانتے ہمیں صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا دین درکار ہے۔ بریلویوں کی کیا ہی بات ہے جو رسم بد بھی دیکھتے ہیں جھٹ اپنی زنبیل سے دلائل نکال کر اسے مسلمان بنانے میں لگ جاتے ہیں۔ جہاں تک اعلان کا تعلق ہے تو ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((ایاکم والنَّعیَ فان النعی من عمل الجاهلیة)). (عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ترمذی باب کراهیة النعی حدیث ۹۸٤) [1]

"میت کے اعلان سے پرہیز کرو یہ جاہلیت کا عمل ہے"۔

(الف) مفتی صاحب لکھتے ہیں: "درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے عید گاہ کے راستے میں تکبیر نہ کہے نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نمازِ عید کے بعد بھی عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ حکم خاص لوگوں کے لیے ہے لیکن عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے، نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کارِ خیر میں کم ہے"۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: "اسی لیے فقہاء نے یہ تو فرمادیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔ (یعنی یہ حکم خاص لوگوں کے لیے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جائے)"۔

عرض ہے کہ خاص لوگوں کے لیے عید گاہ کے راستے میں تکبیروں کا منع ہونا یہ از روئے شرع محمدی ہے یا از روئے فقہ حنفی ہے نیز فقہاء کا یہ فرمان کہ جنازے کے آگے ذکر نہ کرو اس میں اور روکنے میں کوئی فرق ہے؟ مفتی صاحب کو عوام یعنی جہالت کا بہت فکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ بس انہی کی نمائندگی فرماتے ہیں۔

(ب) مفتی صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں: "جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے۔ کیونکہ وہ چیختے

تخریج: [1] ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہیں رام رام ست ہے۔ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ یاد رکھو! کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہٰذا منع ہے“۔

۴۴۹ جواب دیتے ہیں: ”کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی“۔

عرض ہے کہ صرف بولی کا فرق ہے ورنہ رام رام ست ہے کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ ایک ہے۔

(الف) آگے فرماتے ہیں: ”کفار بُت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر، کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں ہم مکہ معظمہ سے آبِ زمزم لاتے ہیں یہ مشابہت نہ ہوئی“۔

عرض ہے کہ یہ مشابہت تو تب مانی جائے اگر قرآن وحدیث سے اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا نبی ﷺ سے زمزم پینا ثابت نہ ہو اور فقط ہندوؤں کو دیکھ کر ہی ہم نے یہ کام شروع کر دیئے ہوں۔ اس کے برعکس جنازے کے آگے کلمہ طیبہ کا ورد کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں البتہ ہندو ہی رام رام ست ہے پڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس مشابہت کا اس مشابہت سے کیا تعلق؟

(ب) فرماتے ہیں: ”جو کام کہ کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں ان میں مشابہت کرنا منع ہے“۔

تو کیا جنازے کے آگے رام رام ست ہے پڑھنا ہندوؤں کا مذہبی نشان نہیں ہے؟

(ج) فرماتے ہیں: ”اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں تو شوق سے پڑھیں۔ یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام میں مشابہت بری نہیں ہوتی“۔

مطلب یہ کہ ہندو ان کی ریس کریں یا یہ ہندوؤں کی ریس کریں انھیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہندو لوگ جنازے کے آگے رام رام ست ہے کہتے ہیں تو یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام کے لیے مشابہت بقول مفتی صاحب بری نہیں۔

دراصل بریلوی مذہب ہندوؤں ہی سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ”اچھا“ ہے اور اچھے کام میں مشابہت اچھی ہی ہوتی ہے۔ نہ جانے یہ کیسے اہلسنت ہیں جو ہندوؤں کو دیکھ کر ہی اپنا مذہب تیار کر لیتے ہیں۔ ہندوؤں سے انہیں کتنی محبت ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا سکے۔

میں نے خود اپنی آنکھوں سے ٹی وی پر دیکھا اندرا گاندھی کی ارتھی (میت) کے گرد بیٹھ کر حنفی مولوی صاحبان قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اسی طرح اگر یہ لوگ اپنے جنازوں کے آگے رام رام ست ہے بھی کہہ لیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ وہ اچھا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاتمہ کتاب

۴۵۰ اس عنوان کے تحت مفتی صاحب نے دیوبندی عقائد اور اپنے عقائد کا تھوڑا سا موازنہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنے عقائد کو اسلامی عقائد کا نام دیا ہے حالانکہ کفارا پنے عقائد کو بریلوی عقائد کے نام سے موسوم کرتے کیونکہ ان میں بعض ایسی باتیں ہیں جو اسلامی عقائد کے منافی ہیں۔ مثلاً ان کا یہ عقیدہ کہ ربّ نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیے۔ اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ پھر محبوبوں میں عالم الغیب ہونے کی صفت پیدا ہو جائے تو سراسر غلط ہے کیونکہ قرآن پاک کی رُو سے ہر وہ شخص جو نبی ﷺ کی پیروی کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ (آلِ عمران) مگر ہم نے آج تک کبھی کسی مسلمان میں یہ صفت نہیں پائی۔ اگر کسی عاشق کو دعویٰ ہو تو سامنے آئے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور عطاء کرنے سے کوئی عالم الغیب بن جاتا ہے تو پھر ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق عالم الغیب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو علوم غیبیہ عطا فرمائے۔ پیغمبروں نے اپنی اُمتوں کو بتلا دیئے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا محبوب بھی ہے جس کے بیچ میں علم غیب کی صفت ہو یا سب مبغوض ہی مبغوض ہیں:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ (النمل:٦٥)

”کہہ دیجئے آسمان والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔ انھیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب کھڑے کیے جائیں گے“۔

(الف) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے خاتم النّبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی۔ لہٰذا اگر حضور ﷺ کے بعد اور بھی نبی آ جائیں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)

مفتی صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے صحیح دیا ہے مگر سوال یہ ہے ان کے اپنے عقائد کا کیا بنے گا۔ خواجہ غلام فرید فوائد فریدیہ (ص ۷۲) میں فرماتے ہیں، فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ”میں عرش کرسی لوح اور قلم ہوں۔ میں جبریل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل ہوں، میں موسیٰ اور محمد ہوں“۔

کسی نے حسین بن منصور سے کہا تو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ ”فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر تو نے میری قدر کم کر دی میں تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں تُو پیغمبر دعویٰ کہتا ہے“۔ (ایضاً ص ۷۶)

مفتی صاحب نے ختم نبوت کا انکار کرنے والوں کو مرتد کہا ہے اور بالکل صحیح کہا ہے مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں ان کا ان بزرگوں کے بارے میں بلکہ بزرگوں کی اس بزرگی کو صحیح سمجھنے والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(ب) مفتی صاحب نے دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے: ”اعمال میں بظاہر اُمتی نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں“۔ (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی صاحب نے اس کا بھی ٹھیک جواب دیا ہے لیکن ان کے اس عقیدہ کا کیا بنے گا حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں: "میرا جھنڈا محمد ﷺ کے جھنڈے سے زیادہ ہے"۔ (فوائد فریدیہ ص ۷۳)

(ج) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے: "حضور ﷺ کا مثل و نظیر ممکن ہے"۔

بریلوی عقیدہ یہ بیان کیا ہے: "آپ ﷺ کا مثل محال بالذات ہے"۔

فی الواقع آپ ﷺ کا مثل و نظیر نہیں۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ آپ کی مثل و نظیر پیدا کرنے پر قادر نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال بالذات ہے اس میں بظاہر بے شک حضور ﷺ کی عزت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بے عزتی ہے۔ بریلویوں کو صرف نبی ﷺ کی مگر ہمیں اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عزت بھی ملحوظ ہے۔ نبی ﷺ کی ساری عزتیں اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴾ (یٰس: ۸۱)

"جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ بے شک قادر ہے اور وہی تو پیدا کرنے والا بڑے علم والا ہے"۔

بلکہ فرمایا:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (الزمر: ۶۵)

"اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا"۔

فرمایا:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴾ (الحاقہ: ۴۴تا۴۶)

"اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے"۔

گستاخی معاف جو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو نبوت سے محروم کر سکتا ہے بلکہ ان کی شخصیت کو ناپسند کر سکتا ہے کیا اس کے لیے آپ کی نظیر پیدا کرنا محال ہے۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ نبی ﷺ کا مقام اس سے بھی کہیں ہزاروں اور لاکھوں گنا زیادہ ہے جتنا کہ بریلوی سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھی چیلنج نہیں کرنا چاہیے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾۔

بریلویوں کو یہ عقیدہ کہ حضور ﷺ کا مثل و نظیر محال بالذات ہے۔ صرف کہنے کی باتیں ہیں ورنہ ان کا عقیدہ یہ ہے امام کی تقلید اتباع نبوی سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کے نزدیک تقلید چھوڑ کر قرآن و حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے۔ (ص ۲۶) ان کا مشہور نعرہ ہے:

رہبر و رہنما، بوحنیفہ اور رضا

مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں: "حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو۔ اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اللہ توفیق دے"۔ (وصایا شریف)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر تجھ کو صفات آدم، قدس جبریل، خلعت ابراہیم، شوق موسیٰ، پاکیزگی عیسیٰ اور حب محمد ﷺ سب کچھ عطا ہو جائے جب بھی خوش نہ ہونا۔ کیونکہ یہ سب حجابات ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۹۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے: "حضور ﷺ کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ بھی انسان ہیں"۔

بریلوی عقیدہ یہ بیان کیا ہے: "حضور ﷺ کو الفاظِ عام سے پکارنا حرام ہے۔ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے"۔

سوال یہ ہے کیا بریلویوں کو آنحضرت ﷺ کے انسان ہونے سے انکار ہے۔ انسان بشر ہی کو کہتے ہیں۔ اگر آپ بشر نہیں تو پھر خیر البشر کا سہرا کس کے سر سجایا جائے گا؟ جب بریلویوں کو نبی ﷺ کا بشر ہونا تسلیم ہے تو کیا بھائی کا لفظ اس سے کم عزت والا ہے۔

نیز عرض ہے نام لینے اور پکارنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ضرورت کے وقت بڑوں کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن اس نام سے انھیں پکارا نہیں جاتا کیونکہ یہ بدتمیزی ہوتی ہے بریلویوں پر افسوس ہے یہ نبی علیہ السلام کو "یا محمد" کہہ کر پکارتے اور لکھتے ہیں:

اساں یا محمد (ﷺ) کہنا اے   وہابیاں سڑدیاں رہنا اے

حالانکہ اخلاقاً بڑے بھائی کو بھی نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ کیا بریلویوں نے کبھی اہل توحید کو بھی دیکھا ہے کہ انھوں نے کبھی نبی ﷺ کو الفاظ عام سے پکارا ہو۔ الفاظ عام ہوں یا خاص وہ تو حضور ﷺ کو پکارنے کے قائل ہی نہیں۔ غیر اللہ کو پکارنا بریلویوں اور شیعوں ہی کا ٹریڈ مارک ہے۔ میں پوچھتا ہوں یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کہنا کیوں ضروری ہے۔ اور کس کے حکم سے ضروری ہے۔ رسول اللہ اور حبیب اللہ کے الفاظ ہمارے سر آنکھوں پر۔ ان الفاظ کے لیے ہمارے دیدہ و دل فرش راہ۔ لیکن حرف یا میں تو کوئی تقدس نہیں ہے۔ حرف یا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بھی پکارا ہے۔ ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ یہود و نصاریٰ کو بھی پکارا ہے ﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بھی پکارا ہے۔ ﴿اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ یہ تو ضرورت کے لیے بلانے کا ایک حرف ہے۔ اس سے کسی کو بھی بلایا جا سکتا ہے۔ جب تک آنحضرت ﷺ حیات رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر بلاتے رہے۔ جب آپ ﷺ انتقال فرما گئے تو پھر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا انھوں نے کبھی یا رسول اللہ! کہہ کر بلایا ہو۔ یہ حماقت بریلویوں کے حصہ آتی ہے۔

(ذ) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے کہ "حضور ﷺ کو اُردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آ گیا"۔ (براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد)

بریلوی عقیدہ یہ بیان کیا ہے: "رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں۔ حضور ﷺ کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے۔ تو جو یہ کہے کہ حضور ﷺ کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے"۔

دیوبندی حوالہ اگر صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا نبی ﷺ بھی فاضل دیوبند ہو گئے۔ میرے بھائی اہل دیوبند نے اگر حضور ﷺ کو اُردو سکھلا دی ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے، اہل دیوبند نے تو آپ کو عینک بھی لگوا دی ہے۔ (نہجۃ القلوب ص ۱۶)

مفتی صاحب نے ایک اُردو کی بات کی ہے اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو ساری زبانیں سکھلا دی ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا مجھے یہود کی کتاب پر اعتماد نہیں۔ میں نے نصف ماہ میں یہ زبان سیکھ لی پھر نبی ﷺ کی طرف سے میں ہی یہود کی طرف خطبہ و کتابت کرتا۔ (ترمذی باب السریانیہ حدیث ۲۷۱۵، مشکوۃ باب السلام ص ۳۹۹) [1] اگر نبی ﷺ سریانی زبان سے آشنا ہوتے تو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے یہود پر اعتماد نہیں۔

(ر) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے: "ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔ (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل)

تخریج: [1] حسن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریلوی عقیدہ یہ بیان کیا ہے: "(جو) نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمار ہے"۔

گزارش ہے کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ نے تو اپنی معرکۃ الآرا تصنیف تقویۃ الایمان میں نبی اور غیر نبی کے الفاظ لکھے ہی نہیں۔ یہ الفاظ مفتی صاحب نے خود درج فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور ملعون چمار سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص: ۸۸) "ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اُس کی ذات"۔

نبی ﷺ کو شاعر لبید کا یہ مصرع بہت پسند تھا:

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل. (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری ص ۹۰۸ حدیث ۶۱۴۷)

"اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فانی ہے"۔

اگر اس آیت اور مصرعہ کا ترجمہ کرتے وقت بریکٹ میں نبی اور غیر نبی کے الفاظ لکھ دیئے جائیں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بلکہ مفتی صاحب کے اسی فقرے میں ذلیل جانے کے آگے بریکٹ میں مفتی صاحب کے یہی خود ساختہ الفاظ لکھ دیئے تو کیسا رہے گا۔ اصل میں مفتی صاحب نے خود ہی جھوٹ بول کر نبی ﷺ فداہ امی وابی کی عزت کو خطرہ میں ڈالا ہے۔

(ز) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے: "نماز میں حضور ﷺ کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے"۔ (صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)

بریلوی عقیدہ بیان کیا ہے: "جس نماز میں حضور ﷺ کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیے التحیات میں حضور ﷺ کو سلام کرتے ہیں"۔

عرض ہے کہ صراط مستقیم شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تصنیف ہی نہیں۔ یہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔ جس کسی نے بھی یہ بات لکھی ہے بہت غلط لکھی ہے نماز میں تو ہر ایک کا خیال آ سکتا ہے۔ قرآن پاک میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کا خیال آنا تو یقینی ہے مثلاً انبیاء، فرشتے، جنت دوزخ، شیاطین، نمرود، فرعون، ہامان، قارون، کفار، یہود و نصاریٰ، یاجوج ماجوج، ابولہب، ذوالقرنین، اونٹ، گائے، بکرے، دُنبے، بندر خنزیر، شیر، گدھے، مچھلی وغیرہ۔ تشہد کے بعد تعوذ میں دجال کا بھی ذکر ہے۔ اصل بات تو صرف اتنی ہے کہ بحیثیت معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال دل میں نہیں لانا چاہیے۔ صراط مستقیم والا بھی یہی کہنا چاہتا ہوگا لیکن افسوس کہ اسے ڈھنگ کے الفاظ نہ مل سکے۔

(س) دیوبندی عقیدہ بیان کیا ہے: "میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ ﷺ پُل صراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور ﷺ گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور ﷺ کو گرنے سے روکا"۔ (بلغۃ الحیران مبشرات مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد)

نام یاد نہیں رہا کافی دیر ہوئی مجھے کسی نے بتلایا تھا کہ انھیں ایک بریلوی مولوی صاحب کا خطاب سننے کا موقع ملا۔ مولوی صاحب نے جشن عید میلاد النبی ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جنت میں جشن میلاد منایا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ بھی تشریف لایا۔ حوروں نے کیلے کھا کر چھلکے سڑک پر پھینکے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر سے پھسل گیا تو شیخ عبدالقادر جیلانی نے اچانک نمودار ہو کر اللہ تعالیٰ کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرنے سے بچالیا"۔ تو جب بریلوی اللہ تعالیٰ کو گرنے سے بچاسکتے ہیں تو دیوبندیوں نے اگر نبی ﷺ کو بچالیا تو کیا مضائقہ ہے۔

(ش) مفتی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں: "مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہی منہ سے نکلتا تھا۔ پھر بیدار ہو گیا تو درود شریف پڑھا تو یوں اَللّٰھُمَّ صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی۔ بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔ اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ تم جس طرف رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے"۔ (۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ ص ۳۵)

عرض ہے کہ ایک شخص خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنا مرید بنالیں فرمایا کہو لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ۔ (فیوضات فریدیہ ص ۸۳)

ابوبکر شبلی بھی اپنے بیعت ہونے والے شخص سے یہی کہتے تھے کہ کہو لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ۔ (تذکرہ غوثیہ ص ۳۲۰ از حضرت مولانا شاہ گل حسن)

دعویٰ رسالت تو ایک طرف رہا بریلویوں کے پسندیدہ بزرگوں نے دعویٰ اُلوہیت بھی کیا ہے۔ کسی نے مولوی احمد رضا خاں صاحب سے فتویٰ پوچھا کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حضرات منصور وتبریز وسرمد نے ایسے الفاظ کہے ہیں جن سے خدائی ثابت ہوتی ہے الخ۔ تو اس کی تائید اور تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ حضرات اس وقت شجرِ موسیٰ ہوتے ہیں"۔ (احکامِ شریعت ص ۱۵۸، ۱۵۹)

ان اقتباسات کے بارے میں مفتی صاحب کا کیا خیال ہے؟

معلوم ہوا شیشے کے گھر میں بیٹھ کر شریکوں پر سنگباری نہیں کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین!)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

نوٹ: حضرت خواجہ صاحب کی کتاب معرکہ حق وباطل مفتی احمد یار خان گجراتی کی کتاب جاء الحق کے پہلے حصے کا جواب ہے۔ جبکہ جاء الحق کے دوسرے حصے کا جواب حی علی الصلوٰۃ اور قد قامت الصلوٰۃ میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔ (ادارہ مکتبۃ الحرمین)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خواجہ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و تحقیقی تصانیف

① قد قامت الصلوٰۃ
② حی علی الصلوٰۃ
③ وسیلہ - کتاب و سنت کی روشنی میں
④ تعویذ اور دم
⑤ قبر پرستی اور سماع موتی
⑥ حدیث اور غیر اہلحدیث
⑦ طلاق ثلاثہ (تین طلاقیں)
⑧ مقالات خواجہ قاسم
⑨ پردہ
⑩ قربانی
⑪ ایثار
⑫ وجۂ تسمیۂ اہلحدیث
⑬ اصلی اہل سنت والجماعت
⑭ فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر
⑮ ہدایہ عوام کی عدالت میں
⑯ کراچی کا عثمانی مذہب
⑰ نظریہ پاکستان اور اس کے تقاضے
⑱ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حقیقت
⑲ تقلید شخصی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
⑳ معرکہ حق و باطل

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مصنّف اور تصنیف کے بارے میں

خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہلحدیث کے مشہور عالم دین تھے۔ جو تصنیف وتالیف کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے اور پوری تحقیق سے اپنی علمی کاوشوں کو صفحات قرطاس پر مرتسم کرتے تھے۔ ہر بات باحوالہ، ہر جملہ محققانہ اور فقرہ مخلصانہ ہے۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اور ہر کتاب کے ہر ورق میں وُسعت مطالعہ کا ثبوت بہم پہنچایا۔ تصنیفی نقطہ نظر سے یہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مرحم فرمائی تھی اس کتاب معرکہ حق وباطل میں بھی انھوں نے اپنے اس اسلوب کو برقرار رکھا ہے جس کتاب کے جواب یا ردّ عمل کے طور پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف نے ہر مقام پر جارحیت کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ پوری کتاب میں جارحیت اور غلط بیانیوں سے بھرپور ہے۔ اگر اس سے جارحانہ عنصر نکال دیا جائے تو باقی کچھ بھی نہیں رہتا۔ اس کے برعکس خواجہ صاحب نے نہایت اعتدال اور انتہائی توازن کے ساتھ اصل واقعات کی تصویر کشی کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انہوں نے قاری کو معلومات بھی دی ہیں۔ اعتدال پسند رویہ اختیار کرنے کی تلقین بھی کی ہے خوب صورت زبان بھی دی ہے اور دل میں اترنے والا مواد بھی دیا ہے۔ کتاب کے فاضل مصنف سے ہمیں یہی توقع تھی جس طرح وہ معاشرتی زندگی میں حلم اور نرمی کے پیکر تھے اور مجلس میں خوش گفتار تھے یہی انداز انہوں نے اس کتاب میں اختیار کیا ہے۔ خاندانی اعتبار سے جہاں تک میں جانتا ہوں انھوں نے یہ اوصاف اپنے بزرگوں سے ورثے میں حاصل کیے ہیں۔ اب آیئے اصل کتاب کا مطالعہ کر کے حقیقت حال سے آگاہ ہونے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں اور مرحوم کی مغفرت کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دست التجا دراز کریں۔

محمد اسحاق بھٹی
ادارہ ثقافت اسلامیہ

مکتبۃ الحرمین ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ